کلیات داغ
نواب فصیح الملک بہادر
حضرت داغ دہلوی
کتابی دنیا دہلی

کلیات داغ

دبیرالدولہ ناظم یار جنگ جہاں اُستاد بلبل ہندوستان

نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی

گلزار داغ

آفتاب داغ

مثنوی فریاد داغ

مہتاب داغ

یادگار داغ

کتابی دنیا۔ دھلی

KULLIYAT-E-DAGH

(Urdu Poetry)

by

Nawab Fasihul Mulk Bahadur

HAZRAT DAGH DEHLVI

Year of first Edition 2004

ISBN-81-87666-16-1

Price : Rs.600/=

نام کتاب ---------------------کلیات داغ

شاعر---نواب فصیح الملک بہادر حضرت داغ دہلوی

سنہ اشاعت ---------------------۲۰۰۴ء

قیمت ------------------------۶۰۰ روپے

مطبع ----9149--------کاک آفسیٹ پرنٹرس، دہلی ۶

KITABI DUNIYA

1955, Gali Nawab Mirza, Mohalla Qabristan,
Turkman Gate, Delhi.110006 (INDIA)
E-mail: kitabiduniya@rediffmail.c
Phone : 23288452,Reliance Mobile: 35972589

گلزار داغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ردیف الف

۱

عدوے سامری فن دیکھے اعجاز رقم میرا
عصائے موسوی ہے حمد خالق میں قلم میرا

برنگ بوئے گل ہے ہر نفس یاد الٰہی میں
قیامت تک بھرے گی دم نسیم صبح دم میرا

سلامت منزل تک مقصود تک اللہ پہنچا دے
مجھے آنکھیں دکھاتا ہے ہر اک نقش قدم میرا

یہ دود شمع دل ز اتوں کو لیتا ہے تجلی کی
خجل کرتا ہے زلف حور کو بھی پیچ و خم میرا

کہیں سودائیاں عشق کو تفریح ہوتی ہے
بہت چھانا ہوا ہے باغ فردوس و ارم میرا

الٰہی کعبہ تسلیم میں یوں باریابی ہو
بڑھے لبیک کہہ کر پیشتر سب سے قدم میرا

مجھے آباد کرتا ہے مجھے برباد کرتا ہے
خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا

تری بندہ نوازی ہفت کشور بخش دیتی ہے
جو تو میرا جہاں میرا عرب میرا عجم میرا

فنا فی اللہ ہو کر پاؤں عمر جاوداں ایسی
مسیح و خضر کی ہستی سے بڑھ کر ہو عدم میرا

سنا جب سے یہ دولت آدمی کو تو نے بخشی ہے
نہیں پھولا سماتا خاطر غمگین میں غم میرا

الٰہی نقش ہو کلمہ رسول اللہ کا دل پر
چلے کونین میں نام محمدؐ سے درم میرا

جلوں گا حشر تک اے داغ میں سوز محبت سے
نہ دے گی ساتھ تا روز جزا شمع حرم میرا

۲

یہاں بھی تو وہاں بھی تو زمیں تیری فلک تیرا
کہیں ہم نے پتا پایا نہ ہرگز آج تک تیرا

صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے واحد مطلق
نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

جمال احمدؐ و یوسفؑ کو رونق تو نے بخشی ہے
ملاحت تجھ سے شیریں حسن شیریں میں نمک تیرا

ترے فیض کرم سے نار و نور آپس میں یک دل ہیں
ثنا گر یک زباں ہر ایک ہے جن و ملک تیرا

کسی کو کیا خبر کیوں خیر و شر پیدا کئے تو نے
کہ جو کچھ ہے خدائی میں وہ ہے بے ریب و شک تیرا

نہ جلتا طور کیونکر کس طرح موسی نہ غش کھاتے
کہاں یہ تاب و طاقت جلوہ دیکھے مردمک تیرا

دعا یہ ہے کہ وقت مرگ اس کی مشکل آسان ہو
زباں پر داغ کے نام آئے یا رب یک بیک تیرا

۳

اللہ شوقؔ دے مجھے نعت شریف کا — شہرہ ہو خوب میرے کلام لطیف کا
سرسبز کشت دل ہے محمدؐ کے عشق میں — کیا اس زمیں میں کام ربیع و خریف کا

اللہ رے اس کے علم لدنی کا معجزہ
امی سبق پڑھائے کتاب شریف کا

حسرت جس آبرو کی سلیمان کو رہی
یثرب میں ہے وہ مرتبہ مور ضعیف کا

شیطان بھاگتا ہے محمدؐ کے نام سے
کیا خوف اس پلید و خبیث و کثیف کا

مداح مصطفیٰؐ سے کرے کوئی بحث کیا
سبحان ہے خوشہ چیں مری طبع ظریف کا

ادنیٰ شجاعت احمد مرسل کی دیکھنا
کیا حال جنگ بدر میں تھا ہر حریف کا

ہے ناتواں عشق محمدؐ میں پہلوان
رستم سے ہو مقابلہ کب اس نحیف کا

صبر جمیل تھا کہ ستم پر ستم سہا
بوجہل و بولہب سے ذلیل و خفیف کا

اے داغ شعر ڈھل گئے نعت شریف میں
ہے فکر قافیہ نہ تردد ردیف کا

۴

خبر لے زاہد نافہم نہ میخواروں کا
بخشنے والا بھی دیکھا ہے گنہگاروں کا

سر شوریدہ کو تسکین وہیں ہوتی ہے
مجھ پر احسان ہے اس کوچے کی دیواروں کا

ڈر گئی نام شفا سن کے زہے خواہش مرگ
منہ ذرا سا نکل آیا تیرے بیماروں کا

دوش پر اپنی جو صیاد نے زلفیں چھوڑیں
اور جی چھوٹ گیا آج گرفتاروں کا

لائے گا کعبے سے تو مفت ثواب اے زاہد
حصہ پہلے سے ٹھہر جائے یہیں یاروں کا

اشک خوں آنکھ سے جلتے ہوئی اتنی ٹپکے
کہ جہاں ہوں میں وہاں فرش ہے انگاروں کا

زندہ درگور زمانے میں نہ ہوں گے ایسے
مرثیہ کہتے ہیں شاعر ترے بیماروں کا

اہل الفت کے لئے چاہئے شہرت اے دل
نام بکتا ہے محبت کے خریداروں کا

خیر گذاری کہ رہا تابہ مژہ سیل سرشک
رہے گا پردہ ترے کوچے کی دیواروں کا

چوس لیتے ہیں مرے زخم زباں پیکاں　　چھوڑ دیتے ہیں یہ منہ چوم کے سوفاروں کا

صبر ایوب کی اے داغ نہ کرنا خواہش
کہ محبت میں تو یہ کام ہے بیکاروں کا

۵

گر میرے بت ہوش ربا کو نہیں دیکھا　　اس دیکھنے والے نے خدا کو نہیں دیکھا

رہبر سے غرض کیا ہے جو منزل نظر آئے　　کعبے میں کبھی قبلہ نما کو نہیں دیکھا

سمجھا ہے شب ہجر عدو کو وہ قیامت　　ظالم نے ابھی روز جزا کو نہیں دیکھا

جنت ہے مگر خانہ دشمن بھی الٰہی　　آتے ہوئے اس گھر میں قضا کو نہیں دیکھا

جس شکل سے ہنستے ہیں مرے حال پہ احباب　　روتے ہوئے یوں اہل عزا کو نہیں دیکھا

اتنا تو بتا دے مجھے اے ناصح مشفق　　دیکھا ہے کہ اس ماہ لقا کو نہیں دیکھا

ایسی نظر شوخ میں تمکین نہیں دیکھی　　اس طرح تغافل میں حیا کو نہیں دیکھا

اغیار کے نالے تو بہت تم نے سنے ہیں　　مظلوم کی تاثیر دعا کو نہیں دیکھا

یہ اس کو رہی خاک نشینوں سے کدورت　　اپنی بھی تو نقش کف پا کو نہیں دیکھا

افسوس کہ فرصت میں کبھی غور سے تم نے　　افسانہ ارباب وفا کو نہیں دیکھا

جب داغ کو ڈھونڈھا کسی بت خانے میں پایا
گھر میں کبھی اس مرد خدا کو نہیں دیکھا

۶

ہو گئے پرخون دل عشاق آکر زیر پا
کیا لگا رکھا ہے ظالم تو نے خنجر زیر پا

مانع رفتار ہو کیا اس کو پتھر زیر پا
جس نے لاکھوں روند ڈالے کاسہ سر زیر پا

دامن دل کیا بچے اس کی خرام ناز سے
چاک ہو آجائے اگر دامان محشر زیر پا

تیرے ہاتھوں سے ہوا ہے اک زمانہ پائمال
پیس ڈالوں تجھ کو اے چرخ ستمگر زیر پا

آرزو کمبخت نے کی تھی خرام ناز کی
دے دیا اس نے مجھے دل کو مسل کر زیر پا

مثل ماہی تیرتا جاتا ہوں راہ شوق میں
چشم گریاں کی بدولت ہے سمندر زیر پا

پائملی سے نشان قبر کی آیا نہ چین
رکھ لیا ظالم نے میرا نام لکھ کر زیر پا

بزم دشمن میں لگی ایسے میرے تلووں سے آگ
فرش گل کو میں نے سمجھا اخگر زیر پا

میں وہ ہوں آتش قدم جس سے پگھلتے ہیں پہاڑ
موم ہو جاتا ہے جو آتا ہے پتھر زیر پا

عاشقوں سے ہوتے ہیں معشوق سرکش پائمال
رکھتی ہے قمری سر سرو و صنوبر زیر پا

قوت رفتار جب اس فتنہ گر کو مل گئی
آگیا روز ازل میرا مقدر زیر پا

توڑ کر اے محتسب میخانے سے باہر نہ پھینک
آ نہ جائیں ریزۂ مینا و ساغر زیر پا

کیا تماشا ہے جب آیا ہے اسے نرگس سے رشک
اس نے مل ڈالی ہیں میری دیدۂ تر زیر پا

دونوں دشمن ہیں بشر کے آسماں ہو یا زمیں
فتنہ گر بالائے سر ہے تو ستمگر زیر پا

خوف ہے اس کو نہ دامنگر ہو یہ وقت ذبح
ہاتھ بسمل کا دبا لیتا ہے اکثر زیر پا

وہ صراط عشق پر اے داغ ہو ثابت قدم
مشق کی ہو جس نے رکھ کر تیغ و خنجر زیر پا

۷

آج رزاہی جہاں سے داغ ہوا | خانہ عشق بے چراغ ہوا
کیا نشان وفا بھی اے ظالم | دل گم گشتہ کا سراغ ہوا
ایسی کیا بو سما گئی تم کو | ہم سے جو اس قدر دماغ ہوا
نہ مٹا نقش غیر جی سے ترے | یہ بھی میرے ہی دل کا داغ ہوا

دل پر خون جگر ہے جام طلسم کبھی خالی نہ یہ ایاغ ہوا
کیا اثر ہے کہ غنچہ تصویر اس کے ہنسنے سے باغ باغ ہوا
صبح وہ داغ دے گئے مجھ کو دن کو روشن مرا چراغ ہوا
عمر جاوید تو خضر کو ملے عیش جاوید سے فراغ ہوا
ہرزہ گردی میں ٹھوکروں سے مرے چاک دامان کوہ و داغ ہوا
آسمان گر گیا نظر سے مری عرش پر جب ترا دماغ ہوا
حال فردوس سن لیا واعظ وہ بھی کیا بے نظیر باغ ہوا
بعد استاد ذوق کے کیا کیا
شہرت افزا کلام داغ ہوا

۸

ثبات بحر جہاں میں اپنا فقط مثال حباب دیکھا
نہ جوش دیکھا نہ شور دیکھا نہ موج دیکھی نہ آب دیکھا
ہماری آنکھوں نے بھی تماشا عجب عجب انتخاب دیکھا
برائی دیکھی بھلائی دیکھی عذاب دیکھا ثواب دیکھا
نہ دل ہی ٹھہرا نہ آنکھ جھپکی نہ چین پایا نہ خواب آیا
خدا دکھائے نہ دشمنوں کو جو دوستی میں عذاب دیکھا
سرور میں جس سے جاں محزون اسی کو گردش وہی ہے پر خون
کہ چرخ زن مثل دور گردون بد ام جام شراب دیکھا

پڑے ہوئے تھے ہزار پردے کلیم دیکھو تو جب بھی غش تھے
ہم اس کی آنکھوں کے صدقے جس نے وہ جلوہ یوں بے حجاب دیکھا

جو راہ میں تیرے آکے بیٹھے وہ فکر دیر و حرم سے چھوٹے
کہ تیرے کوچے کے ساکنوں نے بہشت میں بھی عذاب دیکھا

یہ دل تو اے عشق گھر ہے تیرا کہ جس کو تو نے بگاڑ ڈالا
مکاں سے تالا مکاں جو دیکھا تجھی کو خانہ خراب دیکھا

سرور عیش و نشاط کیسی بدل گئی رنگ ہی جہاں کے
سنا نہ کانوں سے تھا جو ہم نے وہ آنکھ سے انقلاب دیکھا

جو تجھ کو پایا تو کچھ نہ پایا یہ خاکداں ہم نے خاک پایا
جو تجھ کو دیکھا تو کچھ نہ دیکھا تمام عالم خراب دیکھا

شراب غفلت سے داغ غش تھے دکھائے غفلت نے کیا تماشے
کہ سوتے سوتے جو چونک اٹھے مگر کوئی تم نے خواب دیکھا

۹

آخر کو عشق کفر سے ایمان ہو گیا — میں بت پرستیوں سے مسلماں ہو گیا
کیوں صرفہ نگاہ مری جان ہو گیا — اک تیر اور میں ترے قربان ہو گیا
کیا جانے چپ ہے کیوں تری صورتوں کو دیکھ کر — آئینہ میں نہیں ہوں کہ حیران ہو گیا
قاتل نہ روک ہاتھ کہ رکتی ہے میری جان — خنجر تو اور دم کا نگہبان ہو گیا
مے تو حلال ہے، جو پئے ڈھب سے بادہ نوش — میں توبہ کرکے اور پشیمان ہو گیا

رندان بے ریا کی ہے صحبت کسے نصیب
زاہد بھی ہم میں بیٹھ کے انسان ہو گیا

اس غنچے میں سمائی ہے وہ وحشت برنگ بو
دل کتنی تنگیوں پہ بیاباں ہو گیا

گر دل پھٹا ہے مجھ سے ترا سہل ہے علاج
یا یہ بھی چاک جیب مری جان ہو گیا

حسرت کسی طرف ہے تمنا کسی طرف
مجموعہ اپنے دل کا پریشان ہو گیا

حاصل ہوئے مزے تری خنجر کے غیر کو
سر پر ہماری مفت کا احسان ہو گیا

کیا حال دل کہیں کہ دم عرض مدعا
تیرا عتاب حلق کا دربان ہو گیا

امید ہے کہ بہر عیادت وہ آئیں گے
آزار میری جان کو ارمان ہو گیا

لو اے بتو سنو کہ وہ داغ صنم پرست
مسجد میں جاکے آج مسلمان ہو گیا

۱۰

اس بزم میں شریک تو جایا نہ جائے گا
میں جاؤں گا اگر مرا سایا نہ جائے گا

دل لے کے اس کی بزم میں جایا نہ جائے گا
یہ مدعی بغل میں چھپایا نہ جائے گا

اے حشر امتیاز کہ ہم ہیں شہید ناز
مردوں کی طرح ہم کو اٹھایا نہ جائے گا

دل کیا ملاؤ گے کہ ہمیں ہو گیا یقین
تم سے تو خاک میں بھی ملایا نہ جائے گا

جو دل دکھا رہا ہے مزہ ہر گھڑی مجھے
آنکھوں سے سو برس بھی دکھایا نہ جائے گا

دشمن کے آگے سر نہ جھکے گا کسی طرح
یہ آسمان زمین سے ملایا نہ جائے گا

فتنہ نہیں ہوں جس کو اٹھایا کرے فلک
مجھ سے گرے ہوئے کو اٹھایا نہ جائے گا

زلفیں نہیں کہ شانے سے آراستہ کیا
بگڑا ہوا مزاج بنایا نہ جائے گا

اے داغ تجھ کو رزق کی خواہش ہے چرخ سے
اتنا یہ غم کھلائے گا کھایا نہ جائے گا

۱۱

یوں وہ پیغام سے تو آئے گا غیر کے نام سے تو آئے گا
شب ہجراں سے موت بہتر ہے خوب آرام سے تو آئے گا
یوں نہ آئے گا ہاتھ گر وہ صنم ترک اسلام سے تو آئے گا
لے ہی تو آئیں گے اسے ہمدم میرے ہی نام سے تو آئے گا
مرغ دل سے امید ہے یہ اسیر چھٹ گیا دام سے تو آئے گا
ساقیا مجھ سے بادہ کش کو سرور ایک ہی جام سے تو آئے گا
چپ رہیں گے حیا سے وہ کب تک غصہ الزام سے تو آئے گا
دل کا آنا ہے کام سے جانا جائے گا کام سے تو آئے گا
کبھی اپنا بھی روز خوش اے داغ
دور ایام سے تو آئے گا

۱۲

کرے انصاف دنیا میں اگر آفت کے ماروں کا
بنے خود آسماں پھاہا تمہارے دل فگاروں کا
ستم وہ چشم کافر سے ترے چلنا اشاروں کا
غضب وہ دل پکڑ کر بیٹھ جانا بیقراروں کا
خدا جانے ہوئی ہیں دفن کیا کیا حسرتیں دل میں
پھپولوں سے مرے سینے پہ عالم ہے مزاروں کا

تمہیں چاہا اگر چاہا خطا الفت پرستوں کی
تمہیں دیکھا اگر دیکھا گنہ امیدواروں کا

بتوں سے عفو جرم عشق بھی چاہیں تو کہتے ہیں
خدا تو ہم نہیں بخشیں گنہ تقصیر واروں کا

دکھاتا ہے فلک یہ خندۂ دندان نما اپنا
وگرنہ اس شب فرقت میں یہ جلوہ ستاروں کا

نگہ چپکے ہی دیتی ہے تو دل چپکے ہی دیتا ہے
تمہارے گھر ٹھکانا کونسا ہم بے سہاروں کا

بڑے اہل یقیں ہم سے جفا کو جو وفا سمجھیں
بھلے ہیں بدگماں ہی دل ہے اور بے اعتباروں کا

ترا اک وعدۂ دیدار اور وہ بھی قیامت پر
پھر اس پر صبر اتنا ہائے دل امیدواروں کا

قسم ہے تجھ کو زاہد کیا کرے اگر آنکھ سے دیکھے
چھلکنا ساغر مے کا چکھنا بادہ خواروں کا

سنو افسانہ فرہاد دیکھو قصہ مجنوں
غرض کیا تم کو پوچھو حال ہم حسرت کے ماروں کا

کبھی بیٹھے کبھی اٹھے کبھی لوٹے کبھی تڑپے
تماشا دید کے قابل ہے تیرے بیقراروں کا

نہ فرصت ہے نہ راحت ہے غزل اے داغ کیونکر ہو
مگر کیا کیجئے مجبور جو ارشاد یاروں کا

۱۳

ہائے مہماں کہاں یہ غم جاناں ہو گا
خانہ دل تو کوئی روز میں ویراں ہو گا

ہو کے ظاہر تو کیا عشق نے اک حشر بپا
حسرت اس دل پہ کہ جس دل میں یہ پنہاں ہو گا

منحصر دل ہی پہ رکھتا نہ محبت تیری
میں نہ سمجھا تھا یہ کمبخت پشیماں ہو گا

کوستا ہوں جو نصیبوں کو تو کہتا ہے وہ شوخ
پھر محبت نہ کرے گا اگر انساں ہو گا

جس قدر آج ستانا ہے ستا لے ہم کو
روز محشر بھی تو کل اے شب ہجراں ہو گا

دم مری آنکھوں میں اٹکا ہے کہ دیکھوں تو سہی
کیا مسیحا سے مرے درد کا درماں ہو گا

زندگی عشق میں مشکل ہے تو مر جائیں گے
اب سے وہ کام کریں گے جو آساں ہو گا

اب کہاں لخت جگر سینے میں اے دیدۂ تر
اور ہو گا تو سر گوشہ داماں ہو گا

آپ کے سر کی قسم داغ کو پروا ہی نہیں
آپ کے ملنے کا ہو گا جسے ارماں ہو گا

۱۴

کیا لہو اس سخت جاں کا عشق میں سم ہو گیا
چاٹتی ہے خنجر خونخوار بیدم ہو گیا

روتے روتے چشم تر کو دل کا ماتم ہو گیا
روز کا مہمان اپنے گھر کا محرم ہو گیا

دیکھ تو کیا تشنگی سے میرا عالم ہو گیا
قطرۂ مے ساقیا کیا۔ جان آدم ہو گیا

جان کے جاتی ہے اچھی ہو گئی سب داغ و زخم
شعلہ پنبہ ہو گیا ناسور مرہم ہو گیا

حسن میں انداز کے آتے ہی نخوت آگئی
زلف میں پڑتے ہے بل ابرو بھی پر خم ہو گیا

ہے نسیم صبح کیا کیا مشک افشاں عطر بیز
رات کس کا طرۂ طرار برہم ہو گیا

بن گئی فرقت میں جو کچھ اپنے جی پر بن گئی
ہو گیا جو کچھ ہمارے دل کا عالم ہو گیا

عشق کیا شے ہے وہ یہ شے ہے کہ دل میں شوق وصل
خون ہو کر آگیا غم بن گیا سم ہو گیا

بجھ گیا گلرو کے آگے شمع و گل کا جب چراغ
بلبلوں میں شور پروانوں میں ماتم ہو گیا

کیوں تغافل ہم سے ہے چشم عداوت ہی سہی
کیا نگاہ ناز میں اب قہر بھی کم ہو گیا

رات بھر کہتے رہے تم داغ ان سے دل کا حال
ایک شب میں اس قدر اخلاص باہم ہو گیا

۱۵

کی ترک مے تو مائل پندار ہو گیا
میں توبہ کرکے اور گنہگار ہو گیا

اس کی طرف سے دل نہ پھرے گا کہ ناصحو
اب ہو گیا یہ جس کا طرفدار ہو گیا

کس کس کی چاہ کیجئے کس کس کی آرزو
اک دل ہزار غم میں گرفتار ہو گیا

محشر میں کون ہو گا کرم کا ترے گواہ
گر غیر بھی ہمارا طرفدار ہو گیا

وہ فتنہ جس کا حشر پر اٹھنا ہے منحصر
ہر بار تیری چال سے بیدار ہو گیا

اک حرف آرزو پہ وہ مجھ سے خفا ہوئے
اتنی سی بات کہہ کے گنہگار ہو گیا

اے دل مرے خیال میں تیرا ہے مدعا
تو اے رقیب کب سے مرا یار ہو گیا

جس کی بغل میں شب کو وہ ہو اس کو دیکھیے
جس وقت آنکھ کھل گئی دیدار ہو گیا

اے داغ کیا بتائیں محبت میں کیا ہوا
بیٹھے بٹھائے جان کو آزار ہو گیا

۱۶

نالا ہر اک بشر کے جگر سے نکل گیا
جی ہی نکل گیا وہ جدھر سے نکل گیا

عالم میں ایک تو نظر آیا نظر فریب
عالم تمام اپنی نظر سے نکل گیا

اللہ رے اس کا حسن ترقی بلا کی ہے
ہر موئے زلف موئے کمر سے نکل گیا

تاثیر سرزمین سے بنا فتنہ وہ غبار
جو مل کے تیری راہ گذر سے نکل گیا

کچھ ہو گا مجھ کو نالہ شب گیر سے حصول
کچھ مدعا دعائے سحر سے نکل گیا

کاہیدگی نے پھینک دیا دور اس قدر
کوسوں میں آپ اپنی نظر سے نکل گیا

نکلا جدھر وہ شوخ ہوا شور دیکھنا
دل کو جھپٹ کے کوئی ادھر سے نکل گیا

بل بے گداز عشق کہ پیکان دلنشین
اک اشک بن کے دیدۂ تر سے نکل گیا

جس دل پہ وہ نگاہ پڑی دل کے پار تھی
یہ نیچہ ہزار سپر سے نکل گیا

اللہ رے جوش گریہ کہ اس جذب وضبط پر
دریا ہمارے دیدۂ تر سے نکل گیا

وہ داغ بیوفا تو نہ ہو آج دھوم سے
کوئی غلام آپ کے گھر سے نکل گیا

۱۷

سو حسرتیں تو آئیں گیا ایک دل گیا
ملنا تھا جو مجھے مری قسمت کا مل گیا

میں مر گیا جو وہ لب جان بخش مل گیا
یارب تم مسیح میں کیا زہر مل گیا

اس نے لیا جو آئینے میں بوسہ اپنا آپ
اللہ رے ناز کی لب گلفام چھل گیا

جنت اسی کا نام اگر ہے تو بس سلام
محفل میں تیری جو کوئی آیا نجل گیا

ہوتے ہی صبح کاش نہ مرتا شب وصال — افسوس ہے کہ یار بہت منفعل گیا

میں تفتہ جاں ہوں آگ تو سیماب ہے وہ شوخ — اے دل بڑا غضب ہے جو تو متصل گیا

میں نے تو اپنے واسطے کی تھی دعائے وصل — الٹا اثر ہوا وہ رقیبوں سے مل گیا

ہستی میں ہیں عدم کے مزے عاشقوں کو داغ
قالب میں جان آتے پہلو سے دل گیا

۱۸

جو سر میں زلف کا سودا تھا سب نکال دیا — بلا ہوں میں یہی کہ آئی بلا کو ٹال دیا

یقیں ہے ٹھوکریں کھا کھا کر کچھ سنبھل جائے — کہ اس کی راہ میں ہم نے بھی دل کو ڈال دیا

جہاں میں آئے تھے کیا رنج ہے اٹھانے کو — الٰہی تو نے ہمیں کس بلا میں ڈال دیا

خدا کریم ہے یوں تو مگر ہے اتنا رشک — کہ میرے عشق سے پہلے تجھے جمال دیا

تمہیں کہو کہ کہاں تھی یہ وضع یہ ترکیب — ہمارے عشق نے سانچے میں تم کو ڈھال دیا

بتوں کے دین میں ہے لوٹنا ثواب ایسا — کہ جیسے راہ خدا مفلسوں کو مال دیا

پیام وصل ہی کیوں اب رقیب کے ہاتھوں — نکالنا تھا مجھے آپ نے نکال دیا

بتائیں لفظ تمنا کے تم کو معنی کیا — تمہارے کان میں اک حرف ہم نے ڈال دیا

سر عدالت محشر جواب کیا دو گے — جو داد خواہوں نے تم پر کوئی سوال دیا

نہیں عدو تو خیال عدو ہی خلوت میں — کسی بہانے سے اس کو نہ تم نے ٹال دیا

ہمیں خدا نے بہت رنج و غم دیا اے داغ
بتوں کی دل میں نہ تھوڑا سا رحم ڈال دیا

ستم ہی کرنا جفا ہی کرنا نگاہ الفت کبھی نہ کرنا
تمہیں قسم ہے ہمارے سر کی ہمارے حق میں کمی نہ کرنا

ہماری میت پہ تم جو آنا تو چار آنسو بہا کے جانا
ذرا رہے پاس آبرو بھی کہیں ہماری ہنسی نہ کرنا

کہاں کا آنا کہاں کا جانا وہ جانتے ہی نہیں یہ رسمیں
وہاں ہے وعدے کی بھی یہ صورت کبھی تو کرنا کبھی نہ کرنا

لئے تو چلتے ہیں حضرت دل تمہیں بھی اس انجمن میں لیکن
ہمارے پہلو میں بیٹھ کر تم ہمیں سے پہلو تہی نہ کرنا

نہیں ہے کچھ قتل ان کا آسان یہ سخت جان ہیں برے بلا کے
قضا کو پہلے شریک کرنا یہ کام اپنے خوشی نہ کرنا

ہلاک انداز وصل کرنا کہ پردہ رہ جائے کچھ ہمارا
غم جدائی میں خاک کرکے کہیں عدو کی خوشی نہ کرنا

مری تو ہے بات زہر ان کو وہ ان کے مطلب ہی کی نہ کیوں ہو
کہ ان سے جو التجا سے کہنا غضب ہے ان کو وہی نہ کرنا

ہوا اگر شوق آئینے سے تو رخ رہے راستی کی جانب
مثال عارض صفائی رکھنا برنگ کا کل کجی نہ کرنا

وہ ہی ہمارا طریق الفت کہ دشمنوں سے بھی مل کے چلنا
یہ ایک شیوہ ترا ستمگر کہ دوست سے دوستی نہ کرنا

ہم ایک رستہ گلی کا اس کی دکھا کے دل کو ہوئے پشیمان
یہ حضرت خضر کو جتا دو کسی کی تم رہبری نہ کرنا

بیان درد فراق کیسا کہ ہے وہاں اپنی یہ حقیقت
جو بات کرنی تو نالہ کرنا نہیں تو وہ بھی کبھی نہ کرنا

مدار ہے ناصحو تمہیں پر تمام اب اس کی منصفی کا
ذرا تو کہنا خدا لگی بھی فقط سخن پروری نہ کرنا

بری ہے اے داغ راہ الفت خدا نہ لے جائے ایسے رستے
جو اپنی تم خیر چاہتے ہو تو بھول کر دل لگی نہ کرنا

۲۰

نہ جانا جان کا ایسا کسی نے جلد کھو جانا
تمہارا دو قدم چلنا یہاں پامال ہو جانا

کریں کیا بات تجھ سے فتنہ گر اک کھیل ہے تجھ کو
الجھ پڑنا بگڑنا رنج کرنا غصہ ہو جانا

ہمیں آگاہ تھے اس آپ کے دل کی کدورت سے
بظاہر صاف باطن آپ کو عالم نے گو جانا

بلا سے جانتا یہ رحم دل وہ خوش تو ہو جاتے
برا ہو دل کا کیا جانا کہ ان کو تند خو جانا

رہے ہو جس طرح دل میں رہو نظروں میں بھی یونہی
کہاں کی ایسی گھبراہٹ ہے ٹھہرو دم تو لو جانا

بظاہر ہے دوئی پر اصل میں وحدت ہے
نہ جانا ایک تونے ہائے غافل دو کو دو جانا

عدوے نیش زن کی آپ سنتے ہیں وہ کہتا ہے
کہ جب آنا اسی کانٹے ہمارے حق میں بو جانا

اٹھائے غیر نے جو ناز بیجا اس کو وہ جانے
مجھے بھی تم نے وہ سمجھا مجھے بھی تم نے دو جانا

بہت باغ جہاں میں سیر کی اے داغ کیا کہئے
نہ دیکھا ہم نے جو دیکھا نہ جانا ہم نے جو جانا

۲۱

ہوا ہے جیسے شہرہ اس عدوی دین و ایماں کا
کوئی دل چیر کر دیکھے عقیدہ ہر مسلماں کا

مزہ ہر ایک کو تازہ ملا ہے عشق جاناں کا
نگہ کو دید کا لب کو فغاں کا دل کو ارماں کا

نہیں معلوم اک مدت سے قاصد حال کچھ واں کا
مزاج اچھا تو ہے یادش بخیر اس آفت جاں کا

مری تقدیر کی برگشتگی سب میں بری ٹھہری
حسینوں کے لئے اک حسن ہے برگشتہ مژگاں کا

اگا ہے سبزہ کیسا حوض مے کے گرد ایسا کہ
خضر آئے نہ ہوں چشمہ سمجھ کر آب حیواں کا

ہوا رونے سے دل خالی کہاں اب تک بھی باقی ہے
خزینہ شوق و ارمان کا دفینہ یاس و حرماں کا

اوڑایا جیسے تونے چٹکیوں میں اس کو اے قاتل
یہ زخم دل بھی ہنس کر منہ چڑاتا ہے نمکداں کا

خوشامد اس قدر کی ہو گیا بدنام عالم میں
زمانہ جانتا ہے مجھ کو یہ عاشق ہے درباں کا

جنوں میں خامہ فرسائی سے توڑے ہیں قلم اتنے
ہمارا گھر نہیں ہے اک نمونہ ہے نیستاں کا

یہ کیا ہے آج غیروں سے مری تعریف ہوتی ہے
یہ کیا ہے خود بیاں ہوتا ہے اپنی جور پنہاں کا

کوئی یہ استراحت چھوڑ کر کیوں جائے اے قاتل
دل بیتاب گہوارہ بنا ہے تیرے پیکاں کا

بناتا ہے وہ ظالم تودۂ تیر ستم ہی ہے
کہاں اڑ جائے لے کر قبر کو مردہ مسلماں کا

تمہارا گھر تمہارا گھر نہیں مہمان ہو گویا
کہیں ہے دخل دشمن کا کہیں قبضہ ہے درماں کا

فلک پردہ بنا اہل زمیں کی پردہ پوشی کو
مگر اس دشمن جاں نے کسی کا عیب کب ڈہاں کا

سر شک تلخ کی تلخی گوارا ہے تو ہم کو ہے
زمین پیتی نہیں آنسو ہماری چشم گریاں کا

بنا کر اپنا دیوانہ الگ بچ کر چلے جانا
ترے دامن سی لینا ہے ہمیں بدلا گریباں کا

کسی کی شرم آلود نگاہوں میں یہ شوخی ہے
اسے دیکھا اسے دیکھا ادھر تاکا ادھر جھانکا

غش آجاتا ہے اس کو آنکھ سے جب آنکھ ملتی ہے
نگہباں اور پیدا کیجئے اپنے نگہباں کا

تری آتش بیانی داغ روشن ہے زمانے پر
پگھل جاتا ہے مثل شمع دل ہر اک سخن داں کا

۲۲

بتا کس دن تن مجنوں میں یہ رشتہ رگ جاں کا
جنوں تیرے ہی سر سہرا رہا تار گریباں کا

بتوں کے دست قدرت میں نہ کیونکر دل ہو انساں کا
کہ ہر ناخن نگینہ بن گیا مہر سلیماں کا

بنا دی بخیہ گر پردہ قبائے جسم جاں کا
ٹھکانے سی لگا دی کوئی ٹکڑا اس گریباں کا

فلک نے خوب خدمت لی ہمارے دیدۂ تر سے
کہ ہر آنسو نے منہ دھو یا شب مہتاب ہجراں کا

کیا ہے ایک دست آرزو نے وارد و جانب
زلیخا کے جگر تک چاک ہے یوسف کے داماں کا

وہ چشم آبلہ بھی دید کے قابل ہے اے وحشت
نظر میں جس کی پہلے چبھ گیا کانٹا بیاباں کا

مریض جاں بلب دیکھے ہیں پر ایسے نہیں دیکھے
خدا حافظ نہیں ہوتا تیرے بیمار ہجراں کا

دل آشفتہ ذکر زلف سے کیا کیا الجھتا ہے
سنا جاتا نہیں قصہ پریشاں سے پریشاں کا

سر محفل مجھی سے تجھ کو ظالم پردہ کرنا تھا
گرا اس پر یہ قیامت غیر کے دامن سے منہ ڈھاں کا

اثر دیکھو زباں بخیہ گر کے ہو گئے ٹکڑے
لیا تھا نام بھولے سے مرے چاک گریباں کا

فرشتوں کو بچانا یا الٰہی ایسی تیروں سے
کہ رخ ہے آسماں کی سمت اس برگشتہ مژگاں کا

وہ ناکام تمنا ہوں جو اپنا قتل میں چاہوں
اثر ہو جائے آب تیغ میں ہی آب حیواں کا

بہت آنکھیں ہیں فرش راہ چلنا دیکھ کر ظالم
کف نازک میں کانٹا چبھ نہ جائے کوئی مژگاں کا

رہی ان کی ہمارے دل ہی دل میں گفتگو جب تک
مزا آتا رہا کیا کیا شکایت ہائے پنہاں کا

عدم میں لے گیا مجھ کو فرشتہ میں یہ سمجھا تھا
بلانے کو میرے آیا ہی کوئی آدمی واں کا

نگین سی ہر مکاں کی زیب ہے گو قید خانہ ہو
نسیا کھل گیا تھا حضرت یوسف سے زندان کا
گرہ کیسی لگی تھی کھل پڑی کس راہ میں فتنے
نظر آتا ہے خالی آج گوشہ تیرے داماں کا
ہوئی تھیں دیدۂ مشتاق سے گستاخیاں کیا کیا
بھلے کو رخ نہ تھا میری طرف ان کے نگہباں کا
کے دیتا ہوں جو گذری ہے پرائے داور محشر
نہ آئے تذکرہ مجھ سے کسی کے عشق پنہاں کا
کھلا ہے جوہر آئینہ کیا کیا صورت غنچہ
لیا ہے جب سے بوسہ تونے اپنے روئے خنداں کا
ہمارے داغ عصیاں داغ کیا کیا رنگ لائیں گے
گماں گذرے گا دوزخ پر بھی جنت کی گلستاں کا

۲۳

جو ہو سکتا ہے اس سے وہ کسی سے ہو نہیں سکتا
مگر دیکھو تو پھر کچھ آدمی سے ہو نہیں سکتا

محبت میں کرے کیا کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا
مرا مرنا بھی تو میری خوشی سے ہو نہیں سکتا

الگ کرنا رقیبوں کا الٰہی تجھ کو آساں ہے
مجھے مشکل کہ میری بیکسی سے ہو نہیں سکتا

کیا ہے وعدۂ فردا انہوں نے دیکھیے کیا ہو
یہاں صبر و تحمل آج ہی سے ہو نہیں سکتا

یہ مشتاق شہادت کس جگہ جائیں کسے ڈھونڈتے ہیں
کہ تیرا کام قاتل جب تجھی سے ہو نہیں سکتا

لگا کر تیغ قصہ پاک کیجیے داد خواہوں کا
کسی کا فیصلہ گر منصفی سے ہو نہیں سکتا

مرا دشمن بظاہر چار دن کو دوست ہے تیرا
کسی کا ہو رہے یہ ہر کسی سے ہو نہیں سکتا

م پرسش کہو گے کیا وہاں جب یاں یہ صورت ہے
ادا اک حرف وعدہ نازکی سے ہو نہیں سکتا

نہ کہئے گو کہ حال دل مگر رنگ آشنا ہیں ہم
یہ ظاہر آپ کی کیا خامشی سے ہو نہیں سکتا

کیا جو ہم نے ظالم کیا کرے گا غیر منہ کیا ہے
کرے تو صبر ایسا آدمی سے ہو نہیں سکتا

چمن میں ناز بلبل نے کیا جب اپنی نالی پر
چٹک کر غنچہ بولا کیا کسی سے ہو نہیں سکتا

نہیں گر تجھ پہ قابو دل ہے پر کچھ زور ہو اپنا
کروں کیا یہ بھی تو ناطاقتی سے ہو نہیں سکتا

نہ رونا ہے طریقے کا نہ ہنسنا ہے سلیقے کا
پریشانی میں کوئی کام جی سے ہو نہیں سکتا

ہوا ہوں اس قدر محجوب عرض مدعا کر کے
کہ اب تو عذر بھی شرمندگی سے ہو نہیں سکتا

غضب میں جان ہے کیا کیجئے بدلہ رنج فرقت کا
بدی سے کر نہیں سکتے خوشی سے ہو نہیں سکتا

مزا جو اضطراب شوق سے عاشق کو حاصل ہے
وہ تسلیم و رضا و بندگی سے ہو نہیں سکتا

خدا جب دوست ہے اے داغ کیا دشمن سے اندیشہ
ہمارا کچھ کسی کی دشمنی سے ہو نہیں سکتا

۲۴

کب سے شب فراق ہوں مشتاق دید کا
خورشید ہو گیا ہے مجھے چاند عید کا

ساقی عرق پلا مجھے اگلی کشید کا
سمجھا مہ صیام کو میں چاند عید کا

خالی ہے شیشہ تو مجھے دے ڈال محتسب
مل جائے کوئی جوڑ دل ناامید کا

واعظ کی بات کی تو ہزاروں جواب تھے
پر کیا کریں کہ منہ ہے کلام مجید کا

کیا قتل حسرتیں ہوئیں دل میں کہ بیکسی
لے لے کے نام روتی ہے اک اک شہید کا

روز الست ہم سے بڑی چال رہ گئی
پھر ایسا دن ملے گا نہ گفت و شنید کا

چھوٹا ہی قفل میکدہ اے میکشو نوید
رہنے دو محتسب کو محافظ کلید کا

وہ بت کرے خدائی کی باتیں خدا کی شان
جو حرف پڑھ سکے نہ کلامِ مجید کا

زاہد کمال پیر مغاں تجھ سے کیا کہوں
مرشد وہاں خطاب ہے ادنیٰ مرید کا

اس دل کا کوئی نقش وفا میں نہیں جواب
بیٹھا ہوا ہے سکہ تری زر خرید کا

کھینچی انہوں نے لاش مری جب سمجھ لیا
حوروں کو انتظار ہے میرے شہید کا

لایا ہے میرے قتل کا محضر پیامبر
یاں انتظار تھا مجھے خط کی رسید کا

دل میرا آپ کا نہیں ملنے کا فرق ہے
یہ نگ عقیق کا وہ نگینہ حدید کا

پھر سہو ہو گئیں تری وعدہ خلافیاں
پھر اعتبار ہے مجھے عہد جدید کا

کیا رنگ خون بھی کاٹ دیا تیغ یار نے
پانی ہوا ہے آج لہو ہر شہید کا

بلبل کی داستان سنے گوش گل نے کب
انسان ہی کو لطف ہے گفت و شنید کا

اے شیخ فیض پیر خرابات دیکھنا
جو حال پیر کا ہے وہی ہے مرید کا

قاصد مرے سوال کا کوئی نہیں جواب
کاغذ بدل گیا نہ ہو خط کے رسید کا

ہم ایک کہ کے سنتے ہیں منہ سے ترے ہزار
لپکا پڑا ہے یہ گفت و شنید کا

حوران خلد بولتی ہیں بڑھ کے بولیاں
نیلام ہو رہا ہے تمہارے شہید کا

رکھنا وہ روک روک کے لڑتی نگاہ کو
رہنا وہ تھام تھام کے دل محو دید کا

چلنا ہمارے ساتھ ذرا اے شب فراق
دوزخ میں قحط ہو نہ عذاب شدید کا

اے داغ کیوں نہ مجھ کو شفاعت کی ہو امید
میں ہوں محب حسینؓ کا دشمن یزید کا

۲۵

حلقہ زنجیر سے کم دور پیمانہ نہ تھا
قید خانہ تھا ہمیں بے یار میخانہ نہ تھا

اس قدر خانہ خرابی اے دل خانہ خراب — خاک اوڑانے کے لئے اپنا یہ کاشانہ نہ تھا
کچھ تو ہے آرام اس کو چمن میں جو ہم جار ہے — ورنہ کیا رہنے کو اپنی اپنا کاشانہ نہ تھا
یہ کشش تھی حسن جاناں کی کہ اس کی بزم میں — شمع کی نزدیک شب کو کوئی پروا نہ تھا
اس پہ تو کرتا عمل تو دیکھتا کیفیتیں — قطرۂ مئے زاہد التسبیح کا دانہ نہ تھا
تم سے کیا شکوہ کہ دل بھی دشمن جان ہو گیا — یہ تو اپنا دوست ہی تھا کوئی بیگانہ نہ تھا
کیوں نہ کرتے ہجر میں ہم دل سے باتیں صبح تک — کان رکھ کر کوئی سنتا یہ وہ افسانہ نہ تھا
تم اگر ہوتے تو لاتے شب کو اے ناصح انہیں — ہم نشیں تم سا کوئی ہشیار و فرزانہ نہ تھا
تم تو اس کو پیچ میں سو سو طرح لائے مگر
مفت دیتا دل تمہیں داغ ایسا دیوانہ نہ تھا

۲۶

زندہ عیسیٰ کا نام کرتا تھا — اس طرف بھی خرام کرتا تھا
وائے غفلت کہ اب کیا ہم نے — جو ہمیں پہلے کلم کرتا تھا
نہ میسر ہوئی کہیں خلوت — کچھ ہمیں بھی کلام کرتا تھا
جا چکی دل کی اب پریشانی — پیشتر انتظام کرتا تھا
کیوں کمی کی نگاہ نے تیری — کام میرا تمام کرتا تھا
تھی نہ تاب ستم تو حضرت دل — عاشقی کو سلام کرتا تھا
دشمنوں کو امان نہ دینی تھی — گر تمہیں قتل عام کرتا تھا
کیوں کیا غیر پر ستم تو نے — یہ ہمیں پر تمام کرتا تھا
داغ مہمان سرائے دنیا میں
اور چندے قیام کرتا تھا

سی اضطراب درد وہی بن کر ٹھہر رہنا
کسی صورت سے تم رہنا مرے دل میں مگر رہنا
اٹھانا ظلم علوت ہے مری الفت نہیں تیری
کبھی تو اس بہلاوے میں نہ اے بیداد گر رہنا
برائی اور بھلائی جبکہ تیرے ہاتھ ہے اپنی
تو چھوڑا ہم نے راضی آج سے تقدیر پر رہنا
گذاری میں نے ساری رات یہ کہہ کر وہ اب آئے
ذرا اے چشم تر تھمنا ذرا اے دل جگر رہنا
لگاؤ تو ذرا اے حضرت ناصح کہیں دل کو
مرا ذمہ محبت سے نہ ڈرنا بے خطر رہنا
ہماری سخت جانی بس نہ ٹھہری کھیل ہی ٹھہرا
قسم ہے تم کو گردن پر چھری تم پھیر کر رہنا
تجھے وہ جان کر بے خود کہیں گے غیر سے دل کی
خبردار اے دل اس کی بزم میں تو بے خبر رہنا
گیا تھا کہہ کے اب آتا ہوں قاصد کو تو موت آئے
دل بیتاب وہاں جا کر کہیں تو بھی نہ مر رہنا
ڈرو اللہ سے اے داغ دیکھو ہوش میں آؤ
بتوں کی یاد میں غافل خدا سے اس قدر رہنا

۲۸

تری خرام سے برپا ہے شور و شر کیسا
اٹھا یہ فتنہ قیامت سے پیشتر کیسا

تری تو برش تیغ نظر کا کیا کہنا
ہمیں تو دیکھ کہ رکھتے ہیں ہم جگر کیسا

سنبھل سنبھل کے بگڑتا ہے کچھ دل بیتاب
الٰہی آج یہ صدمہ ہے جان پر کیسا

شفق کھلی ہے زمیں پر بھی اشک خوں سے مرے
یہ رنگ تونے دکھایا ہے چشم تر کیسا

یقیں تھا کہ پس مرگ چیں آئے گا
قرار اس دل بیتاب کو مگر کیسا

نکل سکے نہ مرے منہ سے آہ بھی پوری
اثر کی کس کو توقع ہے یاں اثر کیسا

ہم اپنے دل کی حقیقت تمہیں سے پوچھتے ہیں
اب اس کا حال ہی کیا تھا یہ پیشتر کیسا

وہ پا شکستہ ہوں گم کردہ راہ و خانہ خراب
کہ دشت بھی نہیں مجھ کو نصیب گھر کیسا

کمال عشق ہے اے داغ محو ہو جانا
مجھے خبر ہے نہیں نفع کیا ضرر کیسا

۲۹

غم کو میں عشق میں غمخوار دل و جاں سمجھا
رنج کو راحت اور آزار کو درماں سمجھا

اور بھی آگ سوا عشق کی بھڑکی تہہ خاک
میں صبا کو جو تری جنبش داماں سمجھا

منع مجھ کو ہی کیا رات کو مجھ سے ہی کہا
میں گدا بن کے گیا در پہ وہ درباں سمجھا

چاہتا ہوں کہ نکل جائے کہیں سینے سے
دل کو میں ہجر میں تیرے کوئی ارماں سمجھا

کچھ تو تھی بات کہ ناصح کی نہ مانی کچھ بات
کچھ تو سمجھا جو نہ کچھ یہ دل ناداں سمجھا

سہل ہوتا ہوئی مشکل کا بہت مشکل ہے
کام دشوار وہ نکلا جسے آساں سمجھا

جان کر چاک کیے میں نے وہ دیوانہ ہوں — جیب کو جیب گریباں کو گریباں سمجھا
وصل کا وعدہ اشارے سے کہیں ہوتا ہے — میں ترے سر کی قسم کچھ نہ مری جاں سمجھا
نہیں جانے کا یہاں سے کہیں ہرگز اے داغ
کوچہ یار کو میں روضہ رضواں سمجھا

۳۰

ہے مجھ کو خبر رات کو جو تیرے قریں تھا — میں گرچہ نہ تھا پاس مرا دل تو وہیں تھا
زاہد مری تقدیر میں وہ دشمن دیں تھا — مجبور ہوں اللہ کو منظور یونہیں تھا
اللہ رے تری بے خبری بل بے تغافل — اب بھی تو نہ آیا کہ دم باز پسیں تھا
سب خاک ہوئیں آج مرے دل کی امیدیں — کل تک تو تری ذات سے کیا کیا نہ یقیں تھا
اب دل میں ہوا تیری جگہ درد کا مسکن — یہ وہ ہی مکاں ہے کبھی تو جس میں مکیں تھا
روپوش ہوا سنتے ہی پیغام ہمارا — ڈھونڈھے کوئی قاصر کو ابھی تک تو یہیں تھا
یہ سیر عجب صید گہ عشق میں دیکھی — ہوشیار وہی تھا جو تری زیر کمیں تھا
زندہ نہ مسیحا سے ہوا کشتہ الفت — مردوں کو جلانا تو کچھ اعجاز نہیں تھا
دل میں نہ رکھے آدمی اتنی بھی کدورت
انسان ہی تھا داغ بھی گو خاک نشیں تھا

۳۱

نہ آیا نامہ بر اب تک گیا تھا کہہ کے اب آیا — الٰہی کیا ستم ٹوٹا خدایا کیا غضب آیا

رہا مقتل میں بھی محروم آب تیغ قاتل سے
یہ ناکامی کہ میں دریا پہ جا کر تشنہ لب آیا

غضب ہے جن پہ دل آئے کہیں انجان بن کر وہ
کہاں آیا کدھر آیا یہ کیوں آیا یہ کب آیا

شروع عشق میں گستاخ تھے اب ہیں خوشامد کو
سلیقہ بات کرنے کا نہ جب آیا نہ اب آیا

نوشتہ میرا بے معنی تو دل بے مدعا میرا
مگر اس عالم اسباب میں میں بے سبب آیا

بسر کیونکر کریں گے خلد میں ہم واعظ ناداں
ہمارے جد امجد کو نہ واں رہنے کا ڈھب آیا

وہ ارمان حسرتیں جس کی اگر نکلا تو کب نکلا
وہ جلوہ خواہشیں جس کی نظر آیا تو کب آیا

ابھی اپنی جفا کو کھیل ہی سمجھا ہے تو ظالم
کہ جینے پر نہ آیا میرے مرنے پر عجب آیا

گیا جب داغ مقتل میں کہا خوش ہو کے قاتل نے
مرا آفت نصیب آیا مرا ایذا طلب آیا

۳۲

جال زلف سیاہ نے مارا
تیر کافر نگاہ نے مارا

کہا گیا مغز ناصح ناداں
مجھ کو اس خیر خواہ نے مارا

ضبط کر درد عشق کو اے دل
اس تری آہ آہ نے مارا

زیر خنجر بھی ضبط عشق رہا
دم نہ اس بیگناہ نے مارا

پھر گیا روز حشر دل مجھ سے
مجھ کو مل کر گواہ نے مارا

خوش ہے کافر بھی اس کی رحمت پر
ہائے اس اشتباہ نے مارا

مر گئے ہم تو وضعداری میں
دوستی کی نباہ نے مارا

چرخ سے عمر خضر مانگی تھی
جان سے کینہ خواہ نے مارا

دیکھ اے داغ اہل دنیا کو
ہوس عز و جاہ نے مارا

۳۳

اے اہل بزم چشم مروت کو کیا ہوا
کیوں دیکھتے نہیں مری صورت کو کیا ہوا

تلوار بے تکان اٹھاؤ نہ ہاتھ میں
خلقت کہے گی ناز و نزاکت کو کیا ہوا

یاں فرط غم سے دل پہ بنی واں وہ تمکنت
پوچھا نہ جھوٹے منہ بھی طبیعت کو کیا ہوا

بسمل نہ رکھ ہلاک ہی کر ہم کو اے فلک
راحت اگر نہیں تو جراحت کو کیا ہوا

بے جستجو ملے گا نہ اے دل سراغ دوست
تو کچھ تو قصد کر تری ہمت کو کیا ہوا

یہ داد خواہ کیسے تماشے دکھائیں گے
تم دیکھنا کہ روز قیامت کو کیا ہوا

منظور ذکر غیر سے تھا امتحان دل
دیکھیں تو آپ اپنی طبیعت کو کیا ہوا

جاتا ہے کوئے یار میں اے دل خلاف عقل
آتے ہوئے بلاؤ مصیبت کو کیا ہوا

موہوم کو کر دیئے جو دہان و میان دوست
کیا جانے وہم صانع قدرت کو کیا ہوا

افسوس خاک میں نہ ملی کوئی آرزو
کیا جانے اب وہ دل کی کدورت کیا ہوا

ٹھنڈا پڑا ہے داغ دل داغدار عشق
اس آفتاب حشر کی حدت کو کیا ہوا

۳۴

جو عاشقی میں خاک ہوا کیمیا ہوا
کہتا تھا آج خاک میں کوئی بلا ہوا

گر میکدے میں عید منائی تو کیا ہوا
ایسا ہی شیخ تیرا دوگانہ قضا ہوا

اے عشق رخصت اے ہوس و آرزو سلام
اپنا مقام آج سے دارالبقا ہوا

کوچے میں اس کی ہم تو قیامت اٹھائیں گے
انصاف اپنایا نہ ہوا آج یا ہوا

لپٹا ہے آسمان کو بلا کی طرح سے آج
یہ نالہ رسا تری زلف رسا ہوا

لیتا ہوں بوسہ ہائے خط سبز کے مزے
ہے زہر ان دنوں مرے منہ کو لگا ہوا

کھلد سمجھ کے جائیں وہ کوئے رقیب میں
اک رشک آشنا کا ہے مردہ پڑا ہوا

ہم اب سے لیں گے بوسہ گل تیرے سامنے
کیا ایسا لعل ہے ترے لب میں لگا ہوا

اے داغ بے قصور ہوئے قتل عشق میں
کوئی برائی ہم نے نہیں کی بھلا ہوا

۳۵

دل میں تو کفر تیرے تجھ پر غضب خدا کا
اے داغ سوئے کعبہ پھر مانگنا دعا کا

اب غصہ ہے کہ ہم سے شکوہ کیا جفا کا
اب دل کہاں ٹھکانے نام آگیا وفا کا

اب خاک میں ملا کر آتا ہے کون ہم تک
آئے نہ آئے کوئی جھوکا کبھی صبا کا

ہم پر ہے کیوں یہ غصہ مرتے ہیں بے اجل ہم
دشمن پہ ہو جو گر گز قائل نہیں قضا کا

گر ذوق سیر ہے کچھ تو دیکھ میرے دل کو
یہ بھی ہے اک نمونہ جام جہاں نما کا

گاہے فلک پہ پھینکا گاہے زمیں پہ پٹکا
مشت غبار اپنا بازیچہ ہے صبا کا

یہ تا در اجابت پہنچے تو خاک پہنچے
تاثیر نے گھٹایا رتبہ مری دعا کا

جس راہ سے وہ گذرے ڈالی بنائے محشر
فتنہ بنا نگہباں ہر چشم نقش پا کا

ہے سر نوشت میری کیا مشق بے سروپا
تاحشر بھی نہ پایا اک حرف مدعا کا

اس پردے نے تمہارا نام اور بھی نکالا
یہ بھی کوئی حیا ہے جو نام ہو حیا کا

ہاتھوں کے بل چلے ہم کانٹوں پہ سوے صحرا
ہر خار اک عصا تھا اپنے شکستہ پا کا

کم ہو گا داغ سا بھی مکار اب جہاں میں
اس بت پہ شیفتہ ہو اور نام لے خدا کا

۳۶

دست ہوس بڑھا کر کیوں مرتبہ گھٹایا — سمجھے نہ یہ زلیخا دامن ہے پارسا کا
سرخی لب نے کیا ہے خون اس نخچیر کا — تیز ہے پیکان سی بھی سوفار اس کے تیر کا
عقدہ کھلتا ہی نہیں اس عاشق دلگیر کا — بن گئی دل کی گرہ جو پیچ تھا تقدیر کا
حسرتیں معشوق کی غم آسمان پیر کا — لے گیا دنیا سے میں جو تھا مری تقدیر کا
ان کی خاموشی میں تو عالم ہے اک تصویر کا — اور جب کی بات لچھا بندہ گیا تقریر کا
تفرقہ پرداز تھی کیا آنکھ اس صیاد کی — مجھ میں اور دل میں مرے پلہ ہے سو سو تیر کا
دیکھ تو قاتل کہ جوش گریہ بسمل نے کیا — ایک کر ڈالا لہو پانی تری شمشیر کا
آنکھ کے ملتے ہی باہم چھا گئیں حیرانیاں — آئینے کی شکل یاں عالم وہاں تصویر کا
ہے تو یوں زنداں پہ مہماں کی تواضع ختم ہے — حلقہ حلقہ پاؤں پڑتا ہے مری زنجیر کا
ہائے وہ دن ہو کہ تو دل تھام کر مجھ سے کہے — آہ ظالم تیرا نالہ بھی ہے کس تاثیر کا
گہ شمار خار صحرا گہ وظیفہ نام قیس — سبحہ کا دانہ ہے ہر دانہ مری زنجیر کا

عشق اس رعنا جو ان کا داغ کرتا ہے ستم
نام ہے بدنام ناحق آسمان پیر کا

۳۷

غضب کیا ترے وعدے پر اعتبار کیا — تمام رات قیامت کا انتظار کیا

کسی طرح جو نہ اس بت نے اعتبار کیا
مری وفا نے مجھے خوب شرمسار کیا

ہنسا ہنسا کے شب وصل اشک بار کیا
تسلیاں مجھے دے دے کے بیقرار کیا

یہ کس نے جلوہ ہمارے سر مزار کیا
کہ دل سے شور اٹھا ہائے بیقرار کیا

سنا ہے تیغ کو قتل نے آبدار کیا
اگر یہ سچ ہے تو بے شبہ ہم پہ وار کیا

نہ آئے راہ پہ وہ عجز بے شمار کیا
شب وصال بھی میں نے تو انتظار کیا

تجھے تو وعدۂ دیدار ہم سے کرنا تھا
یہ کیا کیا جہاں کو امیدوار کیا

یہ دل کو تاب کہاں ہے کہ ہو مآل اندیش
انہوں نے وعدہ کیا اس نے اعتبار کیا

کہاں کا صبر کہ دم پر ہے بن گئی ظالم
بہ تنگ آئے تو حال دل آشکار کیا

تڑپ پھر اے دل ناداں کہ غیر کہتے ہیں
اخیر کچھ نہ بنی صبر اختیار کیا

ملے جو یار کی شوخی سے اس کی بے چینی
تمام رات دل مضطرب کو پیار کیا

بھلا بھلا کے جتایا ہے ان کو راز نہاں
چھپا چھپا کے محبت کو آشکار کیا

نہ اس کے دل سے مٹایا کہ صاف ہو جاتا
صبا نے خاک پریشان مرا غبار کیا

ہم ایسے محو نظارہ نہ تھے جو ہوش آتا
مگر تمہارے تغافل نے ہوشیار کیا

ہمارے سینے میں کچھ رہ گئی تھی آتش ہجر
شب وصال بھی اس کو نہ ہمکنار کیا

رقیب و شیوۂ الفت خدا کی قدرت ہے
وہ اور عشق بھلا تم نے اعتبار کیا

زبان خار سے نکلی صدائے بسم اللہ
جنوں کو جب سر شوریدہ پر سوار کیا

تری نگہ کے تصور میں ہم نے اے قاتل
لگا لگا کے گلے سے چھری کو پیار کیا

غضب تھی کثرت محفل کہ میں نے دھوکے میں
ہزار بار رقیبوں کو ہمکنار کیا

ہوا ہے کوئی مگر اس کا چاہنے والا
کہ آسماں نے ترا شیوہ اختیار کیا

نہ پوچھ دل کی حقیقت مگر یہ کہتے ہیں
وہ بیقرار رہے جس نے بیقرار کیا

جب ان کو طرز ستم آگئے تو ہوش آیا
برا ہو دل کا برے وقت ہوشیار کیا

فسانہ شب غم ان کو اک کہانی تھی
کچھ اعتبار کیا کچھ نہ اعتبار کیا

اسیری دل آشفتہ رنگ لا کے رہی
تمام طرہ طرار تار تار کیا

کچھ آگئی داور محشر سے ہے امید مجھے
کچھ آپ نے مرے کہنے کا اعتبار کیا

کسی کے عشق نہاں میں یہ بدگمانی تھی
کہ ڈرتے ڈرتے خدا پر بھی آشکار کیا

فلک سے طور قیامت کے بن نہ پڑتے تھے
اخیر اب تجھے آشوب روزگار کیا

وہ بات کر جو کبھی آسماں سے ہو نہ سکے
ستم کیا تو بڑا تو نے افتخار کیا

بنے گا مہر قیامت بھی ایک خال سیاہ
جو چہرہ داغ سیہ رو نے آشکار کیا

۳۸

باقی جہاں میں قیس نہ فرہاد رہ گیا
افسانہ عاشقوں کا فقط یاد رہ گیا

یہ سخت جاں تو قتل سے ناشاد رہ گیا
خنجر چلا تو بازو جلاد رہ گیا

پابندیوں نے عشق کی بے کس رکھا مجھے
میں سو اسیریوں میں بھی آزاد رہ گیا

چشم صنم نے یوں تو بگاڑے ہزار گھر
اک کعبہ چند روز کو آباد رہ گیا

محشر میں جائے شکوہ کیا شکریار کا
جو بھولنا تھا مجھ کو وہی یاد رہ گیا

ان کی تو بن پڑی کہ لگی جان مفت ہاتھ
تیری گرہ میں کیا دل ناشادہ رہ گیا

پرنور ہو رہے گا یہ ظلمت کدہ اگر
دل میں بتوں کا شوق خدا داد رہ گیا

یوں آنکھ ان کی کر کے اشارہ پلٹ گئی
گویا کہ لب سے ہو کے کچھ ارشادہ رہ گیا

ناصح کا جی چلا تھا ہماری طرح مگر
الفت کی دیکھ دیکھ کے افتاد رہ گیا

ہیں تیرے دل میں سب کے ٹھکانے برے بھلے
میں خانماں خراب ہے برباد رہ گیا

وہ دن گئے کہ تھی مرے سینے میں کچھ خراش　　اب دل کہاں ہے دل کا نشاں یاد رہ گیا
صورت کو تیری دیکھ کے کھنچتی ہے جاں خلق　　دل اپنا تھام تھام کے بہزاد رہ گیا

اے داغ دل ہی دل میں گھلے ضبط عشق سے
افسوس شوق نالہ و فریاد رہ گیا

۳۹

جوڑ کے شہباز نظر پر گرا　　ٹوٹ کے ہر خستہ جگر پر پڑا
نالہ و فریاد و فغاں اس قدر　　آہ یہ لشکر نہ اثر پر گرا
چرخ سے جب کی ہوس سروری　　سنگ مصیبت مرے سر پر گرا
سایہ مری بخت سیہ کا ضرور　　اے شب غم تیری سحر پر گرا
زلف رسا کو دم تزئین سنبھال　　بوجھ نہ یہ موئے کمر پر گرا
شوق نے آوارہ کیا تھا مجھے　　خیر ہوئی میں ترے در پر گرا
خوب اٹھا جو تری رہ میں اٹھا　　خوب گرا جو ترے در پر گرا
صاعقہ اس کی نگہ شوخ کا　　دل کو بچایا تو جگر پر گرا

بزم سے گلدستے سب اٹھوا دیئے
داغ کا نزلہ گل تر پر گرا

۴۰

جھوک سے سائے کے بھی میں ناتواں لاغر گرا　　جس جگہ سایہ گرا میرا مجھے لے کر گرا

دل سنبھالا پر نہ سنبھلا پاؤں اٹھا سر گرا
ان کے آگے آج میں اکثر اٹھا اکثر گرا

اس نزاکت پر ہمارے قتل کا دعویٰ چہ خوش
دیکھئے لیجئے خبر وہ ہاتھ سے خنجر گرا

تھا برا موقع مگر اچھا رہا پاس ادب
آج کٹ کر پاؤں پر قاتل کے میرا سر گرا

وائے ناکامی کہ جس میں ہم نے باندھا خط شوق
وہ ہی مرغ نامہ بر کا کاٹ کر شہ پر گرا

انتظار یار میں پتھرائیں آنکھیں اس قدر
اشک بھی بن کر ہماری آنکھ سے پتھر گرا

شوخیاں اس برق وش کی بزم میں دیکھے کوئی
صاعقے کا طور ہے اس پر گرا اس پر گرا

چوٹ کھائی دل نے گر کر اس صنم کے عشق میں
یا الٰہی خیر ہو یہ شیشہ، پتھر پر گرا

دل سا دانا خضر کو جو عشق میں رستہ بتائے
دیدہؑ و دانستہ تیری چاہ میں کیونکر گرا

نکلی بسم اللہ اس کافر کے منہ سے بے دھڑک
آج اس انداز سے یہ عاشق مضطر گرا

کیا غضب توڑا نگاہ خانما برباد نے
خانہ دل کیا گرا گویا خدا کا گھر گرا

کم نصیبی اس کو کہتے ہیں کہ میرے وار پر
دست ساقی سے ادھر شیشہ ادھر ساغر گرا

پہلے کیوں ای داغ اتنی پی گئے فرمایئے
سر پکڑ کر اب جو ہے فریاد میرا سر گرا

۴۱

ملی اس سوختہ قسمت سے کیا جلوہ شرارے کا
کہ خورشید قیامت عکس ہے میرے ستارے کا

نہ ۔ یقیں اے دل نہ کر تو اس کے مژگاں کے اشارے کا
بھروسہ کیا ارے ناداں تنکے کے سہارے کا

نہ پایا کوئی بحر عشق میں رستہ گذارے کا
نہ پہنچا اس کنارے تک شناور اس کنارے کا

ارے بیباک کیا کہنا ہے تیرے اس اشارے کا
ٹھکانا بے ٹھکانے کا سہارا بے سہارے کا

تجھے کیوں دوں اسی تیغ نظر کو دوں نہ لخت دل
کہ اے مژگاں یہ ٹکرا ہے بڑی تلوار مارے کا

کئے اے خضر تم نے خوب نقد عمر کے گھرے
خیال آیا نہ اے حضرت مگر آخر خسارے کا

الٰہی دیکھئے کافر نگاہیں کیا دکھاتے ہیں
برا لپکا پڑا ہے اس کی آنکھوں کو اشارے کا

جگر لوٹے ہی جاتا ہے تو دل تڑپے ہی جاتا ہے
یہ سینہ ہے الٰہی یا کوئی معدن ہے پارے کا

تری شمشیر پر خم نے ہزاروں سر اتارے ہیں
یہی تو گھاٹ ہے بحر محبت کے اتارے کا

کروں میں دانہ زنجیر کو تسبیح اے وحشت
نہیں زنداں میں ممکن راہ دینا استخارے کا

مرے اشکوں میں ہے یا تیرے دندان مصفا میں
گہر کی آب ہیرے کی تجلی نور تارے کا

ہمیشہ فیض ہے دریا دلوں سے خاکساروں کو
کہ موج بحر تر کرتی ہے کیا کیا لب کنارے کا

محبت عاشق بیتاب کو اکسیر کرتی ہے
مجھے مارا دل بیتاب نے کشتہ ہوں پارے کا

کرے کیا سلک گوہر روکشی اس سلک دنداں سے
کہ ہر دنداں روش میں ہے علام قطب تارے کا
گذر جائے گی ہر صورت کروں کیوں داغ اندیشہ
مرے مولا کو ہر دم فکر ہے میرے گزارے کا

۴۲

ڈوب کر سینے میں اس رنگ سے پیکان نکلا
دل سے بے ساختہ نکلا کہ وہ ارمان نکلا

دشت وحشت کو ہر اک بے سرو ساماں نکلا
تن عریاں کا مرے سایہ بھی عریاں نکلا

کب وہاں مجھ سے زبوں حال کا ارماں نکلا
داور حشر بھی اچھوں ہی کا خواہاں نکلا

کیا مرے ہاتھ سے کھینچ کر تیرا داماں نکلا
تو یہی آغوش سے یوں تو نہ مری جان نکلا

دل سوزاں نے کہیں آگ نہ چھوڑی شب ہجر
صبح خورشید کی بدلے مہ تاباں نکلا

میں نہ تڑپا جو دم ذبح تو وہ کہتے ہیں
نکلا دم تو مرے کشتے کا پر آساں نکلا

لحد تنگ میں کس کس کے سمائی ہو گی
خاک نکلا جو پس مرگ کچھ ارماں نکلا

قول پورا تھا پر اس عہد شکن کے منہ سے
ٹکڑے ہو کر سخن وعدۂ و پیماں نکلا

ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک ہے ترے ہمراہی
قدم اپنا بھی اب اے گردش دوراں نکلا

شرگین چشم میں اس برق نظر کا جلوہ
ایک شعلہ سا تہہ دامن مژگاں نکلا

آدمی رہزن آدم ہے کہاں راہ نما
وائے تقدیر مری خضر بھی انساں نکلا

ناتوانوں کی گلوگیر قضا ہو سب جھوٹ
ہم نے جب تار نکلا تو گریباں نکلا

تلخی دل کا مزا تجھ کو چکھاتا کافر
پر کروں کیا کہ خدا تیرا نگہباں نکلا

روتے والوں کو بھی اب مجھ پہ ہنسی آتی ہے   دیدۂ تر سی مرے اشک بھی خنداں نکلا
خضر کیوں نہ کرنہ رہ عشق میں کترا کے چلیں   طائر سدرہ بھی اس رہ سے پر افشاں نکلا
پاس خدام قیامت کے نہیں جز انصاف   دیں گے کیا گر کوئی بیداد کا خواہاں نکلا

داغ دل چیر کے اس بت کو دکھاتا ہی نہ تھا
آرزو نکلی تو نکلی مگر ایماں نکلا

۴۳

ہو اف کی دل جلوں نے تیرے تو یہ خاکداں پھونکا
زمیں کیا آسماں پھونکا مکاں کیا لامکاں پھونکا

غضب ہے مثل موسیقار اک اک استخوان پھونکا
ہوئے خود خاک تو کیا خاک اے سوز فغاں پھونکا

تری الفت کی چنگاری نے ظالم اک جہاں پھونکا
ادھر چمکی ادھر سلگی یہاں پھونکا وہاں پھونکا

مجھے کیونکر یقیں ہو آگ ظالم کو جلائے گی
کسی دن آتش رنگ شفق نے آسماں پھونکا

بجھے کب عندلیب سوختہ دل کی لگی تجھ سے
چراغ گل کو کیا پھونکا جو اے باد خزاں پھونکا

پڑی دو زخمیں بھی گر عاشق تفسیدہ دل تیرا
جنہم بھی کہے تو نے مجھے اے تفتہ جاں پھونکا

مرے حال زبوں پر ہائے کس کس کو نہ رحم آیا
اجل نے بھی تو کچھ پڑھ پڑھ کے بہر حفظ جاں پھونکا

کہاں صیاد کیسا باغباں کس پہ گری بجلی
چمن میں آتش گل نے ہمارا آشیاں پھونکا

تری دزد حنا نے مایہ صبر و خرد لوٹا
تری برق نگہ نے خرمن تاب و تواں پھونکا

مزاج عاشق پرسوز کو جو آگ کرتا تھا
تو اس مٹی کے پتلے میں دم آتش فشاں پھونکا

ہمارے دل کے ہوتے طور سینا کو جلانا تھا
تری برق تجلی نے کسے پھونکا کہاں پھونکا

پڑھا جو میرے وقت ذبح تونے منہ ہی منہ میں کچھ
پڑھی تکبیر یا کچھ پڑھ کے افسون دلستاں پھونکا

رہا تھا کونسا ارماں جیتے جی جلانے کا
کہ تونے لاش کو میری بھی جو اب اے بدگماں پھونکا

بنی ہر گل کی چنگاری جلی بلبل کباب آسا
ہماری داغ سودا کی تپش نے گلستاں پھونکا

کہوں منہ سے نہ گو میں سوز پنہاں پر دم پرسش
اشارے کرتے ہیں دل کی طرف آنکھیں یہاں پھونکا

جلاتے ہیں جو دل کو اے جرس وہ میرے نالے ہیں
فغاں گرم نے تیرے نہ رخت کارواں پھونکا

سنا جاتا نہیں اے داغ تیرا سوز دل ہم سے
ترے آتش زبانی نے تو اے آتش زباں پھونکا

۴۴

وہ زمانہ نظر نہیں آتا کچھ ٹھکانا نظر نہیں آتا
جان جاتی دکھائی دیتی ہے ان کا آنا نظر نہیں آتا
عشق در پردہ پھونکتا ہی آگ یہ جلانا نظر نہیں آتا
اک زمانہ مری نظر میں رہا اک زمانہ نظر نہیں آتا
دل نے اس بزم میں بٹھا تو دیا اٹھ کے جانا نظر نہیں آتا
رہیے مشتاق جلوۂ دیدار ہم نے مانا نظر نہیں آتا
لے چلو مجھ کو راہرواں عدم یاں ٹھکانا نظر نہیں آتا
دل پہ بیٹھا کہاں سے تیر نگاہ یہ نشانہ نظر نہیں آتا
تم ملاؤ گے خاک میں ہم کو دل ملانا نظر نہیں آتا
آپ ہی دیکھتے ہیں ہم کو تو دل کا آنا نظر نہیں آتا
دل پر آرزو لٹا اے داغ
وہ خزانہ نظر نہیں آتا

۴۵

جلوہ اس کا نظر نہیں آتا نہیں آتا نظر نہیں آتا
آنکھ کھلتی ہے خواب غفلت سے ہائے کیا کیا نظر نہیں آتا

غیر کے ساتھ دل میں بھی دیکھا　　کبھی تنہا نظر نہیں آتا

ہم تو کہنے کو حال دل کہہ دیں　　سننے والا نظر نہیں آتا

ڈھونڈھتی ہیں جسے مری آنکھیں　　وہ تماشا نظر نہیں آتا

تو نے جس دن سے کی مسیحائی　　کوئی اچھا نظر نہیں آتا

کوئی دل تیرے عہد میں ظالم　　بے تمنا نظر نہیں آتا

کاش ارماں ہی رہے دل میں　　وہ بھی پورا نظر نہیں آتا

دل کا آئینہ دیکھنے کو بنا　　پر جو چاہا نظر نہیں آتا

کس کو رکھوں نظر میں میں اپنے　　کوئی اتنا نظر نہیں آتا

ہمیں اے داغ کور باطن ہیں
ورنہ وہ کیا نظر نہیں آتا

وہ کچھ سنائیں کہ صیاد درد مند ہوا　　قفس میں بند ہوئے پر بھی میں نہ بند ہوا

شب فراق جو دست دعا بلند ہوا　　ندائیں آئیں کہ باب قبول بند ہوا

یہ دل تو وہ ہے کہ میں اس سے دردمند ہوا　　یہ کیا پسند کیا تم کو کیا پسند ہوا

مجھے تو شیوۂ آزادگی کمند ہوا　　کہ دام قطع تعلق میں پائے بند ہوا

سہ پہر صرف مرے درپے گزند ہوا　　غضب ہوا کہ زمانے کا کام بند ہوا

چمن چمن کو تو کانٹا سا ناپسند ہوا　　قفس قفس بھی تو گھٹ گھٹ کے مجھ سے بند ہوا

مزا تو یہ ہے کہ آزاد ہو کے سیر کرے　　خضر کو رشتہ عمر ابد کمند ہوا

کسی کے نوک مژہ کی بھی یہ خلش تو نہ تھی　　یقیں ہے کوئی ارماں دل میں بند ہوا

تمہارے لطف و عنایت کا واہ کیا کہنا　　کہ جس کا درد کیا وہ ہی درد مند ہوا

جواب دوز جزا یہ ہے سن لو حضرت دل　　کہ بے نیا کو ناز بتاں پسند ہوا

وہ دل ہے جو ترے تلووں تلے ہوا پامال　　وہ سر ہے جو ترے نیزے پہ سربلند ہوا

وفور عجز یہ سو سو غرور مجھ کو ہوئے　　بڑا ہی ناز ہوا جب نیاز مند ہوا

ہزار شکر کہ دنیا نے قدر دانی کی　　ہزار شکر کہ مردہ مرا پسند ہوا

فلک نے کینہ کیا تو نے ظلم میں نے وفا　　وہی ازل میں ملا جس کو جو پسند ہوا

کھلا یہ عقدہ تجھے دیکھ کر عدو پہ فدا　　کہ جس نے ناز کیا وہ نیاز مند ہوا

رنتی کہتے ہیں اس کو کہ قید خانے میں　　چھٹا نہ مجھ سے جنوں میرے ساتھ بند ہوا

الٰہی اس بت مغرور سے یہ سنوا دے　　نیاز مند ہوا میں نیاز مند ہوا

تم اور مجمع اغیار و ذکر ناز و نیاز　　خبر نہیں کوئی بیٹھا ہے درد مند ہوا

وفا نہیں نہ سہی شیوۂ جفا ہی سہی　　پسند آپ کی جو آپ کو پسند ہوا

ہوا جو درد کو آرام میں ہوا بیتاب　　ملی جو عشق میں راحت مجھے گزند ہوا

مری زباں نہ تھکی رات کٹ گئی ساری　　کھلا جو شکووں کا دفتر تو پھر نہ بند ہوا

نشان ہی یہ مری صیاد ختم آگیں کا　　در قفس نہ اسیروں کا جس کے بند ہوا

لگی وہ آتش الفت کہ تاب ہی نہ رہی　　جگر شرارہ ہوا اور دل سپند ہوا

نشان مٹا تو مٹا بل بے پستی قسمت　　کہ نام بھی نہ ہمارا کبھی بلند ہوا

علاج نشہ الفت کا داغ ہو نہ سکا
گھڑی گھڑی میں دوبالا ہوا دو چند ہوا

۴۷

سینے میں لب کہاں وہ جوش وہ بھی تھا اک دبال سا　　بیٹھ گیا کچھ اٹھتے ہی چھوڑ گیا خیال سا

عرض وفا یہ دیکھنا اس کی ادائے دلفریب
دل میں کچھ اعتبار سا آنکھ میں کچھ ملال سا

تارے ہی گن کے کاٹتے رات فراق کی مگر
نکلا ستارہ بھی کہیں کوئی تو خال خال سا

اس کی پلک پہ دم فدا اس کی ادا پہ دل نثار
ہائے وہ شاخ سی کمر ہائے وہ قد نہال سا

فتنہ حشر کب اٹھا اس کی خرام ناز سے
وہ بھی پڑا ہے میری طرح راہ میں پائمال سا

باندھ دیا تھا ہم نے خود زلف میں اس کے اپنا دل
رکھ نہ سکے وہ اس کو بھی ٹال دیا وبال سا

جان لیا ہے ماہ عید اس کو مہ صیام میں
ابرو یار بھی اگر دیکھ لیا ہلال سا

ہے دل گم شدہ مرا گیسو تابدار میں
ورنہ بتاؤ وجہ کیا یہ جو پڑا ہے جال سا

پوچھتے کیا ہو کون تھا ہو نہ ہو وہی داغ ہو
در پہ تمہاری تھا مگر کوئی شکستہ حال سا

۴۸

نہ کبھی جیب خجالت سے یہاں سر نکلا
قیس دیوانہ تھا جامے سے جو باہر نکلا

داد خواہوں کا پہر ارماں مقرر نکلا
گر طرفدار ترا داور محشر نکلا

شانہ جب زلف معنبر سے الجھ کر نکلا
ہم یہ سمجھے کہ ہمارا دل مضطر نکلا

زلف برہم عرق آلودہ جبیں دامن چاک
کس کی آغوش سے تو جان چھڑا کر نکلا

جذب دل کا ہو برا کھینچ بلایا اس کو
جو نہ در تک کبھی آیا تھا وہ باہر نکلا

وادی عشق کی سیر یں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانے کبھی گھر سے نہ باہر نکلا

عشق نے خوب کیا ظاہر و باطن یکساں
داغ جو سینے پہ دیکھا وہی دل پر نکلا

زلف ہے دام بلا گیسوئے پیچاں زنجیر
یہی پھندے ہیں تو کبھی کوئی کیونکر نکلا

کند ہوتے ہے جو چل چل کے مری گردن پر
یہ نیا آپ کی تلوار کا جوہر نکلا

خاک سینے میں محبت نے اڑائی کیا کیا
اشک بھی آنکھ سے نکلا تو مکدر نکلا

ہم تو بے نام و نشاں آپ کی الفت میں ہوتے — آپ کا نام نکلنا تھا ستمگر نکلا

نام اس کا تو مرے دل میں نہ تھا ناصح — ہائے کمبخت ترے منہ سے یہ کیونکر نکلا

آفریں داغ تجھے خوب نباہی تو نے

مرحبا کوچہ دلدار سے مر کر نکلا

۴۹

کن بیکسوں کا پردہ یہ چرخ کہن ہوا — جیتوں کا پیرہن نہ مردوں کا کفن ہوا

دلگیر ہو کے غنچہ بہار چمن ہوا — دل تنگ بھی ہوا تو نہ اس کا دہن ہوا

دل کو سنبھالئے کہ میں ناوک فگن ہوا — نالہ مرا رقیب کے منہ کا سخن ہوا

جوش جنوں نے ساتھ دیا جوش حسن کا — ٹکڑے ادھر نقاب ادھر پیرہن ہوا

زخم کہن نے آج رولایا بہت لہو — اتری ہوئی بہار سے تازہ چمن ہوا

انکار وصل منہ سے نہ نکلا کسی طرح — اپنے دہن سے تنگ وہ غنچہ دہن ہوا

اے عشق سن لے کہیں فرہاد یہ صدا — تیشہ پکارتا ہے کہ میں کوہکن ہوا

تن تن کے دیکھتے ہیں مجھے غیر بار بار — میں انجمن میں آئینہ انجمن ہوا

آئینہ دیکھ دیکھ کے دو مجھ کو گالیاں — تم کو بھی تو یقیں ہو کہ پیدا دہن ہوا

کوسوں تک الٹے پاؤں چلا آہ میں غریب — جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا

اے عندلیب تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا — دل داغ کھا کے کچھ نہ ہوا تو چمن ہوا

آتے ہی بخیہ گر کو یہ قطع و برید کب — دست جنوں سے ٹھیک مرا پیرہن ہوا

جب وہ کلام کرتے ہیں منہ دیکھتے ہی خلق — اٹھتی ہیں انگلیاں کہ وہ پیدا دہن ہوا

جس لب کو صرف وعدہ نزاکت سے بار تھا — سنتا ہوں آج میں کہ وہ پیمان شکن ہوا

ہاتھوں سے جو بچے تری باتوں سے مر گئے
چٹکی میں تھا جو تیر وہ لب پر سخن ہوا

وہ اور ہیں جو پیتے ہیں موسم کو دیکھ کر
آتی رہی بہار میں توبہ شکن ہوا

ایمان کچھ وضو تو نہیں ہے کہ ٹوٹ جائے
اے شیخ کیا ہوا جو میں توبہ شکن ہوا

مجنوں دل رسیدہ کی تاثیر دیکھ لے
وحشت سے تیری ناقہ لیلی ہرن ہوا

مسجد قریب بتکدہ کیا بے چراغ تھے
شب کو امام شیخ کا اک برہمن ہوا

تہمت نہ رکھ خدا کے لئے مجھ پہ زاہدا
کب میں نے توبہ کی تھی جو توبہ شکن ہوا

چھیڑا جو اے جنوں اسے تو نے تو جان لے
تیرے گلے کا ہار میرا پیرہن ہوا

کیا غم سے پھولتا نہیں انساں چارہ گر
جو استخواں گھلا وہیں جزو بدن ہوا

لکھا ہوا ہے پیر مغاں کی کتاب میں
لاکھوں میں داغ ایک ہی توبہ شکن ہوا

۵۰

منتوں سے سہی نہ وہ حور شمائل آیا
کس جگہ آنکھ لڑی ہائے کہاں دل آیا

ہم نہ کہتے تھے نہ کر عشق پشیماں ہو گا
جو کیا تو نے وہ آگے ترے اے دل آیا

قہقہے قلقل مینا نے لگائے کیا کیا
مجھ کو مستی میں جو رونا سر محفل آیا

قتل کی سن کے خبر عید منائی میں نے
آج جس سے مجھے ملنا تھا گلے مل آیا

تادم مرگ نہ ہو وہ مرے دشمن کو نصیب
جو مزا مجھ کو الٰہی دم بسمل آیا

مرقد قیس پر اب تک بھی تو خار صحرا
انگلیوں سے یہ بتاتے ہیں وہ محمل آیا

گنج قارون کے سوا بھی ہے عدم میں سب کچھ
ہائے دنیا میں نہ اس ملک کا حاصل آیا

جس نے کچھ ہوش سنبھالا وہ جوان قتل ہوا
عہد پیری نہ ترے عہد میں قاتل آیا

دین و دنیا سے گیا تو یہ سمجھ لے اے داغ
غضب آیا اگر اس بت پر ترا دل آیا

۵۱

طور کیوں خاک ہوا نور ترا نار نہ تھا
نار تھا حضرت موسیٰ سے وہ دیدار نہ تھا

ہمیں چونکہ غم دل قابل اظہار نہ تھا
بات میں یار یہ بگڑا کہ کبھی یار نہ تھا

آسماں پاؤں پڑا ہے کہ قیامت ظالم
یوں تو چلتا ہوا ہر فتنہ رفتار نہ تھا

دل ہوا خاک تو اکسیر کسی نے جانا
تھا یہ جب مال تو کوئی بھی خریدار نہ تھا

ذکر مجنوں سے مجھے آگ لگی جاتی ہے
گرچہ ظاہر ہے تمہارا وہ طلب گار نہ تھا

یاد آتی تھی حسینوں کو یہ انداز جفا
یا کوئی اگلے زمانے میں خطا وار نہ تھا

شب کو کیونکر خلش دل نہ دکھاتی لذت
تیرا ارمان تھا پیکان نہ تھا خار نہ تھا

غم جاوید کی لذت مرے دل سے پوچھو
مل گیا وہ مجھ سے میں جس کے سزاوار نہ تھا

بات کیا چاہئے جب مفت کی حجت ٹھہری
اس گنہ پر مجھے مارا کہ گنہگار نہ تھا

کیوں مرے بعد اٹھایا ستم عشق رقیب
کیا مرے داغ سے ظالم یہ گر انبار نہ تھا

سحر تھی چشم فسوں ساز کہ ملتے ہی نظر
میں نے پہلو میں جو دیکھا تو دل زار نہ تھا

ایک ہونے سے رقیبوں کے ہوا کیا کیا کچھ
غم نہ تھا رشک نہ تھا داغ نہ تھا خار نہ تھا

ایک ہی جلوہ دکھا کر مجھے دھوکے میں نہ ڈال
دل کہے یار ہی تھا میں یہ کہوں یار نہ تھا

جال اس زلف پریشاں نے بچھایا اے دل
لے سنبھل پھر یہ نہ کہنا کہ خبردار نہ تھا

دل کا سودا اور اس اغماز سے اور ایسی جگہ
داغ وہ انجمن ناز تھی بازار نہ تھا

۵۲

تیرا اس کا چلتے چلتے جب پریشاں ہو گیا — تھک کے بیٹھا میرے دل میں اور پنہاں ہو گیا

آپ کی برہم مزاجی کا ٹھکانا ہی نہیں — یہ تو مجھ کمبخت کا حال پریشاں ہو گیا

لے لیا ہاتھوں میں مجھ کو دیکھ کر بے اختیار — آج ان کا پاسباں میرا نگہباں ہو گیا

کس کا طرہ کس کا گیسو کس کی کاکل کس کی زلف — سب بلائیں ہو گئیں جب دل پریشاں ہو گیا

سوزن عیسی مریم خار صحرا ہو گئے — زخم دامندار کس وحشی کا داماں ہو گیا

سینہ صد چاک سے لپٹا ہی رہتا ہے مدام — تو بھی دست جنوں میرا گریباں ہو گیا

اس سے بہتر کوئی صورت خود نمائی کی نہ تھی — جانتا ہوں جس لئے پردے میں انساں ہو گیا

دل میں لے دے کر رہا تھا ایک قطرہ خون کا — کچھ نیاز غم ہوا کچھ صرف مژگاں ہو گیا

بوسہ لے کر دل دیا ہے اور پھر نالاں ہیں داغ
کوئی جانے مفت میں حضرت کا نقصاں ہو گیا

۵۳

وہ رات کونسی گذری جو اضطراب نہ تھا — جب آنکھ دی تھی خدا نے مجھے تو خواب نہ تھا

یہ داغ رند کب آلودۂ شراب نہ تھا — خراب آج ہوا آج تک خراب نہ تھا

مرے سوال کے معنی وہ مجھ سے کہہ دیتے — مگر سوال کا میری کوئی جواب نہ تھا

نگاہ شوق پہ الزام بیقراری کا — تمہاری برق تجلی کو اضطراب نہ تھا

نہ پوچھئے مری روز سیاہ کی ظلمت — چراغ لے کے بھی ڈھونڈھا تو آفتاب نہ تھا

وہ جب چلی تو قیامت بپا تھی چار طرف
ٹھہر گئے تو زمانے کو انقلاب نہ تھا

کہا انہوں نے شب غم کا ماجرا سن کر
تری مزاج کی شوخی تھی اضطراب نہ تھا

لگی نہ آنکھ مری چشم پاسباں کی قسم
شب فراق کہیں دیکھنے کو خواب نہ تھا

وہ پہنچے غیر کے گھر جان کر شب وعدہ
ہمارے روز سیہ میں جو آفتاب نہ تھا

پیامبر کی زباں بات بات پر جور کی
شریک حال مری دل کا اضطراب نہ تھا

ہمارے حال کو جس نے سنا کہا سب جھوٹ
کوئی زبان نہ تھی جس پہ یہ جواب نہ تھا

ملا ہمیں دل پر داغ کا نشاں اتنا
جلی کباب کی بو تھی مگر کباب نہ تھا

جوان ہوئی تو قیامت ہوئی خدا کی پناہ
وہ جب بھی فتنہ تھے جب عالم شباب نہ تھا

ہزار پردوں میں مشتاق دیکھ لیتے ہیں
اسے حجاب تھا موسیٰ کو تو حجاب نہ تھا

پیامبر تجھے لاکھوں سوال کرنے تھے
نہ تھا ہزار میں اک بات کا جواب نہ تھا

کل اس نگاہ میں شوخی تھی کس قیامت کی
لڑا ہوا تو مرے دل کا اضطراب نہ تھا

نہ پوچھ مجھ سے مرے جرم داور محشر
مرے گناہوں کا دنیا میں بھی حساب نہ تھا

اگرچہ بادہ کشی تھی گناہ اے زاہد
جو تجھ سے چھین کے پیتا تو کچھ عذاب نہ تھا

ازل میں عشق کے . لے ملا نہ کیوں دوزخ
اگر عذاب ہی دنیا تھا واں عذاب نہ تھا

ہزار شکر نز چشم تر نے ساتھ دیا
رہ عدم میں کہیں ایک قطرہ آب نہ تھا

کلام جو رندوں کا شیخ چکرایا
وہاں تو بات کا چھینٹا بھی بے شراب نہ تھا

مرے سوا تری محفل میں رات کو ظالم
وہ کون تھا کس و ناکس جو باریاب نہ تھا

بغیر داغ کے جنت تمہاری بزم رہی
ہزار شکر کہ وہ خانماں خراب نہ تھا

۵۴

کیونکر اس کی نگہ ناز سے جینا ہو گا
زہر دی اس پہ یہ تاکید کہ پینا ہو گا

تیری مژگاں کی نہ تھی دست درازی مشہور
دل جھپٹ کر کسی رہ گیر کا چھینا ہو گا

چاک دل تیغ تغافل سی کیا ہے تم نے
رشتہ تار نظر سے تمہیں سینا ہو گا

حشر میں سر سے گذر جائے گا طوفان جس کا
وہ ہماری ہی خجالت کا پسینا ہو گا

خلد میں پھر کسی کافر ہی کا دل بہلے گا
گر نہ معشوق و مے و ساغر و مینا ہو گا

خاک کر دے گی تری برق تجلی اک دن
طور سینا تری مشتاق کا سینا ہو گا

امتحاں کرکے ترا صاف پشیماں ہوئے
ہم نے جانا تھا رقیبوں سے بھی کمنا ہو گا

تیرا دو روز کا وعدہ بھی نہیں حشر سے کم
ایک اک دن مجھے ایک ایک مہینہ ہو گا

چین دیتے نہیں وہ داغ کسی طرح مجھے
میں جو مرتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جینا ہو گا

۵۵

بے عشق تو جینا مجھے دم بھر بھی نہیں ہوتا
سودا جو نہ ہوتا تو مرا سر بھی نہ ہوتا

کیوں رنج دیئے دل کو جو فریاد کا ڈر ہے
تھی آپ کی مرضی کہ یہ مضطر بھی نہ ہوتا

عاشق نہ اگر اپنی جبیں رکھتے تو کافر
کعبہ تری دہلیز کا پتھر بھی نہ ہوتا

جی کس سے لگاتے شب فرقت میں الٰہی
بہلانے کو دل گر غم دلبر بھی نہ ہوتا

ہوتا نہ اگر قتل کا عالم کے ارادہ
سفاک ترے ہاتھ میں خنجر بھی نہ ہوتا

ہے واسطے ہر کام کے اک روز مقرر ہوتا جو نہ انصاف تو محشر بھی نہ ہوتا
آتا جو یہاں روز جزا اے شب ہجراں بڑھ کر تو کہاں تیرے برابر بھی نہ ہوتا
ظالم جو کہا اس کو یہ ہے حسن کی خوبی بہتر تو یہی تھا کہ وہ بہتر بھی نہ ہوتا
غارت گر ایماں تو ہے اے داغ یہ کافر
گر عشق نہ ہوتا کوئی کافر بھی نہ ہوتا

۵۶

مجھ سے بہتر مرا ملال رہا کہ ترے دل میں مہ جمال رہا
لاگ نے دل کے کہہ دیا سب سے اسی کمبخت کا خیال رہا
مل چکے بس ملیں گے خاک میں ہم ہو چکا وصل تو وصال رہا
عشق کے زور شور تو دیکھو جو بھلایا وہی خیال رہا
ذکر روز جزا پہ کہتے ہیں اور جو ہم پہ ہی انفصال رہا
تونے آرام کچھ دیا اے مرگ زندگی کیا رہے وبال رہا
شب غم بھی گذر ہی جائے گا نہ رہے گا نہ ایک حال رہا
دل ہمارا وہ چیز ہے جس کا لب معشوق پر سوال رہا
داغ نے حال دل کہا اس نے
کچھ بھی کمبخت کو خیال نہ رہا

۵۷

جب تک کہ مرے گریہ سے طوفاں نہ ہوا تھا الفت میں کوئی کار نمایاں نہ ہوا تھا

دل میں نے دیا تھا اسے کچھ سوچ کے اپنا
سودا تو مجھے ناصح ناداں نہ ہوا تھا

شامت مری جو میں نے مسیحا انہیں جانا
آئے تھی اجل درد کا درماں نہ ہوا تھا

فرہاد کے مر جانے کا مذکور نہ کیجئے
کچھ آپ کی تلوار کا احسان نہ ہوا تھا

تیزی نہ کراتنی رگ گردن پہ کہ ہم سے
کچھ تیرا گنہ خنجر براں نہ ہوا تھا

محشر میں بھی عشاق کا سر اٹھنے نہ دیتا
دنیا میں بھلے کو ترا احسان نہ ہوا تھا

لخت دل صد چاک نے یہ رنگ دکھایا
یوں صورت گل غنچہ پیکاں نہ ہوا تھا

کیسا ہی زمانہ ہو مگر دوست دل اپنا
ہو گا نہ ہوا ہے کسی عنوان نہ ہوا تھا

بے خود جو ہوا میں تو غضب ٹوٹ پڑا ہے
آئینہ تمہیں دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا

اس وعدہ فراموش کا اللہ رے تغافل
گویا نہ کیا تھا کبھی پیماں نہ ہوا تھا

دل داغ نے کیوں خاک یا صبر ہی کرتا
اتنا نہ ہوا تھا کوئی خواہاں نہ ہوا تھا

۵۸

بشر نے خاک پایا لعل پایا گہر پایا
مزاج اچھا اگر پایا تو سب کچھ اس نے بھر پایا

ملا تو کیا ملا پایا تو کیا جب ڈھونڈ کر پایا
مزا ہے دل کے کھونے کا ادھر کھویا ادھر پایا

مری فریاد میرے کان میں اے کاش یہ کہدے
نہ کیجئے جستجو لیجئے مبارک ہو اثر پایا

نفس کے آنے جانے پر بشر کی زندگی ٹھہری
یہ پوچھو تو مسافر تونے کیا لطف سفر پایا

جراحت کا مزا ہے چارہ گر ناسور ہو جائے
بندھا جس زخم کا انگور اس نے کیا ثمر پایا

کیا تھا دفن کشتی کو تمہارے قبلہ رو لیکن
خدا جانے کہ منہ اس کا فرشتوں نے کدھر پایا

جو تم سے رنج بھی کے کسی کو تو زہے قسمت
ہمیں دیکھو کہ اپنے حوصلے سے بیشتر پایا

دل گم گشتہ کی مذکور پر تم کھوئے جاتے ہو
بڑی چوری ملے ُلی زلف پر خم میں اگر پایا

ہمارا میکدہ بھی ایک دن بن جائے گا کعبہ
دکھا دیں گے تجھے اے شیخ وہ جنت میں گھر پایا

وہ میرا چھیڑنا آغاز الفت میں شکایت سے
وہ رکھ کر ہاتھ کانوں پر ترا کہنا کہ بھر پایا

نہ کھایا تھا کبھی خون جگر ہم نے مگر کھایا
نہ پایا تھا کبھی آزار الفت میں مگر پایا

تمہاری رہگذر میں لوگ دیوانہ بناتے ہیں
کہا مجھ سے ترا دل ہے کسی نے کچھ اگر پایا

صبا آتی ہے اس گم گشتہ کی بو آج کچھ تجھ میں
ہمارا نام برپا یا کہاں پایا کدھر پایا

رہی ہے رات بھر تھم تھم کے رہ رہ کر چھپ کے دل میں
جگایا لے کے چٹکی درد نے جب بے خبر پایا

رئیس مصطفیٰ آباد کے نوکر ہوئے جیسے
کہیں کیا داغ ہم آرام ہم نے کس قدر پایا

۵۹

روکش اس چین جبیں سے خم گیسو نہ ہوا
نہ ہوا مد مقابل بجز ابرو نہ ہوا

عاشق چہرہ ہوا بندۂ گیسو نہ ہوا
دل تو کافر بھی کتابی ہوا ہندو نہ ہوا

کسی دشمن کو مرے صدمہ سر مو نہ ہوا
رنج کا دل نہ ہوا درد کا پہلو نہ ہوا

شوق بوسہ اسے کہتے ہیں کہ میرے دل میں
لب معشوق ہوا تیر ترازو نہ ہوا

جب خیال ان کو ہوا اس کے ہم آنسو پونچھیں
وائے تقدیر مری آنکھ میں آنسو نہ ہوا

کر لئے جمع حسینوں نے ہزاروں فتنے
عرصہ حشر ہوا گوشہ ابرو نہ ہوا

شمع پر سینک کے تکئے بھی بغل میں ڈالے
گرم جب بھی تو شب ہجر میں پہلو نہ ہوا

لڑتی ہیں کچھ عجب انداز سے نیچی نظریں
کوئی آئینہ ہوا آپ کا زانو نہ ہوا

ہڈیاں گھل گئیں سینے کی گداز غم سے
گھل کے پیکاں ترے تیر کا آنسو نہ ہوا

نام رکھتے ہیں مسیحا کو وہ یہ کہہ کہہ کر
لب میں اعجاز ہوا آنکھ میں جادو نہ ہوا

درد بھی سینے سے اٹھ کر نہ بغل تک پہنچا
شب فرقت میں اس کو بھی پہلو نہ ہوا

کسی حلقے سے کمان کے نہ ہوا صید یہ دل
کھینچ کے جب تک وہ کماندار کا ابرو نہ ہوا

بزم اغیار کا مذکور ہے میرے آگے
وہ بھی اس طرح کہ افسوس وہاں تو نہ ہوا

جبکہ موسیٰ کو غش آیا تھا یہ چھینٹا دیتا
شعلہ برق تجلی مگر آنسو نہ ہوا

جب عمل ان کے تلیں گے تو کہیں گے بے کش
آج کو رطل گراں سنگ ترازو نہ ہوا

ایک دن غیر کے پہلو میں انہیں دیکھا تھا
جب سے وہ بات نہ کی جس میں کہ پہلو نہ ہوا

پند گو لطف ملاقات اسے کہتے ہیں ‏ خوش کبھی نہ ہوا شاد کبھی تو نہ ہوا
دل کا جویا ہے یہاں تک تو وہ دلبر میرا ‏ مول تصویر نہ لی جس میں کہ پہلو نہ ہوا
بدگمانی نے ہمیں رات کو آوارہ کیا ‏ کہ جہاں ہم گئے اے شوخ وہاں تو نہ ہوا
اے حنا تیرے تلوں سے مجھے حیرت ہے ‏ سبز سے سرخ ہوا رنگ ترا بو نہ ہوا
مرثیہ ہم دل مقتول کا پڑھتے اے داغ
ان کی مجلس میں مگر کوئی بھی بازو نہ ہوا

۶۰

آئینہ تصویر کا تیرے نہ لے کر رکھ دیا ‏ بوسے لینے کے لئے کعبے میں پتھر رکھ دیا
ہم نے ان کے سامنے اول تو خنجر رکھ دیا ‏ پھر کلیجا رکھ دیا دل رکھ دیا سر رکھ دیا
قطرۂ خون جگر سے کی تواضع عشق کی ‏ سامنے مہمان کے جو تھا میسر رکھ دیا
منصفی ہو تو غضب نامنصفی ہو تو ستم ‏ اس نے میرا فیصلہ موقوف مجھ پر رکھ دیا
نامہ بر کہتا ہے مجھ سے کیا کرامت ہے تمہیں ‏ جو وہ لکھتے وہ بھی تم نے خط میں لکھ کر رکھ دیا
سن لیا ہے پاس حوروں کے پہنچتے ہیں شہید ‏ اس لئے لاشے پہ میرے اس نے پتھر رکھ دیا
شوق بھی ہے وہم بھی ہے کیا کروں اے نامہ بر ‏ کل جو لکھا کاٹ کر وہ آج دفتر رکھ دیا
کہتے ہیں بوئے وفا آتی ہے ان پھولوں میں آج ‏ دل جو ہم نے لالہ و گل میں ملا کر رکھ دیا
قتل کو میرے مری حسرت ادا تیری نہ تھی ‏ نام اک لوہے کے ٹکڑے کا جو خنجر رکھ دیا
کل چھڑالیں گے یہ زاہد آج تو ساقی کے ہاتھ ‏ رہن اک چلو پہ ہم نے حوض کوثر رکھ دیا
آتش دوزخ پہ ہو گا آتش تر کا گماں ‏ کسی میکش نے اپنا دامن تر رکھ دیا
ذبح کرتے ہی مجھے قاتل نے دھوئے اپنے ہاتھ ‏ اور خون آلودہ خنجر غیر کے گھر رکھ دیا

زندگی میں پاس سے دم بھر نہ ہوتی تھی جدا
قبر میں تنہا مجھے یاروں نے کیونکر رکھ دیا

دیکھئے اب ٹھوکریں کھاتی ہے کس کس کی نگاہ
روزن دیوار میں ظالم نے پتھر رکھ دیا

شام ہی سے لوٹتا ہے مجھ کو انگاروں پر آج
اس لئے میں نے الگ تہ کرکے بستر رکھ دیا

تیرے مژگاں کے تصور نے دل بیتاب میں
ایک ترکش رکھ دیا اک گنج نشتر رکھ دیا

کعبہ کیسا خلد میں لے جائیں تیرا سنگ در
اتنی منت ہے کہ یاں سے وہاں اٹھا کر رکھ دیا

زلف خلای ہاتھ خالی کس جگہ ڈھونڈھیں اسے
تم نے دل لے کر کہاں اے بندہ پرور رکھ دیا

داغ کی شامت جو آئی اضطراب شوق میں
حال دل کمبخت نے سب ان کے منہ پر رکھ دیا

٦١

یار کے غم میں پریشاں یہی یار رہا
صبر مرحوم کا اک دل ہی عزادار رہا

تھی شب قدر سے بھی قدر شب وعدہ سوا
کیا بتاؤں کہ کس امید پہ بیدار رہا

یاں بھی مشتاق کی قسمت میں کوئی جلوہ ہے
یا فقط حشر ہی پر وعدہ دیدار رہا

سچ تو یہ ہے کہ مزا شوق کا انکار سے ہے
شوق سا شوق رہا جب انھیں انکار رہا

کیجئے عشق بتاں میں بھی خدا کو شامل
کیا رہا خوف جب اللہ مددگار رہا

لطف فرما جو وہ رہتا تو ٹھکانا ہی نہ تھا
عین حکمت تھی وہ کافر جو دل آزار رہا

خاک میں دل کی صفائی نے ملایا مجھ کو
کہ مرا ایک جہان واقف اسرار رہا

نہ ہوا گرمی وحشت سے میں ٹھنڈا نہ ہوا
دور ہی دور ترا سایہ دیوار رہا

اسی سینے میں چھپایا اسی پہلو میں رکھا
اور اس پر دل بیتاب نہ زنہار رہا

چشم پر شوق میں مژگاں ہیں زباں کے کانٹے
میں جواز بسکہ ترا تشنہ دیدار رہا

داغ دل کا نہ چھپا داغ بہت ڈالی خاک
شمع بن کر مرے مرقد پہ نمودار رہا

۶۲

کب ہوا اے بت بیگانہ منش تو اپنا
دل جو اپنا ہی نہیں اس پہ بھی قابو اپنا

تم کو آشفتہ مزاجوں کی خبر سے کیا کام
تم سنوارا کرو بیٹھے ہوئے گیسو اپنا

ابتدائے رمضاں میں ہے مہ عید کی دھوم
کسی کافر نے دکھایا نہ ہو ابرو اپنا

بعد میرے نہ رہا دیکھنے والا کوئی
تم زمانے کو دکھاؤ رخ نیکو اپنا

نہ بنا ہو یہ کہیں غیر کے سر کا تکیہ
مسکراتے ہیں وہ کیوں دیکھ کے زانو اپنا

آتش دل ہی غنیمت ہے شب فرقت میں
گرم رہتا ہے اسے آگ سے پہلو اپنا

حق میں عاشق کی بھلا ہو کہ برا ہو کچھ ہو
فائدہ دیکھ لیا کرتے ہیں خوشرو اپنا

وہی ہم تھے کہ جو روتوں کو ہنسا دیتے تھے
اب ہے یہ حال کہ تھمتا نہیں آنسو اپنا

لگ گئی چپ تجھے اے داغ حزیں کیوں ایسے
مجھ کو کچھ حال تو کمبخت بتا تو اپنا

۶۳

دیکھنا حشر میں جب تم پہ مچل جاؤں گا
میں بھی کیا وعدہ تمہارا ہوں کہ ٹل جاؤں گا

آؤ مل جاؤ کہ یہ وقت نہ پاؤ گے کبھی
میں بھی ہمراہ زمانے کے بدل جاؤں گا

اس قدر خوف ہے مجھ کو ستم پنہاں کا
یک بیک لطف بھی کیجئے تو دہل جاؤں گا

ناوک یار سے یہ دل نے کہا مجھ کو نہ چھوڑ سائے کے ساتھ ترے میں بھی نکل جاؤں گا

ان سے پوچھوں گا کسی پردہ میں احوال رقیب زہر کے گھونٹ نگلنے ہیں نگل جاؤں گا

دل لگاتا نہ کبھی وارفتا میں ہرگز کیا خبر تھی مجھے آج آؤں گا کل جاؤں گا

اپنے سر کوئی بھی لیتا ہے پرائی آفت طور آگاہ نہ تھا اس سے کہ جل جاؤں گا

جلوۂ یار ہے گو ہوش ربا اے ناصح میں تجھے لے کے گروں گا تو سنبھل جاؤں گا

قبر میں حسرت ، ارماں ہیں غنیمت اے داغ
رفتہ رفتہ انہیں یاروں میں بہل جاؤں گا

۶۴

جہاں میں کیا نہ ڈھونڈھا کیا نہ پایا مزاج ان کا دماغ ان کا نہ پایا

مزا کچھ تم نے اے موسیٰ نہ پایا وہ پایا اس طرح گویا نہ پایا

تری جانب ہے پھر جاتی خدائی مگر کافر تجھے اتنا نہ پایا

چھپایا تھا تمہاری زلف نے دل کہو ایمان سے پایا نہ پایا

خوشی نہ ملتی تو کیا ملتی ازل میں غنیمت ہے کہ غم تھوڑا نہ پایا

ملا مصر محبت میں جو ہم کو زلیخا نے بھی وہ سودا نہ پایا

ترے دست حنائی میں بھی ہے چور کسی کو ہاتھ کا سچا نہ پایا

گہر کی آبرو ہے جوہری سے پڑا پایا تو مول اچھا نہ پایا

خزاں ہی خوب تھی بھر نشیمن چمن میں ایک بھی تنکا نہ پایا

تصور میں مری تیری کمر ہے اسی دنیا سے کچھ عنقا نہ پایا

ہم اس کی بزم میں کھوئے گئے تھے — رقیبوں نے ہمیں پایا نہ پایا
اگرچہ قیس نے عشق و جنوں کا — مزا پایا مگر ایسا نہ پایا
ہوئے جس دن سے تم رشک مسیحا — زمانے میں کوئی اچھا نہ پایا
قیامت کا کیا ہے اس نے وعدہ — قیامت ہے اگر تنہا نہ پایا
سفارش ہم ترے کرتے پر اے داغ
کچھ ان کا تجھ سے رخ اچھا نہ پایا

۶۵

عجب اپنا حال ہوتا جو وصال یار ہوتا — کبھی جان صدقے ہوتی کبھی دل نثار ہوتا
کوئی فتنہ تاقیامت نہ پھر آشکار ہوتا — ترے دل پہ کاش ظالم مجھے اختیار ہوتا
جو تمہاری طرح تم سے کوئی جھوٹے وعدے کرتا — تمہیں منصفی سے کہدو تمہیں اعتبار ہوتا
غم عشق میں مزا تھا جواسے سمجھ کے کھاتے — یہ وہ زہر ہے کہ آخر مے خوشگوار ہوتا
یہ مزہ تھا دل لگی کا کہ برابر آگ لگتی — نہ تجھے قرار ہوتا نہ مجھے قرار ہوتا
یہ مزا ہے دشمنی میں نہ ہے لطف دوستی میں — کوئی غیر غیر ہوتا کوئی یار یار ہوتا
ترے وعدے پر ستمگر ابھی اور صبر کرتے — اگر اپنی زندگی کا ہمیں اعتبار ہوتا
یہ وہ درد دل نہیں ہے کہ ہو چارہ ساز کوئی — اگر ایک بار مٹتا تو ہزار بار ہوتا
گئے ہوش تیرے زاہد جو وہ چشم مست دیکھی — مجھے کیا الٹ نہ دیتے جو نہ بادہ خوار ہوتا
مجھے مانتے سب ایسا کہ عدو بھی سجدے کرتے — در یار کعبہ بنتا جو مرا مزار ہوتا
تمہیں ناز ہو نہ کیونکر کہ لیا ہے داغ کا دل
یہ رقم نہ ہاتھ لگتی نہ یہ افتخار ہوتا

۶۶

جلوہ دیکھا تری رعنائی کا کیا کلیجا ہے تماشائی کا
رہ گیا عرش سے آگے جاکر ہائے عالم مری تنہائی کا
یوں نہ ہو برق تجلی بیتاب مل گیا رنگ تماشائی کا
یاد آتا ہے وہ رسوا کرکے رنج کرنا مری رسوائی کا
آئی شوخی میں کہاں سے تمکین پڑ گیا صبر تمنائی کا
اے لب یار جلا دے دل کو واسطہ اپنے مسیحائی کا
روز دیدار خدا خیر کرے معرکہ ہے تری زیبائی کا
اب تصور سے بھی گھبراتا ہوں کیا مزا ہے مجھے تنہائی کا
منہ سے بولے تو کہا آئینہ کھیل کھیلے تو خود آرائی کا
ضعف نے دل کو تڑپنے نہ دیا ہو گیا نام شکیبائی کا
ان کی شہرت بھی مٹی جاتی ہے کیا ٹھکانا مری رسوائی کا
کیا تصور بھی نہ آنے دے گی منہ تو دیکھو شب تنہائی کا

داغ کی قبر مٹا کر بولے
یہ نشان تھا اسی سودائی کا

۶۷

خاطر سے یا لحاظ سے میں مان تو گیا جھوٹی قسم سے آپ کا ایمان تو گیا

دل لے کے مفت کہتے ہیں کچھ کام نہیں
الٹی شکایتیں ہوئیں احسان تو گیا

ڈرتا ہوں دیکھ کر دل بے آرزو کو میں
سنسان گھر یہ کیوں نہ ہو مہمان تو گیا

کیا آئے راحت آئی جو کنج مزار میں
وہ ولولہ وہ شوق وہ ارماں تو گیا

دیکھاہے بتکدے میں جو اے شیخ کچھ نہ پوچھ
ایمان کی تو یہ ہے کہ ایمان تو گیا

افشائے راز عشق میں گو ذلتیں ہوئیں
لیکن اسے جتا تو دیا جان تو گیا

گو نامہ بر سے خوش نہ ہوا پر ہزار شکر
مجھ کو وہ میرے نام سے پہچان تو گیا

بزم عدو میں صورت پروانہ دل مرا
گو رشک سے جلا ترے قربان تو گیا

ہوش و حواس و تاب و تواں داغ جا چکے
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

۶۸

شکر کرتا ہوں کہ شکوہ نہیں لب پر آیا
دیکھ تو کون وہ اے داور محشر آیا

خواب میں بھی نہ کسی شب وہ ستمگر آیا
وعدہ ایسا کوئی جانے کہ مقرر آیا

مجھ سے میکش کو کہاں صبر کہاں کی توبہ
لے لیا دوڑ کے جب سامنے ساغر آیا

تلوک یار کی واجب ہے تواضع اے دل
پھر نجانے کہیں مہمان مرا گھر آیا

غیر کے روپ میں بے جا ہے بلانے کو مرے
نامہ بروں کا نیا بھیس بدل کر آیا

سخت جانی سے مری جان بچے گی کب تک
ایک جب کند ہوا دوسرا خنجر آیا

وہ سنایا ہی کئے ایک کی سو سو مجھ کو
حرف مطلب مرے لب پر نہ مگر آیا

میں ہوں وہ تیز رو راہ محبت اے خضر
سایہ میرا نہ کبھی میرے برابر آیا

میرے افسانہ کو پورا نہ ہوا روز جزا
ڈھل گیا دن تو یہ جانا کہ گھڑی بھر آیا

داغ تھا درد تھا غم تھا کہ الم تھا کچھ تھا — لے لیا عشق میں جو ہم کو میسر آیا
عشق تاثیر ہی کرتا ہے کہ اس کافر نے — جب مرا حال سنا سنتے ہی جی بھر آیا
رشک کہتا ہے کہ قاصد کے ملا اس نے عطر — کہ مرے نام کا خط اب کے معطر آیا
شب وعدہ نہ ہوا ایک جگہ مجھ کو قرار — صبح تک میں کبھی گھر میں کبھی باہر آیا
اس قدر شاد ہو گویا کہ ملی ہفت اقلیم — آئینہ ہاتھ میں آیا کہ سکندر آیا
اس کے لکھے کو مٹا کر ہمیں کچھ لکھ دیتے — کیا کریں سامنے اپنا نہ مقدر آیا
غیر نے آج کیا مہر و وفا کا دعویٰ — تمہیں انصاف سے کہدو تمہیں باور آیا
رنج اتنا نہیں میرا جسے لکھے کوئی — یہ مرے نامہ اعمال میں کیونکر آیا
وصل میں ہائے وہ اترا کے مرا بول اٹھنا — اے فلک دیکھ تو یہ کون مرے گھر آیا
نالہ وہ نالہ مرا جس سے فلک کانپ گیا — خوف آیا نہیں کیا ان کو مقرر آیا
راہ میں وعدہ کریں جاؤں جو گھر پر تو کہیں — کون ہے کس نے بلایا اسے کیونکر آیا

داغ کے نام سے نفرت ہے وہ جل جاتے ہیں
ذکر کمبخت کا آنے کو تو اکثر آیا

۶۹

ہجر میں عیش گزشتہ جو مجھے یاد آیا — داد بیداد کو ہنگامہ فریاد آیا
کبھی مسجد میں جو وہ شوخ پریزاد آیا — پھر نہ اللہ کے بندوں کو خدا یاد آیا
تھم ذرا اور نہ گرا ٹوٹ کے یہ خانہ خراب — گنبد چرخ اب اے شورش فریاد آیا
کس کے آنے کا تصور ہے کہ ہر دم ہر وقت — ہے ترا تکیہ کلام اے دل ناشاد آیا
جلوہ گر کعبہ دل میں ہے وہ بت اے زاہد — کہہ کے لبیک یہاں عشق خداداد آیا

اپنے سر کی مرے لاشے نے بلائیں لے لیں
دست قاتل کا جو انداز مجھے یاد آیا

چھوٹ کر کنج قفس سے بھی یہ کھٹکا نہ گیا
جب صبا آئی تو جانا وہی صیاد آیا

یہ وہ گھر ہے کہ خوشی کا تو یہاں کیا مذکور
غم بھی آیا مرے دل میں تو بہت شاد آیا

سخت جان کوئی نہ تھا اہل ہوس میں یارب
ٹوٹ کر بھی نہ ادھر خنجر جلاد آیا

آتش غم نے جلایا ہے سراپا ایسا
میری سائے میں نہ میرا کبھی ہمزاد آیا

غیر جب ذبح ہوا تجھ کو مرے سر کی قسم
کچھ مزا بھی تجھے اے خنجر فولاد آیا

حشر کیا شے ہے فقط چار پہر کا جھگڑا
دیکھنا پھر میں سو عالم ایجاد آیا

رات بھر شور رہا ہے ترے ہمسائے میں
کس کے ارمان بھرے دل کو خدا یاد آیا

پہلے ہی میری رگ جان میں لگایا نشتر
پٹی آنکھوں پہ مگر باندھ کے فصاد آیا

دھجیاں اس کی فرشتوں نے اڑائیں کیا کیا
ہاتھ میں ان کے جو مرا دامن فریاد آیا

عارض آئینہ جبیں آئینہ رخ آئینہ
اپنا منہ دیکھنے آگے ترے بہزاد آیا

داغ کو تم نے بھلایا ہے کچھ ایسا دل سے
وہ تو کیا شعر بھی اس کا نہ کبھی یاد آیا

۷۰

کونسا طائر گم گشتہ اسے یاد آیا
دیکھتا بھالتا ہر شاخ کو صیاد آیا

میرے قابو میں نہ پہروں دل ناشاد آیا
وہ مرا بھولنے والا جو مجھے یاد آیا

کوئی بھولا ہوا انداز ستم یاد آیا
کہ تبسم تجھے ظالم دم بیداد آیا

لائے ہیں لوگ جنازے کی طرح محشر میں
کس مصیبت سے ترا کشتہ بیداد آیا

جذب وحشت ترے قربان ترا کیا کہنا
کھنچ کے رگ رگ میں مرے نشتر فصاد آیا

اس کے جلوے کو غرض کون و مکاں سے کیا تھے
داد لینے کے لئے حسن خدا داد آیا

بستیوں سے یہی آواز چلی آتی ہے
جو کیا تو نے وہ آگے ترے فرہاد آیا

دل ویراں سے رقیبوں نے مرادیں پائیں
کام کس کس کے مرا خرمن برباد آیا

عشق کے آتے ہی منہ پر مرے پھولی ہے بسنت
ہو گیا زرد یہ شاگرد جب استاد آیا

ہو گیا فرض مجھے شوق کا دفتر لکھنا
جب مرے ہاتھ کوئی خامہ فولاد آیا

عید ہے قتل مرا اہل تماشا کے لئے
سب گلے ملنے لگے جبکہ وہ جلاد آیا

چین کرتے ہیں وہاں رنج اٹھانے والے
کام عقبیٰ میں ہمارا دل ناشاد آیا

دی شب وصل موذن نے اذان پچھلی رات
ہائے کمبخت کو کس وقت خدا یاد آیا

میرے نالے نے سنائی ہے کھری کس کس کو
منہ فرشتوں پہ یہ گستاخ یہ آزاد آیا

غم جاوید نے دی مجھ کو مبارکبادی
جب سنا یہ کہ انہیں شیوۂ بیداد آیا

میں تمنائے شہادت کا مزا بھول گیا
آج اس شوق سے ارمان سے جلاد آیا

شادیانہ جو دیا نالہ و شیون نے دیا
جب ملاقات کو ناشاد کی ناشاد آیا

لیجئے سنئے اب افسانہ فرقت مجھ سے
آپ نے یاد دلایا تو مجھے یاد آیا

آپ کی بزم میں سب کچھ ہے مگر داغ نہیں
ہم کو وہ خانہ خراب آج بہت یاد آیا

۱۷

اس قدر ناز ہے کیوں آپ کو یکتائی کا
دوسرا نام ہے وہ بھی مری تنہائی کا

کیا چھپے راز الٰہی دل شیدائی کا
عرصہ حشر تو بازار ہے رسوائی کا

جان لے جائے گا آنا شب تنہائی کا
کون اب روکنے والا ہے مری آئی کا

خوگر رنج و بلا حشر کے دن کیا خوش ہوں
کہ وہ حال آج ہوا ہے شب تنہائی کا

زندہ ہے نام شہادت کا اس کے دم سے
تیری کشتہ نے کیا کام مسیحائی کا

ہر گلی کوچے میں پامال اسے ہو جانا
دل ہے یا نقش قدم ہے کسی ہرجائی کا

اس ادب سے تہہ شمشیر تڑپنا اے دل
کہ گماں تیری تپش پر ہو شکیبائی کا

فتنے بھی قاعدے سے اٹھتے ہیں جب اٹھتے ہیں
کیا سلیقہ ہے تمہیں انجمن آرائی کا

وہ یہ کہتے ہیں مرا صبر پڑے گا تجھ پر
اب مجھے رنج نہیں اپنی شکیبائی کا

کیا غرض ہے مری تقدیر کو مجھ سے پوچھئے
آبرو کا ہے طلبگار کہ رسوائی کا

واں شب وعدہ ملی انوں میں مہندی اس نے
یاں کلیجا کوئی ملتا ہے تمنائی کا

رات بھر شمع رہی ہجر میں وہ بھی خاموش
ملتجی تھا تری تصویر سے گویائی کا

سر مرا کاٹ کے دہلیز پر اپنے رکھ دو
شوق باقی ہے ابھی ناصیہ فرسائی کا

یوں نہ مقبول ہوا ہو گا کسی کا سجدہ
بت کو ارماں رہا میری جبیں رسائی کا

ہو گیا پر تو رخسار سے کچھ اور ہی رنگ
میں نے منہ چوم لیا اس کے تماشائی کا

تھم گئے جم گئے آنکھوں میں لہو کے قطرے
خون ظاہر ہے مرے صبر و شکیبائی کا

بن گیا داغ جگر مہر قیامت اے داغ
پر ابھی رنگ وہی ہے شب تنہائی کا

۲ے

ذرا وصل پر ہوا اشارا تمہارا
ابھی فیصلہ ہے ہمارا تمہارا

بتو دین و دنیا کافی ہے مجھ کو
خدا کا بھروسا سہارا تمہارا

ان آنکھوں کی آنکھوں سے لوں میں بلائیں
میسر ہے جن کو نظارا تمہارا

محبت کے دعوے ملے خاک میں سب
وہ کہتے ہیں کیا ہے اجارا تمہارا

رکاوٹ نہ ہوتی تو دل ایک ہوتا　　تمہارا　ہمارا　ہمارا　تمہارا
برائی جو کی تم نے غیروں کی ہم سے　　ہوا حال سب آشکارا تمہارا
نکل کر مرے گھر سے یہ جان لو تم　　نہ ہو گا کسی گھر گذارا تمہارا
سنا ہے کسی اور کو چاہتا ہے　　وہ دشمن ہمارا وہ پیارا تمہارا
کریں گے سفارش ہم اے داغ ان سے
اگر ذکر آیا دوبارا تمہارا

۳۷

کیا کہوں تیرے تغافل نے حیا نے کیا کیا　　اس ادا نے کیا کیا اور اس ادا نے کیا کیا
بوسہ لے کر جان ڈالی غیر کی تصویر میں　　یہ اثر تیرے لب معجز نما نے کیا کیا
یاں جگر پر چلی گئیں چھریاں کسی مشتاق کی　　واں خبر یہ بھی نہیں ناز و ادا نے کیا کیا
میرے ماتم سے مرے قاتل کو ناخوش کر دیا　　کیا کیا افسوس یہ اہل عزا نے کیا کیا
حشر میں پھرتے ہیں خوش خوش کیا وہ اتراتے ہوئے　　اور کہتے ہیں مرا روز جزا نے کیا کیا
چاہ کر ہم تو حسینوں کو مزے لوٹا کئے　　پند گو تیرے دل بے مدعا نے کیا کیا
رائیگاں جاتے نہیں محنت کسی کی ہم نشیں　　ہم دکھا دیں گے ہماری التجا نے کیا کیا
مار ڈالا آپ اپنی رنج فرقت میں مجھے　　اور پھر کہتا ہے ظالم یہ خدا نے کیا کیا
سنتے ہیں اے داغ ہم اس بت سے بگڑا ہے رقیب
غیب کے سامان دیکھو تو خدا نے کیا کیا

۷۴

چاہتا ہے کب مرنا کوئی سخت جان اپنا
تجھ کو چاہیے قاتل اول امتحاں اپنا

جب یقیں عشق آیا پھر وہ بت کہاں اپنا
آگئے غضب میں ہم دے کے امتحاں اپنا

لاکھ آفتیں آئیں لاکھ حسرتیں چھائیں
اک ترے نہ ہونے سے بھر گیا مکاں اپنا

غیر خوش ہے ہم ناخوش کاش مدعی ہوتا
ایک آسماں اس کا ایک آسماں اپنا

بچ رہے گا کوئی تو برق و باد باراں سے
ہر درخت پر باندھا ہم نے آشیاں اپنا

ہم ہی سہی ہم کو ہو گئی خطا ہم سے
بس نہ کھائیں قسمیں تھا غلط گماں اپنا

دل میں جس قدر ہے درد اس کو کیا یقیں آئے
داغ بے نمود اپنا زخم بے نشاں اپنا

دوست اور ایسا دوست ایک دم میں مرجائے
دل غریق رحمت ہو تھا مزاج داں اپنا

کر دیا مجھے بے خود شوق سجدہ نے کیسا
یہ نہیں خبر یہ ہے سنگ آستاں اپنا

دوستی کے پردے میں کون دشمنی کرتا
اس کی مہربانی ہے جو ہے مہرباں اپنا

لوگ ماجرائے غم پوچھنے کو آتے ہیں
بھیج دو مرے در پر کوئی پاسباں اپنا

واں برائی سے بھی اب تذکرہ نہیں آتا
ذکر خیر دیتا تھا رات دن جہل اپنا

ہائے میرے قاتل کو مفت کی ہے بدنامی
کام کر گئی ہوتی مرگ ناگہاں اپنا

ہم ستم رسیدوں کو زندگی مصیبت سے
خضر پر دھرے احسان عمر جاوداں اپنا

دھوم صبح محشر کی داغ سنتے آتے ہیں
پر نہیں کچھ اندیشہ خواب ہے گراں اپنا

۷۵

دوست دشمن کو ترے ناز نے اکثر مارا
ایک ہی وار میں دونوں کو برابر مارا

پاس آنے نہ دیا آہ شرر افشاں نے
دور سے پھینک کے جلاد نے خنجر مارا

طائر نامہ بر اپنا تو نہ ہو اے تقدیر
آج سنتا ہوں کوئی اس نے کبوتر مارا

اے محبت دل آشفتہ کا سودا دیکھا
اس کی زلفوں سے لیا اور مرے سر مارا

قلزم عشق میں ہے گوہر مقصود اے دل
تونے غوطہ نہ کبھی اس میں شناور مارا

یہ ستم طرفہ ستم ہے کہ تڑپتا ہی رکھا
جان سے تونے کسی کو نہ ستمگر مارا

چشم کافر کی رہی بحث لب جاناں سے
کہ مرے مردے کو سو بار جلا کر مارا

ستم چرخ نے مارا ہے یہ ظاہر ہو جائے
اس لئے اڑ کے مری خاک نے چکر مارا

آسماں سے ترے کوچے میں بہت زور ہوئے
نہ ہٹے ایک قدم ہم نی جو لنگر مارا

مارنا دل کا سمجھتا ہوں جہاد اکبر
وہی غازی ہے بڑا جس نی یہ کافر مارا

سخت جانی تے یقیں-تھا نہ مرے مرنے کا
موت سے پوچھتے ہیں وہ اسے کیونکر مارا

رہ گئی قتل گہ عام میں عزت میری
آج قاتل نے مجھے لاکھ میں چن کر مارا

مدعی کوئی بھی میدان سخن میں نہ رہا
تونے کیا معرکہ اے داغ سخنور مارا

۷۶

راز دل نے کوئی کہے لاکھ میں کیونکر اپنا
داور حشر جدا چاہئے محشر اپنا

خطّ میں لکھا ہے جو حال دل مضطر اپنا
واں بھٹکتا ہے پھرا ہائے کبوتر اپنا

توبہ کے بعد بھی خالی نہیں دیکھا جاتا
دور رہتا ہے بھرا شیشہ و ساغر اپنا

ہم تو برباد ہوئے عشق میں اپنے ہاتھوں
کوئی بدخواہ نہیں اپنے سے بڑھ کر اپنا

عشق کا لطف تو جب ہے کہ مجھے دے ڈالیں
زندگی اپنی خضر تخت سکندر اپنا

گو مری شکل سے نفرت ہے مگر بھر خبر — آدمی بھیجتے رہتے ہیں وہ اکثر اپنا

وہ ہمیں تھے کہ ترے جور سے گھبراتے تھے — وہ ہمیں ہیں کہ تقاضا ہے برابر اپنا

دھوم ہے کوچہ قاتل میں قیامت آئی — فیصلہ ہم بھی کئے لیتے ہیں چل کر اپنا

روز جاتا ہوں نئے روپ سے اس کے در پر — روز کہتا ہوں نیا نام بدل کر اپنا

ہم کسی کام میں تقدیر کے قائل ہی نہ تھے — کچھ نہ بن آئی تو کہتے ہیں مقدر اپنا

قتل پر میری فرشتے بھی گواہی کر دیں — دے دیا کاتب اعمال کو محضر اپنا

ہم فقیروں کو کہاں چین کہ وہ کہتے ہیں — میرے در پر سے اٹھا لیجئے بستر اپنا

داغ اس کا الم اس کا غم ہجراں اس کا — سینہ اپنا جگر اپنا دل مضطر اپنا

کم نہ تھی شوخی رفتار سے بے تابی شوق — راہ میں پاؤں پڑا ان کے برابر اپنا

موئے کاکل سے تو کمزور مرے ہاتھ نہیں — چھین لیتا ہوں ابھی میں دل مضطر اپنا

سخت جانوں کا تو مشکل سے گلا کٹتا ہے — پہلے پتھر پہ لگا لیجئے خنجر اپنا

وہ زمانہ بھی تمہیں یاد ہے تم کہتے تھے
دوست دنیا میں نہیں داغ سے بہتر اپنا

۷۷

کچھ سعی سے اقبال میسر نہیں ہوتا — ہر آئینہ گر داغ سکندر نہیں ہوتا

دنیا میں مزا عشق سے بہتر نہیں ہوتا — یہ ذائقہ وہ ہے کہ میسر نہیں ہوتا

کیا کوئی زمانے میں ستمگر نہیں ہوتا — ہوتا ہے مگر تیرے برابر نہیں ہوتا

ہے حوصلہ مشق جفا اس کو الٰہی — پر کوئی گنہگار مقرر نہیں ہوتا

بیداد تری دیکھ کے یہ حال ہوا ہے — عاشق کوئی دنیا میں کسی پر نہیں ہوتا

رہتا ہے شب و روز بغل میں دل اپنا ‏ تم ہوتے ہو جب پاس تو اکثر نہیں ہوتا
ہم چھیڑ سے کہہ دیتے ہیں کٹتے ہوئے ان کو ‏ ملتے ہیں بہت ہاتھ جو خنجر نہیں ہوتا
میں صبر نہ کرتا کہ مرے حق میں الٰہی ‏ بہتر یہی ہوتا ہے کہ بہتر نہیں ہوتا
کیا مر نہیں جاتا قلق ہجر سے کوئی ‏ باور نہیں آتا تمہیں باور نہیں۔ہوتا
رہزن ہی سے ہم پوچھتے ہیں راہ محبت ‏ جب ہم کو میسر کوئی رہبر نہیں ہوتا
ہم شکوۂ بیداد کہیں بھول نہ جائیں ‏ دنیا میں بپا فتنہ محشر نہیں ہوتا
تم کہتے ہو معشوق اطاعت نہیں کرتے ‏ عاشق بھی تو معشوق کا نوکر نہیں ہوتا
ہم جانتے ہیں آئے ہیں ماتم کو فرشتے ‏ جس بزم میں شغل مے و ساغر نہیں ہوتا
علوت ہے عجب چیز بری ہو کہ بھلی ہو ‏ مرتا ہوں جو بے چین گھڑی بھر نہیں ہوتا

اے داغ نہ دے جان محبت میں کہ ناداں
پھر زندہ جہاں میں کوئی مر کر نہیں ہوتا

۷۸

راہ بر بن کر راہ الفت میں رہزن بن گیا
دل نے کی یہ دوستی ہم سے کہ دشمن بن گیا

ہو کے ناز اں اپنی صورت پر ہوا ہے خود پرست
وہ بت کافر صنم بن کر برہمن بن گیا

شب کو جلتا چھوڑ آئے تھے دل اس کوچے میں ہم
وہ بھی قسمت سے چراغ راہ دشمن بن گیا

رہرواں معرفت کا واں سا جاتا ہے منہ
جادۂ راہ حقیقت تار سوزن بن گیا

کیا فروغ حسن ہے وہ شب کو ہمسائے میں تھے
خانہ تاریک میرا دشت ایمن بن گیا

ہے نزاکت مانع جنبش لب جاں بخش کو
کام تیرا خوب چشم سامری فن بن گیا

رہ سکی ثابت نہ جوش حسن سے اس کی نقاب
چاک چاک ایسا ہوا پردہ کہ چلمن بن گیا

کشت دل میں دیکھ تخم عشق کی بالیدگی
ہم تو قائل اس کے ہیں جو دانہ خرمن بن گیا

میرے مرنے سے کیا ظالم نے گو سامان عیش
پر لب مطرب پر آکر نغمہ شیون بن گیا

ہاتھ اپنا چارہ گر اس کو لگا سکتا نہیں
دامن زخم جگر مریم کا دامن بن گیا

ہاتھ ڈالے تھے گلے میں ان کے میں نے خواب میں
کیا نزاکت ہے نشان طوق گردن بن گیا

ناتواں ایسا کیا ہے خوف نے صیاد کے
واسطے میرے رگ گل کا نشیمن بن گیا

گل کھلاتا ہے خزاں میں بھی مرا دشت جنوں
جب اچھلے زخم کہن اک تازہ گلشن بن گیا

مست مے کل تک تو مے خانے میں تھا اور آج داغ
داغ مے دامن سے دھو کر پاک دامن بن گیا

۷۹

مزا عشق کا ہے پر افسوس رہنا
ہماری تمنا ہے مایوس رہنا

یہ قید محبت اک آزادگی ہے
مگر کوئی جانے بھی محبوس رہنا

یہ سیکھا ہے تو اشک غماز کس سے
مرے آنکھ میں بن کے جاسوس رہنا

کیا ہے رقیبوں نے سامان عشرت
خبردار اے چرخ منحوس رہنا

خوشا وہ زمانہ کہ تھا دل کا شیوہ
نہ مانوس رہنا نہ مایوس کہنا

الٹ دے ذرا روئے روشن سے پردہ
یہ کیا شمع سان زیر فانوس رہنا

وہ محشر خرام آئے گا سوئے گلشن
الگ اس سے اے کبک و طاؤس رہنا

محبت میں یوں داغ عزت رہے گی
کہ تم دشمن ننگ و ناموس رہنا

۸۰

کیا ہو سکے مقابلہ مژگاں یار کا
دل ایک ہاتھ کا ہے جگر ایک وار کا

انداز کچھ ملانے لگا جو دیار کا
اب لطف دیکھنا ستم روزگار کا

پوچھے کوئی مزاج تو اللہ رے غرور
کہتے نہیں وہ شکر ہے پروردگار ہے

ہو گا نشان مہر و محبت یہیں کہیں
ڈھونڈھو چراغ لے کے ہمارے مزار کا

رہتی تھی اس کی یاد وہ راتیں کدھر گئیں
اب مجھ کو انتظار ہے اس انتظار کا

توبہ جو میں نے کی کھل آیا ذرا سا منہ
وہ رنگ روپ ہی نہیں، صبح بہار کا
میں بدگماں اس سے زیادہ خدا کی شان
ہے اعتبار اس کو مرے اعتبار کا
اٹھنا ہی تیری بزم سے دشوار تھا مجھے
اس پر سنبھالنا دل بے اختیار کا
فرقت میں ہم نے اپنی تسلی کے واسطے
رکھا ہے نام شوخ دل بے قرار کا
ٹکڑے کروں زبان شکایت کے تو سہی
کیا حال ہے کسی نگہ شرمسار کا
اے چشم یار دیکھ تغافل سے باز آ
دل ٹوٹ جائے گا کسی امیدوار کا
عاشق کی مشت خاک پریشان نہ ہو کبھی
اس میں جو میل ہو ترے دل کے غبار کا
غش کھا کے داغ یار کے قدموں پہ گر پڑا
بیہوش نے بھی کام کیا ہوشیار کا

۸۱

لطف آرام کا نہیں ملتا
آدمی کام کا نہیں ملتا
کیسے حاضر جواب ہو کہ جواب
میرے پیغام کا نہیں ملتا
اس نے جب شام کا کیا وعدہ
پھر پتا شام کا نہیں ملتا
جستجو میں بہت ہے وہ کافر
بھید اسلام کا نہیں ملتا
مل گیا میں تمہیں وگرنہ غلام
کوئی بے دام کا نہیں ملتا
چرخ پر جا کے عرض حال کروں
رستہ اس بام کا نہیں ملتا
نہ ملے رنگ رنگ میں جب تک
دل سے آشام کا نہیں ملتا
ظرف بے مثل ہے دل پر خوں
جوڑ اس جام کا نہیں ملتا
تلخی رشک کیا گوارا ہو
زہر بھی کام کا نہیں ملتا

داغ کی ضد سے ہے تلاش انہیں
کوئی اس نام کا نہیں ملتا

۸۲

جب تک کسی کے چاہ نہ تھی کیا سرور تھا
میرا ہی دل بغل میں مری رشک حور تھا

یاں امتحان برق تجلی ضرور تھا
کیا میں نہ تھا اس آگ میں جلنے کو طور تھا

واعظ ترے لحاظ سے ہم سن کے پی گئے
کیا ناگوار ذکر شراب طہور تھا

کیا ناامید عفو ہوں کیا یہ سنے گا وہ
اس کا نہ بخشنا تری رحمت سے دور تھا

ہے خوشنما خراش، دل اے پنجہ جنوں
مرجاؤں میں تو یہ نہ کہیں بے شعور تھا

ہم بوسہ لے کے ان سے عجب چال کر گئے
یوں بخشوا لیا کہ یہ پہلا قصور تھا

رکھا جو تشنہ لب مجھے ساقی نے سیر تھے
جس کو نظر لگے وہی پیمانہ چور تھا

کیوں تونے چشم لطف سے دیکھا غضب کیا
قربان اس نگاہ کے جس میں غرور تھا

پاس ادب سے رہ گئی فریاد کچھ ادھر
میں کیا کہوں کہ عرش بریں کتنی دور تھا

شب کو جو تم نہ آئے تو پہنچی کہاں کہاں
کیا طبع بدگمان کو ہمارے عبور تھا

کرنی پڑیں فراق میں بیمار داریاں
ہاتھوں میں ساری رات دل ناصبور تھا

دیکھا سلف سے آج تک انصاف عشق کا
تقصیر دار تھا وہی جو بے قصور تھا

جو مر گیا ترا رخ پرنور دیکھ کر
دیکھا تو آنکھ میں اسے مردے کے نور تھا

احمد کے غم میں دیدۂ دل کیوں نہ ہوں تباہ
دل کا سرور تھا مری آنکھوں کا نور تھا

اے داغ صدمہ غم ہجراں بجا درست
یہ سب سہی مگر تمہیں جینا ضرور تھا

۸۳

نہ ہوا پر نہ ہوا شوق کا دفتر پورا
ایک ہی دن میں ہوا قصۂ محشر پورا

مجھ کو دم بھر کی بھی فرصت نہ ملی نالوں سے
ورنہ گھڑیال ٹھہرتا ہے گھڑی بھر پورا

تھک گئے ہاتھ مگر کثرت مطلب ہے وہی
فکر ہے مجھ کو خط شوق ہو کیونکر پورا

اپنے حصے کی بچا لیتے ہیں دینے والے
نہ بھرا ساقی کم ظرف نے ساغر پورا

ایک ہی آن میں قاتل نے کیا قتل جہاں
حلق آیا نہ کسی کا تھا خنجر پورا

نہ یہ دل ہے نہ یہ جرات نہ یہ انداز بیاں
نامہ برحال کہے یار سے کیونکر پورا

گو تری زلف پریشاں سے پریشاں ہے سوا
ابھی آشفتہ ہوا کب دل مضطر پورا

نہ کیا نیم اشارے سے مرا کام تمام
مژۂ یار لگاتے نہیں خنجر پورا

اس کی رفتار نے کی اور قیامت برپا
اٹھنے پایا بھی نہ تھا فتنہ محشر پورا

قصد بت خانہ کیا ہے جو خدا پہنچا دیتے
جو کیا کام ہوا خیر سے اکثر پورا

ختم ہے شوخی الفاظ و تلاش مضمون
ہےؔ تو یوں داغ سخنور ہے سخنور پورا

۸۴

اس بت کو جب خیال ستم ہو کے رہ گیا
میں مضطرب خدا کی قسم ہو کے رہ گیا

نکلی پیامبر کی زباں سے نہ کوئی بات
کمبخت اس کے سامنے سم ہو کے رہ گیا

بدلے جو تیور اس کے شب وصل کیا کہوں
اظہار شکوۂ شب غم ہو کے رہ گیا

اے چارہ گر جگر کی کسک کس طرح مٹے
گو درد کم ہوا بھی تو کم ہو کے رہ گیا

ضرب المثل جہان میں وہ دل ہی مٹا ہوا
جو پائمال زیرِ قدم ہو کے رہ گیا

جانا اسی کو میں نے یہ پورا ہے آشنا
جو تیر میرے دل سے بہم ہو کے رہ گیا

واعظ سے ہم سے بحث رہی کوئے یار کی
ذکر بہشت خلد وارم ہو کے رہ گیا

پورا ہوا نہ ایک بھی اس دل کا مسودہ
فرسودہ لاکھ بار قلم ہو کے رہ گیا

غالب ہوئی جو شوق پہ تاثیر جذب دل
قاصد روانہ چار قدم ہو کے رہ گیا

دل نے تری گلی سے نہ اٹھنے دیا مجھے
سو بار قصد دیر و حرم ہو کے رہ گیا

اے داغ ہم نہ دیکھ سکے روز حشر کچھ
سر خجلت گناہ سے خم ہو کے رہ گیا

۸۵

کوئی کلمہ بھی مرے منہ سے نکلنے نہ دیا
وہ لٹایا مجھے قاتل نے سنبھلنے نہ دیا

نفس سرد کی تاثیر شب غم دیکھو
شمع کو تا بہ سحر میں نے پگھلنے نہ دیا

بدگمان تھا کہ تپ ہجر نہ کم ہو جائے
اس نے کافور مرے لاش پہ ملنے نہ دیا

اس جفا پر یہ وفا ہے کہ تمہارا شکوہ
دل میں رہنے نہ دیا منہ سے نکلنے نہ دیا

شوق نے راہ محبت میں ابھارا لیکن
ضعف نے ایک بھی گرتے کو سنبھلنے نہ دیا

عقل کہتی تھی نہ لکھ دفتر مطلب اس کو
شوق نے ایک بھی مضمون بدلنے نہ دیا

اے شب ہجر ترا خلق پر احسان ہو گا
حشر کے دن کو اگر تو نے نکلنے نہ دیا

بدگمانی نے نہ چھوڑا اسے تنہا چھوڑوں
میں نے قاصد کو الگ راہ میں چلنے نہ دیا

کسی صورت نہ بچا عشق کی رسوائی سے
کہ مجھے نام بھی غیرت نے بدلنے نہ دیا

چھین لیتا اسے میں حشر کے دن ضد کر کے
کیا کروں مجھ کو فرشتوں نے مچلنے نہ دیا

بزم اغیار میں اس شوخ نے عیاری سے
کیا ہی اعجاز کیا داغ کو جلنے نہ دیا

۸۶

دم عشق میں کیا دل مجبور رہ گیا
صدمہ کسی سے اٹھ نہ سکا کوئی سہ گیا

شب کو جو گھر میں غیر کے وہ رشک مہ گیا
میں کیا بتاؤں کون مرے دل سے کہہ گیا

مجھ سخت جان کو ناز کہ یہ جور سہہ گیا
قاتل کو یہ گلا کہ مرا ہاتھ رہ گیا

ہم اس کی بزم ناز میں اس حال سے گئے
گویا فقیر دیکھنے دربار شہ گیا

اٹھتے نہیں ہے ضرب محبت پہاڑ سے
رستم وہی ہے مرد جو یہ درد سہ گیا

قاتل کے آتے آتے سب آپس میں کٹ مرے
دریا لہو کا خنجر غیرت سے بہ گیا

غم نے ترے نچوڑ لیا قطرہ قطرہ خون
تھوڑا سا درد دل میں کھٹکنے کو رہ گیا

بوسہ نہ دو اٹھاؤ تو عارض سے اپنی زلف
کیا چاندنی کا لطف ہے جب چاند گہ گیا

ہنگام ضبط سینے میں سو گردشیں رہیں
اچھا رہا وہ اشک جو آنکھوں سے بہ گیا

گیا حشر میں وہ دولت دیدار سے ہو شاد
دنیا میں جو وصال سے محروم رہ گیا

جی جائے موت آئے جو کمبخت داغ کو
سچ تو یہ ہے کہ تم سے کوئی جھوٹ کہہ گیا

۸۷

کھینچا غم فرقت کا دل تو نے عذاب ایسا
ہم تجھ کو نہ سمجھے تھے اے خانہ خراب ایسا

نیند آتی نظر آتی تا حشر نہیں ہم کو — دیکھا ہے پریشاں سا کچھ رات کو خواب ایسا

جو عرض تمنا پر ظالم نے کہا مجھ سے — اب تک نہ ملا ہو گا سائل کو جواب ایسا

تن تن کے جو چلتا ہے وہ شوخ کمان ابرو — ایک ایک سے کہتا ہے ہوتا ہے شباب ایسا

نوامید کرم ہو کر ہم توبہ کریں مے سے — دوزخ میں پڑے زاہد بے لطف ثواب ایسا

پوچھا تھا محبت میں ہوتا ہے قلق ایسا — قسمت نے کہا دے کر اے خانہ خراب ایسا

قسمت نے مری پایا جو رنج محبت میں — دوزخ کے بھی حصے میں آیا نہ عذاب ایسا

مرنے بھی نہیں دیتے جینے بھی نہیں دیتے — احسان ترحم وہ انداز عتاب ایسا

میں شوق میں بے خود ہوں وہ غیر سے کہتے ہیں — کر دیتی ہے انسان کو بدمست شراب ایسا

جب خواب میں آتے ہو منہ مجھ سے چھپاتے ہو — مشتاق سے شرم ایسی عاشق سے حجاب ایسا

اے حضرت داغ اس کو غیروں سے غرض کیا ہے
وہ اور یہ رسوائی سمجھیں نہ جناب ایسا

۸۸

ہمیں زمانے میں بدنام تیری خو نے کیا — دل فریفتہ جو کچھ کیا سو تو نے کیا

ستم کیا تو مرے دل کی آرزو نے کیا — مجال ہے یہ کہوں تجھ سے جو تو نے کیا

حنا کو رنگ نے مشہور گل کو بو نے کیا — جہان میں شہرہ تمہارا رخ نکو نے کیا

شب اس کی بزم میں دلوائی غیر سے تعظیم — بڑا سلوک مرے ساتھ آبرو نے کیا

رقیب اس کے بھی قائل نہیں خدا کی قسم — اگر ستم بھی کیا تو بھی لطف تو نے کیا

وہ عرض وصل سے رکھتے ہیں ہاتھ کانوں پر — اثر یہ خوب مری طرز گفتگو نے کیا

گیا رقیب کے گھر بارہا شب وعدہ — بہت ذلیل مجھے تیری جستجو نے کیا

غرور کیوں نہ ہو جب دل سے چیز ہاتھ لگے
بڑا دماغ تری زلف مشکبو نے کیا

اٹھے گی گردن قاتل نہ بار خوں سے کبھی
ستم شعار کو نازک مرے لہو نے کیا

سوال وصل پہ اقرار کب کیا ظالم
دماغ ہم سے کیا یا مزاج تو نے کیا

جگر کے ٹکڑے ملا دے تو بخیہ گر جانوں
اگرچہ جیب کو ثابت ترے رفو نے کیا

وہ آج ناز سے لائے تھے خنجر فولاد
اسے بھی موم مری سختی گلو نے کیا

اسی کو گردش دوراں سمجھ گئے میکش
جو دور شیشہ و پیمانہ و سبو نے کیا

فرشتہ بن کے نہ اڑ جائے عرش پر زاہد
اسے جو خاک سے پاک اس قدر وضو نے کیا

جفا کشی کا مزہ مجھ کو ہاں اب آئے گا
کہ آسماں کو اپنا شریک تو نے کیا

ہمارے دوست کی ہم پر یہ مہربانی ہے
ہمارے واسطے جو کچھ ہر اک عدو نے کیا

کہلا میں ان سے تو وہ اور داغ مجھ سے رکے
خفا تو ان کو مری شرح آرزو نے کیا

۸۹

کعبے کی سمت جا کے مرا دھیان پھر گیا
اس بت کو دیکھتے ہی بس ایمان پھر گیا

تو وعدہ کر کے مجھ سے مری جان پھر گیا
حق سے پھرا جو قول سے انساں پھر گیا

الٹا ہوا نے پھیر دیا تیر یار کو
افسوس ہے کہ راہ سے مہماں پھر گیا

محشر میں داد خواہ جو اے دل نہ تو ہوا
تو جان لے یہ ہاتھ سے میدان پھر گیا

چھپ کر کہاں گئے تھے وہ شب کو تیرے گھر
سو بار آکے ان کا نگہباں پھر گیا

تھے گردش مژہ بھی ترے تیر کی شریک
برمے کی طرح سینے میں پیکاں پھر گیا

رونق کچھ آگئی جو پسینے سے موت کے
پانی ترے مریض پر اک آن پھر گیا

دیکھا اسے جو دور سے اڑ کر مرا غبار		اس شوخ شہسوار کے چوگان پھر گیا
گریہ نے ایک دم میں بنا دی وہ گھر کی شکل		میری نظر میں صاف بیاباں پھر گیا
قاتل نے وقت ذبح لیا جب خدا کا نام		خنجر ہمارے حلق پہ آساں پھر گیا
لائے تھے کوئے یار سے ہم داغ کو ابھی
لو موت اس کی آئی یہ ناداں پھر گیا

۹۰

وہ رسوائی سے ڈر جائے تو اچھا		برائی کام کر جائے تو اچھا
کہا ظالم نے میرا حال سن کر		وہ اس جینے سے مر جائے تو اچھا
خدا جانے کہے کیا جا کے قاصد		دل اس سے پیشتر جائے تو اچھا
غضب ہی انتظار وعدۂ حشر		یہیں کہہ کر مکر جائے تو اچھا
مبارک خضر کو ہو عمر جاوید		یہ تھوڑی سی گذر جائے تو اچھا
مسیحائی ہوا قاتل کا شیوہ		عدم تک یہ خبر جائے تو اچھا
کہا قاصد کو اس نے دے کے دشنام		سب ہو کر اگر جائے تو اچھا
عدم میں کیا نہ ہوں گی صاحب درد		ہمارا چارہ گر جائے تو اچھا
رقیبوں کا تری محفل میں کیا کام		جہنم ان سے بھر جائے تو اچھا
نگاہ یار دل کو لوٹتی ہے		یہ مہمان اپنے گھر جائے تو اچھا
وہ تکلیف عیادت کیوں کریں داغ
مری ان کو خبر جائے تو اچھا

۹۱

کوئی آگے نکل نہیں سکتا تجھ سے فتنہ بھی چل نہیں سکتا
زور قسمت سے چل نہیں سکتا دل سنبھالے سنبھل نہیں سکتا
ہے وہ افسردہ میری شمع مزار جس سے پروانہ جل نہیں سکتا
آسمان دوست ہو گیا تیرا اب زمانہ بدل نہیں سکتا
ضعف کے لاکھ لاکھ احسان ہیں کف افسوس مل نہیں سکتا
تم تو سو بار مان جاؤ گے دل ہمارا بہل نہیں سکتا
ہم تو اس مدعا کے قائل ہیں جو زبان سے نکل نہیں سکتا
موت کیوں آکے پھر گئی شب غم وقت آیا تو ٹل نہیں سکتا
غم جو کھایا ہے کیا کہوں تجھ سے میں یہ کھایا اگل نہیں سکتا
رشک اغیار کیا گوارا ہو زہر کوئی نگل نہیں سکتا
نام کو داغ ہوں مگر ظالم
تو جلائے تو جل نہیں سکتا

۹۲

عیش بھی اندوہ فزا ہو گیا ہائے طبیعت تجھے کیا ہو گیا
دشمن ارباب وفا ہو گیا "دوست بھلا ہو کے برا ہو گیا
یاد ہے کہنا وہ کسی وقت کا ہوش میں آؤ تمہیں کیا ہو گیا
داغ وہ بہتر ہے جو مرہم بنا درد وہ اچھا جو دوا ہو گیا

آپ سے اقرار کے بچے کہاں　　وعدہ کیا اور وفا ہو گیا
یہ تو نہ تھی کوئی بگڑنے کی بات　　حرف خوشامد بھی گلا ہو گیا
سامنے میرے جو چراتے ہو آنکھ　　آئینہ کیا آج نیا ہو گیا
اے دل بیتاب خدا کی قسم　　عشق میں جی تجھ سے برا ہو گیا
دم مرے سینے میں جو رکتا ہے آج　　کون خدا جانے خفا ہو گیا
حال مرا دیکھ کے کہتے ہیں وہ　　کوئی حسین اس سے جدا ہو گیا
نالہ نے تاثیر نہ کی روز حشر　　وہ بھی شب غم کی دعا ہو گیا
سب مجھے دیوانہ بنانے لگے　　لو وہ تمہارا ہی کہا ہو گیا

داغ قیامت میں یہ مژدہ سنے
جا تجھے فردوس عطا ہو گیا

۹۳

یہ قول کسی کا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا　　وہ کچھ نہیں کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
سن سن کے ترے عشق میں اغیار کے طعنے　　میرا ہی کلیجا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
بن آئی ہے جو چاہیں کہیں حضرت واعظ　　اندیشہ عقبیٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
ان کا یہی سننا ہے کہ وہ کچھ نہیں سنتے　　میرا یہی کہنا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
دیکھو تو ذرا چشم سخن گو کے اشارے　　پھر تم کو یہ دعویٰ ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
خط میں مجھے اول تو سنائی ہیں ہزاروں　　آخر یہی لکھا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
پھٹتا ہے جگر دیکھ کے قاصد کی مصیبت　　پوچھو تو یہ کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
خاموش کیا چھیڑ کے ظالم نے شب وصل　　وہ تذکرہ چھیڑا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

یہ خوب سمجھ لیجئے غماز وہی ہے　　جو آپ سے کہتا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
دنیا مجھے کہتی ہے برا حاضر و غائب　　سمجھو تو سبب کیا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا
تم کو یہی شایاں ہے کہ تم دیتے ہو دشنام　　مجھ کو یہی زیبا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

مشتاق بہت ہیں مرے کہنے کے پر اے داغ
یہ وقت ہی ایسا ہے کہ میں کچھ نہیں کہتا

ردیف بائے موحدہ

۹۴

نامہ بر کہتا ہے اب لاتا ہوں دلبر کا جواب　　سن چکا میں چار دن آگے مقدر کا جواب
شیخ ہو حق کر رہا ہے رات دن مستوں کے ساتھ　　آج کل ہے میکدہ اللہ کے گھر کا جواب
خلق کے اعمال نامے چھین لوں گا حشر میں　　گم ہوا ہے ہاتھ سے قاصد کے دلبر کا جواب
میرے دل ہی سے نگہ تیری اٹک کر رہ گئی　　دوسری جانب جگر بھی تھا برابر کا جواب
غیر کی تعریف لکھی سارے خط میں اور مجھے　　یہ بھی لکھتے ہیں کہ لکھو میرے دفتر کا جواب
پہلے تو میری گزارش سن کے وہ چپ ہو رہے　　کیا کہوں پھر کیا ملا عرض مکرر کا جواب
خط تمہارا ہم کو پہنچا ہے فقط اتنی رسید　　واہ کیا لایا ہے قاصد میرے دفتر کا جواب
امت عاصی کی بخشش کا کیا حق سے سوال　　ہے کہاں کونین میں ایسے پیمبر کا جواب

لوگ کہتے ہیں بنا دلی بگڑ کر لکھنؤ
پر کہاں اے داغ اس اجڑے ہوئے گھر کا جواب

کیوں کہا یہ کسی سے کیا مطلب — اسی کہنے سے کھل گیا مطلب
بات پوری نہیں کہی میں نے — کہ وہ طرار لے اڑا مطلب
میں کہے جاؤں تم سنے جاؤ — ایک کے بعد دوسرا مطلب
ہے مرا درد آپ کی راحت — ہے مرے پاس آپ کا مطلب
مٹ گئے ایک ہی تغافل میں — شوق ارماں مدعا مطلب
ان کی جانب سے ہے پیام وصال — ہے نئی چاہ کا نیا مطلب
غیر کا خط بھی چاک کر ڈالا — مل گیا تھا جو کچھ مرا مطلب
باندھ کر خط پر کبوتر پر — لکھ دیا ہم نے جابجا مطلب
مر گیا مژدۂ وصال سے میں — یوں بھی نکلا رقیب کا مطلب
کبھی کہتا ہوں دل سے خوب کیا — کبھی کہتا ہوں کیوں کہا مطلب
بے غرض تھے تو لطف صحبت تھا — دشمن وضع ہو گیا مطلب
بے خودی میں رہا نہ یاد القاب — خط میں پہلے ہی لکھ دیا مطلب
دل میں گھٹ گھٹ کے رہ گئی حسرت — لب پر آ آ کے رہ گیا مطلب

حضرت داغ توبہ کرتے ہیں
کاش پورا کرے خدا مطلب

۹۶

ہم مٹ گئے تو پرسش نام و نشان ہے اب — اس کی تلاش کر کہ محبت کہاں ہے اب
میں کیا کروں بلا سے جو تو مہربان ہے اب — وہ دل کہاں ہے اب وہ طبیعت کہاں ہے اب

ہرگز نہ تھا زمانہ سابق میں یہ فلک جس آسمان کی دھوم تھی وہ آسمان ہے اب

بے مہر و مہور زد دل آزار دل ستاں جی ڈھونڈھتا ہے جس کو وہ پیدا کہاں ہے اب

تم پارسا سہی مگر اتنا تو سوچ لو کچھ دیکھ لیا ہے جو دل بدگماں ہے اب

دو ظالموں میں لاگ ہوئی میرے واسطے نامہرباں وہ ہے تو فلک مہرباں ہے اب

مٹتا ہے کب کسی سے یہ شوق جفا کشی مقتل بھی میرے واسطے دارالامان ہے اب

ظالم کہیں خدا نہ کرے تو سنے اسے جو کچھ شب فراق میں ورد زباں ہے اب

سن لو جو ہم بیاں کریں پھر کہاں یہ بات چلتی ہوئی ہمارے دہن میں زباں ہے اب

اللہ وہ زمانہ تاثیر کیا ہوا کہنے کے واسطے مرے لب پر فغاں ہے اب

بیٹھے ہیں ہم بھی گوش برآواز کہہ تو دو آتا ہے جس کو آئے یہاں امتحاں ہے اب

قربان جاؤں درد جگر کے وہ رکھ کے ہاتھ یہ پوچھتے ہیں مجھ سے بتا تو کہاں ہے اب

ملنے کے بعد رنج اٹھائے ہیں اس قدر شکر وصال بھی مرے لب پر فغاں ہے اب

کیا کیا ملائے خاک میں انسان چاند سے سچ پوچھئے اگر تو زمیں آسماں ہے اب

اس کو بھی میری وجہ سے ہیں بدگمانیاں جو ہم نشیں مرا ہے ترا پاسباں ہے اب

مدت ہوئی کہ داغ کو سنتے تھے سوئے دیر
کیا جانے وہ خدائی کا مارا کہاں ہے اب

ردیف بائے فارسی

۹۷

مہرباں ہو کے جب ملیں گے آپ جو نہ ملتے تھے سب ملیں گے آپ

بن کے تیغ غضب ملیں گے آپ
یوں گلے مجھ سے کب ملیں گے آپ

غیر سے ہو گئی پیام سلام
ہیں یہ ملنے کے ڈھب ملیں گے آپ

ہجر کا شکوہ حشر میں کرتا
واں تو ہے یہ غضب ملیں گے آپ

ڈرتے ڈرتے کہوں گا راز نہاں
خواب میں مجھ سے جب ملیں گے آپ

دم رخصت یہ چھیڑ تو دیکھو
مجھ سے کہتے ہیں کہ ملیں گے آپ

آپ کیوں خاک میں ملاتے ہیں
ہم مصیبت طلب ملیں گے آپ

کاروان کی تلاش کیا اے دل
آکے منزل پہ سب ملیں گے آپ

ایک تو وعدہ اور اس پہ قسم
یہ یقیں ہے کہ اب ملیں گے آپ

تیغ تیری کھنچی رہے قاتل
بسمل جان بلب ملیں گے آپ

داغ اک آدمی ہے گرما گرم
خوش بہت ہوں گے جب ملیں گے آپ

۹۸

کم نہیں سامان میں ہنگامہ محشر سے آپ
دیجئے دل کو دعائیں بن گئی اس گھر سے آپ

برسوں آنکھوں میں رہے آنکھوں سے پھر کر دل میں آئے
راہ سیدھی تھی مگر پہنچے بڑے چکر سے آپ

خوف ہے مجھ سے عبث میں نے کیا اپنا وکیل
فیصلہ میرا بھی کر لیں داور محشر سے آپ

شرم سے گو اب کسی جانب پلک اٹھتے نہیں
چٹکیاں لیں گے کلیجے میں اسے نشتر سے آپ

کٹ گئے لاکھوں گلے اس تیزی رفتار سے
اب تو چل نکلے زیادہ اپنے بھی خنجر سے آپ

اپنی سینے سے دبا دیجئے ذرا سینہ مرا
چور کیجئے شیشہ دل کو اسے پتھر سے آپ

وصل میں کیسی حیا میں تو نہ مانوں گا کبھی
سہم کر چپ ہو رہے بے شبہ میرے ڈر سے آپ

حضرت زاہد ہر اک شے کو علاوت شرط ہے
مر نہ جائے گی شراب چشمہ کوثر سے آپ

آب پیکاں لے کے چلتا ہے ترے ترکش سے تیر
رزق لاتا ہے مرا مہمان اپنے گھر سے آپ

ابتدا سے انتہا تک عشق میں ہیں خوفناک
امتحان سے غیر شامل غم سے ہم محشر سے آپ

حضرت زاہد نکل آیا فلک پر آفتاب
پیر و مرشد اب تو اٹھیے میکدے کے در سے آپ

جب ہمیں مرنا ہی ٹھہرا حاجت قاتل نہیں
کاٹ لیں گے ہم گلا اپنا کسی خنجر سے آپ

کیوں جناب داغ یاد اللہ میرے یاد ہے
بھیس بدلے رات کو آتے تھے کس کے گھر سے آپ

ردیف تائے فوقانی

۹۹

کب بات ہو بغیر خوشامد وہاں درست
وہ نادرست بھی جو کہیں کہئے ہاں درست

تھوڑے سے دن بہار کے ہیں کس امید پر
کرتے ہیں اپنے مرغ چمن آشیاں درست

کچھ میں بھی اپنا حال طبیعت بیان کروں
گر ہو مزاج آپ کا اے مہرباں درست

اک دن نہ آزمایئے اک بوالہوس کی چاہ
ہر روز آپ کیجئے مرا امتحاں درست

اس کو درستی دل عاشق سے کیا غرض
جس بد زبان کی نہیں اب تک زباں درست

آتا ہے بہر فاتحہ جب کوئی فتنہ گر
رہتا نہیں ہے قبر کا میرے نشاں درست

آنکھوں میں رہ کر دل میں ٹھہر تیرے واسطے
آراستہ ہر ایک مکاں ہر مکاں درست

ہر روز تازیانہ زلف دراز سے
تو نے بھی دل کو خوب کیا میری جاں درست

آتا ہے سامنے جو وہ غارت گر شکیب
اوسان داغ رہتے ہیں اپنے کہاں درست

۱۰۰

ہے طرفہ تماشا سر بازار محبت
سر بیچتے پھرتے ہیں خریدار محبت

اک حشر بپا تھا دم اظہار محبت
رفتار قیامت ہوئی گفتار محبت

اللہ کرے تو بھی ہو بیمار محبت
صدقے میں چھٹیں تیرے گرفتار محبت

برد سے چلے تیغ تو مژگاں سے چلے تیر تعزیر کے بھوکے ہیں خطاوار محبت
اس واسطے دیتے ہیں وہ ہر روز نیا داغ اک درد کے خوگر نہ ہوں بیمار محبت
ہے گور الٰہی قفس تنگ سے کیا کم مر کر بھی تو چھوٹے نہ گرفتار محبت
کچھ تذکرۂ عشق رہے حضرت ناصح کانوں کو مزا دیتی ہے گفتار محبت
دل بھول نہ جائے کسی مژگاں کی کھٹک کو کچھ چھیڑ رہے اے خلش خار محبت
جو چارہ گر آیا مرے بالیں پہ یہ بولا اللہ کو سونپا تجھے بیمار محبت
ثابت قدم ایسے رہ الفت میں نہ ہوں گے تھا ہم کو تہ تیغ بھی اقرار محبت
خسرو سے جو چاکر ہیں تو محمود سے بردے اللہ رے اللہ رے سرکار محبت
واعظ کی زبان پر تو وہ کلمے ہیں کہ گویا بخشے ہی نہ جائیں گے گنہگار محبت
دیکھا ہے زمانے کو ان آنکھوں نے تو اے داغ
اس رنگ پر اس ڈھنگ پر انکار محبت

۱۰۱

گئی ہے نہ فرقت کی جائے گی رات سحر کو بھی دھبا لگائے گی رات
قیامت کے دن کیا نہ آئے گی رات مری تیرہ بختی دکھائے گی رات
نہ میں بات کرتا اگر جانتا کہ یوں بات کرتے میں جائے گی رات
چراغ قمر لے کے ڈھونڈھا کرے سحر کو نہ فرقت میں پائے گی رات
شب وصل میری شب قدر ہے ہزاروں میں ایسے نہ آئے گی رات
قیامت کے آثار ہیں صبح ہجر نجانا تھا یہ دن دکھائے گی رات
شب وصل واں شرم سے رخ پہ زلف یہاں یہ یقیں اب نہ جائے گی رات

نہ نکلے گا دل کوچہ زلف سے ۔۔۔ مسافر کو رستہ بھلائے گی رات
شب ہجر چمکائے گی داغ دل ۔۔۔ فلک تجھ کو تارے دکھائے گی رات
گریزاں ہے کیوں اس قدر روز وصل ۔۔۔ ٹھہر تجھ کو کچھ کہا نہ جائے گی رات
غنیمت ہے تاریکی شام غم ۔۔۔ نہ دیکھوں گا میں جو دکھائے گی رات
شب ہجر کا ساتھ دینا پڑا ۔۔۔ بہت عمر میری بڑھائے گی رات

شب وصل کی داغ یہ آرزو
خدا سے نہ تجھ کو ملائے گی رات

۱۰۴

تو نہ کر نخوت شباب بہت ۔۔۔ ہم نے دیکھے ہیں انقلاب بہت
شعلہ رو سینکڑوں نظر آئے ۔۔۔ ہیں زمیں پر بھی آفتاب بہت
آئی کسی کی نگاہ میں شوخی ۔۔۔ ہے زمانے کو اضطراب بہت
آئے جنت سے پھر نہ دنیا میں ۔۔۔ بے مزا ہو گیا ثواب بہت
پیر میخانہ کے دعا گو ہیں ۔۔۔ یہ سلامت رہے شراب بہت
ہجر بت اور صحبت زاہد ۔۔۔ خلد میں بھی تو ہیں عذاب بہت
شام ہونے تو دو چلے جانا ۔۔۔ ہے ابھی تیز آفتاب بہت
کچھ سمجھ کر وہ ہو رہے خاموش ۔۔۔ تھے مری بات کے جواب بہت
بل تری زلف کے بھی دیکھ لئے ۔۔۔ دود دل میں ہے پیچ و تاب بہت
دل بیتاب خط میں رکھ دوں میں ۔۔۔ کہ چلے نامہ بر شتاب بہت

دیکھیے کب عدم کو جانا ہو
کر چکے داغ پا تراب بہت

ردیف تائے ہندی

۱۰۳

نگاہ یار نے اس شوق سے لگائی چوٹ
کہ جس طرح سے دل آتا ہے دل پر آئی چوٹ

قدم قدم رہ الفت میں میں نے کھائی چوٹ
کہ راہبر کی بھی ٹھوکر سے مجھ پر آئی چوٹ

کہاں بتوں نے یہ سینوں پر اپنی کھائی چوٹ
ادھر ادھر کی جو کرتی ہے خود نمائی چوٹ

گرا جو میں درد دلدار پر تو اٹھ نہ سکا
بڑا ہے کام کیا میرے کام آئی چوٹ

بتوں کے دل میں نہ کی میرے آہ نے تاثیر
اچٹ کے مجھ پہ لگی میں نے جب لگائی چوٹ

شراب ناب سے تر تھی زمیں مے خانہ
پھسل کی محتسب سنگ دل نے کھائی چوٹ

نہ کیوں ہو چوٹ مرے دل کی چوٹ پر قاتل
لگائے جبکہ ترا پنجہ حنائی چوٹ

لگائی آپ نے کیوں میری قبر پر ٹھوکر
غضب کیا کہ عبث خاک میں ملائی چوٹ

وبال دوش ہوئی بار غم سے لاش مری
اٹھانے والوں نے گر کر بہت اٹھائی چوٹ

ادب سے جھک کے چلا راہ عشق میں ایسا
کہ میرے سر نے مری ٹھوکروں سے کھائی چوٹ

سلام میں نے کیا رکھ کے ہاتھ سینے پر
وہ جانتے ہیں مجھے دیکھ کر چھپائی چوٹ

نشاں پائے صنم سنگ راہ ہوتے ہیں
وہ ناتواں ہوں کہ نقش قدم سے کھائی چوٹ

جب اپنے ہاتھ کی تجھ سے نہ اٹھ سکے فرہاد
حریف ہو کے اٹھائے گا کیا پرائی چوٹ

نگاہ و آہ میں کس کس طرح چلیں چوٹیں
یہ حال تھا ادھر آئی ادھر لگائی چوٹ

علاج درد جگر کیا کروں میں اے ناصح　　بری ہے کیا بھلی چنگی لگی لگائی چوٹ
فراق درد محبت فراق یار نہیں　　کرے گی دل سے نہ اے چارہ گر جدائی چوٹ
یہ بعد مرگ رہا درد کا اثر اے داغ
کہ استخوان مرے کھا کر ہمان کھائی چوٹ

ردیف ثائے مثلثہ

۱۰۴

اب سے ہماری توبہ ہے کہ جو وفا تو کیا عبث　　عجز و نیاز عشق ہیچ خواہش و التجا عبث
میری صدا سے پیشتر آتی ہے یہ ندا کہ بس　　باب قبول بند ہے مانگتے ہو دعا عبث
سنتے ہی میرا حال دل بول اٹھے یہ چارہ گر　　موت کی کیا دوا کریں موت کی ہے دوا عبث
آپ کا راز داں ہوں میں بلکہ مزاج داں ہوں میں　　غیر پہ میرے سامنے لطف ستم نما عبث
واں خط شوق بھی مرا کاغذ مشق بن گیا　　کاٹ کے حرف مدعا اس نے بنا دیا عبث
لطف قبول تو یہ ہے لطف اثر حصول ہو　　لوگ اخیر وقت میں مانگتے ہیں دعا عبث
گریہ سے ہے ہنسی مرے داغ سے دگی مرے　　کوئی نہ کوئی شغل ہو یا ہو بکار یا عبث
مجھ کو سنا کے جب کہا ہم سے کوئی وفا کرے　　کہنے کو تھا بجا درست منہ سے نکل گیا عبث
عشق میں تیرے فتنہ گر رنج اٹھائے اس قدر　　تکیہ کلام ہے مرا کوئی کرے وفا عبث
صدمہ انتظار کو کچھ تو قیام چاہئے　　روز جزا سے پیشتر آئے مری قضا عبث
عشق کیا ہی کرتے ہیں یوں ہی ہزاروں مرتے ہیں
داغ کی جان و مل کو روتے ہیں آشنا عبث

ردیف جیم تازی

۱۰۵

شوخی سے ٹھہرتی نہیں قاتل کی نظر آج
یہ برق بلا دیکھیے گرتی ہے کدھر آج

انجام محبت یہ کریں خاک نظر آج
انسان ہے مجبور نہیں کل کی خبر آج

وہ جاتے ہیں آتے ہے قیامت کی سحر آج
روتا ہے گلے مل کے دعاؤں سے اثر آج

مہمان ہے وہ غیرت خورشید و قمر آج
دن آج ہے رات آج ہے شام آج سحر آج

موسیٰ نے نہ دیکھا تھا سر طور وہ جلوہ
دیکھا ہے جو کچھ ہم نے پس روزن در آج

زاہد کا عمامہ ہو کہ ہو شیخ کی دستار
ان دونوں پہ طرہ ہے مراد امن تر آج

امید یہ کہتی ہے وہ آتے ہیں ٹھہر جا
ہے یاس کی تاکید کہ دنیا سے گزر آج

وعدے سے پلٹ جائیں نہ وہ داور محشر
انصاف کر انصاف میں تو دیر نہ کر آج

کل تاب فغاں تھی تو یہ تاثیر کہاں تھی
کیا کیا لب خاموش پہ قربان ہے اثر آج

دھبا شب فرقت کی سیاہی کا نہ چھوٹے
گر چشمہ خورشید میں منہ دھوئے سحر آج

روکا ہے کیا رشک بٹھاتا ہی رہا ضعف
بے تابی دل لے ہی گئی غیر کے گھر آج

جس دوست کو دیکھا مجھے دشمن نظر آیا
جب تک مری نظروں میں رہے تیری نظر آج

اندیشہ فردا نہ رہے حضرت زاہد
مے خانے میں پی لیجئے تھوڑی سی اگر آج

ہر نقش قدم میں ہے اثر خون جگر کا
تلووں سے ترے کس نے ملے دیدۂ تر آج

لالچ بھی ہے قاصد کو مری خوف و خطر بھی
سو مرتبہ خط باندھ کے کھولی ہے کمر آج

ہم ہجر کے دن جا نہ سکے سوئے عدم بھی
سب کہتے ہیں اچھا نہیں اس سمت سفر آج

بسمل ہی کیا اس کو جسے خواب میں دیکھا — سوتے میں بھی لڑتی رہی قاتل کی نظر آج
داغ دل سوزاں پہ رکھا مرہم کافور — کس شمع کو افسوس بجھاتی ہے سحر آج
وعدے پہ مرے ان کے قیامت کی ہے تکرار — اور بات ہے اتنی کہ ادھر کل ہے ادھر آج
یاں قصد عدم کا ہے وہاں قتل کا سامان — دیکھیں تو سہی پہلے بندھی کس کی کمر آج
یہ شوق یہ ارمان یہ حسرت یہ تمنا — کیا ہو مرے قابو میں تم آجاؤ اگر آج
معلوم نہیں کل ہری تقدیر میں کیا ہے — لے نالہ دل عالم بالا کی خبر آج

قطعہ

وہ میں کہ میسر تھا مجھے ساغر جمشید — پیتا ہوں تو کرتا ہے کمی خون جگر آج
وہ میں کہ مرا قصر ہر اک رشک ارم تھا — بستر ہی گدایانہ سر راہ گذر آج
وہ میں کہ مری عرش پہ تھی منزل عالی — کرتی ہے زمین بھی مرے قدموں سے حذر آج
وہ میں، کہ مجھے عالم بالا کی خبر تھی — اے بے خبری خاک نہیں اپنی خبر آج
وہ میں کہ مجھے سیر گلستاں سے غرض تھی — ہے خون جگر اور مرا دیدۂ تر آج
سامان تھا دنیا کا مرے واسطے موجود — دنیا سے گزرنے کو نہیں زاد سفر آج
بازار محبت میں لیا غیر نے کیا کیا — ہم کو نہ ملا ایک بھی پتھر کا جگر آج

تھی کل سے تلاش ان کی مرے قتل پہ اے داغ
نکلے وہ عزادار بنے غیر کے گھر آج

۱۰۶

آیا ہے جھوم جھوم کے ابر بہار آج — توبہ کو خشت خم سے کروں سنگسار آج

بے وقت کی چڑھے ہے نہ ہو گا او تار آج ہوتے ہیں تیرے مست کوئی ہوشیار آج
اے بے خودی وہ آئیں تو میں آپ میں نہ آؤں وہ بھی تو میری طرح کریں انتظار آج
خالی نہ تھے خراش دل و کلوش جگر لایا ہے رنگ دیدۂ خو نابہ بار آج
شاید لگی ہے ان کو مرے نزع کی خبر وہ پوچھتے ہیں حال مرا بار بار آج
بے طرح ہے نگاہ سے دل کی کٹی چھنی بے ڈھب ہے گرم معرکہ کارزار آج
آئینہ ہو گیا ترے دل میں ستم شعار کتنا ہوا ہے صاف ہمارا غبار آج
ناصح نے میرا حال جو مجھ سے بیان کیا آنسو نکل پڑے مرے بے اختیار آج
سچ ہے کھٹک ہی جاتی ہے صورت حریف کی بلبل نے مجھ کو دیکھ کے کھایا ہے خار آج
فریاد درد عشق میں کچھ آگیا اثر ہوتی ہے آپ اپنی صدا دل کے پار آج
ہم خاک ہو کے اتنے گر انبار غم رہے آندھی دبا رہا ہے ہمارا غبار آج
برسوں سے لگ رہی تھی لب بام ٹکٹکی تھک تھک کے گر پڑے نگہ انتظار آج
اب تیرے دردمند کا بس ہو چکا علاج کل سے زیادہ اور ہے وہ بیقرار آج
کل جائے گا پیامبر اپنا یہاں یہ شوق خط کے جواب کا ہے ہمیں انتظار آج

اے داغ دہن بند ہے تجھے کوے یار کی
کمبخت موت ہے ترے سر پر سوار آج

ردیف جیم فارسی

۱۰۷

غربت کے رنج فاقہ کشی کے ملال کھینچ اے داغ پر زمانے سی دست سوال کھینچ

نازک بہت ہے رشتۂ الفت نہ ٹوٹ جائے
اتنا نہ اپنے آپ کو اے مہ جمال کھینچ

ہو جائے تو نہ طائر دل کی طرح اسیر
صیاد اپنی سمت کو آہستہ جال کھینچ

ظالم کھنچ آئے گا مرا دل بھی سناں کے ساتھ
سینے سے دیکھ بھال کے برچھی کی بھال کھینچ

قامت دکھا کے آج صنوبر کو کر قلم
سولی پہ سرد باغ کو اے نونہال کھینچ

کھینچی تھے جب مصور قدرت نے دل کی شکل
کہتا یہ کون تو نہ اسے بے خیال کھینچ

وہ ٹھنڈے ٹھنڈے چمن سے گھر کو چلے گئے
لے اور آہ سرد دل پر ملال کھینچ

ناصح قمارگاہ محبت میں جی نہ ہار
دل کو لگا کے نفع اٹھا خوب مال کھینچ

اے داغ جذب عشق کے دیکھیں گے اب کشش
کی اس کشیدہ رو نے تو ہم سے کمال کھینچ

۱۰۸

یوں مصور یار کی تصویر کھینچ
کچھ ادا کچھ ناز کچھ تقریر کھینچ

لے کے دشمن سے خط تقدیر کھینچ
یہ حصار اے دل پے تسخیر کھینچ

ہے گداز دل سے نالہ ہر خدنگ
میں ہی کھینچوں تو نہ قاتل تیر کھینچ

کیوں کھٹکتا ہے عبث اے خار عشق
یا نکل یا دامن تاثیر کھینچ

کھینچ یوں مل میرا زائچہ
شکل کی جا یار کی تصویر کھینچ

اے مصور کاش لڑ جائے نصیب
اس جبیں پر یہ خط تقدیر کھینچ

لے لوڑی لو جس کے اے پیر مغاں
اب کے ایسے تندو پر تاثیر کھینچ

ہو چکا سفاک عذر ناز کی
تو کمان کی طرح دل سے تیر کھینچ

تیرہ بختوں کا خط تقدیر دیکھ
آنکھ میں اس سرمے کی تحریر کھینچ

دامن یوسف اگر کھینچا تو کیا　　اے زلیخا دامن تاثیر کھینچ
رو چکا تقدیر کے لکھے کو میں　　اب تو ہاتھ اے کاتب تقدیر کھینچ
سنگ مقناطیس ہیں ہم سخت جاں　　کھینچ کے اے قاتل ذرا شمشیر کھینچ
اے فغاں کر دو دل کو بھی شریک　　یوں اثر کو باندھ کر زنجیر کھینچ
خواب میرا سن کے ہمدم منہ سے بول　　یوں نہ تو آہیں دم تعبیر کھینچ

داغ کو تو نیم بسمل چھوڑ دے
دل سے اے سفاک آدھا تیر کھینچ

ردیف حائے حطی

۱۰۹

پکارتی ہے خموشی مری فغاں کی طرح
نگاہیں کہتی ہیں سب راز دل زبانے کی طرح

بگڑ گئی ہے یہاں بے طرح جہاں کی طرح
کہاں کی وضع کہاں کی ادا کہاں کی طرح

چھڑا دے قید سے اے برق ہم اسیروں کو
لگا دے آگ قفس کو بھی آشیاں کی طرح

کبھی تو صلح بھی ہو جائے زہد و مستی میں
الٰہی شیخ بھی میخوار ہو مغاں کی طرح

جلا کے داغ محبت نے دل کو خاک کیا
بہار آئی مرے باغ میں خزاں کی طرح

حیا نے روک لیا جذب دل نے کھینچ لیا
چلے وہ تیر کی صورت کھنچی کماں کی طرح

جواب خضر ہیں وہ مردہ دل کہ جن کو یہاں
ملی ہے مرگ ابد سر جاوداں کی طرح

تلاش یار میں چھوڑی نہ سرزمیں کوئی
ہمارے پاؤں میں چکر ہے آسماں کی طرح

جو سمجھے خضر تو قول شہید الفت کو
گرہ میں باندھ رکھے عمر جاوداں کی طرح

سنے جو حضرت زاہد سے وصف جنت کے
تو صاف پھر گئی آنکھوں میں اس مکاں کی طرح

جھکی ہی جاتی ہے کچھ خود بخود حیا سے وہ آنکھ
گری ہی پڑتی ہے بیمار نا تو ان کی طرح

یہ سد راہ ہوا کس کا پاس رسوائے
رکے ہوئے ہیں مرے اشک کارواں کی طرح

ادائے مطلب دل ہم سے سیکھ جائے کوئی
انہیں سنا ہی دیا حال داستاں کی طرح

مزے ہیں اس دہن زخم کے لئے کیا کیا
جو چوسے تیر کے پیکاں کو زباں کی طرح

سمجھ کے کیجئے برباد میرا مشت غبار
یہ لے نہ آئے کوئی چکر آسماں کی طرح

یہ دل ہے آپ کا گھر رہیئے شوق سے لیکن
شکیب و راحت و صبر و قرار و جاں کی طرح

قیامت آئی شب وصل میرے گھر کے پاس
رقیب نے اسے آواز دی اذاں کی طرح

شب اس کے بزم میں تھا شمع پر بھی رشک ہمیں
کہ منہ میں شعلے کو گلگیر لے زباں کی طرح

مجھے یہ حکم ہے زنہار تم نہ کرنا عشق
نصیحتیں بھی وہ کرتے ہیں امتحاں کی طرح

ہم اپنے ضعف کے صدقے بٹھا دیا ایسا
ہلے نہ در سے ترے سنگ آستاں کی طرح

کچھ ان سے کہنے کو بیٹھے تھے ہم کہ خلوت میں
رقیب آہی گیا مرگ ناگہاں کی طرح

شکستہ بال ہوں وہ مرغ ناتواں و ضعیف
کہ میں تو میں نہ اوڑے میرے آشیاں کی طرح

نہ ہوں گے سوز محبت کے دل جلے ٹھنڈے
بھری ہے آتش غم مغز استخواں کی طرح

نہ چھوڑ صید محبت کو خاک پر صیاد
اسے بھی ڈال لے تو دوش پر کماں کی طرح

زباں خار ہوئی تر ہماری وحشت سے
کہ چھالے پھوٹے بھی چشم خونفشاں کی طرح
خدا قبول کرے داغ تم جو سوے عدم
چلے ہو عشق بتاں لے کے ارمغاں کی طرح

۱۱۰

دل نہ رہا سینے میں دم کی طرح ٹوٹ گیا تیری قسم کی طرح
تم مرے دل میں ہو دم کی طرح دم نہ سہی حسرت و غم کی طرح
خامہ گرا ضعف سے پر انگلیاں چلتی ہیں کاغذ پہ قلم کی طرح
کوچہ دشمن کو وہ جنت کہیں مٹ نہ گیا باغ ارم کی طرح
عہد کسی طرح گوارا نہ تھا اسنے قسم کھائی ہے سم کی طرح
اختر داغ دل و بخت سیہ عمر کٹے ہے شب غم کی طرح
میری وفا بھی عجب استاد ہے تم کو سکھاتی ہے ستم کی طرح
جب یہ کہا مرتے ہیں کہتے ہیں وہ مر نہ گئے اہل عدم کی طرح
غیر کے آگے وہ مرے حال پر لطف بھی کرتے ہیں ستم کی طرح
داغ دربار ہے کعبہ اگر
بچ نہ گئے صید حرم کی طرح

ردیف خائے معجمہ

۱۱۱

ہوئی جب سے زباں یار گستاخ خوشامد گو ہوئے ناچار گستاخ
وہ بدخو بد زباں اغیار گستاخ ہوا دربار کا دربار گستاخ
نگاہ مست کچھ یوں کہہ رہی ہے کہ جیسے ہو کوئی میخوار گستاخ
الٰہی حضرت ناصح کی ہو خیر وہ بت ہے بے ادب اغیار گستاخ
رہوں چپ تو کہیں چپ لگ گئی ہے اگر بولوں بتائیں یار گستاخ
کیا کیا کیا دم عرض تمنا ہوا سو بار چپ سو بار گستاخ
مجھے پاس ادب نے روک رکھا کیا تھا شوق نے ہر بار گستاخ
خبر اچھی سنائی نامہ بر نے کہ بیٹھے تھے وہاں دو چار گستاخ
رکھا دل نے لب جاں بخش پر حرف مسیحا سے ہوا بیمار گستاخ
تری رحمت اگر حامی نہ ہوتی نہ ہوتے کافر و دیندار گستاخ

تہ خنجر رہے پاس ادب داغ
نہ ہونا مرتے دم زنہار گستاخ

ردیف دال مہملہ

۱۱۲

اس نے اگر کرم بھی کیا تو جفا کے بعد آیا مری خبر کو ستمگر قضا کے بعد

ہمدرد کونسا ہے پھر اس آشنا کے بعد
ہم جی کے کیا کریں گے دل مبتلا کے بعد

آخر بشر کے واسطے کچھ شغل چاہئے
کیجئے گا آپ کیا ستم ناروا کے بعد

حسرت سے تک رہا ہوں جو تجھ کو یہ سبب ہے
خاک اڑتے دیکھتا ہوں میں اپنی وفا کے بعد

یہ چاہتا ہے شوق کہے جائیں حال دل
جب تک ہماری زیست ہو روز جزا کے بعد

بھاگوں علاج درد محبت سے کیوں نہ میں
دیں گے طبیب زہر یقیں ہے دوا کے بعد

دیتے ہیں داغ لطف و عنایت سے پیشتر
دل مانگتے ہیں کینہ و جور و جفا کے بعد

بھولے ہم ان کو پہلے ہی ناراض کر دیا
چوکے ہم ان سے کرنے تھے شکوے دعا کے بعد

خاموش میں جو ہوں تو جہاں کامیاب ہے
تاثیر پھر ملے گی نہ میری دعا کے بعد

کہتے ہیں وہ شکایت بیداد و ظلم پر
عاشق وہ ہے جو چاہے کسی کو جفا کے بعد

آرام کے لئے ہے تمہیں آرزوئے مرگ
اے داغ اور جو چین نہ آیا فنا کے بعد

۱۱۳

ہے قہر اگر اب بھی نہ ہو راز نہاں بند
لب بند نفس بند دہن بند زباں بند

جس دل کو لگی ہو وہ کرے خاک فغاں بند
کیجئے تیری فریاد پہ کس کس کی زباں بند

موت آئی ہمیں ہائے دم عرض تمنا
دل کھلنے نہ پایا کہ ہوئی اپنی زباں بند

اس عشق نے کیا قفل لگایا ہے دلوں پر
کینہ ہے وہاں بند تو حسرت ہے یہاں بند

ہر دل بر مہ پارہ خریدار ہے تیرا
اک بار ہوئی حسن فروشوں کی دکاں بند

اس زلف کا بے طرح جما دل میں تصور
اندھیر ہے اس گھر میں ہوا گھٹ کے دھواں بند

مقبول نہ ہو گی کسی میکش کی دعائیں
میخانے کا دروازہ نہ کر پیر مغاں بند

کیا جانے گئے چھپ کے شب وصل کدھر سے ناصح جو دیکھا تو رہا قفل مکاں بند

وہ زیست نہیں موت ہے اے داغ پھر اس کو
زنداں علائق میں جو ہو کوئی جواں بند

۱۱۴

دل میں ہے غم و رنج و الم حرص و ہوا بند دنیا میں مخمس کا ہمارے نہ کھلا بند

موقوف نہیں دام و قفس پر ہے اسیری ہر غم میں گرفتار ہوں ہر فکر میں پابند

ہم دام میں پھنستے ہی ہوئے عاشق صیاد یہ اور بھی اک بند پہ مضبوط لگا بند

اے حضرت دل جایئے میرا بھی خدا ہے بے آپ کے رہنے کا نہیں کام مرا بند

اک حرف محبت پہ بگڑتے ہیں وہ سو بار اب دفتر افسانہ الفت ہی ہوا بند

اس کوچے میں جاتے ہی اجل آئے ہماری جنت میں ہے یارب نہ ہوئی راہ قضا بند

اے محتسب اک دم سے تری کتنی جفائیں شیشہ کا ہے بند صراحی کا گلا بند

دم رکتے ہی سینے سے نکل پڑتے ہیں آنسو بارش کی علامت ہے جو ہوتی ہے ہوا بند

تقریر سے ناصح کی ہو دل خاک شگفتہ کرتا نہیں کمبخت لب ہرزہ سرا بند

رک جائے جو رو کے سے وہ نالہ نہیں اپنا محشر میں بھی ہو گا نہ یہ آزاد ذرا بند

کہتے تھے ہم اے داغ وہ کوچہ ہے خطرناک
چھپ چھپ کے مگر آپ کا جانا نہ ہوا بند

۱۱۵

آنکھ سے گرتی ہے خون دل افگار کی بوند اس کے ہمسر ہو کہاں ابر گہربار کی بوند

صحن گلشن میں ہے مے پینے کا ساقی جب لطف
پڑتی ہو کوئی ابر گہر بار کی بوند

زاہد چشمہ کوثر ہو مبارک تجھ کو
ہم کو کافی ہے خانہ خمار کی بوند

شربت خضر کو منہ بھی نہ لگاؤں ہرگز
ہو میسر جو لعاب دہن یار کی بوند

ناصحا جانتے ہیں اہل نظر ہے اس کو
لعل نہ ہے اصل میں اس دیدۂ خونبار کی بوند

ہے مشابہ دل ویراں سی ہماری کیا کیا
جس زمیں پر نہ پڑی ابر گہربار کی بوند

تاب انجم کی دکھاتی ہے فلک بن کے زمیں
خشک ہوتی نہیں گر کر عرق یار کی بوند

صبح گلشن میں جو وہ مہر لقا آتا ہے
تل ہوتی ہے ہر اک شبنم گلزار کی بوند

ہو گیا خشک لہو دیکھتے ہی قاتل کو
داغ ٹپکی نہ مرے خون تن زار کی بوند

۱۱۶

چھپتی ہی کب چھپانے سے اٹے خوبرو پسند
آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں کہ آیا ہے تو پسند

ناکام جاوداں کے مجھے آرزو پسند
گم کردہ کارواں کی مجھے جستجو پسند

اے غم معاف کر کہ یہ حصہ ہے عشق کا
مہمان کو نہ آئے گا جھوٹا لہو پسند

خاموش سنتی رہتی ہے پہروں شب فراق
تصویر یار کو ہے مری گفتگو پسند

زاہد بڑی کریم ہے پیر مغاں کی ذات
واں سب عبادتیں ہیں وضو بے وضو پسند

آفت ہے محتسب کی نظر سے خدا بچائے
ٹوٹا تڑاق سے اگر آیا سبو پسند

جی چاہتا ہے روز بدل جائے روزگار
مٹ جائے وہ زمانہ جسے آئے تو پسند

کہتے ہیں ہم نشیں کو مرے غیر کے عوض
ایسوں سے تم کو ربط ہے ایسوں کے خو پسند

پہلے اسی کو چشم خریدار مول لے
یارب دلوں کے ساتھ بکے چار سو پسند

یہاں درد وہاں ہے نالہ۔ پئے خون گیا وہ تیر
زخم جگر پسند نہ زخم گلو پسند

آنسو گرا جو آنکھ سے تقدیر نے کہا
ملتے ہیں دیکھ خاک میں یوں آبرو پسند

بدنام کر دیا ہے تمہیں عشق غیر نے
اب ہو گیا خطاب تمہارا عدو پسند

حسرت کا یہ مزا ہے کہ دل میں خلش ہے
نکلی ہوئی ہمیں تو نہیں آرزو پسند

گل شمع کا بنے تری محفل میں سب حسین
آیا نہ ایک کا بھی ہمیں رنگ و بو پسند

پہروں پڑھے ہے حضرت داؤد پر درود
جب آگیا ہے داغ کوئی خوش گلو پسند

۱۱۷

ہوتی ہے جنس مہر و وفا چار سو پسند
آ گئے تری پسند کرے جس کو تو پسند

ظاہر بگاڑ دل ست تجھے ہے عدو پسند
یہ جنگ زرگری ہو نہیں جنگجو پسند

ممکن کہ تجھ سا دیکھ لے چشم غلط نگر
اس کا کہاں جواب جسے آئے تو پسند

میری طرح سے جائے گی تجھ پر کسی کی جان
میری طرح سے آئے گا عالم کو تو پسند

جنت میں پھول پھول کو میں سونگھتا پھرا
دنیا میں تھی کسی گل عارض کی بو پسند

افسانہ کلیم و تجلی بہت سنا
وہ آنکھ آنکھ ہے جسے آجائے تو پسند

اے عرض مدعا تری تاثیر دیکھ لی
قاصد کو بھی نہ آئے مری گفتگو پسند

اے شیخ جس کو جو نہ ملے گا بڑھے گا شوق
جنت کو میں پسند جہنم کو تو پسند

کیا کیا بری طرح سے ملایا ہے خاک میں
آنکھوں کو بھی نہیں مرے دل کا لہو پسند

دینے لگے اخیر وہ باتوں میں گالیاں
جانا کہ آئی اس کو مری گفتگو پسند

رگ رگ سے دم نکال دیا ڈھونڈ ڈھونڈ کر
درد فراق کی ہے مجھے جستجو پسند

سو حسرتوں میں ایک تو معلوم ہو مجھے یہ شوق ناپسند ہے یہ آرزو پسند
محشر میں خلق اپنی مصیبت میں مبتلا یاں یہ تلاش آئے کوئی خوبرو پسند
رغبت ہے ہجر میں اسی آب و طعام سے آنسو عزیز زہر گوارا لہو پسند
اے داغ ہچکچاتی ہو ذلت سے عشق کے
دنیا میں ہو تمہیں تو بڑے آبرو پسند

۱۱۸

نہ ہو کیونکر افضل ہمارا محمدؐ کہ ہے اپنے پیارے کا پیارا محمدؐ
الٰہی یہ محشر میں ہم کہتے جائیں کہاں ہے کہاں ہے ہمارا محمدؐ
وہیں کشتی نوحؑ بھی ڈوب جاتی نہ دیتے جو اس کو سہارا محمدؐ
ابھی فرش سے عرش مل جائے جھک کر کریں گر طلب کا اشارا محمدؐ
یہی بات عاشق نے معشوق سے کی نہیں تیری گرفت گوارا محمدؐ
کہیں گے بھی اس شہ انبیاء سے وہاں ہوں گے جب آشکارا محمدؐ

قطعہ

شفیع امم روز محشر تمہیں ہو ہمیں ہے تمہارا سہارا محمدؐ
صدا خیر مقدم کی کعبے سی آئی حرم سے جب آئے دوبارہ محمدؐ
بلا لو مدینے میں پھر داغ کو تم
نہیں ہند میں اب گذارا محمدؐ

ردیف ذال معجمہ

۱۱۹

لاکھ لکھے انہیں اندوہ و محن کا کاغذ
کب وہ پڑھتے ہیں کسی سوختہ تن کا کاغذ

قاصد آ آ کے بنا جاتے ہیں جھوٹی باتیں
لائیں میری کوئی اس سیم بدن کا کاغذ

آتش رنگ حنا سے ترے ہاتھوں میں نگار
جل نہ جائے نہیں اس سوختہ تن کا کاغذ

کوئی مضمون نہیں دل شکنی سے خالی
کس نے لکھا تھا خط عہد شکن کا کاغذ

اشک خونی سے میں لکھ لکھ کر مٹا دیتا ہوں
اپنے حال دل پر رنج و محن کا کاغذ

خط گلزار سے وہ حرف جو کاغذ پہ لکھے
رشک گلزار ہو اس رشک چمن کا کاغذ

ہم نے مضمون گر انباری غم لکھا تھا
دست قاصد میں ہوا سینکڑوں من کا کاغذ

ناتوان ہوں نہ گلے میں مری باندھو تعویذ
توڑ ڈالے مری گردن کا نہ منکا کاغذ

غور سے ہم نے جو دیکھا تو صفت سے تیری
کوئی خالی نہیں ارباب سخن کا کاغذ

آئی پیری تو کہاں رنگ جوانی کی بہار
کہ بگڑ جاتا ہے تصویر کہن کا کاغذ

ورق دل پہ کھنچی داغ صنم کی تصویر
تھا اسی کام کا یہ اور اسی فن کا کاغذ

۱۲۰

چاہوں جو بے مزار تعویذ ہوں سنگ ستم ہزار تعویذ

ہیں میرے گلے کے یار تعویذ　اک درد جگہ ہزار تعویذ
کھینچی ہیں زمین پر لکیریں　یوں لکھتے ہیں خاکسار تعویذ
دشمن مرے زہر گھولتے ہیں　اور مونس و غمگسار تعویذ
ہیں نجر جمال دونوں بازو　گھل جائیں نہ اے نگار تعویذ
قرطاس فلک جو مجھ کو ملتا　لکھتا پئے حب یار تعویذ
لائے گا اسے یہ گرد نامہ　ہے دیدۂ انتظار تعویذ
ان بازوؤں پر فدا ہیں جوش　صدقے قربان نثار تعویذ
جوڑا جو کھلا تو کھل پڑا دل　ہم سمجھے تھے اے نگار تعویذ
پردے میں رقیب کی ہے تصویر　سینے پہ ہے آشکار تعویذ
آیا دم نزع بھی جو قاصد　بن جائے گا خط یار تعویذ
دیکھا نہیں نقش دل سا کوئی　جلتا ہوا سحر کار تعویذ

تسخیر پری کے واسطے داغ
لکھتا ہوں میں بار بار تعویذ

ردیف راء مہملہ

۱۲۱

تمام عالم میں خاک چھانی یہ عشق آخر کو تنگ ہو کر
جب آدمی کو بنایا تو وہ تو دل پہ بیٹھا خدنگ ہو کر

وہی تو ہے شعلہ تجلی کہ دشت ایمن سے تنگ ہو کر
جب اس نے اپنی نمود چاہی کھلا حسینوں پہ رنگ ہو کر

نہ دیکھو دیکھو تم آئینے کو کہ مجھ کو رہتا ہے ہول ہر دم
کہیں نہ جم جائے عکس اس کا رخ مصفا پہ زنگ ہو کر

نگاہ دز دیدہ کس نے دیکھی دکھاؤ آنکھیں کرو نظارے
لڑے گی میدان میں نگہ کیا لڑے اگر خانہ جنگ ہو کر

وہ ہم ہیں مجنوں دشت پیما جنوں کو ہوتا ہے ہم سے سودا
کہ چشم آہو میں بیٹھی وحشت ہماری وحشت سے تنگ ہو کر

بہار گل کیا ہے اس کو پھونکو چمن میں چل کر یہ سیر دیکھو
کہ شمع رخسار پر تمہارے جلے گی بلبل پتنگ ہو کر

برنگ حسرت مثال ارمان جو آگیا یاں سے پھر نہ نکلا
رہے گا سینے میں تیر تیرا اسیر قید فرنگ ہو کر

کچھ ایسے فتنوں پہ فتنے اٹھے کہ شور محشر بھی چیخ اٹھا
اٹھی قیامت بھی ساتھ میرے بتوں کے کوچے سے تنگ ہو کر

دم قلق وقت بیقراری جو دل پہ رکھا بھی ہاتھ ہم نے
تو ناتوانی سے رہ گیا ہے ہمارے سینے پہ سنگ ہو کر

کھلے الٰہی نہ عقدۂ دل کہ اس سے امید بندہ رہی ہے
عجب نہیں آرزوئیں نکلیں جو دل کی تنگی سے تنگ ہو کر

نہ وہ نظارے نہ وہ اشارے نہ ویسے غمزے نہ ویسی چشمک
غضب ہے پابند شرم ٹھہری نگہ تری شوخ و شنگ ہو کر

8

وہ قتل کرتے ہوئے جو جھجکے تو یاد آغاز عشق آیا
کہ بارہا یونہی رہ گئی تھے ہمارے دل میں امنگ ہو کر

بھرے ہوئے ہیں ہزار ارمان پھر اس پہ ہے حسرتوں کی حسرت
کہاں نکل جاؤں یا الٰہی میں دل کی وسعت سے تنگ ہو کر

جھکی ذرا چشم جنگجو بھی نکل گئی دل کی آرزو بھی
بڑا مزہ اس ملاپ کا ہے جو صلح ہو جائے جنگ ہو کر

رہے گا خنجر پہ تیری دھبا کہ تو نے بے جرم اس کو مارا
یہ داغ کا خون ہے ستمگر چھٹے گا ہرگز نہ رنگ ہو کر

۱۲۲

مرے ہی واسطے بیٹھا ہے پاسباں در پر
ملے جو راہ میں کہتے ہیں آیئے گھر پر

گمان بگولے پہ تھا کچھ یقیں صرصر پر
کسی نے خاک نہ ڈالی مرے مقدر پر

سنا ہے ہم نے یہ آنا ہے موت کا آنا
الٰہی آئے نہ وہ وعدۂ مقرر پر

رکا جو ہاتھ دم ذبح اس ستمگر کا
نگاہ تیز سے چھریاں لگائیں خنجر پر

نہ رکھو حشر پہ موقوف داستاں میری
کرو خدا کے لئے رحم اہل محشر پر

اوڑی ہے خاک زمانے میں جس قدر اب تک
جمی ہے آکے ہمارے دل مکدر پر

وہ چشم مست پھر اس پر وہ پنجہ مژگاں
کہ جیسے ہاتھ کسی نازنین کا ساغر پر

نیاز و ناز دکھاتا ہے یہ نشیب و فراز
زمیں ہے زیر قدم آسماں ہے سر پر

عجب نہیں تپش داغ معصیت سے مرے
حباب آبلے بن جائیں آب کوثر پر

کریں گے خوب ہم آزردہ خاطر احباب
پڑے گا صبر کسی کا تو جان مضطر پر

شب فراق میں کانٹوں پہ میں لٹاؤں اسے
سلاؤں طالع خفتہ کو اپنے بستر پر
نگاہ ملتے ہے تلوار کا اٹھایا ہاتھ
رکھیں نہ تم نے کبھی چار انگلیاں سر پر
ہمارے نالوں سے اٹھ اٹھ کے حشر چیخ اٹھا
اخیر بیٹھ رہا تھک کے یار کے در پر
امید وصل ہو کیا ایک وعدۂ دیدار
اسے بھی تو نے تو رکھا ہے روز محشر پر
کہاں کرشمہ برق جمال و طور کہاں
پڑی تھے آہ کسی دل جلے کی پتھر پر
نہیں ہے ہوش سے خالی ہماری بیہوشی
کہ بے خودی میں گرے بھی جو ہم تو ساغر پر
نفس نفس ہے غبار سیاہ کی صورت
پڑی ہی خاک کہاں کی دل مکدر پر
فلک کرے بھی جو سامان عیش کو برباد
تو جام جم پہ گرے آئینہ سکندر پر
الجھ رہا ہے وہ دیوانہ داغ درباں سے
بپا ہے حشر کا ہنگامہ آپ کے در پر

۱۲۳

کوئی آئے اس بزم سے کیا نکل کر
کہ رہ رہ گیا ہے مرا ذکر چل کر
کیا دل کا جو رنگ غم نے مسل کر
کسی پھول کو دیکھ چٹکی میں مل کر
وہ نازک کہ جامے سے باہر نکل کر
تھکے اس طرح جس طرح کوئی چل کر
رکھوں، کاٹ کر ہاتھ قاصد کے دل پر
کہ ان سے کہیں چار باتیں سنبھل کر
مری تشنگی دیکھ کر روز محشر
چھلک جائے گا آب کوثر ابل کر
محبت نے کی جب مری دستگیری
مقدر نے رو رو دیا ہاتھ مل کر
ہماری گواہی نہ دی حشر کے دن
ہوئے کچھ ادھر کچھ ادھر لوگ ٹل کر
نہ اٹھنے دیا دل نے اس انجمن سے
کیا قصد سو بار زانو بدل کر

لکھا خط میں جب ان کا القاب میں نے
قلم حرف مطلب پہ آیا پھسل کر
مجھے شمع دو بزم میں دل کو دیکھوں
گری ہے کوئی شے بغل سے نکل کر
شب ہجر آخر ہوئی پر ہے اتنی
بنی خضر کی عمر یہ رات ڈھل کر
مرے دل کو باتوں میں بہلائے رکھنا
قیامت کرے گا یہ فتنہ مچل کر

ہوئے ایک دیر و حرم کے مسافر
کچھ اس راہ چل کر کچھ اس راہ چل کر
راہ عشق کی ٹھوکریں ہم سے پوچھو
کہ سنبھلے ہیں گر کر گرے ہیں سنبھل کر
مجھے یاد ہے اپنی صحرا نوردی
گیا تھا گریباں سے پہلے نکل کر
نہ پوچھو شب ہجر کیونکر بسر کی
یہ کروٹ بدل کر وہ کروٹ بدل کر
شب ماہ کا لطف اے شیخ جب ہے
کہ ہالہ بنے تیری پگڑی اچھل کر
گناہوں سے میرے یہ کانپتے فرشتے
کہ اعمال نامہ لکھا خط بدل کر

ہوئی بے اثر سرد مہری بتوں کی
نہ ٹھنڈے ہوئے حضرت داغ جل کر

۱۲۴

عمر کیونکر نہ بسر کیجئے غافل ہو کر
کہ ملا ہے ہمیں اک قطرۂ مے دل ہو کر
جب تڑپ دیکھتے ہیں اس کی وہ مائل ہو کر
لوٹے آپ بھی جی چاہتا ہے دل ہو کر
ہم ہیں وہ گوش بر آواز چمن چاہتے ہیں
شور محشر بھی اٹھے شور عنادل ہو کر
نہ کھلی ناخن تدبیر سے قسمت کی گرہ
ہم کو عقدہ بھی ملا ہائے تو مشکل ہو کر
صدقے اس ابروئے پرخم کی تمنا ہے یہی
حشر تک لوٹے اس تیغ کے بسمل ہو کر

پاؤں اٹھتا ہی نہیں دشت بھی زنداں ہے مجھے جادۂ راہ لپٹتا ہے سلاسل ہو کر
لے گئی دل کو چرا کر تری دزدیدۂ نظر لٹ گئے ہم تو رہ عشق میں غافل ہو کر
آگیا مفت کے چکر میں ازل سے ناحق اے فلک تو مری تقدیر کے شامل ہو کر
قدر واں کوئی نہیں اہل سخن کا اے داغ
کیا کریں آہ کسی کام میں کامل ہو کر

۱۲۵

بخار اچھا نکالا سوز دل نے چشم گریاں پر
کہ ہر آنسو برنگ آبلہ ہے نوک مژگاں پر
رہے تھے ایک جا پابند ہو کر کب یہ دیوانے
الٰہی گر پڑے بجلی کہیں دیوار زنداں پر
نمود صبح تک کیا جانے کیا کیا رنگ بدلے گی
ابھی سے بے کسی چھائی ہے میرے شام ہجراں پر
اڑا اتنا نہ تو لطف خلش جاتا ہے اے وحشت
قدم ٹکنے نہیں پاتا مرا خار بیاباں پر
الٰہی خیر ہو بے ڈھب جنون نے ہاتھ دوڑایا
کہ اک آفت ہے دامن پر قیامت ہے گریباں پر
ملے تھے لب ہی اس لب سے کہ مارا تیغ ابرو نے
یہ ناکامی کہ مجھ کو موت آئی آب حیواں پر
ہجوم یاس و نومیدی وفور حسرت و ارماں
چڑھائی لشکر غم کی ہے اک جاں پر ارماں ر

یقیں ہے ہم کو ہوں گے سب یہی انداز جنت کے
فرشتوں کی نگاہیں ہیں تری مجلس کے ساماں پر
وہ پیکاں تشنہ خوں ہے جگر میں دم نہیں باقی
غضب ہے مفلسی ثابت ہوئی جاتی ہے مہماں پر
نگاہ و غمزۂ ناز و ادا نے دل کو گھیرا ہے
کیا ان کافروں نے حملہ بیچارے مسلماں پر
الٰہی آبرو رکھ لے مرے رشک مسیحا کی
اجل کے ساتھ جھگڑے ہو رہے ہیں میرے درماں پر
کہاں ہیں داغ مے اے محتسب کچھ خیر ہے تجھ کو
ٹپ کر اشک خونی رہ گئے ہیں جیب داماں پر
ملاتے خاک میں اس قالب خاکی کو اول ہے
اگر یہ جانتے ایسی جفائیں ہوں گی انساں پر
ملا لطف خلش پائے نگہ کو اس کا احسان ہے
لگائے جس نے کانٹے ہر طرف دیوار زنداں پر
یہ خون داغ ہے ہرگز نہیں چھٹنے کا اے قاتل
کہ اُس کا حشر تک دھبا رہے گا تیرے داماں پر

۱۲۶

ڈالتے ہو کیوں دوپٹے کا تم آنچل دوش پر
بار ہے پہلے ہی گیسوئے مسلسل دوش پر
رب ہمارا غیب داں ہے یہ کراماً کاتبین
رات دن تحریر کیا کرتے ہیں مہمل دوش پر

پہلے افعی تھیں وہ زلفیں اب ہوئیں مار سیاہ آئیں اب زیر کمر رہتی تھیں اول دوش پر

یہ سنا تھا آج میں نے آپ نے کھینچی تھی تیغ جیسے گردن کو مری بھاری ہے پل پل دوش پر

شاخ گل پر کچھ نظر کیجئے کہ سنبھل کی طرف دیکھئے اس کی کمر یا زلف کاکل دوش پر

میکدے سی ہم چلے بیہوش ہو کر اس طرح ہاتھ میں رکھا خم مے اور بوتل دوش پر

کشتگان ابرو پر خم کی دلوا دو نیاز تم نے رکھی ہے کمان اول ہے اول دوش پر

یہ تجلی بل بے اس کے عارض پرنور کی جم گیا ہے نور گویا دو دو انگل دوش پر

لے گئے ہیں آج تو اے داغ وہ سینے سے دل

سر سلامت آپ پائیں گے نہیں کل دوش پر

۱۴۷

یاں دل میں خیال اور ہے واں مد نظر اور ہے حال طبیعت کا ادھر اور ادھر اور

ہر وقت ہے چتون تری اے شعبدہ گر اور اک دم میں مزاج اور ہے اک پل میں نظر اور

ناکارۂ و ناداں کوئی مجھ سا بھی نہ ہو گا آیا نہ بجز بے ہنری مجھ کو ہنر اور

دل دے کے لیا رنج و الم وائے ری قسمت ہم سمجھے تھے کچھ اور ہوا ہائے مگر اور

جیتا نہ بچے ایک بھی جانبر نہ ہو کوئی دو چار ستمگر ہوں تیرے سے اگر اور

ہوں پہلے ہی میں عشق میں غرقاب خجالت کیوں مجھ کو ڈبوتے ہیں مری دیدۂ تر اور

ٹھہرا ہے وہاں مشورۂ قتل ہمارا لو حضرت دل ایک سنو تازہ خبر اور

اور وہ ہیں آپ آپ ہیں کیا آپ سے نسبت ہوں لاکھ زمانے میں اگر رشک قمر اور

بھر بھر کے جو دیتے ہیں وہ جام اور کسی کو لے لے کے مزے پیتے ہیں یاں خون جگر اور

ہم جانتے ہیں خوب تری طرز نگہ کو ہے قہر کی آنکھ اور محبت کی نظر اور

اے داغ مئے عشق سے کیا زہر کو نسبت
ہے اس میں اثر اور وہ رکھتا ہے اثر اور

۱۲۸

حیف شرمندہ نہیں تو ستم آرا ہو کر
ہم پہ کرتا ہے ستم یار ہمارا ہو کر

یہ تمنا ہے شہیدوں کو ترے اے قاتل
کہ یوں ہیں قتل ہوں ہم زندہ دوبارہ ہو کر

جوش گریہ بھی تماشا ہے کہ میرے مژگاں
روز ہیں اشک فشاں ایک ہزار ہو کر

کل کچھ اقرار بھی تھا آج ہے بالکل انکار
مٹ گیا حیف ہے اتنا بھی سہارا ہو کر

دل کو جب رنج دیا تم نے یہ پھر جائے گا
کیا ہمارا نہیں ہونے کا تمہارا ہو کر

خاک کس سوختہ جاں کی ہے ترے کوچے میں
کہ ہر اک ذرہ جو اڑتا ہے شرارا ہو کر

بے مزا عشق کا آغاز سے انجام ہوا
ناگوار دل نازک ہے گوارا ہو کر

چھید گئی سوزن مژگاں سے نقاب اس رخ کی
رہ گیا گر کبھی پردے اشارا ہو کر

غیر کے سر میں وہ کرتے ہیں جو کنگھی اپنی
رشک دل چیرتا ہے داغ کا آرا ہو کر

۱۲۹

رکیئے اب بہر عیادت نہ قدم گن گن کر
لے رہا ہے یہ مریض آپ کا دم گن گن کر

دے خوشی کے عوض اندوہ و الم گن گن کر
لے شب وصل کے بدلے شب غم گن گن کر

یاد آتی ہے اگر اک نگہ لطف تری
بھول جاتا ہوں ترے لاکھ ستم گن گن کر

چلتے ہیں ساتھ جنازے کے جو چالیس قدم
تو نزاکت سے وہ رکھتے ہیں قدم گن گن کر

پیچ تقدیر کے کیا کیا مجھے یاد آتے ہیں
شب کو اس کاکل پر پیچ کے خم گن گن کر

تھا ہمیں ہجر میں اک ایک مہینہ برسوں
دن گزارے ہیں تری سر کی قسم گن گن کر

انگلیوں پر جو ہوا کرتی ہے گنتی ہر روز
یاد کرتے ہیں وہ انداز ستم گن گن کر

چار ہی داغ دیئے تو نے فلک لالے کو
جو سخی ہیں نہیں دیتے ہیں درم گن گن کر

دس کے دو کہتے ہیں جب لیتے ہیں بوسے ان کے
بھول ہم ڈال دیا کرتے ہیں کم گن گن کر

ابر گھرا نہیں ہوتا ہے تو ہم فرقت میں
صبح کر دیتے ہیں تارے شب غم گن گن کر

ہم کو مطلب نہیں دینار و درم سے اے داغ
شاد ہیں داغ جگر عشق ہم گن گن کر

۱۳۰

روتا ہے تجھ بغیر دل زار زار زار
اور کھینچتا ہے آہ شرر بار بار بار

اے دل قمار عشق میں شاید ہو تیری جمیت
پہلے نکال منہ سے نہ زنہار بار بار

بیمار عشق کا نہ کسی کو خدا کرے
عیسیٰ کو بھی رولائے یہ آزار زار زار

ہم کو اس پر کرکے جو صیادے چلا
کیا روئے دیکھ کر سو گلزار زار زار

بے ڈھب ہے یہ خرام عجب کیا کرے اگر
داماں حشر کو ترے رفتار تار تار

وہ گل اگر نہ پاس ہو وقت شناوری
ہو ہم کو موج قلزم زخار خار خار

اب داغ سے علاقہ رہا کیا وہ کون ہے
اب تو ہوئے ہیں آپ کے اغیار یار یار

کیا ہے دیندار اس صنم کو ہزاروں طوفان اٹھا کر
لگائیں وہ تہمتیں کہ بولا خدا خدا کر خدا خدا کر

کہا نہ کچھ عرض مدعا پر وہ لے رہے دم کو مسکرا کر
سنا کئے حال چپکے چپکے نظر اٹھائی نہ سر جھکا کر

نہ طور دیکھے نہ رنگ برتے غضب میں آیا ہوں دل لگا کر
وگرنہ دیتا ہے دل زمانہ یہ آزما کر وہ آزما کر

تری محبت نے مار ڈالا ہزار ایذا سے مجھ کو ظالم
رولا رولا کر گھلا گھلا کر جلا جلا کر مٹا مٹا کر

عجیب یہ تیرہ خاکداں ہے اسی کے ہے روشنی جہاں ہے
فلک نے اختر بنا لئے ہیں چراغ ہستی بجھا بجھا کر

جہاں لگی آنکھ کچھ یونہیں سی وہیں چبھی پھانس سی جگر میں
کہ درد دل کی چمک نے کیا کیا دکھائے صدمے جگا جگا کر

تمہیں تو ہو جو کہ خواب میں ہو تمہیں تو ہو جو خیال میں ہو
کہاں چلے آنکھ میں سما کر کدھر کو جاتے ہو دل میں آکر

ستم کے جو لذت آشنا ہوں کرم سے بے لطف بے مزا ہوں
جو تو وفا بھی کرے تو ظالم یہ ہو تقاضا کہ پھر جفا کر

شراب خانہ ہے یہ تو زاہد طلسم خانہ نہیں جو ٹوٹے
کہ توبہ کرتے گئی ہے توبہ ابھی یہاں سے شکست پا کر

جو ظلم کرنا تھا سر پہ میرے تو اور فتنے اٹھائے ہوئے
اٹھائی ہے تم نے تو قیامت رقیب کو بزم میں بٹھا کر

خیال میں سد راہ زندان نگاہ میں دیدۂ نگہبان
ہمیشہ باتوں میں توڑتا ہوں سلاسل اپنی اٹھا اٹھا کر

نگہ کو بے باکیاں سکھاؤ حجاب شرم و حیا اٹھاؤ
بھلا کے مارا تو خاک مارا لگاؤ چوٹیں جتا جتا کر

نہ ہر بشر کا جمال ایسا نہ ہر فرشتے کا حال ایسا
کچھ اور سے اور ہو گیا تو مری نظر میں سما سما کر

یہ امتحاں ہے کہ جو سخی ہیں ہمیشہ محتاج تر وہی ہیں
دعا نے میری اثر دیا ہے تمام عالم کو ہاتھ اٹھا کر

خدا کا ملنا بہت ہے آسان بتوں کا ملنا ہے سخت مشکل
یقیں نہیں گر کسی کو ہمدم تو کوئی لائے اسے منا کر

الٰہی قاصد کی خیر گذرے کہ آج کوچے سے فتنہ گر کے
صبا نکلتی ہے لڑکھڑا کر نسیم چلتی ہے تھر تھرا کر

رقیب اچھے یہ میں نے مانا برا مجھے تو نے دل میں جانا
بھلوں سے کرتے ہیں سب بھلائی کسی برے کا تو کچھ بھلا کر

فریب دلدار کا ہے احسان کہ ہم کو گردش سے باز رکھا
بچے ہزاروں بلاؤں سے ہم نہ جا سکے اس کے دم میں آکر

جناب سلطان عشق وہ ہی کرے جو ای داغ اک اشارا
فرشتے حاضر ہوں دست بستہ ادب سے گردن جھکا جھکا کر

رہے گی اک روز جان جاکر رہے نہیں ہوش دل لگا کر
عدو سے کہتا ہوں تنگ آکر کہ تو مرے حق میں کچھ دعا کر

بچے گی یاروں میں کوئی آکر یہ توبہ زاہد خدا خدا کر
کہاں کی حجت ہے فیصلہ کر شتاب ناداں پی پلاکر

طبیب کہتے ہیں کچھ دوا کر حبیب کہتے ہیں بس دعا کر
رقیب کہتے ہیں التجا کر غضب میں آیا ہوں دل لگا کر

یہیں جب انصاف کچھ نہ دیکھا تو روز محشر کو خاک ہو گا
پٹک کے اعمال نامہ اپنا پھروں گا مشعل جلا جلا کر

غضب سے چین جو سر جبین ہے یہ نقش دل کندۂ نگیں ہے
لکیر دنیا نے کی نہیں ہے جو صاف کر لو مٹا مٹا کر

جفا پھر ایجاد ہی نہ ہو گی کسی کے فریاد ہی نہ ہو گی
فلک کی بنیاد ہی نہ ہو گی کیا جب اک نالہ دل لگا کر

ہوئی ہے اب موت زندگانی کہاں سے لاؤں تجھے جوانی
کہ زور کرتی ہے ناتوانی نحیف و کمزور مجھ کو پاکر

تلاش تھی مجھ کو نامہ بر کی خبر نہ تھی ہائے اس خبر کی
نہ پاؤں کی سدھ رہی نہ سر کی گئی ہے ایسی صبا سنا کر

تمام ہو خاک اپنا مطلب کہ یار پر قہر شوق بے ڈھب
لکھا ہے اک حرف آرزو اب سو وہ بھی کیا کیا مٹا مٹا کر

یہ جی میں یہاں ٹھن گئی ہے بالکل کہ حال دل کہئے بے تامل
غضب کیا کیوں کیا تغافل گھٹا دیا حوصلہ بڑھا کر

وہ بدگماں نکتہ چیں ہے بے ڈھب کہیں نہ قاصد ہو قتل یارب
اگرچہ لکھا ہے حرف مطلب ہزار پہلو بچا بچا کر

خدنگ دلدوز سے خدایا بچا نہ پہلو بہت بچایا
اگر جگر سے میں کھینچ لایا تو دل میں بیٹھا یہ گھر بنا کر

جو سوز الفت کے دل جلے ہیں انہیں قیامت کے ولولے ہیں
یہ تفتہ دل آپ لے چلے ہیں بغل میں دوزخ دبا دبا کر

نگاہ دز دیدہ پر شرارت اور اس پہ دزد حنا ہے آفت
مگر وہ عیار ہے قیامت کہ چور دیں جس کو دل چرا کر

یہاں نہ ہو خیر جسم و جان کی بچے کہیں جان اک جہان کی
ہوس رہے گی نہ امتحان کی انہیں مرا عشق آزما کر

ملا نہ ایسا تو کوئی ہمدم جو دل کا ہو پاسبان شب غم
وہ بخت خفتہ نہیں کہ اک دم ہم آپ سوئیں جسے جگا کر

نثار اس طرز گفتگو پر نہیں کہیں داغ سار مخمور
ہنسا دیا ہے رولا رولا کر رولا دیا ہے ہنسا ہنسا کر

۱۳۳

زہے تلاش کہ سرگرم جستجو ہو کر ملا ہوں رنگ میں رنگ اور بو میں بو ہو کر
تری گلی میں ترے دل کا نقش ہو کے رہا رقیب مٹ نہ گیا میری آبرو ہو کر

وہاں کلیم سے وہ ناز یہاں یہ دعوے ہیں — کبھی حجاب نہ ہو ہم سے گفتگو ہو کر

نگاہ شوق نے کیا خواب میں نہیں دیکھا — نیا حجاب ہے چھپتے ہو روبرو ہو کر

نگہ نگہ سے ترے وار تھا کہ دل میرا — مژہ مژہ سے ٹپکتا رہا لہو ہو کر

ذرا سی چھیڑ پہ جامے سے باہر آپ ہوئے — یہ عیب ہے کہ نہ ہو چین خوبرو ہو کر

لگی ہے پنجہ مژگاں میں خون دل سے حنا — ہماری آنکھ ملی سب سے سرخرو ہو کر

سوال وصل پہ وہ گالیاں ہی دیں لیکن — کوئی تو بات ٹھہر جائے گفتگو ہو کر

ہماری جذب محبت کو دیکھنا قاتل — کہ رہ گیا ترا خنجر رگ گلو ہو کر

بتوں کے خوف سے ڈر ڈر کے رہ گیا ہوں میں — ہزار مرتبہ آمادۂ وضو ہو کر

ہوا ہوں میں بھی اب اے داغ اپنا دشمن آپ
زمانہ دوست ہے اس کا مرا عدو ہو کر

۱۳۴

بزم اغیار کا ظاہر اثر آنکھوں پر — مہرباں آپ کی نفرت مرے سر آنکھوں پر

دہن اس کا کمر اس کی نظر آئی نہ کبھی — ہوا اگر عینک خورشید و قمر آنکھوں پر

گہ نظر جانب درگاہ نظر سوئے فلک — شب کو صدمے یہ رہے تابہ سحر آنکھوں پر

رحم آجائے دم ذبح نہ تجھ کو قاتل — اپنے دامن کو بچھا دے مری تر آنکھوں پر

ہو گیا باغ میں گلشن کو تماشا اس کا — چشم گل لب پہ تو نرگس کی نظر آنکھوں پر

تیری زلفوں پہ بلائیں جو بلا گرداں ہیں — فتنے قربان ہیں اے شعبدہ گر آنکھوں پر

مرتبہ دیکھنے والے کا ترے ایسا ہے — کہ بٹھاتے ہیں جسے اہل نظر آنکھوں پر

صبح اس فتنۂ محشر کو جو دیکھا ہم نے — ایک آشوب رہا چار پہر آنکھوں پر

داغ کے دل کا تو کچھ بھید نہ پایا ہم نے
ایک حسرت سی برستی ہے مگر آنکھوں پر

۱۳۵

دوستی کا ہو زمانے میں بھروسا کس پر
تو مجھے چھوڑ چلا اے دل شیدا کس پر

امتحان نالہ دل کا تو دکھا دوں لیکن
یہ تو سمجھو کہ فلک ٹوٹ پڑے گا کس پر

یوں تو معشوق گل و شمع بھی کہلاتے ہیں
دیکھنا یہ ہے کہ مرتا ہے زمانہ کس پر

فتنہ پرداز دغا باز فسوں گر عیار
ہائے افسوس دل آیا بھی تو آیا کس پر

مجھ سے کہتے ہیں نکالیں گے ہمیں کچھ تدبیر
صاف کہہ دو کہ دل آیا ہے تمہارا کس پر

لے کے دل بھی نہ دیا بوسہ جو مانگا تو کہا
کوئی سنتا بھی ہے کرتے ہو تقاضا کس پر

غرق خون ہے مری مژگاں بھی ترا پیکاں بھی
رنگ کھلتا ہے مگر دیکھئے اچھا کس پر

حور کے ناز و ادا کو تو فرشتے سمجھیں
خلد میں کھائیں گے ہم آپ کا دھوکا کس پر

وہی قاتل وہی مخبر ہے وہی منصف ہے
اقربا میرے کریں خون کا دعویٰ کس پر

اس کی تصویر جو یوسف کے مقابل رکھ دوں
دیکھئے گرتے ہیں پھر اہل تماشا کس پر

جو کیا میں نے کیا کس نے ترے ساتھ سلوک
جو ہوا مجھ پہ ہوا ہے ستم ایسا کس پر

دے دیا اس کے مریضوں کو خدا نے بھی جواب
آپ بھولے ہوئے بیٹھے ہیں مسیحا کس پر

سامنے غیر کے تم فتنہ مجھے کہتے ہو
چھائے جاتی ہے یہ دیکھو تو سراپا کس پر

کوئی گل باغ میں اس غیرت گل سا نہیں
آنکھ پڑتی ہے تری نرگس شہلا کس پر

جانب چرخ اشارے سے بتایا اس نے
جب کہا میں نے مرا صبر پڑے گا کس پر

دل چرایا ہے مرا آپ بھری محفل میں
اور کہتے ہیں کہ شبہ تمہارا کس پر

داغ جاتے تو ہیں مقتل میں اول سب سے
دیکھئے وار کرے وہ ستم آرا کس پر

۱۳۶

تنگ ہے دل وسعت داماں محشر دیکھ کر
اے جنوں ہم پاؤں پھیلائے ہیں چادر دیکھ کر

توڑ ڈالے آئینہ اپنا جو ہمسر دیکھ کر
کیا کرے وہ شعلہ خو اپنے سے بہتر دیکھ کر

حسرتیں اترا رہی ہیں آرزوئیں شاد ہیں
میری قسمت دیکھ کر میرا مقدر دیکھ کر

دشنہ قاتل ہلال عید ہے اپنے لئے
ہم تو ملتے ہیں گلے یاروں سے خنجر دیکھ کر

لن ترانی سے غرض کیا حسن عالم سوز کو
ہم نظر آپ چرا جاتے ہیں اکثر دیکھ کر

خشک ہوتی ہے زبان زاہد کی استغفار سے
منہ میں بھر آتا ہے پانی دامن تر دیکھ کر

روز جاکر اس کے کوچے سے پلٹ آتے ہیں ہم
دیدۂ حسرت سے پہروں جانب در دیکھ کر

سنتے ہی نالہ مرا وہ رہ گئے خنجر بکف
کچھ سمجھ کر، سوچ کر، ڈر کر، سنبھل کر دیکھ کر

دید کے قابل ہے اے زاہد تماشا حشر کا
جائیں گے جنت میں لیکن سیر دن بھر دیکھ کر

وہ خوشی بھی دید کے قابل ہے جب ہوتا ہے شاد
مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر دیکھ کر

حضرت زاہد خدا کو آپ نے دیکھا نہیں
بندگی کرتے ہیں ہم اے بندہ پرور دیکھ کر

کر سکے کیا لاگ ان سے میری آہ ناتواں
جو نگاہیں تیز ہو جاتی ہیں خنجر دیکھ کر

خوگر رنج و بلا ہوں مجھ کو کچھ پروا نہیں
تم کو سناٹا گذر جائے گا محشر دیکھ کر

چلتے پھرتے بھولے بھٹکے بارہا پہنچے ہیں ہم
ہائے ظالم غیر کے دل میں ترا گھر دیکھ کر

دیکھنا یار و جگر کو رو رہا تھا اپنے میں
وہ لئے جاتا ہے دل کوئی مکرر دیکھ کر

کیسے جلسے چھوڑ کر ہم آئے ہیں اے اہل حشر
دل بھرے گا سیر سے دو چار محشر دیکھ کر

سخت جانی سے بنی کیا داغ دیکھا چاہئے
آج لائے ہیں وہ سو دو سو میں خنجر دیکھ کر

ردیف زائے منقوطہ

۱۳۷

جو دکھاؤ بھی نہ دیکھوں رخ پر حجاب ہرگز
یہ وہ آنکھ ہے کہ دیکھا نہیں جس نے خواب ہرگز

مری کثرت گنہ کی کوئی حد نہیں رہی ہے
نہ غم عذاب مجھ کو نہ غم حساب ہرگز

مری آہ آتشیں ہے کہ دماغ مہ جبیں ہے
یہ بلند آسمان پر نہیں آفتاب ہرگز

وہ ہے تیرا مصحف رخ اگر اس کو دیکھ پائیں
تو یہ کافر کتابی نہ چھوئیں کتاب ہرگز

اگر آپ مول لیتے تو تمیز تشنہ ہوتی
ملے مفت کی جو زاہد وہ نہیں شراب ہرگز

نہ مزاج یار بدلا نہ مرا نصیب پلٹا
نہیں اے فلک ہمیشہ تجھے انقلاب ہرگز

وہ اثر سے میں ڈرا ہوں یہ دعائیں مانگتا ہوں
کہ مری دعا الٰہی نہ ہو مستجاب ہرگز

یہ بجا کہ منع ہو گا رمضان میں آب و دانہ
یہ غضب کہ تیس دن تک نہ پئیں شراب ہرگز

کبھی داغ توبہ کے ہے کبھی پھر شراب پی ہے
نہ عذاب ہی ملے گا نہ ہمیں ثواب ہرگز

ردیف سین مہملہ

۱۳۸

کیا بے مروت خلق ہے سب جمع ہیں بسمل کے پاس
تنہا مرا قاتل رہا کوئی نہیں قاتل کے پاس

9

کیونکر دکھاؤں حال دل اس کو بٹھا کر دل کے پاس
نخوت سے جو بائیں طرف بیٹھے نہ اس مائل کے پاس

کوسوں کی دوری یہ بھی ہے معشوق و عاشق میں اگر
لیلی رہی محمل نشیں مجنوں رہے محمل کے پاس

نالا ابھی نکلا نہیں لب سے کہ آ پہنچا اثر
جاتے ہیں ارباب کرم خود دوڑ کر سائل کے پاس

رہبر نے راہ عشق میں برسوں دیئے چکر مجھے
ظالم سے جب پوچھا کہا اب آگئے منزل کے پاس

میں اپنی آنکھیں ڈھانک لوں میں ہاتھ اپنے باندھ لوں
ڈرتے ہو کیوں آکر سنو کچھ پردۂ حائل کے پاس

پیر مغاں جو تجھ کو دے اس میں سے مجھ کو بھی ملے
زاہد تجھے لایا ہوں میں کس مرشد کامل کے پاس

بحر محبت جوش پر میں کیا کروں نو مشق ہوں
دم ٹوٹ جاتا ہے مرا آتا ہوں جب ساحل کے پاس

باہم ہمیں یکجا رہیں یک رنگ ہو کر حسن و عشق
خال سویدا ہو مرا رخ پر تمہارے تل کے پاس

کب ناخن تدبیر سے کھلتی ہے قسمت کی گرہ
کیا کام ایسے ہاتھ کا اس عقدۂ مشکل کے پاس

ہاں اے ہوس ہمت کہ ہے دست ادب دامن سے دور
ہاں اے طپش جرات کہ ہوں اک جست میں قاتل کے پاس

کیا ماتم حسرت کروں وہ شعلہ زن ہے داغِ غم
جل کر پھپھولے پڑ گئے جب ہاتھ آیا دل کے پاس

وہ جاکے بزمِ غیر میں کیا جانے کیا بن جائیں گے
فتنہ قیامت ہو گیا پہنچا جب اس محفل کے پاس

مجنوں تری تقدیر سے ناقے نے کی ہیں شوخیاں
لیلیٰ کھڑی ہے منتظر کچھ دیر سے محمل کے پاس

کیا زیرِ تیغِ امتحاں خاموش ہے میری زباں
خنجر بھی چل نکلا جہاں دم بھر رہا قاتل کے پاس

دریائے الفت میں ملے کیا جانے آگے کیا بلا
چینِ جبینِ یار ہے جو موج ہے ساحل کے پاس

قربان جاؤں یاس کے یہ کیا ملی دنیا ملی
اک دولتِ جاوید ہے اک سلطنت ہے دل کے پاس

چھینٹے دیئے یاں قیس نے اشکوں سے اپنے ہر طرف
اڑ کر غبارِ کارواں پہنچا ہے جب محمل کے پاس

غربت میں عادت ہو گئی صحرا نوردی کی مجھے
کترا کے پھر جاتا ہوں آتا ہوں جب منزل کے پاس

بیٹھے تھے زلفیں چھوڑ کر اک روز وہ بہرِ شکار
اس رن سے ساری مچھلیاں رہنے لگیں ساحل کے پاس

ہے تجھ کو بعدِ امتحاں کیوں دم چرانے کا گماں
یہ دل سے اپنے دور رکھ رکھا نہیں کچھ دل کے پاس

نالوں کے ناوک میں رواں آہوں کے چلتی ہیں خدنگ
ترکش میں قاتل کے نہیں جو تیر ہیں بسمل کے پاس

خط آگیا رخ پر ترے ہے نظر اپنی وہی
رہتا ہے اب تک پاسباں اس کشت بے حاصل کے پاس

نہ دیکھی ہے اس بیتاب میں نور تجلی کی جھلک
برسوں کیا ہے امتحاں آئینہ رکھ کر دیکھے پاس

دیکھے ہیں حسن و عشق کے ہم نے نرالے شعبدے
موسیٰ کی جو مٹھی میں تھا وہ داغ نکلا دل کے پاس

ردیف شین معجمہ

۱۳۹

وہ سمجھے کیا فلک کینہ خواہ کی گردش
اٹھائی جس نے تمہاری نگاہ کی گردش

طریق عشق میں ہو راہ راہ کی گردش
کبھی کبھی کا سکوں گاہ گاہ کی گردش

بلا ہے قہر ہے چشم سیاہ کی گردش
کہ پھیرتی ہے چھری اس نگاہ کی گردش

اف کروں ابھی چکرائیں آسماں و زمیں
بری بلا ہے مری دود آہ کی گردش

شب فراق جو میری ہی گرد پھرتی ہے
مگر شریک ہے بخت سیاہ کی گردش

بنا ہے یار کا ناصح پیام بر دیکھو
مرے لئے مری اس خیر خواہ کی گردش

بلا سے جل کے دل سخت طوطیا ہوتا
کہ پیستی اسے چشم سیاہ کی گردش

کبھی زمین پہ کبھی آسماں پہ تھی شب غم
رہے گی یاد مجھے برق آہ کی گردش

الٰہی دم مری آنکھوں میں پھیر کھا کے نہ آئے
کہ راہ رو کو قیامت ہے راہ کی گردش

اسی دوراہے میں اپنے تو پاؤں ٹوٹ گئے
کہ برسوں دیر سے تا خانقاہ کی گردش

کسی کو گردش کعبہ کسی کو گردش دیر
ہمیں تو وہ ہی تری جلوہ گاہ کی گردش

اسے جو ڈھونڈیئے بیٹھے بٹھائے ملتا ہے
نہ یہ کہ خضر سے گم کردہ راہ کی گردش

اٹھے نہ غیر کے پہلو سے آپ کیا جانیں
کسی غریب خراب و تباہ کی گردش

وہ اور بھول کے یوں میرے گھر چلے آئیں
مگر نصیب سے لے آئی راہ کی گردش

حصول محفل رنداں سے کیا ہوا ان کو
مگر جناب مشیخت پناہ کی گردش

اگر یہی ہے نزاکت تو وقت نظارہ
نہ لے اڑے تمہیں دیکھو نگاہ کی گردش

یہ دل تو کیا ہے کہ طوف حرم کو چکرا دے
مژہ کی جنبش کافر نگاہ کی گردش

جنہیں فروغ ہے عالم میں ہیں وہ سرگرداں
یہ دیکھو آئینہ ہے مہر و ماہ کی گردش

زمین و چرخ کوئی دم میں ہیں تہ و بالا
یہی رہی جو تمہاری نگاہ کی گردش

اشارہ کر کے ملا غیر سے وہ روز حساب
مری نظر میں ہے چشم گواہ کی گردش

پھریں گے داغ نہ دلی کے دن یقین مانو
نہیں ہے چرخ میں وہ اب چاہ کی گردش

۱۴۰

مری موت خواب میں دیکھ کر ہوئے خوب اپنی نظر سے خوش
انہیں عید کی سی خوشی ہوئی رہے شام تک وہ سحر سے خوش

کبھی شاد درہم داغ سے کبھی آبلوں کے گھر سے خوش
یہ بڑی خوشی کا مقام ہے غم ہجر یار ہے گھر سے خوش

انہیں بزم غیر میں تھا گماں کہ یہ سادہ لوح بہل گیا
مجھے خوف عزت و آبرو کہ رہا فقط اسی ڈر سے خوش

کہوں وصف بادۂ ناب کیا نہیں زاہد ایسی کوئی دوا
جو باغ اس کے اثر سے تر تو مزاج اس کے اثر سے خوش

اگر آبلہ ہے بھرا ہوا تو ہر ایک داغ جلا ہوا
جنہیں ہم نے سینے میں دی جگہ نہ وہ دل سے خوش نہ جگر سے خوش

وہی دوست ہیں وہی آشنا وہی آسمان ہے وہی زمین
عجب اتفاق زمانہ ہے کہ بشر نہیں ہے بشر سے خوش

مجھے چشم تر سے نہیں گلہ مرے دل کا داغ مٹا دیا
کہ لیا ہے نور بصر اگر تو کیا ہے لخت جگر سے خوش

کبھی حال اہل عدم سنا تو انہیں یہ وہم سما گیا
کسی بے نشان کا تو ذکر کیا نہ رہے وہ اپنی کمر سے خوش

نہ ہو درد و آہ و غم و الم کبھی تنگ اپنے مقام سے
یہ ہو سر سے خوش وہ زبان سے خوش یہ ہو دل سے خوش وہ جگر سے خوش

یہ خوشا نصیب کہ یار نے مری موت۔غیر سے سن تو لی
یہ اگرچہ جھوٹ اڑائی تھی وہ ہوا تو ایسی خبر سے خوش

وہ گلی ہو اور نظارہ ہو یہ نظر ہو اور اشارہ ہو
کبھی شاد جلوۂ بام سے کبھی سیر روزن در سے خوش

مجھے تجھ سے شکوہ ہے اے فلک کبھی تو نے میری خوشی نہ کی
کوئی یہ بھی کام میں کام ہے جو کبھی ہو اہل ہنر سے خوش

دل و دین لیا جو رقیب سے تو مبارک آپ کو یہ خوشی
مجھے فائدہ مجھے نفع کیا کہ جو ہوں پرائے ضرر سے خوش

وہ تو حوریاں بہشت ہیں کہ ہر ایک فقیر سے شاد ہوں
یہ بتان ہند ہیں زاہد یہ حریص ہوتے ہیں زر سے خوش

یہ سنا جو حضرت داغ نے کہ حضور کعبے کو جائیں گے
یہی ذکر ہے یہی فکر ہے شب و روز عزم سفر سے خوش

ردیف صاد مہملہ

۱۴۱

یہ نہ کہئے کہ نہیں کام کی حرص ۔۔۔ اور جو کافر کو ہو اسلام کی حرص
ہم نے توبہ میں یہ لذت پائی ۔۔۔ ہو گئی بادۂ گلفام کی حرص
اس نگاہ سے مجھے فتنے کی طمع ۔۔۔ اس دہن سے مجھے دشنام کی حرص
ہو گیا جان کا خواہاں قاصد ۔۔۔ دے نہ اتنا جو ہو انعام کی حرص
ہائے ساقی کا تغافل مجھ سے ۔۔۔ اور مجھ رند مے آشام کی حرص
فتنہ گر وہ بھی ہوئی ہے مشہور ۔۔۔ تھی قیامت کو ترے نام کی حرص
آنکھ پڑتی ہے تری لیل و نہار ۔۔۔ ہے اس گردش ایام کی حرص
مل گئے میرے سیہ بختی میں ۔۔۔ دیکھنا زلف سیہ فام کی حرص

غیر کے ڈھنگ اڑاؤ اے داغ
ہے اگر راحت و آرام کی حرص

ردیف ضاد معجمہ

۱۴۲

آئے وہ بیوفا یہاں اس کی بلا کو کیا غرض
جائے در قبول تک میری دعا کو کیا غرض

موت کو اے دل حزیں اور بہانے ہیں بہت
آئے جو اس کے ہاتھ سے میرے قضا کو کیا غرض

دعویٰ دین گر کیا کہنے لگا وہ بت بجا
بخش دے آپ کو خدا ایسی خدا کو کیا غرض

جبکہ ہو خانہ رقیب خانہ یار سے قریب
لائے جو میری راہ پر راہ نما کو کیا غرض

اس کی گلی سے آئی کیوں نکہت زلف لائے کیوں
مجھ کو صبا سے ہے اُمید مجھ سے صبا کو کیا غرض

یہ تو میرا ہے کام ہے سجدے کروں تو میں کروں
کیوں ترے پاؤں پر گری زلف رسا کو کیا غرض

بعد فنا یقیں ہے کھائے گا استخواں مرے
سایہ فگن ہو کس لئے بال ہما کو کیا غرض

ماتم داغ میں شریک ہو نہ ہو اختیار ہے
گھر سے تمہیں بلائیں کیوں اہل عزا کو کیا غرض

ردیف طائے مہملہ

۱۴۳

میں اور حرف شکوہ غلط اے صنم غلط
واللہ جھوٹ ہے یہ خدا کی قسم

دیکھے ہزار آئینہ و جام عمر بھر
افسانہ سکندر و احوال جم غلط

آتا ہے وہم لغزش مستانہ دیکھ کر — پڑتے ہیں نامہ بر کے ہزاروں قدم غلط

معشوق کس طرح نہ کرم کے عرض ہوں گرم — ہے ان کی سرنوشت میں لفظ کرم غلط

مطلب نکال لیتے ہیں سب حرف حرف سے — پڑھتے ہیں وہ صحیح جو لکھتے ہیں ہم غلط

تعریف سن کے وہ بولے بہت بجا — مضمون شوق پڑھ کے کہا یک قلم غلط

سن سن کے عرض حال کی تکرار بار بار — کہنا کسی کا ناز سے وہ دمبدم غلط

صحت نہیں ہے نامہ اعمال ہے مرا — یارب یہ ہے ہزار جگہ کم سے کم غلط

وہ نیم وعدہ کرتے ہے دل میں پلٹ گئے — آدھی قسم صحیح تھی آدھی قسم غلط

قطعہ

کل چھیڑ سے جو ہم نے کہا کیوں ستم شعار — کہتے ہیں ہم فسانہ رنج و الم غلط

کیا رسم و راہ غیر سے رکھتا نہیں ہے تو — کیا [illegible] ہے یقیں ہمارا بھرم غلط

تجھ سے امید ہو تو خدا سے ہوں ناامید — کیا جانتے نہیں ترے وعدے کو ہم غلط

کیا کوچہ رقیب میں چھپ کر نہیں گیا — ہو جائے گا سراغ نشاں قدم غلط

مشہور کس کا نام ہے جھوٹا جہاں میں — کھاتا ہے روز کون قسم پر قسم غلط

دیکھا ہے تجھ کو آخر شب پاس غیر کے — کہتے ہیں خواب صبح کا ہوتا ہے کم غلط

ایسی ہی خوش گئے ہیں ترے کشتہ فراق — تڑپیں گے تیری یاد میں اہل عدم غلط

اپنے ہی گھر کو آپ سمجھنا کہ ہے بہشت — اس کے سوا حکایت خلد دارم غلط

کہنا یہ نامہ بر سے مرے وہ تو مر گیا — جھوٹا ہے تو یہ نامہ غلط یہ رقم غلط

تجھ سے یقیں کینہ و جور و جفا بجا — چشم وفا و الفت و مہرو کرم غلط

بولے وہ داغ آپ ہیں جھوٹوں کے بادشاہ — معشوق سے شکایت جور و ستم غلط

حوروں سے ملئے خلد بریں کو سدھاریئے
دنیا میں آپ کا نہیں ہوے کا غم غلط

ردیف ظائے معجمہ

۱۴۴

غم جاوید ہے ہم سے محظوظ اور ہم تیرے ستم سے محظوظ
دل میں رہتے ہیں جو رہنے والے کب ہوئے خلد و ارم سے محظوظ
کیوں نہ ہوں چشم کرم کی مشتاق ہوتے ہیں اہل کرم سے محظوظ
کیوں نہ پس جائے قیامت ظالم فتنے ہیں تیرے قدم سے محظوظ
نامہ بر تجھ سے وہ مسرور ہوئے یا مری طرز رقم سے محظوظ
وائے تقدیر کہ مر کر بھی ہم نہ ہوئے سیر عدم سے محظوظ
نہ ملے وہ تو کہیں بھی کیا خوب پھر ہوں ہم دیر و حرم سے محظوظ
وصل میں شکوہ ہو کیسا کیسا جو ہو جھوٹی بھی قسم سے محظوظ
بے کسی میں ہے غنیمت اے داغ
کیوں نہ ہوں عشق کے غم سے محظوظ

۱۴۵

قول و قسم کی شرم ملاقات کا لحاظ انسان کو ضرور ہے ہر بات کا لحاظ

تھوڑی سی پی ہی لی ہی بہت حجتوں کے بعد
آہی گیا پیر خرابات کا لحاظ

دامن جھٹک کے چھڑایا ہزار بار
تم کو ہوا نہ خاک مرے بات کا لحاظ

اے شیخ یاد دوست میں ہوں مست رات دن
لازم ہے مجھ سے رند خوش اوقات کا لحاظ

کل غیر کے بھی سامنے جھپکے گی تیری آنکھ
دن کو مزہ دکھائے گا اس رات کا لحاظ

دیکھو ادھر اٹھاؤ نظر ہو چکی حیا
کیا جانتا نہیں کوئی اس گھات کا لحاظ

کل بھی خدا کے واسطے رکھنا خیال میں
ان منتوں کی شرم و مدارات کا لحاظ

اقرار بھی ہے وصل پر انکار بھی انہیں
اس بات کا لحاظ نہ اس بات کا لحاظ

فریاد نالہ شور فغاں شیون اشک آہ
ساتوں فلک بھی کرتے ہیں ان سات کا لحاظ

اے داغ میکدے میں گئے ہیں جناب شیخ
ٹوٹا ہے آج قبلہ حاجات کا لحاظ

ردیف عین مہملہ

۱۴۶

اس شوق کی نہیں بت قاتل کو اطلاع
افسوس ہے کہ دل کی نہ ہو دل کو اطلاع

سارے جہاں کو گردش مجنوں کی ہو خبر
لیکن نہ ہو تو صاحب محمل کو اطلاع

میں ناتواں چلا ہوں دبے پاؤں اس طرح
میری نہیں ہے رہبر منزل کو اطلاع

صورت دکھا کے آئینے کو نام بھی بتاؤ
ہو جائے خوب مد مقابل کو اطلاع

جانکاہ عاشقوں کو ہے یوں ہجر کی خبر
جس طرح ہو خزاں کی عنادل کو اطلاع

ہے آدمی کے پردۂ غفلت سے زندگی
مر جائے گر ذرا بھی ہو غافل کو اطلاع

چھپتی ہی کب چھپائے سے اہل کرم کی شان
ہوتی ہے خود بخود دل سائل کو اطلاع

ہم تشنہ کام بزم سے اٹھ آئے لاکھ بار
اس کی نہیں ہے ساقی محفل کو اطلاع

مرتا ہے کون عشق میں کس نے کیا ہے وار
قاتل کو اطلاع نہ بسمل کو اطلاع

وہ پہلو رقیب میں ہے مست و بے خبر
دے اے فغاں پکار کے غافل کو اطلاع

راتوں کو چھپ کے جب وہ گئے ہیں عدو کے گھر
اے داغ ہو گئی ہے مری دل کو اطلاع

ردیف غین معجمہ

۱۴۷

مانند گل ہیں میرے جگر میں چراغ داغ
پروانے دیکھتے ہیں تماشائے باغ داغ

کب تنگ دل کے دل میں سماتا ہے داغ عشق
میدان حشر چاہئے بہر فراغ داغ

بھر جائے سوز دل کا مزہ آنکھ میں اگر
ہو مثل لالہ دیدۂ نرگس ایاغ داغ

گہرا ہو داغ دل مدد اے ناخن جنوں
لبریز خوں سے رہے ہر دم ایاغ داغ

مرگ عدو سے آپ کے دل میں چھپا نہ ہو
میرے جگر میں اب نہیں ملتا سراغ داغ

دل میں قمر کے جب سے ملی ہے اسے جگہ
اس دن سے ہو گیا ہے فلک پر دماغ داغ

جائیں جو لے کے داغ جنوں وحشیاں عشق
ہو جائے نام گلشن فردوس باغ داغ

تاریکی لحد سے نہیں دل جلے کو خوف
روشن رہے گا تا بہ قیامت چراغ داغ

مولا نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا
رہتا وگرنہ ایک زمانے کو داغ داغ

ردیف فا

۱۴۸

کیسی حیا و شرم طبیعت ہے برخلاف بولے ہزار بار وہ مجھ سے مگر خلاف
باہم تمہارے عشق میں یہ پھوٹ پڑ گئی آنکھوں سے دل خلاف ہے دل سے جگر خلاف
کشتی نہ ہو تباہ کسی نامراد کی چلتی ہے آج صبح سے باد سحر خلاف
مجھ کو گمان تھا کہ ملے گا رقیب سے یہ اتفاق ہے کہ رہا نامہ بر خلاف
بے مہر تیرے جور سب اس نے بھلا دیے کس درجہ برخلاف ہے دل کس قدر خلاف
افسوس کچھ نباہ کی صورت نہیں رہی قسمت ادھر خلاف طبیعت ادھر خلاف
تجویز چارہ گر نے تو کی ہے دوائے عشق یا رب مرے مزاج کی ہو بیشتر خلاف
اس سے زیادہ اور معلم نہیں کوئی ہے خوش نصیب جس سے زمانہ ہو برخلاف
مجھ سے مری نگاہ پھری دیکھنا اثر دیکھی تھی آج میں نے کسی کی نظر خلاف
کیا شعبدے اٹھائیں گے یہ بدگمانیاں لکھے ہیں میں نے ان کو گلے سر بسر خلاف
ایسا نہ ہو کہ مجھ سے بگڑ جائے راہ میں سب سے مرا طریق ہے اے راہبر خلاف

اے داغ زندگی کی توقع ہو کس طرح
قسمت خراب سخت مرض چارہ گر خلاف

۱۴۹

کیوں نہیں تم مجھ سے مری جان صاف چاہئے انسان سے انسان صاف

موت کی صورت نظر آئی مجھے
ہے وہ تیرے تیر کا پیکاں صاف

چھٹ گئی سب بستر مشتاقوں کی آج
کر دیا سفاک نے میدان صاف

کینہ جو اک صاف باطن تو نہیں
ہیں تری محفل میں سب سامان صاف

خط نہ دیکھا مصحف رخ پر ترے
یہ نظر آیا عجب قرآن صاف

ان کے گھر میں مجمع اغیار تھا
ہم یہ سمجھے تھے کہ ہے میدان صاف

خانہ دل کی صفائی ہو گئی
پھر نہیں مجھ سے مرا مہمان صاف

اس کے ہاتھوں خاک میں مل جائیں گے
دل کدورت سے نہیں اک آن صاف

مشغلہ ہے یہ جناب داغ کا
ہو رہا ہے آج کل دیوان صاف

۱۵۰

دیکھا نہ ہم نے رشک سے اغیار کی طرف
منہ پھیر بیٹھے بزم میں دیوار کی طرف

اے دل خوشا وہ دل جو پھرے یار کی طرف
دونوں جہاں ہیں ایسے طرفدار کی طرف

وہ دیکھتے ہیں بزم میں اغیار کی طرف
میں دیکھتا ہوں چرخ ستم گار کی طرف

سیل سرشک اپنے ہی گھر میں بہائیں گے
کیوں جائے یہ بلا تری دیوار کی طرف

بیٹھے بٹھائے آئے جو شامت تو کیا علاج
دل نے کہا کہ آؤ چلیں یار کی طرف

شوخی سے دیکھنا نہیں آتا ابھی انہیں
غرفے سے جھانک لیتے ہیں بازار کی طرف

جادو کیا رقیب پر اس نے تو کیا کیا
دیکھو تم اپنے چشم فسوں کار کی طرف

بے کس رہیں گے حشر میں کب مجرمان عشق
رحمت کہے گی ہم ہیں گنہگار کی طرف

چاہی تھی داد ہم نے دل صاف کی مگر
آئینہ ہو گیا ترے رخسار کی طرف

تصویر کو بھی اس کی یہاں تک غرور ہے
دیکھے کبھی نہ طالب دیدار کی طرف
تقصیر میفروش کی اے محتسب نہیں
یہ چیز اڑ کے جاتی ہے میخوار کی طرف
آتا نہیں قریب کوئی دور دور سے
اٹھتی ہیں انگلیاں ترے بیمار طرف
بولے وہ آپ کب سے بنے ہیں حمایتی
یہ کہہ کے جھک پڑے مرے غمخوار کی طرف
چلتے نہیں وہ شرم سے نیچی نظر کئے
آنکھیں لگی ہیں شوخی رفتار کی طرف
دی جان کس خوشی سے نہ تیغ داغ نے
لب پر تبسم اور نظر یار کی طرف

ردیف قاف

۱۵۱

غم اٹھانے کے ہیں ہزار طریق
کہ زمانے کے ہیں ہزار طریق
غیر کے ذکر پر نہیں موقوف
جی جلانے کے ہیں ہزار طریق
نہیں خالی تسلیاں ان کی
آزمانے کے ہیں ہزار طریق
مہربانی کی ایک راہ تو ہو
گر ستانے گئے ہیں ہزار طریق
خواب میں تم کو کس نے روکا ہے
آنے جانے کے ہیں ہزار طریق
دل میں آیا ہزار راہ سے غم
اس ٹھکانے کے ہیں ہزار طریق
ان کو سو سو بہانے آتے ہیں
ہر بہانے کے ہیں ہزار طریق
جان سے جائیں گے ہم اے درباں
قید خانے کے ہیں ہزار طریق
دی ہے مے اس نے غیر کو جھوٹے
منہ لگانے کے ہیں ہزار طریق

ابھی کم سن ہو تم نہیں واقف   دل دکھانے کے ہیں ہزار طریق

داغ اب فاقہ مست بن بیٹھے
مانگ کھانے کے ہیں ہزار طریق

ردیف کاف تازی

۱۵۲

دعا مانگے دل غمگیں کہاں تک   کہوں میں دمبدم آمین کہاں تک
مسلمانوں سے بغض وکیں کہاں تک   کہاں تک اے بت بے دیں کہاں تک
ترے بیمار کو آتی نہیں موت   پڑھے جائے کوئی یٰسین کہاں تک
تڑپنے دو ابھی میں بھی تو دیکھوں   وہ دیتی ہیں مجھے تسکین کہاں تک
مجھے چھوڑیں خدا پر دوست میرے   یہ ہنگامہ سر بالیں کہاں تک
خدا اس بت کی باتوں کا ہے مشتاق   گیا شور لب شیریں کہاں تک
مرا منہ تھک گیا شکر جفا سے   کروں میں آفریں تحسین کہاں تک
پریشانی سیہ بختوں کی دیکھو   بنے گا طرۂ مشکیں کہاں تک
تصور میں عدو کے تم ہو بیدار   سناؤں قصہ رنگیں کہاں تک
بجا ہے عشق میں بے صبر میں ہوں   رہے گی آپ کی تمکیں کہاں تک

رہے گا مصطفیٰ آباد میں داغ
غریب و عاجز و مسکین کہاں تک

۱۵۳

جا سکے جو نہ آپ کے در تک　　جائے وہ داد خواہ محشر تک
دل کا آئینہ خوب صاف کیا　　اور ہم نے مٹائے جوہر تک
پہنچا ناسور سینہ تابہ جگر　　ہم نے پہنچایا چور کو گھر تک
ہجر میں یوں بھی تو ہوا نہ وصال　　پھیر دیکھے گلے پہ خنجر تک
تو رہے اور خرام ناز ترا　　یہی فتنہ بہت ہے محشر تک
آتش توبہ سوز خاک لگے　　آنچ آئے نہ دامن تر تک
کیا ٹھکانا ہے اس کدورت کا　　خاک اڑتی ہی دیدۂ تر تک
میں نے جب غیر کا سلام لیا　　ہاتھ آکے رہ گیا سر تک

کوئی ملتا ہے داغ دل اے داغ
یہ جلے گا چراغ محشر تک

۱۵۴

ساقیا ابر ہے دے جام شتاب ایک پر ایک
آج محفل میں گرے مست شراب ایک پر ایک

ہے ترے عشق میں سرگرم عتاب ایک پر ایک
اور کھینچے ہوئے شمشیر پر آب ایک پر ایک

گل بازی ہے حسینوں میں مرا افسانہ
پھینک دیتا ہے محبت کی کتاب ایک پہ ایک

جوش پر ہے جو ترا حسن تو اے پردہ نشیں
روز کرتا ہے غضب بند نقاب ایک پہ ایک

توڑا اس طرح سے اک نالہ دل ساتوں فلک
کہ گریں ٹوٹ کے یہ خانہ خراب ایک پہ ایک

تہ و بالا جو کیا واں بھی نگاہوں نے تری
تو پڑا ہو گا یونہی روز حساب ایک پہ ایک

گر سنے بزم طرب میں مری آہنگ فغاں
چڑھ کے بولے نہ کبھی تار رباب ایک پہ ایک

دل کو سو داغ نہ دو جان کو سو رنج نہ دو
منصفی شرط ہے لازم ہے عذاب ایک پہ ایک

کبھی پورا نہ ہوا تیری جفاؤں کا شمار
ہم بڑھاتے ہی گئے وقت حساب ایک پہ ایک

لب جو سیر کو آیا ہے جو وہ بحر جمال
ٹوٹا پڑتا ہے تماشے کو حباب ایک پہ ایک

جور پر جور غضب پر غضب ظلم پہ ظلم
بل بے قہر ایک پہ ایک اف رے عتاب ایک پہ ایک

یاد آتی ہے انہیں دم بدم ایک بات نئی
روز آتا ہے مرے خط کا جواب ایک پہ ایک

جب کبھی داغ کیا ہم نے سوال بوسہ
سیکڑوں اس نے دیئے سخت جواب ایک پر ایک

۱۵۵

کتاب عشق کے الٹے ورق اول سے آخر تک
مگر سمجھے نہ ہم اس کا سبق اول سے آخر تک

بری ہے ابتدا بھی انتہا بھی تیری الفت کے
کہ اس میں ہیں غم و رنج و قلق اول سے آخر تک

کبھی ہے عرش اعلیٰ پر کبھی تحت الثریٰ میں ہے
کھلے ہیں شیخ پر چودہ طبق اول سے آخر تک

مے انگور تحفے میں تجھے دیتا ہوں اے زاہد
رہے گا تیز یکساں یہ عرق اول سے آخر تک

ہزاروں دوست دشمن بزم میں اس کے رہے لیکن
رہا اک شکل پر نظم و نسق اول سے آخر تک

ازل سے تا ابد پائی نہ راحت اس جراحت نے
رہا ہم بسملوں کا سینہ شق اول سے آخر تک

بہار عارض گلگوں سے تیرے اس کو کیا نسبت
نہیں اک رنگ پر رہتی شفق اول سے آخر تک

بشر کو گر نہ ملتی کس کو ملتی عشق کی دولت
نہیں تھا کوئی اس کا مستحق اول سے آخر تک

لکھوں اس کو جواب اے داغ کیا میں سخت حیراں ہوں
لکھے ہیں خط میں مضمون اوق اول سے آخر تک

ردیف کاف فارسی

۱۵۶

کیوں نہ جہاں میں ہو عیار، عیب و ہنر الگ الگ
دیکھتے ہیں بچشم غور اہل نظر الگ الگ

اس کی تلاش میں مگر ایک کا ایک ہے رقیب
پھرتے ہیں روز و شب جو یوں شمس و قمر الگ الگ

راہ میں ان کو وہم تھا کوئی نہ بدگماں ہو
آئے تو ساتھ وہ مجھ سے مگر الگ الگ

تیغ نگہ یار کو دیتے ہیں ہر گھڑی دعا
پارۂ دل جدا جدا لخت جگر الگ الگ

روح فزا کسی کو ہے روح گزا کسی کو ہے
بادۂ عشق نے کیا اپنا اثر الگ الگ

کس کا یقیں کیجئے کس کا یقیں نہ کیجئے
لائے ہیں اس کی بزم سے یار خبر الگ الگ

میں ہوں اِدھر تو وہ اُدھر میں ہوں یہاں تو وہ وہاں
رہتے ہیں مجھ سے دور دور آٹھ پہر الگ الگ

ہوتے ہیں کیونکر اک جگہ یہ عجب اتفاق ہے
جاتے ہیں جانب عدم یاں سے بشر الگ الگ

رنج فراق یار بھی صدمہ روزگار بھی
ایک دل اور اتنے غم چاہئے گھر الگ الگ

غوث کا مرتبہ کیا تونے قتیل تیغ کا
کٹ کے گرے ہیں دست و پا سینہ و سر الگ الگ

ان کو یہ وہم ہے کہیں ایک سے ایک مل جائے
لوگ بہت ہیں بزم میں سب ہیں مگر الگ الگ

حشر کو اس نے چن لئے داغ گناہ گار عشق
تاڑ گئی ہزار میں اس کی نظر الگ الگ

ردیف لام

۱۵۷

مجھ سا نہ دے زمانے کو پروردگار دل
آشفتہ دل فریفتہ دل بیقرار دل

ہر بار مانگتی ہیں نیا چشم یار دل
اک دل کی کس طرح سے بتاؤں ہزار دل

مشہور ہو گئی ہے زیارت شہید کی
خون کشتہ آرزو کا بنا ہے مزار دل

یہ صید گاہ عشق ہے ٹھہرایئے نگاہ
صیاد مضطرب سے نہ ہو گا شکار دل

طوفان نوحؑ بھی ہو تو مل جائے خاک میں
اللہ رے غبار ترا پر اغبار دل

پوچھا جو اس نے طالب روز جزا ہے کون
نکلا مری زبان سے بے اختیار دل

کرتے ہو عہد وصل تو اتنا ہے خیال
پیمان سے زیادہ ہے ناپائیدار دل

تاثیر عشق یہ ہے ترے عہد حسن میں
مٹی کا بھی بنائیں تو ہو بیقرار دل

اس کی تلاش ہے کہ نظر آئے آرزو ظالم نے روز چاک کئے ہیں ہزار دل
عالم ہوا تمام رہا اس کو شوق حور برسائے آسمان سے پروردگار دل
پہلے پہل کی چاہ کا کیجئے نہ امتحان آنا تو سیکھ لے ابھی دو چار بار دل
نکلے مری بغل سے وہ ایسے تڑپ کے ساتھ یاد آگیا مجھے وہیں مجھے بے اختیار دل
اے عندلیب تجھ کو لگے کب ہوائے عشق کلیوں کی طرح تجھ میں نہ پھوٹے ہزار دل
عاشق ہوئے وہ جیسے عدو پر یہ حل ہے رکھ کہہ کے ہاتھ دیکھتے ہیں بار بار دل
اس نے کہا ہے صبر پڑے گا رقیب کا لے اور بیقرار ہوائے بیقرار دل
بیتاب ہو کے بزم سے اس کی اٹھا دیا غافل میں ہوں مگر ہے بہت ہوشیار دل

مشہور ہیں سکندر و جم کی نشانیاں
اے داغ چھوڑ جائیں گے ہم یادگار دل

۱۵۸

ہوا زمانہ پیری عذاب میں داخل جوان تھے تو جوانی تھی خواب میں داخل
پڑھی نماز جنازے کی میرے قاتل نے گناہ کرکے ہوا ہے ثواب میں داخل
غلط رہا ہے وہی ابتدا سے آخر تک ہوئی ہے دل کی رقم جس حساب میں داخل
کسی نے دست تسلی سے ایسی چٹکی لی سکون دل بھی ہوا اضطراب میں داخل
بہت ہے ناز تمہیں حال مصحف رخ پر مگر یہ نکتہ نہیں انتخاب میں داخل
ہوا یہ شرم معاصی سے پانی پانی میں تمام غلط عناصر ہیں آب میں داخل
رقیب کو مرے آگے پلائے مے ساقی کیا نہ زہر ذرا سا شراب میں داخل

بتوں کا روئے کتابی ہوا ہے کیوں مقبول
خدا کا نام نہیں اس کتاب میں داخل

وہ لطف خاص ترا جس سے جان پر بن جائے
نہ ہو کہیں ستم بے حساب میں داخل

اگر نہیں مے و مینا و ساقی و معشوق
بہشت بھی ہے جہاں خراب میں داخل

یہ رشک مانع توبہ ہوا ہے اے زاہد
برے بھلے ہیں سبھی اس ثواب میں داخل

دکھا کے منہ جو چھپاتے ہو کوئی چھپتا ہے
نگاہ شوق رہے گی نقاب میں داخل

کسے مجال جو دیکھے وہ حسن عالم سوز
وہاں ہے برق تجلی حجاب میں داخل

مقام اہل خرابات اور ہے زاہد
نہیں یہ لوگ جہاں خراب میں داخل

یہاں ادائے خاموشی کو ہم جفا سمجھے
وہاں جواب نہ دینا جواب میں داخل

زمانہ بخت جوان لائے گا کہاں تجھ سا
کہیں ہوئی بھی ہے پیری شباب میں داخل

وہ لطف تو سن عمر رواں کے کیا جانے
ہوا ہے پاؤں خضر کا رکاب میں داخل

دوبارہ ہم کو کبھی بھول کر نہ لکھنا خط
یہ شرط ہے مرے خط کے جواب میں داخل

غش آگیا جو مجھے رات اس کو وہ سمجھے
ہوئی ہے بے خدی شوق خواب میں داخل

گئے تھے داغ تلاش صنم میں کعبے کو
خدا نے مفت کیا ہے ثواب میں داخل

۱۵۹

کیوں کہہ کے دل کا حال کریں ہائے ہائے دل
اچھی کہی کہ ہم سے کہو ماجرائے دل

افسوس میں نے روز ازل یہ نہ کہہ دیا
دے مجھ کو سب جہاں کی نعمت سوائے دل

گھبرا کے بزم ناز سے آخر وہ اٹھ گئے
سن سن کے ہائے ہائے جگر ہائے ہائے دل

بہر عیادت آج وہ آکر یہ کہہ گئے
ہو زندگی عزیز جسے کیوں لگائے دل

رہتا ہے دم خفا مرے سینے میں ہر گھڑی
روٹھے ہوئے کو ہائے کہاں تک منائے دل

یہ دلربا ہے اب اسے لے کر نہال ہوں
پروا نہیں رہی ہمیں جاتا ہے جائے دل

کیا اب بھی مشق ظلم کے ارمان رہ گئے
ایک ایک دن میں تو نے ہزاروں ستائے دل

آئینہ جان کر انہیں اغماض ہو گیا
یہ کیا کیا برا ہوا ترا اے صفائے دل

شکوہ کیا کیا کہ شکر کیا تیر یار کا
تھم تھم کے نرم نرم کچھ آئے صدائے دل

پایا نہ اس گلے میں دل اپنا کسی جگہ
یوں ہم گرے پڑے تو بہت ڈھونڈھ لائے دل

تعریف ان کی ہوتی ہے کیوں میرے روبرو
تم چاہتے ہو یہ کہ رقیبوں پر آئے دل

جو روبرو ظلم بتان سہہ گئے بہت
رستم وہی ہے جس نے اٹھائے جفائے دل

ایسا بناؤں ٹھیک کہ یہ یاد ہی کرے
اب کی کس طرح مرے قابو میں آئے دل

کہتے نہ تھے وہ سن کے برا مان جائیں گے
اے داغ ان سے اور کہو ماجرائے دل

ردیف میم

۱۶۰

چنک گئے ہیں آج اک ساغر سے ہم
ہاتھ دھو بیٹھے ہے کوثر سے ہم

بت کدے میں جا کے اس بت کا پتا
پوچھتے پھرتے ہیں ہر پتھر سے ہم

قصد صحرا ہے دل ویراں کے ساتھ
اک بیاباں لے چلے ہیں گھر سے ہم

جب رگ جاں سے کمی کرتا ہے خون
چھیڑ دیتے ہیں اسے نشتر سے ہم

تیر تیرا بڑھ کے مژگاں سے نہیں
کچھ کھٹکتے ہیں اسی نشتر سے ہم

کس قدر کھٹکتی ہے راہ شوق جلد   تیز چلتے ہیں تیرے خنجر سے ہم
کیا کہیں کس سے کہیں کس کے لئے   پھرتے ہیں چاروں طرف مضطر سے ہم
حضرت واعظ نے جو چاہا کہا   پر نہ بولے کچھ خدا کے ڈر سے ہم
دل جو اپنا ہم نے مانگا تو کہا   کیا چرا لائے تمہارے گھر سے ہم
ہمسری تجھ سے گرے گر آسمان   صدقہ کر ڈالیں ترے سر پر سے ہم

وہ ستمگر روبرو ہو گا تو داغ
کیا کہیں گے داور محشر سے ہم

۱۶۱

ڈرتے ہیں چشم و زلف و نگاہ و ادا سے ہم   ہر دم پناہ مانگتے ہیں ہر بلا سے ہم
معشوق جائے حور ملے مے بجائے آب   محشر میں دو سوال کریں گے خدا سے ہم
گر تو کسی بہانے آجائے وقت نزع   ظالم کریں ہزار بہانے قضا سے ہم
گو حال دل چھپاتے ہیں پر اس کو کیا کریں   آتے ہیں خود بخود نظر اک مبتلا سے ہم
ناچار اختیار کیا شیوۂ رقیب   کچھ بے حیائی خوب ہیں گذرے حیا سے ہم
مانگی نہ ہو گی خضر نے یوں عمر جاوداں   کیا اپنی موت مانگتے ہیں التجا سے ہم
دیکھیں تو پہلے کون مٹے اس کی راہ میں   بیٹھے ہیں شرط باندھ کے ہر نقش پا سے ہم
مجبور اپنی شیوۂ شرم و حیا سے تم   ناچار اضطراب دل مبتلا سے ہم

یہ آرزو ہے آنکھ میں سرمہ لگائیں گے
اے داغ خاک پائے رسول خدا سے ہم

۱۶۲

شب وصل نہ پتلے بنو حیا کے تم
جفا کے تم سے گلے ہم کریں وفا کی ہم
کوئی خوشی تو ہوئی ہے کہ ہنستی آتی ہو
گئے تھے کیا کسی مردے پر آشنا کے تم
مزا ہو حشر میں دونوں ہوں ایک بار طلب
ہمارے ساتھ چلو سامنے خدا کے تم
کسی طرح نہیں ٹلتے بغیر دل کے لئے
یہ ڈھنگ سیکھ گئے کس کی التجا سے تم
مجھے جو ناز ہوا اپنی بے گناہی پر
کہا انہوں نے سزاوار ہو سزا کے تم
مری زبان جلائے سے کیا جلے گا اثر
کہ جانتے ہی نہیں ہتھکنڈے دعا کے تم
کیا جو شکوہ عزیزوں نے میرے قاتل سے
کہا یہ انہوں نے کہ قائل نہیں قضا کے تم
کہیں نہ حضرت دل ہم سے تم دغا کرنا
ہماری دوست پرانے ہو ابتدا کی تم
تمہارے شعر میں گرمی ہے کس قیامت کی
جلے ہوئے ہو مگر داغ انتہا کے تم

ردیف نون

۱۶۳

بے کسی صدمہ ہجراں کی مجھے تاب نہیں
کاش دشمن ہی چلے آئیں جو احباب نہیں
قبر میں بھی نہ بجھی آتش غم وائے نصیب
ہم جہاں دفن ہیں واں زیر زمیں آب نہیں
بخت بیدار نہ یہ دیدۂ درباں یارب
چشم مشتاق کی تقدیر میں کیوں خواب نہیں

تجھ کو اے بخت سیہ آگ لگا کر دیکھوں
شب ہجراں میں اگر جلوۂ مہتاب نہیں

جام کوثر اسی میکش کو ملے گا زاہد
بول اٹھا جو کوئی ہم کو مئے ناب نہیں

چھیڑ تھمتی ہے کوئی نالہ کوئی رکتا ہے
چارہ گر ناخن وحشت ہے یہ مضراب نہیں

اب لفافہ بھی نہیں خط کا خدا کی قدرت
پہلے اتنی ہی شکایت تھی کہ القاب نہیں

واں یہ ٹھہری ہے کہ اس کو بھی نظر میں رکھیے
اب جو ٹھہرے تو ہمارا دل بیتاب نہیں

دیکھ بت خانے میں تصویر کا عالم اے شیخ
یاں مصلا نہیں منبر نہیں محراب نہیں

آنکھ لگتی ہے تو کہتے ہیں کہ نیند آتی ہے
آنکھ اپنی جو لگی چین نہیں خواب نہیں

راز دل کس سے کہوں حضرت ناصح کہیے
جو مرے دوست ہیں کیا غیر کے احباب نہیں

نامہ بر مجھ سے یہ کہتا ہے کہ تم تو کیا ہو
بادشہ بھی تو وہاں قابل القاب نہیں

نہ ملے مجھ کو مرے حال پہ رونے والے
عیش کیسا کہ یہاں غم کے بھی اسباب نہیں

مجھ سے بے تاب کی میت پہ ملیں کیوں کافور
کیا میرے مرے احباب کو سیماب نہیں

جستجو چاہیے گو خون جگر ہی مل جائے
رزق انسان کا کمیاب ہے نایاب نہیں

پوچھتے کیا ہو کہ دیکھا شب وعدہ کیا کیا
تم سے تعبیر بن آئے وہ مرا خواب نہیں

موت اب کوچہ قاتل میں کھڑی رہتی ہے
یہ سر قسمت کہ تیری اے دل بیتاب نہیں

طعنے دینے کو محبت میں برا کہنے کو
کون سے روز یہاں مجمع احباب نہیں

حال دل جس سے کہا اس نے کہا بس خاموش
داغ اس درد کے سننے کی ہمیں تاب نہیں

۱۶۴

کیا کیا فریب دل کو دیئے اضطراب میں
ان کی طرف سے آپ لکھے خط جواب میں

شوخی نے تم کو ڈال دیا اضطراب میں
کچھ تمکنت کا لطف نہ دیکھا شباب میں

ہے پائیدار رشتہ عمر مسیح سے
میرا بھی تار جیب لگا نہ نقاب میں

کچھ شان مغفرت سے نہیں دور زاہدو
ڈوبیں گناہ بادہ کشوں کے شراب میں

کیا جانیں کیا سکھائیں گے ان کو صلاح کار
ہر روز گفتگو ہے نئی میرے باب میں

اے اہل حشر جمع ہیں یاں سب طرح کے لوگ
وہ کچھ صلاح مجھ کو طبیعت کے باب میں

حوروں کا انتظار کرے کون حشر تک
مٹی کی بھی ملے تو روا ہے شباب میں

پیر مغاں کی دل شکنی کا رہا خیال
داخل ہوا ہوں توبہ سے پہلے ثواب میں

ہر وقت انتظار طلب میں ہیں مستعد
رہتا ہے ایک پاؤں ہمارا رکاب میں

گر وہ نہ آئیں گے تو اجل آئے گی ضرور
تسکین ملی ہوئی ہے مرے اضطراب میں

جی چاہتا ہے چھیڑ کے ہوں اس سے ہمکلام
کچھ تو لگے گی دیر سوال و جواب میں

دنیا کی باز پرس سے اب تک نہیں نجات
الجھا ہوا ہوں حشر کے دن بھی حساب میں

کوئی گلہ کرے گا نہ غصے کی بات کا
کہنا ہو جو کسی کو وہ کہہ لو عتاب میں

رکھنا قدم تصور جاناں سنبھال کر
کائی ہے جابجا میری چشم پر آب میں

اے شیخ جو بتائے ہے عشق کو حرام
ایسے کے دو لگائے بھگو کر شراب میں

اے داغ کوئی مجھ سا نہ ہو گا گناہگار
ہے معصیت سے میری جہنم عذاب میں

۱۶۵

سوز و گداز عشق کا لذت چشیدہ ہوں
مانند آبلہ ہمہ تن آبدیدہ ہوں

سرو سہی ہوں اور نہ شاخ خمیدہ ہوں
تسلیم و راستی کے لئے آفریدہ ہوں

گر تو نہ ہو تو پھر کسی کافر کا دل لگے
دوزخ میں آرمیدہ ارم سے رمیدہ ہوں

نازک مزاجیوں نے مجھے تجھ سا کر دیا
اے بے خبر میں اپنے سے آپ ہی کشیدہ ہوں

اللہ رے کشاکش دیر و حرم کہ میں
ظالم ہزار ہاتھ سے دامن دریدہ ہوں

پروانہ پاس شمع کے بلبل ہے گل کے پاس
اک میں کہ تیری بزم میں خلوت گزیدہ ہوں

بے تاب درد ہوں تو دل راز دار ہوں
لبریز شکوہ ہوں تو زباں بریدہ ہوں

افتادگی پہ بھی نہ گئی اس کی جستجو
گویا زمین پہ سایہ مرغ پریدہ ہوں

اے آرزوئے تازہ نہ کر مجھ سے چھیڑ چھاڑ
میں پائے شوق و دست تمنا بریدہ ہوں

صیاد پر ہوں بار تو ہوں باغباں کو خار
آزاد دام و تابہ چمن نارسیدہ ہوں

اے داغ جس کے واسطے روز جزا بنا
وہ کون ہے وہ میں ہی تو آفت رسیدہ ہوں

۱۶۶

الٰہی کیا کریں ضبط محبت ہم تو مرتے ہیں
کہ نالے تیر بن بن کر کلیجے میں اترتے ہیں

جفا پر جان دیتے ہیں ستم پر تیرے مرتے ہیں
یہ ناکام محبت سچ تو یہ ہے کام کرتے ہیں

کہیں کیا ہم پہ جو صدمے گزرتے ہیں گذرتے ہیں
لگایا جس گھڑی دل اس گھڑی کو یاد کرتے ہیں

تماشا جب سے دیکھا ہے مرے دل کے تڑپنے کا
تماشا ہے کہ وہ اپنی نظر سے آپ ڈرتے ہیں

پئے تعظیم اٹھتی ہے قیامت کوئے جاناں میں
اجل کہتی ہے بسم اللہ جہاں ہم پاؤں دھرتے ہیں

بڑھایا ہم نے دل اس کا یہ کہہ کہہ کر دم بسمل
لگا چک تیغ اے قاتل کہیں قاتل بھی ڈرتے ہیں

مزہ ہے نامہ دلبر میں کیا جس وقت پڑھتا ہوں
تو سن کر کاتب اعمال اس کو حفظ کرتے ہیں

نہ کرنا منفعل اے ناخن غم تیغ قاتل سے
کہ رنگ گریہ کہتا ہے جگر کے زخم بھرتے ہیں

نہیں آتے نہ آئیں وہ گئے تاب و تواں جائیں
بجھی پر آج ہم اے بے قراری صبر کرتے ہیں

تہہ خنجر یہ کہتا تھا ستمگر سے گلو اپنا
جو یوں کٹ کٹ کے لڑتے ہیں وہ کب گھٹ گھٹ کے مرتے ہیں

تسلی دل وہی دلجوئی اک حیلہ بہانہ ہے
مرا دل دیکھتے ہیں ووہ جو دل پر ہاتھ رکھتے ہیں

نہ پوچھو کچھ مصیبت درد منداں محبت کی
خدا پر خوب روشن ہے گذر جس طرح کرتے ہیں

قیامت ہی نہ کیوں گذرے ہمیں واں سنگ رہ ہونا
سنا جس رہگذر کو یہ ادھر سے وہ گذرتے ہیں

یہاں تک بدگماں ہیں میرے مرغ نامہ بر سے وہ
کہ پہلے ذبح کرتے ہیں تو پیچھے پر کترتے ہیں

خدا ہی کوئی پوچھے حشر میں ہم سے ترے آگے
کہ واں تم کس پہ مرتے تھے کہیں ہم اس پہ مرتے ہیں

ہم اس غفلت کے صدقے کوئی دم چھٹتے تو ہیں غم سے
کہ جس دم ہوش آتا ہے تو پہروں فکر کرتے ہیں

مرے ہر زخم دل پر بدنصیبی سی برستی ہے
وہ کس کی شور بختی سے نمکداں اپنا بھرتے ہیں

گلی کوچوں میں تم نے اشتہار عشق پھیلائے
کہ اڑا اڑا کر مرے مکتوب کے پرزے بکھرتے ہیں

کبھی یہ دل تماشا گاہ تھا عیش و مسرت کا
اب اس میں حسرت و شوق و تمنا سیر کرتے ہیں

زباں سے گر کیا بھی وعدہ تو نے تو یقیں کس کو
نگاہیں صاف کہتی ہیں کہ دیکھو یوں مکرتے ہیں

کبھی جھکتا ہوں شیشے پر کبھی گرتا ہوں ساغر پر
مری بیہوشیوں سے ہوش ساقی کے بکھرتے ہیں

الٰہی دیدۂ دل تو نہ ٹھہرے رہگذر ٹھہرے
کہیں حسرت گذرتی ہے کہیں صدمے گذرتے ہیں

کوئی کہہ دے کہ تم نے دل لیا پھر دیکھئے کیا کیا
چنتی ہیں اکڑتے ہیں پلٹتے ہیں مکرتے ہیں

ادا بیساختہ ان گیسوؤں کی کچھ نرالی ہے
بنائے سے بگڑتے ہیں سنوارے سے بکھرتے ہیں

تمہاری بدمزاجی سے ہمیں کیونکر نہ خوف آئے
مثل مشہور ہے صاحب برے سے سب ہی ڈرتے ہیں

ستم دیکھو بیاں رنج پر کہتا ہے وہ ظالم
یہ صدمہ تو نہیں آخر کسی پر ہم بھی مرتے ہیں

نہ پوچھو داغ ہم سے انتظار یار کی صورت
یہ آنکھیں جانتی ہیں خوب جو نقشے گذرتے ہیں

۱۶۷

اس چمن میں گو برنگ سبزۂ بیگانہ ہوں
گل ہے رنگین میں اپنے رنگ کا دیوانہ ہون

میں تو ہر انداز معشوقانہ کا دیوانہ ہوں
گل پہ بلبل ہوں اگر تو شمع پر پروانہ ہوں

غفلت خوابید گاں خاک کے اوڑتے ہوش ہیں
میں شراب بیخودی سے اس قدر مستانہ ہوں

مجھ پہ سو سو ظلم دل کے واسطے اک اضطراب
اور پھر کہتا ہے میں ہی عشق میں مردانہ ہوں

غیر ناکامی ہوا حاصل نہ اس مے خانے میں
جائے مے حسرت بھری ہے مجھ میں وہ پیمانہ ہوں

جس پہ عاشق ہے صبا اس خاک کا ذرہ ہوں میں
برق جس پر لوٹے ہے اس کھیت کا دانہ ہوں

کر رہیں گے کام کچھ آخر مری ناکامیاں
جس قدر نادان ہوں اتنا ہی میں فرزانہ ہوں

مجھ سے اے گبرو مسلمان کس لئے اتنا تپاک
قابل مسجد نہ ہرگز لائق بت خانہ ہوں

وصل کی گرمی بھی ہے بار اپنی نازک طبع پر
شمع سے کافور ہو جاتا ہے وہ پروانہ ہوں

میں اگر ہمدرد کے دل میں ہوں تو اک درد ہوں
میں زبان پر ہم زبان کے ہوں تو اک افسانہ ہوں

ہے سراسر تیرگی اے داغ میری روشنی
گو چراغ خانہ ہوں پر آفت کاشانہ ہوں

۱۶۸

میرا چرچا ہوا نہ کس کس میں — میں بنا چور ان کی مجلس میں
ہائے کس طور سے بنے وہ کلام — ہو قدم دل کا درمیان جس میں
ہے کسی کا تو انتظار تجھے — آنکھ ملتی ہے تیری نرگس میں
دل کا ویرانہ ہو گیا لیکن — اب بھی ہے تیری آرزو اس میں
درہم داغ دل کو ہاتھ لگا — مال آیا ہے دست مفلس میں
دل بیتاب کے تڑپنے سے — آگئی جان جسم بے حس میں
ہم ستم سے بھی خوش ہیں اے ظالم — وہ ستم کوئی لطف ہو جس میں
آنکھ اس کی صبا نے دیکھنی ہے — ڈال دی خاک چشم نرگس میں
تم پہ عاشق نہ ہوں تو کس پر ہوں — تم میں جو بات ہے وہ ہے کس میں
گر کہا تم گلے سے مل جاؤ — مل گیا زہر کون سا اس میں

مجھ کو دشمن سے کیا گلہ اے داغ
انس پاتا نہیں ہوں مونس میں

۱۶۹

جب کہا اور بھی دنیا میں حسین اچھے ہیں — کیا ہے جھنجلا کے وہ بولے کہ ہمیں اچھے ہیں
نہ اٹھا خواب عدم سے ہمیں ہنگامہ حشر — کہ پڑے چین سے ہم زیر زمین اچھے ہیں
کس بھروسے پہ کریں تجھ سے وفا کی امید — کون سے ڈھنگ ترے جان حزین اچھے ہیں
خاک میں آہ ملا کر ہمیں کیا پوچھتے ہو — خیر جس طور ہیں ہم خاک نشین اچھے ہیں

11

ہم کو کوچے سے تمہارے نہ اٹھائے اللہ
صدقے بس خلد کی بچھ ہم تو یہیں اچھے ہیں

نہ ملا خاک میں تو ورنہ پشیماں ہو گا
ظلم سہنے کو ہم اے چرخ بریں اچھے ہیں

دل میں کیا خاک جگہ دوں ترے ارمانوں کو
کہ مکاں ہے یہ خراب اور مکیں اچھے ہیں

مجھ کو کہتے ہیں رقیبوں کی برائی سن کر
وہ نہیں تم سے برے بلکہ کہیں اچھے ہیں

بت وہ کافر ہیں کہ اے داغ خدا ان سے بچائے
کون کہتا ہے یہ غارت گر دیں اچھے ہیں

۱۷۰

بھر دیں عجب ادائیں اس شوخ سیم تن میں
اک ٹیڑھ سادگی میں اک سیدھ بانکپن میں

مطلب کی چھیڑ ان سے پنہاں سخن سخن میں
سچ یہ کہ داغ پر فن یکتا ہے اپنے فن میں

جیسے لیا ہے میں نے اے شوخ نام تیرا
مشکل ہوا زباں کو رہنا مرے دہن میں

میں سر بسر ہوں شکوہ اے تیغ یار تجھ سے
سو سو گلے بھرے ہیں ایک ایک عضو تن میں

میں ناتواں نہ پہنچا مر کر بھی تا بمنزل
زنجیر ہے مجھے وہ جو تار ہے کفن میں

پوچھوں کچھ کدورت اس داغدار دل کی
آتی ہے خاک لینے آندھی اس چمن میں

یہ گرم و سرد عالم دیکھیں دکھائیں کیا اب
شعلے تھے پیرہن میں کافور ہیں کفن میں

دست جنوں ہمارا چھوڑے نہ تار باقی
گر دامن قیامت پیوند ہو کفن میں

آفت ہے میکشوں کا پیاسا ہلاک ہونا
پھرتی ہے روح میرے ساقی کی انجمن میں

مجنوں کا حوصلہ تھا جو راز دل چھپاتا
اک مشت استخوان بھی رکھی نہ پیرہن میں

میت پر آئیں گے وہ یاں دم ہے مجھ میں باقی
یارو لپیٹ دینا زندہ مجھے کفن میں

اچھے پھبی اسیری مجھ سے شکستہ دل کی
اچھا شکن بڑھایا گیسوے پر شکن میں

اس رنج بیکسی کی یارب خبر نہ پہنچے
جائے نہ شام غربت سر پینتی وطن میں

خط کو کمر سے باندھا آخر تو بوجہ اٹھایا
میری زبان بھی کھلی اے نامہ بر دہن میں

ہے چارۂ ساز گلچیں گلہائے داغ دل کا
شامت بہار کی ہے آئی جو اس چمن میں

اک دن حریف محشر ہونا ہے اس سبب سے
بھرتی ہیں روز فتنے وہ چشم سحر فن میں

یہ شوق خود نمائی کیا کچھ جنوں سے کم ہے
بے تاب تجھ کو لایا خلوت سے انجمن میں

یہ کیا کہ دل میں آؤ تو خاک میں ملاؤ
رونق ہو انجمن کی بیٹھو جس انجمن میں

اے داغ ہم نہایت سمجھے اسے غنیمت
جو دم خوشی سے گذرا یاران ہم وطن میں

۱۷۱

ساز یہ کینہ ساز کیا جانیں
ناز والے نیاز کیا جانیں

شمع رو آپ گو ہوئے لیکن
لطف سوزو گداز کیا جانیں

کب کسی در کی جبہ سائی کی
شیخ صاحب نماز کیا جانیں

جو رہ عشق میں قدم رکھیں
وہ نشیب و فراز کیا جانیں

پوچھئے میکشوں سے لطف شراب
یہ مزا پاکباز کیا جانیں

بلے چتون تری غضب ری نگاہ
کیا کریں گے یہ ناز کیا جانیں

جن کو اپنی خبر نہیں اب تک
وہ مرے دل کا راز کیا جانیں

حضرت خضر جب شہید نہ ہوں
لطف عمر دراز کیا جانیں

جو گذرتے ہیں داغ پر صدمے
آپ بندہ نواز کیا جانیں

۱۷۲

مانا کہ لطف عشق میں ہے ہم مگر کہاں
کیا سوجھتا نہیں کہ پڑی ہے نظر کہاں

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں
توبہ مئے طہور میں ایسا اثر کہاں

بھرتا ہزار غنچہ پیکاں کو توڑ کر
اتنا مگر یہ دامن زخم جگر کہاں

اے آہ دل میں رہ کہ جو پردہ رہے ترا
جاتی ہے دوڑ دوڑ کے تو بے اثر کہاں

الفت جتائیے تو غلط جھوٹ نا درست
دل مانگئے تو کہتے ہیں کیسا کدھر کہاں

تھم تھم کے وار کر مرا درد مٹ نہ جائے
جب میں نہیں تو لذت زخم جگر کہاں

بھولا ہوں راہ فرط محبت میں دیکھئے
ہوتی ہے آج شام غریبی سحر کہاں

اب آہ بے شرر سے جلے خاک آسمان
گل ہے نہیں شجر میں ہمارے ثمر کہاں

اس زلف میں بھی اے دل مضطر نہ رہ سکا
خانہ خراب تیرے ٹھکانے کو گھر کہاں

دیتے ہیں یار کن کی خبر کیا ہیں بے خبر
یہ تو کہیں ہم اس سے رہے پیشتر کہاں

صورت میں اتحاد تو سیرت میں اختلاف
تجھ سا ہو اور تجھ سا نہ ہو وہ بشر کہاں

آغاز شوق میں نہیں انجام کی خبر
اس مبتدا کی دیکھئے نکلی خبر کہاں

مے خانے کے قریب تھی مسجد بھلے کو داغ
ہر ایک پوچھتا ہے کہ حضرت ادھر کہاں

۱۷۳

دل میں گھر یار کے پیکاں کئے بیٹھے ہیں
مجھ پہ قبضہ مرے مہمان کئے بیٹھے ہیں

تیرے وعدے کے ارماں کئے بیٹھے ہیں
تین دن پہلے ہی سامان کئے بیٹھے ہیں

اللہ اللہ رے انہیں میری نظر سے پرہیز
کہ رقیبوں کو نگہباں کئے بیٹھے ہیں

اس طرح بیٹھے ہیں سر کاٹ کے میرا سر بزم
مجھ پہ گویا کہ وہ احسان کئے بیٹھے ہیں

ایسی وحشت نہیں اپنی کہ ہو محتاج بہار
پہلے ہی چاک گریباں کئے بیٹھے ہیں

مہندی ملنے کے بہانے ہیں عبث یوں کہئے
آج اغیار سے پیماں کئے بیٹھے ہیں

دیکھ اے دشمن ایمان کہ وفا پر تیری
کس قدر صبر مسلماں کئے بیٹھے ہیں

دیکھئے کون گرفتار بلا ہوتا ہے
آج وہ زلف پریشاں کئے بیٹھے ہیں

اب ہے کیا ہم میں جو لے گی نگہ ناز تری
پہلے ہی جاں کا نقصان کئے بیٹھے ہیں

حسرت و یاس و تمنا کے لئے اک دل تھا
ہم اسے پہلے ہی ویران کئے بیٹھے ہیں

حضرت داغ کو پھر کیا کہیں وحشت اچھلی
آج گھر کو جو بیاباں کئے بیٹھے ہیں

۱۷۴

الے کرنے دل ناکام برے ہوتے ہیں
کہ برے کاموں کے انجام برے ہوتے ہیں

بح کیجئے نہ مجھے میں تو یونہی مرتا ہوں
آپ کیوں لے کے یہ الزام برے ہوتے ہیں

حوب ہوں اہل ہوس کیا کہ نہیں پختہ مزاج
ہے یہ ظاہر ثمر خام برے ہوتے ہیں

ہو تسلی تو گذاروں شب ہجراں سازی
طور میرے تو سر شام برے ہوتے ہیں

چھیڑ معشوق سے کیجئے تو ذرا تھم تھم کر
روز کے نامہ و پیغام برے ہوتے ہیں

مہربانی نہ کرو اور غضب آئے گا
اس بھلائی میں مرے کام برے ہوتے ہیں

مرقدم ہم کو رہ عشق میں اک منزل ہے
طور اپنے سر ہر گام برے ہوتے ہیں

راہ پر حضرت زاہد کو لگا ہی لائے
سچ تو یہ ہے کہ مے آشام برے ہوتے ہیں

درہم داغ نہ ہو داغ کو کس طرح عزیز
چارہ گر مفت کے کیا دام برے ہوتے ہیں

۱۷۵

پھرا پیامبر اپنا خراب رستے میں
دیا نصیب نے اچھا جواب رستے میں

وہ یوں رقیب سے ہو بے حجاب رستے میں
کرے جو سائے سے بھی اجتناب رستے میں

یہ سچ ہے راہ محبت بڑی ہی ٹیڑھی کھیر
نہ آئے خضر کبھی اس خراب رستے میں

وہ گھر پر آکے مرے عرض حال بھول گئے
رہا وہ رستے کا سارا حساب رستے میں

بھٹکتے پھرتی ہیں اس رہگذر میں عاشق
مسافروں کی ہے مٹی خراب رستے میں

لگا کے باتوں میں لے آئے ہم انہیں گھر تک
ہزار ہم پہ ہوئے گو عتاب رستے میں

عجب نہیں کشش دل سے میرے اے قاصد
ملے اگر تجھے خط کا جواب رستے میں

گلی سے یار کی ہم اٹھے کے چل چکے تھے مگر
مچل گیا دل پر اضطراب رستے میں

یقیں ہے زندہ نہ پہنچیں گے کوئے جاناں تک
جو شوق کا ہے یہی اضطراب رستے میں

وہ رستہ کاٹ کے چلتے ہیں اس لئے مجھ سے
کہ کچھ کہے نہ یہ خانہ خراب رستے میں

بغل میں داب کے لے چل عدم کو شیشہ مے
ملے گی داغ نہ تجھ کو شراب رستے میں

۱۷۶

زاہد نہ کہہ بری کہ یہ مستانے آدمی ہیں
تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں

غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجئے
یہ دشمنی کریں گے بیگانے آدمی ہیں

جو آدمی پر گذری وہ اک سوا تمہارے
کیا جی لگا کے سنتے افسانے آدمی ہیں

کیا چور بن جو ہم کو درباں تمہارا ٹوکے
کہہ دو کہ یہ تو جانے پہچانے آدمی ہیں

مے بوند بھر پلا کر کیا ہنس رہا ہے ساقی
بھر بھر کے پیتے آخر پیمانے آدمی ہیں

تم نے ہمارے دل میں گھر کر لیا تو کیا ہے
آباد کرتے آخر ویرانے آدمی ہیں

ناصح سے کوئی کہہ دے کیجئے کلام ایسا
حضرت کو تاکہ کوئی یہ جانے آدمی ہیں

جب داور قیامت پوچھے گا تم پہ رکھ کر
کہہ دیں گے صاف ہم تو بیگانے آدمی ہیں

میں وہ بشر کہ مجھ سے ہر آدمی کو نفرت
تم شمع وہ کہ تم پروانے آدمی ہیں

محفل بھری ہوئی ہے سودائیوں سے اس کی
اس غیرت پری پر دیوانے آدمی ہیں

شاباش داغ تجھ کو کیا تیغ عشق کھائی
جی کرتے ہیں وہی جو مردانے آدمی ہیں

۱۷۷

میکشو مژدہ کہ گھنگھور گھٹائیں آئیں
تم پہ رحمت ہوئیں توبہ پہ بلائیں آئیں

مجھ پر افلاک سے میری ہی بلائیں آئیں
سیفیاں پڑھتی ہوئیں پھر کے دعائیں آئیں

موت نے مجھ کو پکارا کہ مرے قاتل نے
آیئے آیئے مقتل سے ندائیں آئیں

کس کی زلفیں مجھے یاد آئیں شب ہجراں میں
کہ بلائیں مری لینے کو بلائیں آئیں
آئے دل میں بھی وہ ہمراہ نگہبانوں کے
برچھیاں تانیں ہوئے ساتھ ادائیں آئیں
جب ہوئی خاک مری جمع ترے کوچے میں
شرط باندھے ہوئے اڑا اڑا کے ہوائیں آئیں
گو محبت سے مری خاک نہ آیا مجھ کو
اس پہ مرتا ہوں کہ تم کو تو ادائیں آئیں
ناز ہے ان کو کرم پر کہ نہیں جس کا حساب
کس خطاوار کی گنتی میں خطائیں آئیں
کیا بڑی بات تھی باتوں میں اسے بہلانا
نہ گلے آئے زباں پر نہ دعائیں آئیں
کوئے قاتل کی زمیں پر جو رکھا میں نے قدم
آسماں سے مرے ماتم کی صدائیں آئیں
آئینہ دیکھتے ہی بیٹھ گئے تھام کے دل
پھر کہا آہ مجھے کیوں یہ ادائیں آئیں
داور حشر سے اب تک ہے امید انصاف
کیا کریں گے جو پسند اس کی جفائیں آئیں
درد دل کچھ نہ کھلا داغ مگر وقت اخیر
داد بیداد کی دو چار صدائیں آئیں

۱۷۸

ہم تری بزم سے اے یار چلے جاتے ہیں
لے چلے جاتے ہیں ناچار چلے جاتے ہیں
اس کا کوچہ ہے کہ ہے عرصہ محشر یارب
سینکڑوں طالب دیدار چلے جاتے ہیں
حضرت دل کی قضا آئی ہے اس کوچے میں
کہ یہ دوڑے ہوئے ہر بار چلے جاتے ہیں
مرض عشق سے بگڑا ہوں کچھ ایسا کہ مجھے
دور سے دیکھ کے غمخوار چلے جاتے ہیں
منتظر دیر سے ہیں جلوہ دکھا دے ظالم
ورنہ یہ طالب دیدار چلے جاتے ہیں
اس طرح جاتے ہیں اس بزم میں دل کے ہاتھوں
کہ بندھے جیسے گنہگار چلے جاتے ہیں
بل بے ضد آپ کی اللہ رے ہٹ اف رے مزاج
آج تک وصل کے انکار چلے جاتے ہیں

گرچہ سو سو ہیں تغافل کہ نجانے کوئی
ان نگاہوں کے مگر وار چلے جاتے ہیں

ہم نہیں جانتے ہیں دیر حرم کا رستہ
ہم ے عشق میں سرشار چلے جاتے ہیں

بھول کر راہ چلے آئے ہیں اللہ بخشو
ہم خطاوار گنہگار چلے جاتے ہیں

داغ اس ضعف نے کی اپنی تو منزل کھوئی
ہم رہے جاتے ہیں سب یار چلے جاتے ہیں

۱۷۹

شوخی نے تیرے کام کیا اک نگاہ میں
صوفی ہے بتکدے میں صنم خانقاہ میں

آنکھیں بچھائیں تو ہم عدو کی بھی راہ میں
پر کیا کریں کہ تو ہے ہماری نگاہ میں

بڑھتا ہوں آگے پوچھ کر اس سے مقام عشق
جو فتنہ مجھ غریب کو ملتا ہے راہ میں

دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں
دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں

راتیں مصیبتوں کی جو گذریں تھیں آج تک
ماتم کو آئے ہیں مری روز سیاہ میں

اس توبہ پر ہے ناز تجھے زاہد اس قدر
جو ٹوٹ کر شریک ہو میرے گناہ میں

آتی ہے بات بات مجھے یاد بار بار
کہتا ہوں دوڑ دوڑ کے قاصد سے راہ میں

تاثیر بچ کے سنگ حوادث سے آئے کیا
میری دعا بھی ٹھوکریں کھاتی ہے راہ میں

کیسا نظارہ کس کا اشارہ کہاں کی بات
سب کچھ ہے اور کچھ نہیں پہنچی نگاہ میں

جو کینہ آج ہے ترے دل میں ستم شعار
جائے گا کل یہی تو دل داد خواہ میں

مشتاق اس صدا کے بہت درد مند تھے
اے داغ تم تو بیٹھ گئے ایک آہ میں

۱۸۰

بھولے بھٹکے جو ترے گھر چلے آتے ہیں
اپنی تقدیر کے چکر میں چلے آتے ہیں

تجھ میں تاثیر ہو گر اے کشش دل کچھ بھی
تو وہ دوڑے ہوئے دم بھر چلے آتے ہیں

وحشت ایسی ہے کہ سائے سے بھی میں کہتا ہوں
آپ کیوں میرے برابر میں چلے آتے ہیں

ہمسری کون کرے فتنہ خرامی سے تری
سیکڑوں کبک سے ٹھوکر میں چلے آتے ہیں

روز سنتے ہیں نیا ایک نہ اک شیدائی
نام نکلے ترے دفتر میں چلے آتے ہیں

چشم بدمست سے پھر ہم کو نہ دیکھو دیکھو
غش یہاں ایک ہی ساغر میں چلے جاتے ہیں

سیر بازار بھی ہے ان کے لئے ایک شکار
دل بند ہے الفت معنبر میں چلے آتے ہیں

آپ حسرت ہیں نہ ارماں ہیں نہ ہیں سوز و گداز
کس لئے پھر دل مضطر میں چلے آتے ہیں

تفتہ جان وہ ہو لادم ذبح کہ اے قاتل دیکھ
جوش آب دم خنجر میں چلے آتے ہیں

تھک کے بیٹھوں بھی جو وحشت میں تو سر پھرتا ہے
پاؤں کے چرخ میرے سر میں چلے آتے ہیں

داغ جاکر نہ پھرے سوے عدم اپنی رفیق
ہم یہ سمجھے تھے کہ دم بھر میں چلے آتے ہیں

۱۸۱

کشتہ یاس ہوں مقتول تمنا ہوں میں
اور اس زندگی عیش پہ مرتا ہوں میں

کچھ خبر ہی نہیں اللہ رے مری بے خبری
کس کا مشتاق ہوں میں کون ہوں کیا ہوں میں

نظر آتا نہیں ہے جوش سرشک اپنا ثبات
کشتی نوح نہیں ہوں کف دریا ہوں میں

ظالم و قاتل و سفاک و غضبناک ہو تم
عاشق و شیفتہ دوالہ و شیدا ہوں میں

ہیں اٹھوں تو طرف غیر نگاہیں اٹھیں
مگر اس بزم میں اس چشم کا پردا ہوں میں

تودۂ تیر حوادث نہ کریں کیوں افلاک
کہ اسی واسطے ہوں خاک کا پتلا ہوں میں

شمع ساں گھلتے ہی گھلتے سحر آجائے گی
اے شب ہجر کوئی منہ کا نوالہ ہوں میں

داب کر تجھ کو بغل میں دل مضطر لے جاؤں
پر یہ ڈر ہے نہ رقیبوں میں تماشا ہوں میں

آپ کی جنبش لب نے تو کیا کام تمام
اسی اعجاز پہ کہتے تھے مسیحا ہوں میں

جان دینے پہ اجازت ہے وہاں بسم اللہ
دل بیتاب پہ لو فاتحہ پڑھتا ہوں میں

آرزو بن کے رہا ہوں کہ نکالے نہ فلک
اس گلی میں ہمہ تن آج تمنا ہوں میں

چپ نہ رہ ناصح مشفق مجھے غافل نہ سمجھ
ہاں کہے جا جو ترے دل میں ہے سنتا ہوں میں

داغ کیا پوچھتے ہو میں نہیں کچھ کہہ سکتا
خیر جس حال میں ہوں شکر ہے اچھا ہوں میں

۱۸۲

دل مہجور کو آزردہ جو پاتا ہوں میں
اپنے روٹھے کو شب و روز مناتا ہوں میں

جبہ سائی تری دہلیز پہ کچھ فرض نہ تھی
اپنی تقدیر کے لکھے کو مٹاتا ہوں میں

ایک نظارۂ گلشن کی ہوس باقی ہے
رخصت اے کنج قفس پھر ابھی آتا ہوں میں

فرقت یار میں بے موت جو مر جاتا ہوں
ملک الموت کو دیوانہ بناتا ہوں میں

دیکھنا شوق شہادت کو جو وہ بھول بھی جائے
جرم اپنا اسے خود یاد دلاتا ہوں میں

قفس تنگ سے چھٹنا تو بہت مشکل ہے
نو چکر پر سوے گلزار اڑاتا ہوں میں

میرا سامان ہے تری بزم میں ہنگامہ حشر
اپنی تعظیم کو سو فتنے اٹھاتا ہوں میں

آسمان ٹوٹ پڑا ہے ستم بے جا کا یہ ہے میرا ہی کلیجا کہ اٹھاتا ہوں میں
دیکھ کر شکل زبوں اس سے نہ دل پھر جائے اس لئے آئینے سے آنکھ چراتا ہوں میں
چپ کھڑا ہوں پس دیوار جو اس کوچے میں شور محشر کی طرف کان لگاتا ہوں میں
کتنے ہمدرد ہوا خواہ ہیں یوں تو اے داغ
پر یہ کوئی نہیں کہتا اسے لاتا ہوں میں

۱۸۳

باغ میں گل کھلے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں انگلیاں سرو اٹھاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جان مشتاق مری آنکھوں میں آجاتی ہے یار جب مژدہ سناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
جیتے جی کون عیادت کا اٹھائے احسان اس لئے جان سے جاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
دیر قاصد کو لگی اے دل مشتاق جمال دیکھئے ہم کو بلاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
سینکڑوں دو قدم آگے ہیں جلو میں فتنے ساتھ اک حشر کو لاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
ساتھ دشمن کے وہ کیا آئے قیامت آئی خاک میں ہم کو ملاتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
دل و جان پاس سے جاتے ہیں کہ وہ جاتے ہیں صبر و ہوش و خرد آتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
نہیں منظور جو بچنا تو دم چارہ گری ہم مسیحا کو ڈراتے ہیں کہ وہ آتے ہیں
کون آتا ہے برے وقت کسی پاس اے داغ
لوگ دیوانہ بناتے ہیں کہ وہ آتے ہیں

۱۸۴

یہ لوگ کیا اسے رسوائے عام کرتے ہیں مرے جنازے پہ کیوں اژدہام کرتے ہیں

تمہاری تیغ و تبر خاک کام کرتے ہیں
گلے پڑے ہی کہ سودے مدام کرتے ہیں

جفا کے شکوے پہ صاحب نگاہ کیوں پھیری
جواب دو ہمیں تم سے کلام کرتے ہیں

وہ ناتواں ہوں میں میری کاتب اعمال
صریر خامہ کی بھی روک تھام کرتے ہیں

تری گلی سے نکلنا ہمیں قیامت ہے
قدم قدم پہ ہزاروں مقام کرتے ہیں

نہیں ہے غور انہیں جن ستم رسیدوں کے
وہاں وہ چرخ کو قائم مقام کرتے ہیں

وہی تو عشق کہ جو قیس کو ہکن نے کیا
یہ کام خوب تمہارے غلام کرتے ہیں

الٰہی غیر نے کی کونسی وفاداری
کہ آج وہ مجھے جھک کر سلام کرتے ہیں

جفائیں کیونکر اٹھیں سب کو جان و دل ہے عزیز
عدو اب ان سے ہمارا پیام کرتے ہیں

وہی خیال وہی انتظار یار انہیں
یہ چشم و دل کوئی میرا بھی کام کرتے ہیں

کہاں وہ زہرہ جبیں داغ پاکباز کہاں
فرشتے پر بھی یہ لوگ اتہام کرتے ہیں

۱۸۵

جوش سے گریہ سے یہ آنکھیں ابر نیساں ہو گئیں
اب مری بے تابیاں مشہور دوراں ہو گئیں

راز الفت چھپ سکا ہم سے نہ اس کے روبرو
صاف دل کی حسرتیں منہ پر نمایاں ہو گئیں

مر گئے ہم اک اشارے میں نگاہ ناز کی
آج اپنی مشکلیں اک پل میں آساں ہو گئیں

سیکڑوں دل ہو گئے انداز پر تیرے نثار
سیکڑوں جانیں تری چتون پہ قرباں ہو گئیں

دن نہ پورا ہو چکا ہم ہو گئے آخر تمام
روز فرقت کی خدا کیا سخت گھڑیاں ہو گئیں

جب دیا اس نے دلاسہ شب کو وقت اضطراب
دل کی وہ بیتابیاں سب راحت جاں ہو گئیں

اب کسی سے دل لگا کر ہم نہ ہوں گے پائمال
جو خطائیں میں ہو گئیں اے چرخ گرداں ہو گئیں

واہ اے جوشِ جنوں آخر الجھ کر جوش ہے　　انگلیاں ہاتھوں کی بھی تارِ گریباں ہو گئیں
وہ نہ آئے جب شبِ وعدہ نہ آئی مجھ کو نیند　　آرزوئیں دل کی سب خوابِ پریشاں ہو گئیں
شکوے غیروں کے گر بیجا ہیں بیجا ہی سہی　　اب تو یہ گستاخیاں مجھ سے مری جاں ہو گئیں

داغ اب یوسف کہاں لیلیٰ کہاں شیریں کہاں
جو حسین شکلیں تھیں زیرِ خاک پنہاں ہو گئیں

۱۸۶

دل کو بہلاؤں کہاں تک کہ بہلتا ہی نہیں　　یہ تو بیمار سنبھالے سے سنبھلتا ہی نہیں
آپ کا زور مرے دل پہ نہ کیونکر چلتا　　کیا مرا حب کا عمل تھا جو چلتا ہی نہیں
چمنِ دہر میں یہ عاشقِ ناکام ترا　　وہ شجر ہے کہ کبھی پھولتا پھلتا ہی نہیں
نالہ نکلا کبھی دل سے تو کبھی آہ و فغاں　　پر ترے وصل کا ارماں نکلتا ہی نہیں
اس کے ہاتھوں نہ ہو جب تک کسی مظلوم کا خوں　　اپنے ہاتھوں میں حنا وہ کبھی ملتا ہی نہیں
میں تری راہِ محبت میں ہزاروں فتنے　　دیکھ مجھ کو بجز اس راہ کے چلتا ہی نہیں
دن ڈھلے آنے کا وعدہ ہے کسی سے لیکن　　آج یہ دن وہ قیامت ہے کہ ڈھلتا ہی نہیں
شمع کی طرح سے روتا بھی ہے عاشق تیرا　　مثلِ پروانہ فقط آگ میں جلتا ہی نہیں
موم ہوتا ہے مری آہ سے پتھر لیکن　　سنگدل ایک ترا دل کہ پگھلتا ہی نہیں
خضر بھی تو اسی گرداب سے چکراتے ہیں　　ڈوب کر بحرِ محبت میں اچھلتا ہی نہیں
تیرہ بختی نہ گئی اپنی تو جانا ہم نے　　کہ کبھی رنگ زمانے کا بدلتا ہی نہیں

کس طرح دل خمِ ابرو سے نکالوں اے داغ
پڑ گیا پیچ کچھ ایسا کہ نکلتا ہی نہیں

۱۸۷

حضرت دل آپ ہیں جس دھیان میں
مر گئے لاکھوں اسی ارمان میں

عشق جس کشتی کا ہو تو ناخدا
وہ نہ آئے کس طرح طوفان میں

اس سے پوچھو تم مری آشفتگی
زلف کہہ دے گی تمہارے کان میں

میرے مرنے کی خبر سن کر کہا
واقعی کچھ بھی نہیں انسان میں

گر فرشتہ وش ہوا کوئی تو کیا
آدمیت چاہئے انسان میں

دل کی قیمت اک نگہ ہے اے صنم
آگئے جو آئے ترے ایمان میں

جس نے دل کھویا اسی کو کچھ ملا
فائدہ دیکھا اسی نقصان میں

لیجئے دیتا ہوں میں دل کے سوا
اور جو کچھ ہے مرے امکان میں

کس نے ملنے کا وعدہ کیا کہ داغ
آج ہو تم اور ہی سامان میں

۱۸۸

کس مصیبت سے بسر ہم شب غم کرتے ہیں
رات بھر ہائے صنم ہائے صنم کرتے ہیں

برسوں ترساتے ہیں جب تیغ علم کرتے ہیں
کس تکلیف سے وہ تکلیف ستم کرتے ہیں

دل کو ہو لاگ تو ہو کچھ کسی صورت کا لگاؤ
لطف کیسا کہ وہ اب جور بھی کم کرتے ہیں

اشک خون خجلت عصیاں سے نہیں بے تاثیر
نار دوزخ کو یہ گلزار ارم کرتے ہیں

ڈر ہے منہ پھیرے دم ذبح نہ خنجر اس کا
پڑھ کے ہم سورۂ اخلاص کو دم کرتے ہیں

شوخ تم شیفتہ ہم دونوں ہیں بے چین مگر
پھر ذرا صبر جو کرتے ہیں تو ہم کرتے ہیں

آپ کو دوست کے مرنے کی خوشی یاں یہ حال
کوئی دشمن بھی جو مرتا ہے تو غم کرتے ہیں
ہائے اس کشتے کی تربت کا مقدر جس کو
سجدے مٹ مٹ کے ترے نقش قدم کرتے ہیں
ہمیں بدنام جھوٹے بھی ہمیں ہیں بیشک
ہم ستم کرتے ہیں اور آپ کرم کرتے ہیں
خوف ہے ان کو یہاں تک تو ہم آغوشی کا
میری تصویر کے بھی ہاتھ قلم کرتے ہیں
بانکپن کرتی ہیں فتنوں سے نگاہیں تیری
حال محشر سے بھی نقش قدم کرتے ہیں
مجھ سے کہتا ہے یہ احسان جتا کر ظالم
ہم سوا تیرے کسی پہ بھی ستم کرتے ہیں

جن کو تم داغ بڑا عہد شکن کہتے تھے
لو مبارک ہو وہ پھر قول و قسم کرتے ہیں

۱۸۹

دل ہے تو ہے نہ آئے کیوں دم ہے تو ہی نجائے کیوں
ہم کو خدا جو صبر دے تجھ سا حسین بنائے کیوں

تیری تلافی جفا جب نہ ہوتا بروز حشر
عاشق نامراد عشق اپنے کئے کو پائے کیوں

جملہ رفیق و طریق رہزن راہ عشق ہیں
سایہ خضر ہی کیوں نہ ہو ساتھ ہمارے آئے کیوں

گو نہیں بندگی قبول پر ترا آستان تو ہے
کعبہ و دیر میں ہے کیا خاک کوئی اوڑائے کیوں

لاگ ہو یا لگاؤ ہو کچھ بھی نہ ہو تو کچھ نہیں
بن کے فرشتہ آدمی بزم جہاں میں آئے کیوں

جرات شوق پھر کہاں وقت ہے جب نکل گیا
اب تو ہیں یہ ندامتیں صبر کیا تھا ہائے کیوں

رونے پہ میرے وہ ہنسیں رنج پہ میرے شاد ہوں
چھیڑ میں کچھ تو ہے مزہ ورنہ کوئی ستائے کیوں

عشق و جنوں سے مجھ کو لاگ ہوس و خرد سے اتفاق
پر یہ کہوں تو کیا کہوں میں نے ستم اٹھائے کیوں

ہاں نہیں غیرت رقیب خیر میں بے حیا سہی
جو نہ دوبارا آسکی بزم سے تیری جائے کیوں

فکر میں ہم تو رہ گئے اور وہ آج کہہ گئے
عیب نہیں تو راز دل ہم سے کوئی چھپائے کیوں

پردۂ عشق ہو چکا داغ یہی قرار تھا
صبر پر آہ آہ کیا ضبط پر ہائے ہائے کیوں

۱۹۰

کیا کہا پھر تو کہو دل کی خبر کچھ بھی نہیں
کیوں یہ کیا ہے خم گیسو میں اگرچہ کچھ بھی نہیں

نہ یہ خورشید قیامت نہ یہ مہر لب غیر
کچھ تو ہو مال مگر داغ جگر کچھ بھی نہیں

جوش ہے اہل ہوس کا مگر الطاف ترا
بھی سب کچھ ابھی اے شعبدہ گر کچھ بھی نہیں

نہ بصارت نہ اشارت نہ خجالت نہ حیا
تجھ میں تو دیکھنے کو دیدۂ تر کچھ بھی نہیں

آنکھ پڑتی ہے کہیں پاؤں کہیں پڑتا ہے
سب کی ہے تم کو خبر اپنی خبر کچھ بھی نہیں

دل ہے سینے میں نہاں دل میں نہاں کیا کیا کچھ
چھوڑ نے کی تری دزدیدہ نظر کچھ بھی نہیں

رات کی رات کا مہماں ہے مریض ہجراں
صبح تم آئے تو کیا آئے سحر کچھ بھی نہیں

دھوم ہے حشر کی سب کہتے ہیں یوں ہی یوں ہے
فتنہ ہے اک تری ٹھوکر کا مگر کچھ بھی نہیں

ان کو بیتاب کیا کچھ نہ کیا نالہ دل
یہ تو کچھ بھی نہ ہوا یہ تو اثر کچھ بھی نہیں

نہ کروں نالہ تو کس شغل میں کاٹوں اوقات
یہ تو مانا کہ یہ مانوس اثر کچھ بھی نہیں

کعبے جانا بھی تو بت خانے سے ہو کر زاہد
دور اس راہ سے اللہ کا گھر کچھ بھی نہیں

لامکاں میں بھی تو کچھ جلوہ نظر آتا ہے
بے کسی میں تو ادھر ہوں کہ جدھر کچھ بھی نہیں

اک جفا تیری جو کچھ بھی نہیں تو سب کچھ ہے
اک وفا میری کہ سب کچھ ہے مگر کچھ بھی نہیں

خواب میں دیکھ لیا خلد کو ہم نے واعظ
اجی بس بیٹھو بھی واں لطف بشر کچھ بھی نہیں
کچھ ہے یاں خاک تو اک جنبش داماں کے لئے
تیری موجوں کے لئے باد سحر کچھ بھی نہیں

آئینہ دیدۂ اعمیٰ ہی سہی پر اے چشم
دو ہی کچھ دیکھتے ہیں جن کی نظر کچھ بھی نہیں
میرے ہی جوش طبیعت نے اٹھائے ہیں فساد
خیر سے آپ کی طینت میں تو شر کچھ بھی نہیں

عیب بے عیب ہے جب حد سے گذر جاتا ہے
اب بجز بے ہنری مجھ میں ہنر کچھ بھی نہیں
اے نگاہ غلط انداز ادھر کچھ تو سہی
اے تغافل اثر و عربدہ گر کچھ بھی نہیں
غیر کے وصل کا انکار مزا دیتا ہے
پھر اسی طرح کہو بارد گر کچھ بھی نہیں
حشر میں دست جنوں سے نہ خجل ہوں اے داغ
کہ مرے پاس بجز دامن تر کچھ بھی نہیں

۱۹۱

دست وحشت کے لئے تاب رگ جاں میں نہیں
ہاتھ اس تار میں الجھا جو گریباں میں نہیں

لخت دل کون سے دن پنجہ مژگاں میں نہیں
میں نے وہ پھول چنے ہیں جو گلستاں میں نہیں

تیرے اقرار میں انکار تری ہاں میں نہیں
عہد میں عہد یہ پیماں کسی پیماں میں نہیں

بے ثباتی کے سوا اور کوئی کیفیت
میری توبہ میں نہیں آپ کے پیمان میں نہیں

راہ میں ہم سے ملا دیتی ہے شوخی ان کو
کہ ابھی تو ابھی چشم نگہباں میں نہیں

ہم نہ مدت سے یہ کہتے تھے کہ مر جائیں گے
تم نہ برسوں سے یہ سنتے تھے کچھ انساں میں نہیں

گل کر مل کر تری عارض سے ملا حسن قبول
ورنہ کیا سبزۂ بیگانہ گلستاں میں نہیں

خاک دیکھوں تجھے اے چاک جگر کیا دیکھوں
ان کے دامن میں انہیں ان کے گریباں میں نہیں

مجھ کو حیرت کا گماں دل میں تمنا کا یقیں
نالہ کہتا ہے کچھ اس خانہ ویراں میں نہیں

پہلے تھی دل میں کھٹک اب تو ہے رگ رگ میں کسک
چین اے درد تجھے بھی شب ہجراں میں نہیں

جلوۂ ہوش ربا دیکھ لیا اے موسیٰ
یاں تحیر میں وہ لذت ہے جو عرفاں میں نہیں

نگہ شوخ جو ٹھہری تو مرا دم نکلے
نیشتر میں وہ تڑپ ہے جو رگ جاں میں نہیں

داد بیداد ہی گر خاطر سفاک میں ہے
درد بیدرد ہے گر اس دل ویران میں نہیں

دیکھئے راہ میں ٹھوکر سے نہ کھل جائے گرہ
ایک فتنہ ہے یہ دل گوشہ داماں میں نہیں

ناز کو فتنہ بناوٹ کو بلا کہتے ہیں
سادگی اک تری گنتی کسی ساماں میں نہیں

اب کب اس چشم نظر باز نے دھوکا کھایا
جوڑ کیا آپ کے ٹوٹے ہوئے پیمانے میں نہیں

اف رے جلوہ کہ نہیں اور نگہ شوق میں ہے
بل بے پردہ کہ وہ ہے اور دل حیراں میں نہیں

رنگ گل نغمہ بلبل اثر باد بہار
جیسے ہم قید ہوئے کوئی گلستاں میں نہیں

مانگتا قرض ترے واسطے اے چشم خیال
پر سیاہی ہے سفیدی شب ہجراں میں نہیں

ہو جو تاچیر تو ہیرے کی کنی ہے قاتل
کیا کروں اشک مرا تیرے نمکداں میں نہیں

خار ہیں بلبل و پروانہ سر بزم و چمن
یہ کھٹکتے ہوئے کانٹے تو بیاباں میں نہیں

اب تغافل ہی سے ہم چھیڑ کریں گے ناچار
آج لڑتی ہوئی نظریں صف مژگاں میں نہیں

داغ ہم تربت مجنوں پہ چڑھاتے چادر
پر یہاں تار کفن کو بھی گریباں میں نہیں

۱۹۲

کہاں وہ گئے عیش و عشرت کے دن
مصیبت کی راتیں ہیں آفت کے دن

خبردار اے دل خبردار ہو
نہیں اب نہیں تیری غفلت کے دن

فزوں روز محشر سے ہے ہر گھڑی
کٹیں کس طرح تیری فرقت کے دن

گذر جائے ہنس بول کر کوئی دم
کہ نزدیک آئے ہیں رخصت کے دن

یہ افسانہ پورا تو ہو گا جبھی
جو دو چار ہوں گے قیامت کے دن

ستم کر نہ پہلے ہی اے نوجوان
ابھی آئے ہیں تیری شہرت کے دن

جوانی کو ترسا کریں خضر آپ
پھریں گے قیامت میں حضرت کے دن

بہلاوا تجھے دے دیا اے اجل
بلا لیں گے ہم تجھ کو فرقت کے دن

وہ راتیں وہ باتیں وہ گھاتیں غضب
جوانی میں تھے کس شرارت کے دن

یہ ہے داغ کی عرض یا مصطفیٰ
نہ محروم ہوں میں شفاعت کے دن

۱۹۳

دست گل چیں سے چھٹا آیا کف صیاد میں
میں گل بازی ہوں کیا اس گلشن ایجاد میں

کونسی خوبی نہیں تیرے قد آزاد میں
شاخ ہے کیا سرو میں طرہ ہے کیا شمشاد میں

حشر میں ان کا مزا اس دھوم سے ہو گا ملاپ
اہل محشر کو کٹے گا دن مبارک باد میں

یارب انداز ستم کوئی نیا نکلا کہ آج
غش ہے وہ بیداد گر خود لذت بیداد میں

بنتی ہیں تیری کمر کی کیا خیالی صورتیں
چھنتی ہیں باریکیاں کیا مانی و بہزاد میں

ناتوانی ناتمامی ناامیدی نارسی
ہم نے بھر رکھا ہے کیا کیا دامن فریاد میں

ہم اسیروں کی ہے اک باد صبا پرساں حال
پوچھ جاتی ہے کہ کیا باقی رہا معیاد میں

آگئے یہ گردش کہاں تھی پر کوئی گردش زدہ
آگیا تیری نگاہ خانماں برباد میں

ہے یہی ذوق اسیری تو اسیری ہو چکی
میں نہیں پھولا سمانے کا کف صیاد میں

ہے جگر میں داغ یا ہے گنج قارون میں درم
غم ہے دل میں یا ہے قیدی قلعہ فولاد میں

عشق کے کوچے نے ہم کو وہ دکھایا ہے بہشت
حضرت آدم نے جو دیکھا نہ اپنی یاد میں

محتسب پتھر ہے دل تیرا ترے کس کام کا
ڈال دے اس کو کسی مے خانے کی بنیاد میں

میرے دل سے داغ پوچھے کوئی دہلی کے مزے
لطف تھا دونوں جہاں کا اک جہاں آباد میں

۱۹۴

میں کہاں اور بزم خواب کہاں
لائی اے ہستی خراب کہاں

ان سے کہدی ہے آرزو دل کی
اب مری بات کا جواب کہاں

ہم نے بھی صبر دل کو دے ہی لیا
اب وہ اگلا سا اضطراب کہاں

دل پہ گرمی ہے تیرے اے بلبل
یوں کلیجا ہوا کباب کہاں

رات اور رات بھی جدائی کی
اب نکلتا ہے آفتاب کہاں

بات کرنی جسے نہ آتی ہو
بات سننے کی اس کو تاب کہاں

وعدۂ حشر آپ کرتے ہیں چار دن بعد یہ شباب کہاں
کافروں سے ہے جب بھری دوزخ غیر کے واسطے عذاب کہاں
کعبہ و دیر میں جو داغ نہیں
پھر ہے یہ خانماں خراب کہاں

۱۹۵

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

کھلتے نہیں ہیں راز جو سوز نہاں کے ہیں
کیا پھوٹنے کے واسطے چھالے زباں کے ہیں

کرتے ہیں قتل وہ طلب مغفرت کے بعد
جو تھے دعا کے ہاتھ وہی امتحاں کے ہیں

جس دن کچھ شریک ہوئی میری مشت خاک
اس روز سے زمین پہ ستم آسماں کے ہیں

قاصد یہاں سے برق تھا پر نصف راہ سے
بیمار کی ہے چال قدم ناتواں کے ہیں

بازو دکھائے تم نے لگا کر ہزار ہاتھ
پوری پڑے تو وہ بھی بہت امتحاں کے ہیں

ناصح کے سامنے کبھی سچ بولتا نہیں
میری زبان میں رنگ تمہارے زباں کے ہیں

کیسا جواب حضرت دل دیکھئے ذرا
پیغامبر کے ہاتھ میں ٹکڑے زباں کے ہیں

کیا اضطراب شوق نے مجھ کو خجل کیا
وہ پوچھتے ہیں کہئے ارادے کہاں کے ہیں

عاشق ترے عدم کو گئے کس قدر تباہ
پوچھا ہر ایک نے یہ مسافر کہاں کے ہیں

ہر چند داغ ایک ہی عیار ہے مگر
دشمن بھی تو چھٹے ہوئے سارے جہاں کے ہیں

۱۹۶

کھویا گیا ہوں دے کے پتا نامہ بر کو میں
اپنی خبر کو جاؤں الٰہی کدھر کو میں

مجھ کو تباہ چشم مروت نے کر دیا
مل جائے تو چراؤں کسی کی نظر کو میں

بس جاؤ کیا کرو گے نظر سے جگر میں چھید
لو آؤ تم ادھر کو کھڑے ہو ادھر کو میں

خاموش اب تو شکوۂ ہمسایہ نے کیا
پھر تو ہے آہ نیم شبی اور سحر کو میں

جاکر در قبول پہ جھڑ گئی دعا
صد شکر جاکے آپ نہ لایا اثر کو میں

مہر و وفا و راحت و آرام کو رقیب
جور و جفا کاوش خون جگر کو میں

میرا طریق عشق جدا ہے جہاں سے
چلتا ہوں چھوڑ چھوڑ کے ہر رہگذر کو میں

تم تو وہ پارسا ہو کہ در تک کبھی نہ آؤ
آتا تھا منہ چھپائے کہیں سے سحر کو میں

دل دے کے ان کو اور بھی امید بڑھ گئی
جانا تھا یہ کہ چھوٹ گیا عمر بھر کو میں

دونوں میں ایک تو نکل آئے گا سخت جان
دیکھوں گا آج دل سے لڑا کر جگر کو میں

اے داغ صبح حشر تھی صبح شب وصال
جب یہ کہا کسی نے کہ جاتا ہوں گھر کو میں

۱۹۷

بات میری کبھی سنی ہی نہیں
جانتے وہ بری بھلی ہی نہیں

دل لگی ان کی دل لگی ہی نہیں
رنج بھی ہے فقط ہنسی ہی نہیں

لطف مے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اڑ گئی یوں وفا زمانے سے　　کبھی گویا کسی میں تھی ہی نہیں
جان کیا دوں کہ جانتا ہوں میں　　تم نے یہ چیز لے کے دی ہی نہیں
ہم تو دشمن کو دوست کر لیتے　　پر کریں کیا تری خوشی ہی نہیں
ہم تری آرزو پہ جیتے ہیں　　یہ نہیں ہے تو زندگی ہی نہیں
دل لگی دل لگی نہیں ناصح　　تیرے دل کو ابھی لگی ہی نہیں
داغ کیوں تم کو بیوفا کہتا
وہ شکایت کا آدمی ہی نہیں

۱۹۸

سحر جو آئینہ یہ رشک ماہ دیکھتے ہیں　　نگاہ دیکھنے والے نگاہ دیکھتے ہیں
کچھ اس طرح کے وہ قاتل سوال کرتا ہے　　ہمارے منہ کو ہمارے گواہ دیکھتے ہیں
ہمیشہ کس کی نبھی اور کس کی نبھتی ہے　　نباہے جاتے ہیں جب تک نباہ دیکھتے ہیں
کوئی بھی مجھ سے شب وعدہ یہ نہیں کہتا　　اٹھو چلو کہیں جلدی وہ راہ دیکھتے ہیں
خدا کا خوف نہیں پر بتوں سے ڈرتا ہوں　　گناہ گار نہ یہ بے گناہ دیکھتے ہیں
اسی کے واسطے آنکھیں خدا نے دیں ہم کو　　کہ روز و شب یہ سفید و سیاہ دیکھتے ہیں
غرض نہیں ہے انہیں طور کی تجلی سے　　جو خوش نصیب ترے جلوہ گاہ دیکھتے ہیں
خدا کے واسطے لو داغ کی خبر جلدی
ہم اس کا حال نہایت تباہ دیکھتے ہیں

۱۹۹

کیوں قسم کھاتے ہو ہم جور سے باز آتے ہیں
ان فریبوں میں کہیں واقف راز آتے ہیں

یوں تو آفت ہے ہر انداز پریزادوں کا
وہ قیامت ہیں جنہیں راز و نیاز آتے ہیں

کچھ نہ پوچھ جو صدا آتی ہے مے خانے سے
کبھی مسجد سے جو ہم پڑھ کے نماز آتے ہیں

سیکھ لے اے فلک اس کی نگاہ پر فن سے
شعبدے تجھ کو کہاں شعبدہ باز آتے ہیں

قاصد اس شوخ کے اندز قیامت ہوں گے
جس کی تصویر کو سو طرح کے ناز آتے ہیں

آپ کی بزم سے لے جاتے ہیں سو رنج و ملال
جی سے جانے کو ہم اے بندہ نواز آتے ہیں

لاکھ تو جال بچھائے مگر آزاد مزاج
تیرے پھندے میں کب اے زلف دراز آتے ہیں

شمع کی طرح سے اپنا نہیں جلنا رونا
غش پہ غش ہم کو دم سوز و گداز آتے ہیں

ساتھ نواب کے حج کرکے پھرے ہم اے داغ
ہند میں دھوم ہے مہمان حجاز آتے ہیں

۲۰۰

کبھی فلک کو پڑا دل جلوں سے کام نہیں
اگر نہ آگ لگا دوں تو داغ نام نہیں

وفور یاس نے یہاں کلام ہے تمام کیا
زبان یار سے نکلی تھی ناتمام نہیں

وہ کاش وصل کے انکار پر ہی قائم ہوں
مگر انہیں تو کسی بات پر قیام نہیں

الٰہی تو نے حسینوں کو کیوں کیا پیدا
کچھ ان کی ذات سے دنیا کا انتظام نہیں

سنائی جاتی ہیں درپردہ گالیاں مجھ کو
جو میں کہوں تو کہیں آپ سے کلام نہیں

وہ آئیں گے شب وعدہ یقیں نہیں اے دل
چراغ گھی کے جلاؤں یہ ایسی شام نہیں

سوائے جور و جفا ماورائے بغض و دغا — بتوں کے واسطے دنیا میں کوئی کام نہیں
پیوں پلاؤں تجھے دور ہی سے ترساؤں — یہ روز عید ہے زاہد مہ صیام نہیں
دباؤ کیا ہے سنے وہ جو آپ کی باتیں
رئیس زادہ ہے داغ آپ کا غلام نہیں

۲۰۱

مزا جو چاہیے ان کے ستم میں خاک نہیں — جب آئے خاک اوڑانے کو ہم نیں خاک نہیں
مرے غبار کی اٹکھیلیاں تماشا ہیں — ابھی فلک ہے ابھی ایک دم میں خاک نہیں
چلا ہے کعبے کو تو خاک چھاننے زاہد — فقط خدا ہی خدا ہے حرم میں خاک نہیں
ہمیشہ کافر و مومن پہ ظلم ہوتے ہیں — سوائے سنگدلی اس صنم میں خاک نہیں
بنا ہے فتنہ خرامی سی فتنہ ہر ذرہ — زمین پر ترے نقش قدم میں خاک نہیں
بتوں کے بدلے جو حوریں ملیں تو خاک ملیں — ہمارے واسطے باغ ارم میں خاک نہیں
ہمیں تھے وہ جو کبھی تھے خزانہ عرفاں — ہمیں ہیں اب کہ جو ڈھونڈھو تو ہم میں خاک نہیں
ملے تھے خاک میں اس واسطے کہ یار ملے — مگر ملا ہمیں ملک عدم میں خاک نہیں
گئے رقیب کے گھر داغ وہ شب وعدہ
اثر تری تپش و رنج و غم میں خاک، نہیں

۲۰۲

پھرا ہوا جو کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں — لگا کے تیر ہم اپنے جگر کو دیکھتے ہیں

نظر چرا کے وہ یوں ہر بشر کو دیکھتے ہیں
کسی کو یہ نہیں ثابت کدھر کو دیکھتے ہیں

بنے ہوئے ہیں وہ محفل میں صورت تصویر
ہر ایک کو یہ گماں ہے ادھر کو دیکھتے ہیں

فروغ ماہ کہاں یہ شب جدائی میں
چراغ لے کے فرشتے سحر کو دیکھتے ہیں

تمہارے پاس کہیں بھول کر نہ آیا ہو
ہمیں تلاش ہے ہم نامہ بر کو دیکھتے ہیں

ہمیں گماں یہ ہوتا ہے ہم کو روتا ہے
کسی جگہ جو کسی نوحہ گر کو دیکھتے ہیں

خیال بعد فنا بھی ہے دوست دشمن کا
ہم آنکھ بند کئے ہر بشر کو دیکھتے ہیں

الٰہی آج ہی پورا ہو وعدۂ دیدار
نہیں تو اور کسی جلوہ گر کو دیکھتے ہیں

بنی ہوئی ہے لفافے پہ خط کی آنکھ اپنی
قدم قدم روش نامہ بر کو دیکھتے ہیں

مقام رشک ہوا عرصہ قیامت بھی
تجھی کو دیکھتا ہے جس بشر کو دیکھتے ہیں

یہ رشک ہے تن لاغر سے ناتوانوں کے
وہ کھینچ کھینچ کے اپنی کمر کو دیکھتے ہیں

بتوں کے واسطے دنیا نہیں ہے جنت ہے
بہشت دیکھتے ہیں جس کے گھر کو دیکھتے ہیں

حیا تو دیکھئے آئینے سے بھی پردہ ہے
وہ اپنے ہاتھ سے پہلے سحر کو دیکھتے ہیں

خدا کرے سر محشر وہ بت ہو بے پردہ
کہ ہم بھی دیکھتے ہیں سب کدھر کو دیکھتے ہیں

نکل نہ آئے کہیں داغ آرزو ڈر ہے
وہ چیر کر مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

کسی سے کچھ نہیں مطلب کہ دیکھنے والے
تمہاری آنکھ تمہاری نظر کو دیکھتے ہیں

سکندر آئینہ اے داغ جام جم دیکھے
ہم اپنے خسرو والا گہر کو دیکھتے ہیں

۲۰۳

شراب ناب ہے ہر رنگ کے اپنے پیالے میں
وہ طرہ کونسا گل میں ہے کیا ہی شاخ لالی میں

فغاں میں آہ میں فریاد میں شیوہ میں نالے میں
سناؤں دردِ دل طاقت اگر ہو سننے والے میں

نہ کیوں ہوں لاکھ مستانہ ادائیں میرے نالے میں
گدائے میکدہ ہوں ہر طرح کی ہے پیالے میں

بغل میں دل نہیں معشوق ہے اور وہ بھی ہے تم سا
بھرے ہیں قہر کے انداز اس نازوں کے پالے میں

خبر سن کر مرے مرنے کی وہ بولے رقیبوں سے
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

قیامت کی خلش آفت کی کلوش قہر کی سوزش
مرے دل میں تیری حسرت ہے یا کانٹا ہے چھالے میں

گھلا جاتا ہے زاہد آرزو میں حوضِ کوثر کے
کوئی تصویر اس کی کھینچ دے میرے پیالے میں

تمہارا اٹھ کے آنا اور مریضِ غم کا مر جانا
مری جان فرق ہوتا ہے سنبھلنے میں، سنبھالے میں

لباسِ سرخ سے ہوتا ہے کب خونیں کفن کوئی
نچوڑو تو لہو کی بوند تک نکلے نہ لالے میں

عجب کیا ہے شبِ غم عکس سے اپنے جھجک جائے
جو دیکھے منہ پہ اپنا آئینہ لے کر اجالے میں

یہ کیسا رنج ہے یارب ٹپکتی ہے خوشی جس سے
کہ نغمے کی ہے کیفیت مرے دشمن کے نالے میں

نگاہ شوخ ہے حلقے میں چشم شرم آگیں کے
تماشا ہے کہ بجلی کوندتی ہے آج ہالے میں
ملے مجھ سے تو فرمایا تمہیں کو داغ کہتے ہیں
تمہیں ہو ماہ کامل میں تمہیں رہتے ہو لالے میں

۲۰۴

رہے گا کوئی تو تیغ ستم کی یادگاروں میں
مرے لاشے کے ٹکڑے دفن کرنا سو مزاروں میں
کسی کی نرگس مخمور کچھ کہہ دے اشاروں میں
مزا ہے رات دن چلتے رہے پرہیزگاروں میں
وہ غنچہ ہوں شگفتہ دل رہا عالم کی خاروں میں
وہ کانٹا ہوں نہ کھٹکا میں کسی کو گل عذاروں میں
جنوں میں دیکھئے میدان کس کے ہاتھ رہتا ہے
پڑے ہے آبلوں میں پھوٹ اور ایکا ہے خاروں میں
بڑی تمکین میں کچھ شوخی تو کچھ شوخی میں بے تابی
ہوئے تم اور سے کچھ اور آکر بیقراروں میں
وہ شرمائی ہوئی آنکھیں وہ گھبرائی ہوئی باتیں
نکل کر گھر سے وہ گھرنا ترا امیدواروں میں
عیادت کے لئے وہ بے خبر آیا کہ موت آئی
اشارے ہو گئے کیسے میرے تیمارداروں

اجل کا نام لیں تقدیر کو روئیں مجھے کوسیں
مرے قاتل کا چرچا کیوں ہے میرے سوگواروں میں

دل اپنا کس کا شیدا ہے تمہارا والہ و شیدا
یہ کس کے جان نثاروں میں تمہارے جاں نثاروں میں

پلک اٹھتی نہیں میری طرف کیا تھک گئیں آنکھیں
ابھی تو ہو رہی تھیں غیر سے باتیں اشاروں میں

کوئی جنت کا خواہاں ہے کوئی کوثر کا طالب ہے
اڑا کرتی ہے بے پر کی ہمیشہ بادہ خواروں میں

اسی گلشن کی کھائی ہے ہوا تا زندگی میں نے
جو مر جاؤں تو میرے پھول کرنا گلعذاروں میں

ہوا ہے غیر کے طالع میں کیا ثابت یہ سیارہ
نشان مشتری ملتا نہیں میرے ستاروں میں

جو ہم اجڑے ہوؤں پر مہرباں ہو چرخ اے گلچیں
بجائے برگ پیدا ہوں نشیمن شاخساروں میں

پھرا جاتا ہے اس بت کی طرف رخ اہل ایماں کا
مسلماں اپنے قبلے سے نہ منہ پھیریں ہزاروں میں

خفا ہوتے ہو کیوں عہد وفا کے ذکر پر سچ ہے
نہ تم وعدہ خلافوں میں نہ ہم بے اعتباروں میں

غضب ہے اور بھی اس سادگی پر مر گئے لاکھوں
کہا تھا کس نے بن بیٹھیں وہ میرے سوگواروں میں

ملے کیا تیر ہر ہر زخم میں ہے چورائے قاتل
اجل کے ہوش گم ہوتے ہیں تیرے دل فگاروں میں
جلانا داغ کا اچھا نہیں یہ دم غنیمت ہے
کہ ایسا وفا اک آدھ نکلے گا ہزاروں میں

۲۰۵

کوئی جانے تو کیا جانے وہ یکتا ہے ہزاروں میں
ستم گاروں میں عیاروں میں دلداروں میں یاروں میں
کسی کا دل تو کیا شیشہ نہ ٹوٹا بادہ خواروں میں
یہ توبہ ٹوٹ کر کیوں جا ملی پرہیز گاروں میں
کہاں ہے دختِ رازی محتسب ہم بادہ خواروں میں
ترے ڈر سے وہ کافر جا چھپے پرہیز گاروں میں
ملے گا بعد میرے پھر نہ مجھ سا قدر دان اس کو
قیامت تک رہے گا بخت تیرہ سوگواروں میں
ہوئی گرم عنان جب ہوش و صبر و تاب و عقل و دین
دلِ بے تاب بھی داخل ہوا پانچوں سواروں میں
جوار مانوں میں دم میرا تو پیکانوں میں دل میرا
یہ خوش ہے اپنے یاروں میں وہ خوش ہے اپنے یاروں میں
فرشتوں سے سر روز جزا تکرار ہوتی ہے
لگا رکھا ہے ہم کو بھی کسیؔ نے جان نثاروں میں

کوئی غنچہ دہن ہنس کر ہمیں اب کیا ہنسائے گا
بہاریں ہم نے لوٹی ہیں بہت اگلی بہاروں میں
دکھا دیں گے صفت محشر میں ہم کتنے نکلتے ہیں
جو پوچھا اس نے کوئی ہے مرے امیدواروں میں
پڑیں جو تری گردن میں وہ ٹوٹیں ہاتھ اے ظالم
کہ بوے غیر آتی ہے مجھے پھولوں کے ہاروں میں
خوشی مرگ عدو کی لاکھ غم سے ہو گئی بدتر
مری آنکھوں نے دیکھا ہے کسی کو سوگواروں میں

تغافل مانع دیدار ہو گا میں نہ مانوں گا
نگہ تیری تڑپ کر جا ملے گی بیقراروں میں
مرا ہے دل نہ ہو میں ہی نہ ہوں اے مرگ مایوسی
خدا جانے یہ کس کی فاتحہ ہے آج یاروں میں
حقیقت برق کی کیا ہے مگر اس سے بھی ڈرتے ہیں
سنبھل کر بیٹھنا جب بیٹھنا تم بیقراروں میں
خدا کے سامنے قسمیں نہ کھانا دیکھنا ڈرنا
ہمیں تو آپ نے ٹھہرا دیا بے اعتباروں میں
انہیں لوگوں کے آنے سے تو مے خانے کی عظمت ہے
قدم لو شیخ کے تشریف لائے بادہ خواروں میں
تری برق تجلی گر ٹھہر جاتی تو کیا ہوتا
کہ ان بیتابیوں پر لوٹ ہے امیدواروں میں

وہ ہی افسردہ دل عالم بجا ہے یہ اگر کہئے
کہ مردے ہیں زمیں پر اور زندے ہیں مزاروں میں
وہ کترا کر چلے ہیں میکدے سے حضرت زاہد
بڑے مرشد ہیں ہاتھوں ہاتھ لانا ان کو یاروں میں
مرا اختر جلایا اے فلک تجھ پر گرے بجلی
شب فرقت یہ کیسی آگ روشن تھی ستاروں میں
پڑا رویا کرے وہ داغ بے کس اس طرح تنہا
کہ جس کی رات دن ہنس بول کر گذری ہو یاروں میں

۲۰۶

مکر جاتے ہو دل لے کر یہ دلداروں کی باتیں ہیں
تمہاری تو وہ باتیں ہیں جو عیاروں کی باتیں ہیں
سوال وصل پر تکرار کیا کیا لطف دیتی ہے
انہیں دل سے پسند اپنے خریداروں کی باتیں ہیں
خراباتی ہیں سب اللہ والے لوگ اے زاہد
جو باتیں مرشدوں کی ہیں وہ میخواروں کی باتیں ہیں
تجلی دیکھتے ہی حضرت موسیٰ کو غش کو آیا
نہ نکلی بات بھی منہ سے یہ ہشیاروں کی باتیں ہیں
دکھائیں لب ترے اعجاز یا جادو کریں آنکھیں
بظاہر فرق ہے پر ایک ان چاروں کی باتیں ہیں

نہ کر عشق و جنوں میں گفتگو اے ناصح ناداں
ترا منہ ہے کہ تو بولے یہ سرکاروں کی باتیں ہیں
فرشتوں کی الٰہی کیا سنوں میں قبر کے اندر
کہ میرے کان میں اب تک عزاداروں کی باتیں ہیں
دکھا دی کس نے چشم مست جو ایسے بھک اٹھے
کہ مجھ سے آج کچھ بہکی ہوئی یاروں کی باتیں ہیں
بتوں کی ایک چپ اے داغ لاکھوں کو ہراتی ہے
جسے سمجھے خاموش وہ عیاروں کی باتیں ہیں

۲۰۷

دیر سے کعبے کو ڈرتے ہوئے ہم جاتے ہیں
دیکھ لیتا ہے جو کوئی وہیں تھم جاتے ہیں

آپ نے گھر سے نکالا ہمیں ہم جاتے ہیں
پھر نہ آئیں گے کبھی کھا کے قسم جاتے ہیں

بے خطا سر مرے قاصد کا قلم ہوتا ہے
غیر کو تحفے میں بن بن کے قلم جاتے ہیں

دیکھتے ہی مجھے محفل میں رقیبوں سے کہا
فتنے اٹھتے ہیں جہاں ان کے قدم جاتے ہیں

یوں تو دم بھر نہیں آتا انہیں شوخی سے قرار
جب تصور میں وہ آتے ہیں تو کم جاتے ہیں

مر گیا میں تو کس افسوس سے ظالم نے کہا
ہاتھ آئے ہوئے انداز ستم جاتے ہیں

دل کا کیا حال کہوں صبح کو جب اس بت نے
لے کے انگڑائی کہا ناز سے ہم جاتے ہیں

خوف عصیاں ہے کہ مردوں نے کفن پہنا ہے
بھیس بدلے طرف ملک عدم جاتے ہیں

حضرت داغ یہ ہے کوچہ قاتل اٹھئے
جس جگہ بیٹھتے ہیں آپ تو جم جاتے ہیں

۲۰۸

تیری صورت سے کو دیکھتا ہوں میں | اس کی قدرت کو دیکھتا ہوں میں
جب ہوئی صبح آگئے ناصح | انہیں حضرت کو دیکھتا ہوں میں
وہ مصیبت سنی نہیں جاتی | جس مصیبت کو دیکھتا ہوں میں
دیکھنے آئے ہیں جو میری نبض | ان کی صورت کو دیکھتا ہوں میں
موت مجھ کو دکھائی دیتی ہے | جب طبیعت کو دیکھتا ہوں میں
شب فرقت اٹھا اٹھا کر سر | صبح عشرت کو دیکھتا ہوں میں
دور بیٹھا ہوا سر محفل | رنگ صحبت کو دیکھتا ہوں میں
ہر مصیبت ہے بے مزا شب غم | آفت آفت کو دیکھتا ہوں میں
نہ محبت کو جانتے ہو تم | نہ مروت کو دیکھتا ہوں میں
کوئی دشمن کو یوں نہ دیکھے گا | جیسے قسمت کو دیکھتا ہوں میں

حشر میں داغ کوئی دوست نہیں
ساری خلقت سے کو دیکھتا ہوں میں

۲۰۹

دنیا میں وضعدار حسیں اور بھی تو ہیں | معشوق اک تمہیں تو نہیں اور بھی تو ہیں
تیرے ہی در پہ حشر کا ہنگامہ ہے بپا | اس شہر میں مکاں و مکیں اور بھی تو ہیں
اے آہ اک فلک کو جلایا تو کیا کیا | ایسے ہزاروں برسرکیں اور بھی تو ہیں
نکلا نہ دل سے تیر ترا بیٹھ کر کبھی | ہونے کو ورنہ گوشہ نشیں اور بھی تو ہیں

کیا فرض ہے ملے تو یہ زاہد ہی کو ملے
خواہاں حور خلد و بریں اور بھی تو ہیں
مرنا شب فراق میں جینے سے خوب ہے
بہلے گا دل کہ زیر زمیں اور بھی تو ہیں
کرتا ہے یوں علاج کوئی درد عشق کا
تیرے علاوہ چارہ گزیں اور بھی تو ہیں
کیوں چھوڑتی ہے جان و جگر کو تری نگاہ
سینے میں دل جہان ہے وہیں اور بھی تو ہیں
تم نے مری خبری بھی پوچھی چلے گئے
غم خوار وقت باز پسیں اور بھی تو ہیں
تم خواب میں بھی آئے تو منہ کو چھپا لیا
دیکھو جہان میں پردہ نشین اور بھی تو ہیں

یہ رنج یہ الم ہو تو کیونکر ہو زندگی
عاشق جہان میں داغ حزیں اور بھی تو ہیں

۲۱۰

خاک میں مل جائے دل گر مدعا پیدا کروں
جب مٹا لوں ایک کو تو دوسرا پیدا کروں
کیا کہوں اللہ قدرت دی تو کیا پیدا کروں
پیشتر سب سے ترے دل میں وفا پیدا کروں
آفرینش سے مری کچھ اور تو مطلب نہ تھا
مدعا یہ تھا کہ پیدا کر کے ناپیدا کروں
میں تو خواہاں اجل ہوں چارہ گر گو یہ تلاش
ڈھونڈھ کر سارے زمانے میں دوا پیدا کروں
یہ بتا دیتے ہیں دشمن کو بھی اکثر راہ دوست
خضر مر جائیں تو کوئی رہنما پیدا کروں
جو زمانے سے نرالا ہو فلک سے ہو جدا
فکر ہے ان کو وہ انداز جفا پیدا کروں
روز اک دل میرے سینے میں خدا پیدا کرے
اور میں ارمان اس دل میں نیا پیدا کروں
غیر کو میرے جلانے کے لئے پیدا کیا
واں تو یہ تھا آدمی ہر کام کا پیدا کروں
ہائے کیوں آیا نہ صورت آفریں کو خیال
آئیں گے کس کام یہ بت ان کو کیا پیدا کروں
سب دکھانے کے ہیں قابل دل میں جتنے داغ ہیں
کونسا پوشیدہ رکھوں کونسا پیدا کروں

دل کو ہے اے داغ عمر جاوداں کی آرزو
میں کہاں سے چشمہ آب بقا پیدا کروں

۲۱۱

وہ سویا بھی تو یوں سویا بت عیار پہلو میں
کہ رکھ کر تکیہ شب کو کھینچ لی دیوار پہلو میں

حرارت عشق کی دل میں برہمن کے نہیں ورنہ
برنگ موے آتش دیدہ ہو زنار پہلو میں

چھپایا ہے ترے تیروں کو تیری ہی نگاہوں سے
ہزاروں بار سینے میں ہزاروں بار پہلو میں

اسے لائیں مجھے لے جائیں یا پیغام پہنچائیں
یہ کیا کرتے ہیں سب بیٹھے ہوئے غمخوار پہلو میں

جگر کی ناتوانی میں کہوں یا دل کی رنجوری
ادھر بیمار پہلو میں ادھر بیمار پہلو میں

کلیجا پیٹتا ہے دل مسلتا ہے کوئی میرا
کہاں سے آگئی ظالم تری رفتار پہلو میں

مرید اے شیخ صاحب آپ کو سر پر بٹھالیں گے
بٹھاتے ہیں بھلا ایسوں کو کب میخوار پہلو میں

یہ بجلی کی طرح تڑپے یہ بسمل کی طرح لوٹے
رہا تو کیا رہا گر دل رہا بیکار پہلو میں

یہ نقشہ ہو گیا ہے داغ اب تو ان کی محفل کا
کہ ہر دم آئینہ ہے سامنے اغیار پہلو میں

۲۱۲

کیوں ناامید ہوں وہ خدا ہے بشر نہیں
فردوس واعظو کوئی قارون کا گھر نہیں

وہ مست ناز ہو کہ کسی کی خبر نہیں
اپنے بھی حال پر تمہیں اب تو نظر نہیں

آتا ہے مجھ کو یاد سوال وصال پر
کہنا کسی کا ہائے وہ منہ پھیر کر نہیں

کیونکر یقین ہو کہ کیا وعدہ غیر سے
ہم نے سنی ہے منہ سے ترے عمر بھر نہیں

دو ہوتے میرے دشمن جان ایک ہی جگہ
اچھا ہوا کسی کا ترے دل میں گھر نہیں

میں صبر دے بھی لوں گا دل بیقرار کو
ٹھہری جو ایک پل وہ تمہاری نظر نہیں

ثابت جو بغض و کین ہو تو آجائے مجھ کو صبر
پھر کیا ہے دل میں آپ کے یہ بھی اگر نہیں

وحشت میں شغل چاک گریباں کا ہو گیا
اب ہاتھ بھی مرا دل بیتاب پر نہیں

رہتا ہے کوئی جوش جنوں بے اثر کئے
وحشت کی جو نہ لے وہ مرا چارہ گر نہیں

بیشک مجھے ہے عشق ترا پر خدا گواہ
جتنا ترے گمان میں ہے اس قدر نہیں

اے داغ کب چھپائے سے چھپتا ہے آفتاب
شہرہ کہاں نہیں ہے تمہارا کدھر نہیں

۲۱۳

رخنہ گر یہ بت ہوں یوں اسلام میں
دخل ہے کس کو خدا کے کام میں

جنگ ہے ایک ایک مٹے آشام میں
بچ رہی تھی کس کی جھوٹی جام میں

گالیاں دے کر پھڑک جاتے ہیں آپ
کیا مزا ہے تلخی دشنام میں

جب وہ سنتے ہیں بنا لیتے ہیں منہ
مل گیا کیا زہر میرے نام میں

ناز ہم سے اور دشمن سے نیاز
طاق ہے وہ فتنہ گر ہر کام میں

جب شب غم کی دعا آئی ندا
صبح محشر ہے ابھی آرام میں

دل سے وابستہ ہیں لاکھوں حسرتیں
زلف سے بڑھ کر پھنسے اس دام میں

شور یارب سے وہ کافر ڈر گیا
ہے اثر بیشک خدا کے نام میں

کوئے جاناں کی زمین ہے فتنہ خیز
آسمان ہے مفت کے الزام میں

چشم دلبر نے دکھایا یہ طلسم دل نہیں دیکھا کسی بادام میں
داغ زاہد سے کہو کھنچتی ہے مے
ہو شریک اس کار نیک انجام میں

۲۱۴

فلک دیتا ہے جن کو عیش ان کو غم بھی ہوتے ہیں
جہاں بجتے ہیں نقارے وہیں ماتم بھی ہوتے ہیں
گلے شکوے کہاں تک ہوں گے آدھی رات تو گذری
پریشان تم بھی ہوتے ہو پریشان ہم بھی ہوتے ہیں
جو رکھے چارہ گر کافور دونی آگ لگ جائے
کہیں یہ زخم دل شرمندہ مرہم بھی ہوتے ہیں
وہ آنکھیں سامری فن ہیں وہ لب عیسیٰ نفس دیکھو
مجھی پر سحر ہوتے ہیں مجھی پر دم بھی ہوتے ہیں
زمانہ ،دوستی پر ان حسینوں کی نہ اترائے
یہ عالم دوست، اکثر دشمن عالم بھی ہوتے ہیں
بظاہر رہنما ہیں اور دل میں بدگمانی ہے
ترے کوچے میں جو جاتا ہے آگے ہم ہی ہوتے ہیں
ہمارے آنسوؤں کی آبداری اور ہی کچھ ہے
کہ یوں ہونے کو روشن گوہر شبنم بھی ہوتے ہیں
خدا کے گھر میں کیا ہے کام زاہد بادہ خواروں کا
جنہیں ملتی نہیں وہ تشنہ زمزم بھی ہوتے ہیں

ہمارے ساتھ ہی پیدا ہوا ہے عشق اے ناصح
جدائی کس طرح سے ہو جدا توام بھی ہوتے ہیں

نہیں گھٹتی شب فرقت ہے اکثر ہم نے دیکھا ہے
جو بڑھ جاتے ہیں حد سے وہ ہی گھٹ کر کم بھی ہوتے ہیں

بچاؤں پیرہن کیا چارہ گر میں دست وحشت سے
کہیں ایسے گریباں، دامن مریم بھی ہوتے ہیں

طبیعت کی کجی ہرگز مٹائے سے نہیں مٹتی
کبھی سیدھے تمہارے گیسو پر خم بھی ہوتے ہیں

جو کہتا ہوں کہ مرتا ہوں تو فرماتے ہیں مر جاؤ
جو غش آتا ہے تو مجھ پر ہزاروں دم بھی ہوتے ہیں

کسی کا وعدۂ دیدار تو اے داغ برحق ہے
مگر یہ دیکھئے دل شاد اس دن ہم بھی ہوتے ہیں

۲۱۵

روح کو چین، ہجوم غم دلبر میں نہیں
صاحب خانہ کو آرام بھرے گھر میں نہیں

مجھ کو امید ہے مشکل مری آسان ہو گی
جو رکاوٹ ترے دل میں ہے وہ خنجر میں نہیں

اے غم عشق نجانا مرے دل سے باہر
ایسے مہمان کی توقیر کسی گھر میں نہیں

کس سے وعدہ ہے جو گھبرائے ہوئے پھرتے ہو
یہ وہ گردش ہے جو میرے بھی مقدر میں نہیں

مجھ پہ بیداد کرو تو بھی غنیمت جانوں
تم سے امید کسی طرح کی محشر میں بھی نہیں

آپ کے لطف و عنایت کا بھروسا کیا ہو
کہ گھڑی بھر میں اگر ہے تو گھڑی بھر میں نہیں

دل کے ٹکڑوں کا مزا حلق کے برش میں کہاں — نگہ ناز کی تیزی دم خنجر میں نہیں
لکھ لئے جاتے ہیں جو شیفتہ کہلاتے ہیں — کونسا نام ہے جو آپ کے دفتر میں نہیں
تیسرا ایک جہان اور بنا دے یارب — ہے لب عہد شکن پر ابھی محشر میں نہیں
سخت جانوں سے ہے جو منہ پھیر لیا اے قاتل — عرق شرم تو آب دم خنجر میں نہیں
ہمہ تن درد ہو عاشق تو مزا ہے یہ کیا — سر میں ہے دل میں نہیں دل میں جو ہے سر میں نہیں
میں کیا جانے کیوں سجدہ کیا اس بت کو — جانتا ہوں کہ خدا اور ہے پتھر میں نہیں

غیر کے عیش سے جلتا ہے عبث تو اے داغ
اس کی تقدیر میں ہے تیرے مقدر میں نہیں

۲۱۶

جب سر راہگذر پھرتے ہیں — وہ بہت ہوشیار پھرتے ہیں
کس کی آمد ہے میرے بالیں پر — مضطرب غمگسار پھرتے ہیں
عشق خانہ خراب کے ہاتھوں — دربدر شہر بار پھرتے ہیں
میکدے میں عجب تماشا ہے — چار بیٹھے ہیں چار پھرتے ہیں
حشر میں اینڈتے ہوئے یارب — کس کے تقصیر وار پھرتے ہیں
بات پر اپنی جان دے دیں گے — قول سے جان نثار پھرتے ہیں
دن مرے ہائے دیکھیے کس دن — اے شب انتظار پھرتے ہیں
صدقے ہوتے ہیں شمعرو اس پر — گرد پروانہ وار پھرتے ہیں
وہی کوچہ ہے اس کا اے قاصد — کہ جہاں بیقرار پھرتے ہیں
ہائے ان کا خرام مستانہ — پی کے جب بادہ خوار پھرتے ہیں

داغ کا ذکر سن کے وہ بولے
ایسے ایسے ہزار پھرتے ہیں

۲۱۷

کر نہ لے اپنا ٹھکانا دشمن — دوست نادان ہے دانا دشمن
دیکھے گر اس کی پلک یااللہ — تو ہو تیروں کا نشانہ دشمن
دیدۂ تر نہ بہانا آنسو — ڈھونڈھتی ہیں یہ بہانا دشمن
دوست کو دوست نہ سمجھا تم نے — اور دشمن کو نہ جانا دشمن
دوستی کی نہ رہی پھر امید — کاش ہو جائے زمانہ دشمن
دشمن جاں ہیں بہت پرائے عشق — تجھے جانا تجھے مانا دشمن

تم سمجھتے ہو اے یار قدیم
دل ہے اے داغ پرانا دشمن

۲۱۸

مزے عشق کے کچھ وہی جانتے ہیں — کہ جو موت کو زندگی جانتے ہیں
شب وصل لیں ان کی اتنی بلائیں — کہ ہمدم مرے ہاتھ ہی جانتے ہیں
نہ ہو دل تو کیا لطف آزار و راحت — برابر خوشی ناخوشی جانتے ہیں
جو ہے میرے دل میں انھیں کو خبر ہے — جو میں جانتا ہوں وہی جانتے ہیں
پڑا ہوں سر بزم ملہم دم حرائے — مگر وہ اسے بے خودی جانتے ہیں

کہاں قدر ہم جنس ہم جنس کو ہے فرشتوں کو بھی آدمی جانتے ہیں
کہوں حال دل تو کہیں اس سے حاصل سبھی کو خبر ہے سبھی جانتے ہیں
وہ نادان انجان بھولے ہیں ایسے کہ شب شیوۂ دشمنی جانتے ہیں
نہیں جانتے اس کا انجام کیا ہے وہ مرنا میرا دل لگی جانتے ہیں
سمجھتا ہے تو داغ کو رند زاہد
مگر رند اس کو ولی جانتے ہیں

۲۱۹

چاک ہو پردۂ وحشت مجھے منظور نہیں ورنہ یہ ہاتھ گریباں سے کچھ دور نہیں
وصل سے یاس ہو ایسا دل مہجور نہیں بت اگر دور ہے مجھ سے تو خدا دور نہیں
چھین لیں دل کو اگر وہ تو یہ مجبوری ہے میں کسے جاؤں گا محتاج ہوں مقدور نہیں
سجدے کرنے سے مثا خط جبیں اے زاہد ہم کہے دیتے ہیں قسمت میں ترے حور نہیں
دل کو ہوتی ہے خبر آپ کہیں یا نہ کہیں ہم کو معلوم ہے وہ بات جو مشہور نہیں
محتسب مانع علت ہے گما،، ے سے سونگھنے کو بھی میسر مجھے انگور نہیں
لب تک آئی تھی شکایت کہ محبت نے کہا دیکھ پچھتائے گا خاموش یہ دستور نہیں
رات دن نامہ و پیغام کہاں تک ہوں۔ صاف کہہ دیجئے ملنا ہمیں منظور نہیں
تم نے دی کو ہکن و قیس سے مجھ کو نسبت کوئی دیوانہ نہیں میں کوئی مزدور نہیں
کیا کرے داغ کوئی اس کی محبت کا علاج
وہ کلیجا ہے نہیں جس میں یہ ناسور نہیں

۲۲۰

گلے ملا ہے وہ مست شباب برسوں میں
ہوا ہے دل کو سرور شراب برسوں میں

خدا کرے کہ مزا انتظار کا نہ مٹے
مرے سوال کا وہ دیں جواب برسوں میں

بچیں گے حضرت زاہد کہیں بغیر پئے
ہمارے ہاتھ لگے ہیں جناب برسوں میں

حیا و شرم تمہاری گواہ ہے اس کی
ہوا ہے آج کوئی کامیاب برسوں میں

یہ ضعف دل ہی کی خوبی ہے بلکہ ہے احسان
کبھی ہوا تو ہوا اضطراب برسوں میں

شب وصال اسے کیوں نہ شرم آجائے
جب آئینے سے بھی ٹوٹے حجاب برسوں میں

ہمارے بعد کچھ ایسا ہوا مزاج ان کا
کہ لطف روز ہے پر عتاب برسوں میں

نگاہ مست سے اس کے ہوا یہ حال مرا
کہ جیسے پی ہو کسی نے شراب برسوں میں

کہاں ہوا ہے رخ یار قابل بوسہ
یہ دن دکھائے گا یہ آفتاب برسوں میں

نہ کیوں ہو ناز مجھے اپنے دل پر اے ظالم
کیا ہے تو نے جسے انتخاب برسوں میں

وہ بولے داغ کی صورت کو ہم ترستے تھے
ملا ہے آج یہ خانہ خراب برسوں میں

۲۲۱

یہ فتنہ آتش الفت کا پہنچے گا نہ محشر میں
لگی ہے آپ کے گھر سے بجھے گی آپ کے گھر میں

خمار آلودہ آنکھیں بل جبیں پر درد ہے سر میں
رہے تم رات بھر بے چین کس کمبخت کے گھر میں

ہوا جب چاک دامن پارسا لکھے گئے یوسفؑ
پھٹے میں پاؤں یہ ضرب المثل ہے نام دفتر میں
مزا جاتا رہا چوری چھپے بھی دیکھ لینے کا
لگا دی غیر کی تصویر اس نے روزن در میں
تری تو مے کشی بھی جھوٹ سے خالی نہیں ظالم
مجھے ملتی ہے وہ جو بچ کے رہ جاتی ہے ساغر میں
بدل جائے گی قسمت حشر کو اہل مصیبت کی
نہیں ہے جب بھی تو ہو جائے گا میرے مقدر میں
مذمت کر رہا ہے بادۂ انگور کی واعظ
مزا جب ہے کہ ہو ایسی ہی تلخی آب کوثر میں
اثر ہوتا ہے ایسا جذب کامل اس کو کہتے ہیں
بجائے آب خون بے گناہ ہے تیرے خنجر میں
تڑپ کر لوٹ کر رویا ہوں میں جس دم شب فرقت
تو عالم موج دریا کا رہا ہے چین بستر میں
نکال اہل حسد کی بے گناہی ورنہ واعظ
رقیبوں سے گلے ملنا پڑے گا مجھ کو حشر میں
چلو کعبے ملے گی تصویر وصل صنم تم کو
کمی کس چیز کی اے داغ ہے اللہ کے گھر میں

☆

☆

۲۲۲

کوئی اب تجھ سے آرزو ہی نہیں　　اب جو دیکھا تجھے وہ تو ہی نہیں
ناصحوں سے کلام کون کرے　　اپنی ایسوں سے گفتگو ہی نہیں
اس قدر ناز ہے تمہیں گویا　　کوئی دنیا میں خوبرو ہی نہیں
جو ترے لطف سے نکل جائے　　وہ مرے دل کی آرزو ہی نہیں
ہے وہ صورت پرست بھی دیکھو　　فقط آئینہ عیب جو ہی نہیں
روکش اس کا ہو کیا گل فردوس　　وہ نزاکت وہ رنگ و بو ہی نہیں
سادہ لوحی تو عشق میں دیکھو　　جانتا ہوں کوئی عدو ہی نہیں
تیغ تیری عبث ہے تشنہ خون　　اس تن زار میں لہو ہی نہیں

عشق میں وضع کیا رہے اے داغ
کہ تجھے پاس آبرو ہی نہیں

ردیف واو

۲۲۳

ضعف سے بیمار الفت کیا سنبھالے ہاتھ پاؤں
اس تپ اعضا شکن نے توڑ ڈالے ہاتھ پاؤں

تجھ سے کیا نسبت کہ تھے لیلی کے کالے ہاتھ پاؤں
حق نے تیرے نور کے سانچ میں ڈھالے ہاتھ پاؤں

ہاتھ پکڑے مجھ کو کھینچے پھر سو دشت بلا
اے جنوں اب کر دیئے تیرے حوالے ہاتھ پاؤں

صدقے ایسی قید کے قربان اس زنجیر کے
وہ کہے یہ مجھ سے تب جانیں چھٹا لے ہاتھ پاؤں

آپ اور مجھ کو نہ زانو دبا کر کیجیے ذبح
بیٹھے بھی ہیں صاحب دیکھے بھالے ہاتھ پاؤں

خواہ باندھیں خواہ جکڑیں ان کو زنجیروں میں وہ
ہم نے ان زلفوں کے ہاتھوں بیچ ڈالے ہاتھ پاؤں

درد سے ہو ہم اسیروں کی خبر کیونکر اسے
صورت زنجیر کب کرتے ہیں نالے ہاتھ پاؤں

دوڑنے دو اپنی رہ میں پیٹنے دو سر مجھے
ذبح سے پہلے ہی یہ مجرم تھکالے ہاتھ پاؤں

سیکڑوں کو قتل لاکھوں کو کیا ہے پائمال
یہ نکالے میری جان تم نے نرالے ہاتھ پاؤں

ہاتھ الجھے جیب سے پھر پاؤں لپٹے خار سے
ہم نے زنداں سے نکلتے ہی نکالے ہاتھ پاؤں

سر سناں نے سینہ خنجر نے لیا ناوک نے دل
ہیں یہ تیری نذر اے تیغ جفا لے ہاتھ پاؤں

ذبح کرتے ہیں یہی پائمال کرتے ہیں یہی
پھر بچائے رکھتے ہیں یہ حسن والے ہاتھ پاؤں

کر دیا ہے چور ہم کو نشہ الفت نے داغ
اب بھلا کوئی سنبھلتے ہیں سنبھالے ہاتھ پاؤں

۲۲۴

سچ ہے تیری ہی آرزو مجھ کو ۔ کہیں جینے دے یونہی تو مجھ کو
بندۂ تو خرید ہوں میں ۔ رکھیے آنکھوں کے روبرو مجھ کو
کل تک اس کی تلاش تھی لیکن ۔ آج ہے اپنی جستجو مجھ کو
پہلے وہ تھا کہ تم نہ تھے آگاہ ۔ اب وہ ہوں سن لو کو بہ کو مجھ کو
حشر میں کیا کہوں گا جب وہ کہیں ۔ کیا نہیں جانتا ہے تو مجھ کو
واں شکایت پہ وہ حکایت ہے ۔ کہ نہیں جائے گفتگو مجھ کو
اے حیات دو روزہ لے آئی ۔ کن گرفتاریوں میں تو مجھ کو
نکہت گل ہے ناگوار دماغ ۔ کیا سمائی ہوئی ہے بو مجھ کو
داغ یکسو ہو خوش نہیں آتے
ناامیدی نہ آرزو مجھ کو

۲۲۵

دکھاتا گر تمہیں مدنظر ہے روے روشن کو ۔ لگایا کیوں ہے پردہ تم لگاؤ آگ چلمن کو
ہمیں صیاد گلشن میں بھی تھا شوق گرفتاری ۔ بنایا بارہا شکل قفس اپنے نشیمن کو
خدا چاہے اگر سنگین دلوں کو سرنگوں کرنا ۔ تو پھر کیا ہے عجب گر بت کرے سجدۂ برہمن کو
دم بسمل ہوئی کیوں دیر اتنی دم نکلنے میں ۔ قضا کیا مژدہ پہنچانے گئی ہے میرے دشمن کو
ملیں روز ازل ہم غم زدوں کو نعمتیں کیا کیا ۔ دل بیتاب ماتم کو لب فریاد شیوں کو

اسے کہتے ہیں وصل عاشق و معشوق اے قاتل — کہ مل کر تیرے خنجر نے نہ چھوڑا میری گردن کو

لباس عاشق دیوانہ بھی گویا ہے دیوانہ — گریباں آستیں کو آستیں لپٹی ہے دامن کو

ستم تیرے جو دیکھے جل گئے معشوق سے عاشق — بجھاتے ہیں پر پروانہ میری شمع مدفن کو

اجل کے ہاتھ سے اے داغ بچنے کا نہیں کوئی

نہ چھوڑا دوست کو اس نے نہ چھوڑے گی دشمن کو

۲۲۶

پوشیدہ جب ہو راز کہ منہ میں زباں نہ ہو — ہم بات بھی کریں تو بغیر از فغاں نہ ہو

لے جائیں آہ مجھ کو مری بدگمانیاں — ظالم وہاں کہ تیرا پتا بھی جہاں نہ ہو

رکھنا ہماری خاک سے کچھ راہ اے صبا — مرقد میں بند سوز جگر کا دھواں نہ ہو

مارا نگاہ ناز سے پہلے جگر پہ تیر — پھر اس پہ حکم یہ ہے کہ لب پر فغاں نہ ہو

زاہد عذاب عشق صنم لطف حق سمجھ — یعنی عذاب ہم کو یہاں ہو وہاں نہ ہو

کچھ چاہئے بشر کے لئے غم کی چھیڑ چھاڑ — ہم بھی نہ ہوں اگر ستم آسماں نہ ہو

اٹھوں گا خاک ہو کے تری رہگذر سے میں — تابعد مرگ میرا جنازہ گراں نہ ہو

نیرنگی چمن جو مجھے یاد آگئی — گل پر ہوا گماں کہ برگ خزاں نہ ہو

تم کو مزا نہ دے گی کبھی داستاں عشق — جب تک ہمارے منہ سے یہ قصہ بیاں نہ ہو

کہتے ہیں لوگ زیر زمیں جس کو آسماں — وہ کشتگان آتش غم کا دھواں نہ ہو

باز آئے ایسے لطف سے جو ہو تم شریک — ظالم خدا کے واسطے تو مہرباں نہ ہو

رکھتے ہیں کیا چھپا کے غم یار دل میں ہم — ڈر ہے کہ یہ نصیب دل دشمناں نہ ہو

اس بے خودی میں میں نے گذاری شب فراق — زندہ ہوں پر گماں ہے کہ تجھ کو گماں نہ ہو

ناقے کو قیس کیا نہ لگا لائے راہ پر   لیلیٰ کا راز دار اگر ساربان نہ ہو
تہمت کسی کو ظلم کی اے داغ کیوں لگائیں
شکوہ بتوں سے کیا جو خدا مہربان نہ ہو

۲۲۷

یہ سن سن کے مرنا پڑا ہر کسی کو   نہیں مرتے دیکھا کسی پر کسی کو
خدا دے تو دے اپنا غم ہر کسی کو   کرے پر نہ مائل کسی پر کسی کو
نہ جاؤں گا تنہا بہشت بریں میں   کہ لے جاؤں گا دل کے اندر کسی کو
یہ بجلی نہیں جس کی اک سیر کر لی   تڑپ جاؤ دیکھو جو مضطر کسی کو
نہ کرنا صبا ایسی دیوانی باتیں   یہ کیا کھینچ مارا جو پتھر کسی کو
زہے منصفی قتل تو نے کیا ہے   وفا پر کسی کو دغا پر کسی کو

مجھے دیکھ لو ہوکے چیں بر جبیں تم   نہ دیکھا ہو گر زیر خنجر کسی کو
محبت میں جس جا گئے لٹ گئے ہم   لیا دل کسی نے دیا سر کسی کو
رہے تشنہ دید مشتاق ان کے   ملا بھی تو زہر آب خنجر کسی کو
بہت چھیڑ کر ہم کو پچھتائے گا   ستاتے نہیں بندہ پرور کسی کو
یہ کہتی ہے اے داغ چتون تمہاری
کہ تم چاہتے ہو مقرر کسی کو

۲۲۸

وقت آخر پوچھتے ہو کیا ہماری آرزو
اشک باری ہے تمنا بیقراری آرزو

خاک کرتا ہے تغافل گرچہ ساری آرزو
اس پہ تجھ سے آرزو بل بے ہماری آرزو

ایک سے ہے ایک الفت میں گر انبار الم
دل ہے مجھ پر بار تو ہے دل پہ بھاری آرزو

چشم تر گریہ سے کب نکلے مرے دل کی مراد
ساتھ اشکوں کے نہیں ہونے کے جاری آرزو

کہدو یہ اہل ہوس سے لے رکھیں کام آئے گی
کوڑیوں کے مول بکتی ہے ہماری آرزو

گر لگا رکھنے کا مشتاقوں کے آجائے مزا
تم کو ہو جائے مری امیدواری آرزو

نبھ گئی اک وضع سے اب تک تو آگے دیکھئے
چھوڑتی ہے یا نہیں یہ وضعداری آرزو

کون تھا مجھ سا تمنائی کہ برسوں میرے بعد
قبر پر آ آکے چلائی پکاری آرزو

لطف حسن و عشق تو جب ہے کہ دل سے دل ملے
کچھ ہماری آرزو ہو کچھ تمہاری آرزو

رفتہ رفتہ تیر سینے سے مرے قاتل نکال
لطف کیا نکلے اگر اک بار ساری آرزو

پھر مرے داغ کہن اے داغ تازہ ہو گئے
دل میں آئی صورت باد بہاری آرزو

۲۲۹

کیا چاک کیا تونے مری جان مرے دل کو
میرا ہی بنایا ہے گریبان مرے دل کو

اک کھیل ہوئی الفت جاناں مرے دل کو
دشوار جو مجھ کو ہے وہ آسان مرے دل کو

تجھ کو ہے قسم ورد محبت مرے دل کی
تو چین نہ دینا کسی عنوان مرے دل کو

پھر حسرت و ارماں و تمنا بھی نہ ہوں گے
اے یاس نہ کر بے سرو سامان مرے دل کو

یا اس بت گمراہ کو لا راہ وفا پر | یا پھیر دے اے گردش دوران مرے دل کو
اچھی کسی اچھا نہیں کچھ دل کا لگانا | یہ لگ گئی اے ناصح نادان مرے دل کو
تاثیر دکھا جائے محبت تو عجب کیا | سینے سے لگا آج مری جان مرے دل کو
کچھ دور نہیں بتکدۂ و کعبہ سمجھ لیں | کافر تری آنکھوں کو مسلمان مرے دل کو

ہے لطف تو یہ تجھ کو ہو محشر میں بھی انکار
اور داغ کہے تونے لیا ہاں مرے دل کو

۲۳۰

جوہر دکھاؤ صاحب جوہر کے روبرو | ہے قدر آئینے کی سکندر کے روبرو
دل لے چلا ہے باندھ کے دلبر کے روبرو | جاتا ہے اسیر ستمگر کے روبرو
کہتا ہے سرو شاخ ثمرور کو دیکھ کر | مفلس ہے بیوقار تونگر کے روبرو
رو کرتہی شکم کو بھریں کیوں نہ اہل حرص | شیشے کو ہچکی لگتی ہے ساغر کے روبرو
ڈر ہے کہے نہ یار سے چرخ ستم شریک | رویا ہوں شب کو دیدۂ اختر کے روبرو
اس بت میں اک خدائی کا جلوہ ہے ورنہ شیخ | سجدے کئے بے فائدہ پتھر کے روبرو
آنسو بہا رہا ہوں خط یار پڑھ کے میں | یوں دانہ ڈالتا ہوں کبوتر کے روبرو
حاصل ہوئی بھی عقل فلاطون اگر تو کیا | چلتی نہیں کسی کے مقدر کے روبرو

اے داغ ہو گا ہم سے کسی کا جواب کیا
مقدار چشمہ کیا ہے سمندر کے روبرو

۲۳۱

طریق عشق میں اے دل ہیں پیچ و خم سو سو
غلط پڑے ہیں یہاں خضر کے قدم سو سو

برس پڑے وہ مجھے دیکھ کر خدا کی پناہ
ہزار ناز ہر اک ناز میں ستم سو سو

دل شکستہ کا مضمون لکھا نہیں جاتا
کہ ایک نکتہ پہ ٹوٹا کیے قلم سو سو

ہزار جلوے سے معمور ہے یہ کافر دل
اس ایک سنگ سے پیدا ہوئے صنم سو سو

خطر بھی پھینک نہ دے مرغ نامہ بر مکتوب
کہ نامے باندھتے ہیں ایک پر میں ہم سو سو

کھلیں نہ ہم سے کبھی پیچ ان کی باتوں کی
جو ایک بات کے پہلو بٹھائیں ہم سو سو

بنو گے حشر میں تم داد خواہ کس کس کے
یہی سوال وہ کرتے ہیں دم بدم سو سو

بہار خامہ سے آباد تھا جہاں آباد
ہر ایک کوچے میں تھے گلشن ارم سو سو

ابھی سے چرخ کی گردش کا داغ کیا شکوہ
ابھی تو لائے گا چکر پہ یہ ستم سو سو

۲۳۲

ہم تو مرتے ہیں ادا پر دلستاں ہو کوئی ہو
دوست دشمن مہرباں نامہرباں ہو کوئی ہو

اس نے لی ہے دست نازک میں بڑے دعوے سے تیغ
یا الٰہی نیم لبسمل نیم جاں ہو کوئی ہو

شاد ہوں کیا وعدۂ فردا سے اے خلوت گزیں
یہ تو ممکن ہی نہیں ہے تو جہاں ہو کوئی ہو

سر میں ہو گردن میں ہو پہلو میں ہو سینے میں ہو
تیغ ہو خنجر ہو پیکاں ہو سناں ہو کوئی ہو

غیر اچھا میں برا سچے ہو تم جھوٹے نہیں
آدمی کا آدمی راحت رساں ہو کوئی ہو

میرے قصہ میں برائی کیا ہے سن تو لیجئے
خواب راحت سے غرض ہے داستاں ہو کوئی ہو

سیدھے سیدھے ہم تو باتیں ان کو لکھ بھیجیں گے داغ
واں الٹ پیچوں کی گر تقریر الٹی ہو تو ہو

۲۳۴

اے فلک چاہئے جی بھر کے نظارا ہم کو
جا کے آنا نہیں دنیا میں دوبارا ہم کو

کبھی ایما نہ کنایا نہ اشارا ہم کو
کم نگاہی نے تری جان سے مارا ہم کو

ہم کسی زلف پریشان کی طرح اے تقدیر
خوب بگڑے تھی مگر خوب سنوارا ہم کو

جب کھنچے ان سے ہوئے اور زیادہ مضطر
مرض عشق کے پرہیز نے مارا ہم کو

شکر صد شکر کہ اب قبر میں ہم جا پہنچے
تو سن عمر نے منزل پر اتارا ہم کو

روز تکرار کرے کون خریداروں سے
دل کی اس گرمی بازار نے مارا ہم کو

چل تو اے دل رہ الفت میں کہیں راہ نما
مل رہے گا کوئی اللہ کا پیارا ہم کو

اب تو ہم تذکرۂ غیر پہ آفت ٹھہرے
پھر قیامت میں جو چھیڑو گے دوبارہ ہم کو

باتیں اس آئینہ رو کی بھی ہیں گویا کہ طلسم
آج تو خوب ہی شیشے میں اتارا ہم کو

آپ سے اب نہ بنے گا کوئی سودا اپنا
پھیر دیجئے دل بیتاب ہمارا ہم کو

ہم سیہ رو ہیں سوا مردمک چشم سے بھی
پر جو دیکھے تو کہے آنکھ کا تارا ہم کو

بدسلوکی میں مزا کیا ہے مزا ہے اس میں
کہ ہمارا ہو تمہیں پاس تمہارا ہم کو

بحر ہستی میں ہوئے کشتی طوفانی ہم
نہیں ملتا کہیں اے داغ کنارا ہم کو

آدمی کے واسطے چشم بصیرت چاہئے
دل سے ہو منظور نظروں سے نہاں ہو کوئی ہو

ہم نہیں اے آہ تو سارا زمانہ ہیچ ہے
پھونک دے سب کو زمیں ہو آسماں ہو کوئی ہو

اے فلک یہ کیا ابھی کچھ تھا ابھی کچھ ہو گیا
غم ہو یا شادی ہو لیکن جاوداں ہو کوئی ہو

آشنا عرف تمنا سے ہو تو کیجئے قلم
میں نہیں کہتا کہ میری ہی زباں ہو کوئی ہو

وہ نہ ہو تو یاس ہو یہ تو نہ ہو کوئی نہ ہو
خانہ دل میں الٰہی مہماں ہو کوئی ہو

غیر کو کیوں چھوڑتے ہو قتل گاہ عام میں
امتحاں کی جب کہ ٹھیری امتحاں ہو کوئی ہو

بزم دشمن میں ہے اذن عام یارب بھیج دے
حشر ہو طوفاں ہو مرگ ناگہاں ہو کوئی ہو

مدفن عشاق پر کافی ہے تیرا نقش پا
عاقبت ان بے نشانوں کا نشاں ہو کوئی ہو

بعد مجنوں داغ سے آباد ہے دشت جنوں
اس خرابی کے لئے بے خانماں ہو کوئی ہو

۲۳۳

نالہ کھینچیں گے اگر تاثیر الٹی ہو تو ہو
راست ہے تدبیر گو تقدیر الٹی ہو تو ہو

وہ بھی برہم میں بھی راضی قتل کا ساماں درست
اب رواں گردن پہ گر شمشیر الٹی ہو تو ہو

کر لیا وعدہ انہوں نے ہو گئی تدبیر وصل
اور اس پر بھی اگر تقدیر الٹی ہو تو ہو

کچھ خیال وصل سے اے دل نہیں ہوتا وصال
ہاں مگر اس خواب کی تعبیر الٹی ہو تو ہو

ہم گنہگاروں کا لکھا ہو سکے تبدیل کیا
نامہ اعمال کی تحریر الٹی ہو تو ہو

مر بھی جاؤں تو نہ ہو ان کو مرا مردہ عزیز
بلکہ میری لاش کی تشہیر الٹی ہو تو ہو

ہم نے جو نالہ کیا تدبیر اپنی ہی درست
عقل تیری آسماں پر الٹی ہو تو ہو

اس ستمگر سے دل نافہم امید کرم
بے گناہی پر تجھے تعزیر الٹی ہو تو ہو

۲۳۵

وہ طریق مہر و وفا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو
تمہیں روز یاد دلاؤں گا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

کیا پہلے خط میں بہت رقم کہا پھر زبان سے اپنا غم
مگر اس پہ بھی مرا ماجرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ہمیں کس کی شرم و لحاظ کیا یہ خدا کے واسطے کیا کہا
تمہیں آئینہ سے بھی تھی حیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ کسی کا شکوہ کوئی تجل وہ کسی کا داغ کسی کا دل
وہ کسی کا کوئی تھا آشنا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

مجھے ڈر ہے یہ نہ ہوں حجتیں کہ پڑی ہیں حشر کی مدتیں
دم باز پرس مری خطا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

چڑ ہے ذہن پر نہ زبان پر اب مرے چار حرف وصال جب
تو پھر آگے کہنے کا لطف کیا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

ابھی قول کرکے جو بھولے تم ہوئی اس سے تو مری عقل گم
کہ خدا کا نام بھی مہ لقا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

یہ کہاں کہ بیٹھو ہزار میں تمہیں شرم آتی تھی چار میں
یہ تو وہی دن کا تھا ماجرا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

وہ جو داغ سحر بیاں رہا کہ ثنا گر اس کا جہاں رہا
کوئی شعر اس کا برا بھلا تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

۲۳۷

کیا ڈبوئے گا ترے عشق کا قلزم مجھ کو
موج ساحل ہے سفینہ ہے تلاطم مجھ کو

اپنے رونے پہ کچھ آیا جو تبسم مجھ کو
یاد نے اس کی کہا بھول گئے تم مجھ کو

دیکھ اے وادیٔ ایمن مجھے وہ خاک ہونے میں
کہ فرشتوں نے لیا بھر تیمم مجھ کو

رشک نے جلوۂ دیدار سے رکھا محروم
کہ رہے مدنظر دیدۂ مردم مجھ کو

دیکھنا چھیڑ سر حشر مرے پاس آکر
کہتے ہیں کون ہوں میں جانتی ہو تم مجھ کو

ہنستے ہنستے کبھی روتا ہوں تصور میں ترے
روتے روتے کبھی آتا ہے تبسم مجھ کو

آتش تر سے یہ مے خانہ ہے آتش خانہ
یاں وضو چاہئے زاہد کہ تیمم مجھ کو

معجزہ حضرت عیسیٰ کا غلط بھی تو نہیں
درد اٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر قم مجھ کو

یا سنا دے مرے مطلب کی کوئی اے ناصح
یا یہ کہہ دے کہ نہیں تاب تکلم مجھ کو

ساقیا نشہ مئے کیا تری آنکھیں کم ہیں
کہ ملے جام مجھے شیشہ مجھے خم مجھ کو

جم گئی گرد رہ میکدہ مجھ پر واعظ
خاک سے پاک کرے بحر نہ قلزم مجھ کو

سہم جاتی ہے خوشی ڈرتی ہے فرحت مجھ سے
کبھی آتا ہے تو دزدیدہ تبسم مجھ کو

جب گئے کہہ کے گئے میری دعا سے تاثیر
گم کرے تجھ کو خدا تو نے کیا گم مجھ کو

میں نے اس حال پہ بھی دل کو بہت سمجھایا
ضعف سے گرچہ نہ تھی تاب تکلم مجھ کو

تم کہاں غیر کہاں جھوٹ غلط محض دروغ
خفقان ہے یہ جنوں ہے یہ توہم مجھ کو

ضعف نے نام کو تھوڑا سا نشان رکھا تھا
تو نے اے بے خودی شوق کیا گم مجھ کو

ضبط وہ شے ہے کہ اے حضرت موسیٰ دیکھو
آپ دیتے ہیں وہ تکلیف تکلم مجھ کو

لطف توبہ کا مزہ توبہ کا یہ ہے زاہد
ضد سے ساقی نے پلائے ہیں کئی خم مجھ کو

کیوں نہ حیران و پریشان ہوئے سننے والے
میں بھلا تم کو کہوں اور برا تم مجھ کو
میں بھی حیران ہوں اے داغ کہ یہ ہے کیا بات
وعدہ وہ کرتے ہیں آتا ہے تبسم مجھ کو

۲۳۶

عرصہ عشق میں اللہ کرے گم مجھ کو
اور پھر و ڈھونڈھتے گھبرائے ہوئے تم مجھ کو
دیکھے مستی میں جو سرگرم تکلم مجھ کو
کہے واعظ بھی کہ ﷲ کوئی خم مجھ کو
غیرت ماہ کہے خسرو انجم مجھ کو
نام کو داغ ہوں کیا جانتے ہو تم مجھ کو
ساقیا اس میں کھینچے کیا کسی مجذوب کی روح
کوئی کھینچے لئے جاتا ہے سو خم مجھ کو
جیسے آنکھوں میں سمائی ہیں وہ کافر نظریں
رات دن اپنی نظر سے ہے تو ہم مجھ کو

دل نے سرمایہ صد راحت و آرام و نشاط
کھو کے پایا تھا اسے پا کے کیا گم مجھ کو
اس تمنا سے مرے در پے آزار نہ ہو
کہ مجھے ہو یہ گمان چاہتے ہو تم مجھ کو
غم و شادی کے لئے شرط ہے الفت تیری
نالہ بلبل مجھے دے غنچہ تبسم مجھ کو
کیوں گناہ لیتے ہیں تھوڑی سے پلانے والے
کل ملے کوثر اسے آج جو دے خم مجھ کو
دیکھنا پیر مغاں حضرت زاہد تو نہیں
کوئی بیٹھا نظر آتا ہے پس خم مجھ کو
کیا کرے دیکھئے کوثر پہ مری تشنہ لبی
سوکھا جاتا ہے یہاں دیکھ کے قلزم مجھ کو
مسکرائے مری میت پہ وہ منہ پھیر کے داغ
حشر تک یاد رہے گا یہ تبسم مجھ کو

❀

۲۳۸

اللہ رے تلوّن ابھی کیا تھی ابھی کیا ہو
شوخی ہو تو شوخی ہو حیا ہو تو حیا ہو

محشر میں اسی بت کا طرفدار خدا ہو
جنت سے بدل جائے جہنم تو مزا ہو

بسمل کے تڑپنے کا تماشا تو ذرا ہو
تھم تھم کے چھرے پھیریئے رہ رہ کے جفا ہو

گھر اپنے گئے ہیں وہ مٹاتے ہوئے کس کو
یہ تو نہ ہو وہ غیر کا نقش کف پا ہو

برباد کروں گا اسی کوچے میں وفائیں
کیوں رکتی ہے آگے مرے اے باد صبا ہو

فریاد جگر نغمہ نے نالہ بلبل
دلکش ہو کسی طرح کی ہو کوئی صدا ہو

کیوں وصل کی حسرت مرے دل سے نہیں مٹتی
یہ کاش الٰہی اسی بدخو کی وفا ہو

نیرنگی خون شہداء دیکھ تو قاتل
پانی ہو بہائے سے لگائے سے حنا ہو

ہے عید کی اقرار پہ لی ہے رمضان میں
یہ قرض ادا ہو تو بڑا فرض ادا ہو

دعویٰ مجھے دل پر ہے زباں پر ہے تمہیں ناز
یہ شرط ٹھہر جائے کہ جھوٹے کو سزا ہو

تعریف نے کوثر کی مجھے خوب پلائی
کیا بات ہے واعظ تری عقبیٰ کا بھلا ہو

بے وجہ چھپایا نہیں قاصد نے خط ان کا
ایسا نہ ہو کمبخت کی مٹھی میں قضا ہو

کیا توبہ کروں عشق سے اے حضرت ناصح
ڈرتا ہوں کہ یہ بھی نہ شب غم کی دعا ہو

اس دل سے مجھے لاگ ہے بے مہر تو میں ہوں
تم شان وفا کان وفا جان وفا ہو

واعظ نہ کرے طعن مرے جرم و خطا پر
اس کا ہی اگر بخشنے والے کو مزا ہو

کیونکر نہ پھروں کعبے سے بت خانے کو زاہد
پھر جائے مرے ساتھ اگر قبلہ نما ہو

کیوں داغ کا نام آتے ہی نفرت ہوئی تم کو
اک شخص ہے وہ تم اسے سمجھے ہوئے کیا ہو

کچھ سوچ سمجھ کر دل مضطر پہ جفا ہو
ایسا نہ ہو اس میں کوئی تیری بھی ادا ہو

میں نی جو کہا سیر ہو کل روز جزا ہو
فرماتے ہیں واں بھی ہمیں سچے ہوں تو کیا ہو

کیوں صبح شب وصل خدا کو مجھے سونپا
دشمن ہی کو دے دو جو مرے حق کی دعا ہو

اس طرح سے قاصد نے تو رک رک کے کہا حال
جیسے کہ سبق پڑھ کے کوئی بھول گیا ہو

جاتا ہوں الٰہی نفس سرد سے اپنے
اس کو نہ جلائے تو جہنم کو سزا ہو

دل ہم نے بنایا ہے ہدف تیر لگانے
اب جس قدر انداز کی چٹکی میں قضا ہو

ڈر ہے نہ اگیں خار مژدہ قبر پہ میرے
یہ حسرت دیدار نہ انگشت نما ہو

قاصد یہ سمجھنا کہ یہی شہر ہے اس کا
مشہور جہان نام تغافل کا حیا ہو

رنجش مری بڑھ کر ہے تمہاری خفگی سے
میں جان سے بیزار ہوں تم مجھ سے خفا ہو

جی چاہتا ہے غیر کو دوں اپنا مقدر
کیا اس میں برائی ہے کسی کا جو بھلا ہو

میں اور کروں دعویٰ خون مجھ سے نہ گا
تم چھوڑ بھی دو ہاتھ کوئی سوچتے کیا ہو

مطرب سے کہو ان کو سنائے وہ سنیں گے
جس ساز میں اک ٹوٹے ہوئے دل کی صدا ہو

چاہت کا مزہ بعد ہمارے نہ ملے گا
ہر شخص سے تم آپ کہو گے ہمیں چاہو

ہوتی ہے وہاں روز جفاؤں کی ترقی
اے ذوق فزوں ہوا بھی اے شوق سوا ہو

دیوانے لگاتے ہیں عجب رنگ کی مہندی
جب آبلوں میں خون چھلک آئے حنا ہو

بدلوں نہ کبھی اور حسینوں کی وفا سے
وہ کینہ بھی اچھا جو ترے دل میں رہا ہو

دس بت سے بگاڑے نہ بن آئے گی تمہیں داغ
کیا پیش چلے جس کا طرف دار خدا ہو

۲۴۰

کیا خود وعدہ عیاری تو دیکھو
دل آزاروں کی دلداری تو دیکھو
مرے دل کی وفاداری تو دیکھو
پھر اس پر اپنی عیاری تو دیکھو
کیا جب وعدہ آنے کا نہ آئے
اس آسانی کی دشواری تو دیکھو
بنا روز جزا جس کی سزا کو
مری قدر گنہگاری تو دیکھو
وہ کہتے ہیں مرے غم میں نہ مرنا
یہ مجبوری یہ ناچاری تو دیکھو
بنا لیں شرم آلودہ نگاہیں
تغافل میں یہ ہوشیاری تو دیکھو
مٹا نقش وفا اس بت کے دل سے
ہماری گریہ و زاری تو دیکھو
نہ عاشق کا نہ یہ معشوق کا دوست
فلک کی تم ستم گاری تو دیکھو
پھنسایا اس بت بیگانہ وش کو
محبت کی گرفتاری تو دیکھو
خدا سے بخشوانے کو ہیں موجود
رقیبوں کی طرفداری تو دیکھو
خدا نے دی ہیں آنکھیں دیکھنے کو
تم اپنی مردم آزاری تو دیکھو
نہ آئی قبر میں بھی نیند مجھ کو
مری قسمت کی بیداری تو دیکھو
غزل کیا خاک لکھیں حضرت داغ
ہجوم کار سرکاری تو دیکھو

۲۴۱

چلتے نہیں ہیں ساتھ مرے ھمسفر کے پاؤں
ہر گام پر دبانے پڑے راہبر کے پاؤں
آنکھوں کے بل چلوں گا تری راہ شوق میں
موے مژدہ بنیں گے مری چشم تر کے پاؤں

کیا مضطرب رہی شب فرقت مرے عزیز
پھرتی ہے پھرتے ٹوٹ گئے سارے گھر کے پاؤں

آتی ہے کوے یار سے مستانہ کس قدر
کیا لڑکھڑائے جاتے ہیں باد سحر کے پاؤں

وقت خرام ناز تعجب نہیں اگر
فتنے بھی اڑ کے چوم لیں اس فتنہ گر کے پاؤں

ہے کچھ جواب سست مقرر کو جو ادھر
اٹھتے ہیں دیر دیر مرے نامہ بر کے پاؤں

چل کر وہ میرے ساتھ بتائیں جو راہ دوست
آب بقا سے دھوکے پیوں میں خضر کے پاؤں

صیاد ہم قفس سے چھٹے بھی تو کیا چھٹے
کس کام کے ہیں طائر بے بال و پر کے پاؤں

لاکھوں میں مجھ کو تاڑ گیا وہ نگاہ باز
رکھا جو میں نے محفل اعدا میں ڈر کے پاؤں

آتا وہ دوڑ کر شب غم اے دعائے وصل
اللہ نے بنائے نہیں ہیں اثر کے پاؤں

تھک تھک کے بیٹھ جائے نہ کیوں تیری راہ میں
لوہے کے تو نہیں ہیں الٰہی بشر کے پاؤں

وہ آئے کس طرح یہ گیا کس طریق سے
ہیں میرے دل کے پاؤں تیری نظر کے پاؤں

سینے سے اپنے ساتھ اڑا کر یہ لے گئے
گویا تمہارے تیر تھے میرے جگر کے پاؤں

پہنچی ہے ایک آن میں باب قبول تک
پھیلائے کیا دعا نے مرے ہاتھ بھر کے پاؤں

اے داغ آدمی کی رسائی تو دیکھنا
سر پر دھرے ہیں عرش نے خیر البشر کے پاؤں

۲۳۲

جو دل قابو میں ہو تو کوئی رسوائے جہاں کیوں ہو
خلش کیوں ہو طپش کیوں ہو قلق کیوں ہو فغاں کیوں ہو

مزا آتا نہیں تھم تھم کے ہم کو رنج و راحت کا
خوشی ہو غم ہو جو کچھ ہو الٰہی ناگہاں کیوں ہو

یہ مصرع لکھ دیا ظالم نے میرے لوح تربت پر
جو ہو فرقت کی بے تابی تو یوں خواب گراں کیوں ہو

ہمیشہ آدمی کا آدمی غم خوار ہوتا ہے
یہی بے اعتباری ہو تو کوئی رازداں کیوں ہو

غضب آیا ستم ٹوٹا قیامت ہو گئی برپا
یہ پوچھا تھا کہ تم آزردہ مجھ سے میری جاں کیوں ہو

بہت نکلیں گے روز حشر تیرے جور کے خواہاں
ستم کا حوصلہ دنیا میں صرف امتحاں کیوں ہو

انہیں گو رنجش بے جا ہے لیکن ہے تو ہم سے ہے
محبت گر نہ ہو باہم شکایت درمیاں کیوں ہو

گئے ٹھکرا کے مجھ کو اور پھر کہتے گئے یہ بھی
نصیب دشمناں تو پائمال آسماں کیوں ہو

نئی تاکید ہے ضبط محبت کی وہ کہتے ہیں
جگر ہو تو فغاں کیوں ہو دہن ہو تو زباں کیوں ہو

شریک دور مے بزم عدو میں خاک، ہوتے ہم
کسی نے رات بھر اتنا نہ پوچھا تم یہاں کیوں ہو

تحمل کر سکے حسن نازک ان نگاہوں کا
اسے میں نے چھپایا ہے وگرنہ وہ نہاں کیوں ہو

خدا شاہد خدا شاہد ہے کیوں کہتے ہو وعدوں پر
خدا کو کیا غرض میرے تمہارے درمیاں کیوں ہو

جگر سے کم نہیں ہے چارہ گر داغ بجھ کو
جو پیدا کی ہو مر مر کر وہ دولت رائیگاں کیوں ہو
نوید جانفزا ہے کیا خبر قاتل کے آنے کی
بتاؤ تو سہی تم داغ ایسے شادماں کیوں ہو

ردیف ہائے ہوز

۲۴۴

لڑ گئی یار گلعذار سے آنکھ — اب نہیں جھپتی ہزار سے آنکھ
کچھ وہ حیرت سے کچھ وہ حسرت سے — خون بنتی ہے انتظار سے آنکھ
دید کا بھی ہے کیا برا لپکا — نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ
ان کو دیکھا ہے جو مکدر آج — بھر گئی سرمہ غبار سے آنکھ
تودۂ ناوک نظر کیجئے — کیوں چرائی مرے مزار سے آنکھ
دو بدو یوں ہے مے کشی کا مزہ — جام سے لب ملے تو یار سے آنکھ
اشک خونیں نے گل کھلائے ہیں — آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ
کیا بچے ناوک نظر سے دل — چوکتی ہی نہیں شکار سے آنکھ
بولے وہ شکوۂ تغافل پر — ملی کس کس امیدوار سے آنکھ
یار سے آنکھ کیا ملاؤں میں — نہیں ملتی ہے راز دار سے آنکھ
نشہ تیرا اتر گیا اے داغ
کھل گئی غفلت خمار سے آنکھ

یوں شب وعدہ رہی طالب دیدار کی آنکھ
جس طرح سوئے چمن مرغ گرفتار کی آنکھ

کبھی لگتی ہی نہیں نرگس بیمار کی آنکھ
اس نے دیکھی ہے چمن میں کسی ہوشیار کی آنکھ

ہم دکھا دلائیں تجھے نرگس بیمار کی آنکھ
ڈورے ڈالے گی مگر بلبل گلزار کی آنکھ

آنکھ تقدیر نہ پھیرے نہ پھرے یار کی آنکھ
کیا ہوا ہم سے اگر پھر گئی اغیار کی آنکھ

نیند آئی ہے سرشام شب وصل انہیں
کیا برے وقت لگے طالع بیداد کی آنکھ

شوق نظارۂ گلشن ہو تو لے چل صیاد
سیر گلزار کو اس مرغ گرفتار کی آنکھ

رقص بسمل کے تماشے کا ہوا شوق ایسا
بن گیا حلقہ جوہر تری تلوار کی آنکھ

زلف دیتی ہے تری ابرو پر خم کا جواب
داد دیتی ہے تری شوخی رفتار کی آنکھ

طور بے طور ہوئی دل کی خدا خیر کرے
بے طرح گھات میں ہے اس بت عیار کی آنکھ

وہ تھی موسی ہے جنہیں تاب نظارہ نہ ہوئی
یاں نہ جھپکے گی ترے طالب دیدار کی آنکھ

اے دل صاف صفائی کے تو یہ معنی ہیں
کبھی میلی نہ ہو اس آئینہ رخسار کی آنکھ

اشک خون دیکھے آنکھیں نہ نکال اے ظالم
دکھنے آئی ہے تری طالب دیدار کی آنکھ

کیوں نہ پر خون ہو ازل سے کہ ملا ہے مجھ کو
شیشہ بادہ کا دل ساغر سرشار کی آنکھ

جلوۂ یار نے دو رنگ دکھائے اپنے
ایک ظاہر میں تو ہے کافر و دیندار کی آنکھ

اللہ اللہ کشش حسن کے ہمراہ نگاہ
کھچی جاتی ہے ترے طالب دیدار کی آنکھ

ہوئی جاتی ہے سوا بوسہ لب کے قیمت
دیکھتے جاتے ہیں وہ اپنے خریدار کی آنکھ

آگ عشق دل فرہاد کے بجھنے کی نہیں
بنے دریا بھی اگر چشمہ کہسار کی آنکھ

گفتگو سے جو تھمی بات اشاروں سے بڑھی
جب تھکی ان کی زبان لڑنے کو تیار کی آنکھ

اے صبا اس کی گلی میں نہ اڑا خاک مری
کہیں میلی نہ ہو اس روزن دیوار کی آنکھ

دل چرایا ہے وہ اب آنکھ ملائیں کیونکر سامنے ہوتی ہے مشکل سے گنہگار کی آنکھ

ٹپکے پڑتی ہے نگہ سے تری الفت اے داغ
کوئی چھپتی ہے محبت کی نظر پیار کی آنکھ

۲۴۵

یاں تو بنا ہے جاتے ہیں عشق بتاں کے ساتھ
زاہد نبیڑ لیں گے وہاں کی وہاں کے ساتھ

پھونکا نہ دام کو نہ جلایا قفس مرا
بجلی کی تیزیاں تھیں فقط آشیاں کے ساتھ

میرے غبار نے بھی کیا منہ نہ اس طرف
مجھ کو کدورتیں جو رہیں آسمان کے ساتھ

آجائے خوب ناز و نزاکت کی تم کو چال
تم دو قدم چلو اگر اس ناتواں کے ساتھ

مانا کہ وہ ہیں گھر ہی میں اپنے گریباں
سو جھتیں ہیں روز دل بدگماں کے ساتھ

واماندگی نے ایک جگہ تو بٹھا دیا
پھرتے تری تلاش میں کیا کارواں کے ساتھ

اے عشق باز آئے رفاقت سے تیرے ہم
تو بھی کہیں روانہ ہو عمر رواں کے ساتھ

سب کو ہے تیری یاد کی لذت جدا جدا
دل کی ہے دل کے ساتھ زباں کی زباں کے ساتھ

زاہد کو ایک قطرۂ زمزم پہ ناز ہے
یہاں خم کے خم اوڑائے ہیں پیر مغاں کے ساتھ

مٹتی نہیں ہے خانہ خرابی کسی طرح
کیا میری بے کسی بھی بنی تھی مکاں کے ساتھ

ہم ایک کہہ کے سنتے ہیں دو چار گالیاں
اک چھیڑ ہو گئی ہے ترے پاسباں کے ساتھ

اقرار حشر اے دل مضطر غلط نہ جاں
تھوڑا یقیں بھی چاہئے وہم و گماں کے ساتھ

اللہ کرے کہ بند نہ ہو داغ کی زبان
تعریف آپ کی ہے اسی خوش بیاں کے ساتھ

۲۴۶

دن گذار اب دل مجبور صدافات کے ساتھ
وہ مزے رات کے ناداں گئے رات کے ساتھ

حفظ تسلیم ادب خلق تواضع تعظیم
کتنی تکلیف ہے اے شوق ملاقات کے ساتھ

بے قراری تو ٹھہرتی ہے ٹھہرتی جائے
آگیا صبر مگر مرگ مفاجات کے ساتھ

چار مل بیٹھے جہاں پھر وہی رنگ اور ترنگ
کچھ عجب لطف ہے زنداں خرابات کے ساتھ

لب ترے ذکر مسی پر مجھے یاد آتے ہیں
چشمہ خضر کا مذکور ہے ظلمات کے ساتھ

جلوہ دیکھے جو بت ہوش ربا کا صوفی
روح کیا سلب نہ ہو جائے کرامات کے ساتھ

اپنے مذہب میں ہے برسوں کی عبادت سے فزوں
گذرے جو کوئی گھڑی رند خوش اوقات کے ساتھ

دست نواب، گھر بار فلک دریا بار
داغ برسات نئی آئی ہے برسات کے ساتھ

۲۴۷

یا رب ہمیں دے عشق صنم اور زیادہ
کچھ تجھ سے نہیں مانگتے ہم اور زیادہ

دل لے کے نہ کچھ مانگ صنم اور زیادہ
مقدور نہیں تیری قسم اور زیادہ

ہستی سے ہوئی فکر عدم اور زیادہ
غم اور زیادہ ہے الم اور زیادہ

بھرتا نہیں جب زخم کسی شکل سے قاتل
بھرتا ہوں تری تیغ کا دم اور زیادہ

تھی بخت زلیخا میں خریداری یوسف
اوروں نے لگائے نہ درم اور زیادہ

تلوار جو ہو جائے کماں، خوب نہیں ہے
ابرو میں نہ دو تاں کے خم اور زیادہ

انساں کی خواہش کو بڑھاتی ہے سخاوت
کرتے ہیں ستم اہل کرم اور زیادہ

یارب ہیں مرے ساتھ بہت حسرت وارماں
ہو وسعت صحرائے عدم اور زیادہ

زنداں سے بیاباں میں تواضع ہوئی بڑھ کر — کانٹوں نے لئے میرے قدم اور زیادہ

ہے دل میں کسی عالم تصویر کی تصویر — بس چھیڑ نہ کر ناخن غم اور زیادہ

دشمن کی طرف سے وہ ادھر بھول کے آجائیں — تاریک ہو تو اے شب غم اور زیادہ

القاب ہی پر ختم ہوا نامہ کروں کیا — چلتا نہیں مطلب پہ قلم اور زیادہ

گھر بیٹھے کرے دل سے طواف اس کی گلی کا — جھگڑا ہے بس اے اہل حرم اور زیادہ

پہنچا ہوں ادھر عرش سے اے ہمت عالی — اچھا ہے پڑے بڑھ کے قدم اور زیادہ

لے آئے دل بیمار تمنا شفا کر — درماں سے ہوا درد و الم اور زیادہ

جب تک وہ تماشے کو کھڑے تھے لب ساحل — بے تاب تھی موج لب یم اور زیادہ

دل پیچ میں تقدیر کے پابند پھیرو اس پر — طرہ ہے تری زلف کا خم اور زیادہ

رہبر نے ترا کوچہ دکھا کر مجھے چھوڑا — آگے نہ بڑھا چار قدم اور زیادہ

پہنچی ہو لب گور تو میں اے غم الفت — اب چھوڑ کر مجھ میں نہیں دم اور زیادہ

بگڑی تھی ہوا آہ کی آخر شب وعدہ — نکلا مرے نالوں کا بھرم اور زیادہ

کیا صلح کریں دل کی ترے تیر نظر سے — چھنتی ہے صفائی میں بہم اور زیادہ

دل بوسے پہ ٹھہرا تھا جگر چھین لیا کیوں — کیا مفت میں لی ایک رقم اور زیادہ

پائی ہے اماں کس نے تری تیغ نظر سے — قرباں ہوئے صید حرم اور زیادہ

وہ حال ہے میرا کہ عدو کہتے ہیں ان سے — کرنا نہ خبردار ستم اور زیادہ

خط ان کا بہت خوب عبارت بہت اچھی — اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

قاصد مگر اغیار کا لکھا ہے جہان حال — پاتا ہوں وہاں زور قلم اور زیادہ

صد شکر کہ نواب کی الطاف سے اے داغ
چند اہل ستم جمع ہیں کم اور زیادہ

۲۴۸

نہیں ہوتی بندے سے طاعت زیادہ　　بس اب خانہ آباد دولت زیادہ
محبت میں سو لطف دیکھے ہیں لیکن　　مزا دے گئی ہے شکایت زیادہ
مریض محبت کی اچھی دوا کی　　اسے کل سے ہے آج غفلت زیادہ
وہ تشریف لاتے ہی بولے کہ رخصت　　نہیں ہم کو ملنے کی ضرورت زیادہ
الٰہی زمانے کو کیا ہو گیا ہے　　محبت تو کم ہے عداوت زیادہ
عدم سے سب آتے ہیں یاں چار دن کو　　نہیں ہوتی منظور رخصت زیادہ
بنے حوض مے صحن مے خانہ بھر کر　　زیادہ برس ابر رحمت زیادہ
تم آئینہ دیکھو تو ہم بھی یہ دیکھیں　　کہ ہے کونسا خوبصورت زیادہ
مری بندگی سے مرے جرم افزوں　　ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ
حیا اس کی آنکھوں میں کیونکر ہو یارب　　کہ شوخی سے بھی ہے شرارت زیادہ

بہکتے نہ تھے داغ یوں گفتگو میں
مگر پی گئے آج حضرت زیادہ

ردیف یائے تحتانی

۲۴۹

مجھ کو جنت میں نہ راحت ہو گی　　گر یہی دل یہی قسمت ہو گی
اس برے حال پہ وہ کہتے ہیں　　رنج و غم کی یہی صورت ہو گی

جان دے دوں تجھے پر ڈرتا ہوں کہ امانت میں خیانت ہو گی
تیرے ہاتھوں مجھے اے رنج فراق کبھی مرنے کی بھی فرصت ہو گی
یا مری داد ملے روز جزا یا قیامت پہ قیامت ہو گی
کوچہ یار کوئی چھٹتا ہے میں نہ ہوں گا مری تربت ہو گی
جس کو کہتے ہیں جہنم کی آگ غیر کی گرمی صحبت ہو گی
اپنے مطلب کی تو سن لو مجھ سے یہ نہ جانو کہ شکایت ہو گی
اب کے مے خانے سے اٹھ کر اے داغ
کعبے جائیں گے جو وحشت ہو گی

۲۵۰

جب وہ بت ہمکلام ہوتا ہے دل و دین کا پیام ہوتا ہے
ان سے ہوتا ہے سامنا جس دن دور ہی سے سلام ہوتا ہے
دل کو روکوں کہ چشم گریاں کو ایک ہی خوب کام ہوتا ہے
آپ ہیں اور مجمع اغیار روز دربار عام ہوتا ہے
زیست سے تنگ ہیں نہ چھیڑ ہمیں دیکھ غصہ حرام ہوتا ہے
لیجئے موسیٰ سے لن ترانی کی اب تو ہم سے کلام ہوتا ہے
داغ کا نام سن کے وہ بولے
آدمی کا یہ نام ہوتا ہے

۲۵۱

اللہ اللہ رے پریشانی مری
زلف جاناں بھی ہے دیوانی مری

کیا ٹھکانا مجھ سے نازک طبع کا
ہو چکی جنت سے مہمانی مری

تیرے خنجر تو قتل نازنین
سخت دشواری ہے آسانی مری

روبرو اس بدگمان کے ذکر عشق
میرے آگے آئی نادانی مری

آجکل ہے ان کو تصویروں سے شوق
کیا کبھی دیکھی تھی حیرانی مری

روسیا ہی کام آئی روز حشر
شکل زاہد نے نہ پہچانی مری

بن گیا کعبہ وہی میرے لئے
ٹک گئی جس در پہ پیشانی مری

ہائے دل لے کر ترا ناز و غرور
وائے دل دے کر پشیمانی مری

تر ہوا دامن مے گلرنگ سے
رنگ لائی پاک دامانی مری

اس گرفتاری پہ اپنے میں نثار
لو وہ کرتے ہیں نگہبانی مری

آگیا داغ ان کے دل میں یہ غرور
مشکل ہے دنیا میں لاثانی مری

۲۵۲

بے لاگ ہے یہ تیغ جنگجو کی
رکھتے ہی نہیں لگی گلو کی

جب پاؤں تھکے تو جستجو کی
جب دل نہ رہا تو آرزو کی

رستے پہ ترے چلے قیامت
سچ ہے کہ بڑی ہی چال چوکی

جب تم نہ ملے تو درد دل نے
اٹھ اٹھ کے اجل کی جستجو کی

مطلب کی کہی نہ ایک ظالم کیا بات ہے تیری گفتگو کی
ان کو ہے عدو سے وہ تمنا جس بات کی ہم نے آرزو کی
پھر وحشت دل ہے اور صحرا کیں خار نے دھجیاں رفو کی
کچھ کم نہیں قدر ناامیدی ہے یہ بھی ہزار آرزو کی
ہم بادہ کشوں کی خاک سے بھی آئے گی صدا سبو سبو کی
اللہ کو کیا جواب دوں گا عادت ہے بتوں سے گفتگو کی
کچھ ضبط ہماری خاطر اے چشم کچھ شرم ہمارے آبرو کی
چھوڑا نہ ستم فلک کے دل کا اللہ رے تلاش کینہ جو کی
اس خانہ خراب دل میں اے داغ
مٹی ہے خراب آرزو کی

۲۵۳

تدبیر سے قسمت کی برائی نہیں جاتی بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہیں جاتی
دل لے کے وہ اب جان طلب کرتے ہیں ہم سے یہ ایسی دھڑی ہے کہ اٹھائی نہیں جاتی
مے پی تو سہی توبہ بھی ہو جائے گی زاہد کمبخت قیامت ابھی آئی نہیں جاتی
آنسو نہ پئے جائیں گے اے ناصح ناداں ہیرے کی کنی جان کے کھائی نہیں جاتی
پیسا ہے یہاں تک تری رفتار نے ظالم آندھی سے مری خاک اڑائی نہیں جاتی
دل میرا مرا ہو کہ تہ تیغ نہ اف کی اک پھانس کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی
گرتی تھی نشیمن پہ مری کوند کے بجلی صیاد کے گھر آگ لگائی نہیں جاتی
ہر چند ہے انشائے محبت میں خرابی یاروں سے مگر آنکھ چرائی نہیں جاتی

لے دے کے یہاں دل میں ہے کیا ایک تمنا　　وہ تا بزبان خوف سے لائی نہیں جاتی
اللہ رے تنگی دہن و ناز کی لب　　وعدے پہ قسم آپ سے کھائی نہیں جاتی
للّٰلہ مری ذبح پہ تکبیر تو پڑھو لو　　اتنی بھی زبان تم سے ہلائی نہیں جاتی
یارب کوئی آفت تھا محبت کا پتنگا　　وہ آگ لگی ہے کہ بجھائی نہیں جاتی
اے داغ کہا حال دل اس دشمن جان سے
نادان ترے دل کی صفائی نہیں جاتی

۲۵۴

اشک خون رنگ لائے جاتا ہے　　داغ اپنی جمائے جاتا ہے
کس صفائی سے تیرے دل کا غبار　　مٹتے مٹتے مٹائے جاتا ہے
کتنا باوضع ہے خیال اس کا　　بے کسی میں بھی آئے جاتا ہے
دیکھنا رشک اس کی محفل میں　　ایک کو ایک کھائے جاتا ہے
ناامیدی مٹائے جاتی ہے　　شوق نقشہ جمائے جاتا ہے
ہمت اے خاک ہاں مدد اے ضعف　　کوئی دامن بچائے جاتا ہے
وہ جدھر کو گئے اٹھا یہ شور　　وہ قیامت اٹھائے جاتا ہے
دل وہ نعمت ہے تجھ سا شیریں لب　　نظروں نظروں میں کھائے جاتا ہے
آتش شوق کیا بجھے ناصح　　تو پتنگے لگائے جاتا ہے
غم نے اس کے گھلا دیا دیکھو　　مجھ کو مہمان کھائے جاتا ہے
اس کا آنا تو درکنار اے داغ
دل ہی قابو سے ہائے جاتا ہے

۲۵۵

ہر بات میں کافر کی کیا آن نکلتی ہے
واں آن نکلتی ہے یاں جان نکلتی ہے

سو حسن اُبلتے ہیں سو ناز برستی ہیں
اے اصل علی تجھ میں کیا شان نکلتی ہے

قسمت یہ مری کیا کیا رمال کو حیرت ہے
جو شکل نکلتی ہے حیران نکلتی ہے

وعدہ نہ وفا کرنا پھر اس پہ یہ تاکیدیں
تا حشر ٹھہر جاؤ کیوں جان نکلتی ہے

یہ خانہ دل جیسا سنسان نظر آیا
بستی کوئی کم ایسی ویران نکلتی ہے

آبادی دل کا ہے اس درجہ خیال اب تو
حسرت بھی نکلتی ہے تو جان نکلتی ہے

چتون کے مٹیں گے بل ابرو کے کھلیں گے خم
پر دل کی گرہ کوئی آسان نکلتی ہے

دلبر ہیں ادائیں بھی دلکش ہیں جفائیں بھی
اک آن ستمگر میں ہر آن نکلتی ہے

بے طرح کبھی جی میں اے داغ ہُک اس کی
یہ پھانس کوئی دل سے نادان نکلتی ہے

۲۵۶

داغ ہرچند جہاں گرد ہے رسوائی ہے
آپ کے سر کی قسم آپ کا سودائی ہے

صورت وصل نہ تھی کوئی بجز رنجش غیر
وہ جو بگڑے ہوئے آئے ہیں تو بن آئی ہے

اور کیا خاک ملے گی دل بسمل کی مراد
جو تماشا ہے جہاں کا وہ تماشائی ہے

شکوۂ ظلم پہ اول تو وہ خاموش ہوئے
پھر یہ جھنجلا کے کہا کیا مری رسوائی ہے

جب کبھی بیٹھے بٹھائے خفقان اچھلا ہے
ہم نے جاکر اسی کوچے کی ہوا کھائی ہے

نہیں معلوم کہ ہیں کون بلا حضرت عشق
یوں تو اپنی بھی زمانے سے شناسائی ہے

مژدہ اس کو ہے جو ناکام ازل ہے تجھ سے　　حسرت اس پر ہے جو کمبخت تمنائی ہے
نہ سنی ایک بھی میں نے دم بوسہ ان کی　　وہ یہ کہتے ہی رہے موت تری آئی ہے
داغ گو اب کسی گلرو سے ملاقات نہیں
ہم نے برسوں اسی گلشن کی ہوا کھائی ہے

۲۵۷

ہمارے قتل کی تدبیر روز واں ٹھہری　　یہ زندگی تو نہ ٹھہری بلائے جان ٹھہری
ہزاروں دفن ہوئے مجھ سے مضطرب یارب　　یہ کس طرح سے زمین زیر آسمان ٹھہری
ہماری خاک کی بربادیاں ذرا دیکھو　　کہاں کہاں سے اوڑی اور کہاں کہاں ٹھہری
مرے تڑپنے سے شب کو تمہیں تو چین آیا　　چلو تمہاری طبیعت تو مہربان ٹھہری
سر نیاز ہوا ٹھوکروں ہی میں پامال　　جبیں عجز مری سنگ آستاں ٹھہری
پڑھا دیجیے جو اسے چند حرف بے تابی　　پیامبر کی دہن میں نہ پھر زبان ٹھہری
جب آیا چین ہمیں اس نے کر دیا بے چین　　تری نگاہ ہمارے مزاج داں ٹھہری
یہاں یہ غم کہ چکا دل کا مول اک بوسہ　　وہاں یہ فکر کہ قیمت بہت گراں ٹھہری
ہزار رنگ دکھائے گا داغ داغ جگر
مری بہار نہ ٹھہری کوئی خزاں ٹھہری

۲۵۸

تجھ سے دل خاک ملے دل سے بھی تو ملتا ہے　　کوئی ملنے ہی سے اے عربدہ جو ملتا ہے

اس طرح دشمن جان سے نہیں ملتا کوئی
کیا لپٹ کر تری خنجر سے گلو ملتا ہے

کیجئے اے قسمت برگشتہ تلاش دشمن
دوست کو ڈھونڈھتی ہیں ہم تو عدو ملتا ہے

مل گیا دل سے یکایک تری سوفار کا رنگ
ورنہ بیگانے سے برسوں میں لہو ملتا ہے

چرخ کم مایہ سے کچھ ہم کو ملے یا نہ ملے
یہ بڑی دولت دنیا ہے کہ تو ملتا ہے

دیکھ چل کر مرے ساقی کی سخاوت زاہد
ایک ساغر کوئی مانگے تو سبو ملتا ہے

گل کھلائے گی عجب رنگ کی یہ شاخ مژہ
اس کو پانی کی جگہ روز لہو ملتا ہے

ارمغاں دیتی ہیں ہم پیر مغاں کو جاکر
کوئی اچھا جو ہمیں ظرف وضو ملتا ہے

خاک میں داغ ملاتے ہیں جو عزت تیری
مر بھی کمبخت کہ ایسوں ہی سے تو ملتا ہے

۲۵۹

چھوٹے ہزار مرتبہ قاتل کے ہاتھ سے
نکلے نہ ایک بار بھی ہم دل کے ہاتھ سے

اے قیس گر صبا نے اوڑایا تو لطف کیا
اٹھا نہ پردہ صاحب محمل کے ہاتھ سے

اے اضطراب شوق یہ کیسا اثر کیا
تلوار چھوٹی پڑتی ہے قاتل کے ہاتھ سے

ہے خط جادہ راہ محبت میں تیغ تیز
کٹتے ہیں پاؤں دوری منزل کے ہاتھ سے

بدلے شراب کے ہے مجھے زہر بھی قبول
اس انجمن میں ساقی محفل کے ہاتھ سے

ٹھہرو ذرا الگ ہے الگ وار کر چلے
دامن بچائے جاتے ہو بسمل کے ہاتھ سے

کوئی سمجھ کی بات کرے تو جواب دیں
دم ناک میں ہے ناصح جاہل کے ہاتھ سے

پہنچے نہ اہل فیض سے نوبت سوال کی
خود ہاتھ وہ ملاتے ہیں سائل کے ہاتھ سے

اے داغ دستگیر ہے وہ پیر دستگیر
مل جائے ہاتھ مرشد کامل کے ہاتھ سے

۲۶۰

بے وجہ اجتناب نے رسوا کیا مجھے
ظالم ترے حجاب نے رسوا کیا مجھے

میں نے جو آہ کی تو کہا اس نے غیر سے
اس خانماں خراب نے رسوا کیا مجھے

کہہ دی ہے اس نے نشے میں سب دل کی آرزو
اک ساغر شراب نے رسوا کیا مجھے

یاروں پہ کھل گیا اثر الفت نہاں
اس بت کو اضطراب نے رسوا کیا مجھے

اس بدگمان سے پوچھ کے تعبیر ہوں خجل
میرے بیان خواب نے رسوا کیا مجھے

محشر میں حال دل دم پرسش کہے بتا
کیا کیا مرے جواب نے رسوا کیا مجھے

کچھ ان کے مہر و لطف نے مشہور کر دیا
کچھ رنجش و عتاب نے رسوا کیا مجھے

اس زلف خم بخم نے کیا شہرہ آپ کا
اس دل کے پیچ و تاب نے رسوا کیا مجھے

اے داغ سب یہ حضرت دل کے سلوک ہیں
جو کچھ کیا جناب نے رسوا کیا مجھے

۲۶۱

آئینہ منہ پر برا اور بھلا کہتا ہے
سچ ہے یہ صاف جو ہوتا ہے صفا کہتا ہے

دم اعجاز مسیحا کو برا کہتا ہے
اب ترا سحر کچھ اے ہوش ربا کہتا ہے

میرے افسانے پہ وہ ہو کے خفا کہتا ہے
کوئی سنتا بھی ہے اس کی کہ یہ کیا کہتا ہے

حق ہے اس بات میں ناصح کا طرفدار ہوں میں
دل کی کہتا ہے جو اس دل کو برا کہتا ہے

ہر دم اپنا دم آخر کی سناتا ہے خبر
ہر نفس ہر نفس احوال فنا کہتا ہے

چل چکی خوب ستمگر ترے خنجر کی زبان
دہن زخم کی سن تو کہ یہ کیا کہتا ہے

عیر اچھے جو زمانے کے برے کہلائیں میں برا ہوں کہ جہاں مجھ کو بھلا کہتا ہے
ہے ترے شربت دیدار کی تاثیر عجیب زہر کہتا ہے کوئی کوئی دوا کہتا ہے
دیکھنا میرے بت ہوش ربا کا جلوہ دیکھ کر شیخ جسے صلی علی کہتا ہے
شور محشر ترے مستوں پہ بہت چلایا یہ بھی جانا نہ کسی نے کہ یہ کیا کہتا ہے

ہند سے تابہ دکن داغ ہے شہرت تیری
اب تو کچھ اور ترا بخت رسا کہتا ہے

۲۶۴

اس انجمن سے بہت بے وقار ہو کے چلے سرور ہو کے ہم آئے خمار ہو کے چلے
بتوں کے کوچے سے ہم دل فگار ہو کے چلے شکار کرنے کو آئے شکار ہو کے چلے
بجھالے میری سرشک رواں میں اے قاتل کہ خوب تیغ تری آبدار ہو کے چلے
تری نگاہ بہت مست ہے سنبھل کے ذرا سمند ناز و ادا پہ سوار ہو کے چلے
ٹھہر گئے وہ جہاں سرد باغ تھے گویا گر چلے تو نسیم بہار ہو کے چلے
نہیں ہے بادہ کو ساغر تو اتنی اے ساقی نگاہ مست مئے خوشگوار ہو کے چلے
الٰہی جائیں گے کس گھری، ہم سے وحشت ناک بہشت سے بھی اگر بیقرار ہو کے چلے
پیامبر بھی تو انسان ہے فرشتہ نہیں الٰہی صبر بیقرار ہو کے چلے
وہ تفتہ دل ہوں جو دریا میں ہاتھ ڈالوں میں تو موج بحر یقیں ہے غبار ہو کے چلے
کسی کی آنکھ میں وہ انتظار ہو کے رہے کسی کے دل سے شکیب و قرار ہو کے چلے
خبر نہ ہو مجھے وہ کشتہ تغافل ہوں جو حشر بھی مرے ہوئے مزار سوئے چلے
گلے لگا کے انہیں عذر پھر کیا میں نے مری گلی سے وہ جب شرمسار ہو کے چلے

نگاہ یار کی پھرتی ہے بزم سے اے داغ
رقیب بھی مرے یاروں کے یار ہو کے چلے

۲۶۳

طبیعت کوئی دن میں بھر جائے گی
چڑھی ہے یہ آندھی اتر جائے گی

رہیں گے دم مرگ تک خواہشیں
یہ نیت کوئی آج بھر جائے گی

رہے پیروی ہجر ہو یا وصال
کہ اک بات آخر ٹھہر جائے گی

نہ تھی یہ خبر ہم کو اپنی بہار
ادھر آئے گی اور ادھر جائے گی

محبت میں اے دل نہ ڈر سر پہ کھیل
وہ بازی نہیں یہ کہ ہار جائے گی

کہوں گا نہ میں حشر کو تیرے ظلم
یہ خلق خدا کیا مکر جائے گی

خدا کے لئے آج اقرار کر
کہ پھر بات کل حشر پر جائے گی

نہ گذری شب ہجر سمجھے تھے ہم
تڑپتے پھڑکتے گذر جائے گی

مرا حال بہتر ہے ان سے کہو
ڈریں گے جو سچی خبر جائے گی

نہ جائے کوئی میری میت کے ساتھ
مری بے کسی نوحہ گر جائے گی

رہے گا ترا جلوہ مد نظر
جہاں تک ہماری نظر جائے گی

شب وعدہ آجاؤ ورنہ قضا
مرے سر پہ احسان دھر جائے گی

نہ چھوڑے گی دامن کبھی مشت خاک
صبا ہم سے اڑ کر کدھر جائے گی

صبا اس گلی سے مری خاک کو
جب آئے گی برباد کر جائے گی

دیا دل تو اے داغ اندیشہ کیا
گذرنی جو ہو گی گذر جائے گی

۲۶۴

دشمنوں سے دوستی غیروں سے یاری چاہئے
خاک کے پتلے بنے تو خاکساری چاہئے

عشق میں کچھ یاس کچھ امیدواری چاہئے
کچھ تحمل چاہئے کچھ بیقراری چاہئے

جن کو عشق و حسن کے دعوے ہیں ان کے واسطے
دل ہمارا چاہئے صورت تمہاری چاہئے

وعدہ تو کر لو زبان سے پھر وفا کرنا نہ تم
ناامیدوں کے لئے امیدواری چاہئے

اس تغافل اس حیا سے کب چھپا راز نہاں
اب نرالی کوئی طرز پردہ داری چاہئے

چار حرف آرزو ہی سن لو ساری رات میں
اور قصے کے لئے تو عمر ساری چاہئے

دیکھ ہنس ہنس کر نہ کہو اپنی وفا کا اعتبار
مرگ عاشق پر ستمگر اشکباری چاہئے

کھل گیا جب راز تو اخفا کئے سے فائدہ
اٹھ گیا پردہ تو پھر کیا پردہ داری چاہئے

مست و بے خود اس قدر اپنی نہیں تجھ کو خبر
او تغافل کیش کچھ تو ہوشیاری چاہئے

چارہ گر مشکل ہے میرے داغ سودا کا علاج
جائے پنبہ دامن باد بہاری چاہئے

اے فلک مٹ کر ہی کچھ رہ جائیں ہم انجام کار
اس مرقع میں کوئی صورت ہماری چاہئے

مل گیا ہم کو وفا و عشق و الفت کا صلہ
بندہ پرور آپ کی بس یادگاری چاہئے

دل پہ گر قابو نہیں اے داغ تو ہی جائے شکر
عاشقوں کے واسطے بے اختیاری چاہئے

۲۶۵

حسرتیں لے گئے اس بزم سے چلنے والے
ہاتھ ملتے ہی اٹھے عطر کے ملنے والے

وہ گئے گور غریباں پہ تو آئی یہ صدا
تھم ذرا اور روش ناز سے چلنے والے

دیکھئے کیا ہو الٰہی مرے نالے کا جواب
پاس ان کے ہیں بہت زہر اگلنے والے

ان جفاؤں پہ وفا کوئی نہ کرتا لیکن
دل بدلتا نہیں او آنکھ بدلنے والے

شرم آلودہ نگاہیں تو کریں گی بسمل
اب کوئی آن میں یہ تیر ہیں چلنے والے

دل نے حسرت سے کہا تیر جو اس کا نکلا
دیکھ اس طرح نکلتے ہیں نکلنے والے

دل بیتاب وہ آتے ہیں خبر آئی ہے
صبر کر صبر ذرا میرے مچلنے والے

امتحان تیغ جفا کا جو انہیں ہو منظور
بچ بچا کر ابھی ٹل جاتی ہیں ٹلنے والے

گرمی صحبت اغیار کے شکوے پہ کہا
آپ اے داغ ہمیشہ کے ہیں جلنے والے

۲۶۶

جفا کرتا ہے تو بدلے وفا کے
خدا کو مان اے بندے خدا کے

کسی کے عشق نے کی دل میں گرمی
کھلے رہتے ہیں بند ان کی قبا کے

پریشان کر دیا دل نے الجھ کر
کھلے جاتے ہیں بل زلف دوتا کے

ہوا ہوں کشتۂ پائے نگاریں
مرا خون سر ہوا رنگ حنا کے

نہ خوش ہو اے بتو ہم کو ستا کر
ڈرو سو کارخانے ہیں خدا کے

ہوئی جاتی ہیں کیوں نیچی نگاہیں
کہو تو کیا ہے قربان اس حیا کے

وہ روئے دیکھ کر میت کو میری
پچھے آنسو ذرا اہل عزا کے

الجھنا زلف سے لڑنا نگہ سے
بنے ہیں حضرت دل بھی بلا کے

مری مشکل ہوئی اے داغ آساں
تصدق اپنے میں مشکل کشا کے

جنوں میں تن پہ لباس غبار باقی ہے ‎ کب اپنے پاس کفن کو بھی تار باقی ہے

ابھی نزاکت رفتار یار باقی ہے ‎ ابھی زمانہ ناپائیدار باقی ہے

خزاں ہے دیکھ کے وحشت سی چھا گئی دل پر ‎ ابھی نظارۂ فصل بہار باقی ہے

نہ دیکھی عیش گذشتہ کی پھر کبھی صورت ‎ غلط کہ گردش لیل و نہار باقی ہے

وہ چشم زار کا سنتے ہی ماجرا گھبرائے ‎ ابھی تو شرح دل بیقرار باقی ہے

خرام ناز نے تھوڑی قیامتیں کیں ہیں ‎ وہ دیکھیے تو کسی کا مزار باقی ہے

رہے نہ پھر عدو دل میں کینہ جو کی جگہ ‎ جو ہم نہیں تو ہمارا غبار باقی ہے

جو یہ نہیں ہے تو کچھ بھی خلش نہیں باقی ‎ جو عشق ہے تو غم بیشمار باقی ہے

امید وصل چلی جائے ہاں دل ناداں ‎ بہت ابھی تو شب انتظار باقی ہے

جنوں کے ہاتھ سے تار نفس بچائے خدا ‎ رہا سہا یہی لے دے کے تار باقی ہے

صبا اڑا نہ سکی آسماں مٹا نہ سکا ‎ کہ دل میں ان کے ہمارا غبار باقی ہے

کروں گا میں بھی ترا ایک ہی لہو پانی ‎ جو دم میں دم مرے اے تیغ یار باقی ہے

صفائیوں سے مجھے خاک میں ملاتے ہو ‎ صفائیوں پہ بھی اتنا غبار باقی ہی

بیان سوز جگر پر یہ آپ گھبرائے ‎ نکالنا ابھی دل کا غبار باقی ہے

مریض عشق کی کیا پوچھتے ہو یہ پوچھو ‎ اگر بقا ہے تو کل اختیار باقی ہے

پھر اب کے لوٹ لے ظالم نگاہ ناز سے تو ‎ کہ دل میں مایہ صبر و قرار باقی ہے

دم اخیر ہے اے داغ توبہ کر توبہ
کہ روسیاہ ابھی اختیار باقی ہے

۲۶۸

کچھ بھی الفت نے ترے دل میں نہ چھوڑا باقی
رہ گئی ایک تمنا ہی تمنا باقی

دم الجھتا ہے جو سینے میں تو دل میں شاید
رہ گیا اس کے مژہ کا کوئی کانٹا باقی

گو وہ دل ان کا نہیں کرتے ہیں ظاہرداری
پر غنیمت ہے کہ اتنا ہی سہارا باقی

سنگ میں لعل بنا عشق کی سے
خون فرہاد کا تھا کوئی جو قطرہ باقی

صبح ان مست نگاہوں کا نہ پوچھو عالم
جن میں تھا رات کا کچھ نشہ صہبا باقی

دیکھ کر تیرگی گور کو میں چونک پڑا
میں نے جانا کہ ابھی ہے شب یلدا باقی

بسملوں کو جو تری مل گئی راہ ظلمت
چشمہ خضر میں پانی نہ رہے گا باقی

عاقبت کثرت عصیاں سے مری گھبرا کر
رہ گیا کاتب اعمال کو لکھنا باقی

میری تحریر کے انداز تو دیکھو گویا
کوئی مطلب نہ رہا ہے نہ رہے گا باقی

جیتے جی عشق و محبت کو مٹا دو اے داغ
کیوں رہے بعد فنا مفت کا جھگڑا باقی

۲۶۹

کبھی کچھ درد رہتا ہے کبھی کچھ سوز رہتا ہے
ہمارے دل پہ صدمہ اک نہ اک ہر روز رہتا ہے

نگاہیں ان کی جادو سی قیامت ہوتی جاتی ہیں
الٰہی کونسا فتنہ سبق آموز رہتا ہے

دل اپنا چین سے رہتا نہیں اک آن پہلو میں
مگر دل میں تمہارا ناوک دلدوز رہتا ہے

جو میں ہوں عشق میں مضطر وہ ہے میرے لئے مضطر
زیادہ مجھ سے آشفتہ مرا دل سوز رہتا ہے

خوشی ہے عید ہے اغیار ہیں جلسے ہیں باغوں میں
وہاں تو رات دن نو روز ہی نو روز رہتا ہے

مصاحب ہے یہی اک ہجر میں اس کو خدا رکھے
مرا ہمدم مرا مونس غم جانسوز رہتا ہے

رقیب روسیا بھی رات بھر پھرتا ہے سرگرداں
خدا جانے کہاں وہ شمع شب افروز رہتا ہے

کبھی کچھ غم اٹھایا ہو تو جانیں آپ کیا جانیں
کہ کس کس غم میں آلودہ یہ غم اندوز رہتا ہے

تصور میں کسی کے داغ نیند آتی نہیں مجھ کو
عجب بیدار اپنا طالع فیروز رہتا ہے

۲۷۰

کیا صبا کوچہ دلدار سے تو آتی ہے
مجھ کو اپنے دل گم گشتہ کی بو آتی ہے

صاف ہے سینہ ہمارا کہ نہ دل ہے نہ جگر
کیا صفائی تجھے اے آئینہ رو آتی ہے

نہ کیا تو نے کبھی غیر کا شکوہ ہم سے
بات کہنے ہی میں اے عربدہ جو آتی ہے

ہو رسا آہ تو کیا جانے کہاں تک پہنچے
نارسائی میں تو یہ عرش کو چھو آتی ہے

تیری تلوار نے بھی چال اڑائی تیری
کھینچ کے آتی ہے یہ جب تا بہ گلو آتی ہے

دشمنی ختم ہوئی ایک وفا دشمن پر
دوستی تجھ کو تو اے میرے عدو آتی ہے

تلخی موت کو فرہاد کی وہ کیا جانے
منہ سے شیریں کے ابھی دودھ کی بو آتی ہے

یاد آجاتی ہے وہ چین جبیں دیکھ کے موج
لہر سی دل میں ہمارے لب جو آتی ہے

شجر خشک تو ہر سال ہری ہوتے ہیں
جاکر اے عمر جوانی کہیں تو آتی ہے

دل اگر صاف نہ ہو پاک نہ ہو گا انسان
یوں تو ابلیس کو بھی شرط وضو آتی ہے

جانتا ہوں کہ یہی دشمن جان ہے میرا
اس کے خنجر سے مجھے خون کی بو آتی ہے

محفل یار میں اے داغ سوا حسرت کے
کب ہمیں کیفیت جام و سبو آتی ہے

۲۷۱

طلب ہے چاہنے والوں سے امتحانوں کی
بری بنی ہے خدا خیر کرے جانوں کی

خدا کرے ابھی اے باغبان گرے بجلی
ترے چمن کو لگی آگ آشیانوں کی

تڑپ تڑپ کے یہ کمبخت صبر کر نہ سکیں
خرابیاں ہیں محبت میں نوجوانوں کی

قدم قدم ہے تری چال کا نیا انداز
وگرنہ ایک روش ہے سب آسمانوں کی

انہیں تو کھیل تلون مزاجیاں لیکن
یہاں تو روز ہی شامت مزاج دانوں کی

کسی لحاظ سے نالہ نہیں کیا ہم نے
وگرنہ کون سی بنیاد آسمانوں کی

عجب نہیں ہے کہ ہنگامہ قیامت کو
ملے نہ قبر اگر ہم سے بے نشانوں کی

سدھارتا نہیں جنت کو کس لئے صیاد
کہ باغ خلد میں کثرت ہے آشیانوں کی

یہ زہد آپ کا اے داغ سب ہے مکر و فریب
ہزار پھیریئے تسبیح لاکھ دانوں کی

۲۷۲

دل مرا لے کے مری جان دغا تم نے تو کی
تھی مجھے چشم وفا تم سے جفا تم نے تو کی

بے گناہوں کو سزا دیتے ہو اللہ اللہ
بے خطا کہتے ہو ہاں ہاں کہ خطا تم نے تو کی

کوئی بیچارہ بلا سے ہو پریشان خاطر
رخ پر نور پر وا زلف دوتا تم نے تو کی

ہم نے جو کی وہ بری کی یہ تو سچ ہے لیکن
تم تو اچھے ہو چلو ہم سے وفا تم نے تو کی

غم دیا رنج دیا داغ دیا زہر دیا
خوب بیمار محبت کی دوا تم نے تو کی

جانتے ہی نہیں دشنام کا انجام ہے کیا
بات اک پہلے پہل نام خدا تم نے تو کی

ہم نے جانا تھا کہ وہ پھول چڑھانے آئے
قبر عاشق پہ قیامت ہے بپا تم نے تو کی

رشک دشمن نہ اٹھا ہم سے ہمیں تھے نادان
دوستی ورنہ حقیقت میں ادا تم نے تو کی

چار دن بھی کہیں آرام نہ پایا اے داغ
بے وفاؤں پہ یونہی جان فدا تم نے تو کی

۲۷۳

جفا کی ان بتوں نے یا وفا کی
دیا دل اب تو جو مرضی خدا کی

نئی شوخی ہے چشم فتنہ زا کی
تغافل یوں کیا گویا حیا کی

ہمارا درد دیکھا جائے کس سے
ہمیشہ روح کھنچتی ہے دوا کی

شب اندوہ و غم کا پوچھنا کیا　　نبا کے جو مرے دم پر نبا کی
تم اتنے ہو کہ دو گے ہم کو تعزیر　　نہیں کی تو بھی ہاں ہم نے خطا کی
مٹاؤں داغ ہجراں دل سے کیونکر　　وہ پوچھیں گے نشانی میری کیا کی
جواب قتل کیا قاتل نے سوچا　　کہ اس کو عید ہے روز جزا کی
کھلا ان کی جفا کا کچھ نہ باعث　　مگر اتنا کہ ہم سے کیوں وفا کی
لگی ہے سینے سے دشمن کی تصویر　　وہ کھولیں کیا گرہ بند قبا کی
لڑے ہیں غیر سے غصہ ہے مجھ پر　　کوئی پوچھے تو میں نے کیا خطا کی
الٰہی وصل کی ہے رات دے ڈال　　مجھے کوئی گھڑی روز جزا کی
رہی یہاں صلح پر بھی جنگ باہم　　طبیعت ان سے مل مل کر لڑا کی
ابھی اقرار اس کا ہو چکا تھا　　ادھر دیکھو تو پھر ہم سے حیا کی

پھر اس بت پر فدا ہیں حضرت داغ
قسم کھائی تھی کعبے میں خدا کی

۲۷۴

منصفی دنیا سے ساری اٹھ گئی　　اے بتو ایمانداری اٹھ گئی
دل سے وہ بے اختیاری اٹھ گئی　　اب تمنا ہی تمہاری اٹھ گئی
وہ سوم میں میرے کب آئے کہ جب　　بیٹھ کر مخلوق ساری اٹھ گئی
وائے دشمن ہو گیا سارا جہان　　ہائے رسم دوست داری اٹھ گئی
بے طرح پھیلا ہے ان زلفوں کا جال　　اب امید رستگاری اٹھ گئی
رہ گئے لاکھوں کلیجا تھام کر　　آنکھ جس جانب تمہاری اٹھ گئی

جب ہوا سجدے میں اس بت کا خیال　　خود بخود گردن ہماری اٹھ گئی

آئے بن ٹھن کر مرے ماتم میں وہ　　جبکہ رسم سوگوری اٹھ گئی
عشق نے بے باک آخر کر دیا　　اب وہ شرم آہ و زاری اٹھ گئی
دور میں اس چشم مست ناز کے　　لذت پرہیزگاری اٹھ گئی
ہے عجب اس ناز کی پر بار ناز　　تجھ سے یہ تلوار بھاری اٹھ گئی
ہم کھنچے ایسے کہ آخر ان کو بھی　　اب توقع ہی ہماری اٹھ گئی
کس سے رکھئے داغ چشم دوستی
اٹھ گئی یاروں سے یاری اٹھ گئی

۲۷۵

اے فلک دے ہم کو پورا غم تو کہاں کے لئے　　وہ بھی حصہ کر دیا سارے زمانے کے لئے
باغ میں جاتے ہیں وہ تو گل کھلانے کے لئے　　سیدھیاں سرو و صنوبر کو سنانے کے لئے
سرگذشت اپنی فسانہ ہے زمانے کے لئے　　گم ہوئے تھے ہم جہاں سے یاد آنے کے لئے
ماجرائے دل ہے کیا یارب کہ جس کا ہے یہ شوق　　لب مرے مشتاق ہیں میرے فسانے کے لئے
غنچہ دل کے عوض تازہ ہوئے داغ جنوں　　کیا بہار آئی تھی دیوانہ بنانے کے لئے
پاس اپنے دل کے رہنے دیجئے میرا بھی دل　　اک خوشی کو چاہئے اک غم اٹھانے کے لئے
بس رہا ہے جی میں تو وہ نازنین نازک مزاج　　اب کہاں سے لایئے دل چوٹ کھاں کے لئے
بعد محشر کیا یہ بت بیکار ہی رہ جائیں گے　　اک نہ اک فتنہ ہے لازم ہر زمانے کے لئے
زاہد صد سالہ آیا میکدے میں بھول کر　　لا شراب کہنہ ساقی اس پرانے کے لئے
قتل دشمن کا نہیں مشکل بہت آسان ہے　　چاہئے اک دوست مجھ سا دل بڑھانے کے لئے

چار حرف آرزوئے دل ہیں یوں تو مختصر
گر بڑھاؤں میں تو قصہ ہے بڑھانے کے لئے

تم سے بچ کر اک وفا حصے میں اپنی آگئی
تم نے خوبی کونسی چھوڑی زمانے کے لئے

آگیا کچھ یاد دل بھر آیا آنسو گر پڑے
ہم نہ روئے تھے تمہارے مسکرانے کے لئے

کثرت غم سے مرے دل میں جگہ ملتی نہیں
عیش رستہ ڈھونڈھتا پھرتا ہے آنے کے لئے

مرگئے تو مرگئے ہم عشق میں ناصح کو کیا
موت آنے کے لئے ہے جان جانے کے لئے

ان کی چتوں سے عیاں ہی چاہتا ہے ان کا دل
رشک لیلی ہم بنیں مجنون بنانے کے لئے

داغ جنگ کو سدھارا کب اسے کوچے میں ہے
دور جائے پاؤں اپنے کیوں تھکانے کے لئے

۲۷۶

بے مثل کیا اس بت کافر کو خدا نے
سمجھے کہ نہ سمجھے کوئی مانے کہ نہ مانے

مایوس ہوئے ہم تو ہوئے غیر بھی ناکام
معمور کیا باب قبول اپنی دعا نے

اے حشر کچھ انصاف بھی ہو گا کہ نہ ہو گا
بے فائدہ آیا ہے جو سوتوں کو جگانے

اس باغ میں ہے رنگ شہادت ہی کی رونق
جو گل نے رکھا منہ پہ وہی دل میں حنا نے

جب دل میں تمہارے ہی نہیں گھر تو کہاں گھر
کیا پوچھتے ہو خانہ خرابوں کے ٹھکانے

انداز کہے دیتے ہیں کشتی کے تمہارے
لوٹا ہے اسی ناز نے مارا ہے ادا نے

مرتے ہیں ترے کوچے میں پامال محبت
گھر دیکھ لیا گلشن جنت میں قضا نے

اوڑتے ترے ٹکڑے مرے دامن کی طرح سے
اے چرخ تجھے چھوڑ دیا دست دعا نے

مے خانہ ہے اور داغ ہے اور نشہ مے ہے
سوتا ہی رکھے خشت خم بادہ سرہانے

۲۷۷

یہ شیشہ نہیں کہ وہ جس میں پری ہے
فقط دل میں حسرت ہی حسرت بھری ہے

کہا تجھ کو سودائے زلف پری ہے
یہ اٹھتی نہیں ایسی تہمت دھری ہے

اشارے ان آنکھوں کے جان بخش ٹھہرے
یہ اعجاز ہے یا کہ افسوں گری ہے

نہ آگے گئی اس سے وہ چشم خود بین
مگر آئینہ حد اسکندری ہے

اسے دیکھ کر دل میں قائل ہے ناصح
مگر بات کیا ہے سخن پروری ہے

ہوئی طور بے طور الفت میں دل کے
قضا اک نہ اک روز آگے دھری ہے

گوارا نہیں دل کی شرکت بھی ہم کو
محبت میں یہاں یاں تک طبیعت بھری ہے

کہاں اس میں تیری سی محشر خرامی
لتاڑا ہوا تیرا کبک دری ہے

صبا بن گئی چور بادے چمن میں
کہ غنچے کی مٹھی جو زر سے بھری ہے

دلاسہ بھی دیتے نہیں عاشقوں کو
یہ کیا دل دہی ہے یہ کیا دلبری ہے

ملا داغ سے آج وہ ماہ پیکر
مبارک قرآن مہ و مشتری ہے

۲۷۸

سر وہ سر ہے کہ جو دلدار کے در تک پہنچے
دل وہ آئینہ ہے جو اس کی نظر تک پہنچے

ناتوانی نے رکھا ان سے شب وعدہ جدا
ہم چلے شام سے رستہ تو سحر تک پہنچے

دل کو تھاموں کہ تری بزم میں آنسو پونچھوں
ہاتھ جب دل سے اٹھے دیدۂ تر تک پہنچے

شعبدے چال نے تیری تری آنکھوں کو سکھائے
فتنے رفتار سے اٹھ اٹھ کے نظر تک پہنچے

دونوں ہاتھوں سے کیا ذبح مجھے قاتل نے
جب بھی کہتا ہے دکھی دو دوپہر تک پہنچے

اس کے ہمراہ گیا ہے دل پر رنج و ملال
یا الٰہی وہ سلامت کہیں گھر تک پہنچے

زلف آہستہ جھٹکیے کی مرا جی ڈرتا ہے
دیکھیے ہاتھ کا جھٹکا نہ کمر تک پہنچے

پس دیوار چمن رکھ دے قفس اے صیاد
میں نہ پہنچوں مرا نالہ گل تر تک پہنچے

کس طرح لے گا بلائیں کوئی آسودۂ خاک
کچھ نہ پہنچے تری گیسو جو کمر تک پہنچے

آلپٹ جا مرے سینے سے کہ اے بحر جمال
کبھی ٹھنڈک بھی تو عاشق کی جگر تک پہنچے

شوق ہے داد خدا ذوق ہے امداد خدا
داغ کیونکر نہ شہ جن و بشر تک پہنچے

۲۷۹

جانا تھا کہ ہے موت ہی آرام جدائی
واں تیرگی گور ہوئی شام جدائی

حسرت ہے کہ جو شخص پئے وصل ہو مشتاق
دے نامہ بر آ کر اسے پیغام جدائی

پاس اپنے تو سرمایہ الفت ہے تو یہ ہے
اک درہم داغ جگر انعام جدائی

ہے عالم دوری میں بڑا لطف تصور
اس واسطے ہوں بندۂ بیدام جدائی

مل جائے کوئی عاشق دیرینہ تو پوچھوں
کس طرح بسر کرتے ہیں ایام جدائی

معشوق تو کیا تجھ سے حذر کرتے ہیں عاشق
اے داغ ترا نام ہے پیغام جدائی

قطعہ

کل داغ سے پوچھا یہ کسی نے کہ بتا تو
کیا حال ہے اے بسمل صمصام جدائی

سرشار ہے کیوں بادۂ اندوہ میں غافل گردوں نے پلایا تجھے کیا جام جدائی
آنکھوں سے برستے ہیں در اشک تمنا سینہ ہے ترا مخزن آلام جدائی
کیوں دل پہ ہاتھ ہے کیوں چشم ہے پرنم ہے تجھ سے جدا کونسا آرام جدائی
آغاز جدائی کو جدائی نہ سمجھ تو ہونا ہے وصال ایک دن ایام جدائی
ہاں صبر ہے درکار کہ اس عربدہ جو پر حسرت نہ کھلے وصل کی ہنگام جدائی
یہ سن کے کہا ہائے نہ پوچھو یہ نہ پوچھو کچھ اور کرو ذکر نہ لو نام جدائی
کیا صدمہ قلق کیا ہے کہاں کا غم ہجراں ہے رنج کا مذکور نہ یاں نام جدائی
احباب کہ تھے واقف اسرار محبت جھنجلائے کہ او مورد الزام جدائی
ہم پوچھ کے احوال خلا وار ہی ٹھہرے گویا کہ دیا ہم نے یہ پیغام جدائی
اک نالہ کیا مرغ گرفتار کی صورت مطلع یہ پڑھا اس نے تہ دام جدائی

اللہ نہ دے گردش ایام جدائی
کم صبح قیامت سے نہیں شام جدائی

۲۸۰

گھٹ کے یوں خواہش دل شام و سحر بڑھتی ہے جس طرح ہو کے قلم شاخ شجر بڑھتی ہے
قطع امید سے امید مگر بڑھتی ہے کہ ادھر گھٹتی ہے الفت تو ادھر بڑھتی ہے
تول میزان نظر میں نظر دشمن و دوست کس طرف کم ہے تری چاہ کدھر بڑھتی ہے
جلوۂ تابش خورشید سے گھٹتی ہے نگاہ اس مہ حسن کی دیکھے سے نظر رہتی ہے
دیکھئے خوب گھٹا کر جو شب ہجراں کو روز محشر سے یہ دو چار پھر بڑھتی ہے
چشم قاتل کو مگر سنگ فشاں ہے سرمہ اور بھی برش شمشیر نظر بڑھتی ہی

دل فقط بوسے کی قیمت ہے جگر بڑھتی ہے
یہ نہ ہو گا کہ تجھے اس کے عوض دوں پہ بھی

زلف کی تار سے کچھ ان کی کمر بڑھتی ہے
اس قدر بھی جو نہ ہوتی تو نہ ہوتی ثابت

کوئی سفاک مَیں بے خوف چلا ہے دیکھو
گھر سے یہ داغ بھی کمبخت مگر بڑھتی ہے

۲۸۱

صبر آنا تو محبت میں بہت مشکل ہے
موت بھی تو نہیں اس کو یہ وہ کافر دل ہے

ہجر ہے آفت جان وصل بلائے دل ہے
آدمی کے لئے ہر طرح غرض مشکل ہے

شمع چپ آئینہ حیران ہے عاشق ششدر
واہ کیا عالم تصویر تری محفل ہے

ہم نے جو راز کہ خلوت میں کہا تھا اس سے
آج افشا وہ رقیبوں میں سر محفل ہے

تجھ کو اے قیس ہے کیوں ناقہ و محمل کی تلاش
دل میں لیلیٰ ہے تیرا دل ہی تیرا محمل ہے

حشر کے دن تو ملو گے یہ کیا میں نے سوال
سوچ کر دیر میں ظالم نے کہا مشکل ہے

جمع ہیں کس قدر آشفتہ خدا خیر کرے
اس کی ہر ہر شکن زلف میں اک اک دل ہے

وہ زمانہ ہی گیا آپ کی دلجوئی کا
کہ تلاشیں تھیں زمانے میں کہیں بھی دل ہے

صفحہ دہر پہ یہ ہستی موہوم مگر
حرف بھی تو ہے غلط نقش ہے تو باطل ہے

اے غم یار کوئی اپنا ٹھکانا کر لے
دل تو پر درد ہے تو درد کے کیوں شامل ہے

ہم کو قسمت نے دیا داغ تمنا اے داغ
وہ ہی ملتا ہے جس انعام کے جو قابل ہے

۲۸۲

ہوں تو دیوانہ مگر خالی نہیں تدبیر سے
میں نے باندھا ہے جنوں کو حلقہ زنجیر سے

مجرمان عشق کو کیا خوف ہے تعزیر سے
کٹ سکا کب رشتہ الفت تری شمشیر سے

بچ کے کیوں چلتا ہے خاک عاشق دلگیر سے
آدمی اکسیر کا بنتا ہے اس اکسیر سے

گر تری وحشت زدہ کچھ بھی ہلائیں ہاتھ پاؤں
شور محشر چیخ اٹھے نالہ زنجیر سے

جب چھناواں شست سے ناوک چلا پہلوئے دل
یہ شکار اوڑ کر لپٹ جاتا ہے نوک تیر سے

سورۂ یوسف سنوں کیا کان دھر کر واعظو
کان اس نے بھر دیئے ہیں لذت تقریر سے

ہر خطا وار آپ کے احسان کا مارا مر گیا
عفو کرنا جرم کا بڑھ کر ہوا تقدیر سے

ظلم ہے آزاد پر پابندی مقصود بھی
کتنا بچ بچ کر گیا نالہ مرا تاثیر سے

سمجھے نامے کو مرے کاتب وہ فرط قہر میں
کچھ عجب انداز کی تقریر تھی تحریر سے

یہ نئی صورت کی پہنائیں جنوں نے بیڑیاں
پڑ گئے تار گریباں پاؤں میں زنجیر سے

کیا کریں کچھ بس نہیں تیرے لئے اے روز وصل
عمر تھوڑی مانگ لیتے آسمان پیر سے

طبع نازک میں تلون اس قدر کاہے کو تھا
یہ اوڑایا رنگ میری رنگ کی تعبیر سے

ہو کے بسمل اس تن بے جس کو جنبش ہو گئی
آگیا دم مجھ میں گویا برش شمشیر سے

شکر ہے اے دل کہ ان کو غصہ آکر رہ گیا
آلیا تھا موت نے پر بچ گئے تقدیر سے

کس قدر ہے داغ مہر و لطف کا دنیا میں کال
مر گئے عشاق تو اس قحط عالمگیر سے

۲۸۳

چارہ گر ہم ہوش میں آئیں گے کیا تدبیر سے
عقل دیوانی نہیں باندھیں جسے زنجیر سے

بڑھ گئی وحشت زیادہ چارۂ و تدبیر سے
اور دونے پاؤں اپنے کھل گئے زنجیر سے

جب لڑی ہیں وہ نگاہیں عاشق دلگیر سے
چبھ گئی ہیں برچھیاں سی کھب گئے ہیں تیر سے

فکر ہے لکھیں گے کس پر نامہ اعمال خلق
کونسا کاغذ بچا یہاں شوق کی تحریر سے

تونے رکھا ہے کہاں کا ہم کو اے جوش جنوں
جائیں گے کس گھر نکل کر خانہ زنجیر سے

کچھ توقع کچھ یقیں کچھ یاس کچھ وہم وگماں
انتظار یار کی ہے کیفیت تاخیر سے

ہے کلام لطف میں بھی اک طرح کی نوک جھونک
میٹھی چھریاں چلتی ہیں شیرینی تقریر سے

بے قراری کا برا ہو منفعل قاتل سے ہوں
اک جگہ ٹھہرا نہ میں بچ بچ گیا ہر تیر سے

پڑ گئی کیونکر الٰہی دل میں اس بت کی گرہ
بچ رہا تھا کونسا عقدہ مری تقدیر سے

ہے قم عیسیٰ صدا قاتل کی مجھ کو وقت ذبح
جان آجاتی ہے ہر دم نعرۂ تکبیر سے

ہر سخن میں گرچہ سو پہلو بچاتا ہوں مگر
آرزوئیں ٹپکی پڑتی ہیں مری تقریر سے

گر رسائی چاہتی ہے اور تو اپنا عروج
اے دل مل جا کسی اوچکی ہوئی تقدیر سے

داغ جلنے کے لئے کافی ہے اس کی بزم میں
کاٹ ڈالے کوئی پروانے کا سر گلگیر سے

۲۸۴

چھوڑا ہے ساتھیوں نے پس کارواں مجھے
لے جائے دیکھئے مری قسمت کہاں مجھے

شب کو نہ آئی تم تو دل بدگماں مجھے
واں لے گیا کہ موت ہے جانا جہاں مجھے

چکر میں مثل سنگ فلاخن ہوں دیکھئے
پھینکے مرے نصیب کی گردش کہاں مجھے

کیا درد دل کہوں کہ سراپا ہوں درد مند
آتی نہیں ہے بات سوائے فغاں مجھے

پڑتی ہے ان کی آنکھ سرِ بزم جب کہیں
جاتے ہیں اک نگاہ پہ سو سو گماں مجھے

ہوتی نہ وہ گلی تو بہلتا نہ دل مرا
ملتا اگر زمین کے عوض آسماں مجھے

افسانہ کہہ کے اس کو سلاؤں تمام رات
نوکر ہی رکھ لے کاش ترا پاسباں مجھے

دل خط میں رکھ دیا بھی تو کیا فائدہ ہوا
قاصد کا ہے سوال کہ دے تو زباں مجھے

اے داغ اس کے ہاتھ سے گر ہوں شہید میں
وہ موت بھی ہو زندگیِ جاوداں مجھے

۲۸۵

ہر گھڑی مجھ کو قسم غیر کی دی جاتی ہے
وصل میں ان کی نئی چھیڑ چلی جاتی ہے

کبھی اقرار ہے تجھ کو کبھی انکار وصال
بات تیری نہ اٹھائی نہ دھری جاتی ہے

اللہ اللہ رہی گراں باری غم بعد فنا
کہ مری خاک سے آندھی بھی دبی جاتی ہے

حشر تک شکوۂ اغیار رہے گا ظالم
آج کی آج کوئی یہ خفگی جاتی ہے

چارہ گر رکھ نہ مرے زخم جگر پر مرہم
کہ مری لذت ایذا طلبی جاتی ہے

راستے پر کبھی آنے کا نہیں ان کا مزاج
اب بھلا کوئی طبیعت کی کجی جاتی ہے

اک ترا نام کہ ہر دم ہے وظیفہ مجھ کو
اک مری بات کہ برسوں میں سنی جاتی ہے

چھیڑنا زلف پریشاں کا بلا تھا اے دل
آئی شامت تری اب کوئی گھڑی جاتی ہے

میرا چاہا نہ خدا نے کبھی چاہا اے داغ
غم تو بڑھتا ہے مگر عمر گھٹی جاتی ہے

کیا بھیڑ میکدے کی ہے در پر لگی ہوئی
پیاسو سبیل ہے سر کوثر لگی ہوئی

یہ سن کے لو ہے اے دل مضطر لگی ہوئی
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

دل کیا کھلے مرا کہ تری زلف کی طرح
مضبوط اک گرہ ہے گرہ پر لگی ہوئی

رکھے قدم سنبھل کے رہ عشق میں وہی
آگے بھی جس کو ہو کبھی ٹھوکر لگی ہوئی

یوں کون جانے درد محبت کو ناصح
وہ جانے جس کی چوٹ ہو دل پر لگی ہوئی

یارب ہو دل کی خیر کہ بے ڈھب کچھ آجکل
ہے گھات میں نگاہ ستمگر لگی ہوئی

میرا ہی سا ہو حال تمہارا بھی ناصحو
چیٹک تمہیں بھی عشق کی ہو گر لگی ہوئی

گر زندگی خضر و مسیحا ہوئی تو کیا
ہے موت سب کے ساتھ مقرر لگی ہوئی

کوئی عدم سے آئے نہ اس قید خانے میں
قید حیات ساتھ نہ ہو گر لگی ہوئی

بے شک ہے کچھ لگاؤ جو کرتا ہے یہ گریز
زاہد سے دخت رز ہے مقرر لگی ہوئی

ناقوس بتکدے میں تو کعبے میں ہے اذان
ہے یاد میرے دوست کی گھر گھر لگی ہوئی

وہاں گالیوں پر نہ منہ ہے ہمیشہ کھلا ہوا
یاں مہر خاموشی مرے لب پر لگی ہوئی

جب میں نے آہ کی ہے قیامت اٹھائی ہے
آواز پر ہے شورش محشر لگی ہوئی

کیا دخل بے قراری دل سے جو اک طرف
کروٹ مری رہے سر بستر لگی ہوئی

ٹھہری کبھی نہ اس صفت مژگاں کے روبرو
ہو سامنے اگر صف محشر لگی ہوئی

تھوڑی نظر گذر کے ملی ہم کو ساقیا
ہے اپنی تاک جانب ساغر لگی ہوئی

میں آشنا نہیں بت ناآشنا سے داغ
تہمت یہ مفت کی ہے مرے سر لگی ہوئی

۲۸۷

کہنے دیتی نہیں کچھ منہ سے محبت تیری
لب پہ رہ جاتی ہے آ آ کے شکایت تیری

اب ترا اے دل بیتاب خدا حافظ ہے
کر چکے ہم تو محبت میں حفاظت تیری

دیکھئے کرتی ہے رسوائے زمانہ کیا کیا
مجھ کو یہ چاہ میری تجھ کو یہ صورت تیری

پوچھتے ہیں وہ مری بات تو یوں پوچھتے ہیں
کہتے ہیں کون ہے تو کیا ہے حقیقت تیری

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کی صدمے ظالم
بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

عدم آباد کو جاتے ہیں بشر خالی ہاتھ
مجھ کو ہے ناز کہ لے جاؤ حسرت تیری

یار غمخوار مرے حال کو سب پوچھتے ہیں
اور پھر پوچھ کے سب کہتے ہیں قسمت تیری

ہے رقیبوں کی زبان پر بھی ستم کا شکوہ
تو بھی مجبور ہے جاتی نہیں عادت تیری

کوچہ یار میں بھی جی نہیں لگتا اے داغ
دیکھئے جائے گی کس روز یہ وحشت تیری

۲۸۸

وصل کی شب بھی وہی عادت پرہیز رہے
مہربانی بھی تمہاری ستم آمیز رہے

دام پھیلائے تری زلف دلاویز رہے
تیغ کھینچے ہوئی مجھ پر نگہ تیز رہے

اک اشارے میں یہ تاملک عدم جا پہنچا
تو سن عمر کو کیا حاجت مہمیز رہے

وائے بربادی قسمت کہ گلی میں تیری
خاک ہو کر بھی رہے ہم تو ہوا تیز رہے

کون تھا گرم عنان آج کہ جو خاک مری
شوق پابوس میں گرد ستم شبدیز رہے

کوئی دیوانہ رہا کوئی رہا سودائی
بو ترے زلف کی کیا کیا نہ جنوں خیز رہے

نعمت خلد کو بھی منہ نہ لگایا اس نے
تیرے بیمار کو جو عادت پرہیز رہے

گالیاں دیتے ہو پھر عذر خطا کرتے ہو
اس سے بھی تیز ہوئی اس سے بھی یہ تیز رہے

گو کہ تیزی ہے طبیعت میں تمہاری اے داغ
بات پر سامنے ان کے نہ کبھی تیز رہے

۲۸۹

کوئی کمی نہ کی تھی دل بیقرار نے
مجھ کو بچا لیا مرے پروردگار نے

پامال کر دیا فلک بدشعار نے
سیکھے ترے چلن روش روزگار نے

ایسے مزے لئے مرے پائے فگار نے
گھر دل میں کر لیا خلش نوک خار نے

سنتے تھے ایک عمر سے طوفان نوح کو
ہم کو دکھا دیا مژهٔ اشکبار نے

سو حسرتیں ملیں ہیں مرے ساتھ خاک میں
مٹی بھی دی تو ان کو اسی خاکسار نے

میں نے تو جان دی تھی بہانے سے موت کے
بدنام کر دیا اسے ہر سوگوار نے

مجھ سے ہے یہ گلہ کسی وعدہ خلاف کو
جھوٹا بنا دیا ہے ترے اعتبار نے

دیکھی ہے ہم نے آج وہ ظرف وضو میں بند
جو پی کے چھوڑ دی تھی کسی بادہ خوار نے

وہ بات ہی نہیں وہ ملاقات ہی نہیں
نادان جب ابھار دیا تجھ کو چار نے

کہتے ہیں مجھ سے وصل میں کیوں تجھ کو یاد نہیں
رو رو کے پلٹ پلٹ کے وہ دن گذار نے

سب بھیڑ چھٹ گئی مرے جاتے ہی حشر میں
میدان کر دیا نفس شعلہ بار نے

وہ اور مجھ کو خط میں لکھے شکوۂ رقیب
پٹی پڑھائی ہے یہ کسی ہوشیار نے

قسمیں ہزار دو نہ بتائیں گے ہم کبھی
مانگی ہے جو دعا دل امیدوار نے

غیروں کو آج بزم میں اس کی رولا دیا　　بے اختیار نالہ بے اختیار نے

اے داغ ہائے داغ ہے عہد شباب کا
کیا داغ کھائے تیرے دل داغدار نے

۲۹۰

محبت کا اثر جاتا کہاں ہے　　ہمارا درد سر جاتا کہاں ہے
دل بے تاب سینے سے نکل کر　　چلا ہے تو کدھر جاتا کہاں ہے
عدم کہتے ہیں اس کوچے کو اے دل　　ادھر آ بے خبر جاتا کہاں ہے
کہوں کس منہ سے میں تیرے دہن ہے　　جو ہوتا تو کدھر جاتا کہاں ہے
ترے جاتے ہی مر جاؤں گا ظالم　　مجھے تو چھوڑ کر جاتا کہاں ہے
کہاں جاتا ہے قاصد اس کے در تک　　خدا جانے کہ مر جاتا کہاں ہے
ہمارے ہاتھ سے دامن بچا کر　　ارے بیداد گر جاتا کہاں ہے
تری چوری ہی سب میری نظر میں　　چرا کر تو نظر جاتا کہاں ہے

اگرچہ پاشکستہ ہم ہیں اے داغ
مگر قصد سفر جاتا کہاں ہے

۲۹۱

چلے ہو لے کے دل ہمراہ تم آنا یہاں پھر بھی
کرم کرنا ہمارے حال پر اے مہرباں پھر بھی

ابھی سمجھے نہیں تم ماجرائے دل کی کیفیت
سنائیں گے تمہیں ہم ایک دن یہ داستاں پھر بھی

عدوے عیش ہے لیکن عدوے جان نہیں تجھ سا
غنیمت ہے ہزاروں دشمنوں میں آسماں پھر بھی
غش آیا ہاتھ کانپے تیغ کے ٹکڑے ہوئے آخر
کہو تو سخت جانوں کا کرو گے امتحاں پھر بھی
مرے شوق شہادت نے نہ تھکایا بازو قاتل
دہان زخم سے یہ شور تھا اک ہاتھ ہاں پھر بھی
نکل آیا ہے خط ہر چند تیرے روے گلگوں پر
نکلتی ہے مگر اک بات تجھ میں دلستاں پھر بھی
چلا میں ہو کے خائف کوئی جاناں سے تو رستے میں
لگی کہنے قضا جاتا ہے تو آگے کہاں پھر بھی
دیئے ہیں امتحان کیا کیا کوئی انصاف سے دیکھے
رہا وہ بے مروت ہائے ہم سے بدگماں پھر بھی
تجھے ہے داغ کیا ارمان ایام گزشتہ کا
دوبارا جاکے آتی ہے کہیں عمر رواں پھر بھی

۲۹۴

عشق کا لطف غم سے اٹھتا ہے غم جو اٹھتا ہے ہم سے اٹھتا ہے

فتنہ ان کی قدم سے اٹھتا ہے
ہر قدم کس ستم سے اٹھتا ہے
دیکھئے کیا فساد قاصد پر
میری طرز رقم سے اٹھتا ہے
اس کی کافر نگاہ کے اٹھتے ہی
شور دیر و حرم سے اٹھتا ہے
ظلم تیرا اٹھائے جاتے ہیں
جب تک اے یار ہم سے اٹھتا ہے
کس سے اٹھتا ہے صدمہ الفت
یہ ہمارے ہی دم سے اٹھتا ہے
ہم پہ کیجئے جفا وفا آمیز
کہ ستم بھی کرم سے اٹھتا ہے
گو قیامت اٹھے مگر یہ دل
کوئی بیت الصنم سے اٹھتا ہے
گر نہ ٹھکرائے وہ تو پھر اے داغ
کون خواب عدم سے اٹھتا ہے

۲۹۳

کماں تند خو کیا جانے کیا ہے
ہماری آرزو کیا جانے کیا ہے
اسے کچھ جانتے ہیں دوست تیرے
محبت کو عدو کیا جانے کیا ہے
ہمارے اور ان کے دل ہی دل میں
ہمیشہ گفتگو کیا جانے کیا ہے
ستم میں کیا تامل تجھ کو لیکن
لحاظ اے کینہ جو کیا جانے کیا ہے
بھروں کیا اس کے آگے میں دم سرد
اے وہ شعلہ خو کیا جانے کیا ہے
رواں آنکھوں سے یہ خون جگر ہے
کہ ہے دل کا لہو کیا جانے کیا ہے
قمر ہے یا کہ ہے مہر درخشاں
ترا روئے نکو کیا جانے کیا ہے
کہوں کیا تجھ سے ناصح لذت عشق
اے کمبخت تو کیا جانے کیا ہے

جہان میں داغ نے دیکھا ہے کس کو
یہ تکتا چار سو کیا جانے کیا ہے

۲۹۴

نکل اب تیر سینے سے کہ جان پر الم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے

تمنا وصل کی اک رات میں کیا اے صنم نکلے
قیامت تک یہ نکلے گر نہایت کم سے کم نکلے

خدا ہے حشر کے دن التجا تیری نہ ماؤں میں
مرے منہ سے نہیں نکلی ترے منہ سے قسم نکلے

مرے دل سے کوئی پوچھے شب فرقت کی بے تابی
یہی فریاد تھی لب پر کہ یارب جلد دم نکلے

ہوئے مغرور وہ جب آہ میری بے اثر دیکھی
کسی کا اس طرح یارب نہ دنیا میں بھرم نکلے

مبارک ہو یہ گھر غیروں کو تم کو پاسبانوں کو
ہمارا کیا اجارہ ہے نکالا تم نے ہم نکلے

نہ اٹھے مر کے بھی ایسے ترے کوچے میں ہم بیٹھے
محبت میں اگر نکلے تو ہم ثابت قدم نکلے

نہ گذرا بے خلش یاد مژہ میں ایک دم ہم کو
کہ ڈوبے نشتر غم دل سے جب خار الم نکلے

رہ الفت کو اک سیدھا سا رستہ ہم نے جانا تھا
مگر دیکھا تو اس رستے میں صدہا پیچ و خم نکلے

سمجھ کر رحم دل تم کو دیا تھا ہم نے دل اپنا
مگر تم تو بلا نکلے غضب نکلے ستم نکلے

نہ نکلا دل ہی سینے سے نہ پیکاں ہی جدا نکلا
اگر نکلے تو دونوں آشنا ہو کر بہم نکلے

برا ہو اس محبت کا کہ اس نے جان سے کھویا
لگا دل اس ستمگر سے اجل کا جس سے دم نکلے

دم پرسش جو دیکھا اس بت سفاک کو مضطر
صف محشر سے دل پکڑے ہوئے گھبرا کے ہم نکلے

کہیں کیا دل میں کیا آیا کہیں کیا منہ سے کیا نکلا
کبھی جو چلتے پھرتے ہم سو بیت الصنم نکلے

گئے ہیں رنج و غم اے داغ بعد مرگ ساتھ اپنے
اگر نکلے تو یہ اپنی رفیقان عدم نکلے

۲۹۵

دیکھ سکتے نہیں اس بزم میں اغیار مجھے
لے چلی ہائے کہاں حسرت دیدار مجھے

ایسی باتوں سے تو بہتر ہے خموشی واعظ
کہ تری ضد نے کیا اور گنہگار مجھے

رحم آتا ہے دل زار تری حالت پر
کاش ہو جائے تری جان کا آزار مجھے

اپنے قاتل سے نہیں خون کا دعویٰ مجھ کو
بلکہ خود جرم محبت پہ ہے اقرار مجھے

ہو گئی کثرت عصیاں سے مری وہ نوبت ہے یہ احسان ملا لیں جو گنہگار مجھے
مانگتا ہے مرے جینے کی دعائیں ظالم جان کر جی سے خفا جان سے بیزار مجھے
بوئے ہیں تیری محبت نے ہزاروں کانٹے دل ملا ہے کہ ملا وادی پرخار مجھے
ہم نشیں تجھ سے وہ ہیں خاک کہوں خلوت میں آج جو اس نے کہا ہے سر بازار مجھے
دل مرا لے کے وہ پچھتائے ہیں دل میں اے داغ
نظر آتی ہے پھری چشم خریدار مجھے

۲۹۶

بلا سے نامہ کو ثابت اگر نہیں رکھتے وہ تیرے منہ پہ تو کچھ نامہ بر نہیں رکھتے
برائیاں نہ تری یاد آئیں اس باعث ہم اپنے حال زبوں پر نظر نہیں رکھتے
گلی میں یار کی جانا ہے جان سے جانا جو پاؤں رکھتے ہیں وہ تن پہ سر نہیں رکھتے
پسند آئی ہمیں جب سے ان کی طرز خرام قدم زمین پہ سر ر ہگزر نہیں رکھتے
ہزار حیف ہوئے بیقرار جن کے لئے وہ ہاتھ بھی دل بیتاب پر نہیں رکھتے
جو ہو گی ہم پہ عنایت تو کیا غضب ہو گا کہ کیا بشر سے محبت بشر نہیں رکھتے
رہا اگر نہ مجھے ہوش عشق میں نہ رہا تمہارا دل ہی کہاں تم خبر نہیں رکھتے
بشر ہیں اہل ہوس بھی مگر یہ سوز کہاں جگر تو رکھتے ہیں داغ جگر نہیں رکھتے
اٹھائیں ان کی ستم کس طرح سے ہم اے داغ
کہ دل میں تاب و تواں اس قدر نہیں رکھتے

۲۹۷

دیئے اس بوسہ لب نے مجھے شکر کے مزے — کھا کے دشنام لئے قند مکرر کے مزے
لب شیریں سے دم ذبح جو تکبیر سنی — مجھ کو شربت ہوئے زاہر یہ خنجر کے مزے
چھیڑ کر نشتر مژگاں سے کہاں جاتے ہو — دیکھتے جاؤ ہمارے دل مضطر کے مزے
دل ترا آئے کسی پر تو یہیں ہو انصاف — عشق دنیا میں چکھادے تجھے محشر کے مزے
کچھ پیا خون جگر دل کا لہو کچھ چاٹا — چکھتی پھرتی ہیں نگاہیں تری گھر گھر کے مزے
دل کے سناٹوں سے جنگل میں لرزتی ہے صبا — یاد آتی ہیں جو غربت میں مجھے گھر کے مزے
جستجو زہر ہے گر حاصل مطلوب نہ ہو — آب حیوان نے کئے تلخ سکندر کے مزے
باغ میں چل کے دکھا دے روش مستانہ — کبک و طاؤس اوڑالیں تری ٹھوکر کے مزے
زیست کے لطف جو کچھ خضر و مسیحا سے بچے — وہ لئے ہم نے ترے عشق میں مرمر کے مزے
جن کو ہے جان عزیز ان کو نہیں لذت عشق — خضر کیا جانے ترے برش خنجر کے مزے
جلوۂ طور تو میں کہہ نہیں سکتا زاہد — پوچھ آنکھوں سے مری اس رخ انور کے مزے
کاش بک کر ہی چھٹیں قید سے ہر روز اسیر — تجھ کو صیاد ستم گار پڑیں زر کے مزے

داغ اس چاٹ پہ ہے تشنہ لب و تشنہ دہن
کہ ملیں ساقی کوثر سے مے کے مزے

۲۹۸

دوست خوش ہونے لگے دوست کے مرجانے سے — غم کا یہ کال پڑا ہے مرے غم کھانے سے
کہیں دیکھی نہ سنی ایسی تو ٹھنڈی مٹی — بجھ گیا اور بھی ناصح مرے بھڑکانے سے

وعدۂ وصل کی تکرار نے ہم کو مارا
فیصلہ خوب ہوا بات کے بڑھ جانے سے
خود فراموش کیا یاد نے تیری اچھا
رہ گئی اپنی مصیبت مجھے یاد آنے سے
یہ بھی دشمن ہی کے حصے میں سہی اے تقدیر
کام کی اس کے تصور کو یہاں آنے سے
مجرم عشق کے ارمان نرالے دیکھے
جرم کا حوصلہ بڑھتا ہے سزا پانے سے
خون بہا کی ہی عبث فکر مرے قتل کے بعد
اب دعا کیجئے کیا فائدہ گھبرانے سے
پند کو دیکھ ذرا ہاتھ تو رکھ کر دل پر
لگ گئی آگ زیادہ ترے سمجھانے سے
کیجئے فکر سخن خاک وہ دل ہی نہ رہا
داغ فرصت ہی نہیں روز کے غم کھانے سے

۲۹۹

لگ چلی باد صبا کیا کسی مستانے سے
جھومتی آج چلی آتی ہے مے خانے سے
چور ہو جاؤں مگر جاؤں نہ مے خانے سے
عہد شیشے سے تو پیمان ہے پیمانے سے
روح کس مست کی پیاسی گئی مے خانے سے
مے اوڑی جاتی ہے ساقی ترے پیمانے سے
فکر ہے دوست کو احوال سناؤں کیونکر
ٹکڑے ہوتا ہے کلیجا مرے افسانے سے
گر پڑا ہوں نشہ مست سے چکر کھا کر
ساقیا پہلے اٹھا تو مجھے پیمانے سے
وہی وحشت ہے وہی خار وہی ویرانہ
دشت کس بات میں اچھا مرے کاشانے سے
سختیاں کھینچنے کی ہو گئی عادت مجھ کو
بت چلے آئیں نہ کھنچ کر کہیں بت خانے سے
ڈر ہے تاثیر نہ کر جائے کسی کی فریاد
کان بھر لیجئے پہلے مرے افسانے سے
دل برباد میں آباد ہوئے عشق و جنون
کوئی بستی نہیں بہتر مرے ویرانے سے

شکل ثابت نظر آتی نہیں عمامے کی
شیخ نے بدلی ہے پگڑی کسی مستانے سے
کر دیا صاف الگ دل نے ہمیں الفت میں
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں بیگانے سے
جانشیں قیس کے سب وحشی صحرا ہو جائیں
دشت آباد نہ ہو گر ترے دیوانے سے
نگہ مست تری گر ہی پڑی دل پہ مرے
لغزش پا نہ سنبھالی گئی مستانے سے
اس کی بیداد نے چھوڑی نہیں عالم میں جگہ
نالے گھبرائے ہوئی پھرتے ہیں دیوانے سے

ایک چلو میں بہت داغ بہک اٹھتے تھے
آج سنتے ہیں نکالے گئے مے خانے سے

۳۰۰

آتش شوق کو کب دل سے جدا رکھا ہے
اس لگی کو تو کلیجے سے لگا رکھا ہے
دیکھ لینے کو ترے سانس لگا رکھا ہے
ورنہ بیمار غم ہجر میں کیا رکھا ہے
ناامید ان وفا کا یونہی دل رکھتے ہیں
آپ نے خاک میں جس طرح ملا رکھا ہے
کھائی ہے وعدۂ فردا پہ قسم کیا جھٹ پٹ
آج اس حرف تسلی نے لٹا رکھا ہے
اس قدر تو ہے ترا پردہ نشیں پاس حجاب
کہ تری درد کو بھی دل میں چھپا رکھا ہے
تھی مکدر تو کدورت نے رکھا تھا برباد
صاف ہو اب تو صفائی نے مٹا رکھا ہے

قطعہ

دل گم گشتہ کی مذکور پر ایسے بگڑے
کہ بڑی دیر سے منہ تم نے بنا رکھا ہے
شانہ ہے کہ گل ہے کہ دل ہے مجھے معلوم نہیں
دیکھ لو زلف گرہ گیر میں کیا رکھا ہے

قطعہ

ستم ایجاد کا انداز ستم تو دیکھو امتحان عشق و ہوس کا یہ بنا رکھا ہے
ہر گھڑی عاشق مضطر سے وہ ملتے ہے شبیہ نقشہ بگڑی ہوئی صورت کا بنا رکھا ہے
شکوۂ ہجر سے اے داغ اثر کی امید
آپ نے نام شکایت کا دعا رکھا ہے

۳۰۱

رنج و قلق کہ صدمہ و ایذا اٹھایئے دل کو بٹھا کے سینے میں کیا کیا اٹھایئے
کس کس کا داغ اے ستم آرا اٹھایئے دل کا اٹھایئے کہ جگر کا اٹھایئے
ہم بھی جگر کو تھام لیں دل کو سنبھال لیں تھم تھم کے رخ سے زلف چلیپا اٹھایئے
عادت نجائے گرچہ قیامت ہی کیوں نہ آئے ملنے کے بعد پھر کوئی جھگڑا اٹھایئے
دام بلائے زلف سے باندھا ہے سلسلہ دل چاہتا ہے پھر کوئی جھٹکا اٹھایئے
یوں خاک میں ملایئے اس شوق چشم کو پلکوں سے اس کا نقش کف پا اٹھایئے
ہم بھی بھرے ہوئے ہیں کہ ہے چھیڑنے کی دیر بہتر ہمیں نکالئے اچھا اٹھایئے
کہہ کیا کہ آپ نیم نگہ کرکے رہ گئے جو شعبدہ اٹھایئے پورا اٹھایئے
اے ناتوانی نے دل بیمار الاماں طاقت نہیں کہ دل سے تمنا اٹھایئے
الفت کا داغ تک بھی نہ دیجئے رقیب کو دولت یہ وہ نہیں جسے بے جا اٹھایئے
انداز یہ کہ جان نہیں چھوڑنے کی آپ تاکید یہ کرنا ہمارا اٹھایئے

ہر چند کوہ سے بھی گراں تر ہے بار عشق ہمت یہ کہہ رہی ہے کہ تنہا اٹھائیے
وہ داغ درد مند جو کل تک مریض تھا
آج آکے آپ اس کا جنازہ اٹھائیے

۳۰۲

غیر کو اس بزم میں توقیر پھر پیدا ہوئے دل کو میری خواہش اے تقدیر پھر پیدا ہوئی
دیکھتے ہیں وہ جو پھر پھر کر میری جانب مگر آہ بے تاثیر میں تاثیر پھر پیدا ہوئی
جذبہ دل میں مری سستی نہیں تو کس لئے ان کے آنے میں یہاں تاخیر پھر پیدا ہوئی
دیکھ تو قاتل مرے شوق شہادت کی کشش گم ہوئی تھی جو تری شمشیر پھر پیدا ہوئی
بعد مجنوں دیکھ کر وحشت مری کہتی ہے خلق اک بلا یہ زیر چرخ پیر پھر پیدا ہوئی
ہو گئی تھی گم جو اک مدت سے دل کی آرزو سن کے تیرے پیار کی تقریر پھر پیدا ہوئی
از سر نو ہو گا پروانہ اسیر عشق داغ
موج دود شمع سے زنجیر پھر پیدا ہوئی

۳۰۳

گالیوں میں ادا نکالی ہے بات میں بات کیا نکالی ہے
دے کے دل فکر پیش و پس کیسی ابتدا انتہا نکالی ہے
تم سے کیا شکوہ ہے گلہ اس سے جس نے رسم وفا نکالی ہے
درد مندوں کو قتل کرتے ہو واہ اچھی دوا نکالی ہے

شب غم کا گزارنا کیا تھا گھر سے اپنی بلا نکالی ہے
نام نکلا جہاں میں پردہ نشیں یہ کہاں کی حیا نکالی ہے
دل جو واپس طلب کیا تو کہا یہ نئی التجا نکالی ہے
بات کیسی وہ ہو گئے ہیں خفا منہ سے جب اف ذرا نکالی ہے

داغ معجز بیان ہے کیا کہنا
طرز سب سے جدا نکالی ہے

۳۰۴

جس سے جانبر ہوں وہ تدبیر جفا کون سی ہے موت کی کوئی بتائے تو دوا کونسی ہے
تجھ کو مشکل دل بیتاب بتا کونسی ہے ایسی چلتی ہوئی وہ تیغ ادا کونسی ہے
خاک ہو کر کسی کوچے میں ہمیں جانا تھا آج کیا جانے کدھر کی ہے ہوا کونسی ہے
کوچہ یار سے دیتا ہے جو واعظ تفضیل ایسی جنت میں نرالی وہ فضا کونسی ہے
گو برا ہوں مگر اچھا ہوں کہ چاہا تم کو میری تقصیر ہے کیا میری خطا کونسی ہے
ناز کرتے ہیں وہ ہر ناز پہ یہ کہہ کہہ کر اس کو کہتے ہیں ادا اور ادا کونسی ہے
اف نہ کی ہم نے تہ تیغ جفا اے ظالم اس سے بڑھ کر رہ تسلیم و رضا کونسی ہے
موت ہی زندگی ہجر اجل رشک رقیب اور عشاق کی مرنے کو قضا کونسی ہے

کیا کہوں گا جو کہا اس نے کہ اچھا کہئے
بات اے داغ محبت کے سوا کونسی ہے

راز الفت کا نہ ہر اک ہم نشین سے پوچھیے
یہ ہمیں کچھ جانتے ہیں یہ ہمیں سے پوچھیے

آپ نے جو جو دیئے ہیں رنج سب کھل جائیں گے
اس دل غمگین سے اس جان حزین سے پوچھیے

میری خاموشی کا باعث پوچھیے مجھ سے نہ کچھ
یہ حقیقت اپنی چشم سرگیں سے پوچھیے

داد کوئی دے سکے کیا اس خرام ناز کی
کیا زمین کے دم پہ بنتی ہے زمین سے پوچھیے

آپ کا حال گزشتہ میں کہوں گا ٹھیک ٹھیک
یاد ہے مجھ کو یہ افسانہ کہیں سے پوچھیے

گاہ کہتا ہوں کہ کچھ دریافت کیجئے حال دل
گاہ کہتا ہوں کہ کیا اس نکتہ چیں سے پوچھیے

ان سے پوچھے وصل کی صورت تو فرمانے لگے
پوچھیے اس کو تو صورت آفریں سے پوچھیے

نیک و بد ہم نے زمانے کا بتایا بھی تو کیا
آپ کا جن پر یقین ہے یہ انہیں سے پوچھیے

جانتا ہے دل ہی داغ عشق کا اے داغ لطف
یہ فروغ روسیا ہے اس نگین سے پوچھیے

۳۰۶

رنج صحت سے جو واقف دل شیدا ہو جائے ‏ ‏ داغ ارمان بنے درد تمنا ہو جائے

زندہ دل خاک یہ نام تمنا ہو جائے ‏ ‏ سخت مشکل ہے کہ مر کر کوئی پیدا ہو جائے

کچھ نہ ہو تیری محبت میں پر اتنا ہو جائے ‏ ‏ کہ تری بدمزگی مجھ کو گوارا ہو جائے

ہوں وہ ناکام تمنا جو اجل چاہوں میں ‏ ‏ موت آکر مری بالیں پہ مسیحا ہو جائے

تیرے انداز وہ کافر ہیں بت ہوش ربا ‏ ‏ آدمی کیا جو فرشتہ ہو تو شیدا ہو جائے

قابل رحم ہے اس شخص کی رسوائی بھی ‏ ‏ پردے پردے ہی میں کمبخت جو رسوا ہو جائے

ہائے کہتا وہ کسی بت کا دم نظارہ ‏ ‏ آنکھ بھر کر ہمیں دیکھے تو بس اندھا ہو جائے

ساتھ قاصد کے چلا ہے دل بیتاب اپنا ‏ ‏ کہیں ایسا تو نہ ہو راہ میں جھگڑا ہو جائے

بزم میں آپ بھی ہیں دوست بھی ہیں دشمن بھی ‏ ‏ امتحان آج جو ہوتا ہے ہمارا ہو جائے

آسمان سے بھی شکایت نہ کروں میں کیا خوب ‏ ‏ میرا چاہا تو نہ ہو آپ کا چاہا ہو جائے

دشمن جان کس نے آپ مسیحا ہی تھے
داغ رنجور کسی طرح سے اچھا ہو جائے

۳۰۷

کچھ خوب نہ یہ غیرت شمشاد کریں گے ‏ ‏ بندوں کو غلامی سے جو آزاد کریں گے

ایجاد ستم سے ہمیں برباد کریں گے ‏ ‏ گر تیس دن ایسے ہی وہ ایجاد کریں گے

بیٹھیں گے نہ خاموش ہم اے چرخ ستم گار ‏ ‏ تھک جائیں گے نالوں سے تو فریاد کریں گے

آباد رہیں حضرت دل ان سے یقین ہے یہ خوب ہی مٹی مری برباد کریں گے
مانا کہ عداوت ہی سہی غیر سے لیکن اتنی بھی نہیں آپ کہ بیداد کریں گے
نشتر رگ جان کا ہے تو کانٹا ہے جگر کا کیا رکھ کے تجھے اے دل ناشاد کریں گے
نالوں سے مرے دیکھئے اب آئی قیامت چھیڑا تھا کسے آپ بھی کیا یاد کریں گے
خاموش رہے وہ گلہ غیر بھی سن کر میں نے تو یہ جانا تھا کچھ ارشاد کریں گے
گذری ہے شب وعدہ اس امید میں اے داغ
یا آئیں گے خود یا وہ مجھے یاد کریں گے

۳۰۸

وصل کی عیش میں سب ہجر کا غم بھول گئے یاد رکھنا تھا ہمیں جس کو وہ ہم بھول گئے
لکھ دیا قہر و جفا مہر و وفا کے بدلے مہرباں آپ مگر طرز رقم بھول گئے
وعدۂ وصل قیامت میں بھی ہو گا نہ وفا واں بھی کہئے گا ترے سر کی قسم بھول گئے
کتنے بے خوف و خطر ظلم و ستم کرتے ہیں سچ تو یہ ہے کہ خدا کو یہ صنم بھول گئے
نہ تمنائے ستم یاں نہ وہاں مشق جفا وہ ہمیں بھول گئے اب انہیں ہم بھول گئے
کچھ عجب طور کٹی بے خودی شوق میں راہ دو قدم ٹھیک چلے چار قدم بھول گئے
لکھنے بیٹھے تھے انہیں حال پریشانی کا حرف مطلب کو اٹھاتے ہی قلم بھول گئے
میری قسمت سے پڑی کچھ غلطی روز حساب سب کہیں کاتب اعمال رقم بھول گئے
مجھ پہ احسان کیا وعدہ فراموشی نے اس کی عادت سے وہ انداز ستم بھول گئے
لے کے دل آپ جگر چھوڑ گئے سینے میں اک رقم یاد رہی ایک رقم بھول گئے
برش تیغ فنا میں بھی عجب لذت ہے زندگانی کے مزے اہل عدم بھول گئے

عشق کی راہ میں جب کافر و دیندار آئے
سب کے سب داغ وہ دیر حرم بھول گئے

۳۰۹

کل تک تو دام زلف میں سو دل ربا کئے
بھول آئے پھینک اٹھے کہیں آج کیا کئے

کچھ کم نہ تھی خرام سے گردش نگاہ کی
بیٹھے رہے وہ تو بھی تو فتنے اٹھا کئے

تعزیر دے کے آپ نے عادت بگاڑ دی
دل مانتا نہیں کہ رہوں بے خطا کئے

مدت پیام بر کو بنایا ہے قصہ خواں
برسوں ترا جواب ہم اس سے سنا کئے

ہاں جذب شوق لا اسے بے پردہ کھینچ کر
جاتا ہے کوئی منہ کو چھپائے حیا کئے

پہنچے کسی طرح سے نہ تا منزل مراد
بازو میں پر لا کے ہم اکثر اڑا کئے

رکھا تھا دل میں ہم نے کہ جانے نہ پائیں گے
وہ خواب میں رقیب سے چھپ کر ملا کئے

بگڑے جو ذکر غیر پہ ہم اس نے دھر لیا
کوئی جواب جب نہ بن آیا بنا کئے

اے داغ ہم نے ہاتھ دعا سے اٹھا لیا
تقدیر کا ملے گا بغیر التجا کئے

۳۱۰

بہم دشمن بھی یکجا ہوں تو الفت ہو ہی جاتی ہے
یہ ہے مل بیٹھنا ایسا محبت ہو ہی جاتی ہے

مصیبت گر کسی پر ہو مصیبت کا ہی خوگر ہو
اگر کیسا ہے مضطر ہو قناعت ہو ہی جاتی ہے

حیات گر منہ چھپاتی ہے ادا پر وہ اٹھاتی ہے
یہ شوخی کب بٹھاتی ہے قیامت ہو ہی جاتی ہے

پرورش کوئی ایسا ہو کہ اس پر دم نکلتا ہو
جو ثابت عشق اعدا ہو تو نفرت ہو ہی جاتی ہے

تجھے کب صبر اے بدخو کہوں کچھ گر کسی پہلو
ابھی قابو سے بے قابو طبیعت ہو ہی جاتی ہے

بھرا ہے رنج کا دفتر رکے کیونکر دل مضطر
جفا سے یار کی اکثر شکایت ہو ہی جاتی ہے

نبھی ہے عمر بھر کس کی یہ ہے دل کی غلط فہمی
عداوت کیا نہیں ہوتی عداوت ہو جاتی ہے

ہوا کیا وصل سے حاصل حیا ہے درمیان حائل
ہمارے واسطے نازل مصیبت ہو ہی جاتی ہے

نہ کہہ تو داغ کو نالاں سمجھ تو وہ بھی ہے انسان
کہ ان باتوں سے اے نادان کدورت ہو ہی جاتی ہے

۳۱۱

وہ نگہ راہ پر نہیں آتی
نظر آتی نظر نہیں آتی

دلبروں پر طبیعت آتی ہے
اس طرح اس قدر نہیں آتی

کوچہ یار ہی میں بیٹھ رہے
او قیامت ادھر نہیں آتی

حسن مجرم رہا کہ عشق رہا
غیب کی کچھ خبر نہیں آتی

کیا رکی، اس نگاہ شوخ کی چوٹ
آتے جاتے نظر نہیں آتی

گو طبیعت ہے اس کی ہرجائی
پر مری راہ پر نہیں آتی

قتل پر اپنے باندھ دیتے ہم
ہاتھ ان کے کمر نہیں آتی

دل کے لینے کی گھات ہے کچھ اور
یہ تجھے مفت بر نہیں آتی

حال معلوم ہے قیامت کا
بات کہنے میں پر نہیں آتی

آگے آتی تھی یاد بھی تیری
اب کبھی بھول کر نہیں آتی

مرگ، عاشق ہے کس قدر آسان
نوبت چارہ گر نہیں آتی

حضرت دل اور ان سے حال کہیں
موت کہہ کر مگر نہیں آتی

گل ہرے ہو گئے چمن میں داغ
تجھ پہ رونق مگر نہیں آتی

۳۱۲

یوں مٹا جیسے کہ دہلی سے گمان دہلی ۔۔۔ تھا مرا نام و نشان نام و نشان دہلی
لے گئے لوٹ کے اب شوکت و شان دہلی ۔۔۔ پوربی پہلے اڑاتے تھے زبان دہلی
دلی والوں کے لئے تازہ بنے گی جنت ۔۔۔ لے گئے سر پہ ملک تحفہ مکان دہلی
رشک شمشاد تھا ہر خوش قد ہر خوش رفتار ۔۔۔ سرو آزاد تھا ہر ایک جوان دہلی
عارض صاف تھا ہر ایک مصفا بازار ۔۔۔ چشم پر جلوہ تھی ایک ایک دکان دہلی
گرم ہنگامہ ہوئے لالہ رخان پنجاب ۔۔۔ گل کھلائے ہیں نئے تونے خزاں دہلی
اس سے بڑھ کر کوئی محشر میں نہیں طول حساب ۔۔۔ بس یہی ہو گا کہ ہم اور بیان دہلی
دے دیا فوج کو انعام میں حکام نے سب ۔۔۔ گنج قارون سے فزوں گنج نہاں دہلی
یا خدا مسجد جامع کار ہے نام بلند ۔۔۔ کعبے والے کہیں وہ آئی اذان دہلی
آسماں پر سے بھی نوحے کی صدا آتی ہے ۔۔۔ کیا فرشتے بھی ہوئے مرثیہ خواں دہلی

نیرو غالب و آزردہ سے پھر لوگ کہاں
داغ اب یہ ہیں غنیمت ہمہ داں دہلی

۳۱۳

غضب ہے جس کو وہ کافر نگاہ میں رکھے ۔۔۔ خدا نگاہ سے اس کی پناہ میں رکھے

برا ہوں میں تو مجھے رکھئے اپنی پیش نظر　　برے کو چاہئے انسان نگاہ میں رکھے

پہنایا ہار گلے کا پھر اس پہ یہ طرہ　　کہ پھول غیر کے تم نے کلاہ میں رکھے

جو شیخ دیکھ لے اک بار کیف مے خانہ　　تو بھول کر نہ قدم خانقاہ میں رکھے

اسی سے تو دل بیتاب ٹھیک رہتا ہے　　جو تجھ کو باندھ کے زلف سیاہ میں رکھے

یہ فقر فاقہ کی خوبی نہیں ہے اے زاہد　　کہ تیس روضے اگر ایک ماہ میں رکھے

سرنیاز ہو اس راہ میں قدم فرسا　　جبیں سے پاؤں تری جلوہ گاہ میں رکھے

تلاش دیر و حرم میں عبث نہ کیونکر ہو　　ترا ظہور ہی جب اشتباہ میں رکھے

خدا کی عشق میں اے داغ بت کی یاد رہے
ثواب ہم نے ملا کر گناہ میں رکھے

۳۱۴

شوخی میں ان کی چھیڑا ہے کچھ اضطراب کی　　گھر کر گئی وفا کسی خانہ خراب کی

اس روئے بے نقاب کا جلوہ ہو انقاب　　نکلی ہے رنگ رنگ سے صورت حجاب کی

جنبش میں یوں ہیں وہ لب نازک نفس کے ساتھ　　جیسے ہلے نسیم سے پتی گلاب کی

غصے نے اور رنگ ترا شوخ کر دیا　　اچھی بنی بگاڑ میں صورت عتاب کی

گو چپ ہی پر یہ جنبش لب کہہ رہے صاف　　قاصد کے منہ میں پھرتی ہے شوخی جواب کی

تم اور آرزو مرے ملنے کی روز حشر　　میں اور گفتگو ستم بے حساب کی

اے اشک ڈوب مر تری تاثیر دیکھ لی　　الٹی ہنسی اوڑی مرے چشم پر آب کی

درپردہ جوش حسن نے بے پردہ کر دیا　　ٹوٹی گرہ تڑاق سے بند نقاب کی

اے دل کمی کرے نہ کہیں طول مدعا　　لینی ہے کل خبر مجھے روز حساب کی

پھرتا تھا چرخ دل میں کدورت بھری ہوئے اب خاک چھان کر مری مٹی خراب کی
گو آگ سے کشی کی سزا ہے تو یا خدا دوزخ میں ایک نہر بہا دے شراب کی
محشر میں توبہ توڑ کے میں جیت جاؤں گا زاہد سے مجھ سے شرط ہوئی ہے ثواب کی

اے داغ آہ کی تو غضب کونسا کیا
ایسی بری لگے دل خانہ خراب کی

۳۱۵

کیا شب ہجر مرے سر پہ بلا لاتی ہے اپنے ہمراہ اجل کو بھی لگا لاتی ہے
نہیں معلوم کہ ہے منزل مقصود کہاں عرش تک کی تو خبر آہ رسا لاتی ہے
ہم گرفتار ہیں خود شوق گرفتار میں ہم کو کیا پیچ میں وہ زلف دوتا لاتی ہے
کون مرنے کو ترے کوچے میں خود آتا ہے پر یہ بے تابی دل ہے کہ اڑا لاتی ہے
کوچہ یار میں یہ حسرت دیدار مجھے روز لے جا کے نئے سیر دکھا لاتی ہے
پاسبانوں کو در جاناں سے اڑا کر لے جائے خاک لاتی ہے اگر خاک صبا لاتی ہے
بت یہ کیا کرتے ہیں پامال اسے مردے کو اپنے ہاتھوں پہ جسے خلق خدا لاتی ہے
جب کہیں جان سے میں ہو کے خفا جاتا ہوں منتوں سے مجھے تقدیر منا لاتی ہے

مجھ کو اے داغ کئی دن سے وہ یہ کہتے ہیں
تجھ کو کمبخت یہاں تیری قضا لاتی ہی

۳۱۶

بے درد ہیں جو درد کسی کا نہیں رکھتے ایسے بھی ہیں یارب کہ تمنا نہیں رکھتے

غیرت یہی کہتی ہے نہ ہو عشق میں شرکت ہم حضرت دل کا بھی سہارا نہیں رکھتے

تم زندہ ہمیں چھوڑ کے گھر جاؤ نہ شب کو مردے کو بھی انسان کی تنہا نہیں رکھتے

پروانہ و بلبل کو تو سب کہتے ہیں عاشق کیا قہر ہے تم نام ہمارا نہیں رکھتے

سچ ہے کہ یونہی ڈوب گئیں اپنی وفائیں ہم تم پہ کسی طرح کا دعویٰ نہیں رکھتے

بے باک ہو سفاک ہو جو آج ہو تم ہو بندے ہو مگر خوف خدا کا نہیں رکھتے

اچھا ہو تو کیا جانے کرے کیا یہ برائی ہم جان کے دل کو کبھی اچھا نہیں رکھتے

جس لطف و کرم پر مجھے امید بندھی کچھ اخلاص وہ غیروں سے بھی ایسا نہیں رکھتے

اے داغ یہ کس کام کی مستی و جوانی
تم اس میں جو اندیشہ فردا نہیں رکھتے

۳۱۷

تو قیامت کی چال کرتا ہے بے چلے پائمال کرتا ہے

تجھ سے جو عرض حال کرتا ہے سچ تو یہ ہے کمال کرتا ہے

اس کے انداز دیکھئے کیا ہوں ناز جس کا خیال کرتا ہے

دل کو اس عاجزی سے دیتا ہوں کوئی جانے سوال کرتا ہے

تیغ کرتی ہے خون اے قاتل مفت تو ہاتھ لال کرتا ہے

نہیں گھٹتا یہ داغ دل یارب بدر کو تو ہلال کرتا ہے

یہ ستم کب نصیب ہوتے ہیں مجھ کو ظالم نہال کرتا ہے

در دلدار تک نہیں جاتا نامہ بر انتقال کرتا ہے

داغ سے اور مدعی الجھے
وہ تمہارا خیال کرتا ہے

۳۱۸

مجھ سا بھی زمانے میں کوئی سوختہ جاں ہے — ہے برق جہاں جو نفس شعلہ نشاں ہے
زاہد بخدا کس کو یہاں عشق بتاں ہے — پر ضد سے تری اب جو نہیں یہی تو ہاں ہے
کیا بزم ستم گار میں اندیشہ جاں ہے — قاصد نگہ یاس سے ہر سو نگراں ہے
سنتے ہیں خوشی بھی ہے زمانے میں کوئی چیز — ہم ڈھونڈتے پھرتے ہیں کدھر ہے یہ کہاں ہے
کس شکل چھپاؤں تجھے اے راز محبت — جو دل میں نہاں ہے وہی نظروں سے عیاں ہے
رکھتی ہے دم ذبح کہیں عرض وفا پر — یہ آپ کا خنجر تو نہیں میری زباں ہے
دے مجھ کو خم بادہ مرے قد کے برابر — اے پیر مغاں وزن میں کم رطل گراں ہے
دل میں نے دیا تھا جسے دلدار سمجھ کر — کیوں تم وہی معشوق ہو یا مجھ کو گماں ہے
قاتل ترے خنجر میں نہیں مورچہ اصلا — اک اک نگہ تیز کا بسمل کے نشاں ہے
واعظ وہ فضا کیا ہے زمانے سے نرالی — فردوس بھی اک باغ ہے جنت بھی مکاں ہے
شوخی بھی ہے لازم نگہ ناز و ادا میں — یہ تیر کا پیکاں ہے یہ برچھی کی سناں ہے

کیا پوچھتے ہو داغ کا تم ہم سے ٹھکانا
آوارۂ سرگشتہ ہے کیا جانے کہاں ہے

۳۱۹

سودا ہے جو دل دے کے خریدار سے الجھے — سلجھے ہوئی ہم سے نہ کبھی یار سے الجھے
آنکھوں سے لڑی گیسو خمدار سے الجھی — یہ حضرت دل روز ہے دو چار سے الجھے
ہونے نہ دیا رشک نے اظہار تمنا — ہر بات میں ہم اپنی ہی گفتار سے الجھے

الجھاؤ سے الجھاو ہیں اس عشق میں یارب
دلدار سے اٹکے تھے کہ اغیار سے الجھے

کیا سیر ہو شانے سے اڑی گر دل صد چاک
ایک ایک رفتار گرفتار سے الجھے

اٹکے تو کسی چشم فسوں ساز سے اٹکے
الجھے تو کسی طرۂ طرار سے الجھے

کیوں آنکھ لڑی کیوں ہو یہ اس دل کی حقیقت
آفت میں پھنسے مجھ سے رکے یار سے الجھے

قاتل جو ذرا آنکھ چرا جاؤں تو پھروں
تار رگ گردن تری تلوار سے الجھے

محشر میں سزا عشق کے مجرم کو کہاں ہے
معلوم ہو جو تیرے گنہگار سے الجھے

چوری سے بھی پہنچے نہ ترے گھر میں کبھی ہم
برسوں یونہی خار سر دیوار سے الجھے

کھلتے نہیں تم داغ الجھتی ہے طبیعت
اچھے کسی عیار سے مکار سے الجھے

۳۲۰

یہ بات کیا دم رفتار ہوتی آتی ہے
کہ اپنے سائے سے تکرار ہوتی آتی ہے

شب وصال قیامت تھی جب کسی نے کہا
وہ دیکھ صبح نمودار ہوتی آتی ہے

کچھ اور تو مرے ہمراہ بس نہیں چلتا
نگاہ جانب اغیار ہوتی آتی ہے

تمہارے کوچے میں کیا تازہ گل کھلا کوئی
صبا جب آتی ہے گلزار ہوتی آتی ہے

یہ کس غضب کی ہے آمد تری خدا کی پناہ
نگاہ ناز سے تلوار ہوتی آتی ہے

ازل کے دن سے ہے مٹی خراب عاشق کی
یہ مشت خاک یونہی خوار ہوتی آتی ہے

الٰہی خیر ہو وہ خشمناک آتے ہیں
کچھ اپنے آپ ہی گفتار ہوتی آتی ہے

چرا کے بھاگ گئے دل پھر آپ پوچھتے ہیں
یہ دھوم کیا سر بازار ہوتی آتی ہے

تمہیں نے داغ نرالے نہیں اٹھائے ستم
یونہیں سلف سے مرے یار ہوتی آتی ہے

۳۲۱

نگہ ناز جو غصے سے کبھی پھرتی ہے
دل پہ تلوار کلیجے پہ چھری پھرتی ہے

موت آتی ہے قیامت کو یہاں تک آتے
پیچھے پیچھے کسی دامن کی لگی پھرتی ہے

آئی اترائی ہوئی کسی کی گلی سے یارب
کہ نسیم سحری ہم سے اڑی پھرتی ہے

نہ دیا خواہش آرام نے آرام کہیں
مجھ کو کھینچے مری راحت طلبی پھرتی ہے

غیر کے رنج کی مجھکو نہ خوشی کیونکر ہو
آپ کیا پھرتے ہیں تقدیر مری پھرتی ہے

ہے مرے قتل سے قاتل کی خوشی کو بھی خوشی
موجیں کرتی ہیں ہونٹوں میں ہنسی پھرتی ہے

جی دھڑکتا ہے کہ میں تجھ سے کہوں یا نہ کہوں
بات اک دل میں مرے رشک پری پھرتی ہے

ہو گیا رشک تف داغ جگر سے ایسا
آہ سوزاں مرے سینے میں جلی پھرتی ہے

داغ آوارہ کا تابوت میں لاشہ نہ رہا
ڈھونڈھتی خلق بیاباں میں پڑی پھرتی ہے

۳۲۲

جہاں لگ گئی کارگر ہو گئی
مری آہ تیری نظر ہو گئی

ہمیں مر گئے صدمہ رشک سے
بڑی خیر اے فتنہ گر ہو گئی

بنا حلقہ زلف آغوش شوق
گرفتار ان کی کمر ہو گئی

ملے ٹھوکروں ہی میں اہل نیاز
ہماری جبیں سنگ در ہو گئی

نہ آئے محبت کے کوچے میں خضر
خدا جانے کیونکر بسر ہو گئی

ستم ہو گیا راز دل کھل گیا
چھپاتے چھپاتے خبر ہو گئی

کمی کی نہ تھی شوق نے قتل میں ادھر ہی سے کچھ درگذر ہو گئی
فرشتے ہوں مخبر تو کیا کیجئے یہاں بات کی واں خبر ہو گئی
وہاں جھوٹے وعدے پہ لب ہل گیا توقع یہاں کس قدر ہو گئی
دکھا دیں گے اے دل تجھے روز حشر کہ ساری خدائی ادھر ہو گئی
کبھی یاس ہوتی نہ اپنی امید تغافل سے تیری مگر ہو گئی
یہاں صبح پیری سے پہلے ہی داغ
جوانی چراغ سحر ہو گئی

۳۲۳

قول تیرا شوق میرا چاہئے جھوٹ سچ کے واسطے کیا چاہئے
اے فلک سامان محشر ہی سہی اپنی آنکھوں کو تماشا چاہئے
ہو سکے کیا اپنی وحشت کا علاج تیرے کوچے میں بھی صحرا چاہئے
دل میں قاتل کی رکاوٹ ہے تو ہو خنجر اپنے دم سے اچھا چاہئے
گو تری نظروں سے کل گر ہی پڑیں آج تو کوئی سہارا چاہئے
کیجئے تیغ تبسم سے ہلاک جور بھی اچھوں کا اچھا چاہئے
ہر طرف ہے تیرے بیماروں کا شور ہر گلی میں اک مسیحا چاہئے
کیوں نہ چھائے مے کشوں کے سر پر ابر کچھ گنہگاروں کا پردا چاہئے
تیرے جلوے کا تو کیا کہنا مگر دیکھنے والے کو دیکھا چاہئے
کاش دے کر کچھ گرہ سے ہو نجات تجھ کو زاہد دین و دنیا چاہئے
دل کی جانب سے تغافل کیوں ہوا قرضداروں پر تقاضا چاہئے

وعدۂ فردا پہ بھی جمتے نہیں کہتے ہیں وہ وقت دیکھا چاہیے
کیوں نہیں دیتے تسلی داغ کو
اس سے لیجئے گر تمنا چاہیے

۳۲۴

نگہ شوق بے اثر نہ ہوئی — تم کو پردے میں کیا نظر نہ ہوئی
ہم نے تقلید خضر کی لیکن — چلتے پھرتے بھی تو بسر نہ ہوئی
تارے گنتے ہو شام سے شب وصل — کیا کرو گے اگر سحر نہ ہوئی
دل ویراں میں غم رہا قائم — کبھی یہ شے ادھر ادھر نہ ہوئی
ماتم غیر میں تمہیں دیکھا — ورنہ یہ عید کس کے گھر نہ ہوئی
شب فرقت کے جاگنے والے — ایسے سوئے کہ پھر خبر نہ ہوئی
وائے بیگانگی طبیعت کے — کہ ادھر سے کبھی ادھر نہ ہوئی
اس نزاکت سے قول اس نے دیا — ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہ ہوئی
وعدہ اس نے کیا وفا نہ کیا — دل کو تسکین ہوئی مگر نہ ہوئی
حال وہ کیا جو حشر میں نہ کہا — بات وہ کیا جو وقت پر نہ ہوئی
کس کے جلوے نے کر دیا محجوب — آنکھ کے سامنے نظر نہ ہوئی
کبھی اس سے امید الفت ہے — کبھی یہ فکر ہے اگر نہ ہوئی
عشق میں ذوق اپنا اپنا ہے — دل میں کیفیت جگر نہ ہوئی
ہے بہت طول مدعا افسوس — ساری دنیا پیامبر نہ ہوئی
نہیں معلوم کس کے دل میں رہے — کبھی ظاہر تری کمر نہ ہوئی

غیر محفوظ ہے ہر آفت سے　　شدنی بھی تو عمر بھر نہ ہوئی
نہیں سرکار عشق پر الزام　　میں برا تھا مری بسر نہ ہوئی
خاک سے خانہ تھی اسی قابل　　یہ زمین آسمان پر نہ ہوئی
دل سے باتیں بہت رہیں شب غم　　بات کرنے میں بھی سحر نہ ہوئی
دل جلے دفن ہو گئے جس میں　　ابر سے وہ زمین تر نہ ہوئی

کیا تلوّن مزاج ہو اے داغ
چار دن بھی کہیں بسر نہ ہوئی

۳۲۵

مجھے اے اہل کعبہ یاد کیا مے خانہ آتا ہے　　ادھر دیوانہ جاتا ہے ادھر مستانہ آتا ہے
نہ دل میں غیر آتا ہے نہ صاحب خانہ آتا ہے　　نظر چاروں طرف ویرانہ ہے ویرانہ آتا ہے
تڑپتا لوٹتا اڑتا جو بے تابانہ آتا ہے　　یہ مرغ نامہ بر آتا ہے یا پروانہ آتا ہے
مرے مژگاں سے آنسو پوچھتا ہے کس لئے ناصح　　ٹپک پڑتا ہے خود جو اس شجر میں دانہ آتا ہے
یہ آمد ہے کہ آفت ہے نگہ کچھ ہے اور کچھ ہے　　الٰہی خیر مجھ سے آشنا بیگانہ آتا ہے
وہ نازک ہیں تو کیا اپنے سے خنجر پھر نہیں سکتا　　تجھے کچھ ننگ بھی اے ہمت مردانہ آتا ہے
ترا کوچہ ہے وہ دار الشفاء بیمار وحشت کو　　پری آتی ہے بن جاتا ہے جو دیوانہ آتا ہے
دم تقریر نالے حلق میں چھریاں چبھوتے ہیں　　زباں تک ٹکڑے ہو ہو کر مرا افسانہ آتا ہے
رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں　　ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے
جگر تک آتے آتے سو جگہ گرتا ہوا آیا　　ترا تیر نظر آتا ہے یا مستانہ آتا ہے
کبھی چلنا کبھی رکنا کبھی ملنا کبھی کھنچنا　　ترے خنجر کو ہر انداز معشوقانہ آتا ہے

وہ شوخی شرارت بے حیائی فتنہ پردازی تجھے کچھ اور بھی اے نرگس مستانہ آتا ہے
سکندر آئینے سے جام سے جم خوش نہ ہوا اتنا کوئی مے کش کو دیکھے ہاتھ جب پیمانہ آتا ہے
بھرے کچھ آنکھ میں آنسو پڑے کچھ حلق میں چھالے قفس میں یہ میسر مجھ کو آب و دانہ آتا ہے
وہی جھگڑا ہے فرقت کا وہی قصہ ہے الفت کا
تجھے اے داغ کوئی اور بھی افسانہ آتا ہے

۳۲۶

کس طرح ظاہر کروں حسرت جو کمنوں دل میں ہے
جس طرح غنچے میں بو ہے آرزو یوں دل میں ہے
دعوت مژگاں کروں مہمانی پیکاں کروں
آہ میں کیا کیا کروں اک قطرۂ خون دل میں ہے
یا تو ایسی تمکنت یا ہم سے وحشت اس قدر
یا جنوں سر میں ہو یا کوئی مجنوں دل میں ہے
دیکھتے رہ جاؤ گے گر کوئی لٹکا چل گیا
جو تمہاری آنکھ میں ہے یاں وہ افسوس دل میں ہے
کیا کریں گے اہل محشر میرے داغوں کا شمار
عشق کی دولت ہے گویا گنج قارون دل میں ہے
آرزوئے عیش سے کیا ہو جو قسمت میں نہ ہو
جو نہیں ہے تجھ میں وہ اے بخت واژوں دل میں ہے
اس محبت کا برا ہو ایک کو راحت نہیں
دل مکدر سینے میں ہے جان محزون دل میں ہے

کس مصیبت میں پڑا ہوں میں دم تحریر شوق
وہ سما سکتا نہیں خط میں جو مضمون دل میں ہے

ہاں مدد اے جوش وحشت چل کے گر پڑتا ہے داغ
خار صحرا پاؤں میں ہے شوق ہاموں دل میں ہے

۳۲۷

کچھ تو لی زلف نے کچھ شب نے سیاہی تیری
بٹ گئی بخت سیہ خوب تباہی تیری

دم اظہار محبت ٹھہرائے نالہ دل
الٹی ہو جائے نہ کمبخت گواہی تیری

یوں تو اے ابر پتا بھی نہیں ملتا تیرا
توبہ کرتی ہے جھلکتی ہے سیاہی تیری

جب کسی دار پہ منصور نے اپنی ہی کہی
میں نے تا روز جزا بات نباہی تیری

عمر بھر تو نے بھلائی کبھی چاہی تیری
جیتے جی میں نے برائی کبھی چاہی تیری

دونوں ہاتھوں سے جگر تھام لیا ناصح نے
میں نے فریاد جو کی داد جو چاہی تیری

ڈرتے ڈرتے وہ مرا حال طبیعت کہنا
پردے پردے میں وہ دزدیدہ نگاہی تیری

ناصحا کہدے محبت میں خدا لگتی کچھ
مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

نظر آئی نہ مجھے بعد فنا شکل عذاب
اتنی گہری تو ہو قبر سیاہی تیری

سچ تو یہ ہے کہ برا حال برا ہوتا ہے
غیر نے مجھ سے کہا ہائے تباہی تیری

ہم نے داغ اے سفارش میں کمی کونسی کی
پر برائی تری تقدیر نے چاہی تیری

۳۲۸

صبر کیا آئے مجھے سانس بہ مشکل آئے
تو تو انسان ہے پتھر پہ اگر دل آئے

کس قدر تھی نگہ شوق کو قاتل کی تلاش
جب نظر مجھ کو فرشتے دم بسمل میں آئے

ہائے وہ جان بچانے کا زمانہ نہ رہا
اب تو اس بات کا رونا ہے کہیں دل آئے

خواب میں بھی کبھی تنہا نہیں دیکھا تم کو
دل میں بھی آئے تو اغیار کے شامل آئے

غیر معشوق ہو تجھ سا بھی تو الفت نہ کروں
ایسا آنا ہے تو مجھ پر ہی مرا دل آئے

اس نزاکت پہ گئی غیر کے گھر چین سے تم
ہم اگر آپ میں آئے تو بمشکل آئے

مل گئے راہ میں مجھ کو یہ بڑی خیر ہوئی
لوگ جو دیکھ کے شب کو تری محفل آئے

کیا کہیں کس سے کہیں جا کے وہاں کیا گذری
یار کہتے ہیں مبارک ہو تمہیں مل آئے

جس کو ہو داغ بہت حسن و شجاعت پہ غرور
میرے نواب بہادر کے مقابل آئے

۳۲۹

سنبھال کر کوئی لے جائے اس کی پاس مجھے
بٹھائے دیتی ہے اک اک قدم پہ یاس مجھے

بٹھا کے بزم میں اپنی سبک نہ کر اتنا
نہ لے اوڑیں کہیں ظالم مرے حواس مجھے

وہ چشم مست جو گلشن میں گل سے لڑتی ہے
اشارہ کرتی ہے بلبل کہ آگ گلاس مجھے

وہ شب کو نشے میں جھجکے جو عکس کاکل سے
بلا بلا کے بٹھاتے تھے اپنے پاس مجھے

غضب میں آگئے جنت کے رہنے والے بھی
اداس ہو گئے سب دیکھ کر اداس مجھے

رقیب سے سر محفل کلام ہوتے ہیں
سمجھ لیا ہے ستمگر نے بدحواس مجھے

دیا ہے زہر مرے چارہ گر نے تنگ آکر
دوا تو خوب ملی ہے جو آئے راس مجھے
بنا دیا غم فرقت نے سنگدل ایسا
کہ موت سے نہیں آتی کبھی ہراس مجھے
صنم پرست کو اے داغ شیخ کیا سمجھے
جو برہمن ہو وہ جانے خدا شناس مجھے

۳۳۰

کون غمخوار الٰہی شب غم ہوتا ہے
اب تو پہلو میں مری درد بھی کم ہوتا ہے
کیفیت خاص ہے گویا مری مجبوری کی
حال جو یار کا ہنگام قسم ہوتا ہے
کس تبسم سے ملی جاتی ہیں آنکھیں دیکھو
کس مسرت سے مری موت کا غم ہوتا ہے
رشک ہے اپنے خط شوق پہ مجھ کو کہ وہاں
وہ ہے مضمون مرے دشمن کو رقم ہوتا ہے
غیر کا دل کہیں۔ تلوؤں کے تلے تو نے ملا
فتنہ ہر ایک ترا نقش قدم ہوتا ہے
حشرت میں پوچھتے پھرتے ہیں وہ ایک ایک سے
یاں کہیں بھی کسی عاشق پہ ستم ہوتا ہے
یاد آجاتے ہیں جب زخم محبت کے مزے
شربت خضر بھی حق میں مرے سم ہوتا ہے
خانہ غیر کی زیبائش و آرائش کیا
سوچ لیجئے کہیں دوزخ بھی ارم ہوتا ہے
رہ گیا چھیڑ کے میں قصہ غم جب یہ سنا
داغ اس سر کی قسم مجھ کو الم ہوتا ہے

۳۳۱

چوٹ دل کی وہیں ابھر آئی
جب ہنسی آئی آنکھ بھر آئی

جا شب ہجر وہ سحر آئی   توہی جانے گی پھر اکر آئی
آئینہ کیوں ہوا جمال ترا   اپنی صورت مجھے نظر آئی
صبح سے تم کو آرہی ہے ہنسی   خواب میں کس کے چشم تر آئی
تھی شب وصل کس قدر کوتاہ   شام گذری کہ بس سحر آئی
اب کہاں تک سناؤں قصہ غیر   میری آنکھوں میں نیند بھر آئی
تم سے تو واسطہ ہی کچھ نہ رہا   اب طبیعت رقیب پر آئی
میری مرقد پہ مجھ سے کہتے ہیں   کیوں تجھے نیند اس قدر آئی

صدمہ پہنچا جگر کا دل تک داغ
ایک کی چوٹ ایک پر آئی

۳۳۲

مطلب کی تم سنو تو ذرا کوئی کچھ کہے   جب بھی سنے خفا ہو تو کیا کوئی کچھ کہے
سوچا جواب کیا مرے حاضر جواب نے   تاکید ہے کہ روز جزا کوئی کچھ کہے
ہم آپ چھیڑ چھیڑ کے کھاتے ہیں گالیاں   کانوں کو پڑ گیا ہے مزا کوئی کچھ کہے
بندے ہیں ہم تو عشق کے اے شیخ و برہمن   پروا نہیں ہمیں بخدا کوئی کچھ کہے
کمبخت نامراد تو مدت سے ہے خطاب   جی چاہتا ہے اس سے سوا کوئی کچھ کہے
ناصح کہی سنی پہ ہمارا نہیں عمل   جو جی میں آگیا وہ کوئی کچھ کہے

اے داغ اس کی بزم میں ہم گل کھلائیں گے
اس کا ہے انتظار ذرا کوئی کچھ کہے

مرے کوچے میں وہ کن شوخیوں سے جابجا ٹھہرے
بڑھے بڑھ کر تھمے دم بھر چلے چل کر ذرا ٹھہرے
تغافل کی نہ ٹھہرے آج قاتل فیصلہ ٹھہرے
نہیں تلوار تو فقرہ کوئی چلتا ہوا ٹھہرے
تسلی دل کو جو دیتی ہیں کیسے لوگ ہیں یارب
جگر ہی جب نہ ٹھہرے تو جگر پر ہاتھ کیا ٹھہرے
مسیح و خضر گو یکتا ہیں دونوں ہم تو جب جانیں
جو دل گرتا ہوا سنبھلے جو دم جاتا ہوا ٹھہرے

اڑا جاتا ہے مطلب کیا لکھوں میں خط میں اے قاصد
پریشانی ٹھہرنے دی تو دل میں مدعا ٹھہرے
بہار بے خزاں دیکھی ہے کب تونے دکھا دیں ہم
جو اس کی طبع میں اے باغباں رنگ وفا ٹھہرے
گلہ جور و ستم کا حشر میں پھر عشق کا دعویٰ
مرا ذمہ ترے آگے جو کوئی بے خطا ٹھہرے
مری افتادگی نے آسماں پر مجھ کو پہنچایا
زمیں پر وہ نہ ٹھہرے جو تمہاری خاک پا ٹھہرے
وہی انسان پورا ہے اس کے ہم تو قائل ہیں
بھلوں میں جو بھلا ٹھہرے بروں میں جو برا ٹھہرے

مزا چکھا نہیں دنیا کا زاہد تو نے دنیا میں
کبھی تو بادہ نوشی کی بھی اے مرد خدا ٹھہرے

صبا تجھ کو تو غنچے چٹکیوں ہی میں اڑا دیتے
جو نکہت خود ہو آوارا تو ٹھہرائے سے کیا ٹھہرے

ابھی سامان آہ و نالہ فریاد پیچھے ہے
قدم آگے نہ رکھے عرش اعلیٰ پر دعا ٹھہرے

تری آنکھیں ہیں اس نے تاک لیں اپنے ٹھہرنے کو
ٹھہرتی ہے اگر تو چشم دشمن میں حیا ٹھہرے

متاع شوق بھی ہے مایہ الفت بھی رکھتے ہیں
اگر لیجئے تو کچھ سودا ہمارا آپ کا ٹھہرے

شب وعدہ جب ان سے شکوۂ تاخیر کرتا ہوں
تو کہتے ہیں کہ ہم انسان کیا ٹھہرے ہوا ٹھہرے

رہا روز جزا کے بعد کا غم مجھ کو حشر میں
کہ دن کو تو یہ ٹھہرے رات کو کیا جانے کیا ٹھہرے

قسم ہے اس کی یہ مرضی نہیں اے داور محشر
کہ مجرم داغ ٹھہرے اور دشمن بے خطا ٹھہرے

۳۳۴

شوق دیدار و فکر سر بھی ہے اب ادھر بھی ہے دل ادھر بھی ہے
تجھ کو عشاق پر نظر بھی ہے مرتے جیتوں کی کچھ خبر بھی ہے

قتل کر چارہ گر جو صحت ہو — سر اگر ہے تو درد سر بھی ہے
چشم سفاک اس طرف بھی نگاہ — دل کے پہلو ہی میں جگر بھی ہے
کیا کروں برق ہے جو تو اے آہ — تجھ میں کمبخت کچھ اثر بھی ہے
اس کے انداز سن لئے قاصد — عشوہ گر ہے تو فتنہ گر بھی ہے
لکھ کے خط پوچھتا پھرا گھر گھر — کوئی دنیا میں نامہ بر بھی ہے
کیسے گھبرائے وہ جو میں نے کہا — لٹ گیا دل مرا خبر بھی ہے
دولت وصل بے وصال کہاں — نفع کے ساتھ ہے ضرر بھی ہے
دل ہمارا طریق الفت میں — راہزن بھی ہے راہبر بھی ہے

تو ہے اے داغ اور کوچہ یار
خانہ آباد تیرا گھر بھی ہے

۳۳۵

کون تسنیم کے چھینٹوں پہ عبث شاد رہے — کچھ کمی یاں بھی نہیں میکدہ آباد رہے
طبع آزاد اگر ہو قد آزاد کے ساتھ — ایک ہی پاؤں سے گلگشت میں شمشاد رہے
عکس رخسار سے بن جائے مصور تصویر — دیکھ لے تجھ کو تو بہزاد نہ بہزاد رہے
اس کے پھندے میں پھنسے دیکھئے کیونکر نکلیں — جو نہ آزاد رکھے اور نہ آزاد رہے
کوئی پہلو تو رہے کہہ کے پلٹ جانے کا — آنکھ سے وہ نہ رہے لب سے جو ارشاد رہے
ہوں وہ ناکام تمنا جو اثر ہاتھ پھر آئے — مجھ سے دامن میں چھپائے مری فریاد رہے
کن سے شہرت نہ تھی مجھ سے طبیعت نہ رکے — جانے والے نہ کبھی اے دل ناشاد رہے
خلد میں بھی نہ لگا دل ترے دیوانوں کا — یاں رہے واں رہے ویراں رہے برباد رہے

رنج وہ رنج ہے جس میں نہ بتوں کو بھولیں　　عیش وہ عیش ہے جس میں نہ خدا یاد رہے

داغ آزاد منش وہ ہے کہ اے بندہ نواز
آپ کا بندہ رہے اور پھر آزاد رہے

۳۳۶

یار کا پاس نزاکت دل ناشاد رہے　　نالہ رکتا ہوا تھمتی ہوئی فریاد رہے
کئی گھڑی چین سے تو اے ستم ایجاد رہے　　تیرے سینے میں جو میرا دل ناشاد رہے
وعدۂ حشر پہ کیا صبر ہو تم کہدو گے　　ایسے ہنگامہ جانکاہ میں کیا یاد رہے
کوئی مشتاق شہادت نہ کہیں سر ہو جائے　　بس بہت حق میں ہر اک شخص کے جلاد رہے
کھو دیا عیش قفس اپنی وفاداری نے　　لطف صیاد سے ہم رات دن آزاد رہے
دیکھ لی سیر حرم حضرت زاہد رخصت　　آپ کا کعبہ مرا بتکدہ آباد رہے
یہ رہا عرش بس اے حوصلہ دل دیکھا　　میں نہ کہتا تھا کہ سینے ہی میں فریاد ہے
خاک آیا جو مرے منہ کو کلیجا آیا　　کوئی دن کاش یہ مہر لب فریاد رہے
باہم اک وعدۂ فردا پہ نوشتہ ہو جائے　　کہ مرے سہو کی عادت ہی مجھے یاد رہے
اس دل تنگ میں کس کس کو جگہ دوں یارب　　غم رہے دم رہے فریاد رہے یاد رہے
دل غم عشق سے دن رات گھلا جاتا ہے　　کہیں محروم نہ ظالم تری بیداد رہے
تنگ آیا تو مرے منہ سے شکایت نکلی　　لب پہ آئی ہوئی کیونکر ستم ایجاد رہے

تم نے اے داغ محبت سے کیا ہے انکار
یہ سخن یاد رہے یاد رہے یاد رہے

۳۳۷

منا لیتے ہیں ہر مظلوم کو وہ عذر خواہی سے
گنہگاروں کو نفرت ہو گئی ہے بے گناہی سے

جفا کے بعد وہ اچھے ڈرے قہر الٰہی سے
مجھے کہتے ہیں جلدی تو نہ کیجئے داد خواہی سے

نہ اٹھیں کوچہ قاتل سے لاشیں ناتواں کی
فلک تنکے ہی چنوائے نسیم صبح گاہی سے

شہادت دشمنوں کی تنگ ہے شوق شہادتوں کو
مرا محضر بنائیں دوست اپنی ہی گواہی سے

سیہ کاری سے میرے کاتب اعمال حیران ہیں
کہ اس کا نامہ اعمال لکھیں کس سیاہی سے

نہ دھو آب وضو سے داغ پیشانی کو اے زاہد
ارے نادان یہ دھبا مٹے گا روسیاہی سے

گر انبار محبت و فن ہیں زیر زمین اکثر
الٰہی کس طرح یہ بوجھ اٹھا پشت ماہی سے

سراسیمہ پریشان مضطرب آشفتہ و حیران
مرا قاصد تو آیا لیکن آیا کس تباہی سے

شہ درویش خو نے لطف پایا دین و دنیا کا
یہ دولت لی گدائی سے وہ دولت بادشاہی سے

بنی ہے سرمہ چشم ملائک دیکھنا رتبہ
اور بڑی ہے گرد راہ عشق میں جو پائے راہی سے

مبارک دوستوں کو آئیں بیٹھیں بزم عشرت میں
جناب داغ اچھے ہو گئے فضل الٰہی سے

۳۳۸

ترے وعدے کو بت حیلہ جو نہ قرار ہے نہ قیام ہے
کبھی شام ہے کبھی صبح ہے کبھی صبح ہے کبھی شام ہے

مرا ذکر ان سے جو آگیا کہ جہاں میں ایک ہے باوفا
تو کہا کہ میں نہیں جانتا مرا دور ہی سے سلام ہے

رہیں کوئی دم جو لڑائیاں یونہی ان نگاہوں سے درمیان
تو ہمارے دل کا بھی مہربان کوئی پل میں قصہ تمام ہے

کبھی دیکھ تو سر رہگذر کہ تڑپتے کتنے ہیں خاک پر
نہ چل ایسی چال فتنہ گر کوئی یہ بھی طرز خرام ہے

اسے آج دیکھ کے جلوہ گر مجھے آئی قدرت حق نظر
کہ یہ شمس ہے کہ یہ ہے قمر کہ وہ حور وش لب بام ہے

وہ ستم ہے ہاتھ اٹھائے کیوں وہ کسی کا دل نہ دکھائے کیوں
کوئی اس میں مر ہی نہ جائے کیوں اسے اپنے کام سے کام ہے

ہوئیں مدتیں کہ نہیں خبر وہ کدھر ہیں اور ہیں ہم کدھر
نہ ہے نامہ بر نہ پیامبر نہ سلام ہے نہ پیام ہے

دل و دیں کا جس کو نہ پاس ہو یہی نامراد ہو دیکھ لو
جسے داغ کہتے ہیں اے بتو اسی روسیاہ کا نام ہے

۳۳۹

خوب اب دیکھ لئے طور تمہارے ہم نے
دن مصیبت کے گذارے سو گذارے ہم نے

رہے برہم ہی تری زلف پریشاں کی طرح
کام بگڑے ہوئے ہر چند سنوارے ہم نے

جان و دل آپ سے واللہ نہیں ہم کو عزیز
جان و دل آپ کے صدقے میں اتارے ہم نے

پاس غیروں کو بٹھا کر یہ دکھایا تم نے
سر پہ دیکھے نہ تھے چلتے ہوئے آرے ہم نے

چوٹ کیا کیا نہ لگی دل پہ ہمارے لیکن
درد پر درد محبت کے سہارے ہم نے

تنگی گوشہ زنداں کے جو ہم خوگر تھے
گور میں بھی نہ کبھی پاؤں پسارے ہم نے

کچھ تو پایا ہے محبت کی مصیبت میں مزا — عیش و آرام کئے ترک جو سارے ہم نے

مطلب اے داغ نہیں دیر و حرم سے ہم کو
بستر اپنا تو کیا سب سے کنارے ہم نے

۳۴۰

بھلا ہو پیر مغاں کا ادھر نگاہ ملے — فقیر ہیں کوئی چلو خدا کی راہ ملے

کہاں تھے رات کو ہم سے ذرا نگاہ ملے — تلاش میں ہو کہ جھوٹا کوئی گواہ ملے

قریب میکدہ مجھ کو جو خانقاہ ملے — گلے ثواب کے کیا کیا مرا گناہ ملے

وہ روز حشر ہے دنیا نہیں کہ راہ ملے — کہاں چھپو گے جو دو چار داد خواہ ملے

مری خرابی میں آکر وہ چوکڑی بھولے — کہ پھر نہ خانہ خرابی کو گھر کی راہ ملے

ترا دل آئے کسی پر تو عرش ہل جائے — اثر تلاش میں ہے اس طرح کی آہ ملے

تمہارے کوچے میں ہر روز وہ قیامت ہے — کہ سایہ ڈھونڈھ رہا ہے کہیں پناہ ملے

ترا غرور سمایا ہے اس قدر دل میں — نگاہ بھی نہ ملاؤں جو بادشاہ ملے

سر برہنہ مجنوں پہ آشیاں ہے تاج — نہ رکھے سر پہ جو فغفور کی کلاہ ملے

فلک کی طرح جفائیں نہ کیجئے ہر روز — اسی کی قدر ہے نعمت جو گاہ گاہ ملے

تمہارے حسن سے کیا رتبہ ماہ کنعاں کو — وہی تو چاند جسے ڈوبنے کو چاہ ملی

سب اہل حشر جب اپنے کئے کو پائیں گے — بڑا مزا ہو جو مجھ کو مرا گناہ ملے

کروں میں عرض اگر جان کی امان پاؤں — کہوں پتے کی اگر قہر سے پناہ ملے

یہ ہے مزے کی لڑائی یہ ہے مزے کا ملاپ — کہ تجھ سے آنکھ لڑی اور پھر نگاہ ملے

ہوا ہے درد جگر سے یہ گھر مرا تاریک — کہ موت ڈھونڈھتی پھرتی ہے کوئی راہ ملے

نہ اس کو صبر نہ تاثیر کا پتا یارب
جلا دیا ہے مجھے خاک میں یہ آہ ملے

بلا سی دعوے الفت نہ پیش کرتے ہم
ملے ہوئی ہیں جو دشمن سے وہ گواہ ملے

ٹھہر نہ آہ مری جان لے کے چلتے ہو
سفر کرے جو مسافر کو زاد راہ ملے

مثل سنی ہے کہ ملنے سے کوئی ملتا ہے
ملو تو آنکھ ملے دل ملے نگاہ ملے

قمر کو جامہ شب تو بصر کو پردۂ چشم
کئی لباس ترے نور کو سیاہ ملے

اثر کہاں سے ملے جب یہ پھوٹ ہو باہم
الگ الگ رہے دونوں نہ حرف آہ ملے

لگا کے پاؤں میں اس کے اوڑاوں قاصد کو
اگر مجھے ترے توسن کی گرد راہ ملے

اس انقلاب میں ڈھونڈھو جو مشک اور کافور
تو یہ سفید ملے اور وہ سیاہ ملے

نوید بخشش عصیاں اسے سنا دینا
جو شرمسار کہیں داغ روسیاہ ملے

۳۴۱

اے پریشانی دل حسن بھی کچھ غم میں رہے
زلف برہم کی ادا خاطر برہم میں رہے

رشک نے آگ لگا دی تپش و غم میں رہے
زم دشمن میں رہے ہم کہ جہنم میں رہے

چھین لیں حشر کے دن تم سے نہ حوریں مجھ کو
ان کو حسرت ہے کہ ہے یہ ہم کو ملے ہم میں رہے

مرگ دشمن کی دعا مانگ کے پچھتاتا ہوں
کہیں ایسا نہ ہو وہ غیر کے ماتم میں رہے

عاشق و شیفتہ و والہ و شیدا وہ ہے
رات دن لاکھ خوشی سے جو ترے غم میں رہے

واعظ ارمان کروں کیا یہ بہت مشکل ہے
آدمی بن کے کوئی جنت آدم میں رہے

غیر کا غم اسے اشکوں میں ڈبوئے رکھے
جو نزاکت سے گھڑی بھر بھی نہ شبنم میں رہے

عقدۂ بند قبا کھول دے ظالم شب وصل
یہ گرہ کاش ترے گیسوئے پرخم میں رہے

وعدۂ وصل پہ ہر اک کو لگائے رکھئے
کہ زمانہ اسی دھوکے میں اسی دم میں رہے

حور کے واسطے پریاں نہ چھٹیں گی زاہد
اس کی امید کہ جو دوسرے عالم میں رہے

جمع ہو تیرگی داغ جگر ہے چھٹ کر
کچھ سیاہی تو مرے دیدۂ پرنم میں رہے

نغمہ عیش سے یاد آگئے نالے ہم کو
بزم شادی میں رہے تو بھی تو ماتم میں رہے

گردش چشم بلا شوخی رفتار غضب
ایسے چلتے ہوئے فتنے اسی عالم میں رہے

تری اوتری ہوئی مہندی جو اسی ہاتھ لگے
ید بیضا کا نشان پنجہ مریم میں رہے

مجھ سے مے نوش کو پلواؤ یہ مرا ذمہ
بوند پانی کی اگر کوثر و زمزم میں رہے

تیرے چھینٹوں سے فلک تازہ رہا کب یہ پھول
آگ لگ جائے گل داغ جو شبنم میں رہے

دل میں مہمان دل آزار بہت رہتے ہیں
کوئی ایسا نہیں جو دل کی طرح ہم میں رہے

مجرم عشق کو کیا حکم ہے اے داور حشر
داغ جنت میں رہے یا کہ جہنم میں رہے

۳۴۲

ہر بات ہے شوخ فتنہ گر کی
شوخی سے مزاج میں نظر کی

تاثیر ہوئی ہے کس نظر کی
وہ آنکھ نہیں ہے نامہ بر کی

بے چین ہے جان ہر بشر کی
چٹکی ہے غضب تری نظر کی

آنا نہ شب وصال اے مرگ
مہمان ہے عمر رات بھر کی

مقبول نہ ہو دعائے عاشق
ہر دم ہے یہی دعا اثر کی

رویا ہے مجھی کو خواب میں بھی
جب آنکھ لگی ہے نوحہ گر کی

خاطر سے ترے عدو کی خاطر
گو اپنے خلاف تھی مگر کی

زانو پہ ترے رہا تھا جب سے
لیتا ہوں بلائیں اپنے سر کی
کیوں آئی صبا تری گلی میں
پھرنے والے ہزار گھر کی
کچھ کہتی ہے اپنی بدگمانی
سن لی ہے انہوں نے نامہ بر کی
سب اس کی نظر کو دیکھتے ہیں
تعریف کریں گرے مرے جگر کی
امید سزا میں رات دن میں
گنتا ہوں خطائیں عمر بھر کی
اب میرے عوض اسے سنبھالو
ملتی نہیں نبض چارہ گر کی
رہتی ہے برنگ شمع مردہ
وہ آہ کہ جان تھی اثر کی
کیا بات ہے خیر ہو الٰہی
رکھتی ہے زبان نامہ بر کی
تلوار مجھی کو ہے مری آہ
وہ بھی ظالم تری کمر کی
کچھ صبر کئے سے بن نہ آیا
یوں بھی تو بہت دنوں بسر کی
کیوں رحم نہ آئے بےکسی پر
جب مجھ سے گئی رہی کدھر کی
اے شمع ہمارا ساتھ دینا
تکلیف ہے اور دوپہر کی
انسان و ملک ہیں سب دعا گو
پھر بھی تو کمی نہیں اثر کی
اے داغ وہ لطف کیا کریں گے
احسان کیا جفا اگر کی

۳۴۳

شوق میں ایک فتنہ قامت کے
ہم گلے مل گئے قیامت کے
دل میں مضمون یاس و حسرت کے
بن گئے نقش لوح تربت کے
یہ بھی احسان ہے جو وعدے ہوں
دوسرے تیسرے قیامت کے

کس نے کوسا مجھے کہ بھر دیا ہاتھ اٹھے ہوئے ہیں خلقت کے

بتکدہ ٹوٹ کر بنے کعبہ کارخانے ہیں اس کی قدرت کے

کچھ عدو کو تو کچھ فلک کو ملے حصے ہو جائیں میری قسمت کے

یاد رہ جائے گی جفا تیری دن گذر جائیں گے مصیبت کے

اس نے پوچھا مزاج کیسا ہے رنگ اب دیکھنا طبیعت کے

اک ترے دل پہ اختیار نہیں سب ہے قبضے میں دست قدرت کے

رشک ہے دیکھئے ستم تیرے بعد میرے ہوں کس کی قسمت کے

وہ نزاکت سے تھم گئے چل کر لو قدم گڑ گئے قیامت کے

ان کو لطف عدم کہاں جو غریب ہو رہے بعد رگ تربت کے

کان رکھ کر اگر وہ سن لیتے بوسے لیتا لب شکایت کے

ہم ترے جور سب اٹھائیں گے اے ستمگر علاوہ فرقت کے

دل ترا چھین کر عدو کو دیا ہتھکنڈے ہیں یہ دست قدرت کے

آئینہ دیکھ کر یہ پھر کہئے دو نہیں ہوتے ایک صورت کے

آئی تیشے سے یہ صدا پیہم کوہکن کام ہیں یہ فرصت کے

اپنے بدلے رقیب کو بھیجا یہ نئے ڈھنگ ہیں عیادت کے

داغ سا دوسرا نہ دیکھو گے
گل ہزاروں ہیں ایک صورت کے

۳۴۴

وہ قیامت توڑتے ہیں پوچھ کر کیا حال ہے پرسش دِل ہے الٰہی پرسش اعمال ہے

بد نصیبی کو نکلنا اس سے اک اشکال ہے
میری ماتھے کی لکیریں کس بلا کا جال ہے

راہ میں لیتا ہے تیرے تیر کو میرا جگر
پیشوائی نام اس کا ہے یہ استقبال ہے

جم گئی ہے آنکھ کی پتلی کسی مشتاق کی
میں نہ مانوں گا کہ عارض پر تمہارے خال ہے

داغ عصیاں جذب کر لیتا ہے اشک شرم کو
دان تر ہے مرا منہ پر مرے رومال ہے

خون دل رگ رگ سے پانی کی طرح بہنے لگا
سرخ آنسو کیا پسینہ تک ہمارا لال ہے

تجھ کو اے ناصح خبر کیا عشق کے انجام کی
کوئی کاہن ہے منجم ہے کہ تو رمال ہے

تنگ آئے ہیں دل بیمار سے بیماردار
مجھ سے بد تر پوچھنے والوں کا میرے حال ہے

پس گئے ہیں یوں تو لاکھوں گردش افلاک سے
شکل انگشت شہادت تن پہ ہر اک بال ہے

میں سراپا در ہوں اللہ ہے اس کا گواہ
جس پہ عاشق ہے قیامت وہ ترا پامال ہے

ایک میں سو مدعی اک تم ہزاروں جاں نثار
عشق کا یہ حال دیکھا حسن کا وہ حال ہے

حضرت ناصح چلے ہیں نذر دینے یوں اسے
دل بغل میں اور خالی ہاتھ پر رومال ہے

نامہ بر ان کا تو وعدہ اور تیرا اعتبار
مکر ہے نقرہ ہے عیاری ہے دم ہے چال ہے

میں نے ان سے عرض کی آنا جنازے پر مرے
پہلے تو بولے وہ اچھا پھر کیا اشکال ہے

وہ یہ سنتی ہی رہے اور لے گئے دل چھین کر
ہم کہتے ہی رہے دیکھو پرایا مال ہے

بولتے ہو موت کے معنی پہ تم لفظ وصال
اور بھی تو اک محل پر اس کا استعمال ہے

غیر تیرے فیض سے محسود عالم ہو گیا
جس نے دیکھا بول اٹھا ہائے کیا اقبال ہے

فرض ہی کیا ہے کہ ہر مردے پہ ہوتا ہو عذاب
بلکہ ہستی سے عدم میں داغ تو خوشحال ہے

۳۴۵

کیا تھا جرم وفا لذت سزا کے لئے
ستم کے لطف اٹھائے مزے جفا کے لئے

خدا کرے نہ کسی کا امیدوار وصال
دعائیں مانگتے ہیں ترک مدعا کے لئے

جو یہ لباس ہو تجھ سا ہی جامہ زیب بھی ہو
بنا نہ دامن محشر تری قبا کے لئے

مری خبر کو وہ آئیں تو جلد آئیں کہیں
فرشتے کہتے ہیں کیا حکم ہے قضا کے لئے

بڑا مزا ہو جو محشر میں ہم کریں شکوہ
وہ منتوں سے کہے چپ رہو خدا کے لئے

غرض جہاں سے کیا اے فلک مرے ہوتے
غریب خانہ ہے موجود ہر بلا کے لئے

اثر تو لوٹ لیا بات بات نے تیری
رہا نہ کچھ بھی مری عرض مدعا کے لئے

زبان جلائی کئے قطع ہاتھ ہونٹ سیئے
یہ بندوبست ہوئے ہیں مری دعا کے لئے

مرے مزار کو تودہ کیا ہے تیروں سے
بہانہ یہ ہے کہ روزن کئے ہوا کے لئے

رقیب سے بھی تو برسوں میں بات کرتے ہیں
یہ فکر ہے انہیں افزائش جفا کے لئے

شریر آنکھ نگہ بے قرار چتون شوخ
تم اپنی شکل تو پیدا کرو حیا کے لئے

صفت کا رتبہ یہاں ذات سے سوا دیکھا
دعا ہے تجھ سے زیادہ تری وفا کے لئے

ملے تو حشر میں لے لوں زبان ناصح کی
عجیب چیز ہے یہ طول مدعا کے لئے

کسی زمانے میں گستاخ ہم بھی تھے اب تو
زبان ہے بھر ستائش دل التجا کے لئے

نہیں ضرور کہ اس کی کوئی خطا ہی کرے
بہانہ چاہئے کیا ظلم ناروا کے لئے

نیا ستم ہے ستمگر نے قتل پر میرے
کیا ہے جمع رقیبوں کو مرحبا کے لئے

ترے کہے سے ہم اے داغ چھوڑ دیں گے عشق
خدا کے واسطے دیتا ہے کیوں خدا کے لئے

۳۴۶

گر ایک بھی ہزار میں وہ مان جائیں گے
ہم اے پیامبر ترے قربان جائیں گے

کیجئے گا قتل ہم کو تو قربان جائیں گے
پر سر کے ساتھ آپ کے احسان جائیں گے

مجنوں کا حال سن کے پریشان ہو گئے
میرے اگر سنو گے تو اوسان جائیں گے

کافر ہو گر رقیب تو وہ حور وش چھٹے
جنت میں تو تمام مسلمان جائیں گے

روز جزا کا خوف دلایا تو یہ کہا
ان دھمکیوں کو آپ کی ہم مان جائیں گے

پروا نہیں وہ غیر کے گھر جائیں غم یہ ہے
ہمراہ ان کے سب مرے ارمان جائیں گے

ہر چند آج کل سے زیادہ ہے سادگی
تیور یہ کہہ رہے ہیں کہ مہمان جائیں گے

جائیں لباس غیر میں ہم بن کے داد خواہ
پر کیا کریں وہ حشر میں پہچان جائیں گے

تنہا وہ کیا خیال میں میرے نہ آئیں گے
دیکھوں کہاں تک ان کے نگہبان جائیں گے

میں لاکھ پہلوؤں سے کروں عرض مدعا
پہچاننے کی بات وہ پہچان جائیں گے

اے داغ ابتدائے محبت میں کیا گلہ
وہ جانتے نہیں ہیں تمہیں جان جائیں گے

۳۴۷

یہ تو پوچھیں مرے مرقد پہ گذرنے والے
کیا گذرتی ہے تری جان پہ مرنے والے

مرحبا اے دل و دیں لے کے مکرنے والے
ہاتھ کانوں پہ مرے نام سے دھرنے والے

منزل عیش نہیں ہے یہ سرائے فانی
رات کی رات ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے

کثرت داغ محبت سے کھلا ہے گلزار
سیر کرتے ہیں مرے دل میں گذرنے والے

داغ دل داغ جگر نقش جفا نقش وفا
نہ مٹائے سے مٹیں گے یہ ابھرنے والے

غنچہ گل میں دھرا کیا ہے بتا اے بلبل
جمع ہیں چند ورق وہ بھی بکھرنے والے

رند میخوار ہی پیتے ہیں پلا کر ورنہ
اپنی دوزخ کو بھرا کرتے ہیں بھرنے والے

یہی اقرار یہی قول یہی وعدہ تھا او دغا باز فسوں ساز مکرنے والے
مدفن اہل وفا پر یہ دعا کی اس نے حشر کے دن بھی نہ پیدا ہوں یہ مرنے والے
آہ و فغاں سے گئے صبر و تحمل پہلے چلنے والوں سے بھی آگے ہیں ٹھہرنے والے
چارہ گر لاکھ کا منہ خاک سے بھرنا ہے محال مشک زخموں میں مرے بھرتے ہیں مرنے والے
کھولتا کوئی تو چوری سے ترے دل کی گرہ ہم نے دیکھے ہی نہیں گانٹھ کترنے والے
بدگمان ہوں نظر آئی نہ ہو وہ زلف سیاہ وہم میں ڈالتے ہیں خواب میں ڈرنے والے
آپ محشر میں بنیں قول کے سچے کیا خوب انگلیاں اٹھیں گی وہ آئے مکرنے والے
نہ ملی روز قیامت بھی حیات جاوید ہم نے دیکھے بہت اس شوخ پہ مرنے والے
گالیاں غیر کو دیتا ہوں سنو تو خاموش میں بھی دیکھوں تو بڑی بات نہ کرنے والے
عمر بھر عالم ہستی میں جو معدوم رہے حضرت خضر سے دیکھے نہیں مرنے والے
دختر رز ہے بہت تیز مزاج اے زاہد تیرا کیا منہ ہے اسے بھرتے ہیں بھرنے والے
عمر بھر حسن خدا داد رہا کرتا ہے دو گھڑی بعد بگڑتے ہیں سنورنے والے

داغ کہتے ہیں جنہیں دیکھئے وہ بیٹھے ہیں
آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

۳۴۸

دیکھتا جا ادھر او قہر سے ڈرنے والے نیچی نظریں کئے محشر میں گذرنے والے
راہ دیکھیں گے نہ دنیا سے گذرنے والے ہم تو جاتے ہیں ٹھہر جائیں ٹھہرنے والے
قلزم عشق سے اے خضر ہمیں خوف نہیں بیٹھ کر تہ میں ابھرتے ہیں ابھرنے والے
اس گذرگاہ سے پہنچیں تو کہیں منزل تک جیسے گذرے گی گذاریں گے گذرنے والے

منہ نہ پھیرا جگر و دل نے صفِ مژگاں سے
سچ تو یہ وہ بھی بری ہوتے ہیں مرنے والے

ہو کے لبریز نہ چھلکے گا مرا ساغرِ دل
میکدے سو ہوں اگر لاکھ ہوں بھرنے والے

ایک تو حسن بلا اس پہ بناوٹ آفت
گھر بگاڑیں گے ہزاروں کے سنورنے والے

کیا جہان گذران میں بھی لگے ہے گذری
مول لے جاتے ہیں غم یاں سے گذرنے والے

قتل ہوں گے ترے ہاتھوں سے خوشی اس کی ہے
آج اترائے ہوئے پھرتے ہیں مرنے والے

تیرے گیسوئے پریشان نہ کریں سودائی
سر نہ ہو جائیں کسی کے یہ بکھرنے والے

آہ کے ساتھ فلک سے یہ ندائیں آئیں
جل گئے سایہ طوبیٰ میں ٹھہرنے والے

حشر میں لطف ہو جب ان سے ہوں دو دو باتیں
وہ کہیں کون ہو تم ہم کہیں مرنے والے

کشتیِ نوح سے بھی کود پڑوں طوفاں میں
دیں سہارا جو مجھے پار اترنے والے

خوشنوائی نے رکھا ہم کو اسیر اے صیاد
ہم سے اچھے رہے صدقے میں اترنے والے

کیا تری کاکلِ شبگوں کی بلائیں لیں گے
بوالہوس تیرگیِ بخت سے ڈرنے والے

ہے وہی قہر وہی جبر وہی کبر و غرور
بت خدا ہیں مگر انصاف نہ کرنے والے

غسلِ میت کی شہیدوں کو تری کیا حاجت
بے نہائے بھی نکھرتے ہیں نکھرنے والے

حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

۳۴۹

دل دے تو اس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے

کس طرح چین مجھ کو دلِ بیقرار دے
تم اختیار دو نہ خدا اختیار دے

اترے جو تن سے سر تو ہی سرفراز ہاں
ایسا نہ ہو کہ وہ مجھے دل سے اتار دے

دل اس نگاہ ناز سے ہم نے لڑا دیا
آگے نصیب ہے جسے پروردگار دے
سنتے ہو داستاں مری جانتے ہو جھوٹ
ہو بات کا مزا تو خدا اعتبار دے
دل چاہتا ہے مفت ملے نقد داغ عشق
اس بد چلن کو کوئی نہ کوڑی ادھار دے
لے جاؤں جب بہشت میں اس حور وش کو میں
پہلے فرشتہ دور سے پردہ پکار دے
جنت بغیر حور کے درکار ہے مجھے
دنیا میں دیکھ لوں جو خدا مستعار دے
فرقت میں آب و دانہ ہمیں یوں حرام ہے
جس طرح منہ کو قتل کوئی روزہ دار دے
جز بے کسی نہیں ہے شب ہجر ہم نشیں
کس سے کہوں کہ کوئی اجل کو پکار دے

کیوں ناز اٹھاؤں داغ کسی پر جفا کے میں
مجھ کو اگر مزا ستم روزگار دے

۳۵۰

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری
غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری
دل یہ کہتا ہے بنے گی یہیں تربت میری
اک زمیں ہے میری سینے میں کدورت میری
مر گیا میں تو نہ جانو کہ بلا سے چھوٹے
بندہ پرور یہ محبت ہے محبت میری
دل بری شے ہے کہ اغیار سے میں کہتا ہوں
تمہیں بللہ نکالو کوئی صورت میری
میں نہ کہتا تھا کہ لے لیجئے دل گھٹتا ہے
دیکھئے آپ کی غفلت ہے کہ غفلت میری
دھوم ہے زیر زمیں کشتہ ناز آیا ہے
ہو گئی عید شہیدوں کو زیارت میری
اپنے سائے سے یہ کہتا ہوں کہ تو ہی ہنس بول
کچھ تو بھلے غم ہجراں میں طبیعت میری
سر سے پہلے وہ زباں کاٹ لیا کرتے ہیں
کہ خدا سے نہ کرے کوئی شکایت میری
کیا کہوں گا اگر اس بت نے کہا محشر میں
داور حشر ترے ہاتھ ہے عزت میری
خوب تقدیر کی خوبی نے کیا ہے برباد
جابجا مجھ کو لئے پھرتی ہے شہرت میری

جب تری چال کا انداز صبا میں دیکھا
پس گئی خاک مری مٹ گئی تربت میری

ناتواں دیکھ کر افسوس نہ آیا مجھ پر
وہ خفا ہیں کہ اڑائی ہے نزاکت میری

شوق کہتا ہے ابھی عرض تمنا کیجئے
دل یہ کہتا ہے کہ پڑتی نہیں ہمت میری

حشر میں تجھ سا جفا کار خدا سا منصف
دل سا انصاف طلب اور شہادت میری

کیا جدائی کا اثر ہے کہ شب تنہائی
میری تصویر سے ملتی نہیں صورت میری

جب کوئی فتنہ زمانے میں نیا اٹھتا ہے
وہ اشارے سے بتا دیتے ہیں تربت میری

اس کے کوچے سے جنازہ نہ اٹھائیں احباب
میں نہ نکلوں گا نہ نکلے گی جو حسرت میری

شوق کی چھیڑ نہ وہ آج تمنا کی خلش
بھر گئی کیا دل اغیار میں حسرت میری

بخشے جائیں گے سیہ کار بہت روز جزا
کہیں جنت میں نہ پہنچے شب فرقت میری

جس طرح تو مرے آغوش سے نکلا اے شوخ
یونہیں ہاتھوں سے نکلتی ہے طبیعت میری

قرض مل جائی گا وہ شے رمضان میں مجھ کو
حضرت شیخ جو کر لیں گے ضمانت میری

کہیں دنیا میں نہیں اس کا ٹھکانا اے داغ
چھوڑ کر مجھ کو کہاں جائے مصیبت میری

۳۵۱

رحم آیا جو اسے دیکھ کے حالت میری
غم یہ کہتا ہے کہ اب دیکھئے فرحت میری

دوست کیوں عشق میں کرتے ہیں شکایت میری
مجھ پہ کیا زور کسی کا ہے طبیعت میری

کون جانے گا ترا چاہنے والا مجھ کو
حشر کے روز بدل جائے گی صورت میری

بے حیا ہوتے ہیں مہمان کہیں ایسے بھی
کہ نکالے سے نکلتی نہیں حسرت میری

کیا فلک ٹوٹ پڑا بعد فنا بھی مجھ
بیٹھی جاتی ہے دلی جاتی ہے تربت میری

عمر بھر آئینہ اس غم میں رہا چشم پر آب
کس نے سکتے میں دکھا دی اسے صورت میری

آؤ میداں میں گر غیر کی الفت ہے تمہیں
چھپ کے کیوں سیکھتے ہو طرز محبت میری

جور وہ جور تغافل وہ تغافل ان کا
دل یہ دل اور طبیعت یہ طبیعت میری

مجھ کو دو خامہ و قرطاس جو کچھ لکھ جاؤں
لکھ چکے کاتب اعمال حقیقت میری

صبح سے آج وہ تیور ہی نہیں ہیں ان کے
آئینہ دیکھ کے دیکھی ہے جو صورت میری

پھر لئے تیر و کمان کوئی چلاتا ہے
خود چھپے یا کہ چھپائے مجھے تربت میری

یوں تو برسوں نہ پلاؤں نہ پیوں اے زاہد
توبہ کرتی ہے بدل جاتی ہے نیت میری

دور بیٹھا ہوں چھپائے ہوئے بوتل خاموش
مجلس وعظ میں دیکھے کوئی خلوت میری

تم نہیں غیر سہی غیر نہیں چرخ سہی
اک نہ اک فتنہ لگا رکھتی ہے قسمت میری

بن گئی جی پہ کچھ ایسی کہ الٰہی توبہ
سانس لینے سے بگڑتی ہے طبیعت میری

پیر گردوں ہے مگر پیر مغاں اے ساقی
نہ سفارش تری منظور نہ منت میری

وہ دبے پاؤں چلیں حشر کے ڈر سے توبہ
فکر ہے چال اڑا لے نہ قیامت میری

تادم مرگ محبت میں دعائیں دوں گا
واہ کیا شے ہے سلامت ہے قسمت میری

کونسا لب ہے کہ جس پر نہیں شکوہ تیرا
کونسا دل ہے کہ جس میں نہیں حسرت میری

اپنی تصویر پہ نازاں ہو تمہارا کیا ہے
آنکھ نرگس کی دہن غنچے کا حیرت میری

موت آئی ہوئی لجائی یہ آئی نہ رکے
الاماں داغ قیامت ہے طبیعت میری

۳۵۲

آب بقا نے گرچہ بہت روک تھام کی
پیری چلی نہ خضر علیہ السلام کی

ساقی نہ رسم ترک ہو شرب مدام کی
پہلے چھڑک زمیں پہ قاضی کے نام کی

کیا جانے خط میں کیا ہے کہ قاصد کا ہے یہ حال
پوچھے جو صبح کی تو کہے تو اس نے شام کی

جس خط پہ یہ لگائی اسی کا ملا جواب
اک مہر میرے پاس ہے دشمن کے نام کی

اللہ رے غرور کہ آئینہ دیکھ کر
اپنی بھی عکس سے ہے شکایت سلام کی

ہو گرچہ بادشاہ رقیب سیاہ رو
خالق مگر بنائے نہ صورت غلام کی

صبح شب وصال نہ جانے دیا انہیں
فرصت نہ آسمان کو ملی انتقام کی

افسانہ فراق میں گذرے شب وصال
جب صبح ہو گئی تو کہانی تمام کی

رکھنا الگ بچا کے رقیبوں سے اے فلک
آزار میرے حق کا جفا میرے نام کی

تیری ہی یاد انہیں تیرا ہی ذکر ہے
دل اپنے کام کا نہ زبان اپنے کام کی

یہ چھیڑ دیکھنا کہ دم شکوۂ فراق
تائید ہو رہی ہے ہمارے کلام کی

اے داغ قتل ہو کے ملا رتبہ شہید
ہوتی ہے اب نیاز وہاں میرے نام کی

۳۵۳

ہر ایک بے نمود کی اس سے نمود ہے
موجود ہے وہی جو عدیم الوجود ہے

کیا قبر ناتواں کی ترے بے نمود ہے
افسوس فاتحہ ہے نہ جس کی درود ہے

اس شعلہ رو کی رخ پہ جو خط کی نمود ہے
کیا آتش خلیل کا یارب یہ دود ہے

پوشیدہ اس کا حسن ہوا کب نقاب سے
پردے میں بھی ہزار طرح کی نمود ہے

روز تحست لیں مری آہوں نے چٹکیاں
رنگ اس لئے فلک کا ازل سے کبود ہے

کیا دل دیا اگر نہ دیا جو ہر قبول
ایسے بھی ہیں کہ جن کو زیاں ہے نہ سود ہے

گو ناخن ہلال بڑھاتا رہے فلک — مشکل کسی کی عقدۂ دل کی کشود ہے
اس ہاتھ نے لٹائے ہیں کس کس طرح کی گہر — مژگاں چشم تر بھی عجب دست جود ہے
توبہ کا در کھلا ہے نہ کر چھپکے مے کشی — اے شیخ یہ طریقہ شرب الیہود ہے
دھوکا نہ دو کہ پہلے عداوت تھی اب نہیں — ایسے محل میں ہوتے ہیں معنی بود ہے

وہ سر ہے سرفراز جو اے داغ تابہ زیست
درگاہ بے نیاز میں صرف سجود ہے

۳۵۴

بعد میرے کون نوید وصل یار آنے کو تھی — وہ چمن ہی مٹ گیا جس میں بہار آنے کو تھی
موت میری پاس روز انتظار آنے کو تھی — آگئی تقدیر سے جو بے قرار آنے کو تھی
میرے مرنے کی خبر سن کر کیا مشکل سے ضبط — ان کے ہونٹوں پر ہنسی بے اختیار آنے کو تھی
کنج مرقد میں کروں کیا اب تڑپنے کا علاج — ایک بار آئی اجل بھی ایک بار آنے کو تھی
سن کے آمدہ آمد اس کی قبر میں یہ حال تھا — عمر رفتہ پھر مرے زیر مزار آنے کو تھی
کوہکن کے پاس جاتا ہو نہ مجنوں کا غبار — ایک آندھی آج سوئے کوہسار آنے کو تھی
آسمان پھرتا رہا ہے مضطرب وعدے کی رات — کونسی مجھ تک خوشی پروردگار آنے کو تھی
صبر آتا دیکھ کر ظالم نے پھر تڑپا دیا — میرے قابو میں طبیعت اب کی بار آنے کو تھی
لوگ سمجھانے لگے یہ دن نہیں تکرار کا — گفتگو ان سے مری روز شمار آنے کو تھی
صبر و تسکین و تحمل یہ تو سب جانے کو تھے — یاد تیری دل میں اے غفلت شعار آنے کو تھی
نالہ کرنا تو قیامت تھا کہ پہلی آہ میں — آسمان پر سے فرشتوں کی پکار آنے کو تھی
غیر کا مذکور کر بیٹھے وہ کچھ یاد آگیا — وصل میں لذت دم بوس و کنار آنے کو تھی

فتنۂ محشر نے آکر حشر برپا کر دیا — نیند آنکھوں میں مری زیرِ مزار آنے کو تھی

ہائے زاہد چل دیا تو بزم مے سے تشنہ کام — تیری دعوت کو شراب خوشگوار آنے کو تھی

ہے گراں جنس وفا ہے داغ کیا ہر ایک شے

اب روپے کو بھی نہیں ملتی جو چار آنے کی تھی

۳۵۵

وہ آئے خندہ پیشانی کہیں سے — تبسم ہے عیاں چین جبیں سے

ملے کیا کوئی اس پردہ نشیں سے — چھپائے منہ جو صورت آفریں سے

شفا ہو عیسئ گردوں نشیں سے — ہماری زندگی پہنچے یہیں سے

کسی کا رشک حوروں کو الٰہی — نکلوا دے نہ فردوس بریں سے

شب وعدہ مدد کر اے نزاکت — قسم ٹوٹے نہ میری نازنیں سے

اسے افسانۂ غم ڈرتے ڈرتے — سنایا کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے

وہ کیوں آئے کہ طرز بے وفائی — اڑا کر لے گئے جان حزیں سے

مرے لاشے پر اس نے مسکرا کر — ملیں آنکھیں عدو کی آستیں سے

نگاہ گرم کو جب برق جانوں — کہ مل جائے اس آہ آتشیں سے

اثر تک دسترس کیونکر ہو یارب — دعا نے ہاتھ باندھے ہیں یہیں سے

انہوں نے دل لیا ہے مفت وہ بھی — بڑی حجت سے نفرت سے نہیں سے

رہا اس میں ہمیشہ دست وحشت — گریباں کم نہیں ہے آستیں سے

بنایا تجھ کو اور ایسا بنایا — کہے کیا کوئی صورت آفریں سے

فرشتے کیا لکھیں اس کی برائی — اڑے ہیں ہوش زلف عنبریں سے

تمہیں بیداد گر اللہ کی شان — جفا کی داد میں چاہوں تمہیں سے

تمہارے گھر میں ہے اس کا ٹھکانا — گیا گزرا ہو جو دنیا و دیں سے

گئے ہیں اور یہ کہتے گئے ہیں — بہل جاؤ گے اپنے ہم نشیں سے

قیامت کا تو وعدہ اس پر انکار — کلیجا پک گیا تیری نہیں سے

عدو کی بات آیت جانتے ہو — خدا محفوظ رکھے اس یقیں سے

مری بربادیوں کی مشورت کو — فلک چھپ چھپ کے ملتا ہے زمیں سے

لگا دو تیر بھی انکار کے ساتھ — چلے گا کام کیا خالی نہیں سے

ڈھلا سارا بدن سانچے میں گویا — ذرا اترا نہیں ظالم کہیں سے

پڑا ہوں منہ لپیٹے مے کدے میں — حجاب آتا ہے مجھ کو اہل دیں سے

یہ جان ناتواں لیجئے وہ دیجئے — بدلتی ہیں نگاہ شرمگیں سے

الٰہی وہ زمانہ پھر دکھا دے — کہ وہ واقف نہ ہوں کچھ مہر و کیں سے

ٹپکتا ہے عرق بن بن کے آنسو — عیاں ہے گریہ قسمت جبیں سے

شب وعدہ زباں تھک گئی ہے — کہاں تک قصہ خوانی ہمنشیں سے

نہیں آتا تجھے گر اے تمنا — نکلنا سیکھ لے جان حزیں سے

ہمارے سامنے شکوہ عدو کا — ہماری گھات اے ظالم ہمیں سے

بتاؤں نام اسے درباں تجھے کیا — یہ کہہ دے کوئی آیا ہے کہیں سے

مرا احمدؐ ملے محشر میں مجھ کو — کروں گا عرض رب العالمیں سے

کبھی دیکھا ہے اتنا داغ کو خوش
چلے آتے ہیں یہ حضرت وہیں سے

۳۵۶

وہ جو بولیں تو بات جاتی ہے چپ رہوں میں تو رات جاتی ہے
ساتھ حوروں کے ہے شہید ترا کیا عدم کو برات جاتی ہے
مے کے پینے سے کر تو لوں توبہ آرزوے نجات جاتی ہے
دل لگی کا مزا جب آتا ہے ہستی بے ثبات جاتی ہے
نگہ یار غیر کی جانب کوئی بے التفات جاتی ہے
خوب آتا ہے لطف آزادی جب یہ قید حیات جاتی ہے

کیا کروں داغ وصل میں شکوہ
بات کہنے میں رات جاتی ہے

۳۵۷

دل چرا کر نظر چرائی ہے لٹ گئے لٹ گئے دہائی ہے
ایک دن مل کے پھر نہیں ملتے کس قیامت کی یہ جدائی ہے
اے اثر کر نہ انتظار دعا مانگنا سخت بے حیائی ہے
میں یہاں ہوں وہاں ہے دل میرا نارسائی عجب رسائی ہے
اس طرح اہل ناز ناز کریں بندگی ہے کہ یہ خدائی ہے
پانی پی پی کے توبہ کرتا ہوں پارسائی سے پارسائی ہے
وعدہ کرنے کا اختیار رہا بات کرنے میں کیا برائی ہے
کب نکلتا ہے اب جگر سے تیر یہ بھی کیا تیری آشنائی ہے

داغ ان سے دماغ کرتے ہیں
نہیں معلوم کیا سمائی ہے

۳۵۸

دل کی کلی نہ تجھ سے کبھی اے صبا کھلے
چمپا کھلے گلاب کھلا موتیا کھلے

بے خود شب وصال عدو میں وہ مست ہے
اب مکر چاندنی جو کھلی بھی تو کیا کھلے

جام شراب ہاتھ سے ساقی نہ رکھ دیا
جب منہ برس کے دھوپ چمن میں ذرا کھلے

ہم تو اسیر دام ہیں صیاد ہم کو کیا
گلشن میں گر بہار بہت خوشنما کھلے

نالوں سے شق ہوا نہ جگر پاسبان کا
دیوار قید خانہ مگر بارہا کھلے

نرگس نہ اس کی آنکھ سے شرمائی باغ میں
اللہ رے ڈھٹائی کہ یہ بے حیا کھلے

مہتاب پر گمان ہوا آفتاب کا
رنگت جو تیرے نشے میں اے مہ لقا کھلے

رونا نصیب میں ہو تو ہنستا ہو کس طرح
تو شکل گل نہ بلبل خونیں نوا کھلے

بہر دعا وہ دست حنائی جو اٹھ گئے
طرفہ شفق زمین پہ روز جزا کھلے

داغ شگفتہ دل کا ذرا دیکھنا اثر
مانند غنچہ قبر بھی بعد فنا کھلے

۳۵۹

قبر میں گر مرے ارمان سمانے پائے
تو یہ جانوں گا غریبوں نے ٹھکانے پائے

دل بے تاب مرا وہ نہ پھنسانے پائے
دو ہی جھٹکے جو ذرا زلف دوتانے پائے

پاسبان نے مرے دھوکے میں عدو کو روکا / حکم تھا ان کا وہ آئے یہ نہ آنے پائے
ہاتھا پائی ہوئی مے خانے میں زاہد سے کہیں / ہم نے تسبیح کے بکھرے ہوئے دانے پائے
چھیڑ منظور نہ ہو تجھ کو تو مژگاں تیری / دل بیتاب کو انگلی نہ لگانے پائے
جل گیا کیا مری آتش قدمی سے جنگل / چار تنکے نہ کہیں باد صبا نے پائے
ہم نے اپنا دل گم گشتہ نہ پایا کھو کر / ورنہ یہاں ڈھونڈنے والوں نے خزانے پائے
لا شب وعدہ اسے کھینچ کے اے جذبہ دل / حیلہ جو پاؤں میں مہندی نہ لگانے پائے
یہ مرے واسطے تاکید ہے دربانوں پر / کہ اسے میں بھی بلاؤں تو نہ آنے پائے
حور کے واسطے زاہد نے عبادت کی ہے / سیر تو جب ہے کہ جنت میں نجانے پائے
شوق مٹ جائے گا کیا مرے چلے جانے سے / دل کی تدبیر کرو کچھ یہ نہ آنے پائے
تیرے مہجور کے پہلو ہی میں پائے ہم نے / ر بستر کبھی تکیے نہ سرہانے پائے

داغ کی لاش سر راہگذر ہے پامال
مرتبے خوب تمہارے شہدا نے پائے

۳۶۰

ان کے خیال میں جو ذرا ہم بہل گئے / کیا رشک ہے وہ اپنے تصور سے جل گئے
سب حسرتوں کا یاس نے کھٹکا مٹا دیا / جن سے خلش تھی دل میں وہ کانٹے نکل گئے
سچ ہے پرائی آگ میں پڑتا نہیں کوئی / ہمراہ کوہ طور کے موسیٰ نہ جل گئے
ہم کیا کہیں گذرتی ہے کس طرح زندگی / دو چار یار آئے تو دم بھر بہل گئے
اب تک وہی زمین ہے وہی آسمان ہے / دو چار دن میں وہ نہ رہے تم بدل گئے
تنہا وہ جب ہوئے تو رہے محو آئینہ / ناگاہ کوئی آ جو گیا جھٹ سنبھل گئے

کیا برف ہو گیا ہے دم سرد سے بدن
دیکھی جو نبض ہاتھ مسیحوں کے گل گئے

بیزار جس سے تھے یہ وہی ہے میری جان
اب کیا ہوا کہ دیکھتے ہی تم مچل گئے

اب کیا ہے اگر کسی سے ملاتے نظر نہیں
لاکھوں ہماری آنکھ سے جلسے نکل گئے

مرتے کے ساتھ کوئی بھی مرتا نہیں کبھی
فرقت میں رفتہ رفتہ سب احباب ٹل گئے

احباب ڈھونڈھتے ہیں پریشاں ہیں رفیق
کیا جانے آج داغ کدھر کو نکل گئے

۳۶۱

عدم سے دیکھنے رنگ ظہور ہم آئے
ملا نہ جس کے لئے اتنے دور ہم آئے

مدینہ چھوڑ کے پھر رامپور ہم آئے
یہ کس بلا میں دل ناصبور ہم آئے

جب ان کی آنکھ میں بھولے سے شرم آتی ہے
پکارتے ہیں یہ ناز و غرور ہم آئے

لکھا تھا خط انہیں مرتے ہیں دیکھ لو آکر
ملا جواب کہ اب تو ضرور ہم آئے

یہ بزم چھوڑ کے کیا جائیں ہم جنہم میں
ترے بلانے سے اے رشک حور ہم آئے

گئے تھے پیر خرابات کی خرابی کو
وہاں سے نشہ صہبا میں چور ہم آئے

یہ خوف اہل وطن تھا کہ دشت غربت تک
وطن سے بچتے ہوئے دور دور ہم آئے

ہزار بھیج چکے ایک نامہ بر نہ پھرا
گئے تھے کہہ کے یہ سب اب حضور ہم آئے

ہزار شکر ہمیں داغ حج نصیب ہوا
قصور وار گئے بے قصور ہم آئے

۳۶۲

جس کے پہلو میں ہو تم اسی کا نصیب اچھا ہے
میری دانست میں تم سے بھی رقیب اچھا ہے

مرض عشق ہی آفت ہے وگرنہ ہم نے
کی دوا اس کی سنا جس کو طبیب اچھا ہے
بیٹھے ناوک کی طرح اٹھے قیامت کی طرح
یہ ادب جس نے سکھایا وہ ادیب اچھا ہے
شہسواران رہ عشق کو پہنچا کب خضر
ہم غریبوں میں یہ بیچارہ غریب اچھا ہے
اس کے معنی تو یہی ہیں کہ ہنر مند نہیں
کیوں مجھے دیکھ کے کہتے ہیں نصیب اچھا ہے
آپ سنتے ہی نہیں ہائے مرا افسانہ
سو طلسموں میں یہ احوال عجیب اچھا ہے
اے دہن تیرے لئے حرف دعا ہی بہتر
اے زبان تیرے لئے ذکر حبیب اچھا ہے
شیخ کو تاک کے رندوں نے کہا آپس میں
مال یہ جبہ و دستار و جریب اچھا ہے

جو مصاحب ہوں وہ اس رمز کو سمجھیں اے داغ
درو رہنا ہے برا اور قریب اچھا ہے

۳۶۳

جوش وحشت سے کروں کیا سخت مشکل گھر میں ہے
گور میں کافر کا مردہ ہے کہ یہ دل گھر میں ہے
آئینے میں عکس سے اپنے وہ لڑ جاتے مگر
بس نہیں چلتا کہ خود باہر مقابل گھر میں ہے
تنگ ہو کر اس نگاہ شوخ کو روکے حیا
اس کو آسانی سفر میں اور مشکل گھر میں ہے
جان و دل ہی نذر لے کر مجھ سے وہ راضی تو ہوں
پاس میرے کونسی شے ان کے قابل گھر میں ہے

ہر در و دیوار ہے سر پھوڑنے کے واسطے
وہ بیاباں میں نہیں جو مجھ کو حاصل گھر میں ہے

جامہ صبر و تحمل چاک ہے مثل کتان
کل سے جو مہمان رشک ماہ کامل گھر میں ہے

مضطرب اس فکر میں پھرتا ہے جاؤں یا نہیں
روز قاصد کو مرے کوسوں کی منزل گھر میں ہے

بعد میرے قتل کے ہنگامہ برپا ہو گیا
باہر انبوہ خلائق اور قاتل گھر میں ہے

پیٹھ پیچھے بادشاہ کو بھی برا کہتے ہیں لوگ
سامنے آکر کہو تقریر باطل گھر میں ہے

در پہ آکر جلد تم سن لو جو ہے میرا سوال
گر لگائی دیر تو جانو یہ سائل گھر میں ہے

چھوڑ کر وہ مجمع اغیار کیوں آنے لگے
روز جلسے ہیں نئی ہر روز محفل گھر میں ہے

رات بھر آتی ترے گھر سے صدا زنجیر کی
کیا کوئی دیوانہ پابند سلاسل گھر میں ہے

ذکر مجنوں سن کے لیلی نے کیا ترک سفر
نجد کے جنگل میں ناقہ اور محمل گھر میں ہے

بہر نظارہ کیا تھا ان کے دربانوں سے ربط
در کے آگے پردۂ دیوار حایل گھر میں ہے

★

روز گرتے ہیں در و دیوار سیل اشک سے
کیا مری خانہ خرابی میرے شامل گھر میں ہے
چھوٹتی ہے آدمی سے داغ کب حب وطن
گو نہیں ہوں میں مگر ہر دم مرا دل گھر میں ہے

۳۶۴

افسوس میری قدر نہیں آسماں تجھے — تجھ سا مجھے نصیب ہے مجھ سا کہاں تجھے
ظاہر کے لطف نے یہ بڑھایا ہے اعتبار — نامہرباں بھی ہو تو کہیں مہرباں تجھے
عمر دو روزہ عیش دو روزہ نہیں ہے تو — میں چھوڑتا ہوں کوئی غم جاوداں تجھے
جھڑکی ہوئی کہیں سے نکالی ہوئی نہ ہو — پاتا ہوں آج اے شب غم مہرباں تجھے
گو داد خواہ ہوں نہیں محشر کی آرزو — اس واسطے کہ ہو نہ کوئی غم وہاں تجھے
تاثیر ہو جو عشق میں تڑپائے مثل برق — تیری فغاں رقیب کو میری فغاں تجھے
میری ہی وجہ خاص سے پایا ہے مرتبہ — یہ در کبھی نصیب نہ ہو پاسباں تجھے
بہتر ہے اس سے اے دل آزردہ اور کیا — رہ تو وہیں قرار ہو اے دل جہاں تجھے
دل کو نکال کر مرے سینے سے دیکھ لے — میں خوب جانتا ہوں ارے بدگماں تجھے
اے بے وفا نہ آئے دوبارہ کسی طرح — کس نے سکھائی چال یہ عمر رواں تجھے

وحشت میں کوچہ گرد کہاں تک رہے گا تو
اے داغ کہاں جائے گا تیرا مکاں تجھے

۳۶۵

دیکھ سکتے نہیں اس بزم میں ناکام مجھے
اپنے حصے کی پلاتے ہیں مے آشام مجھے

رشک کس کو ہے نہ دو مفت کا الزام مجھے
تم سے جب کام نہیں غیر سے کیا کام مجھے

لوگ جانیں گے قصور ان کا نہیں اس کا ہے
حشر میں آپ دیئے جایئے دشنام مجھے

آج بگڑے ہوئے تیور ہیں خدا خیر کرے
کہتے ہو رات بھر آیا نہیں آرام مجھے

کس کے نالوں نے جگایا ہے تمہیں ساری رات
کون تھا اس کا بتاؤ تو سہی نام مجھے

آسمان دشمن ارباب ہنر ہوتا ہے
شکر صد شکر کہ آتا نہیں کچھ کام مجھے

سخت دشوار ہوئی راہ طلب اے تقدیر
دیکھ گرتا ہوں ذرا روک مجھے تھام مجھے

کوئی صیاد ستمگر کا تغافل دیکھے
کہ پھڑکتے ہوئے دیکھا نہ تہ دام مجھے

خود فراموش کیا یاد نے تیری ایسا
اس کا احسان ہے بتا دے جو مرا نام مجھے

پوچھتا ہوں یہ نکیریں سے میں بعد فنا
یاد کرتا ہے کبھی وہ بت گلفام مجھے

داغ یہ بات وہ سن لے تو غضب ٹوٹ پڑے
کہتے پھرتے ہو بلایا ہے سرِ شام مجھے

۳۶۶

تیرے کوچے میں جو ہم بادیدۂ تر بیٹھتے
جوش طوفان سے زمین میں سینکڑوں گھر بیٹھتے

چارہ گر بھی ہمنشیں تھا رات کو ناصح بھی تھا
ورنہ بے تابی سے ہم کیا جانے کیا کر بیٹھتے

ہائے بے تابی شب وعدہ ترے مہجور کی
اکثر اٹھتے ہم نے دیکھا اس کو اکثر بیٹھتے

ہو گئی محفل تری کیا بے ادب بے قاعدہ
جو کھڑے رہتے تھے وہ اب ہیں برابر بیٹھتے

غیر کے ہمراہ پھرتے ہو خدائی خوار تم
عار آتی ہے ہمارے پاس دم بھر بیٹھتے

جب کیا شکوہ کہ محفل میں رہے ہم تم سے دور
اس نے جھنجھلا کر کہا کیا میرے سر پر بیٹھتے

گھر سے باہر ہی نہیں آتے وہ خلوت دوست ہو
بیٹھتے چھپ کر تو میری دل کے اندر بیٹھتے

جس کی قسمت میں ہو گردش کس طرح بیٹھے کہیں
ہم سے آورہ ترے کوچے میں کیونکر بیٹھتے

داغ تم نے کیوں کیا ہے نام وحشت کا خراب
اس سے تو بہتر یہی تھا چین سے گھر بیٹھتے

۳۶۷

جب اس کے مقابل مرے داغ جگر آئے
خورشید قیامت کو بھی تارے نظر آئے

کچھ رنج کا مذکور نہ اے نامہ بر آئے
ایسا نہ ہو الزام ادھر کا ادھر آئے

وہ اپنے تصور سے یہاں پیشتر آئے
ارمان بھرے دل میں الٹی اثر آئے

حوروں سے ملاؤں میں کسی شوخ کی صورت
دم بھر کو اگر چرخ سے جنت اتر آئے

کوئی ہو ترا شیفتہ ہو یہ نہ ہو وہ ہو
دل جائے اگر دل کی طرح سے جگر آئے

عادت ہی ہوئی رنج کی گو مرگ عدو ہو
رونے سے ہمیں کام کسی کی خبر آئے

حسن آئینہ عشق ہو عشق آئینہ حسن
میں تجھ کو نظر آؤں مجھے تو نظر آئے

رہ رہ کے وہ پچھتائیں کہ کیوں اس کو ستایا
تھم تھم کے مری آہ میں یارب اثر آئے

وہ کہتے ہیں فرصت نہیں ہم کو شب وعدہ
تم صبر کو اپنے ہی بلالو اگر آئے

اس بت کی جو یاد آئی ہمیں خلد بریں میں
اف کرکے جگر تھام لیا اشک بھر آئے

میری شب غم ان کی شب وصل عدو ہے
جب یاں سحر آئے تو وہاں بھی سحر آئے

تجھ سے تو ستمگر ترے ارمان ہی اچھے
تو جا کے نہ آیا کبھی یہ عمر بھر آئے

فرصت جو ملی دفن سے پھر رنج کسے تھا
ہنستے ہوئے ساتھ ان کے مرے نوحہ گر آئے

موت آئی ہوئی ٹل بھی گئی آج تو پھر کیا
کیا عمر رواں ہے کہ نہ بارد گر آئے

کم حلقہ گیسو سے نہیں دام تصور
جانے بھی نہ دوں اس کو وہ اب کے اگر آئے

ہر دل کی طلب سے ہے غم یار پریشاں
جب ایک ہی مہماں ہو کس کس کے گھر آئے

ترسیں گے اسے بھی شب فرقت مری آنکھیں
رونا بھی جبھی تک ہے کہ خون جگر آئے

اے داغ گلہ غیر سے کیا بزم میں تم کو
جب دوست کہے آپ کے دشمن کدھر آئے

۳۶۸

اول تو رہے دور وہ نالوں سے ہمارے
پاس آئے تو گھبرائے سوالوں سے ہمارے

یہ کہتے ہیں بلبل سے وہ گل ہاتھ میں لے کر
تو دیکھ ملا کر اسے گالوں سے ہمارے

کیا برہنہ پا دشت میں لاکھوں بھی نہ ہوں گے
کانٹوں کو مگر چھیڑ ہے چھالوں سے ہمارے

اتنا تو رہے پاس کہ محشر میں کہو تم — بولے نہ کوئی چاہنے والوں سے ہمارے
ہر وقت نئی دہن ہے ہمیں تازہ تصور — جاؤ گے کہاں بچ کے خیالوں سے ہمارے
کہتے ہیں وہ آنکھیں صف مژگاں کو بڑھا کر — ہے کون جو روکش ہو رسالوں سے ہمارے

اے داغ فلک دشمن ارباب ہنر ہے
ظاہر کو خبر ہو نہ کمالوں سے ہمارے

۳۶۹

کام دور چرخ میں بگڑے ہوئے اکثر بنے — تجھ سے بن کر جب بگڑ جائے تو پھر کیونکر بنے
وصل میں بھی اس سراپا ناز سے کیونکر بنے — ہر نگہ تلوار جس کی ہر مژہ خنجر بنے
کیا خبر تجھ کو ستم کرتا ہے کیا تیرا بگاڑ — اس کے دل سے پوچھ جس کمبخت کی جی پر بنے
آرزو ہے حشر کے دن کلن رکھ کر وہ سنیں — نامہ اعمال میرا شوق کا دفتر بنے
خانہ ویرانی مری منظور ہے تو اے فلک — روز بگڑے روز اس کے دل میں میرا گھر بنے
عارض روشن کی پرتو سے عجب کیا ایک دن — گر چمک کر آئینہ اقبال اسکندر بنے
دشمنوں کی جان پر کیونکر گرے یہ برق آہ — کس طرح سے آسمان میرا دل مضطر بنے
روز فردا اٹھو گی تیری رہگذر سے فتنہ خیز — ہر زمین کو یہ لیاقت کب ہے جو محشر بنے
دردمے سے منہ بگاڑا تو نے اے زاہد عبث — میکدہ جنت نہیں جو بادۂ اطہر بنے
رشک تو دیکھو مصور کے قلم کرتا ہے ہاتھ — اس کی صورت سے اگر تصویر بھی بہتر بنے

گو وہ منہ آیا کئے تا دیر بیٹھے تو رہے
داغ ان کی بزم میں دانستہ اکثر ہم بنے

۳۷۰

کیا رات دن ہے فکر کسی تازہ جور کی
کہتے ہیں اپنے آپ سے نہ سنتے ہیں اور کی

کیا ناگہاں جفائیں تری یاد آگئیں
بھولے سے اپنے حال میں جب میں نے غور کی

آزردگی جو دل سے نہ ہو تو گلہ نہیں
رنجش بھی اک ادا ہے مگر طور طور کی

اس فتنہ گر کو رحم تو کیا ضد آگئی
جب ہم نے آہ کی تو جفا اس نے اور کی

کیفیت زمانہ جمشید دیکھ لیں
ساقی پلا شراب کہن اگلے دور کی

کہتے ہیں دیکھ کر وہ مہ مصر کی شبیہ
اچھی ہے ایک شکل حسیں اپنے طور کی

دنیا میں ایک ایک کا معشوق ہے جدا
میں اس کا خواستگار طلب اس کو اور کی

پھر عیادت آئے تو وہ کوس کر گئے
اچھا مرا علاج کیا اچھی غور کی

معشوق آسمان تو نہیں جس سے لیں عوض
تدبیر داغ خاک کریں اس کی جور کی

۳۷۱

نہیں رکتا جو طفل اشک گھبرا کر نکلتا ہے
الٰہی خیر گرتا ہے وہی جو دوڑ چلتا ہے

مرے زخم جگر کا بوسہ لے کر جب نکلتا ہے
لب سوفار کو غصے سے وہ چٹکی میں ملتا ہے

وہ ظالم غیر کے ہمراہ بن ٹھن کر نکلتا ہے
بن آتی بھی نہیں کچھ اور اپنا جی بھی جلتا ہے

ملے محشر میں گر مجھ کو یہ کافی ہے عذاب اس کو
کہ یا رب وہ بت کافر مرے سائے سے جلتا ہے

پڑا ہوں سنگ راہ دوست بن کر کوئی دشمن میں
سنا ہے آدمی کچھ ٹھوکریں کھا کر سنبھلتا ہے

ادھر ٹھہرے ادھر ٹھہرے اسے دیکھا اسے دیکھا
تماشا گاہ محشر میں ہمارا دل بہلتا ہے

فقط وعدے پہ دو بوسوں کے دل لے کر وہ دیتے ہیں
ہمارا بھی کچھ آتا ہے تمہارا کیا نکلتا ہے

وہ خلوت دوست ہوں گھبرا کے میں تعظیم دیتا ہوں
اگر دشمن بھی اس کی بزم میں زانو بدلتا ہے

نہیں ہوتی کسی کو بھی گوارا اپنی ناکامی
جسے تو بخش دیتا ہے جہنم اس سے جلتا ہے

ترا کوچہ ہے محشر یا ہے جنت کیا کہیں اس کو
وہ جی اٹھتا ہے جو اس راہ سے مردہ نکلتا ہے

گرہ سے نقد دل کھوتے ہیں نقد عیش کی خاطر
قمار عشق میں کیا کیا ہمارا مال گلتا ہے

جنوں نے اپنے گھر کو بھی نہ چھوڑا یہ جنوں دیکھو
تپش سے داغ سودا کی دماغ اپنا پگھلتا ہے

یہاں تک کہ تیز رو ہوں اے خضر راہ الفت میں
جو مجھ کو ضعف ٹھہرائے تو جانے کوئی چلتا ہے

جو انداز جفا کل تھا نہ دیکھا آج وہ یارب
نیا روز اک فلک میرے ستانے کو بدلتا ہے
وہ سن کر نالہ گھبرائے تو غیروں نے تسلی دی
نہیں یہ داغ کی فریاد کوئی راہ چلتا ہے

۳۷۲

تھک تھک کے نہ بیٹھیں گے نہ مر مر کے اٹھیں گے
اب ظلم نہ ہم سے دل مضطر کے اٹھیں گے
افسانہ غم ان کو سناؤں نہ سناؤں
ڈرتا ہوں کہ وہ خواب میں ڈر ڈر کے اٹھیں گے
چھیڑا ہے اگر تذکرۂ عشق تو سن لو
یہ قصہ تو پورا ہی بیان کر کے اٹھیں گے
دنیا ہی میں اگر پرسش مظلوم الٰہی
بت حشر میں اٹھیں گے تو پتھر کے اٹھیں گے
مے کش تو چلے جائیں گے جنت سے نکل کر
جب تک نہ مزے بادہ و ساغر کے اٹھیں گے
بیکار ہے تمہید رہ شوق میں پیچ ہے
معلوم نہ تھا پاؤں نہ رہبر کے اٹھیں گے
دیکھیں گے وہ جب ناز سے میں نالہ کروں گا
فتنے یہ برابر سے برابر کے اٹھیں گے
قاتل ترے کشتوں کا سنبھلنا نہیں آسان
وہ روز جزا بعد پھر بھر کے اٹھیں گے
ہم لطف کے بندے ہیں خدا کی قسم اے داغ
ہم سے نہ کبھی ناز ستمگر کے اٹھیں گے

۳۷۳

نہ سمجھا عمر گذری اس بت خود سر کو سمجھاتے
پگھل کر موم ہو جاتا اگر پتھر کو سمجھاتے

ہماری کون سنتا ہے وگرنہ ہم دم رخصت — ادھر کچھ دل کو سمجھاتے ادھر دلبر کو سمجھاتے

چکھادیتے مزا منہ پھیر کر رک رک کر چلنے کا — جو بس چلتا تو اپنے ہاتھ سے خنجر کو سمجھاتے

تری رفتار کا انداز جس میں ہو دبے کیونکر — دبا کر کس طرح ہنگامہ محشر کو سمجھاتے

ہوئے ملزم ہمیں سمجھا کر تم اے حضرت ناصح — سمجھ کر بندہ پرور ایسے دانشور کو سمجھاتے

یہ ظالم تو ہزاروں کوس ہم سے دور رہتا ہے — اگر ملتا تو کچھ ہم چرخ بداختر کو سمجھاتے

خدا جانے کہاں سے راہ الفت میں کہاں پہنچے — جو ہوتا ہوش کچھ ہم کو تو ہم رہبر کو سمجھاتے

اگر یہ جانتے دعویٰ کریں گے بت خدائی کا — تو ہم اول ہی سے ہم کیا جانے کیا بت گر کو سمجھاتے

شب فرقت تڑپنا داغ کا دیکھا نہیں جاتا
گذر جاتی ہے ساری رات سارے گھر کو سمجھاتے

۳۷۴

لائے گی پیچ زلف پریشاں نئے نئے — یہ سادگی دکھائیں گے سامان نئے نئے

یہ چاہتا ہے شوق خلش دل میں دمبدم — رہ جائیں ٹوٹ ٹوٹ کے پیکان نئے نئے

سودا ہے زاہدوں کو بھی اس بت کے عشق کا — ہونے لگے ہیں چاک گریباں نئے نئے

بیداد کو وہ داد کہیں ظلم کو کرم — کیا کیا جتائے جاتے ہیں احسان نئے نئے

لاؤں کہاں سے میں تجھے اے عالم شباب — آتے ہیں یاد ہائے وہ ارمان نئے نئے

ان بدگمانیوں کا مزہ دل سے پوچھئے — مجھ کو گمان تھے شب ہجراں نئے نئے

لطف خزاں ہے اور نہ لطف بہار ہے — گلشن نئے نئے ہیں بیاباں نئے نئے

نام خدا سنبھالے ہیں قاتل نے ہاتھ پاؤں — آئیں گے زیر خنجر براں نئے نئے

گو جھوٹ جانتا ہوں مگر یہ بھی لطف ہے — ہوتے ہیں روز وعدہ و پیماں نئے نئے

واعظ ہمیں تو رنج نہیں بلکہ ہے خوشی دیکھیں گے روز حشر ہم انسان نئے نئے

ہے ان کو وہم داغ سے یہ لوگ مل نہ جائیں
ہر روز بدلے جاتے ہیں درباں نئے نئے

۳۷۵

اڑتی ہے خاک ببکہ ترے خاکسار کی مشت غبار پھر نہیں سنتا سوار کی
یاں تک تو عاشقی میں لٹے ہم کہ بعد مرگ مٹی بھی اڑ گئی ہے ہمارے مزار کی
بے چین ہو کے شوخ وہ معشوق ہو گیا جس پر پڑی نگاہ ترے بے قرار کی
طرز جفا پسند ہے یا شیوۂ وفا دونوں میں تم نے کونسی بات اختیار کی
دشمن کی بات کا بھی تو ہونے لگا یقیں کچھ حد نہیں رہی ہے مرے اعتبار کی
ہم کیا گئے جہاں سے آزار ہی گیا وہ بات ہی نہیں ستم روزگار کی
شیخ حرم کو چاہئے کچھ تحفہ ہند کا تصویر بھیج دوں گا بت میگسار کی
اس بت پر احتمال ہے تصویر کا مجھے عادت گئی نہ وصل میں بھی انتظار کی

مجھ سے گناہ گار کو کیا کیا عطا کیا
اے داغ کیا ہے شان ہی پروردگار کی

۳۷۶

آشفتگی کسی کی اثر کچھ تو کر گئی بن بن کے رخ پہ زلف تمہارے بکھر گئی
کیا کہئے کس طرح سے جوانی گذر گئی بدنام کرنے آئی تھی بدنام کر گئی

نخل مراد پھونک دیا آہ گرم نے
آئینہ آفرینش برگ و ثمر گئی

نیرنگ روزگار سے بدلا نہ رنگ عشق
اپنی ہمیشہ ایک طرح پر گذر گئی

صحت خدا کے ہاتھ ہے بیمار عشق کی
اپنی طرف سے تو تو نہ کر چارہ گر گئی

سجدے کو برہمن نے نہ چھوڑی کہیں جگہ
کیوں بت کدے میں خلق خدا آکے بھر گئی

کیا کیا رہی سحر کو شب وصل کی تلاش
کہتا رہا ابھی تو یہیں تھی کدھر گئی

وقت نظارہ کی کشش حسن نے کی
انکھوں کو لے کے ساتھ نہ میری نظر گئی

زاہد شراب ناب کی تاثیر کچھ نہ پوچھ
اکسیر ہے جو حلق سے نیچے اتر گئی

میری شب فراق یہ کعبے میں شور ہے
یارب غضب ہوا کہ نماز سحر گئی

دم بھر میں کچھ بھی یاد نہیں اس کو کیا کروں
ناصح نے جو کہی مرے دل سے اتر گئی

رہتی ہے کب بہار جوانی تمام عمر
مانند بوئے گل ادھر ائی ادھر گئی

کیونکر پڑے گا صبر الہی رقیب پر
گر بعد مرگ میری طبیعت ٹھہر گئی

اے داغ کیا کہوں شب فرقت کی واردات
جو میرے ہاتھ سے مرے دل پر گزر گئی

۳۷۷

حجت ہی جرم دل کی گواہی میں رہ گئی
آلودہ ان کی مہر سیاہی میں رہ گئی

تمکیں جو اس کی شوخ نگاہی میں رہ گئی
کچھ دیر میرے دل کی تباہی میں رہ گئی

سیر مقام عشق تباہی میں رہ گئی
منزل کی آرزو دل راہی میں رہ گئی

دیکھا جو روز حشر کسی بت کو مضطرب
چل کر زبان ستم کی گواہی میں رہ گئی

کیا کر سکے اثر دل بسمل کی نیم آہ — تیغ شکستہ دست سپاہی میں رہ گئی
آتا ہے رحم توبہ پر اپنی مجھے بہت — کمبخت یہ نہ حفظ الٰہی میں رہ گئی
رہتا ہے نام صاحب سوز و گداز کا — تاثیری شعر اشکی و آہی میں رہ گئی
ہر آبلے میں خار ہے ہر خار نیشتر — وحشت کی نوک خوب تباہی میں رہ گئی
منہ پھیر دے گا دل صف مژگاں یار کا — گر جان اس دلیر سپاہی میں رہ گئی
زاہد کو بندگی کا نتیجہ تو مل گیا — گردن خمیدہ یاد الٰہی میں رہ گئی
تیرے دہن سے چشم حیواں ہے آب آب — پر اس کی آبرو تو سیاہی میں رہ گئی
پورا ہو کوئی کام مصیبت زدوں سے کیا — جو رہ گئی مراد تباہی میں رہ گئی
ہجر صنم میں کیوں نہ خدا کو کیا گواہ — یہ چال ہم سے ایسی گواہی میں رہ گئی
شیریں ادائی آپ کی میٹھی چھری سہی — چل کر ہمیشہ تلخ نگاہی میں رہ گئی
کیا لکھ رہے تھے دیکھ کے مجھ کو جو تھم گئی — کیوں نوک خامہ غرق سیاہی میں رہ گئی
رکتے ہیں پیچ و تاب سے بھی تیز رو کہیں — پانی کی کب گرہ پر ماہی میں رہ گئی

اے داغ اہل قلعہ کا لٹنا تو درکنار
تنخواہ بھی خزانہ شاہی میں رہ گئی

۳۷۸

وصل کی آرزو کیے نہ بنے — نہ بنے جستجو کیے نہ بنے
شوق نے ہمکلام کر ہی دیا — ان سے بے گفتگو کیے نہ بنے
اس نے جب شکوہ کر لیا تسلیم — ہم کو بے سر فرد کیے نہ بنے
جب رکا نہ خون بن گئی دم پر — چاک دل کو رفو کیے نہ بنے

ذلت عشق ہے وہاں عزت شکوۂ آبرو کئے نہ بنے
بدگمان کو گمان بد گزرا وصف روے نکو کئے نہ بنے
پاک ہونا ہے رند کو لازم مے کشی بے وضو کئے نہ بنے
قتل ٹھہرا جو شیوۂ معشوق ہمیں دل کو لہو کئے نہ بنے
اس کی تصویر سے بھی تھا یہ خوف
داغ کو گفتگو کئے نہ بنے

۳۷۹

کیا طرز کلام ہو گئی ہے ہر بات پیام ہو گئی ہے
کچھ زہر نہ تھی شراب انگور کیا چیز حرام ہو گئی ہے
آگے تو نہیں نہیں سنی تھی اب تکیہ کلام ہو گئی ہے
جاتے جاتے پیامبر کو ہر صبح سے شام ہو گئی ہے
اب دیکھئے مشق پائمالی تعریف خرام ہو گئی ہے
پہنچے ہیں جب اس کی بزم میں ہم مجلس ہی تمام ہو گئی ہے
عالم کو ہے دعوئ محبت یہ خاص بھی عام ہو گئی ہے
اس بت کے ہمیں نہیں ہیں بندے مخلوق غلام ہو گئی ہے
برباد نہ ہو گی تیری الفت تجویز مقام ہو گئی ہے
جاگیر جنوں کی قیس کے بعد
اب داغ کے نام ہو گئی ہے

۳۸۰

شمع روشن ہے ہماری آہ سے — لو لگائے بیٹھے ہیں اللہ سے

چلتے ہیں کیا کیا وہ رستہ کاٹ کر — جب گذرتی ہیں ہماری راہ سے

کیوں نہ رکھوں میں تبرک کی طرح — غم ملا ہے عشق کی درگاہ سے

ایک بوسے پر ہمیں ٹالیں نہ آپ — کچھ علاوہ دیجئے تنخواہ سے

مانگ کر تجھ کو بہت نادم ہوا — مانگنا تھا اور کچھ اللہ سے

شادی و غم ہم کو یکساں ہو گئے — آہ سے غمگین نہ خوش ہیں واہ سے

خوبصورت ہو کے تم لڑنے لگے — بحث ہے دن رات مہر و ماہ سے

چاہنے والوں کی صورت دیکھ لی — موت بہتر ہے تمہاری چاہ سے

قبر پر میرے پڑھے کیا فاتحہ — جو نہ ہو آگاہ بسم اللہ سے

آئی تھی جو بات تیرے ذہن میں — کوئی چھپتی ہے دل آگاہ سے

تونے واعظ زندگی دشوار کی — کیوں کیا واقف خدا کی راہ سے

داغ اس کافر کی نخوت دیکھنا
غیر کیا کم ہے زمرد شاہ سے

۳۸۱

طرز قدسی میں کبھی شیوۂ انسان میں کبھی — ہم بھی اک چیز تھے اس عالم امکاں میں کبھی

رنج میں رنج کا راحت میں راحت کا شریک — خاک ساحل میں کبھی موج ہوں طوفاں میں کبھی

دل میں بے لطف رہی خار تمنا کی خلش — نوک بن کر نہ رہا یہ کسی مژگاں میں کبھی

دم مرا لے کے ستم گار کرے گا تو کیا
یہ رہے گا نہ ترے خنجر براں میں بھی

وار کرتے ہی بھرا زخم میں قتل نے نمک
تیغ پر ہاتھ کبھی ہے تو نمکداں میں کبھی

دل کے لینے میں تو یہ شوخی و چالاکی ہے
تم سے چستی نہ ہوئی سستی پیماں میں کبھی

بات کیا خاک کرے وصل میں تیرے ڈر سے
جس نے نالہ نہ کیا ہو شب ہجراں میں کبھی

دل آشفتہ کے انداز سے معلوم ہوا
رہ گیا ہے یہ تری زلف پریشاں میں کبھی

خضر سے میں نے جو کیں جوش جنوں کی باتیں
ایسے نکلے کہ نہ آئے تھے بیاباں میں کبھی

مجھ کو انداز تمنا سے یقیں ہوتا ہے
دم نکل جائے گا اس حسرت و ارماں میں کبھی

اللہ اللہ رے تری شوخ بیانی اے داغ
ست اک شعر نہ دیکھا ترے دیواں میں کبھی

۳۸۲

ہوا جو ان کی خاموشی سے کچھ ملال مجھے
جواب دینے لگی طاقت سوال مجھے

وفا شعار یہ عشق ہے خدا رکھے
کہ چھوڑتا نہیں دم بھر ترا خیال مجھے

غم میں عدو نہ گھبراؤ ہے یہ دور فلک
کبھی ملال تمہیں ہو کبھی ملال مجھے

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا حسینوں سے
سمجھ لیا کسی مردے کا اس نے مال مجھے

کسی کے دل سے کسی کی نظر سے گرتا ہوں
سنبھالنا ہے تو اے آسمان سنبھال مجھے

امید بوسہ ہے پھر بھی اگرچہ یہ ہے یقین
بہت ذلیل کرے گا مرا سوال مجھے

صدائے نالہ شب وصل بھی نہ دل سے گئی
پکارتی تھی یہ حسرت مری نکال مجھے

خبر نہیں کف نازک کا رنگ کیا ہو گا
خرام ناز سے ہوتا ہے پائمال مجھے

پلا دے بزم میں ساقی اسے شراب اتنی
وہ مست ناز کہے مجھ سے تو سنبھال مجھے

شکایتوں سے محبت کی اور کیا حاصل — پُھ انفعال تمہیں ہو کچھ انفعال مجھے
وہ کہتے ہیں کہ یہ صورت نہ ہوگی محشر میں — کہا جو میں نے دکھانا ہے کل یہ حال مجھے
کیے ہیں دشت میں پامال سینکڑوں کانٹے — سکھا گئی تری رفتار خوب چال مجھے

اسیر حلقہ کاکل نہ میں ہوا اے داغ
مرے خدا نے بچایا ہے بال بال مجھے

۳۸۳

سبق ایسا پڑھا دیا تونے — دل سے سب کچھ بھلا دیا تونے
ہم نکمے ہوئے زمانے کے — کام ایسا سکھا دیا تونے
کچھ تعلق رہا نہ دنیا سے — شغل ایسا بتا دیا تونے
کس خوشی کی خبر سنا کے مجھے — غم کا پتلا بنا دیا تونے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے — دل بے مدعا دیا تونے
کیا بتاؤں کہ کیا لیا میں نے — کیا کہوں میں کہ کیا دیا تونے
بے طلب جو ملا ملا مجھ کو — بے غرض جو دیا دیا تونے
عمر جاوید خضر کو بخشے — آب حیواں پلا دیا تونے
نار نمرود کو کیا گلزار — دوست کو یوں بچا دیا تونے
دست موسیٰ میں فیض بخشش ہے — نور و لوح و عصا دیا تونے
صبح موج نسیم گلشن کو — نفس جانفزا دیا تونے
شب تیرہ میں شمع روشن کو — نور خورشید کا دیا تونے
نغمہ بلبل کو رنگ و بو گل کو — دلکش و خوشنما دیا تونے

کہیں مشتاق سے حجاب ہوا کہیں پردہ اٹھا دیا تونے
تھا مرا منہ نہ قابل لبیک کعبہ مجھ کو دکھا دیا تونے
جس قدر میں نے تجھ سے خواہش کی اس سے مجھ کو سوا دیا تونے
رہبر خضر و ہادی الیاس مجھ کو وہ رہنما دیا تونے
مٹ گئے دل سے نقش باطل سب نقشہ اپنا جما دیا تونے
ہے یہی راہ منزل مقصود خوب رستے لگا دیا تونے
مجھ گنہگار کو جو بخش دیا تو جہنم کو کیا دیا تونے

داغ کو کون دینے والا تھا
جو دیا اے خدا دیا تونے

۳۸۴

جور کے بعد ہی کیوں لطف یہ عادت کیا ہے تم تلافی جو کرو اس کی ضرورت کیا ہے
ایک دن مان ہی جاؤ گے ہمارا کہنا تم کہے جاؤ یہی تیری حقیقت کیا ہے
وعدۂ وصل سے انکار ہے تو قتل کرو تم سے ہم پوچھتے ہیں اس میں قباحت کیا ہے
آدمی کو ہے یہی گوشہ راحت کافی گھر کرے دل میں جو انسان تو جنت کیا ہے
جان تک دیتے ہیں عشاق تو دولت کیسی گنج قاروں کی محبت میں حقیقت کیا ہے
پوچھ لیتے ہیں یہ دستور ہے جلادوں کا مجھ سے قاتل نے نہ پوچھا تری حسرت کیا ہے
اے ستم گار اسی روز جزا کہتے ہیں ابھی سمجھا ہی نہیں تو کہ قیامت کیا ہے
رحمت عام کا اظہار ہی اس پردے میں ورنہ پھر بندہ نوازی کی ضرورت کیا ہے
بوسہ مانگا تو کہا اس نے بدل کر چتون آپ کو یہ بھی خبر ہے مری عادت کیا ہے

اس پر آتی ہے کہ جو لاکھ میں اک اچھا ہو مجھ کو ہے ناز کہ میری بھی طبیعت کیا ہے
ہائے کیا تھا وہ زمانہ کہ تم آگاہ نہ تھے شکر کس چیز کو کہتے ہیں شکایت کیا ہے
حشر تک وہ تو نہ آئیں گے کبھی وعدے پر نہیں آتی جو قیامت تو یہ آفت کیا ہے
کیا کہوں کس سے کہوں دل کی حقیقت اے داغ
سب یہی پوچھتے ہیں کہئے تو حضرت کیا ہے

۳۸۵

تڑپنے سے دل بے تاب کوئی غم نکلتا ہے
ٹھہر جا صبر کر مضطر نہ ہو کیوں دم نکلتا ہے

وہ گھبراتے نہیں کیا جب ہمارا دم نکلتا ہے
گماں یہ ہے کہ دم کے ساتھ اس کا غم نکلتا ہے

جو آئے نامہ بر رشک عدو کا ذکر کہہ دینا
یہ کینہ صاحب غیرت کے دل سے کم نکلتا ہے

ہزاروں حسرتیں سر پیٹتی ہیں خانہ دل میں
الٰہی دیکھئے اس گھر سے کب ماتم نکلتا ہے

نظر کر دیدۂ مشتاق پر یا دیکھ آئینہ
تجھے بھی کچھ خبر ہے۔ تجھ میں کیا عالم نکلتا ہے

نہیں ہے رنگ خوں غصے سے رنگت سرخ ہے اس کی
مرے سینے سے پیکاں بھی ترا برہم نکلتا ہے

کوئی کیا نبض دیکھے دستگیری کیا کرے قسمت
ترے بیمار غم کا ہاتھ پکڑے دم نکلتا ہے

امید فاتحہ کیا کشتہ تیغ تغافل کو
کہ میری قبر سے منہ پھیر کر عالم نکلتا ہے

نہیں لیتا خدا کا نام تیرے عہد میں کوئی
گلہ تیرا زبان خلق سے پیہم نکلتا ہے

نکلتا خلد سے روتا ہوا اگر آدمی ہوتا
رقیب اس کے گلے سے کیوں خوش و خرم نکلتا ہے

کجی لوں گیسوؤں کی دست شانہ کیا نکالے گا
کہیں یہ ٹیڑھ جاتی ہے کہیں یہ خم نکلتا ہے

وہ میرا ذکر کیوں کرتے ہیں غیروں کے جلانے کو
اگر ڈھونڈھو تو ایسا آدمی بھی کم نکلتا ہے

تلون اس قدر اے داغ پھر یہ صبر کے دعوے
گھڑی میں توبہ کرتے ہو گھڑی میں دم نکلتا ہے

۳۸۶

افسردہ دل کبھی خلوت نہ انجمن میں رہے
بہار ہو کے رہے ہم تو جس چمن میں رہے

شریک آہ و فغاں بھی سخن سخن میں رہے
جو میں رہوں تو بڑی دھوم انجمن میں رہے

مقابلہ ہے رقیبوں سے روز محشر بھی
چھپا ہوا کوئی خنجر مرے کفن میں رہے

مجھے یہ ڈر ہے کہ ایمان لے نہ آئیں لوگ
خدا کرے غلطی کچھ مرے سخن میں رہے

ملی جو بے وطنی میں ذرا بھی آسائش — عقیق جا کے عدن میں گھر میں رہے
ترا وہ حسن ہے اے شعلہ رو جو تو چاہے — بغیر شمع کے پروانہ انجمن میں رہے
ہر ایک فتنہ بنے فتنہ قیامت کا — مگر وہی جو ترے چشم سحر فن میں رہے
جنوں سے کیا ہمیں عقبیٰ میں شرمساری ہے — کہ پیرہن سے جو نکلے تو ہم کفن میں رہے
رہا نہ دامن یوسف میں داغ عصیاں کا — اگرچہ خون کے دھبے تو پیرہن میں رہے
زبان دے نہ عدو کو کہ یہ تو وہ شے ہے — ترے دہن میں رہے یا مرے دہن میں رہے
رہے علیحدہ شیریں تو اے فلک افسوس — نفاق خسرو پرویز و کوہکن میں رہے
ملا دے اس میں لعاب دہن کچھ اے ساقی — کہ تازگی بھی ذرا سی مئے کہن میں رہے

مسافری میں جب آرام پاؤ گے اے داغ
کہ تم سفر میں رہو آسمان وطن میں رہے

۳۸۷

زمانہ ہے خفا مجھ سے کہ تم سے — گلے پر ہے گلا مجھ سے کہ تم سے
ستم سے باز آؤ ورنہ اک دن — یہ پوچھے گا خدا مجھ سے کہ تم سے
مجھے معلوم تھا یا تم کو معلوم — وہ راز افشا ہوا مجھ سے کہ تم سے
نہ کہنا پھر کہ ہم قاتل نہیں ہیں — ہوا خون حنا مجھ سے کہ تم سے
رقیبوں سے یہ کہتا ہوں سر بزم — وہ بیٹھے ہیں خفا مجھ سے کہ تم سے
چھپا کیوں چاند بدلی میں شب وصل — اسے آئی حیا مجھ سے کہ تم سے
خدا جانے محبت کو سر حشر — پڑے گا واسطہ مجھ سے کہ تم سے

مرا کہنا نہ مانا داغ تم نے
انہوں نے کی دعا مجھ سے کہ تم سے

۳۸۸

ذکر میرا اگر آجاتا ہے سن کے وہ صاف اڑا جاتا ہے
غم ترا حصہ ہے میرا لیکن دل چرا کر اسے کہا جاتا ہے
تھک گیا درد بھی اٹھتے اٹھتے اب کلیجے میں رہا جاتا ہے
کیا نزاکت ہے کہ آپ آئینے میں عکس کے ساتھ کھنچا جاتا ہے
ناز سے کھینچ نہ مجھ پر تلوار غیر مشتاق ہوا جاتا ہے
ایک ہی تیری نگہ میری آہ کہیں ایسوں سے رہا جاتا ہے
حسرتیں دل کی مٹی جاتی ہیں قافلہ ہے کہ لٹا جاتا ہے
راہ میں گر نہ پڑے خط یارب نامہ بر مثل ہوا جاتا ہے

داغ کو دیکھ کے بولے یہ شخص
آپ ہی آپ جلا جاتا ہے

۳۸۹

تلوار تری رواں بہت ہے تھوڑا بھی تو امتحاں بہت ہے
اے داور حشر کل کہوں گا دن کم ہے یہ داستاں بہت ہے
کچھ آہ کے حوصلے نکلتے نیچا مگر آسمان بہت ہے
بگڑا ہے مرے مزاج کا رنگ بے تاب مزاج داں بہت ہے
اے نامہ بر آجائے آفت چالاک تری زباں بہت ہے
دامن پہ ترے لگی رہی خاک اتنا ہی مرا نشاں بہت ہے

دل تنگ سہی پر اے تمنا
مر رہنے کو یہ مکاں بہت ہے
جنت میں کہیں گے تیرے عاشق
تکلیف ہمیں یہاں بہت ہے
کونین کے لطف کس سے اٹھیں
مجھ کو غم دو جہاں بہت ہے
انکار رقیب سے بھی ہو گا
یہ فقرہ تمہیں رواں بہت ہے
اک کوہ گراں ہے عشق لیکن
اس کو دل ناتواں بہت ہے
الفت میں نہیں ہے صبر نایاب
یہ چیز مگر گراں بہت ہے
باطن کی خبر خدا کو ہے داغ
ظاہر میں وہ مہرباں بہت ہے

۳۹۰

کعبے کی ہے ہوس کبھی کوئے بتاں کی ہے
مجھ کو خبر نہیں مری مٹی کہاں کی ہے
سن کر مرا فسانہ انہیں لطف آگیا
سنتا ہوں اب کہ روز طلب قصہ خواں کی ہے
پیغامبر کی بات پر آپس میں رنج کیا
میری زبان کی ہے نہ تمہاری زباں کی ہے
کچھ تازگی ہو لذت آزار کے لئے
ہر دم مجھے تلاش نئے آسمان کی ہے
جانبر بھی ہو گئے ہیں بہت مجھ سے نیم جان
کیا غم ہے اے طبیب جو پوری وہاں کی ہے
حسرت برس رہی ہے ہمارے مزار پر
کہتے ہیں سب یہ قبر کسی نوجواں کی ہے
وقت خرام ناز دکھا دو جدا جدا
یہ چال حشر کی یہ روش آسماں کی ہے
فرصت کہاں کہ ہم سے کسی وقت تو ملے
دن غیر کا ہے رات ترے پاسباں کی ہے
قاصد کی گفتگو سے تسلی ہو کس طرح
چھپتی نہیں وہ بات جو تیری زباں کی ہے
جو رقیب و ظلم فلک کا نہیں خیال
تشویش ایک خاطر نامہرباں کی ہے

سن کر مرا فسانہ غم اس نے یہ کہا ہو جائے جھوٹ سچ یہی خوبی بیاں کی ہے
دامن سنبھال باندھ کمر آستیں چڑھا خنجر نکال دل میں اگر امتحاں کی ہے
ہر ہر نفس میں دل سے نکلنے لگا غبار کیا جانے گرد راہ یہ کس کارواں کی ہے
کیونکر نہ آتے خلد سے آدم زمین پر موزوں وہیں وہ خوب ہے جو سنتے جہاں کی ہے
تقدیر سے یہ پوچھ رہا ہوں کہ عشق میں تدبیر کوئی بھی ستم ناگہاں کی ہے

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

۳۹۱

غم اٹھانے کے واسطے دم ہے زندگی ہے اگر تو کیا غم ہے
آئے ہیں وہ رقیب کے گھر سے اک خوشی ہے تو ایک ماتم ہے
کہتے ہو کچھ کہو کہوں کیا خاک جانتا ہوں مزاج برہم ہے
گریہ بے اثر کی کچھ حد بھی ہم ہیں اور آج چشم پرنم ہے
کیا نئے دوستوں سے بگڑے آج دشمنوں کا کچھ اور عالم ہے
مجھ کو دیکھا تو غیر سے یہ کہا عمر اس نوجواں کی کم ہے
گر خوشی ہے تو وصل کی ہے خوشی غم اگر ہے تو ہجر کا غم ہے
اک جہاں مہرباں ہوا تو کیا مہربانی تری مقدم ہے

سنتے ہیں داغ کل وہ آئے تھے
بارے اب تو سلوک برہم ہے

رباعیات

لبریز ہے حسرتوں سے میرا سینہ ہر روز مجھے ہے خون جگر کا پینا
کرتا ہوں دعا کہ یا الٰہی اب تو منظور نہیں ہے اس طرح کا جینا

ولہ

بیگانہ یہاں ہر ایک یگانہ دیکھا اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا
جس کو دیکھا غرض کا اپنے دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

ولہ

دنیا میں کب انسان کی حاجت نکلی حسرت ہی رہے کوئی نہ حسرت نکلی
جیتے تھے قیامت کی توقع پر ہم خود وقت کی محتاج قیامت نکلی

ولہ

میں رطب کو دیکھوں تو وہ یابس ہو جائے پر کہوں زر خالص کو اگر مس ہو جائے
ہاتھوں میں مرے آکے درم داغ بنے قارون بھی مرے سائے سے مفلس ہو جائے

ولہ

کہتے تھے نہ عشق بت خود کام کرو　　پہلے ہی سے اندیشہ انجام کرو
بے تابی دل کی ہے شکایت ناحق　　اے داغ بس اب قبر میں آرام کرو

ولہ

کیا جانے کوئی زاہدوں کی گھاتوں کو　　تمیز ذرا چاہیے ان باتوں کو
دن کیوں نہ بڑھے رات نہ کیونکر کم ہو　　روز دن کے عوض کھاتی ہیں یہ راتوں کو

ولہ

نواب نے کی جو قدر دانی میری　　اے داغ گذر گئی جوانی میری
لیکن یہ خبر نہ تھی کہ وقت پیری　　مرمر کے کٹے گی زندگانی میری

خمسہ برغزل نواب والا خطاب جناب نواب محمد یوسف علی خان صاحب بہادر فردوس مکان

کہتے تھے وہ بشر کو جو دل دے بشر غلط　　دیوانہ ہو کسی کا کوئی سربسر غلط
شامت جو آئے ان کا بیان جان کر غلط　　میں نے کہا کہ دعوئ الفت مگر غلط
کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

ہوتی ہیں ایک بات کی نہ میں ہزار جھوٹ تصدیق کیجئے تو بس انجام کار جھوٹ
اور پھر ڈرائیں بول کے بے اعتبار جھوٹ تاثیر آہ و زاری شبہائے تار جھوٹ
آوازہ قبول دعائے سحر غلط

یا لب پہ کوئی قطرۂ مے جم کے رہ گیا یا کچھ عیاں ہو اثر گر پیے غذا
یا جھوٹ بولنے کی خدا نے یہ دی سزا سوز جگر سے ہونٹ پہ ثعالبہ افترا
شور فغاں سے جنبش دیوار و در غلط

ہاں سچ نہیں حکایت حال زبوں دروغ ہاں شکوۂ و شکایت صبر و سکوں دروغ
ہاں سر بسر دماغ میں جوش جنوں دروغ ہاں سینے سے نمائش داغ درون دروغ
ہاں آنکھ سے ترا وش خون جگر غلط

ہاں بے بسی میں جرم و خطا کچھ نہ کیجئے تسلیم و عاجزی کے سوا کچھ نہ کیجئے
ظاہر سوائے مہر و وفا کچھ نہ کیجئے آجائے کوئی دم میں تو کیا کچھ نہ کیجئے
عشق مجاز و چشم حقیقت نگر غلط

آگے نہ تھے زمانے میں جواب فریب ہیں ایمان و دین و ملت و مذہب فریب ہیں
چلتے ہوئے بہانے ہیں بے ڈھب فریب ہیں بوس و کنار کے لئے یہ سب فریب ہیں
اظہار پاک بازی و ذوق نظر غلط

یہ کذب یہ دروغ یہ بہتان الاماں کیا جھوٹ بولنے کو ملی ہے انہیں زبان
شاعر ملا رہے ہیں زمین اور آسمان لو صاحب آفتاب کہاں اور تم کہاں
احمق بنیں نہ سمجھیں ہم اس کو اگر غلط

معدوم تو وہ شے ہے جسے لاکھ نکتہ چیں ثابت کریں ہزار وہ ثابت نہ ہو کہیں
یہ بات کیا کہ دل تو نہ ہو اور ہو حزیں سینے میں اپنے جانتے تم ہو کہ دل نہیں
ہم کو سمجھتے ہو کہ ہے اس کی عمر غلط

کیا ہو یقیں جو کوئی کہے دن کو رات ہے　　ہم جانتے ہیں سچ ہے بے شبہ گھات ہے
ایسے مبالغے سے غرض التفات ہے　　کہنا ادا کو تیغ خوشامد کی بات ہے
سینے کو اپنے اس کے سمجھنا سپر غلط

اک آہ سرد بھر کے کیا طور بے خودی　　اس کو دیا یہ جرم کہ تجھے جان نذر کی
لو دینے والے ہوتے ہیں ایسے ہی تو سخی　　مٹھی میں کیا دھری تھی کہ چپکے سے سونپ دی
جان عزیز پیش کش نامہ بر غلط

اعجاز تو نہیں کہ جو قائل ہوں خاص و عام　　گر کہیے شعبدہ ہے محبت تو بس سلام
اب امتحان سہی چلو قصہ ہوا تمام　　پوچھو تو کوئی مر کے بھی کرتا ہے کچھ کلام
کہتے وہ جان دی ہے سر رہگذر غلط

اجرت پہ رونے والے مقرر ہیں جابجا　　میت کو ڈھونڈھیے تو عدم تک نہیں پتا
یاں اس خیال سے کہیں ٹھہریں نہ بے وفا　　ہم پوچھتے پھریں کہ جنازہ کدھر گیا
مرنے کی اپنی روز اڑائی خبر غلط

کیونکر برابر آنکھ کی نرگس کو مانیے　　کس طرح بڑھ کے خلد سے مجلس کو مانیے
سارے بیان میں ہے غلطی کس کو مانیے　　آیت نہیں حدیث نہیں جس کو مانیے
ہے نظم و نثر اہل سخن سربسر غلط

جو عرض کی تھی داغ نے آخر وہی ہوا　　کوئی خفا ہو آپ کو ہے چھیڑ کا مزا
دیکھا نہ آخر آج وہ بدخو برس پڑا　　یہ کہہ سنا جواب میں ناظم ستم کیا
یہ کیوں کہا کہ دعویٔ الفت مگر غلط

خمسہ دیگر

مدعی کون وہاں دخل کسی کا کیسا　　اپنے سائے سے بھی بچتا تھا وہ کیسا کیسا
دیکھتے دیکھتے پلٹا ہے زمانہ کیسا　　جلد جم جاتا ہے ہر شخص کا نقشہ کیسا
سادہ دل ہے وہ بت آئینہ سیما کیسا

طعن کرتے ہیں زلیخا پہ نہ تھی اس کو نظر　　اور فرہاد تھا مزدور کہ ڈھوئے پتھر
میری شامت ہے دکھاؤں جو انہیں داغ جگر　　میں تو کس گنتی میں ہوں قیس کا قصہ سن کر
کہتے ہیں یہ بھی اک انداز ہے سودا کیسا

لوگ ہمسائے کے سب جمع پریشان خاطر　　لاش پر روتے ہیں ہوتا نہیں قاتل ظاہر
ان کی سنئے تو حقیقت ہے نہایت نادر　　کر کے خون ایک کا جا بیٹھے ہیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ہیں کہ مرے در پہ ہے غوغا کیسا

یوں تو چیزیں ہیں جہاں میں بہت ایسی ویسی　　دیکھئے چشم حقیقت سے یہ شے ہے جیسی
کس نے دیکھی ہے بجز اس کے تجلی ایسی　　جلوۂ حسن بتاں کی ہے نمائش کیسی
اے دل اس باغ کا ہو گا چمن آرا کیسا

جو دکھانا ہے دکھا کل کے عوض آج شتاب　　میں نہیں وہ کہ جو موسیٰ کی طرح لاؤں نہ تاب
مجھ سے دیدار طلب ہوں گے جہاں میں کمیاب　　ذوق دیدار میں بے خود ہوں نہ کر مجھ سے حجاب
اٹھ گیا بیچ سے جب میں ہی تو پردا کیسا

قیس صحرائی و فرہاد تھا کوہستانی　　پاس ننگوں کے دھرا کیا تھا بجز عریانی
ایسے ساماں ہوں تو کس چیز کی ہو حیرانی　　تپش و زاری و تنہائی و سرگردانی
گھر میں سب کچھ ہمیں موجود ہے صحرا کیسا

جوشش عشق نہانے ابھی دیکھی کیا ہے　　شدت اشک فشانی ابھی دیکھی کیا ہے
ہے تمہیں سیر و کہانی ابھی دیکھی کیا ہے　　میرے اشکوں کی روانی ابھی دیکھی کیا ہے
گفتگو نوح کی طوفان میں ہے دریا کیسا

تھا میں اک بندۂ آسائش و صد عیش طرب　　مجھ کو کیا غم سے غرض اور الم سے مطلب
آسمان ٹوٹ پڑا ہائے ستم وائے غضب　　اور دکھ درد اگر ہوں تو بھگت لوں یارب
مجھ کو بخشا ہے غم حوصلہ فرسا کیسا

جس میں انصاف ہو ضد ہو نہ طبیعت میں ذرا　　لوگ دکھ درد بیاں کرتے ہیں اس سے اپنا
لطف کیا اے دل ناداں اسے سمجھانے کا　　جو ستم گار نہ ہو معتقد مہر و وفا
کیا وہ سمجھے کہ غم عشق ہے ہوتا کیسا

جھوٹ ہی جانتے ہیں قیس کے مرجانے کو　　جان دیتے نہیں دیکھا کسی دیوانے کو
خیر سے کھیل سمجھتے ہیں وہ مر جانے کو　　شمع پر دیکھ کے گرتے ہوئے پروانے کو
پوچھتے ہیں کہ یہ ہوتا ہے تماشا کیسا

داغ کیا عرض کریں گے یونہیں سارے خدام　　ہے تعجب نہ رہی آپ کو فکر انجام
نقد دل بخش دیا جبکہ بطور انعام　　طلب بوسہ میں کیا چاہئے ناظم ابرام
دے چکے دل ہی تو پھر اس سے تقاضا کیسا

مخمس برغزل جناب مستطاب ہلال رکاب انجم خدام نواب کلب علی خان صاحب بہادر دام ملکہم و اقبالہم

رہی ہے برق عالم سوز آہ آتشیں برسوں　　اٹھا طوفان جوش چشم تر سے ہر کہیں برسوں

مری فریاد سے گھبرائے ہیں گردوں نشیں برسوں   ہلے کیونکر نہ تیری رہگذر کی سرزمیں برسوں
کہ نالوں سے مرے کانپا کیا عرش بریں برسوں

بسر کی عمر جس نے رات دن عیش مخلد میں   گذرتی تھی پری زادوں کی بھی جس کی خوشامد میں
وہ عاشق اس طرح سے مبتلا ہو رنج بے حد میں   بھلا کیا خاک سوئے چین سے وہ کنج مرقد میں
رہا ہو جس کے سر کا تکیہ دوش نازنیں برسوں

سراپا نور ہے تو رنگ ہے تجھ میں تجلی کا   یہ ہے تصویر کی خوبی کہ سایہ ہو بہت اچھا
مصور خود ہے محو حسن کیونکر کھینچ سکے سایا   تری صورت کا نقشہ جب کبھی کھینچ جائے گا پورا
تو صنعت پر کرے گا ناز صورت آفریں برسوں

وفور ضعف سے ہے عرض مطلب میں زبان قاصر   اشاروں سے مجھے کرنا پڑا احوال دل ظاہر
مزا اس تیر آخر کا اٹھائے گا وہی کافر   عجب حسرت سے دیکھا ہے سو جاناں دم آخر
رہے گی یاد اس کو بھی نگاہ واپسیں برسوں

کسی مہجور کو معشوق کی فرقت کا رونا ہے   کسی کو آبرو کا رنج ہے عزت کا رونا ہے
تجھے تقدیر کا رونا مجھے قسمت کا رونا ہے   نہ ہنسئے میرے رونے پہ یہ وہ آفت کا رونا ہے
کہ جس کو دیکھ کر رویا کئے روح الامیں برسوں

چھپایا راز دل کس طرح ہم نے محبت میں   مگر کیا کیجئے بدنامیاں تھیں اپنی قسمت میں
یہی تھا ایک رسوائی کا پردہ اس مصیبت میں   اڑائیں دھجیاں ہاتھوں نے اس کے جوش وحشت میں
رہی تھی دیدۂ خونبار پر جو آستیں برسوں

پتا میرا کہیں بھی صورت عنقا نہ پائیں گے   کریں گے لاکھ میری جستجو اصلا نہ پائیں گے
نہ پائیں گے نہ پائیں گے مجھے حاشا نہ پائیں گے   کیا عشق کمر نے بے نشان اپنا نہ پائیں گے
عدم میں بھی اگر ڈھونڈھیں گے مجھ کو ہمنشیں برسوں

جراحت وہ جراحت ہے کہ جو ہو تازۂ و گلگوں   لہو جاری رہے اس سے برنگ دیدۂ پر خوں

23

بھروں تلوار کا دم اور قاتل کو دعائیں دوں   رفاقت لذت زخم جگر تیرے میں جب جانوں
کہ مرقد میں بھی میرے منہ سے نکلے آفریں برسوں

حیا نے اس کو دی ہو رخصت گفتار بھی شاید   کبھی خوش ہوگئے ہوں اس سے کچھ اغیار سے شاید
کئے ہوں جھوٹے سچے وعدۂ دیدار بھی شاید   ہوئے ہوں گے کسی سے وصل کے اقرار بھی شاید
رہے ہم سے تو اس بے رحم کافر کی نہیں برسوں

وہ شان مغفرت جب تک نہ رنگ اپنا دکھائے گی   عبادت کام آئے گی نہ طاعت کام آئے گی
کوئی یہ جبہ سائے میرے لکھے کو مٹائے گی   نصیبوں میں جو لکھی ہے برائی وہ نہ جائے گی
اگر رگڑوں گا در پر کعبے کے نقش جبیں برسوں

ڈرایا یوں انہیں دیوانہ بن کر عین حکمت سے   نہیں ہے کھیل پھندے میں پھنسا لینا شرارت سے
تلافی میں کروں گا تم ہو واقف میری عادت سے   اسیر دام گیسو دل ہوا تو میں بھی وحشت سے
نہ چھوڑوں گا کبھی ہاتھوں سے زلف عنبریں برسوں

بٹھایا ہے ہمیں تقدیر نے بیٹھے ہیں ہم تھک کر   قیامت تک نہ اٹھیں گے اگر برپا ہوں سو محشر
یہی چوکھٹ یہی سر ہے یہی کوچہ یہی بستر   اسی امید پر شاید کسی دن آؤ تم باہر
نہ جائیں گے تمہارے در سے دم بھر بھی کہیں برسوں

قضا سر پر ہمارے وقت کی ہے منتظر ہر دم   نکلتا ہی نہیں تیری تمنا میں ہمارا دم
نہ مرتے ہیں نہ جیتے ہیں پڑے ہیں کس بلا میں ہم   ترے کوچے میں ہے مدت سے ہم پر نزع کا عالم
گھڑی ساعت کا نقشہ ہم نے دیکھا ہی نہیں برسوں

کرے گا داغ کی مانند ادب آداب کوئی بھی   وہی عاجز ہوا تو لا سکے گا تاب کوئی بھی
گلا رکھے گا زیر خنجر پر آب کوئی بھی   جفا سے اس کے ٹھہرے گا نہ اے نواب کوئی بھی
رہیں گے دیکھ لینا کوئے جاناں میں ہمیں برسوں

خمسہ بر غزل خاقانی ہند سلطان الشعرا شیخ

محمد ابراہیم ذوق دہلوی استاد مصنف

آزاد مثل سرو تھی بستانیوں میں ہم   افتادہ شکل خار بیابانیوں میں ہم
وارستہ ہو کے پھنس گئے نادانیوں میں ہم   پابند جوں دخاں ہیں پریشانیوں میں ہم
یارب ہیں کس کی زلف کی زندانیوں میں ہم

الجھا وہیں تصور خاطر نشستہ میں   سو پیچ ایک تار رگ جان خستہ میں
بندش تنگی ہے دل فکر بستہ میں   ہوتی نہ یاد زلف تو خط شکستہ میں
لکھتے الف خطوں کی نہ پیشانیوں میں ہم

ہے وہ نظر فریب ترا حسن مہ لقا   صل علی پکار اٹھیں شیخ و پارسا
ایمان کی یہ ہے نہ ہو ایمان ہی بجا   ہو وہ عزیز سورۂ یوسف سے بھی سوا
رکھ دیں تری شبیہ جو کنعانیوں میں ہم

ہے امتحان سوز محبت تمہیں فضول   چودہ طبق جو ہوں کرۂ نار کیا حصول
خورشید اس چراغ کا ادنیٰ ہے ایک پھول   دوزخ بھی جائے نعرۂ ہل من مزید بھول
لائیں جو آہ کو شرر افشانیوں میں ہم

بھاگے دوائے عشق سے تاثیر کی طرح   تدبیر سے خلاف ہیں تقدیر کی طرح
حلقے میں کب کسی کے رہے تیر کی طرح   زنجیر میں بھی نالہ زنجیر کی طرح
جوش جنوں سے رہتے ہیں جولانیوں میں ہم

بے تاب و خوفناک و سراسیمہ و تباہ   کیا کیا پھرے کہاں سے کہاں تک گئی ہم آہ
دار امان ہمارے لئے ہو گی داد خواہ   پائے نہ تیغ عشق سے ہم نے کہیں پناہ

قرب حرم میں بھی تو ہیں قربانیوں میں ہم

تیغ جفا کے دل پہ نہیں ہیں نشاں کہ ہیں
کیا جانیں چارہ گر نہیں ان کو گماں کہ ہیں
اور میں جو چاک سینے کے ظاہر میں ہاں کہ ہیں
سینے کی چاک سینے کی فرصت کہاں کہ ہیں

مصروف زخم دل کی بگس رانیوں میں ہم

آنکھیں اگر ہوں خشک کلیجا تو تر رہے
اس اس ہی سے پیاس بجھے یہ اگر رہے
اب کیا رہے کہ مثل چراغ سحر رہے
نم بھی نہیں جگر میں رہا اس قدر رہے

سرگرم سوز عشق کی مہمانیوں میں ہم

شارع کا قول کچھ ہے تو کہتا ہے کچھ حکیم
سچ یہ کہ ایک کی بھی نہیں رائے مستقیم
ہم سے جو پوچھئے تو خدا اس کا ہے علیم
کیا جانے ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم

کچھ ہو بلا سے اپنے کہ ہیں فانیوں میں ہم

ملتی جو موت چاہتے پروردگار سے
افسوس ہے کہ وقت گیا اختیار سے
ہی ہے نہ مر گئے قلق انتظار سے
کیوں جی کے ہجر میں ہوئے شرمندہ یار سے

اب مر رہے ہیں اس کی پشیمانیوں میں ہم

پھر دوڑے ہاتھ جیب و گریباں کو ہو نوید
پھر نکلے پاؤں خار مغیلاں کو ہو نوید
کہسار کو خوشی ہو بیاباں کو ہو نوید
پاکوبیو نکو مژدہ ہو زنداں کو ہو نوید

پھر ہیں جنوں کے سلسلہ جنبانیوں میں ہم

زاہد کا خوف ہے نہ خطر خوش ہیں رات دن
پیتے ہیں چھپ کے شام و سحر خوش ہیں رات دن
ساغر کش خیال نظر خوش ہیں رات دن
پوشیدہ ان نگاہوں میں سرخوش ہیں رات دن

شرب الیہود کرتے ہیں نصرانیوں میں ہم

سر خفی جو خاک کے پتلے میں بھر دیا
کیا جانیں اس کو جن و ملک ہے یہ بھید کیا
یاں اہل معرفت کو بھی ملتا نہیں پتا
مطلب سے اپنے کون ہے آگاہ جز خدا

جوں خط سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

ہم کو ملی ہے قسمت تصویر آئینہ حیرت ہے اپنی حیرت تصویر آئینہ
کچھ بولے کب ہے طاقت تصویر آئینہ ہیں آئینے میں صورت تصویر آئینہ

آئینہ رو کے سامنے حیرانیوں میں ہم

کیا مشت پر کے باد صبا راہ بر نہ ہو کیا یوں وصال گلشن و گلہائے تر نہ ہو
پر حکم ہے جدا کوئی بازو سے پر نہ ہو بیم کدورت دل صیاد گر نہ ہو

کیا کیا اڑائیں خاک پر افشانیوں میں ہم

گو فرق صبح شام ہے ظلمت کو نور سے دونوں کا ہے ظہور ہمارے ظہور سے
ہو جائے رات دود دل ناصبور سے دکھلائیں روز حشر کو بین السطور سے

اپنے سیاہ نامے کی طولانیوں میں ہم

کیا خاک طے ہو داغ کی مانند راہ شوق سارے جہاں کے نیز رووں پر ہے اسی کو ذوق
زنجیر پاؤں میں ہے نہ گردن میں اپنے طوق جا سکتے ضعف سے نہیں کوچے میں اس کے ذوق

بہہ جائیں کاش گریہ کی طغیانیوں میں ہم

خمسہ مصنف بر غزل خود

تھی پریشان انتظار سے آنکھ نہیں ملتی تھی ایک یار سے آنکھ
شکر ہے ہو گئی قرار سے آنکھ لڑ گئی یار گلزار سے آنکھ

اب نہیں جھپتی ہزار سے آنکھ

توبہ کیا اور اتقا کیسا تاکنا جھانکنا ہمیشہ رہا
یہ نظر بازیاں ہیں سخت بلا دید کا بھی ہے کیا برا لپکا

نہیں رہتی ذرا قرار سے آنکھ

ٹپکی پڑتی ہے اک محبت سے خود بخود چھا رہی ہے الفت سے
صاف ہے آئینے کی صورت سے کچھ وہ حیرت سے کچھ وہ حسرت سے

خوب بنتی ہے انتظار سے آنکھ

جب مری قبر پہ گذر کیجئے پھر تغافل نہ اس قدر کیجئے
کام جو کیجئے دیکھ کر کیجئے تودۂ ناوک نظر کیجئے

کیوں چرائی مرے مزار سے آنکھ

یار ہے زود خشم و تیز مزاج جس کے غصے سے ہو جہاں تاراج
نظر آتا نہیں کچھ اس کا علاج اس کو دیکھا ہے جو مکدر آج

بھر گئی سرمہ غبار سے آنکھ

چار آنسو بھی جب بہائے ہیں دل کے ٹکڑے مژہ پر آئے ہیں
عشق نے رنگ کیا دکھائے ہیں اشک خونیں نے گل کھلائے ہیں

آج آئی ہے کس بہار سے آنکھ

نگہ یار ہے غضب قاتل اس بلا سے نجات ہے مشکل
جس کو دیکھا وہ ہو گیا بسمل کیا بچے ناوک نظر سے دل

چوکتی ہی نہیں شکار سے آنکھ

بزم میں کوئی انجمن آرا مہرباں ہو اگر تو کیا کہنا
دے وہ بھر بھر کے ساغر صہبا دوبدو یوں ہے مے کشی کا مزا

جام سے کب ملے تو یار سے آنکھ

اللہ اللہ رے ناز کئے دماغ گل ہی گل سوجھتے ہیں باغ ہی باغ

ہو گیا عیش جاوداں سے فراغ نشہ تیرا اتر گیا اے داغ
کھل گئی غفلت خمار سے آنکھ

خمسہ بر غزل شیخ امام بخش ناسخ مغفور لکھنوی

پہلے تھا دخل یہ دشوار ترے کوچے میں کہ صبا کو بھی نہ تھا بار ترے کوچے میں
اب تو ہے مجمع اغیار ترے کوچے میں روز ہے گرمی بازار ترے کوچے میں
جمع ہیں تیرے خریدار ترے کوچے میں

تو نے غرفے سے جو کچھ ہم کو دکھایا جھلکا ہو گئی بے خود بیہوش ہم اے ہوش ربا
اب کہاں جائیں کدھر جائیں ترے در کے سوا دیکھ کر تجھ کو قدم اٹھ نہیں سکتا اپنا
بن گئے صورت دیوار ترے کوچے میں

ہے محبت بھی تری قہر خدا سخت عذاب کر دیا ایک زمانے کو اسی نے بے تاب
کفر و اسلام ہوا دونوں گھروں میں نایاب دیر ویراں ہے ترے عہد میں کعبہ ہے خراب
جمع ہیں کافر و دیندار ترے کوچے میں

کیا خبر ہے تجھے کس حال میں ہوں کیسا ہوں جادۂ راہ کہ میں نقش قدم ہوں کیا ہوں
آسمان ٹوٹ پڑے مجھ پہ جو اٹھنا چاہوں پاؤں پھیلائے زمین پر میں پڑا رہتا ہوں
صورت سایہ دیوار ترے کوچے میں

خاک سے کتنے ہم آغوش پڑے رہتے ہیں بے خود و غافل و خاموش پڑے رہتے ہیں
صورت مے کش وے نوش پڑے رہتے ہیں روزیاں سینکڑوں بے ہوش پڑے رہتے ہیں
ہے مگر خانہ خمار ترے کوچے میں

آرزو ہے دل بیتاب کی فریاد سنے کہ ترے کان تک آواز ہماری پہنچے

پاسبانوں کی طرح رات کو بے تابی سے پر جو اندیشہ ہے یہ بھی کوئی پہچان نہ لے
نالے ہم کرتے ہیں اے یار ترے کوچے میں

اس نے تو چھوٹتے ہی ہم سے دغابازی کی تھی نہ امید ہمیں ایسی فسوں سازی کی
روز ہی عشق نے یہ تفرقہ پردازی کی ہائے کمبخت نے کیسی خلل اندازی کی
ہم ہیں زنداں میں دل زار ترے کوچے میں

خاک برباد کرے میری نہ چرخ واژوں شکل فرہاد جنوں پیشہ و مثل مجنوں
آرزو ہے جو مروں بھی تو یہیں دفن بھی ہوں دے اجازت تو رہوں تا بقیامت مجنوں
ہے جگہ تھوڑی سی درکار ترے کوچے میں

خنجر رشک سے ہر ایک ہوا ہے بسمل دوست دشمن ہیں سبھی تری ادا پر مائل
گر یہی ہیں ترے ابرو کے اشارے قاتل تجھ کو پروا نہیں غمگین ہو کہ کوئی خوش دل
آج کل چلتی ہے تلوار ترے کوچے میں

عار سننے سے تجھے ہے اسے کہنا دشوار بے کہے اور سنے کیا ہو وفا کا اظہار
حال دل کہنے کی ناحق جو نہیں پاتا بار داغ نے آج یہ دیکھا ہے کہ ہو کر ناچار
پھینک آتا ہے وہ اشعار ترے کوچے میں

شہر آشوب

فلک زمین و ملائک جناب تھی دلی — بہشت و خلد سے بھی انتخاب تھی دلی
جواب کاہے کو تھا لاجواب تھی دلی — مگر خیال سے دیکھا تو خواب تھی دلی

پڑی ہیں آنکھیں وہاں جو جگہ تھی نرگس کی
خبر نہیں کہ اسے کھا گئی نظر کس کی

یہ شہر وہ ہے کہ انسان و جان کا دل تھا — یہ شہر وہ ہے کہ ہر قدر دان کا دل تھا
یہ شہر وہ ہے کہ ہندوستان کا دل تھا — یہ شہر وہ ہے کہ سارے جہاں کا دل تھا

رہی نہ آدھی یہاں سنگ وحشت کی صورت
بنی ہوئی تھی جو ساری بہشت کی صورت

یہاں کی شام تھی مانند صبح نورانی — یہاں کے ذرے میں تھی مہر کی درخشانی
یہاں کے سنگ سے تیرہ تھا لعل ربانی — یہاں کی خاک سے ہوتا تھا آئینہ پانی

یہ شہر وہ ہے کہ سایہ بھی نور تھا اس کا
چراغ رشک تجلی طور تھا اس کا

فلک تھا خوبی و حسن و جمال کا دشمن — صباح عشرت و شام وصال کا دشمن
عدوے اہل کمال اور کمال کا دشمن — غضب ہے اب تو ہوا جان و مال کا دشمن

یہ مفت بر جو تلاشی ہے نقد جان کے لئے
خضر بھی روئیں گے اب عمر جاوداں کے لئے

خدا پرستوں کا شیوہ جفا پرستی ہے جو مال مست تھے اب ان کو فاقہ مستی ہے
بجائے ابر کرم مفلس برستی ہے تنگ جینے سے ہیں ایسی تنگدستی ہے
غضب میں آئی رعیت بلا میں شہر آیا
یہ پر یئے نہیں آئے خدا کا قہر آیا

زباں سے کہتے ہوئے آئے دیں دین لعین جو ماتا دین کوئی تھا تو کوئی گنگا دین
وہ جانتے ہی نہ تھے چیز کیا ہے دین مبین کئے ہیں قتل زن اور بچے کیسے کیسے حسین
روا نہ تھا کسی مذہب میں جو وہ کام کیا
غرض وہ کام کیا کام ہی تمام کیا

عجب شکل گل و گلستان نظر آئی پڑیں جدھر کو نگاہیں خزاں نظر آئی
جب اٹھ کے ناوژہ خونچکاں نظر آئی تو کوئی عیش کی صورت نہ یاں نظر آئی
وہ گل رخان سمت بر کے قہقہے نہ رہے
وہ بلبلان خوش الحان کے چہچہے نہ رہے

فلک نے قہر و غضب تاک کر ڈالا تمام پردۂ ناموس چاک کر ڈالا
یکایک ایک جہان کو ہلاک کر ڈالا غرض کہ لاکھ کا گھر اس نے خاک کر ڈالا
جلیں ہیں دھوپ میں شکلیں جو ماہتاب کی تھیں
کھنچیں ہیں کانٹوں میں، جو پتیاں گلاب کی تھیں

کھلایا زہر ستمگر نے پان کے بدلے پلایا خون جگر پیچواں کے بدلے
نصیب دار ہوئی ہے نشان کے بدلے ملا نہ گور گڑھا بھی مکان کے بدلے
یہ دعوت فلک کینہ ساز تو دیکھو
پھر اس پر اس ستم آرا کے ناز تو دیکھو

زمین کے حال پر اب آسمان روتا ہے ہر اک فراق مکین میں مکان روتا ہے

گداؤ شاہ ضعیف اور جوان روتا ہے　　غرض یہاں کے لئے اک جہان روتا ہے

جو کہئے جو شش طوفان نہیں کہی جاتی
یہاں تو نوح کی کشتی بھی ڈوب ہی جاتی

لہو کے چشمے ہیں چشم پر آب کی صورت　　شکستہ کاسۂ سر ہیں حباب کی صورت
لٹے ہیں گھر دل خانہ خراب کی صورت　　کہاں یہ حشر میں توبہ عذاب کی صورت

زبان تیغ سے پرسش ہے داد خواہوں کی
رسن ہے طوق ہے گردن ہے بے گناہوں کی

یہ وہ جگہ ہے کہ عبرت پہ عبرت آتی ہے　　یہ وہ جگہ ہے کہ حسرت یہ حسرت آتی ہے
یہ وہ جگہ ہے کہ آفت پہ آفت آتی ہے　　یہ وہ جگہ ہے کہ شامت پہ شامت آتی ہے

یہ وہ جگہ ہے جہاں بے کسی بھی ڈر ڈر جائے
یہ وہ جگہ ہے اجل خوف کھا کے مرمر جائے

برنگ بوئے گل اہل چمن چمن سے چلے　　غریب چھوڑ کے اپنا وطن وطن سے چلے
نہ پوچھو زندوں کو بے چارے جس چلن سے چلے　　قیامت آئی کہ مردے نکل کفن سے چلے

مقام امن جو ڈھونڈھا تو راہ بھی نہ ملی
یہ قہر تھا کہ خدا سے پناہ بھی نہ ملی

جو تھی تو افعی کاکل کے زہر کی گرمی　　جو تھی تو شعلہ غداران شہر کی گرمی
نہ دیکھیں جو نگہ خشم و قہر کی گرمی　　اٹھائیں ہائے وہ جلتی دوپہر کی گرمی

تپش سے ریگ بیاباں بھی آفتاب ہوئی
زمین مگر کرۂ نار کا جواب ہوئی

جگہ جگہ تھے زمیندار دار کی صورت　　چڑھے ہی آتے تھے سر پر نجار کی صورت
بلا سے کم نہ تھی ہر اک گنوار کی صورت　　چھپی نہ ان سے پر اہل دیار کی صورت

کسی جگہ جو کوئی ہو کے بے قرار آیا

تو اہل قریہ یہ بولے کہ لو شکار آیا

زبان جو بدلیں تو صورت بدل نہیں آتی ملیں جو خاک بھی منہ پر تو مل نہیں آتی

کسی طرح کسی پہلو سے کل نہیں آتی پکارتے ہیں اجل کو اجل نہیں آتی

جو سر کو پھوڑیں تو پتھر پرے سرکتے ہیں

جو لوٹیں کانٹوں پہ کانٹے الگ کھسکتے ہیں

پیادہ پا ہوں رواں شہسوار صد افسوس لہو کے گھونٹ پئیں بادہ خوار صد افسوس

ذلیل و خوار ہوں اہل وقار صد افسوس ہزار حیف دل بے قرار صد افسوس

جھکے ہیں بار الم سے تنے ہوئے کیسے

بگڑ گئے ہیں یکایک بنے ہوئے کیسے

بنا ہے خال سیہ رنگ مہ جمالوں کا دوتا ہوا ہے قد دانست نونہالوں کا

جو زور آہوں کا لب پر تو شور نالوں کا عجیب حال دگرگوں ہے دل والوں کا

کوئی مراد جو چاہی حصول ہی نہ ہوئی

دعائے مرگ جو مانگی قبول ہی نہ ہوئی

غضب ہے بخت بد ایسے ہمارے ہو جائیں کہ لیں جو لعل و گہر سنگ پارے ہو جائیں

جو دانہ چاہیں تو حرمن شرارے ہو جائیں جو مانگیں پانی تو دریا کنارے ہو جائیں

پئیں جو آب بقا بھی تو زہر ہو جائے

جو چاہیں رحمت باری تو قہر ہو جائے

جہاز ایسا تباہی میں آگیا اپنا ملا نہ تحت ثری تک کہیں پتا اپنا

رہا نہ آہ زمانے میں آشنا اپنا بجز خدا کے نہیں کوئی ناخدا اپنا

کسی سے ڈوبے ہوئے ایسے کب نکلتے ہیں

یہاں سے حضرت الیاس بچ کے چلتے ہیں

پئے محاسبہ پرسش ہے نکتہ دانوں کی　　تلاش بہر سیاست ہے خوش زبانوں کی
جو نوکری ہے تو اب یہ ہے نوجوانوں کی　　کہ حکم عام ہے بھرتی ہے قید خانوں کی

یہ اہل سیف و قلم کا ہو جبکہ حال تباہ
کمال کیوں نہ ٹھہرے دربدر کمال تباہ

کہاں تک آہ لکھوں اس کا حال بربادی　　کہاں تک آہ کہوں آسماں کی جلا دی
کسی کو قید محن سے نہیں ہے آزادی　　کہ داغ داغ ہی دل ہر کوئی ہے فریادی

الٰہی پھر اسے آباد و شاد دیکھیں ہم
الٰہی پھر اسے حسب مراد دیکھیں ہم

قصائد در مدح حضرت ظل سبحانی خلیفہ رحمانی خادم حضرت ختمی پناہی حاجی حرمین شریفین مشیر قیصر ہند جناب ہلال رکاب نواب کلب علی خان بہادر فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ رئیس دلاور اعظم طبقہ اعلائے ستارۂ ہند دام ملکہم و اقبالہم

کہاں وہ عقدۂ لاحل کہاں وہ سخت دشواری — ہوئی پابند آزادی سے اب امیری گرفتاری

ترقی پر مرا طالع بلندی پر میرا اختر — ہوئے معدوم میری بخت واژوں کی نحوس ساری

تلافی ہو گئی عسرت کی عشرت اے زہے قسمت — مبدل ہو گئی آسانیوں سے میری دشواری

نہ آشفتہ دماغی ہے نہ وہ برہم مزاجی ہے — گئی میری پریشانی مٹی آشفتگی ساری

نہ وہ سر میں مرے سودا نہ وہ دل میں مرے وحشت — نہ وہ ٹکڑے کلیجے کے نہ وہ مژگاں کی خونباری

شگفتہ دل مرا اتنا کہ جتنا تنگ دل غنچہ — مجھے وہ خواب راحت جس قدر نرگس کو بیداری

طبیعت میں میری ایسی نزاکت ہے لطافت ہے — کہ مضمون یہاں یار بھی زنجیر ہے بھاری

زمانے نے یکایک چھوڑ دی سب ظلم کی عادت — فلک نے یک قلم موقوف کی طرز ستمگاری

تہی دست ستم ہو کر فلک کا حال ایسا ہے — کہ جیسے خسرو محتاج کو ہو سخت ناچاری

ہنر مندوں کو ہے اپنے ہنر سے بہرۂ وافی — طبیعت اہل ہمت کی کسی فن میں نہیں عاری

سیہ کاروں کا دل بھی ہے مثال مہر نورانی — کہ داغ تیرگی دھوتا ہے آب رحمت باری

دل عشاق کو معشوق ارمانوں سے لیتے ہیں — وہ ہے الفت کے سودے کی جہاں میں گرم بازاری

سرور بادۂ عشرت سے مے کش مست و بے خود ہیں — اٹھا کر طاق پر رندوں نے رکھ دی اپنی ہوشیاری

کرے گرے کشی کو منع وہ اس دور عشرت میں
کرم سے شیخ کو دینی پڑی ائی گناہ گاری
جراحت کے عوض راحت ہوئی اس درد پیدا
بنا مرہم دل افگارن غم کا چرخ زنگاری
زمانے کا جو بدلا رنگ تو اس کا یہ باعث ہے
ہوا ہے مسند آرا آج وہ فخر جهانداری
امیر المسلمین کلب علی خان خسرو دوراں
وہ فیاض زماں جس سے ہے چشمہ فیض کا جاری
مہ اقبال و دولت آفتاب ثروت و شوکت
جہاں جود و ہمت آفتاب عدل و دینداری
فریدوں فرو رستم رزم و جم بزم و فلاطون عقل
سکندر جاہ و حاتم بذل و دارائے اسپہ داری
لکھوں اک مطلع دلچسپ ایسا مدح حاضر میں
کہیں احسنت سن کر جس کو سب اشخاص درباری

مطلع

ترے ابر کرم نے کی جو عالم میں گھر باری
تو آب گوہر خوش اب سے دریا ہوا جاری

بنا لبیک سکہ سیم و زر پر آج وہ دن ہے
حریم دل میں مفلس کے نہ بیٹھا داغ ناداری

زلال لطف کی تاثیر مٹ جائے شور ایسا
یقین ہے اب نہ نکلے حشر تک کوئی کنواں کھاری

ترا دل بادۂ پندار سے خالی نظر آیا
جو ہے تو شنہ عرفاں ہے چشم شوق میں طاری

ہوا ہے خواب و بیداری کا عالم ایک صورت پر
تری شب کو سحر کہئے تری غفلت کو ہوشیاری

جو وہ تھے ماہ کنعاں تو ہی مہر عالم امکاں
ہوا ہے تجھ میں اور یوسف میں فرق خواب بیداری

وہ تیرا عہد ہے علم و عمل سے شادر رہتے ہیں
فقیہ و مفتی و صوفی و شیخ و حافظ و قاری

جہاں میں امن کیا ہے کیا تری ظل حمایت سے
کہ اک عالم ہے ایمن اللہ رے نگہداری

کسی کا دل تو کیسا آنکھ بھی دکھنے نہیں آتی
مٹائی عدل نے تیرے یہاں تک مردم آزاری

زر غنچہ اڑائے تو صبا اڑ کر کہاں جائے
تری تحقیق سے ہو شمع کا بھی چور فراری

نہ کیوں ہو تیرے دستورالعمل سے شادماں عالم
کرم کرنا تری عادت جفا سے تجھ کو بیزاری

بگولہ بھی ہوا پرشکل گنبد بن کے قائم ہو
یہاں تک گم ہوئی خانہ خرابی خانہ مسماری کر

ملے درد حنا کو اندتوں خدمت اپنی کی
دل عشاق کی کرنی پڑی کس کو خبرداری

مقابل میں ترا اے خواہاں نہ بہت ہوا گر دشمن
کرے زخموں سے تیری تیغ اس کے تن پہ گل کاری

ترے ڈر سے عدوے روسیہ کی یوں بہے آنسو
کہ چھوٹے جس طرح سے خون سوداوی کی پچکاری

سمندر میں سمندر ہوں صدف میں ہوں شرر پیدا
جو چمکاری آتش قہر و غضب کی تیرے چنگاری

تری محفل کا جو سامان ہے ثانی نہیں رکھتا
کھلیں جمشید کی آنکھیں اگر دیکھے یہ تیاری

تری بزم طرب انگیز و عشرت خیز ایسی ہے
تمنا جس کی کرتے ہیں پر بردیاں و پرخاری

یہ وہ سرکار عالی ہے کہ جس سے فیض پاتے ہیں
بدخشانی و طہرانی و شیرازی و بلغاری

یہ وہ درگاہ والا جاہ ہے جس کی سلامی میں
حجازی و عراقی و رومی و چینی و تاتاری

سخن فہم و سخن گستر سخنداں و سخن پرور
تجھی سے حسن کو رونق تجھی سے حسن نثاری

زبان کھولے نہ مثل شمع جل کر خاک ہو جائے
سنے سبحان وائل بھی اگر یہ نغز گفتاری

ترے پیل فلک رفعت کی شوکت پر یہ لازم ہے
مشابہ کیجئے کہسار سے اس کی گرانباری

گرانباری ہے ایسی وہ سبک رفتار ہے ایسا
نفس کو جس طرح سینے میں حاصل ہے سبکساری

ترے اسپ پری پیکر کی چالاکی کا کیا کہنا
نہیں آتی تصویر میں بھی جس کی تیز رفتاری

وہ پہنچے اس طرح اک جست میں مشرق سے مغرب تک
کہ جیسے آہ عاشق ہو رساتا چرخ زنگاری

مرا کیا منہ جو تیری مدح پوری ہو سکے مجھ سے
کہ تیرا وصف بے حد اور میری طبع ہی عاری

ہنر آیا نہ مجھ کو کوئی اور آیا تو یہ آیا
مرا ہے کلام ناکامی مرا ہے کار بیکاری

ترے الطاف بے پایاں سے ہوں میں منفعل دل میں
نہیں ہوتا ادا مجھ سے ترا حق نمک خواری

مگر ہاں اس سہارے پر گذر جائے گذر جائے
ترا شیوہ کرم کرنا مری خصلت وفاداری

سراپا وصف ہے تو وصف تیرا داغ کیا لکھے
دعا پر ختم کرتا ہے قصیدے کو بناچاری

رہیں جب تک الٰہی مہر و ماہ کوکب و اختر
رہے جب تک الٰہی اس زمین پر چرخ زنگاری

میسر خیر خواہوں کو تو عیش جاودانی ہو
ترے بدخواہ کو حاصل ہمیشہ ذلت و خواری

پیے تلوار تیری ہر گھڑی خون دل اعدا
ترا خنجر کرے دائم ترے دشمن کی خونخواری

دعا آٹھوں پہر ہے اقلیم آئے قبضہ میں
ترے قلعے کی ٹھہری ربع مسکوں چار دیواری

ایضاً

ہے روز جشن کیوں نہ کرے روزگار عیش ... ایک ایک غم کے بدلے ہیں سو سو ہزار عیش
رنگین نشاط سے سپید و سیاہ دہر ... ہے ابلق زمانہ پہ گویا سوار عیش
اس غم کدے کو چرخ نے عشرت کدہ کیا ... اب دیکھئے دکھائے گا کیا کیا بہار عیش
سارے اسیر درد و الم غم سے چھٹ گئے ... طوق گلو کے بدلے گلے کا ہے ہار عیش
اہل زمین کو زیر فلک جو ہے نشاط ... آسودگان خاک کو زیر مزار عیش
اللہ رے اب کی گرمی ہنگامہ سرور ... کیا کیا نکالتا ہے دلوں کا بخار عیش
رحمت سے حق کے دور نہیں جنتی کی طرح ... گر آج دوزخی کو ملیں بے شمار عیش
لکھا کسی نے بھول کے گر کوئی حرف غم ... نکلا زبان خاد سے بے اختیار عیش
لانے لگا نہال محبت گل مراد ... بنتا ہے نخل غم کے لئے برگ و بار عیش
ہر مردہ دل کے واسطے آب حیات ہے ... دھوتا ہے دل سے تیرہ دلوں کے غبار عیش
دام خوشی میں سب کو گرفتار کر لیا ... کرتا ہے غمزدوں کے دلوں کا شکار عیش
جوش نشاط و فرط خوشی سے عجب نہیں ... آخر کو غمزدوں کے دلوں پر ہو بار عیش
دیکھا جو میں نے حال زمانے کا اس طرح ... یعنی کہ اک جہان کا ہے کاروبار عیش
حیران ہوا کہ بار خدا ماجرا ہے کیا ... دیتا ہے کسی کو یہ فلک کینہ کار عیش
مجھ سے کہا یہ دل نے کہ حیران ہے کس لئے ... دنیا میں ہیں ہزار طرح کے ہزار عیش

یہ بھی کوئی گھڑی تھی خوشی کی کہ آگئی
غم اڑ گیا جہاں سے ہوا غمگسار عیش

تو غمزدہ ہے آپ سے نادان کس لئے
کر تو بھی خوب عیش جو ہو سازگار عیش

گذرے جو دم خوشی سے تو غافل گذار دے
ہوتا ہے کس کے واسطے یاں بار بار عیش

گر عیش ہو نصیب تو بندہ ہو عیش کا
خصلت تری نشاط ہو تیرا شعار عیش

گر بس چلے تو ہاتھ سے مینائے مے نہ رکھ
جی بھر کے خوب پی کہ جو ہو خوشگوار عیش

ٹھہرے جو کوئی دم تو غنیمت اسے سمجھ
عاشق کے دل کی طرح سے ہے بے قرار عیش

ڈر انقلاب دہر سے کر غم سے اجتناب
غم دل سے دور پھینک کے کر استوار عیش

یہ دوستی کرے تو اسی کی ہے دوستی
گر دوستدار ہے تو ترا دوستدار عیش

لیکن بشر کو چاہئے انجام کا خیال
اس پر رہے نظر کہ ہے ناپائیدار عیش

غم بھی خوشی کے ساتھ ہے انساں کے واسطے
اس پر نہ پھول تو کہ ہوا خوب یار عیش

معشوق و بادہ سیر چمن بزم دوستاں
دنیا میں چار دن کے لئے ہیں یہ چار عیش

تکیہ نہ کر تو اس پہ کہ دائم رہوں گا شاد
یہ عیش چار دن کا ہے بے اعتبار عیش

تدبیر کوئی چاہئے عیش دوام کی
تقدیر سے نصیب ہوں تجھ کو ہزار عیش

کر مدح اس رئیس ذوی الاقتدار کی
جس کی ثنا سے ہو تجھے اب سازگار عیش

جمشید عصر کلب علی خاں فلک نما
ہوتا ہے جس کی ذات سے صاحب وقار عیش

مطلع وہ لکھ کہ جس میں بندے سر بسر سرور
ٹپکے ہر ایک لفظ سے بے اختیار عیش

مطلع

ہیں دست بستہ واسطے تیرے ہزار عیش — تیری خوشی مطیع تو خدمت گذار عیش

اللہ رے تیرے نشہ کی سرشاری سرور — جس کا اوتار عیش ہے جس کا خمار عیش

ٹھہرا ازل سے تابہ ابد تیرے واسطے — کرتا ہے ورنہ چار گھڑی کب قرار عیش

مرہم پذیر عہد میں تیرے ہوا تمام — جمشید کے زمانے میں تھا دلفگار عیش

دیکھا جو آنکھ کھول کے تو آئی نظر خوشی — ہے تیرے روئے صاف کا آئینہ دار عیش

ہے روشنی جہان میں نشاط و سرور کی — چمکا ہے تیرے عہد میں خورشید وار عیش

آکر ترے زمانے میں اس کے کھلے نصیب — مدت سے کھینچتا تھا پڑا انتظار عیش

کیا خانقاہ و میکدہ عشرت کدے ہیں سب — صوفی کریں خوشی تو کریں بادہ خوار عیش

ہے رنگ رنگ عیش مگر تیرے عہد میں — ہے رند گر کہیں کہیں پرہیزگار عیش

تیری زبان ہلی کہ جہاں ہو گیا نہال — رہتا ہے تیرے حکم کا امیدوار عیش

اس کا کہیں نشان تو کیا نام ہی نہ تھا — تو نے کیا ظہور ہوا آشکار عیش

پوری پڑے نہ محفل جمشید میں کبھی — جب تک نہ تیرے بزم سے لی مستعار عیش

رہنا بہشتیوں کو ہو جنت میں اک عذاب — گر خلد سے ہو بزم کا تیری دو چار عیش

مست شراب عیش ہیں سب تیری بزم میں — اک ہوشیار ہے تو بہت ہوشیار عیش

جز عیش کس کو بار تری بارگاہ میں — ہے عیش ہی کے واسطے لوٹی بہار عیش

شمع جمال پر ترے پروانہ ہے خوشی — جام نشاط سے ہی تری بادہ خوار عیش

آہو ہے شیر عہد میں تیرے پلنگ پر — صحرائے وحشیوں لو ہے تا کوہسار عیش
جمشید کی جبیں پہ یہ خط ہو کے مٹ گیا — یاں قصر خوش نگار کا نقش و نگار عیش
تو تیغ بھی سنائے تو یوں جی کو لطف آئے — جیسے شراب تلخ سے خوشگوار عیش
کیا تیری بزم عیش کی کیفیتیں لکھوں — جس جا ہو بے حساب خوشی بے شمار عیش
گر ہے خوشی رفیق تو ہمدم ترا نشاط — گر دوست خرمی ہے تو ہر یاروں کا یار عیش
دن عیش رات عیش سحر عیش شام عیش — گہ دوستدار عیش گہے غمگسار عیش
ہے لاکھ لاکھ جاں سے صدقے تری خوشی — ہے لاکھ لاکھ جاں سے تجھ پر نثار عیش
آرام کیوں رہے نہ رعیت کو بے شمار — سرکار میں حضور کے ہے اہلکار عیش
کرتا ہوں اب دعا پہ قصیدے کے ختم میں — شاید کہ اس دعا سے ہو میرا بھی یار عیش
پھولیں پھلیں نہ عیش میں بھی تیرے مدعی — ہو تیرے دشمنوں کے کلیجے میں خار عیش
جلتے ہیں تیری عیش سے از بس بہت حسود — بنتا ہے ان کی جان پہ برق و شرار عیش
پھٹکے نہ پاس جیسے ترے دوستوں کے رنج — یوں تیرے دشمنوں سے کرے ز-نہار عیش
جب تک رہے جہاں میں یارب خوشی کی دھوم — جب تک خوشی کے ساتھ رہے تاندار عیش

جب تک رہے زمانہ الٰہی پئے نشاط — جب تک ہو روزگار پئے روزگار عیش
جب تک رہے یہ باغ جہاں اک بہار پر — جب تک کرے ہزار چمن میں ہزار عیش
یارب رہے ہمیشہ ہم آغوش عیش سے — تو ہمکنار عیش ترا ہمکنار عیش
یہ داغ مدح خواں ہے نمک خوار و جاں نثار — ہوں اس کو اک نگاہ سے تری ہزار عیش

قطعہ تاریخ تشریف آوری جناب مستطاب نواب محمد یوسف علی خاں صاحب بہادر فردوس مکان تاب ثراہ از کلکتہ

کیا ولی عہد اور نواب آئے آج — برج صد حشمت کی دو کوکب یہ آئے
دو مسیحا آئے بہر درد ہجر — خاطر طالب کے دو مطلب یہ آئے
دو قمر اکبار آئے ہیں نظر — تھا زبانوں پر یہی جس شب یہ آئے
مژدہ اس آمد کا ہے سامان زیست — جان میں جان آئی گویا جب یہ آئے
بہر استقبال میں پہنچا مگر — کون جانے کون آئے کب یہ آئے
گوش برآواز و لب پر یہ دعا — مجھ کو سنوا دے کہیں یارب یہ آئے
دیکھ کر گرد سواری یک بیک — منتظر یوں بول اٹھے سب یہ آئے
ایک کی تھی ایک سے تکرار یہ — میرا جذب شوق لایا جب یہ آئے
داغ نے بھی پیشکش تاریخ کی — شان و شوکت جاہ و اقبال اب یہ آئے

تعریف جشن زیبا جاہ دام ملکہ

۱۲۸۲ھ

تہنیت جشن نایاب

۱۲۸۲ھ

بھر کر شراب صاف پلا آج جام میں — ساقی ہے انجمن کی زباں پر ترانہ آج

۱۲۸۲ھ — ۱۲۸۲ھ

رنگین بدل زمانہ تعجب نہیں گر اب
۱۲۸۲ھ
شادی کا زہرہ رنگ سے دے شادیانہ آج
۱۲۸۲ھ

پریوں کا جمگھٹ اور حسینوں کا جلسہ ہے
۱۲۸۲ھ
کیا ایک رنگ پر ہے یہ جشن شہانہ آج
۱۲۸۲ھ

فانوس جھاڑ آئینے پر لیمپ بھی
۱۲۸۲ھ
چمکا ہے بزم جشن سے دیوانہ خانہ آج
۱۲۸۲ھ

سارا ہے جلوہ کلب علی خاں کے دم سے آج
۱۲۸۲ھ
عہد سرور آج ہے جشن شہانہ آج
۱۲۸۲ھ

آفاق کیا سخاوٴ کرم سے کیا بحال
۱۲۸۲ھ
حاتم کا کیا مٹایا جہاں سے فسانہ آج
۱۲۸۲ھ

یہ سروری کہ داد و دہش اس قدر کہ بس
۱۲۸۲ھ
کیا کیا دیا ہے دولت و مال و خزانہ آج
۱۲۸۲ھ

پیدا کیا ہے لعل خوش آب آج کوہ میں
۱۲۸۲ھ
یکتا رہا صدف میں نہ گوہر کا دانہ آج
۱۲۸۲ھ

پیہم ہے سجدہ زیر نہاں فرق فرقدان
۱۲۸۲ھ
کیا کیا ہوا بلند ترا آستانہ آج
۱۲۸۲ھ

کچھ سہم کی نہیب سے تھرائے شکل بید
۱۲۸۲ھ
لچکے جو مدعی پہ ترا تازیانہ آج
۱۲۸۲ھ

موج عطا سے پاس ہوا خواہ شہ ماں
۱۲۸۲ھ
حاسد کا دم ہے تن سے ہو بیشک روانہ آج
۱۲۸۲ھ

داغ مدح سنج مداح نواب

تمت بالخیر

از نتائج افکار دربار جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب بہادر متخلص بہ نیر درخشاں دہلوی

نازم آن نخلبند معنی را　　کہ بیاراست از سخن صد باغ　　گل رنگین باغ دل افروز

درد خوشبوی عطر بیز دماغ　　اوج نازک خیالی او را　　باید آنسوی عرش جست سراغ

معنی نغز از دلش ریزان　　چون مئی ناب از کنار ایاغ　　کردہ مشکین غزال مضمون صید

صفحہ خاطرش فتن را راغ　　جمع کردہ کلام روشن خویش　　کہ شبستان فکر راست چراغ

ہر کہ از طبع تازہ اش دلخواہ　　للہ الحمد دست داد فراغ　　سال ختمش بخوان کہ این دیوان

زد بد لہا حدید یکہ داغ　　ساخت این قطعہ نیر از دہلی　　نزد نواب میرزا ابلاغ

تقریظ ریختہ کلک گوہر سلک معنی نگار سید نور الحسن خان بہادر متخلص

بہ کلیم خلف الصدق نواب امیر الملک والا جاہ مولوی سیدی محمد صدیق حسن خان بہادر فرمانروای ریاست بھوپال

زو قیست ہدمی ،مغفل بگذرم زرشک خار رہت بپای عزیزان خلیدہ باد

قطعہ تاریخ چکیدہ کلک گہر سلک تدبیر الدولہ مدبر الملک منشی مظفر علی خان بہادر بہادر جنگ متخلص بہ اسیر لکھنوی

باغ ابراہیم ہے دیوان داغ خار اعدا کو دیا اس باغ نے
مصرعہ تاریخ یہ لکھا اسیر کیا جلایا حاسدوں کو داغ نے

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ ریختہ طبع شاعر نازک خیال

سید ضامن علی صاحب جلال

باغ دیوان داغ کا پھولا تاز مژدہ صبا یہ لائی آج
طبع کے سن جلال نے لکھے بوے گلزار داغ آئی آج

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ از سخنور سراپا کمال

سید کاظم علی صاحب مثالؔ

دیوان کو کر چکے مرتب جب حضرت داغ عالم افروز
کیا خوب لکھی مثالؔ تاریخ ہے جملہ کلام داغ دلسوز

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع سراپا لطافت

محمد عظمت علی خان صاحب بہ عظمت

دیوان ہے یا ہے نسخہ اعجاز عیسوی
معنی ہیں تازہ تازہ مضامین عجیب عجیب
عظمت جو یہ کلام ہوا زیب گوش خلق
تاریخ اس کی میں نے کہی در منتخب

قطعہ تاریخ نتیجہ فکر سلیم منشی
شیخ امیراللہ صاحب تسلیم دام فیضہ

حضرت داغ کا چھپا دیوان سو تکلف کا ہے بیان سلیس
فکر تاریخ ہی تو اے تسلیم جلد کہدے کلام داغ نفیس

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع رسائے سخنور یکتا
منشی صابر حسین صاحب صبا

خوشا نظم داغ سخن سنج یکتا کہ فروست در عالم بے مثالی
بتاریخ طبعش صبا خوش رقم زد کہ گنج معانی مضامین عالی
شداز جلوۂ طبع مطبوع عالم کلام دل افروز داغ سخن گو
صبا گفت تاریخ در سال طبعش کہ گنج معانی مضامین نیکو
کلام نواب میرزا خان نہ کیوں ہو مطبوع دہر چھپ کر مزا معانی میں سحر کا ہے مذاق جادو بھرا ہوا ہے
مجال کس کی صبا جو ایسی سنائے تاریخ بے تکلف بیان ہے سوز و ساز عاشق زبان معشوق بادا ہے

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع رسائے سخنور بے ہمتا منشی گوبند لعل صاحب صبا

ریخت از بلو نفس گنج سخ در گوش خلق کرد دیوانی مرتب طبع گردون کرد داغ
از پے ترتیب و طبعش چون نمودم فکر سال از سروش آمد بگوشم گنج یاد آورد داغ

۱۳۰۶ھ

قطعہ تاریخ ریختہ قلم جواہر رقم در فن شعر مشاق منشی بہاری لعل صاحب مشتاق

زہے شاعر نغز گفتار داغ کہ در شاعری میکند ساحری
پے طبع دیوانش جستم سال چکید از قلم نسخہ شاعری

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع وقاد صاحبزادہ محمد عطاءاللہ خان صاحب عاشق ساکن مصطفیٰ آباد

اللہ رے دھوم، داغ کا دیوان ہوا جو طبع اک شور تہنیت ہے زمانے میں جابجا
عاشق بگوش ہوش ذرا تو بھی سن اسے ہاتف یہ کہہ رہا ہے مضامین دلکشا

قطعہ تاریخ ریختہ طبع بااستعداد احسان علی خان ساکن مصطفیٰ آباد

چھپا میرے استاد کا جبکہ دیوان　　ہوا اک زمانے میں یہ شہرت افزا
جو پوچھے کوئی اس کی تاریخ احسان　　تو کہہ دوں میں گلدستہ فرحت افزا

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع نکتہ سنج حافظ غلام رسول صاحب دہلوی متخلص بہ ویران شاگرد شیخ براہیم ذوق

داغ چون ساختہ دلچسپ مرتب دیوان　　دل احباب شداز دیدن او خرم وشاد
ہریک ازبسکہ بسا گرم مضامینش یافت　　سال اوگفت کہ حسلو وراداغ بداد

قطعہ تاریخ ریختہ قلم گوہر رقم شیخ الٰہی بخش صاحب خوش رقمی نصیب متخلص بہ غریب

گشت بصد فرخی طبع چو دیوان داغ　　آنکہ بود و سخن ماہر و شاگرد ذوق
از پے تاریخ اوکرد تجسس غریب　　داد ندابا تفتش دفتر ارباب سوق

قطعہ تاریخ ریختہ قلم بلاغت سید جمیل احمد صاحب

خواہر زادۂ سید جلیل احمد سہسوانی

چھپا جب داغ کا دیوان رنگین   کہ لعل بے بہا در عدن ہے یہ
تاریخ شاخ کلک ترسے   کھلا غنچہ گلستان سخن ہے

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع وقاد جامع محاسن صوری معنوی

منشی امیر احمد صاحب امیر لکھنوی

کیا شگفتہ ہی طبع حضرت داغ   داغ کھائے ہیں باغ نے کیسے
توبھی تاریخ امیر لکھ رنگین   گل کھلای یہ داغ کیسے

۱۲۹۶ھ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع پاکیزہ گھر منشی

محمد احمد صاحب قمر سلمہ اللہ الاکبر

ماشاء اللہ لمہنہ دیوان چھپا   سب شعر ہیں ارباب سخن کو مقبول

تاریخ کی طبع کی میں نے قمر
دیوان ہے داغ کا کھلے ہیں پھول
حضرت نواب مرزا خان داغ

قطعہ تاریخ نتیجہ طبع جوہر قابل قدّ اعلیٰ خان صاحب عاقل

میرو سودا سے ابھی جو غالب ہیں اب
واہ کیا دیوان چھپا صل علی
میں بلا کے بندشیں مضمون غضب
اس کی عاقل نے لکھی تاریخ یوں
روزمرہ دہلی کا ہی سب

قطعہ تاریخ از نتائج افکار سید قطب الدین اشک حسنی دہلوی تلمیذ جناب داغ مدظلہم العالی

ہزار شکر کہ مطبع میں پھر چھپا وہ کلام
کہ جو ہے اہل مضامین کے دل کا چشم چراغ
یہ وہ کلام ہے جس میں جہان کی لذت
یہ وہ کلام ہے سنتے ہیں جس کو اہل داغ
یہ وہ کلام ہے کہتے ہیں جس کو شمع بزم
یہ ہے وہ شمع کہ جس نے دیا ہے مہر کو داغ
یہ وہ کلام ہے کہتے ہیں جس کو رشک چمن
یہ وہ چمن ہے کہ قربان اس پر لاکھوں باغ
تمام خلق میں پھیلی ہیں اس کی خوشبوئیں
مہک رہی ہیں اسی واسطے ان کے دماغ
یہ بات داد الٰہی ہے کس کو ملتی ہے
پھریں ہزار اگر جستجو میں بہر سراغ
نہ کیونکر ایک زمانہ ہو ان کا پروانہ
تمام ہند میں روشن ہے آج ایک چراغ
میں اس خیال میں کیا لکھوں تاریخ
کیا سرش نے مجھ سے گل مراد داغ

آفتاب داغ

اللہ رے مرتبہ مرے عجز و نیاز کا
گویا جواب ہے یہ ترے کبر و ناز کا

دے مجھ کو داغ عشق کہ احسان مان لوں
اس درد جان فزا و غم دل نواز کا

کھا کھا کے رشک تیرے شہیدان عشق سے
غم کھا نہ جائے خضر کو عمر دراز کا

بگڑے ہوئے بھی تیغ حقیقت کے زخم زخم
ہنس ہنس کے منہ چڑھاتے ہیں عشق مجاز کا

گو مہر لب ہے حکم ترا اس کا کیا علاج
دل بولتا ہے خود بخود آگاہ راز کا

عالم تمام چشم حقیقت نگر بنا
منہ دیکھتا ہے آئینہ آئینہ ساز کا

یوسف کو چاہ میں تو مسیحا کو چرخ پر
عالم دکھا دیا ہے نشیب و فراز کا

ہر چند راہ کعبہ و بت خانہ ایک ہے
اے راہ رو ہے کام یہاں امتیاز کا

جل جل کے تیرے عشق میں گھل جائیں استخواں
مانند شمع لطف ہے سوز گداز کا

ناکامی دوام بھی ہو عشق جاوداں
کن نعمتوں کو حکم دیا ہے جواز کا

رتبے سے میری قیصر و سنجر کو رتبہ کیا
میں ہوں غلام شاہ عراق و حجاز کا

مجھ کو نہ کیونکر اس کی غلامی پہ فخر ہو
محمود ایک بردہ ہے جس کے ایاز کا

کونین جس کے ناز سے چکرا رہے ہیں داغ
میں ہوں نیاز مند اسی بے نیاز کا

تو جو اللہ کا محبوب ہوا خوب ہوا
یا نبی خوب ہوا خوب ہوا خوب ہوا

شب معراج یہ کہتے تھے فرشتے باہم
سخن طالب و مطلوب خوب ہوا خوب ہوا

اے شہنشاہ رسل فخر رسل ختم رسل — خوب سے خوب خوش اسلوب ہوا خوب ہوا
حشر میں امت عاصی کا ٹھکانا ہی نہ تھا — بخشوانا تجھے مرغوب ہوا خوب ہوا
حسن یوسف میں ترا نور تھا اے نور خدا — چارۂ دیدۂ یعقوب ہوا خوب ہوا
تھے سبھی پیش نظر معرکہ کرب و بلا — صبر میں ثانی ایوب ہوا خوب ہوا
فخر آدم کو نہ ہوتا جو فرشتہ ہوتا — بنی آدم سے جو منسوب ہوا خوب ہوا

داغ ہے روز قیامت مری شرم اس کے ہاتھ
میں گناہوں سے جو محجوب ہوا خوب ہوا

عیب نکلا جو ہنر پیدا کیا — ہم نے کھویا جس قدر پیدا کیا
جس نے مضمون کمر پیدا کیا — اس نے ناپید مگر پیدا کیا
کھوئے دیتا ہے مجھے دنیا سے وہ — جس کو میں نے ڈھونڈ کر پیدا کیا
اہل جنت کو بھی آیا اس سے رشک — جس کسی نے دل میں گھر پیدا کیا
اے زہے سرمایہ رنج و الم — ہم نے جس کو عمر بھر پیدا کیا
آسماں تو آسماں ہی رہ گیا — نام تو نے فتنہ گر پیدا کیا
داغ کھائے فرقت اغیار کے — تم نے میرا سا جگر پیدا کیا
شرم ہے پیدا کئے کی اس کے ہاتھ — جس نے مجھ کو بے ہنر پیدا کیا
عشق نے کیا کیا دکھائے شعبدے — دل ادھر کھویا ادھر پیدا کیا
چٹکیاں لینے لگا کچھ دل میں درد — عشق نے کم کم اثر پیدا کیا
ہائے رے میں واہ کیا کہنا مرا — رنج ان کو چھیڑ کر پیدا کیا

مدعا یہ تھا کہ ہم دیکھیں تجھے ورنہ کیوں نور نظر پیدا کیا

جینے دیتا کس کو داغ روسیاہ

پر خدا نے دیکھ کر پیدا کیا

ترے قدم سے عرش بنے دوش نقش پا
صلی علیٰ کے لب خاموش نقش پا

بھر دے اگر قدم سے وہ آغوش نقش پا
پھولا سمائے پھر نہ تن و توش نقش پا

شور اس خرام ناز کا محشر سے بڑھ گیا
کیا گوش خلق پھوٹ گئے گوش نقش پا

پھرتے ہیں بے قرار بہت تیری راہ میں
کہتا ہے صاف صاف یہی جوش نقش پا

کیا سرزمین کوچہ قاتل ہے فتنہ خیز
اڑنے لگے ہوا کی طرح ہوش نقش پا

بچتے ہیں خاکسار سے سب اہل آبرو
دیکھا نہیں حباب کو سرپوش نقش پا

ہم خاک بوسہ لیں کہ تیری رہگذر میں
بجے چڑھے صبا کے تن و توش نقش پا

افتادگی میں کوئی سہارا نہیں مجھے
معراج ہو جو ہاتھ لگے دوش نقش پا

اس رہگذر کا ناصح مشفق نہ ذکر کر
یاد آ نہ جائے مشکل فراموش نقش پا

دشت جنوں میں قیس کا پیرو ہوا ہوں میں
کانٹوں پہ کھینچتا ہے مجھے جوش نقش پا

افتادگان خاک کا رتبہ تو دیکھیے
باد صبا ہے غاشیہ بردوش نقش پا

لازم ہے یوں مسافر راہ عدم چلے
جیسے سبک رواں و سبکدوش نقش پا

مل جائیں آسماں و زمیں کوئے غیر میں
بن جائے ہر ستارہ در گوش نقش پا

محشر میں بھی وہ فتنے نہ دیکھیں گے اہل حشر
جو دیکھتے ہیں آپ کے مدہوش نقش پا

تم شوخیوں سے پاؤں تو رکھو زمین پر
کھل کھیلتے ہیں، اسیر لب خاموش نقش پا

روندی نہیں ہے آپ نے کیا قبر داغ کی!
پھولوں کی چادروں سے چھپا جوش نقش پا

دیکھو جو مسکرا کے تم آغوش نقش پا
گستاخیاں کرے لب خاموش نقش پا

کس کے خرام سے یہ اڑے ہوش نقش پا
بیٹھی ہوئی ہے مجلس خاموش نقش پا

آسودگان خاک کی کہتا وہ سرگذشت
رکھتا نہیں زباں مگر گوش نقش پا

ہے خار خار حسرت افتاد کی غذا!
بے نیش کے نہیں ہے خورد نوش نقش پا

مٹ جائے گا مگر نہ کھلے گا یہ اے صبا
غنچہ کا منہ نہیں لب خاموش نقش پا

رکھوں قدم جو غیر کے نقش قدم پہ میں
انگشت پا مروڑے وہیں گوش نقش پا

آسودگان خاک کی آنکھوں کے ہیں نشاں
تری گلی میں اور ہو یوں جوش نقش پا

پائی مرے سراغ سے دشمن نے راہ دوست
اے بیخودی مجھے نہ رہا ہوش نقش پا

کس طرح غیر اس کے قدم پر قدم دھریں
میرا نشان سجدہ ہے روپوش نقش پا

میں خاکسار عشق ہوں آگاہ راز عشق!
میری زبان سے حال سنے گوش نقش پا

آئے بھی وہ چلے بھی گئے میری راہ سے
میں نامراد و والہ و مدہوش نقش پا

مجھ ناتواں کی خاک کو پامالیوں کے بعد
دوش صبا ملا جو چھٹا دوش نقش پا

ٹوٹا ہے ہار راہ میں کس مست ناز کا
ہے غنچہ موتیا کا درگوش نقش پا

رکھا قدم نہ بھول کے بھی میری قبر پر
اے کوچہ گرد وعدہ فراموش نقش پا

یہ کون میرے کوچے سے چھپ کر نکل گیا
خالی نہیں ہے فتنوں سے آغوش نقش پا

ملتے ہیں خاکسار گلے خاکسار سے
ہوتا ہے نقش پا بھی ہم آغوش نقش پا!

یہ داغ کی تو خاک نہیں کوئے یار میں!
اک تشنہ وصال ہے آغوش نقش پا

چل رہا ہے خنجر فولاد کیا | اس کے ہتے چڑھ گئی بیداد کیا
میں نوید وصل سن کر مر گیا | نامبارک تھی مبارک باد کیا
جل کے پھینکا تو نے کیوں آئینہ رو | آگ تھا آئینہ فولاد کیا
حسن شیریں پر جو ہے لیلیٰ کو ناز | قیس بھی ہو جائے گا فرہاد کیا
کس طرح سے اس کے دل میں گھر کروں | جب زمیں قائم نہ ہو بنیاد کیا
تیرے کوچے میں بپا ہے حشر کیوں | ہو گیا خالی عدم آباد کیا
ان کی صورت دیکھتے رہتے ہیں ہم | دیکھئے کس وقت ہو ارشاد کیا
اپنے دل پر ظلم جو کرتے ہیں ہم | ہو سکے گی تجھ سے وہ بیداد کیا
دل میں طاقت ہو تو سب کچھ ہو سکے | عرش تک جاتی نہیں فریاد کیا
کر لیا رنگ حنا نے دل اسیر | آپ کی مٹھی میں ہے صیاد کیا
باعث گریہ نہ پوچھ اے ہم نشیں | کیا کہوں میں آگیا تھا یاد کیا
فصل گل میں کیوں ہے بلبل نغمہ سنج | آپ اپنے منہ مبارک باد کیا

داغ شب کو زہر کھا کر مر گیا
لو اٹھو بیٹھے ہوئے ہو شاد کیا

ایک ہی رنگ ہے سب کا یہ تماشا کیسا
کوئی کیسا ہے کوئی چاہنے والا کیسا

روئے ہم یاس میں اس رنگ کا رونا کیسا
پانی ہو ہو کے بہا خون تمنا کیسا

عرصہ حشر میں انصاف ہمارا کیسا
دیکھنا یہ ہے کہ ہوتا ہے تماشا کیسا

بخش دے اس بت سفاک کو اے داور حشر
خون ہی مجھ میں نہ تھا خون کا دعوا کیسا

ڈھونڈھتے پھرتے ہو بازار میں ہم کیا دیں گے
مفت ہاتھ آئے تو فرماؤ وہ سودا کیسا

وہی جنت ہے جو وحشت میں کہیں دل بہلے
لوگ صحرا کے لئے پھرتے ہیں صحرا کیسا

نیند آئی ہے بڑی رات گئے آئے ہو
سرخ آنکھوں میں بھلا نشہ صہبا کیسا

ڈوبتے ہیں عرق شرم میں غیرت والے
ڈوب مرنے ہی پہ جب آئے تو دریا کیسا

نامہ بر تونے بھی دیکھا ہے اسے سچ کہنا
گات کیسی ہے پھبن کیسی ہے نقشا کیسا

خوبیاں لاکھ کسی میں ہوں تو ظاہر نہ کریں
لوگ کرتے ہیں بری بات کا چرچا کیسا

تیرے قربان کوئی دم یہی تکرار رہے
دل ہمارا ہے ہمارا ہے تمہارا کیسا

دیکھتے ہو طرف سنگ در آتے جاتے
مجھ کو دیکھو کہ ہوا ناصیہ فرسا کیسا

قیس و فرہاد کے قصے تو سنا کرتے تھے
داد دو اس کی کہ ہم نے تمہیں چاہا کیسا

ہم حقیقت میں سمجھتے ہیں اسے تکیہ کلام
آپ دل لے کے کہے جایئے کیسا کیسا

غیر کے غم میں وہ خاموش تھے میں نے پوچھا
جی ہے کیسا تو کہا تیرا کلیجہ کیسا

تم سلامت رہو ہر روز قیامت ہو گی
ہم بھی دیکھیں گے تماشے پہ تماشا کیسا

مجھ کو یہ شکوہ کہ اقرار وفا جھوٹا تھا
ان کو یہ ناز کیا ہم نے یہ وعدہ کیسا

جاں نثاروں کو نہ دیکھا یہ بہانہ رکھ کر
جان پر کھیلنے والوں کا تماشا کیسا

اے قیامت تجھے کیا آنکھ اٹھا کر دیکھوں
بس رہا ہے مری آنکھوں میں تماشا کیسا

مجھ سے بھی دل نہ لیا غیر سے بھی جان نہ لی
آگیا ہے یہ تمہیں اپنا پرایا کیسا

غیر کا ذکر وفا اور ہمارے آگے
داغ اس بات سے جلتا ہے کلیجا کیسا

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دلربا جاتا رہا — دل کی بھی پروا نہیں جاتا رہا جاتا رہا
جس توقع پر تھی اپنی زندگی وہ مٹ گئی — جو بھروسا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا
میں نے دیکھا ان کی زلفوں کو تو فرمانے لگے — آپ کا دل کھل پڑا گم ہو گیا جاتا رہا
دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے — ڈھونڈنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا
مرگ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال — دشمنی کا لطف شکووں کا مزا جاتا رہا
ہو سکے مطلب نگاری کیا پریشاں طبع سے — ذہن میں آتے ہی حرف مدعا جاتا رہا
اچھی صورت کی رہا کرتی ہے اکثر تاک جھانک — رہ گئیں آنکھیں مگر وہ دیکھنا جاتا رہا
دیکھو دیکھو مجھ پہ برساتے رہو تیز نگاہ — صید جس دم آنکھ سے اوجھل ہوا جاتا رہا
کس قدر ان کو فراق غیر کا افسوس ہے — ہاتھ ملتے ملتے سب رنگ حنا جاتا رہا
حرص دامن گیر دنیا مال دنیا بے ثبات — جس قدر حاصل کیا اس سے سوا جاتا رہا
اب کئی دن سے وہ رسم و راہ بھی موقوف ہے — ورنہ برسوں نامہ بر آتا رہا جاتا رہا

داغ کچھ درہم نہ تھا جس کا انہیں ہوتا ملال
ہو گیا گم ہو گیا جاتا رہا جاتا رہا

غیر کو منہ لگا کے دیکھ لیا — جھوٹ سچ آزما کے دیکھ لیا
ان کے گھر داغ جا کے دیکھ لیا — دل کے کہنے میں آ کے دیکھ لیا
کتنی فرحت فزا تھی بوئے وفا — اس نے دل کو جلا کے دیکھ لیا
کبھی غش میں رہا شب وعدہ — کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا
جنس دل ہے یہ وہ نہیں سودا — ہر جگہ سے منگا کے دیکھ لیا
لوگ کہتے ہیں چپ لگی ہے تجھے — حال دل بھی سنا کے دیکھ لیا

جاؤ بھی کیا کرو گے مہر و وفا
بارہا آزما کے دیکھ لیا

زخم دل میں نہیں ہے قطرۂ خوں
خوب ہم نے دکھا کے دیکھ لیا

ادھر آئینہ ہے ادھر دل ہے
جس کو چاہا اٹھا کے دیکھ لیا

ان کو خلوت سرا میں بے پردہ
صاف میدان پا کے دیکھ لیا

اس نے صبح شب وصال مجھے
جاتے جاتے بھی آ کے دیکھ لیا

تم کو ہے وصل غیر سے انکار
اور جو ہم نے آ کے دیکھ لیا

داغ نے خوب عاشقی کا مزا
جل کے دیکھا جلا کے دیکھ لیا

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا
وہ کافر صنم کیا خدا ہے کسی کا

دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا

ادھر آ کلیجے سے تجھ کو لگا لوں
تجھی پر تو دل آگیا ہے کسی کا

کسی کی تپش میں خوشی ہے کسی کی
کسی کی خلش میں مزا ہے کسی کا

ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ
مقدر بہت نارسا ہے کسی کا

ہمیشہ اسے ہم نے ٹلتے ہی دیکھا
مگر دل بھی رنگ وفا ہے کسی کا

مری بزم میں آ کے وہ پوچھتے ہیں
برا حال ہم نے سنا ہے کسی کا

ستم بھی کئے جاؤ ہم بھی ہیں حاضر
ہمیں حوصلہ دیکھنا ہے کسی کا

بچے جان کس طرح تیری ادا سے
قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا

مری التجا پر بگڑ کر وہ بولے
نہیں مانتے' اس میں کیا ہے کسی کا

وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں
یہ سچ ہے تو بس فیصلہ ہے کسی کا

سنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم
وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا

تمہیں اس سے کیا بحث کیوں پوچھتے ہو
کوئی تذکرہ ہو رہا ہے کسی کا

بظاہر نہ جانے نہ جانے نہ جانے
تجھے داغ دل جانتا ہے کسی کا

بتوں نے ہوش سنبھالا جہاں شعور آیا
بڑے دماغ بڑے ناز سے غرور آیا

اسے حیا ادھر آئی ادھر غرور آیا
مرے جنازے کے ہمراہ دور دور آیا

زباں پہ ان کے جو بھولے سے نام حور آیا
اٹھا کے آئینہ دیکھا وہیں غرور آیا

تمہاری بزم تو ایسی ہی تھی نشاط افزا
رقیب نے بھی اگر پی مجھے سرور آیا

کہاں کہاں دل مشتاق دید نے یہ کہا
وہ چمکی برق تجلی وہ کوہ طور آیا

تری زمیں کی گلی اور اس قدر پامال
مگر یہاں کوئی مشتاق و ناصبور آیا

جہاں میں لاکھ حسیں ہوں تو انکو رشک نہیں
قیامت آگئی جس وقت نام حور آیا

عدو کو دیکھ کے آنکھوں میں اپنے خون اترا
وہ سمجھے بادۂ گل رنگ کا سرور آیا

تری گلی میں رہی بازگشت مثل نفس
کہ جتنی دور گیا واپس اتنی دور آیا

قسم بھی وہ کبھی قرآن کی نہیں کھاتے
یہ رشک ہے انہیں کیوں اس میں ذکر حور آیا

پیام بر تری باتوں میں ہم کب آتے ہیں
وہاں ضرور گیا اور تو ضرور آیا

کہا جب اس نے تہہ تیغ کون آتا ہے
پکار اٹھا دل مشتاق و ناصبور آیا

پیام بر سے شب وعدہ وہ بگڑ بیٹھے
بنے بنائے ہوئے کام میں فتور آیا

کسی نے جرم کیا مل گئی سزا مجھ کو
کسی نے شکوہ کیا مجھ پہ منہ ضرور آیا

جو خم کو جوش تو ساغر کو آگیا چکر
مرے ہی دل کو نہ اس بزم میں سرور آیا

گذار دی شب وعدہ اسی توقع پر
مرے بلانے کو اب آدمی ضرور آیا

کہیں تھی راہ نمائی کہیں تھی راہ زنی
کہیں ملا کہیں میں کارواں سے دور آیا

لگاوٹیں ہیں تجلی کی یہ تو اے موسیٰ
کہ سرمہ بن کے جو آنکھوں میں کوہ طور آیا

الٰہی اشک مصیبت کی آبرو رکھنا
یہ بے کسی میں برے وقت پر ضرور آیا

خدا نے بخش دیئے حشر میں بہت عاشق
خیال یار میں کوئی نہ بے قصور آیا

ترے نصیب کا اے دل وہاں بھی صبر نہیں
جواب گیا وہ قیامت کے دن ضرور آیا

بنے ہو بزم میں ساقی تو یہ خیال رہے
کسے سرور نہ آیا کسے سرور آیا

شہید ناز بھی عاشق مزاج بھی میں ہوں
اسی لئے ملک الموت بن کے حور آیا

وہیں سے داغ سیہ بخت کو ملی ظلمت
جہاں سے حضرت موسیٰ کے ہاتھ نور آیا

کیا لطف ستم یوں انہیں حاصل نہیں ہوتا
غنچے کو وہ ملتے ہیں اگر دل نہیں ہوتا

دل کا کوئی حامی دم بسمل نہیں ہوتا
کمبخت کلیجا بھی تو شامل نہیں ہوتا

کچھ تازہ مزہ شوق کا حاصل نہیں ہوتا
ہر روز نئی آنکھ نیا دل نہیں ہوتا

انکار رہا خواب میں بھی وصل سے اس کو
معشوق کسی حال میں غافل نہیں ہوتا

ایسا تو نہ ہو حشر میں تکرار کی ٹھہرے
تو اپنی خطا پر کبھی قائل نہیں ہوتا

جس آئینے کو دیکھ لیا قہر سے اس نے
اس آئینے سے کوئی مقابل نہیں ہوتا

کیا عشق سے نفرت ہے کہ وہ پوچھ رہے ہیں
کوئی بھی وہ بستی ہے جہاں دل نہیں ہوتا

غمزہ بھی ہو سفاک نگاہیں بھی ہوں خونریز
تلوار کے باندھے سے تو قاتل نہیں ہوتا

انکار تو کرتے ہو مگر یہ بھی سمجھ لو
بے وجہ کسی سے کوئی سائل نہیں ہوتا

چلنے کا رہ دوست میں سامان نہیں بنتا
پہنچیں تو ٹھکانا سر منزل نہیں ہوتا

جس دن پئے گلگشت نکلتے ہیں وہ گھر سے
رکھتے ہی نہیں پاؤں جہاں دل نہیں ہوتا

کیا ناک میں دم ہے دل دشوار طلب سے
وہ کام بگڑتا ہے جو مشکل نہیں ہوتا

اب دل سے کھٹکتا ہے الگ خار تمنا
کھٹکے کی جگہ کوئی بھی شامل نہیں ہوتا

منزل پہ جو پہنچے تو ملے قیس کو لیلیٰ
ناقے سے جدا کیا کبھی محمل نہیں ہوتا

کھل کھیلیں وہیں آپ جہاں چار میں بیٹھے
یہ شرم یہ پردہ سر محفل نہیں ہوتا

میں اور شب تیرہ و صحرائے خطرناک
رہبر کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ہوتا

بن جاتے ہیں نادان وہ کیسے پئے تسکین
رکھتے ہیں وہاں ہاتھ جہاں دل نہیں ہوتا

میں دل سے بھی ہشیار جگہ سے بھی خبردار
جب آنکھ لگاتا ہوں تو غافل نہیں ہوتا

رکھ لوں ترے پیکاں کو کلیجے سے لگا کر
اپنا کبھی ہوتا ہے کبھی دل نہیں ہوتا

مرنے ہی پہ جب آئے تو کیوں ڈوب کے مریئے
کیا خاک میں مل جانے کو ساحل نہیں ہوتا

دیتے ہیں تجھے اہل ہوس نقد دل ایسا
جو تیرے غلاموں کے بھی قابل نہیں ہوتا

یہ داد ملی ان سے مجھے کاوش دل کی
جس کام کی عادت ہو وہ مشکل نہیں ہوتا

اے داغ کس آفت میں ہوں کچھ بن نہیں آتی
وہ چھینتے ہیں مجھ سے جدا دل نہیں ہوتا

جس نے ہمارے دل کا نمونہ دکھا دیا
اس آئینے کو خاک میں اس نے ملا دیا

معشوق کو اگر دل بے مدعا دیا
پوچھے کوئی خدا سے کہ عاشق کو کیا دیا

بے مانگے درد عشق و غم جاں گزا دیا — سب کچھ ہمارے پاس ہے اللہ کا دیا

ناوک ابھی ہے شست میں صیاد کے مگر — اٹھتے ہی انگلیاں وہ نشانہ اڑا دیا

رکھتے ہیں ایسے چاند کو تو غیر بھی عزیز — یوسف کو بھائیوں نے کنوئیں میں گرا دیا

ملتا ہے لخت دل مجھے سرکار عشق سے — اچھی جگہ نصیب نے ٹکڑا لگا دیا

صرف بنائے بتکدہ اے شیخ کچھ نہ پوچھ — اکثر اک اینٹ کے لئے مسجد کو ڈھا دیا

ملتے ہیں تیرے چاہنے والے میں تیرے ڈھنگ — جو تجھ پر مٹ گیا مجھے اس نے مٹا دیا

مضمون شوق چھپ نہ سکا اس کو کیا کروں — گو میں نے خط رقیب کے خط میں ملا دیا

دنیا میں اک یہی ہے زیارت گہہ جنوں — خانہ خرابیوں نے مرا گھر بنا دیا

لب خشک ہو رہے ہیں کف دست سرخ ہیں — لو سچ کہو کہ قول رقیبوں کو کیا دیا

تیر فراق داغ تمنا و رشک غیر — دل ہو جگر ہو کھاتے ہیں سب آپ کا دیا

پیکان یار سینے سے کیونکر نکال دوں — یہ ہے خدا کی دین کہ دل دوسرا دیا

تاحشر منکرین قیامت نہ مانتے — تجھ کو بنا کے اس کا نمونہ دکھا دیا

سمجھیں گے خوب اس بت ناآشنا سے داغ
گرا ایک بار اور خدا نے ملا دیا

انکار مے کشی نے مجھے کیا مزا دیا — سینے پہ چڑھ کے اس نے خم مے پلا دیا

ہر اک کو مستعار دل جلا دیا — یوں ہم نے اک زمانے کو عاشق بنا دیا

جو کچھ ہو اب تو دل تجھے اے بیوفا دیا — تقدیر نے بگاڑ دیا یا بنا دیا

آخر کو جوش گریہ نے اتنا اثر کیا — نقش مراد صفحہ دل سے مٹا دیا

احسان مانتا ہوں ستم ہائے غیر کا — بگڑا ہوا مزاج تمہارا بنا دیا

وہ نامراد لطف اسیری ہوں ہم صفیر
صیاد نے بھی مجھ کو چمن سے اڑا دیا

اپنی تو زندگی ہے تغافل کی وجہ سے
وہ جانتے ہیں خاک میں ہم نے ملا دیا

تھوڑی سی پی کے تلخئ مئی کا گلا رہا
جب منہ کو لگ گئی تو نہایت مزا دیا

وہ ناز سے زمین پہ رکھتے نہ تھے قدم
تعریف کرکے اور بھی ہم نے اڑا دیا

کام آگیا ہجوم رقیبوں کا بزم میں
اس فتنہ گر کی آنکھ سے مجھ کو چھپا دیا

تعریف جور اور پھر اس شد و مد کے ساتھ
میری زبان نے مجھے جھوٹا بنا دیا

یوں ہو گئی نجات یہ تدبیر بن پڑی
ناصح کو ہم نے غیر کے پیچھے لگا دیا

کوئی بھی طول روز جزا سے غرض نہ تھی
میری شب فراق کی ضد نے بڑھا دیا

یاروں کا میرا ساتھ ہے مانند براق و ابر
رویا کیا بہت مجھے جس نے ہنسا دیا

انسان جانتے تو نہ لکھتے وہ یہ جواب
کیا جانے نامہ بر نے مجھے کیا بتا دیا

کہلا رہے ہیں حاتم ثانی جناب شیخ
کیا جانے می فروش کو حضرت نے کیا دیا

بخشا گیا جو داغ سیہ کار دیکھنا
جنت کہے گی آگ لگا دی جلا دیا

❁

کچھ جو قاتل کا تبسم نمک افشاں ہوتا
کیا ہی پھیکا مرے زخموں سے نمکداں ہوتا

موت کا مجھ کو نہ کھٹکا شب ہجراں ہوتا
میرے دروازے پر گر آپ کا درباں ہوتا

گر مرے ہاتھ تری بزم کا ساماں ہوتا
میزباں میں کبھی ہوتا کبھی مہماں ہوتا

عشق تاثیر جو کرتا تو نہ پنہاں ہوتا
رنج میرا ترے چہرے سے نمایاں ہوتا

دین و دنیا کے مزے جب تھے کہ دو دل ہوتے
ایک میں کفر اگر ایک میں ایماں ہوتا

دل کو آسودہ جو دیکھا تو انہیں ضد آئی
اس سے بہتر تو یہی تھا کہ پریشاں ہوتا

خلد میں بند رہے عیش کے سامان بیکار
لطف جب تھا کہ یہ مجموعہ پریشاں ہوتا

بے نیازی جو ہوئی میری تمنا سے ہوئی
مجھ کو ارماں جو نہ ہوتا تجھے ارماں ہوتا

عشق کچھ کھیل نہیں اے دل آرام طلب
سیکھنا تھا تجھے وہ کام جو آساں ہوتا

کیا غضب ہے نہیں انسان کو انسان کی قدر
ہر فرشتے کو یہ حسرت ہے کہ انساں ہوتا

حشر کے روز تجھے پاس عدالت ہو گا
بخش دیتا جو یونہی جرم تو احساں ہوتا

ہم پڑھ لیتے ہیں کلمہ بت کافر سن لے
تو نے دیکھا ہی نہیں کوئی مسلماں ہوتا

اے فلک ہجر میں گھنگھور گھٹا چھائی ہے
دامن ابر بھی میرا ہی گریباں ہوتا

ذبح کے بعد مجھے لطف خلش رہ جاتا
کاش خنجر میں ترے تیر کا پیکان ہوتا

مرض عشق طبیبوں نے بہت الجھایا
آخر کار یہ آزار ہی درماں ہوتا

ایک مدت سے ہے عادت مجھے تنہائی کی
پاس فردوس کے سنسان بیاباں ہوتا

شکر کرتا ہوں ملی نعمت غم کھانے کو
آج فاقہ ہی مجھے اے شب ہجراں ہوتا

ہو گئی بار گراں بندہ نوازی تیری
تو نہ کرتا اگر احسان تو احساں ہوتا

بے تلاشی لئے رہتا نہ کبھی دست جنوں
گر مری جیب کے اندر بھی گریباں ہوتا

داغ کو ہم نے محبت میں بہت سمجھایا
وہ کہا مان لیتا اگر انساں ہوتا

دل پہ اضطراب نے مارا
اسی خانہ خراب نے مارا

میری آنکھوں سے ہے عیاں پس مرگ
نرگس نیم خواب نے مارا

دیکھ لینا کہ حشر کا میدان
میرے حاضر جواب نے مارا

یاد کرتے ہو غیر کے اشعار | ہائے اس انتخاب نے مارا
دل لگاوٹ نے کر دیا بسمل | اور پھر اجتناب نے مارا
جس کو ڈھونڈھا ملا نہ کعبے میں | ایسے خالی ثواب نے مارا
جان بچتی نظر نہیں آتی | اب نگاہ عتاب نے مارا
تھک گئے ہاتھ لکھتے لکھتے خط | اس سوال و جواب نے مارا
جا چکیں خلد میں کہ دوزخ میں | طول روز حساب نے مارا
وصل دیکھا اگر وصال ہوا | مجھ کو تعبیر خواب نے مارا
میری میت پر کیوں نہ برسے نور | غیرت آفتاب نے مارا
مجھ کو بے تاب دیکھ کر بولے | آپ کے اضطراب نے مارا

دیکھ کر جلوہ غش ہوئے موسیٰ
داغ مجھ کو حجاب نے مارا

❁

اس کعبہ دل کو کبھی ویراں نہیں دیکھا | اس بت کو کب اللہ کا مہماں نہیں دیکھا
کیا ہم نے عذاب شب ہجراں نہیں دیکھا | تم کو نہ یقیں آئے تو ہاں ہاں نہیں دیکھا
کیا تونے مرا حال پریشاں نہیں دیکھا | اس طرح سے دیکھا کہ مری جاں نہیں دیکھا
جب ہاتھ پڑا وصل میں شوخی سے کسی کا | پھر ہم نے گریباں کو گریباں نہیں دیکھا
ہم جیسے ہیں ایسا کوئی دانا نہیں پایا | تم جیسے ہو ایسا کوئی ناداں نہیں دیکھا
راحت کے طلبگار ہزاروں نظر آئے | محشر میں کوئی جور کا خواہاں نہیں دیکھا
نظروں میں سمایا ہوا سماں نہیں جاتا | لیلیٰ نے کبھی قیس کو عریاں نہیں دیکھا
اس بت کی محبت میں قیامت کا مزا ہے | کافر کو بھی دوزخ میں پشیماں نہیں دیکھا
کہتے ہو کہ بس دیکھ لیا ہم نے ترا دل | دل دیکھ لیا اور پھر ارماں نہیں دیکھا
کیا ذوق ہے کیا شوق ہے سو مرتبہ دیکھوں | پھر بھی یہ کہوں جلوہ جاناں نہیں دیکھا

محشر میں وہ نادم ہوں خدا یہ نہ دکھائے — آنکھوں نے کبھی ان کو پشیماں نہیں دیکھا

جو دیکھتے ہیں دیکھنے والے ترے انداز — تو نے وہ تماشا ہی مری جاں نہیں دیکھا

ہر چند ترے ظلم کی کچھ حد نہیں ظالم — پر ہم نے کسی شخص کو نالاں نہیں دیکھا

گو نزع کی حالت ہے مگر پھر یہ کہوں گا — کچھ تم نے مرا حال پریشاں نہیں دیکھا

تم غیر کی تعریف کرو قہر خدا ہے — معشوق کو یوں بندۂ احساں نہیں دیکھا

کیا جذب محبت ہے کہ جب سینے سے کھینچا — سفاک ترے تیر میں پیکاں نہیں دیکھا

ملتا نہیں ہم کو دل گم گشتہ ہمارا — تو نے تو کہیں اے غم جاناں نہیں دیکھا

جو دن مجھے تقدیر کی گردش نے دکھایا — تو نے بھی وہ اے گردش دوراں نہیں دیکھا

کیا داد ملے اس سے پریشانی دل کی — جس بت نے کبھی خواب پریشاں نہیں دیکھا

میں نے اسے دیکھا مرے دل نے اسے دیکھا — تو نے اسے اے دیدۂ حیراں نہیں دیکھا

تم کو مرے مرنے کی یہ حسرت یہ تمنا — اچھوں کو بری بات کا ارماں نہیں دیکھا

لو اور سنو کہتے ہیں وہ دیکھ کے مجھ کو — جو حال سنا تھا وہ پریشاں نہیں دیکھا

تم منہ سے کہے جاؤ کہ دیکھا ہے زمانہ — آنکھیں تو یہ کہتی ہیں کہ ہاں ہاں نہیں دیکھا

کیا عیش سے معمور تھی وہ انجمن ناز — ہم نے تو وہاں شمع کو گریاں نہیں دیکھا

کہتی ہے مری قبر پہ رو رو کے محبت — یوں خاک میں ملتے ہوئے ارماں نہیں دیکھا

کیا پوچھتے ہو کون ہے کس کی ہے یہ شہرت
کیا تم نے کبھی داغ کا دیواں نہیں دیکھا

تو ہے مشہور دل آزار یہ کیا؟ — تجھ پر آتا ہے مجھے پیار یہ کیا؟

جانتا ہوں کہ مری جان ہے تو! اور میں جان سے بیزار یہ کیا؟
پاؤں پر ان کے گرا میں تو کہا دیکھ ہشیار خبردار یہ کیا؟
تیری آنکھیں تو بہت اچھی ہیں! سب انہیں کہتے ہیں بیمار یہ کیا؟
کیوں مرے قتل سے انکار یہ کیوں؟ اس قدر ہے تمہیں دشوار یہ کیا؟
سر اڑاتے ہوں وہ تلواروں سے کوئی کہتا نہیں سرکار یہ کیا؟
ہاتھ آتی ہے متاع الفت ہاتھ ملتے ہیں خریدار یہ کیا؟
خوبیاں کل تو بیاں ہوتی تھیں آج ہے شکوۂ اغیار یہ کیا؟
لے لئے ہم نے لپٹ کر بوسے وہ تو کہتے رہے ہر بار یہ کیا؟
وحشت دل کے سوا الفت میں اور ہیں سینکڑوں آزار یہ کیا؟
ضعف رخصت نہیں دیتا افسوس سامنے ہے در دلدار یہ کیا؟

باتیں سنئے تو پھڑک جایئے گا
گرم ہیں داغ کے اشعار یہ کیا؟

روکتا دل کو کہ شوق زلف دلبر لے چلا تھامتا مجھ کو کہ یہ سودا مرا سر لے چلا
اس کی محفل سے کہوں کیا دل کو کیونکر لے چلا ہار کر اک بار چھوڑا پھر مکرر لے چلا
نالہ چن کر دل کی باتیں دل سے باہر لے چلا یہ بشارت یہ خبر یہ مژدہ گھر گھر لے چلا
باندھ کر مشکیں خیال زلف دلبر لے چلا سانپ کے منہ میں مرا مجھ کو مقدر لے چلا
چل دیا وہ شعبدہ گر میں یہی کہتا رہا اس کو لیتا وہ کوئی دل کو چرا کر لے چلا
ابر رحمت کا ہوا اہل جہنم کو گماں سوئے دوزخ میں جو اپنا دامن تر لے چلا

وہ سدھارے اپنے گھر مجھ کو رہی کشمکش
ضبط نے کھینچا ادھر دل سوئے دلبر لے چلا

رشک دشمن نے مجھے آنکھیں دکھائیں دور سے
شوق نظارہ جو سوئے روزن در لے چلا

دل کی باتیں دل ہی جانے بیخودی شوق میں
کس طرح لایا خدا جانے یہ کیونکر لے چلا

پھر بلایا پھر کہا کچھ پھر اسے رخصت کیا
نامہ بر جب حسرتوں کا مرے دفتر لے چلا

کیا ہوا اس سخت جاں سے ہو گئی قاتل کو لاگ
چھانٹ کر دس بیس میں جو ایک خنجر لے چلا

سینکڑوں مہر شہادت ہیں مرے داغ گناہ
میں عدم کو خود بنا کر اپنا محضر لے چلا

آدمی کی کیا ہے طاقت جو ہوا کا ساتھ دے
ٹھوکریں کھا کر گرا جب مجھ کو رہبر لے چلا

خوب رضواں سے در فردوس پر جھگڑے ہوئے
جب بت کافر کو میں دل میں چھپا کر لے چلا

کاتب اعمال سے محشر میں ہو گی گفتگو
اس لئے میں آپ اپنا حال لکھ کر لے چلا

کوئی دامن گیر تھا کوئی گریباں گیر تھا
اس کو اپنے ساتھ جب میں روز محشر لے چلا

پوری اترے یہ قیامت سے نہیں مجھ کو امید
ایک ڈورا میں ترے قد کے برابر لے چلا

بار عصیاں کس قدر ہے آدمی جزو ضعیف
یہ گرا دے گا جو اتنا بوجھ سر پر لے چلا

آنسوؤں کا قافلہ چلنے لگا نالے کے ساتھ
یہ جرس آواز پر اپنی لگا کر لے چلا

اس کی چتون پھرتے ہی محفل میں ہلچل پڑ گئی
مضطرب کو مضطرب مضطر کو مضطر لے چلا

منزل مقصود تک پہنچے بڑی مشکل سے ہم
ضعف نے اکثر بٹھایا شوق اکثر لے چلا

وائے قسمت اب نہ آئے گا نہ لائے گا جواب
لے چلا خط بھی تو صیدی کا کبوتر لے چلا

یہ حسیں یہ مہ جبیں یہ شہر ایسی لہر بہر
داغ کلکتے سے لاکھوں داغ دل پر لے چلا

کس نے کہا کہ داغ وفادار مر گیا
وہ ہاتھ مل کے کہتے ہیں کیا یار مر گیا

دام بلائے عشق کی وہ کشمکش رہی
اک اک پھڑک پھڑک گرفتار مر گیا

میرے ہی دم سے زندہ ہے آزار عشق کا
میں مر گیا اگر تو یہ آزار مر گیا

محجوب کر نہ جرم فغاں پر کہ لطف کیا
شرم گناہ سے جو گنہگار مر گیا

بیداد گر کو رہ گئی کیا حسرت ستم
جب اپنی موت کوئی دل افگار مر گیا

بدتر ہے موت سے بھی زیادہ یہ زندگی
وہ جی گیا جو عشق کا بیمار مر گیا

ہے تیرے جنس حسن میں تاثیر زہر کی
جس کی نظر پڑی وہ خریدار مر گیا

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں پس مرگ اس لئے
جانے کوئی کہ طالب دیدار مر گیا

جس سے کیا آپ نے اقرار جی گیا
جس نے سنا ہے آپ سے انکار مر گیا

پس بے کسی سے داغ نے افسوس جان دی
پڑھ کر ترے فراق کے اشعار مر گیا

❀

جگر کو تھام کے میں بزم یار سے اٹھا
ہر اک قرار سے بیٹھا قرار سے اٹھا

ہمارے دل نے وہ تنہا اٹھا لیا ظالم
ترا ستم جو نہ اک روزگار سے اٹھا

ہوا نہ پھر کہیں روشن یہ رشک تو دیکھو
کوئی چراغ جو میرے مزار سے اٹھا

شب فراق اجل کی بہت دعا مانگی
جگر میں درد بڑے انتظار سے اٹھا

ہوا ہے خون کے چھینٹوں سے پیرہن گلزار
ترے شہید کا لاشہ بہار سے اٹھا

ہمارے خط میں وہ مضمون سرگرانی تھا
کہ ایک حرف نہ اس گلعذار سے اٹھا

تمہارے جھوٹ نے بے اعتبار سب سے کیا
کہ جیسے ایک سے اٹھا ہزار سے اٹھا

اسی کے راہ گذر میں لگائے سو چکر — جو گرد باد ہمارے غبار سے اٹھا

گلہ رقیب کا سن کر جھکی رہیں آنکھیں — حجاب کب نگہ شرمسار سے اٹھا

ترس رہے تھے شرابی کہ انگلیاں اٹھیں — وہ ابر رحمت پروردگار سے اٹھا

کسی نے پائے حنائی جو ناز سے رکھا — بھڑک کے شعلہ ہمارے مزار سے اٹھا

رہی وہ حسرت دنیا کہ صبح محشر بھی — میں اپنے ہاتھ کو ملتا مزار سے اٹھا

نہ چھوڑتا اگر ان کے قدم وہ کیوں جاتے — مگر نہ ہاتھ دل بے قرار سے اٹھا

وہ فتنہ فتنہ ہے وہ حشر حشر ہے یارب — جو بزم یار سے جو کوئے یار سے اٹھا

تم اپنے ہاتھ سے دو پھول غیر کو چن کر — یہ داغ کب دل امیدوار سے اٹھا

عدو کی بزم میں دیکھو تو داغ کے تیور
ذلیل ہو کے بڑے افتخار سے اٹھا

دل مبتلائے لذت آزار ہی رہا — مرنا فراق یار میں دشوار ہی رہا

ہر دم یہ شوق تھا اسے قربان کیجیے — میں وصل میں بھی جان سے بیزار ہی رہا

احسان عفو جرم سے وہ شرمسار ہوں — بخشا گیا میں تو بھی گنہ گار ہی رہا

ہوتی ہیں ہر طرح سے مری پاسداریاں — دشمن کے پاس بھی وہ مرا یار ہی رہا

ان پہلوؤں سے ٹال دیا کچھ نہ کہہ سکے — ہر چند ان کو وصل کا انکار ہی رہا

زاہد کی توبہ توبہ رہی گھونٹ گھونٹ پر — سو بوتلیں اڑا کے بھی ہشیار ہی رہا

دیکھیں ہزار رشک مسیحا کی صورتیں — اچھا رہا جو عشق کا بیمار ہی رہا

صدقے میں تم نے چھوڑ دیے ہیں بہت اسیر — میں بھی رہا ہوا کہ گرفتار ہی رہا

لذت وفا میں ہے نہ کسی کی جفا میں ہے ولدار ہی رہا نہ دل آزار ہی رہا
جلوہ کے بعد وصل کی خواہش ضرور تھی وہ کیا رہا جو عاشق دیدار ہی رہا

بکتے ہیں جل کے غیر محبت سے داغ کی
معشوق اس کے پاس وفادار ہی رہا

حشر میں بھی مبتلا اس پر جہاں ہو جائے گا جو یہاں ہوتا ہے وہ اک دن وہاں ہو جائے گا
دل سے بھی باتیں نہیں کرتا کبھی میں اس لئے وہ ستمگر بدگماں یہ راز داں ہو جائے گا
آستیں سے پونچھ لے بہتے ہوئے آنسو مرے ہاتھ تیرا مجھ پہ اے قاتل رواں ہو جائے گا
ان کے گھر سے جب بگڑ کر میں چلا تو یہ کہا آپ کے جانے سے کیا سونا مکاں ہو جائے گا
حسن تیرا عشق میرا ہے بلائے روزگار آفت آجائے گی یہ چرچا جہاں ہو جائے گا
دل کو مدت میں کیا تھا خوگر طرز ستم کیا خبر تھی وہ یکایک مہرباں ہو جائے گا
چپ رہوں میں حشر میں یہ آپ نے اچھی کہی ہو سکے گا حال دل جتنا بیاں ہو جائے گا
سخت جانی تیرے تیروں کو رولائے گی لہو ہر لب سوفار چشم خوں فشاں ہو جائے گا
دیکھ لینا آرزوئے وصل میں میرا وصال بیٹھے بیٹھے یونہی اک دن ناگہاں ہو جائے گا

داغ کہ ہم یہ نہ سمجھے تھے کہ تیرے عشق میں
ہائے ایسا شخص یوں بے خانماں ہو جائے گا

ارمان بھرے دل کا نہ یوں نام نکلتا ناکامی جاوید سے بھی کام نکلتا

گر سلسلہ نامہ و پیغام نکلتا
تو اے دل ناکام بڑا کام نکلتا

وہ چپ ہی رہے ورنہ مرے ذکر وفا پر
تعریف میں بھی پہلوئے دشنام نکلتا

ہوتا ہے حسینوں کا یہی وقت نمائش
ورنہ مہ کامل نہ سرشام نکلتا

وہ کاش مرے قتل کو آتے مگر آتے
ارمان تو اے گردش ایام نکلتا

فرہاد کو آتی نہ کبھی سینہ خراشی
گر لاکھ برس ہاتھ سے یہ کام نکلتا

معلوم نہ تھا یوں تری باتوں میں گھاتیں
آغاز میں کیا عشق کا انجام نکلتا

کیا حضرت زاہد ہی بنے پیر مغاں آج
میخانہ سے باہر نہیں اک جام نکلتا

گھبرا کے نکلتا نہ ترا ناوک دلدوز
پہلو میں اگر گوشہ آرام نکلتا

آنکھوں میں تو رہتی ہیں وہ کاجل بھری آنکھیں
آنکھوں سے نہ کیوں خون سیہ فام نکلتا

دشمن کی ندامت نے انہیں پیار دلایا
اے کاش مرے ذمے بھی الزام نکلتا

پیغام برا! اس شوخ کو لا' یا مجھے لے چل
خالی تری باتوں سے نہیں کام نکلتا

اے داغ سناتے غزل اس شوخ کو ہم بھی
گر شعر کوئی قابل انعام نکلتا

ہے رشک کہ اغیار کو دیکھا اسے دیکھا
ہر چشم خریدار کو دیکھا اسے دیکھا

تصویر رخ یار کو دیکھا اسے دیکھا
خورشید پرانوار کو دیکھا اسے دیکھا

مشتاق سے کھل جاتے ہیں محبوب کے انداز
جب طالب دیدار کو دیکھا اسے دیکھا

حیرت سے ترے دیکھنے والے کی ہے یہ شکل
جس شخص نے دیوار کو دیکھا اسے دیکھا

کیا فتنہ محشر میں ہے جو اس میں نہیں ہے
ظالم تری رفتار کو دیکھا اسے دیکھا

دیکھانا!! اسے دیکھ کے ہوش اڑ گئے تیرے! / ناصح بت عیار کو دیکھا اسے دیکھا

کہہ دے ارنی گو سے کوئی جا کے سرِ طور / گر شعلہ رخسار کو دیکھا اسے دیکھا

عاشق کو یونہی دیکھتے ہیں دیکھنے والے / ہر مرتبہ تلوار کو دیکھا اسے دیکھا

وہ آنکھ دکھائیں یہ تمنا نہیں ہم کو / جیسے کسی بیمار کو دیکھا اسے دیکھا

آنکھ اپنی لڑی رہتی ہے محفل میں ہر اک سے / بے تاب جو دو چار کو دیکھا اسے دیکھا

اے داغ اسی شوخ کے مضمون بھرے ہیں
جس نے مرے اشعار کو دیکھا اسے دیکھا

دیکھ لے گا یہ مزا حشر میں جو جائے گا / آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

کیا مرے قتل کا یوں پردہ نہ ہو جائے گا / بیٹھ کر اہل عزا میں کوئی رو جائے گا

لے کے دل دو گے تو دو پھر مجھے ہو جائے گا / آپ جو حکم کریں گے وہی ہو جائے گا

چین آئے اسے تکیہ ترے سر کا بن کر / کاٹ ڈالوں گا مرا ہاتھ جو سو جائے گا

غیر آیا ہے عیادت کو اگر آنے دو / وہ بھی کم بخت مری جان کو رو جائے گا

آسماں ہو کہ زمانہ ہو غرض کوئی ہو / تم جسے دوست بنا لو گے وہ ہو جائے گا

نامہ بر دیدۂ بیدار ہمارا لے جا / یہ تو جاگے گا جو تو راہ میں سو جائے گا

کیوں نگہبان بنے آپ پرائے دل کے / مفت کا مال ہے کھو جائے جو کھو جائے گا

حشر تک بات نہ جائے گی جو تم چاہو گے / گھر کا گھر ہی میں ابھی فیصلہ ہو جائے گا

کہہ گیا ساقی سرشار یہ چلتے چلتے / آپ جو رنگ میں ڈوبے گا ڈبو جائے گا

یہ وہ حالت ہے کہ ہنستوں کو رلا دیتی ہے / جو ہنسانے مجھے آئے گا وہ رو جائے گا

فیصلہ آج کئے لیتے ہیں جو کچھ ہو جائے — نہ سہی ان سے خوشی رنج تو ہو جائے گا
روز جمتی ہیں صفیں نامہ بروں کی بیکار — نہیں جمتا وہ مرے ذہن میں جو جائے گا
خط کی لوں نقل کہ قاصد کی اتاروں تصویر — یہ بھی گم ہو گا مرا نامہ بھی کھو جائے گا
وصل کے باب میں کی عرض تو ہنس کر بولے — کیوں مرے جاتے ہو ہو جائے گا ہو جائے گا

اغ تم داغ جدائی کے گلے کرتے ہو
چار چھینٹوں میں وہ چلتے ہوئے دھو جائے گا

رکے جو کام تو بے داد رس نہیں چلتا — پرائے بس میں ہے کچھ اپنا بس نہیں چلتا
ہمارے سینے میں پہروں نفس نہیں چلتا — جب اس نے روک دیا کہہ کے بس! نہیں چلتا
دکھائیں کوچہ قاتل میں جان نثاروں کو — ہمارے ساتھ کبھی ابولہوس نہیں چلتا
بہت ہمارے پھڑکنے سے تنگ ہے صیاد — کہ چار دن سے زیادہ قفس نہیں چلتا
گذر گئے ہیں جو دن پھر نہ آئیں گے ہرگز — کہ ایک چال فلک ہر برس نہیں چلتا
مریض غم سے چلے پیش کیا طبیبوں کی — بغیر حکم الٰہی نفس نہیں چلتا
وہ شہسوار بہت اپنے دل میں حیراں ہے — کہ میری خاک سے آگے فرس نہیں چلتا
وہ بدگماں ہے وہ ہے نازنیں مرا صیاد — کہ اپنے ہاتھ میں لے کر قفس نہیں چلتا
کبھی ادھر تو کبھی ہے ادھر وہ شاہسوار — یہ بانکپن ہے کہ سیدھا فرس نہیں چلتا

ملے جو داغ تو کیسا بنائیں ٹھیک اسے
ہزار کوس سے کچھ ان کا بس نہیں چلتا

ایک ہی شکوے میں سامان وصل کا برہم ہوا
کیا ہنسی میں رنج پھیلا کیا خوشی میں غم ہوا

حال میرا دوسرا گویا مزاج یار ہے
یہ سنبھالے سے نہ سنبھلے گا اگر برہم ہوا

ناامیدی تیرے صدقے تو نے دی راحت مجھے
کم ہوا جب ایک ارماں ایک دشمن کم ہوا

بے اثر ہو تو بھی طوفاں ہو نہیں دریا تو ہو
حسرت اس آنسو پہ ہے جو قطرۂ شبنم ہوا

چارۂ درماں سے بھی رہ رہ کے ابھری دل کی چوٹ
تھوڑے تھوڑے لطف سے بھی درد دل کا کم ہوا

آگے آگے رنگ لائے گا ابھی مضمون غم
نامہ بر کہتا ہے اک اک لفظ پر ماتم ہوا

درد دل معشوق کا غصہ نہیں اے چارہ گر
یہ نہ بڑھ کر کم ہوا جب کم ہوا تو سم ہوا

صبح ہجراں میں ادھر غمگیں ادھر ان کا یہ حال
آئینے سے کہتے ہیں یہ کیا مرا عالم ہوا

داغ پھر اس آفت جاں سے بڑھائی رسم و راہ
پہلے تھوڑا رنج پایا؟ پہلے تھوڑا غم ہوا

کہو جب تم یہ ہے بیمار میرا
تو کیونکر دور ہو آزار میرا

یہ ہے دل باعث آزار میرا
یہ ہے غم خوار میرا یار میرا

پیام شوق بھی قاصد ادا ہو
نہ آئے نام بھی زنہار میرا

برائی میں بھی ہو گا کوئی مطلب
وہ کرتے ذکر کیوں ہر بار میرا

مجھے کوسیں بلا سے گالیاں دیں
مگر وہ نام لیں ہر بار میرا

کہوں گا حشر میں یہ کون میں کون
مزا دے جائے گا انکار میرا

خدا اے حشر کے دن وہ پکارے
کہاں ہے طالب دیدار میرا

قیامت ہے سنے وہ سر جھکائے
خدا کے سامنے اظہار میرا

مجھے تم جانتے ہو داغ ہوں میں
کہیں جاتا ہے خالی وار میرا

❁

جب جوانی کا مزا جاتا رہا زندگانی کا مزا جاتا رہا
وہ قسم کھاتے ہیں اب ہر بات پر بدگمانی کا مزا جاتا رہا
داستان عشق جب ٹھہری غلط پھر کہانی کا مزا جاتا رہا
خواب میں تیری تجلی دیکھ لی لن ترانی کا مزا جاتا رہا
مٹ گئی اب داغ فرقت کی جلن اس نشانی کا مزا جاتا رہا
چھٹ سکے برسات میں کیونکر شراب سرد پانی کا مزا جاتا رہا
درد نے اٹھ کر اٹھایا بزم سے ناتوانی کا مزا جاتا رہا
غیر پر لطف و کرم ہونے لگا مہربانی کا مزا جاتا رہا
کوئی تجھ پر غرض ہوتا نہیں جاں فشانی کا مزا جاتا رہا
آپ وہ اپنے نگہباں بن گئے پاسبانی کا مزا جاتا رہا
دوسرا کوئی نہ تجھ سا بن سکا نقش ثانی کا مزا جاتا رہا
جب شراب کہنہ میں پانی ملا اس پرانی کا مزا جاتا رہا
دوسرا پورا پڑا قاتل کا ہاتھ سخت جانی کا مزا جاتا رہا
نامہ بر نے طے کئے سارے پیام منہ زبانی کا مزا جاتا رہا
کوئی دن کی اب ہوا کھاتے ہیں ہم دانے پانی کا مزا جاتا رہا

داغ ہی کے دم سے تھا لطف سخن
خوش بیانی کا مزا جاتا رہا

وہ جانا پھیر کر چتون کسی کا — ہمارے ہاتھ میں دامن کسی کا
غبار آلود ہیں پائے حنائی — مٹا کر آئے ہیں مدفن کسی کا
زمانے کے چلن سیکھے ہیں تونے — کسی کا دوست ہے دشمن کسی کا
دل ویراں کو جب دیکھا تو بولے — یہ ہے اجڑا ہوا مسکن کسی کا
کہا غنچے سے مرجھا کر یہ گل نے — ہمیشہ کب رہا جوبن کسی کا
پڑا تھا ہائے کس کمبخت کے ہاتھ — کہ ہے نکلا ہوا دامن کسی کا
کلیجا تھام لو گے جب سنو گے — نہ سنوائے خدا شیون کسی کا
گرے گی طور پر اک اور بجلی — چمکتا ہے رخ روشن کسی کا
گئے وہ جانب گور غریباں — برابر ہو گیا مدفن کسی کا
مرے ماتم میں وہ آئیں تو کہتا — کریں غم آپ کے دشمن کسی کا
کسی کا دم نکلتا ہے کسی سے — کسی پر حال ہے روشن کسی کا
تجلی روزن دل سے عیاں ہے — جھروکے سے ہوا درشن کسی کا

وہ پہروں دیکھتے ہیں داغ کے داغ
کسی کی سیر ہے گلشن کسی کا

گیا ہے عرش معلی پہ شور نالوں کا — خدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا
انہیں جو بحث قیامت سے ہے قیامت کی — عجیب حال دگرگوں ہے پائمالوں کا
وہ اپنا دست حنائی رکھتے ڈرتے ہیں — علاج کون کرے میرے دل کے چھالوں کا
اسی سے پرسش اعمال ہو گئی پہلے — جواب سہل نہیں تھا مرے سوالوں کا

فلک پر شمس و قمر ہیں زمیں پہ لالہ و گل — مگر جواب کہاں ہے تمہارے گالوں کا
کہا یہ برق تجلی سے طور نے جل کر — ہمارا کیا ہے یہ حصہ ہے، خوش جمالوں کا
ہر ایک مار سیہ زلف و گیسو و کاکل — تمہارے بال ہیں یا کھیت ہے یہ کالوں کا
کہیں نہیں تری درگاہ کے سوا یا رب — فلک زدوں کا ٹھکانا تباہ حالوں کا

وہ پھول والوں کا میلا وہ سیر یاد ہے داغ
وہ روز جھرنے پہ جمگھٹ پری جمالوں کا

بزم سے آخر شب ہے جام شراب — شام غربت ہوئی، ساقی سحر جام شراب
مست و سرشار کو سرشار سنبھالے کیا خاک — نہ تھمی دست سبو سے کمر جام شراب
کثرت مجمع اغیار سے محروم رہا — نہ ہوا بزم میں مجھ تک گذر جام شراب
محتسب دے گا جواب اپنے ستم کا تو کیا — کل جو کوثر پہ ہوا داد گر جام شراب
یہ بھی اے محتسب اس لال پری کا ہے اثر — اڑ کے پہنچی ہے جو تجھ تک خبر جام شراب
خون روئے گا مری پیاس سے یہ اے ساقی — کوئی پتھر کا نہیں ہے جگر جام شراب
بزم دشمن میں رہے آپ تو صوفی بن کر — سرخ آنکھوں میں کہاں ہے اثر جام شراب
مئے گلرنگ بنا ہجر میں خونابہ دل — چشم ناسور ہوئی چشم تر جام شراب

نہیں، معلوم کہ اے داغ ہے تو کس دھن میں
نہ تلاش بت مہوش نہ سر جام شراب

میرے ہی دم سے مہرِ وفا کا نشان ہے اب — تجھ سا اگر نہیں ہے تو مجھ سا کہاں ہے اب

اک اک گھڑی ہے وعدے کی اک اک برس مجھے
تم دو گھڑی کہو مرے ورد زباں ہے اب

کیا مر گیا ہوں دیکھ اے چارہ گر مجھے
ان کی زباں سے میری وفا کا بیاں ہے اب

آخر یہ ہو گیا دہن تنگ کا جواب
گنجائش اپنی آپ کے دل میں کہاں ہے اب

اس حال کو پہنچ گئیں دل کی خرابیاں!
تیرا مکاں ہے اب نہ خدا کا مکاں ہے اب

باقی ہے آدھی رات مگر اس کا کیا جواب
گھبرا کے وہ یہ کہتے ہیں وقت اذاں ہے اب

سینے سے میرے دست تسلی اٹھایئے
یہ بھی دل نحیف کو بار گراں ہے اب

دیکھو ذرا سی شرم نے سب کچھ مٹا دیا
وہ آنکھ وہ نگاہ وہ چتون کہاں ہے اب

بعد فنا بھی اور مکدر کیا اسے
میرا غبار میرے لئے آسماں ہے اب

میں کیا کہ اس نے غیر کو روکا ہے بارہا
چلتا ہوا رقیب سے بھی پاسباں ہے اب

کیا لطف دوستی کہ نہیں لطف دشمنی
دشمن کو بھی جو دیکھئے پورا کہاں ہے اب

اس دور میں نصیب کہاں عیش جاوداں
غم بھی اگر ملے تو وہی ارمغاں ہے اب

قاصد کی خاک آئی ہے اڑ کر ہوا کے ساتھ
ہر پرزہ پرزہ نامہ کا برگ خزاں ہے اب

یہ کیا کہا کہ حشر کے دن آزمائیں گے
میں خوب جانتا ہوں مرا امتحاں ہے اب

لو اور سنئے شکوۂ وصل رقیب پر
وہ صاف صاف کہتے ہیں فرصت کہاں ہے اب

لاہے مجھ کو بخت رسا بزم عیش میں
مجھ سے ڈرو کہ دوست مرا آسماں ہے اب

تم کو یقیں نہیں تو اس کا کیا علاج
کمبخت داغ تم سے بہت بدگماں ہے اب

عالم یاس میں گھبرائے نہ انسان بہت
دل سلامت ہے تو حسرت بہت ارمان بہت

قتل ہونے نہ دیا شکر جفا نے مجھ کو
کام آتے ہیں برے وقت میں اوسان بہت

غیر کے واسطے سب طرز ستم بھول گئے
کچھ دوا کیجئے ہے آپ کو نسیان بہت

ہو گیا روز کے صدموں سے کلیجہ پتھر
نکلے ٹوٹے ہوئے قاتل ترے پیکان بہت

کاش دو چار ہزاروں میں تو ہوں کافر عشق
ہم نے کعبے میں بھی دیکھے نہ مسلمان بہت

سر اٹھاتا نہیں تو شرم جفا سے ظالم
یا کئے ہیں کسی کمبخت نے احسان بہت

تم کہ بیداد کرو اور نہ شرماؤ ذرا
ہم کہ ناکردہ گنہ اور پشیمان بہت

حسرتیں روز نئی دل میں بھری جاتی ہیں
تھوڑے تھوڑے بھی ہوئے جاتے ہیں مہمان بہت

سوچئے دل میں تو ہے عشق نہایت دشوار
نہ سمجھئے تو یہی کام ہے آسان بہت

وعدہ کرتے ہی پلٹ جاؤ ہم اس سے خوش ہیں
دل غمگیں کو خوشی کی تو ہے اک آن بہت

دل کس طرح بھلاؤں تجھے اے پردہ نشیں
بیخودی میں بھی تو رہتا ہے ترا دھیان بہت

رنگ لائے گا ترا دست حنائی کافر
ایک دن لائیں گے اس ہاتھ پر ایمان بہت

حسرتیں لے تو چلی روح عدم کو لیکن
اس مسافر سے چلے گا نہ یہ سامان بہت

نہ ہوئی بات میں اے حضرت واعظ تاثیر
یہ مسلّم کہ پڑھا آپ نے قرآن بہت

بزم احباب میں اے داغ کبھی تو ہنس بول
دیکھتے ہیں تجھے ہر وقت پریشاں بہت

تری گلی سے گو ہو صبا یا نسیم بند
ہو گی نہ بوئے کاکل عنبر شمیم بند

گو ان کے گھر سے ہو گئے میرے ندیم بند
رکھتا نہیں ہے کام کسی کا کریم بند

ہو گا دم اخیر بھی لب پر مرے الم
ہو گی زبان پڑھ کے الف لام میم بند

بخشے گئے تو حشر میں ہم سیر میں رہے — آخر کو ہو گئے در خلد نعیم بند

جو خود نہ کھا سکے وہ کھلائے کسی کو کیا — رہتا ہے رات دن در گنج لیم بند

قاتل کی طرز نیم تبسم اڑائی ہے — لب نیم وا ہیں زخم جگر کے تو نیم بند

ایسی سنی ہیں ہم نے بہت لن ترانیاں — روکے سے کب ہوئی ہے زبان کلیم بند

روکے سے کوئی رکتی ہیں مژگاں درفشاں — باندھے سے بھی نہ ہو کبھی دست کریم بند

چوری سے کوئی رات کو نکلا ہے دیکھئے — دروازہ گھر کا نیم ہے وا، اور نیم بند

ہم بحر اشک روک کے رکھتے ہیں آنکھ میں — کوئی کرے تو کوزے میں دریا حکیم بند

یوں میرے دل میں گھر کئے رہیں تیری حسرتیں — ہو جائے جیسے قلعے میں فوج غنیم بند

اے داغ ان سے جور و جفا کا گلا عبث
تیرے کہے سے ہو گی نہ رسم قدیم بند

جواب وصل نکلا آپ کے منہ سے نہیں بن کر — شکایت بھی یہاں آئی تو لب پر آفریں بن کر

مکدر ہم کو رکھنا تھا تو یوں اے چرخ رکھنا تھا — کدورت دل میں رہتی اس کے کوچے کی رہیں بن کر

جو کرتے پیروی مجنوں کی ہم کیا ہم کو سودا تھا — مگر وہ دل میں بیٹھا لیلیٰ محمل نشیں بن کر

رموز عشق سے واقف نہیں وہ سچ کہا قاصد — وہی دانا سہی چھٹ جائیں گے بھولے ہمیں بن کر

خیال نازکی سے کوئی نالے کر نہیں سکتا — ہزاروں آفتوں سے بچ گئے تم نازنیں بن کر

یہاں ہم بدنصیبوں کے جو حصے میں نہیں آتی — الٰہی رہ گئی کیا خوبی قسمت وہیں بن کر

شراب عشق کی ہم نے عجب تاثیر دیکھی ہے — بگڑ کر یہ کہیں دیتی ہے کیفیت کہیں بن کر

کدورت سے بری ہے جو محبت پاک ہوتی ہے — یہی وہ عطر ہے جو روح ٹھہرا لے زمیں بن کر

نہیں ہوتا اثر خجلت سے لب تک آ نہیں سکتی — رہی ہے آہ سینے میں نگاہ شرمگیں بن کر
خراش سینہ سے یہ دست وحشت گل کھلا دیتا — بگاڑا جیب نے جیب آستیں نے آستیں بن کر
کوئی معشوق سے ایسی زبردستی بھی کرتا ہے — کہ تیرا نام چھپتا ہے مرے دل میں نگیں بن کر
تمہارے لب کے آگے خندۂ گل کا یہ نقشہ ہے — کہ جس صورت کوئی بد شکل اترائے حسیں بن کر
عتاب آلودہ چہرے کی ادا پر لوٹ ہوں قاتل — میرے دل پر چھری پھرتی تری چیں جبیں بن کر

یہ سنتے ہی رہا اک شور برپا ان کی محفل میں
گئے تھے رات کو کیا داغ دیوانے تمہیں بن کر

مٹ گئے عشق میں گھر سیکڑوں ویراں ہو کر — پھر گئی آنکھ تری گردش دوراں ہو کر
کیوں نہ مر جایئے اس چھیڑ پہ قرباں ہو کر — دل میں چبھتی ہے تمنا تری مژگاں ہو کر
جب کہیں جاتے ہو آتے ہو پشیماں ہو کر — تم کو جانا نہیں آتا ابھی مہماں ہو کر
اس کو حسرت نہ رہے دشمن ایماں ہو کر — کوئی دن دیکھ لو اے داغ مسلماں ہو کر
ہم تو اس داغ کے قائل ہیں جو چمکے تا حشر — دل کے پردے میں چراغ تہ داماں ہو کر
درد سر ہونے لگا سن کے زیادہ تعریف — اٹھ گئے آج وہ محفل سے پریشاں ہو کر
سانس بیتاب قدم تیز پریشاں نظر — آئے ہو کیا طرف گور غریباں ہو کر
بخیہ گر عیسیٰؑ مریم ہو تو کیا کام مجھے — غیر کے ہاتھ پڑے میرا گریباں ہو کر
خیر بہتر ہے تغافل ہی سہی سن لینا — جان پر کھیل گیا کوئی پریشاں ہو کر
مصلحت سے نہ کیا جور تو کیا ہوتا ہے — آدمی توبہ کرے دل سے پشیماں ہو کر
نالے رہ جاتے ہیں رک رک کے مرے سینے میں — تیر بیٹھا ہے ترا حلق کا درباں ہو کر

یہ ہنر دست جنوں کا یہ سلیقہ دیکھو
دھجیاں اڑتی ہیں دامن کی گریباں ہو کر

کس خرابی میں ہیں آزار محبت والے
یہ بگڑتا ہے مرض قاتل درماں ہو کر

غیر کی خاک ترے کوچے میں بیشک ہو گی
اشک برسے ہیں مری آنکھ سے پیکاں ہو کر

دیکھنے والے ہی سو عیب لگا دیتے ہیں
کوئی جو چاہے کرے آنکھ سے پنہاں ہو کر

اپنے ہاتھوں سے وہ خط چاک کرے اے قاصد
یہ رہے گا مرے سینے پہ گریباں ہو کر

کیوں نہ ہو زیر فلک طالع دشمن کو فروغ
بخت چمکا ہے چراغ تہ داماں ہو کر

ضعف سے خوش ہوں کہ جب ہاتھ رکھا سینے پر
انگلیاں چبھ گئیں دل میں تری مژگاں ہو کر

اس نزاکت سے یہ ڈر ہے کہ گلے پر میرے
تیری تلوار نہ رہ جائے گریباں ہو کر

تیری حسرت مجھے لائی ہے تری محفل میں
میں نہ نکلوں گا کبھی غیر کا ارماں ہو کر

ہائے ویرانی دل بے سرو سامانی دل
تیرے ارماں بھی پچھتائے ہیں مہماں ہو کر

نور کس کا ہے مرے دل میں کہ ہر آہ کے ساتھ
رہ گئی برق تجلی سی نمایاں ہو کر

پاس رہنے کی محبت بھی تو ہو جاتی ہے
کیوں کہیں جائے ہماری شب ہجراں ہو کر

تجھ کو معلوم بھی ہے رات کو در پر تیرے
نالے کرتا ہے کوئی روز غزل خواں ہو کر

داغ تو کعبے سے جاتا ہے جو بت خانے کو
شرم آتی نہیں کم بخت مسلماں ہو کر

❀

دل نکلے کس طرح ترے پیکاں کو چھوڑ کر
جاتا ہے گھر سے کوئی بھی مہماں کو چھوڑ کر

دست جنوں کا اور کریں چارہ گر علاج
سر پیٹتا ہوں جیب و گریباں کو چھوڑ کر

اک پل کی زندگی بھی غنیمت ہے وار پر
ملتے ہیں اشک خاک میں مژگاں کو چھوڑ کر

اہل عدم سے کہہ دو مروت سے دور ہے
تنہا نہ جاؤں گا شب ہجراں کو چھوڑ کر

آیا ہوں تیرے دام میں صیاد باغ سے / اپنی مراد پر گل و ریحاں کو چھوڑ کر

قاتل خدا کے واسطے اک زخم اور بھی / تلوار پھر سنبھال نمکداں کو چھوڑ کر

پوچھا جو ان سے آؤ گے کب؟ ہنس کے چپ ہوئے / چہرے پر اپنی زلف پریشاں کو چھوڑ کر

دیکھی نہ ہو گی سیر کبھی اس شکار کی / دیکھو رقیب پر سگ درباں کو چھوڑ کر

ظالم تری نگہ نے کیا کام ہی تمام / نشتر چبھوتے ہیں تو رگ جاں کو چھوڑ کر

محشر سے جائیں خلد میں یا رب یہ کب ہوا / حیرت زدہ ہم اس بت حیراں کو چھوڑ کر

دنیا میں اور کوئی نہ ہوتا گناہ گار / پچھتا رہا ہوں دامن عصیاں کو چھوڑ کر

ہر چند رام پور میں گھبرا رہا ہے داغ
کس طرح جائے کلب علی خاں کو چھوڑ کر

جو بل ہے تری زلف گرہ گیر سے باہر / وہ پیچ نہیں ہے مری تقدیر سے باہر

حسرت دل حیراں سے نہ نکلی ہے نہ نکلی / نکہت نہ ہوئی غنچہ تصویر سے باہر

تم گھر سے تو نکلو کوئی آیا ہے مسافر / تم بات تو کر لو کسی رہ گیر سے باہر

حیران ہیں خود اپنی اداؤں سے جہاں میں / آئینہ سے وہ گھر میں ہیں تصویر سے باہر

دربان کے جھگڑے نے بڑا کام نکالا / گھبرا کے وہ نکلے اسی تدبیر سے باہر

در پر وہ جو مضمون اسے میں نے لکھا ہے / ہے کاتب اعمال کی تحریر سے باہر

آئے ہو تو اب داغ ستم دیکھتے جاؤ / آتا ہے جگر نالہ شبگیر سے باہر

حسرت ہے تری مجھ سے وفادار زیادہ / نکلی نہ دل عاشق دل گیر سے باہر

کہتے ہیں مری قبر پہ وہ پھر بھی تو دیکھیں / یہ مردہ نکالو کسی تدبیر سے باہر

اے صید فگن دل میں کھٹکتا رہے پیکاں　　سوفار رہے سینہ نخچیر سے باہر

اس تیغ نگہ سے وہ ادا ہوتی ہے باہر　　شمشیر نکل آتی ہے شمشیر سے باہر

دل ناوک مژگاں تو جگر تیر نگہ لے　　اس تیر سے باہر ہوں نہ اس تیر سے باہر

نقش قدم غیر کو اس کوچے میں دیکھا　　یہ پاؤں نہ ہوں حلقہ زنجیر سے باہر

اک چشمہ ہے تو اور ہے اک چشمہ کوثر　　دو قطرے ہیں آب دم شمشیر سے باہر

دلی سے تو کلکتے میں پہنچے مگر اے داغ
کیونکر ہوں حصار فلک پیر سے باہر

غیر بھی میری طرح کرتے ہیں آہیں کیونکر　　میں بھی دیکھوں کہ پلٹتی ہیں نگاہیں کیونکر

قہر ہے عہد جوانی کی امنگ اور ترنگ　　دل بھی مانے وہ رقیبوں کو نہ چاہیں کیونکر

نہ دلاسا نہ تسلی نہ تشفی نہ وفا　　دوستی اس بت بدخو سے نباہیں کیونکر

زیر دیوار کبھی جھانک کے تم دیکھ تو لو　　ناتواں کرتے ہیں دل تھام کے آہیں کیونکر

چاہ کا نام جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو　　وہ طریقہ تو بتاؤ تمہیں چاہیں کیونکر

جب وہ آنکھوں میں سمائے مرے دل میں آئے　　بند ہوں ناصح نافہم یہ راہیں کیونکر

شرم سے آنکھ ملاتے نہیں دیکھا ان کو　　پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں کیونکر

درد مندوں سے کہاں ضبط فغاں ہوتا ہے　　چپکے چپکے ترے بیمار کراہیں کیونکر

یہ چلن کس نے سکھائے یہ طریقے کس نے　　آگئیں جور و جفا کی تمہیں راہیں کیونکر

لالہ و گل کو جو دیکھا تو کہا مجنوں نے　　سر پر کانٹوں کے ہوں یہ سرخ کلاہیں کیونکر

غیر کی چاہ کا دم بھرتے ہو تم کیا جانو　　نالے کس طرح کیا کرتے ہیں آہیں کیونکر

داغ وہ چاہتے ہیں غیر کو چاہے یہ بھی
جو برا چاہے ہمارا اسے چاہیں کیونکر

محشر میں بھی کسی کے اٹھائیں گے ناز ہم ‏ ایسے نیازمند ہیں اے بے نیاز ہم
چاہیں پے نشاط سلیماں سے تخت و بخت ‏ مانگیں مسیح و خضر سے عمر دراز ہم
کیا کیا بہانے موت سے کرتے ہیں رات دن ‏ تجھ سے زیادہ ہجر میں ہیں حیلہ ساز ہم
دل سے موافقت ہے' نہ دلبر سے اتفاق ‏ بے لاگ ہیں کسی سے نہیں رکھتے ساز ہم
ہو گی فقط شریک دعا ایک بیکسی ‏ میت پر اپنی آپ پڑھیں گے نماز ہم
انسان کی مجال یہ طاقت بشر کی ہے ‏ تم جانتے ہو جیسے اٹھاتے ہیں ناز ہم
دل کی بری بھلی کو سمجھ لے پیام بر ‏ کیا دخل دیں کہ اس کے نہیں ہیں مجاز ہم
واعظ یہی نہ کہہ دے کہ پیدا ہی کیوں ہوئے ‏ دنیا میں آئیں اور ہیں پاکباز ہم
اس میں بھی کوئی بھید ہے تم جانتے نہیں ‏ کہتے ہیں ایک ایک سے کیوں دل کے راز ہم
جب سنتے ہیں کہ آپ پہ دو چار مر گئے ‏ دلواتے ہیں رقیبوں کی اپنے نیاز ہم

دو دن گئے کہ داغ تھی ہر دم بتوں کی یاد
پڑھتے ہیں پانچ وقت کی اب تو نماز ہم

شب وصل بھی لب پہ آئے گئے ہیں ‏ یہ نالے بہت منہ لگائے گئے ہیں
خدا جانے ہم کس کے پہلو میں ہوں گے ‏ عدم کو سب اپنے پرائے گئے ہیں

وہی راہ ملتی ہے چل پھر کے ہم کو — جہاں خاک میں دل ملائے گئے ہیں
مرے دل کی کیونکر نہ ہو پائمالی — بہت اس میں ارمان آئے گئے ہیں
گلے شکوے جھوٹے بھی تھے کس مزے کے — ہم الزام دانستہ کھائے گئے ہیں
نگہ کو جگر زلف کو دل دیا ہے — یہ دونوں ٹھکانے لگائے گئے ہیں
رہے چپ نہ ہم بھی دم عرض مطلب — وہ اک اک کی سو سو سنائے گئے ہیں
فرشتے بھی دیکھیں تو کھل جائیں آنکھیں — بشر کو وہ جلوے دکھائے گئے ہیں

چلو حضرت داغ کی سیر دیکھیں
وہاں آج بھی وہ بلائے گئے ہیں

❁

بت کو بت اور خدا کو جو خدا کہتے ہیں — ہم بھی دیکھیں تو اسے دیکھ کے کیا کہتے ہیں
ہم تصور میں بھی جو بات ذرا کہتے ہیں — سب میں اڑ جاتی ہے ظالم اسے کیا کہتے ہیں
کچھ تمہارے لب اعجاز نما کہتے ہیں — پر سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کہتے ہیں
سب مجھے شیفتہ ناز و ادا کہتے ہیں — تم تو کہتے ہی نہیں کچھ اسے کیا کہتے ہیں
جو بھلے ہیں وہ بروں کو بھی بھلا کہتے ہیں — نہ برا سنتے ہیں اچھے نہ برا کہتے ہیں
بزم احباب و مئے ناب وصال معشوق — اب کسی شے میں نہیں جس کو مزا کہتے ہیں
نالہ بیساختہ قاصد کی زباں سے نکلا — کوئی رکھتا ہے جسے تیر قضا کہتے ہیں
اس کے ہاتھوں سے یہی ذلت و خواری ہو گی — غیر اپنی تو خبر لیں مجھے کیا کہتے ہیں
سخن شاہ و گدا خیر سے خالی نہ سنا — وہ دعا کرتے ہیں سب کو یہ دعا کہتے ہیں
میں گنہگار اگر عشق مجازی ہے گناہ — میں خطاوار اگر اس کو خطا کہتے ہیں
دعویٰ مہر وفا ان کی زباں پر آیا — اور سنئے کہ وہ میرا ہی کہا کہتے ہیں

کوئی خوبی نظر آتی نہیں تجھ میں ظالم
اے فلک پیری و صد عیب بجا کہتے ہیں

وقت ملنے کا جو پوچھا تو کیا کہہ دیں گے
غیر کا حال جو پوچھا تو کہا کہتے ہیں

چوٹ کھانے سے جو دل ٹوٹ گیا ہے اپنا
لوگ اس کو بھی ترا عہد وفا کہتے ہیں

نہیں ملتا کسی مضمون میں ہمارا مضمون
طرز اپنا ہے جدا سب سے جدا کہتے ہیں

کیا سناتے ہو کہ ہم قتل کریں گے تجھ کو
اس کو ہم مژدۂ اندوہ ربا کہتے ہیں

شکوۂ ہجر پر اس شوخ نے مجھ کو لکھا
جو رہے دل میں کہیں اس کو جدا کہتے ہیں

پہلے تو داغ کی تعریف ہوا کرتی تھی!
اب خدا جانے وہ کیوں اس کو برا کہتے ہیں

❁

اس کی شرارتیں قیامت سے کم نہیں
دل تجھ سے بڑھ کے ہے کسی صورت سے کم نہیں

اندوہ و درد و یاس و غم و رنج اپنے پاس
جو کچھ ہے وہ تمہاری عنایت سے کم نہیں

دنیا میں ان بتوں نے جلایا ہے اس قدر
دوزخ بھی میرے واسطے جنت سے کم نہیں

مژگاں نے تیری چاک کیے عاشقوں کے دل
دست مژہ بھی پنجہ وحشت سے کم نہیں

وہ لذت وصال سے لیتے ہیں جان و دل
یہ مہربانیاں بھی عداوت سے کم نہیں

کیا ماجرا کہوں دل امیدوار کا
اک آرزو ہزار مصیبت سے کم نہیں

یہ ناز یہ نگاہ یہ چھل بل یہ شوخیاں
تم اس سے بھی سوا ہو قیامت سے کم نہیں

اس کا ثواب لوٹنے والے ہمیں تو ہیں
نظارہ میکدے کا عبادت سے کم نہیں

ہے شام ہی سے وصل میں تم کو تلاش صبح
یہ انتظار بھی مری حسرت سے کم نہیں

وہ اپنے دل میں خوش ہوں یہ ہے بات ہی کچھ اور
شکر جفا وگرنہ شکایت سے کم نہیں

خون جگر کی نہ کروں گا تمام عمر
جو رزق مل گیا مجھے قسمت سے کم نہیں

تو نے دیا فروغ تو ہے داغ آفتاب
ذرہ بھی ورنہ اس کی حقیقت سے کم نہیں

مجال کس کی ہے اے ستم گر سنائے تجھ کو جو چار باتیں
بھلا کیا اعتبار تو نے ہزار منہ ہیں ہزار باتیں

رقیب کا ذکر وصل کی شب پھر اس پہ تاکید ہے کہ سنئے
تمہیں تو اک داستان ٹھہری ہمیں یہ ہیں ناگوار باتیں

انہیں نہ کیوں عذر درد سر ہو جب اس طرح کا پیامبر ہو
غضب کیا عمر بھر کی اس نے تمام کیں ایک بار باتیں

جو کیفیت دیکھنی ہے زاہد تو چل کے تو دیکھ میکدے میں
بہک بہک کر مزے مزے کی سنائیں گے بادہ خوار باتیں

نگاہیں دشنام دے رہی ہیں ادائیں پیغام دے رہی ہیں
کبھی نہ بھولیں گے حشر تک ہم رہیں گی یہ یادگار باتیں

بہل ہی جائے گا دل ہمارا کہ ہجر کی شب کو رحم کھا کر
تمہاری تصویر بول اٹھے گی کرے گی بے اختیار باتیں

ہمارے سر کی قسم نہ کھاؤ قسم ہے ہم کو یقیں نہ ہو گا
تمہارے ناپائیدار وعدے تمہاری بے اعتبار باتیں

مرے جنازے پہ کیوں وہ آئے کہ الٹے طعنے مجھے سنائے
کہا کئے جو زباں پہ آیا، سنا کئے سوگوار باتیں

فسانہ درد و غم سنایا تو بولے وہ جھوٹ بولتا ہے
سنی ہوئی ہے بہت کہانی نہ ہم سے ایسی بگھار باتیں

مزا تو اس وقت جھوٹ سچ کا کھلے کہ ہے کون راستی پر
خدا کے آگے مری تمہاری اگر ہوں روز شمار باتیں

ابھی سے ہے یہ کچھ اور قاصد ابھی سے ہے بدحواس قاصد
سنبھل سنبھل کر سمجھ سمجھ کر کرے گا کیا بیقرار باتیں

تمہاری تحریر میں ہے پہلو تمہاری تقریر میں ہے جادو
پھنسے نہ کس طرح دل ہمارا جہاں ہوں یہ پیچدار باتیں

بری بلا ہے یہ داغ پر فن تم اس کو ہرگز نہ منہ لگانا
وگرنہ ڈھب پر لگا ہی لے گا سنیں اگر اس کی چار باتیں

❁

بتان ماہ وش اجڑی ہوئی منزل میں رہتے ہیں
کہ جس کی جان جاتی ہے اسی کے دل میں رہتے ہیں

ہزاروں داغ پنہاں عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں
شرر پتھر کی صورت ان کی آب و گل میں رہتے ہیں

زمیں پر پاؤں نفرت سے نہیں رکھتے پری پیکر
یہ گویا اس مکاں کی دوسری منزل میں رہتے ہیں

محبت میں مزا ہے چھیڑ کا لیکن مزے کی ہو
ہزاروں لطف ہر اک شکوۂ باطل میں رہتے ہیں

خدا رکھے سلامت جن کو ان کو موت کب آئے
تڑپتے لوٹتے ہم کوچہ قاتل میں رہتے ہیں

ہزاروں حسرتیں وہ ہیں کہ روکے سے نہ رکتیں
بہت ارمان ایسے ہیں کہ دل کے دل میں رہتے ہیں

یہاں تک تھک گئے ہیں چلتے چلتے تیرے ہاتھوں سے
کہ اب چھپ چھپ کے ناوک سینۂ بسمل میں رہتے ہیں

نہ دیکھے ہوں گے رندوں سے بھی تو نے پاک اے زاہد
کہ یہ بیداغ میخانے کی آب و گل میں رہتے ہیں

محیط عشق کی ہر موج طوفاں خیز ایسی ہے
وہ ہیں گرداب میں جو دامن ساحل میں رہتے ہیں

خدا رکھے محبت نے کئے آباد دونوں گھر
میں ان کے دل میں رہتا ہوں وہ مرے دل میں رہتے ہیں

جو ہوتی خوبصورت تو نہ چھپتی قیس سے لیلیٰ
مگر ایسے ہی ویسے پردۂ محمل میں رہتے ہیں

ہمارے سائے سے بچتا ہے ہر اک بزم میں اس کی
ہمیں دیکھو کہ ہم تنہا بھری محفل میں رہتے ہیں

سراغ مہر و الفت غیر کے دل میں نہ پائیں گے
عبث وہ رات دن اس سعی بے حاصل میں رہتے ہیں

بتوں کو محرم اسرار تو نے کیوں کیا یارب
کہ یہ کافر ہر اک خلوت سرائے دل میں رہتے ہیں

فلک دشمن ہو اگر دش زدوں کو جب ملی راحت
زیادہ راہ سے کھٹکے مجھے منزل میں رہتے ہیں

تن آسانی کہاں تقدیر میں ہم دل گرفتوں کی
خدا پر خوب روشن ہے کہ جس مشکل میں رہتے ہیں

رہے پیر مغاں کے پاس کیونکر شیخ مصنوعی
جو رہتے ہیں تو کامل صحبت کامل میں رہتے ہیں

ہمیں دشوار جینا عار تم کو قتل کرنے سے
بڑی مشکل میں رکھتے ہو بڑی مشکل میں رہتے ہیں

کوئی نام و نشاں پوچھے تو اے قاصد بتا دینا
تخلص داغ ہے وہ عاشقوں کے دل میں رہتے ہیں

یہ کیا کہا کہ داغ کو پہچانتے نہیں
وہ ایک ہی تو شخص ہے تم جانتے ہیں

بدعہدیوں کو آپ کی کیا جانتے نہیں
کل مان جائیں گے اسے ہم مانتے نہیں

وعدہ ابھی کیا تھا ابھی کھائی تھی قسم
کہتے ہو پھر کہ ہم تجھے پہچانتے نہیں

چھوٹے گی حشر تک نہ یہ مہندی لگی ہوئی
تم ہاتھ میرے خون میں کیوں سانتے نہیں

مہر و وفا کا کب انہیں آتا ہے اعتبار
جب تک اسے وہ خوب طرح چھانتے نہیں

سرباز و جاں نثار محبت وہ ہیں دلیر
رستم بھی ہو تو کچھ اسے گردانتے نہیں

ان کا ہی مدعا تھا مرا مدعا نہ تھا
پر کیا کروں کہ وہ تو مری مانتے نہیں

تن جائیں گے جو سامنے آئے گا آئینہ
دیکھیں تو کس طرح وہ بھویں تانتے نہیں

نکلا ہے جو زبان سے بس کو نباہئے
ایسی وہ اپنے دل میں کبھی ٹھانتے نہیں

جب دیکھتے ہو مجھ کو چڑھاتے ہو آستین
دامن عدو کے قتل یہ گردانتے نہیں

کیا داغ نے کہا تھا جو ایسے بگڑ گئے
عاشق کی بات کا تو برا مانتے نہیں

پردے پردے میں عتاب اچھے نہیں
ایسے انداز حجاب اچھے نہیں

میکدے میں ہو گئے چپ چاپ کیوں؟
آج کچھ مست شراب اچھے نہیں

جب سوال وصل پر کرتا ہوں ضد
ڈر کے دیتے ہیں جواب اچھے نہیں

والہ و شیدا کہو تم غیر کو
اس کے جانب یہ خطاب اچھے نہیں

اے فلک کیا ہے زمانے کی بساط
دمبدم کے انقلاب اچھے ہیں

صورت اچھی ہے تو سیرت ہے بری
ایسے معشوق انتخاب اچھے نہیں

تو بھی اس کی زلف پیچاں ہو گیا
اے دل ایسے پیچ و تاب اچھے نہیں

اور سنئے مجھ کو سمجھاتے ہیں وہ
ڈھنگ یہ خانہ خراب اچھے نہیں

کوئی بزم وعظ سے کہتا گیا
ایسے جلسے بے شراب اچھے نہیں

توبہ کر لیں ہم مئے و معشوق سے
بے مزہ ہیں یہ ثواب اچھے نہیں

اک نجومی داغ سے کہتا تھا آج
آپ کے دن اے جناب اچھے نہیں

کیا کہوں تجھ کو جو بے مہرو فسوں گر نہ کہوں
جس کو دنیا کہے اس بات کو کیونکر نہ کہوں

سنگدل کہنے سے تو آپ برا مان گئے
یہ جو کچھ سینے پہ ہے اس کو بھی پتھر نہ کہوں

فائدہ کیا جو کہوں تم سے مصیبت اپنی
سامنے داور محشر کے یہ دفتر نہ کہوں

مہربانی سے کسی شخص نے پوچھا ہے مزاج
سخت مشکل ہے کہ حال دل مضطر نہ کہوں

چھیڑ کر حال عدو چھیڑ سے چپ ہو جاؤں
وہ کہیں پھر کہو میں اس کو مکرر نہ کہوں

بات کہنے کا مزہ جو غلط تم سمجھو!
گر یقین ہو تو کہوں گر نہ ہو باور نہ کہوں

میری شامت ہے کہوں آپ کا بگڑا ہے مزاج / اس کو بگڑا ہوا میں اپنا مقدر نہ کہوں
دل کی تاکید ہے ہر حال میں ہو پاس وفا / کیا ستم ہے کہ ستم گر کو ستمگر نہ کہوں
غیر کا حال چھپائے سے کوئی چھپتا ہے / گو کسی وجہ سے میں آپ کے منہ پر نہ کہوں
غیر کے واسطے دیدار بھی ہے داد بھی ہے / کس طرح گھر کو ترے عرصہ محشر نہ کہوں

اب کے کچھ منہ سے نکلا تو تمہیں جانو گے
داغ پھر مجھ کو نہ کہنا جو برابر نہ کہوں

پھنسی ہوئی ہے یہ گردن بتوں کے پھندوں میں / چھڑا دے کوئی ہو اتنا خدا کے بندوں میں
جنوں کی خانہ خرابی سے اب کہاں فرصت / پھنسا ہوا ہے یہ دن رات گھر کے دھندوں میں
اسی سے ہوتے ہیں انداز بے نیازی کے / جو ہے قدیم تمہارے نیاز مندوں میں
اڑا جو لے کے خط شوق ہو گیا عنقا / وہ تیز پر ہے کبوتر مرا پرندوں میں
نکل کے جائے کہاں دل تمہاری زلفوں سے / پھنسا ہے ایک یہ نخچیر دو کمندوں میں
خدا کا ذکر تو اس بت کے سامنے کرتے / مگر وہ ایک ہی کافر ہے خود پسندوں میں
نکال لیتے ہیں رو رو کے ہم بھی دل کا بخار / جو بیٹھ جاتے ہیں دو چار درد مندوں میں
چڑھا دے نیزے پر سر میرا کاٹ کر قاتل / کہ یہ شہید بھی نامی ہو سر بلندوں میں

ہوئی ہے داغ محبت میں تھوڑی بدنامی!
یہ منہ دکھانے کے قابل ہے بھائی بندوں میں

راہ پر ان کو لگا لائے تو ہیں باتوں میں
اور کھل جائیں گے دو چار ملاقاتوں میں

یہ بھی تم جانتے ہو چند ملاقاتوں میں
آزمایا ہے تمہیں ہم نے کئی باتوں میں

غیر کے سر کی بلائیں جو نہیں لیں ظالم
کیا مرے قتل کو بھی جان نہیں ہاتھوں میں

ابر رحمت ہی برستا نظر آیا زاہد
خاک اڑتی کبھی دیکھی نہ خراباتوں میں

یارب! اس چاند سے ٹکڑے کو کہاں سے لاؤں
روشنی جس کی ہو ان تاروں بھری راتوں میں

تمہیں انصاف سے اے حضرت ناصح کہہ دو
لطف ان باتوں میں آتا ہے کہ ان باتوں میں

دوڑ کر دست دعا ساتھ دعا کے جاتے
ہائے پیدا نہ ہوئے پاؤں میرے ہاتھوں میں

کیا قیامت ہے اس ارمان بھرے کی حسرت
ایک شب جس کو میسر نہ ہو سو راتوں میں

جلوۂ یار سے جب بزم میں غش آیا ہے
تو رقیبوں نے سنبھالا ہے مجھے باتوں میں

ایسی تقریر سنی تھی نہ کبھی شوخ و شریر
تیری آنکھوں کے بھی فتنے ہیں تری باتوں میں

عہد جمشید میں تھا لطف مئے و ابر و ہوا
کب یہ معشوق تھے اس وقت کی برساتوں میں

ہم سے انکار ہوا غیر سے اقرار ہوا
فیصلہ خوب کیا آپ نے دو باتوں میں

ہفت افلاک ہیں لیکن نہیں کھلتا یہ حجاب
کونسا دشمن عشاق ہے ان ساتوں میں

اور سنئے ابھی رندوں سے جناب واعظ
چل دیئے آپ تو دو چار ہی صلواتوں میں

ہم نے دیکھا انہیں لوگوں کو ترا دم بھرتے
جن کی شہرت تھی یہ ہرگز نہیں ان باتوں میں

بھیجے دیتا ہے انہیں عشق متاع دل و جاں
ایک سرکار لٹی جاتی ہے سوغاتوں میں

دل کچھ آگاہ تو ہو شیوۂ عیاری سے
اس لئے آپ ہم آتے ہیں تری گھاتوں میں

وصل کیسا وہ کسی طرح بہلتے ہی نہ تھے
شام سے صبح ہوئی ان کی مداراتوں میں

وہ گئے دن جو رہے یاد بتوں کی اے داغ
رات بھر اب تو گذرتی ہے مناجاتوں میں

نگاہ پھیر کے عذر وصال کرتے ہیں
مجھے وہ الٹی چھری سے حلال کرتے ہیں

زبان قطع کرو دل کو کیوں جلاتے ہو
اسی سے شکوہ اسی سے سوال کرتے ہیں

نہ دیکھی نبض نہ پوچھا مزاج بھی تم نے
مریض غم کی یونہی دیکھ بھال کرتے ہیں

مرے مزار کو وہ ٹھوکروں سے ٹھکرا کر
فلک سے کہتے ہیں یوں پائمال کرتے ہیں

پس فنا بھی مری روح کانپ جاتی ہے
وہ روتے روتے جو آنکھوں کو لال کرتے ہیں

ادھر تو کوئی نہیں جس سے آپ ہیں معروف
ادھر کو دیکھئے ہم عرض حال کرتے ہیں

یہی ہے فکر کہ ہاتھ آئے تازہ طرز ستم
یہ کیا خیال ہے وہ کیا خیال کرتے ہیں

وہاں فریب و دغا میں کمی کہاں توبہ
ہزار چال کی وہ ایک چال کرتے ہیں

نہیں ہے موت سے کم اک جہان کا چکر
جناب خضر یونہی انتقال کرتے ہیں

چھری نکالی ہے مجھ پر عدو کی خاطر سے
پرائے واسطے گردن حلال کرتے ہیں

یہاں یہ شوق' و نادان مدعا باریک
انہیں جواب بتا کر سوال کرتے ہیں

ہزاروں کام محبت میں ہیں مزے کے داغ
جو لوگ کچھ نہیں کرتے کمال کرتے ہیں

بھویں تنی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے کہ وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

دلوں پر سینکڑوں سکے ترے جوبن کے بیٹھے ہیں
کلیجوں پر ہزاروں تیر اس چتون کے بیٹھے ہیں

الٰہی کیوں نہیں اٹھتی قیامت ماجرا کیا ہے
ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں

یہ گستاخی یہ چھیڑ اچھی نہیں ہے اے دل ناداں
ابھی پھر روٹھ جائیں گے ابھی من کے بیٹھے ہیں

اثر ہے جذب الفت میں تو کھینچ کر آہی جائیں گے
ہمیں پروا نہیں ہم سے اگر وہ تن کے بیٹھے ہیں
سبک ہو جائیں گے گر جائیں گے وہ بزم دشمن میں
کہ جب تک گھر میں بیٹھے ہیں وہ لاکھوں من کے بیٹھے ہیں
فسوں ہے یا دعا ہے یا معمہ کھل نہیں سکتا
وہ کچھ پڑھتے ہوئے آگے مرے مدفن کے بیٹھے ہیں
بہت رویا ہوں میں جب سے یہ میں نے خواب دیکھا ہے
کہ آپ آنسو بہاتے سامنے دشمن کے بیٹھے ہیں
کھڑے ہوں زیر طوبیٰ وہ نہ دم لینے کو دم بھر بھی
وہ حسرت مند تیرے سایہ دامن کے بیٹھے ہیں
تلاش منزل مقصد کی گردش اٹھ نہیں سکتی
کمر کھولے ہوئے رستے میں ہم رہزن کے بیٹھے ہیں
یہ جوش گریہ تو دیکھو کہ جب فرقت میں رویا ہوں
در و دیوار اک پل میں مرے مدفن کے بیٹھے ہیں
نگاہ شوخ و چشم شوق میں درپردہ چھنتی ہے
کہ وہ چلمن میں ہیں نزدیک ہم چلمن کے بیٹھے ہیں
یہ اٹھنا بیٹھنا محفل میں ان کا رنگ لائے گا
قیامت بن کے اٹھیں گے بھبوکا بن کے بیٹھے ہیں

کسی کی شامت آئے گی کسی کی جان جائے گی
کسی کی تاک میں وہ بام پر بن ٹھن کے بیٹھے ہیں

قسم دے کر انہیں یہ پوچھ لو تم رنگ ڈھنگ اس کے
تمہاری بزم میں کچھ دوست بھی دشمن کے بیٹھے ہیں

کوئی چھینٹا پڑے تو داغ کلکتے چلے جائیں
عظیم آباد میں ہم منتظر ساون کے بیٹھے ہیں!

❀

محبت میں آرام سب چاہتے ہیں — مگر حضرت داغ کب چاہتے ہیں
خطا کیا ہے ان کی جو اس بت کو چاہا — خدا چاہتا ہے تو سب چاہتے ہیں
وہی ان کا مطلوب و محبوب ٹھہرا — بجا ہے جو اس کی طلب چاہتے ہیں
مگر عالم یاس میں تنگ آکر — یہ سامان آفت عجب چاہتے ہیں
اجل کی دعا ہر گھڑی مانگتے ہیں — غم و درد و رنج و تعب چاہتے ہیں
نہ تفریح آسائش دل کی خواہش — نہ سامان عیش و طرب چاہتے ہیں
قیامت بپا ہو نزول بلا ہو — یہی آجکل روز شب چاہتے ہیں
نہ معشوق فرخار سے ان کو مطلب — نہ یہ جام بنت العنب چاہتے ہیں
نہ جنت کی حسرت نہ حوروں کی پروا — نہ کوئی خوشی کا سبب چاہتے ہیں
نرالی تمنا ہے اہل کرم سے — ستم چاہتے ہیں غضب چاہتے ہیں
نہ ہو کوئی آگاہ راز نہاں سے — خاموشی کو یہ مہر لب چاہتے ہیں
خدا ان کی چاہت سے محفوظ رکھے — یہ آزار بھی منتخب چاہتے ہیں

غم عشق میں داغ مجبور ہو کر
کبھی جو نہ چاہا وہ اب چاہتے ہیں

تمام رات وہ جاگیں وہ سوئیں سارے دن
خبر ہے کیا انہیں کیونکر کٹے ہمارے دن

خدا بچائے قیامت کے ہیں تمہارے دن
یہ پیاری پیاری جوانی یہ پیارے پیارے دن

مجھے گذرتی ہے اک اک گھڑی قیامت کی
جو اس طرح سے گذارے تو کیا گذارے دن

کسی کے جاتے ہی گھر میں ہوئی تاریکی
چراغ میں نے جلائے ہیں آج سارے دن

وہ بدنصیب ہوں آئے نہ یہ قیامت تک
جو میرے ساتھ شب وصل کو پکارے دن

تمہاری طرح بھی ہو گا نہ کوئی ہرجائی
تمام رات کہیں ہو کہیں ہو سارے دن

مرے جگر پہ ہیں داغ فراق روز فراق
دکھا رہا ہے چمکتے ہوئے ستارے دن

شب فراق ہو کیونکر نصیب روز فراق
کہ زلف لیلیٰ وشب کس طرح گذارے دن

لڑیں جو غیر کی عشرت سے اپنے لیل و نہار
تو رات رات سے ہو رات دن سے ہارے دن

انہوں نے وعدہ کیا آج شب کے آنے کا
خوشی تو جب ہے خدا خیر سے گزارے دن

ہمیشہ تم کو مبارک ہو داغ روز نشاط
پھریں ہمارے بھی جیسے پھرے تمہارے دن

درد دل کا کوئی پہلو جو نکالوں تو کہوں
اپنے روٹھے ہوئے دلبر کو منالوں تو کہوں

زہر سے کم نہیں احباب کے طعنے مجھ کو
جو ہے دل میں انہیں دیوانہ بنالوں تو کہوں

پوچھتے کیا ہو یہ کیسا ہے کتابی چہرا
پہلے میں ہاتھ میں قرآں اٹھالوں تو کہوں

جو مرے دل میں ہے کہتے ہوئے جی ڈرتا ہے
گد گدالوں تو کہوں پاؤں دبالوں تو کہوں

میں نے جو پائی ہے اس تیغ ادا میں لذت
سامنے خضر و مسیحا کو بٹھالوں تو کہوں

شب ہجراں میں جو کچھ اس سے ہوئی ہیں باتیں
تیری تصویر کو سینے سے لگالوں تو کہوں

یک بیک سن کے مرا حال اکھڑ جائیں گے
ہنسیں میں انہیں باتوں میں لگالوں تو کہوں

میں ہوں بیتاب وہ بدمست فسانہ ہے دراز
دل کو تھاموں تو کہوں ان کو سنبھالوں تو کہوں

رات بھر ہجر میں جاگا ہوں اے داور حشر
حال دل کوئی گھڑی آنکھ لگا لوں تو کہوں

ہتھکنڈے غیر کے سن کر مجھے مکرا لو گے
پہلے دو چار گواہی کو بلا لوں تو کہوں

حال غم کے لئے اس کی بھی شہادت ہے ضرور
ڈیڑھ انچہ دل مضطر کو پڑھا لوں تو کہوں

جو گذرتی ہے مری دم پہ نہ پوچھو مجھ سے
گالیاں عشق و محبت کو سنا لوں تو کہوں

داغ پابند قفس ہوں نہیں کچھ کر سکتا
دام صیاد سے چھوٹ کے جا لوں تو کہوں

جو پرزے ہو نہ صحرا میں جو ٹکڑے ہو نہ گلشن میں
گریباں میں گریباں ہے نہ وہ دامن ہے دامن میں

قیامت کی تجلی ہے تمہارے روئے روشن میں
مجھے ڈر ہے کہ دیکھو آگ لگ جائے نہ چلمن میں

تمہارے واسطے میں غیر کو تنہا نہ چھوڑوں گا!
سمجھ لینا کہ وہ مردے گڑیں گے ایک مدفن میں

کسی کے خوف سے جی کھول کر رویا نہیں جاتا
کہ جو آنسو ٹپکتا ہے چھپا لیتا ہوں دامن میں

گرے کوسوں الگ خوف و خطر سے کانپ کر بجلی
اگر تخم محبت ایک بھی ہو سارے خرمن میں

مسخر کر لیا آخر کو بنگالے کے جلوو نے
بڑا بول آگے آیا ہم جو بولے تھے لڑکپن میں

مزا جب ہے کہ اس انداز سے ہوں پیار کی باتیں
ہمارا ہاتھ سینے پر تمہارا ہاتھ گردن میں

کبھی ہم وحشیوں کے گھر کی آبادی نہیں جاتی
اگر کوئی نہ ہو تو خانہ ویرانی سے مسکن میں

بتایا آپ نے تعلیم دے کر اپنے مطلب کا
بھلا کیونکر نہ ساری خوبیاں پیدا ہوں دشمن میں

نئے گل پھولتے ہیں کیا نرالے رنگ کھلتے ہیں
بہاریں جو تری محفل میں ہیں کب ہیں وہ گلشن میں

غضب ہے داغ یہ دن رات یہ برسات یوں گذرے
کہاں وہ رشک گل جھولا جھلائیں جس کو ساون میں

کچھ آنے لگا جب سے اثر آہ رسا میں
دل اور ہوا میں ہے جگر اور ہوا میں

نمکیں تری شوخی میں تو شوخی ہے حیا میں
غمزے ترے انداز میں انداز ادا میں

دو باتوں کی فریاد ہے درگاہ خدا میں
رحم آئے ترے دل میں اثر میری دعا میں

اغیار نہ روکیں مجھے احباب نہ تھامیں
مل جائے مگر دست سبو لغزش پا میں

اے نامہ بر اس بت کی وہی راہ گذر ہے
سجدے کا نشاں جس کے ہو نقش کف پا میں

آنکھیں تری بیمار ہوئیں شرم جفا سے
زلفیں ہیں گرفتار مرے دل کی بلا میں

اللہ انہیں تو نظر بد سے بچانا ‏ بن ٹھن کے وہ بیٹھے ہیں مرے اہل عزا میں
کھینچا ہے کسی ہاتھ نے کیا دامن دل کو ‏ جب بھول کے رکھا ہے قدم راہ خدا میں
کیوں دور ہو اے چارہ گر آزار ہمارا ‏ کچھ روح مسیحا تو نہیں تیری دوا میں
تھا عقدہ کشا کون کہ موجود ہیں دیکھو ‏ ٹوٹے ہوئے ناخن گرہ بند قبا میں
آنکھیں ترے تلووں سے ملیں کس نے پئے وصل ‏ دو پھول سے نرگس کے بنے ہیں کف پا میں
دیتے ہو مجھے گریہ بے صرفہ کے طعنے ‏ تم ڈوب نہ جانا عرق شرم حیا میں
فریادی فرقت ہیں بہت چاہنے والے ‏ کیسا ہو جو آجائے اثر سب کی دعا میں
سنتے ہیں وہ عشاق کی آہیں پس دیوار ‏ پھر یہ بھی شکایت ہے کہ گرمی ہے ہوا میں
تو دوست ہے کس طرح نہ لیں تیری بلائیں ‏ ہم کود پڑا کرتے ہیں دشمن کی بلا میں
کب یہ دل وابستہ ہوا بار نزاکت ‏ ہاں ایک گرہ اور بڑھی زلف دوتا میں
اس دام سے چھٹنا کوئی آسان ہے ظالم ‏ تو دل میں ہے دل زلف میں ہے زلف بلا میں
ہے بعد فنا بھی وہ تباہی کہ مری خاک ‏ تھوڑی سی زمیں پر ہے بہت سی ہے ہوا میں
کیا ہاتھ اٹھاتے ہی نہ اٹھے گی قیامت ‏ بس جان لو تم فیصلہ ہے اب کی دعا میں
کہتے نہیں کچھ اور سنا کرتے ہو سب کی ‏ تم کو تو مزا آنے لگا شرم و حیا میں
افسوس گلا کاٹ کے مر بھی نہ سکے ہم ‏ مصروف رہے ہاتھ شب ہجر دعا میں

تھے اس بت مہوش کے بہت چاہنے والے
انگشت نما داغ ہوا ساری سبھا میں

دل گیا تم نے لیا ہم کیا کریں ‏ جانے والی چیز کا غم کیا کریں
میں نے مر کر ہجر میں پائی شفا ‏ ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں

ایک ساغر پر ہے اپنی زندگی　　رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں
کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں　　دم نکلتا ہے وہ ہمدم کیا کریں
دل نے سیکھا شیوۂ بیگانگی　　ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں
معرکہ ہے آج حسن و عشق کا　　دیکھئے وہ کیا کریں ہم کیا کریں
تند خو ہے کب سنے وہ دل کی بات　　اور بھی برہم کو برہم کیا کریں
آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھئے　　فیصلہ دونوں یہ باہم کیا کریں

کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہے بری ہم کیا کریں

صاف کب امتحان لیتے ہیں　　وہ تو دم دے کے جان لیتے ہیں
یوں ہے منظور خانہ ویرانی　　مول میرا مکان لیتے ہیں
تم تغافل کرو رقیبوں سے　　جاننے والے جان لیتے ہیں
پھر نہ آنا اگر کوئی بھیجے!　　نامہ بر سے زبان لیتے ہیں
اب بھی گر پڑ کے ضعف سے نالے　　ساتواں آسمان لیتے ہیں
تیرے خنجر سے بھی تو اے قاتل　　نوک کی نوجوان لیتے ہیں
اپنے بسمل کا سر ہے زانو پر　　کس محبت سے جان لیتے ہیں
یہ سنا ہے مرے لئے تلوار　　اک مرے مہربان لیتے ہیں
یہ نہ کہہ ہم سے تیرے منہ میں خاک　　اس میں تیری زبان لیتے ہیں
کون جاتا ہے اس گلی میں جسے　　دور سے پاسبان لیتے ہیں
منزل شوق طے نہیں ہوتی　　ٹھیکیاں ناتوان لیتے ہیں

کر گذرتے ہیں ہو بری کہ بھلی ۔۔۔ دل میں جو کچھ وہ ٹھان لیتے ہیں
وہ جھگڑتے ہیں جب رقیبوں سے ۔۔۔ بیچ میں مجھ کو سان لیتے ہیں
ضد ہر اک بات پر نہیں اچھی ۔۔۔ دوست کی دوست مان لیتے ہیں
مستعد ہو کے یہ کہو تو سہی ۔۔۔ آیئے امتحان لیتی ہیں
داغ بھی ہے عجیب سحر بیاں
بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

دل داد خواہ ظلم جو اے کینہ جو نہ ہو ۔۔۔ کل عرصہ گاہ حشر میں پھر تو ہی تو نہ ہو
عاشق کے دل میں اور تیری آرزو نہ ہو ۔۔۔ اس باغ کا تو پھول ہو پھر اس میں بو نہ ہو
کھٹکا ہوا ہوں خار تمنا سے اس قدر ۔۔۔ ڈرتا ہوں یاس سے بھی کہیں آرزو نہ ہو
لے تو چلا ہے ناصح ناداں پیام وصل ۔۔۔ میں شرط باندھتا ہوں جو بے آبرو نہ ہو
اے درد عشق خانہ دل گھر ترا سہی ۔۔۔ آباد یہ مکان تو جب ہو کہ تو نہ ہو
اس فکر میں کچھ ان سے نہ ہم بات کر سکے ۔۔۔ یہ گفتگو نہ ہو کہیں وہ گفتگو نہ ہو
میں رنگ دیکھ کر نہ کروں گا یقین کبھی ۔۔۔ جب تک عدو کے خون کی خنجر میں بو نہ ہو
اک تیری دوستی سی ہوئی سب میں دشمنی ۔۔۔ گر یہ نہ ہو تو کوئی کسی کا عدو نہ ہو
بخشے ہی جائیں شرم حضوری سے لاکھ جرم ۔۔۔ دنیا میں کیا کریں جو خدا روبرو نہ ہو
ہم بادہ نوش پاؤں نہ رکھیں بہشت میں ۔۔۔ جب تک ہمارے سامنے جام و سبو نہ ہو
چاک دل رقیب کی جب فکر کیجئے ۔۔۔ پہلے یہ دیکھ لیجئے پہلا رفو نہ ہو
کافر خدا کرے کہ غلط ہو مرا گماں! ۔۔۔ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ اے کاش تو نہ ہو

کیا رشک ہے کہ طالب ہجراں ہوں اس لئے
جو مجھ کو ہے رقیب کو وہ آرزو نہ ہو

مجھ کو جناب شیخ کی دعوت ضرورت ہے
ایسی کہیں شراب ملے جس میں بو نہ ہو

مٹی کی مورت اس سے تو اے داغ خوب ہو
معشوق کیا جو شوخ نہ ہو خوش گلو نہ ہو

ممکن نہیں کہ تیری محبت کی بو نہ ہو
کافر اگر ہزار برس دل میں تو نہ ہو

کیا لطف انتظار جو تو حیلہ جو نہ ہو
کس کام کا وصال اگر آرزو نہ ہو

محشر میں اور ان سے مری دو بدو نہ ہو
کہنے کی بات ہے جو کوئی گفتگو نہ ہو

قاتل اگر نہ شوخ ہو خنجر اگر نہ تیز
رگ رگ میں بے قرار ہمارا لہو نہ ہو

خلوت میں تجھ کو چین نہیں کس کا خوف ہے
اندیشہ کچھ نہ ہو جو نظر چار سو نہ ہو

سرخی ہے تیغ پر حنا تیرے ہاتھ میں
قاتل کہیں سفید عدو کا لہو نہ ہو

وہ آدمی کہاں ہے وہ انساں ہے کہاں
جو دوست کا ہو دوست عدو کا عدو نہ ہو

دل کو مسل مسل کے ذرا ہاتھ سونگھیے
ممکن نہیں کہ خون تمنا کی بو نہ ہو

زاہد مزا تو جب ہے عذاب و ثواب کا
دوزخ میں بادہ کش نہ ہوں جنت میں تو نہ ہو

معشوق ہجر اس سے زیادہ کوئی نہیں
کیا دل لگی رہے جو تری آرزو نہ ہو

ایسے کہاں نصیب کہ وہ بت ہو ہمکلام
ہم طور پر بھی جائیں تو کچھ گفتگو نہ ہو

دست دعا کو ملتی ہے تاثیر عرش سے
جو ہاتھ سے ہو پاؤں سے وہ جستجو نہ ہو

غش آنہ جائے دیکھ کے قاتل کو موج خوں
نازک مزاج کا کہیں ہلکا لہو نہ ہو

ہے لاگ کا مزا دل بے مدعا کے ساتھ
تم کیا کرو کسی کو اگر آرزو نہ ہو

یہ ٹوٹ کر کبھی نہ بنے گا کسی طرح   زاہد شکست توبہ شکست سبو نہ ہو

اے داغ آ کے پھر گئے وہ اس کو کیا کریں
پوری جو نامراد تری آرزو نہ ہو!

موت اس دن کو جو تجھ سا ستم ایجاد نہ ہو
میں تو مر جاؤں اگر لذت بیداد نہ ہو

زلف وہ دام کہ جس دام سے آزاد نہ ہو
آنکھ وہ چور کہ جس چور کی فریاد نہ ہو

بات کا زخم ہے تلوار کے زخموں سے سوا
کیجئے قتل مگر منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

غیر کا خون بہانا مری تربت پہ ضرور
آبرو دار کی مٹی کہیں برباد نہ ہو

ہائے وہ دل وہ کلیجہ کہاں سے لاؤں
وصل میں شاد نہ ہو ہجر میں ناشاد نہ ہو

جور کے بعد ہے اب حرف تسلی کیسا
اس سے فرمائیے جس کو وہ گھڑی یاد نہ ہو

دیکھ اے شام غریبی وہ مسافر میں ہوں
جس کا گھر بار نہ ہو جس کو وطن یاد نہ ہو

ہے یہی حسن کی شہرت تو ہمارا ذمہ
کہ ترے کوچے میں اک شہر جو آباد نہ ہو

محو آرائش زینت ہی رہے آٹھ پہر
تجھ کو اللہ کرے فرصت بیداد نہ ہو

بدگمانی بھی محبت میں بری ہوتی ہے
وہ یقین ہو مجھے جس بات کی بنیاد نہ ہو

حشر تک اس کی بہاریں نہ مٹیں گی زاہد
کوچہ یار ہے یہ جنت شداد نہ ہو

میری شامت کہ پڑھا قصہ شیریں میں نے
مجھ سے وہ کہتے ہیں صاحب تمہیں فرہاد نہ ہو

آدمی وہ ہے جو چتون کا اشارہ سمجھے
مجھ کو معلوم ہوا منہ سے کچھ ارشاد نہ ہو

ہے مرے دل کی تباہی پہ تعجب کیا خوب
آپ برباد کریں جس کو وہ برباد نہ ہو

اے وہ دشنام سہی خلعت و عزت نہ سہی
جو عطا غیر کو ہو وہ مجھے امداد نہ ہو

اٹھ سکیں ان نگہ ناز کی چوٹیں کس سے
روبرو تیرے جو آئینہ فولاد نہ ہو

تم مکاں مول نہ لو غیر کے ہمسایہ میں — آج تک وہ نہ ہوا ہے کبھی آباد نہ ہو
لاکھ گھاتیں ہیں کہیں دل کے پھنسا لینے کی — ہمیں صیاد ہوں اس کے جو وہ صیاد نہ ہو

کوستے ہیں وہ الٰہی کہ دعا دیتے ہیں!
داغ کو دیکھ کے کہتے ہیں یہ ناشاد نہ ہو

تم کو چاہا تو خطا کیا ہے بتا دو مجھ کو — دوسرا کوئی تو اپنا سا دکھا دو مجھ کو
کون ہوتا ہے کڑی بات کا سہنے والا — گالیاں تم کو سکھا دیں یہ دعا دو مجھ کو
دل مرا ہاتھ میں لیتے ہی الگ پھینک دیا — مال ایسا یہ نہیں لاؤ اٹھا دو مجھ کو
باغ فردوس میں بھی بوئے وطن یاد رہے — عطر مٹی کا دم مرگ سنگھا دو مجھ کو
غیر کو دست حنائی نہ دکھاؤ دیکھو — گر لگانی ہے یوں ہی آگ لگا دو مجھ کو
وہ جو سوئے بھی شب وعدہ یہ کہہ کر سوئے — جب وہ آئے تو اسی وقت جگا دو مجھ کو
تم کو تو حشر کے دن لاکھ میں پہچان لیا — میں بھلا کون ہوں میرا تو پتا دو مجھ کو
اب خدا چاہے تو میں تم کو نہ چاہوں ہرگز — پھر یہ تقصیر ہو مجھ سے تو سزا دو مجھ کو
زہر بھی وہ نہیں دیتے مری قسمت دیکھو — جھوٹے منہ بھی جو کہوں پان لگا دو مجھ کو
دل میں سو شکوۂ غم پوچھنے والا ایسا — کیا کہوں حشر کے دن یہ تو بتا دو مجھ کو
مجھ کو ملتا ہی نہیں مہر و محبت کا نشاں — تم نے دیکھا ہو کسی میں تو بتا دو مجھ کو
ہمدمو! ان سے میں کہہ جاؤں گا حالت دل کی — دو گھڑی کے لئے دیوانہ بنا دو مجھ کو
بے مروت دل بے تاب سے ہو جاتا ہے — شیوۂ خاص تم اپنا ہی سکھا دو مجھ کو

تم بھی راضی ہو تمہاری بھی خوشی ہے کہ نہیں
جیتے جی داغ یہ کہتا ہے مٹا دو مجھ کو

کیوں میری آہ سرد انہیں ناگوار ہو
یہ وہ ہوا نہیں جو کلیجے کے پار ہو

یوں مرے ساتھ دفن دل بیقرار ہو
چھوٹا سا اک مزار کے اندر مزار ہو

وعدے سے پیشتر یہ دعا مانگ لیجئے
یا رب مری قسم کا اسے اعتبار ہو

ہم آدمی ہیں کام کے اے ناصح شفیق
دیکھو ہمارے کام جہاں اختیار ہو

دوں اپنے دل کو رنج یہ شرط وفا نہیں
اس سے اگر پھروں تمہیں کیا اعتبار ہو

تم کو تو شوخیوں سے نہیں چین رات دن
میں جانتا ہوں میری طرح بے قرار ہو

تیرے غضب سے رتبہ قیامت کو کونسا
یہ لاکھ بار ہو وہ اگر ایک بار ہو

آسودگان خاک سے قاتل کو لاگ ہے
اے سونے والو جاگ اٹھو ہوشیار ہو

اترا رہے ہیں حشر کو وہ تیرے لطف پر
ایسا غضب نہ اے مرے پروردگار ہو

ایسے کو تو خدا کی قسم چھوڑنا ہے کفر
تجھ سا حسین ہو اور نہ دل بے قرار ہو

ناصح کی گفتگو سے ہوئیں بدگمانیاں
ایسا نہ ہو رقیب کا در پردہ یار ہو

کرتا ہے اس سے شکوۂ الفت یہ ہے لحاظ
تصویر یار بھی نہ کہیں شرمسار ہو

جھپکی جو آنکھ ہجر کی شب آئی یہ ندا
اے ننگ عشق مر نہ گیا ہوشیار ہو

یہ داغ پارسا ہی کی شہرت ہے ان دنوں
لاکھوں میں ہو نہ ہو وہی پرہیزگار ہو

کل تک تو آشنا تھے مگر آج غیر ہو
دو دن میں یہ مزاج ہے آگے کو خیر ہو

مرجائیں دونوں قہر و غضب سے تو سیر ہو
تم ہو تمہارا گھر ہو نہ میں ہوں نہ غیر ہو

چاہیں اگر وہ کافر و دیں دار میں سلوک
بت خانہ میں ہو کعبہ تو کعبے میں دیر ہو

کیوں دعوئ رقیب سراپا نہ ہو غلط
جب اس کی بات کا کوئی سر ہو نہ پیر ہو

کیسا وصال کیسی تسلی کہاں کا لطف
کچھ نہ ہو بلا سے مرے دل کی خیر ہو

دیتے ہیں لو یہ خاک دل تلخ کام کی
دینا یہ زہر اس کو تمہیں جس سے بیر ہو

دلی میں پھول والوں کا میلا پھر آئے داغ
بن ٹھن کے آئے وہ تو قیامت کی سیر ہو

آئینہ اپنی نظر سے نہ جدا ہونے دو
کوئی دم اور بھی آپس میں ذرا ہونے دو

کم نگاہی میں اشارا ہے اشارے میں حیا
یا نہ ہونے دو مجھے چین سے یا ہونے دو

ہاتھ باندھے ہوئے اغیار کے ساتھ آؤ گے
ہم دکھا دیں گے مزا روز جزا ہونے دو

ہم بھی دیکھیں تو کہاں تک نہ توجہ ہو گی
کوئی دن تذکرۂ اہل وفا ہونے دو

آنکھ ملتے ہی کہوں خاک حقیقت دل کی
دیکھ کر جلوہ مرے ہوش بجا ہونے دو

تم دل آزار بنے رشک مسیحا کیسے
کم نہ ہونے دو مرا درد سوا ہونے دو

میری آنکھوں پہ مرے منہ پہ نہ تم رکھو ہاتھ
حرف مطلب کسی صورت سے ادا ہونے دو

کیا نہ آئے گا اسے خوف مرے قتل کے بعد
دست قاتل کو ذرا دست دعا ہونے دو

لطف سمجھو تو رقیبوں سے بڑھا دو مجھ کو
سیر دیکھو تو کوئی فتنہ بپا ہونے دو

جب سنا داغ کوئی دم میں فنا ہوتا ہے
اس ستمگر نے اشارے سے کہا ہونے دو

ہے غضب بوسہ مجھے کھا کے قسم ایک نہ دو
پھر تغافل سے ہزاروں ہوں ستم ایک نہ دو

پائمالوں کی تری راہ میں گنتی کیا ہے
سینکڑوں آ گئے سر زیرِ قدم ایک نہ دو

چرخ سا اور سخی کون ہے دینے والا
مجھ کو دس بیس دیئے داغ الم ایک نہ دو

ہاتھ کیوں کھینچ لیا ایک ہی ساغر دے کر
دو تو دو سو جو نہ دو اس سے تو کم ایک نہ دو

وہ اشاروں ہی سے اقرار کریں دو دن کا
ایسے بھولے نہیں سمجھیں گے جو ہم ایک نہ دو

ہم نے کعبے میں بھی لاکھوں کی یہ صورت دیکھی
کرتے ہیں ہائے صنم ہائے صنم ایک نہ دو

میری تقدیر بکثرت مجھے دلوائے گی
دل تمہارا جو کہے گا اسے غم ایک نہ دو

مجھ کو دو دل ہوں عطا روز ازل کہتا تھا
رنج کھانے کو اٹھانے کو ستم ایک نہ دو

داغ دلی تھی کسی وقت میں یا جنت تھی
سیکڑوں گھر تھے وہاں رشک ارم ایک نہ دو

کہتے ہیں جس کو حور وہ انسان تمہیں تو ہو
جاتی ہے جس پہ جان مری جاں تمہیں تو ہو

مطلب کی کہہ رہے ہیں وہ ناداں ہمیں تو ہیں
مطلب کی پوچھتے ہو وہ دانا تمہیں تو ہو

آتا ہے بعد ظلم تمہیں کو تو رحم بھی
اپنے کیے سے دل میں پشیماں تمہیں تو ہو

پچھتاؤ گے بہت مرے دل کو اجاڑ کر
اس گھر میں اور کون ہے مہماں تمہیں تو ہو

اک روز لائیں گی یہ مہربانیاں
ہم جانتے تھے جان کے خواہاں تمہیں تو ہو

دلدار و دلفریب دل آزار و دل ستاں
لاکھوں میں ہم کہیں گے کہ ہاں ہاں تمہیں تو ہو

کرتے ہو داغ دور سے بت خانے کو سلام
اپنی طرح کے ایک مسلماں تمہیں تو ہو

نکلی فلک سے کم کسی سائل کی آرزو | پھر اس پہ آرزو بھی مرے دل کی آرزو
حسرت ہے اس کو نکلی نہ بسمل کی آرزو | پوری کرے خدا مرے قاتل کی آرزو
حوروں سے کیا غرض تھی عبث بدگماں ہو | جنت میں لے گئی تری محفل کی آرزو
یوں آہ نارسا کو تمنائے عرش ہے | جیسے کسی غریب کو منزل کی آرزو
یہ ناامید زیست وہ مشتاق رقص ہے | بسمل کی یاس دیکھئے قاتل کی آرزو
آئینہ دیکھ کر تمہیں مشتاق کیا ہوئے | تم سے سوا ہے بدمقابل کی آرزو
ہے قیس کا تو شوق زمانے پر آشکار | کیا جانے کوئی صاحب محمل کی آرزو
دنیا سرائے تنگ ہے محشر ہے جائے تنگ | عاشق کہاں نکال سکے دل کی آرزو
دل ہر طرف رہا نگراں بحر عشق میں | اس ڈوبتے کو رہ گئی ساحل کی آرزو
اوچھی پڑی ہے تیغ کہ قاتل ہے نازنیں | بسمل کے ساتھ جائے گی بسمل کی آرزو
پہچان لو فقیر کی صورت سوال ہے | تم جان لو یہ ہے مرے سائل کی آرزو
یوسف نے دیکھ کر تری تصویر یہ کہا | کیوں ہو نہ ایسی شکل و شمائل کی آرزو

رتبہ کمال عشق کا حاصل نہیں ہوا
اب داغ کو ہے مرشد کامل کی آرزو

شب وصل ضد میں بسر ہو گئی | نہیں ہوتے ہوتے سحر ہو گئی
نگہ غیر پر بے اثر ہو گئی | تمہاری نظر کو نظر ہو گئی
کسک دل میں پھر چارہ گر ہو گئی | جو تسکین پہر دوپہر ہو گئی
لگاتے ہیں دل اس سے اب ہار جیت | ادھر ہو گئی یا ادھر ہو گئی

جواب ان کی جانب سے دینے لگا　　یہ جرات تجھے نامہ بر ہو گئی
برے حال سے یا بھلے حال سے　　تمہیں کیا ہماری بسر ہو گئی
میسر ہمیں خواب راحت کہاں　　ذرا آنکھ جھپکی سحر ہو گئی
جفا پر وفا تو کروں سوچ لو　　تمہیں مجھ سے الفت اگر ہو گئی
نگاہ ستم میں کچھ ایجاد ہو　　کہ یہ تو پرانی نظر ہو گئی
تسلی مجھے دے کے جاتے تو ہو　　مبادا جو جوع دگر ہو گئی
کہیں حسن سے بھی ہے کاہیدگی　　نہ ہونے کے قابل کمر ہو گئی
شب وصل ایسی کھلی چاندنی　　وہ گھبرا کے بولے سحر ہو گئی
کہی زندگی بھر کی شب واردات　　مری روح پیغام بر ہو گئی
کہو کیا کرو گے مرے وصل کی　　جو مشہور جھوٹی خبر ہو گئی

غم ہجر سے داغ مجھ کو نجات
یقیں تھا نہ ہو گی مگر ہو گئی

اس سے کیا خاک ہم نشیں بنتی　　بات بگڑی ہوئی نہیں بنتی
وہ بنی ابتدائے الفت میں　　دم پہ جو وقت واپسیں بنتی
آدمی سب فرشتے بن جاتے　　آسماں پر اگر زمیں بنتی
میری صورت بنی تو خاک بنی　　قسمت اے صورت آفریں بنتی
وعدہ کرتے ہی کیا وہ آجاتے　　رات بھر زلف عنبریں بنتی
کاش سنتا نہ کوئی شور و فغاں　　دل کی جا چشم سرگیں بنتی
تونے ایسے بگاڑ ڈالے ہیں　　ایک کی ایک سے نہیں بنتی

نہ چمکتی جو حسن کی تقدیر   کیوں تری چاند سی جبیں بنتی
پارۂ جیب سے مری اے کاش   دست وحشت کی آستیں بنتی
بزم دنیا تھی قابل جنت   خوب بنتی اگر یہیں بنتی
طبع نازک کا لطف جب تھا داغ
نازنینوں میں نازنیں بنتی!

ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے   مری جاں چاہنے والا بڑی مشکل سے ملتا ہے
کہیں ہے عید کی شادی کہیں ماتم ہے مقتل میں   کوئی قاتل سے ملتا ہے کوئی بسمل سے ملتا ہے
پس پردہ بھی لیلیٰ ہاتھ رکھ لیتی ہے آنکھوں پر   غبار ناتوان قیس جب محمل سے ملتا ہے
بھرے ہیں تجھ میں وہ لاکھوں ہنر اے مجمع خوبی   ملاقاتی ترا گویا بھری محفل سے ملتا ہے
مجھے آتا ہے کیا کیا رشک وقت ذبح اس سے بھی   گلا جس دم لپٹ کر خنجر قاتل سے ملتا ہے
بظاہر باادب یوں حضرت ناصح سے ملتا ہوں   مرید خاص جیسے مرشد کامل سے ملتا ہے
مثال گنج قاروں اہل حاجت سے نہیں چھپتا   جو ہوتا ہے سخی خود ڈھونڈ کر سائل سے ملتا ہے
جواب اس بات کا اس شوخ کو کیا دے سکے کوئی   جو دل لے کر کہے کمبخت تو کس دل سے ملتا ہے
چھپائے سے کوئی چھپتی ہے اپنے دل کی بیتابی   کہ ہر تار نفس اپنا رگ بسمل سے ملتا ہے
عدم کی جو حقیقت ہے وہ پوچھو اہل ہستی سے   مسافر کو تو منزل کا پتا منزل سے ملتا ہے
غضب ہے داغ کے دل سے تمہارا دل نہیں ملتا
تمہارا چاند سا چہرہ مہ کامل سے ملتا ہے

تم نے بدلے ہم سے گن گن کے لئے
ہم نے کیا چاہا تھا اس دن کے لئے

کچھ نرالا ہے جوانی کا
شوخیاں زیور ہیں اس سن کے لئے

چاہنے والوں سے گر مطلب نہیں
آپ پھر پیدا ہوئے کن کے لئے

فیصلہ ہو آج میرا آپ کا
یہ اٹھا رکھا ہے کس دن کے لئے

دے مئے بے درد اے پیر مغاں
چاہئے اک پاک باطن کے لئے

دل کے لینے کی ضمانت چاہئے
اور اطمینان ضامن کے لئے

ہم نشینوں سے مرے کہتے ہیں وہ
چھوڑ دیں غیروں کو کیا ان کے لئے

ہیں رخ نازک پہ گنتی کے نشاں
کس نے بوسے تیرے گن گن کے لئے

وہ نہیں سنتے ہماری کیا کریں
مانگتے ہیں ہم دعا جن کے لئے

آج کل میں داغ ہو گے کامیاب
کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لئے

آئے بھی تو وہ منہ کو چھپائے مرے آگے
اس طرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے

دل میں نے لگایا ہے مگر دیکھئے کیا ہو
سب جھینکتے ہیں اپنے پرائے مرے آگے

بجھتے ہوئے دیکھوں گا نہ میں دل کی لگی کو
کوئی نہ کبھی شمع بجھائے مرے آگے

کیا دم کا بھروسا ہے پھر آئے کہ نہ آئے
جانا ہو جو قاصد کو تو جائے مرے آگے

کچھ تذکرۂ رنجش معشوق جو آیا!!
دشمن کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے

مانگی ہے دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو
کوسا ہو اگر میں نے تو آئے مرے آگے

تیور یہی کہتے تھے کہ یہ نام ہے میرا
لکھ کر کئی حرف اس نے مٹائے مرے آگے

دیکھے تو کوئی قاصد جاناں کی دلیری　　واپس مرے خط لا کے جلائے مرے آگے
بچھڑے ہوئے معشوق ملیں سب کو الٰہی　　تنہا کوئی جنت میں نہ جائے مرے آگے
محشر میں بھی ہے خواہش خلوت مجھے ان سے　　کہتا ہوں کیا میرا نہ آئے مرے آگے
کچھ داغ کا مذکور جو آیا تو وہ بولے
آئے تھے برا حال بنائے مرے آگے

سب سے تم اچھے ہو تم سے مری قسمت اچھی　　یہی کمبخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی
حسن معشوق سے بھی حسن سخن ہے کمیاب　　ایک ہوتی ہے ہزروں میں طبیعت اچھی
میری تصویر بھی دیکھی تو کہا شرما کر　　یہ برا شخص ہے اس کی نہیں نیت اچھی
ہر طرح دل کا ضرر جان کا نقصاں دیکھا　　نہ محبت تری اچھی نہ عداوت اچھی!
کس صفائی سے کیا وصل کا تو نے انکار　　اس محل پر تو زباں میں تری لکنت اچھی
ہجر میں کس کو بلاؤں نہ بلاؤں کس کو　　موت اچھی ہے الٰہی کہ قیامت اچھی
دیکھنے والوں سے انداز کہیں چھپتے ہیں　　ہم کو پردے میں نظر آتی ہے صورت اچھی
میری شامت کہ دکھائی اسے دشمن کی شبیہہ　　مسکرا کر یہ کہا اس نے نہایت اچھی
جو ہو آغاز میں بہتر وہ خوشی ہے بدتر　　جس کا انجام ہو اچھا وہ مصیبت اچھی
ہے سرناز فروشی تو خریدار بہت　　بیچ ڈالو اسے مل جائے گی قیمت اچھی
عیب بھی اپنے بیاں کرنے لگے آخرکار　　ہو گئی ان کو برا کہنے کی عادت اچھی
تم بتاؤ تو سہی مہر و محبت کے گواہ　　ایسے دعوئ میں تو جھوٹی ہی شہادت اچھی
زور و زر سے بھی کہیں داغ حسیں ملتے ہیں
اپنے نزدیک تو ہے سب سے اطاعت اچھی

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لئے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

یہ نہ پوچھو کہ غم ہجر میں کیسی گذری
دل دکھانے کا اگر ہو تو دکھائے کوئی

ناک میں ہے نگہ شوق خدا خیر کرے
سامنے سے مرے بچتا ہوا جائے کوئی

ہو چکا عیش کا جلسہ تو مجھے خط پہنچا
آپ کی طرح سے مہمان بلائے کوئی

ترک بیداد کی تم داد نہ چاہو مجھ سے
کرکے احسان نہ احسان جتائے کوئی

یوں شب وصل ہو بالیدگی عیش و نشاط
آپ اپنے میں خوشی سے نہ سمائے کوئی

حال افلاک و زمیں کا جو بتایا تو کیا
بات وہ ہے جو ترے دل کی بتائے کوئی

دردالفت کے مزے لیتے ہیں قسمت والے
خون دل زہر نہیں ہے کہ نہ کھائے کوئی

کیا وہ مئے داخل دعوت نہیں ہے اے واعظ
مہربانی سے بلا کر جو پلائے کوئی

وعدۂ وصل اسے جان کے خوش ہو جاؤں
وقت رخصت بھی اگر ہاتھ ملائے کوئی

سرد مہری سے زمانے کی ہوا ہے دل سرد
رکھ کر اس چیز کو کیا آگ لگائے کوئی

آپ نے داغ کو منہ بھی نہ لگایا افسوس
اس کو رکھتا تھا کلیجے سے لگائے کوئی

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

آپ کی ہر بات میں یہ بات ہے
چال ہے فقرہ ہے دم ہے گھات ہے

حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے
واہ کیا نیت ہے کیا اوقات ہے

تونے قاصد جو کہی دل کی کہی
یہ اسی کافر کے منہ کی بات ہے

پھر خدا جانے کہاں تم ہم کہاں
عیش و عشرت کی یہی اک رات ہے

شکوہ کے بدلے کیا شکر ستم
پھر خفا ہیں کیا مزے کی بات ہے

ان کا قاصد لے چلا ہے دل مرا　　تازہ فرمائش نئی سوغات ہے
شب کو جاگیں بزم میں وہ دن کو سوئیں　　رات کا دن اور دن کی رات ہے
کیوں پھسل پڑتے ہیں ملک حسن میں　　کیا وہاں برسات ہی برسات ہے
جب کہا میں نے کہ اب مرتا ہوں میں　　بولے بسم اللہ اچھی بات ہے
ضعف سے اٹھتے نہیں دست دعا　　اب ہماری شرم اس کے ہاتھ ہے
کہتے ہیں دشنام دے کر لیں گے دل　　مفت کیوں دیتے ہو کچھ خیرات ہے
داغ سے جا کر ملے تھے ہم بھی آج
آدمی خوش وضع خوش اوقات ہے

تلاش ان کو ہے میرے راز داں کی　　نئی ترکیب نکلی امتحاں کی
کہاں اے چارہ گر دل میں حرارت　　یہ گرمی ہے فقط ضبط فغاں کی
نہیں کچھ ہرزہ گو دیوانہ عشق　　سنو تو کہہ رہا ہے یہ کہاں کی
کرے گی سجدہ میت بھی ہماری　　کہ مٹی دی ہے اس نے آستاں کی
شب غم آئے خواب مرگ کیونکر　　یہاں دیکھی ہیں آنکھیں پاسباں کی
تمہیں سنواؤں کیونکر اس کی باتیں　　مرے دل میں ہے کیفیت زباں کی
دہن کو ہے مزا تیرے دہن کا　　زباں کو چاٹ ہے تیری زباں کی
وہ سن کر داغ کے اشعار بولے
خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

وہ نیم وعدہ کر کے فراموش ہو گئے
امیدوار ہوش سے بے ہوش ہو گئے

تلچھٹ بھی آج حضرت زاہد نے صاف کی
مئے نوش کیا ہوئے کہ بلانوش ہو گئے

کافی ہے میرے قتل سے اتنا نہیں لحاظ
دو چار دن کے واسطے روپوش ہو گئے

احباب کو جنازہ اٹھانا بھی بار تھا
ہم خاک میں ملے وہ سبکدوش ہو گئے

بگڑا مزاج ان کا تو محفل بگڑ گئی
سامان عیش اڑ کے مرے ہوش ہو گئے

ماتم ہے طفل اشک کا یا دل کا سوگ ہے
کیوں مرد ماں دیدہ سیاہ پوش ہو گئے

ہاں ہاں ٹھہر ٹھہر کے اٹھا رخ سے تو نقاب
پیدا طبیعتوں میں بہت جوش ہو گئے

میری برائیاں تو نہ کرتا ہو مدعی!
کیا غور ہے کہ ہم ہمہ تن گوش ہو گئے

اے داغ سب زمانہ ماضی کے ذوق و شوق
اک بار دل سے محو و فراموش ہو گئے

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے
اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے

مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا
نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

کلیجا مرے منہ کو آئے گا اک دن
یونہی لب پہ آہ و فغاں آتے آتے

ابھی سن ہی کیا ہے جو بیباکیاں ہوں
انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے

چلے آتے ہیں دل میں ارمان لاکھوں
مکاں بھر گیا مہماں آتے آتے

نتیجہ نہ نکلا تھکے سب پیامی
وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے

تمہارا ہی مشتاق دیدار ہو گا
گیا جان سے اک جواں آتے آتے

یقیں ہے کہ ہو جائے آخر کو سچی
مرے منہ میں تیری زباں آتے آتے

سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو
وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے

تری آنکھ پھرتے ہی کیسا پھرا ہے
مری راہ پر آسماں آتے آتے

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے

کسی نے کچھ ان کو ابھارا تو ہوتا
نہ آتے نہ آتے یہاں آتے آتے

قیامت بھی آئی تھی ہمراہ اس کے
مگر رہ گئی ہم عناں آتے آتے

بنا ہے ہمیشہ یہ دل باغ و صحرا
بہار آتے آتے خزاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

مل گئی بیخودیِ شوق سے راحت کیسی
ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

کیا کہوں اس نے اٹھائی ہے اذیت کیسی
مرنے والے کی رہی رات کو حالت کیسی

عشق نے دی ہیں دعائیں دم رحلت کیسی
مجھ سے مل مل کے گلے روئی ہے حسرت کیسی

عکس بھی آئینہ میں چار گھڑی بعد آیا
بڑھ گئی حد سے سوا ان کی نزاکت کیسی

بندہ چاہے جو خدائی کوئی مل سکتی ہے
لوگ قسمت کو لئے پھرتے ہیں قسمت کیسی

جور معشوق کی پرسش ہی نہیں دنیا میں
اپنے بندے سے خدا کو ہے محبت کیسی

حور سے بحث نہیں ہاں یہ بتا اے زاہد
لاکھ دو لاکھ میں ہو ایک وہ صورت کیسی

دوست یک رنگ جو اک جا کبھی مل بیٹھتے ہیں
لطف کے ساتھ گذرتی جاتی ہے صحبت کیسی

خواب میں بھی جو برا اس نے کہا سب نے سنا
جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی

آپ ہی جور کریں آپ ہی پوچھیں مجھے
یہ تو فرمایئے ہے آج طبیعت کیسی

اب تو دو چار ہی نالوں کا رہا تھا جھگڑا
ہار دی حضرت دل آپ نے ہمت کیسی

تھمئے تھمئے کہ نکل جائے ذرا جان حزیں
میں تو رخصت نہ ہوا آپ کی رخصت کیسی

تھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو
اور ہوتی ہے خطا وار کی صورت کیسی

نگہ یار کو میں دل میں جگہ دوں لیکن
چور ہو جب کوئی مہمان تو عزت کیسی

چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں یہ یاد رہے
کبھی کیسی ہے کبھی اپنی طبیعت کیسی

شعر تر نکلے تو وہ لخت جگر اپنا ہے
اپنی اولاد سے ہوتی ہے محبت کیسی

دل کو سمجھائیں گے بہلائیں گے، پھسلائیں گے
بعد مرجانے کے مل جائے گی فرصت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبہ دل کی اے داغ
بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

نظر آتا ہے پری رو جو کوئی شوخ و شریر
گدگداتی ہے پھر اے داغ طبیعت کیسی

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی
ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی

آرام طلب ہوں کرم عام کے طالب
یوں مفت میں لٹتی نہیں بیداد کسی کی

دل تھامے ہوئے پھرتے ہیں سب گبرو مسلماں
کیا یاد ہے کیا یاد ہے کیا یاد کسی کی

اس حسن جہاں سوز سے برپا ہے قیامت
ایسے میں کرے کیا کوئی امداد کسی کی

بڑھتی ہے محبت کی اسیری میں اسیری
پوری نہیں ہوتی کبھی معیاد کسی کی

ایمان تو جب لائیں ہم اے شان کریمی
مٹ جائے اگر لذت بیداد کسی کی

نکلی تو سہی جان مگر سہل نہ نکلی
اٹکی نہیں رہتی مرے جلاد کسی کی

جب دیکھتی ہے نالہ بلبل میں اگر کچھ — اس کو بھی اچک لیتی ہے فریاد کسی کی

گھبرا کے اگر موت بھی مانگوں تو کہیں وہ — جاگیر نہیں ہے عدم آباد کسی کی

کیا عیش بھلائے گا یہ آزار یہ تکلیف — جنت میں بھی یاد آئے گی بیداد کسی کی

ہے الفت دشمن میں برا حال کسی کا — اے حضرت دل کیجئے امداد کسی کی

کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھو تو کوئی
بے چین کئے دیتی ہے فریاد کسی کی

اس کے در تک کسے رسائی ہے — وہ ہی جائے گا جس کی آئی ہے

بات اک دل میں میرے آئی ہے — گر کہوں تو ابھی لڑائی ہے

دوسری جان ہے تری الفت — ایک کھوئی ہے ایک پائی ہے

بھر دیا زخم میں نمک اس نے — یہ دعا گو کی منہ بھرائی ہے

سچ ہے بے عیب ہے خدا کی ذات — تجھ میں کیا جانے کیا برائی ہے

اے لب یار تجھ کو میری قسم — کبھی سچی قسم بھی کھائی ہے

اس کے در تک پہنچ گیا قاصد — آگے تقدیر کی رسائی ہے

قتل کرتی ہے گفتگو ان کی — بات میں بات کی صفائی ہے

داغ اب وصل کا ہوا
یار زندہ غم جدائی ہے

وہ بت دل میں مہماں ہوا چاہتا ہے — نیا دین و ایماں ہوا چاہتا ہے

لب یار خزاں ہوا چاہتا ہے | کوئی عہد و پیماں ہوا چاہتا ہے
ترا پیرہن میری باتوں سے ناصح | مرا ہی گریباں ہوا چاہتا ہے
تری دوستی میں یہ تھوڑی خوشی ہے | کہ دشمن پشیماں ہوا چاہتا ہے
شب وصل آخر ہوئی جلد جاؤ | یہاں اور ساماں ہوا چاہتا ہے
کہے دیتی ہے سرگرانی ہماری | اجل کا کچھ احساں ہوا چاہتا ہے
نگہ تغافل نے تلوار کھینچی! | یہاں خون ارماں ہوا چاہتا ہے
تھکا کر بٹھانے لگی مجھ کو گردش | بیاباں ہی زنداں ہوا چاہتا ہے
اسی واسطے ہاتھ اپنا ہے دل پر | کوئی اس کا خواہاں ہوا چاہتا ہے

کیا داغ گو اس نے جھوٹا ہی وعدہ
ترا کام آساں ہوا چاہتا ہے

❁

کچھ اور دل لگی نہیں اس بدنصیب سے | ہم جانتے ہیں کھیلتے ہو تم رقیب سے
کیا خوب راز دار ملا ہے نصیب سے | کھل کھیلے پردے پردے میں تم تو رقیب سے
بہر دعائے مرگ اٹھیں کس طرح سے ہاتھ | چھٹتی نہیں ہے نبض ہماری طبیب سے
میں بدگمانیوں کا بھی ممنون ہو گیا! | وہ حال پوچھ لیتے ہیں میرا طبیب سے
شوخی میں تمکنت ہے تو ہے ناز میں نیاز | تعلیم تم نے پائی ہے اچھے ادیب سے
اپنا ہی عکس کیوں نہ ہو اللہ رے حجاب | دیکھا نہ آئینہ کبھی اس نے قریب سے
اخفائے راز عشق کی علوت بھی ہے بری | ہم نے ہمیشہ حال چھپایا طبیب سے
ایسی غم فراق میں صورت بگڑ گئی | جھک جھک کے دیکھتے ہیں وہ مجھ کو قریب سے
دیوانگی میں بھی نہ گئیں اپنی شوخیاں | گلشن میں پھول مانگتے ہیں عندلیب سے
دشمن بنائے ہیں مری قسمت نے سیکڑوں | چاہا ہے تجھ کو خلق نے میرے نصیب سے

اے ناصح شفیق رہے کچھ تو چھیڑ چھاڑ
ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

جو دیکھتا ہے اس کو مجھے دیکھتا نہیں
دنیا میں کون آنکھ ملائے غریب سے

مانند برق مثل ہوا صورت نگاہ
اکثر نکل گئے ہیں وہ میرے قریب سے

کہتا ہے مرتے دم بھی تجھے اب شفا ہوئی
پالا پڑا مریض کو جھوٹے طبیب سے!

ہم کو جو جلا جلا کے جہنم میں جائے گا
ناراض ہے خدا بھی ہمارے رقیب سے

کلکتہ میں ہے شیخ نمائش میں کلدگار
اس خلقت عجیب و لباس غریب سے

پوچھو جناب داغ کی ہم سے شرارتیں
کیا سر جھکائے بیٹھے ہیں حضرت غریب سے

درد بن کر دل میں آنا کوئی تم سے سیکھ جائے
جان عاشق ہو کے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

ہر سخن پر روٹھ جانا کوئی تم سے سیکھ جائے
روٹھ کر پھر مسکرانا کوئی تم سے سیکھ جائے

وصل کی شب چشم خواب آلودہ کو ملتے اٹھے
سوتے فتنے کو جگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

کوئی سیکھے خاکساری کی روش تو ہم سکھائیں
خاک میں دل کو ملانا کوئی تم سے سیکھ جائے

آتے جاتے یوں تو دیکھے ہیں ہزاروں خوش خرام
دل میں آنا دل سے جانا کوئی تم سے سیکھ جائے

دیکھ کر آئینہ اترائے کہ ہم بھی کوئی ہیں
اپنی نظروں میں سمانا کوئی تم سے سیکھ جائے

اک نگاہ لطف پر لاکھوں دعائیں مل گئیں
عمر کا اپنی بڑھانا کوئی تم سے سیکھ جائے

جان سے مارا اسے تنہا جہاں پایا جسے
بیکسی میں کام آنا کوئی تم سے سیکھ جائے

فیلسوفی اے بتو تم کو زمانہ کیا سکھائے
بلکہ ہو کیسا ہی دانا کوئی تم سے سیکھ جائے

جانتے ہو بات ہر غماز کی آیت حدیث
جھوٹ پر ایمان لانا کوئی تم سے سیکھ جائے

کیا سکھائے گا زمانے کو فلک طرز جفا — اب تمہارا ہے زمانہ کوئی تم سے سیکھ جائے
ہے تغافل میں بھی دزدیدہ نظر سے تانک جھانک — چور کو رستہ بتانا کوئی تم سے سیکھ جائے
ہر گنہ سے توبہ کر لی جب جوانی ہو چکی — زاہد جنت میں جانا کوئی تم سے سیکھ جائے
وہ کیا وعدہ کہ میں فرط خوشی سے رو دیا — ایسے ہنستے کو رلانا کوئی تم سے سیکھ جائے
غیر کو اپنا بنا لیتے ہیں ہم تو وقت پر — دوست کو دشمن بنانا کوئی تم سے سیکھ جائے

محو و بے خود ہو نہیں کچھ دین و دنیا کی خبر
داغ ایسا دل لگانا کوئی تم سے سیکھ جائے

دیکھا جو شہر حسن میں چرچا ہی اور ہے — اس کی ہوا ہے اور وہ دنیا ہی اور ہے
مجھ کو رلا کے آپ ہنسی سے تڑپ گئے — خود لوٹنے لگے یہ تماشا ہی اور ہے
جی چاہتا ہے مجھ کو وہ یارب نصیب ہو — کیسا بہشت مجھ کو تمنا ہی اور ہے
اس بے وفا کے ہاتھ رہا دل کا فیصلہ — نامنصفوں سے طے ہو یہ جھگڑا ہی اور ہے
لو دیکھتے ہی غیر کو چتون بدل گئی — آنکھوں کو دیکھئے تو اشارا ہی اور ہے
آئے تو کیا کہ پھر وہ کوئی دم میں جائیں گے — کم جس قدر ہوا ہے غم اتنا ہی اور ہے
کہتے ہیں خواب میں شب وعدہ ہم آئے تھے — یہ مکر یہ فریب یہ دھوکا ہی اور ہے
دیکھے جو تیرے قد کو قیامت تو یہ کہے — کج دھج ہی اور ہے یہ سراپا ہی اور ہے
تم آئینہ ہی دیکھ کے حیران رہ گئے — واللہ میرے دل میں اک ایسا ہی اور ہے
جب اہل حشر سے نہ ملی میری واردات — سب نے کہا سنو تو یہ جھگڑا ہی اور ہے
حوروں کی آرزو میں یہ کیفیتیں کہاں — اللہ رکھے اس کی تمنا ہی اور ہے

پھوٹیں یہ کلن گر قم عیسیٰ کی ہو ہوس
مرتے ہیں جس پہ ہم وہ مسیحا ہی اور ہے

قاتل کو زیر قبر بھی دیتے رہے دعا
سر جا کے بھی نہ جائے یہ سودا ہی اور ہے

کرتا ہوں صبر ان کی جفا پر تو کہتے ہیں
یہ دل ہی اور ہے یہ کلیجا ہی اور ہے

کیسا نیاز کس کی وفا کس کی عاشقی
تم جانتے نہیں مجھے دعوا ہی اور ہے

اجمیر ہو کے جائیں گے اے داغ ہم بہار
اب کی برس سفر کا ارادہ ہی اور ہے

نکل جائے یہ حسرت وہ نہیں ہے
بدل جائے یہ قسمت وہ نہیں ہے

وہی تم طبیعت وہ نہیں ہے
وہی صورت ہے سیرت وہ نہیں ہے

پکارا دیکھ کر میں حور کی شکل
خداوندا یہ صورت وہ نہیں ہے

تمہارا دل تو دیکھوں ہاتھ رکھ کر
وہی ہے یا محبت وہ نہیں ہے

کہے دیتے ہیں ہم دھوکا نہ کھانا
ہماری اب طبیعت وہ نہیں ہے

دکھائے بت برہمن شیخ حوریں
پلٹ جائے یہ نیت وہ نہیں ہے

ترا دل کیا ترے گھر میں بھی مجھ کو
ٹھہرنے دے یہ وحشت وہ نہیں ہے

مرے مرقد پہ بولے ہاتھ مل کر
اسی کی ہے یہ تربت وہ نہیں ہے

یہاں قیدی ہیں تھے دنیا میں آزاد
ہمیں جنت میں راحت وہ نہیں ہے

جو تم سمجھے ہو دل میں چارہ سازو
علاج درد فرقت وہ نہیں ہے

گئی محفل کی رونق داغ کے ساتھ
وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

مرادیں مان رہا ہوں قضا کے آنے کی — بری گھڑی تھی دل مبتلا کے آنے کی

شب وصال نہ ٹھہرے حیا کے آنے کی — کہ پھر کبھی نہیں یہ رات جا کے آنے کی

تمہارے دن ہیں قیامت اٹھائے پھرنے کے — تمہاری عمر ہے ناز و ادا کے آنے کی

دم اخیر مجھے اس کی کیا خوشی کم ہے — کہ دیکھی چال تری مسکرا کے آنے کی

شگاف چرخ سے اے آہ کیا ہوا حاصل — کہ اور راہ کھلی ہر بلا کے آنے کی

لگائے بیٹھے ہو مہندی عبث شب وعدہ — تمہیں امید ہے رنگ حنا کے آنے کی

کریں گے صبح قیامت بھی انتظار بہت — کہ عادت آپ کو ہے دن چڑھا کے آنے کی

وہ میری قبر پہ آتے ہیں خوب بن ٹھن کر — یہی تو وجہ ہے خلق خدا کے آنے کی

جواب وصل سے کیونکر نہ ہوں میں شادی مرگ — خوشی بھی اور خوشی دلربا کے آنے کی

وہ سادہ دل ہوں کہ تا وقت واپسیں مجھ کو — جمی ہوئی ہے بت بیوفا کی آنے کی

مرا خیال تو آنے دیا نہ تم نے مگر — ہوئی نہ روک دل مبتلا کے آنے کی

شب فراق ہجوم بلا سے کیا مرتا — کہ راہ بند ہوئی تھی قضا کے آنے کی

مری بلا رہے فرقت میں رات بھر ناشاد — مجھے تو عید ہے روز جزا کے آنے کی

بنا ہوں نفس واپسیں نقاہت سے — نہ آ کے جانے کی طاقت نہ جا کے آنے کی

رہی ہے منزل مقصود ہائے تھوڑی دور — خبر نہ تھی مجھے میل فنا کے آنے کی

ابھی تو کھیل ہیں اے داغ شوخیاں ان کی
پھر آرزوئیں کرو گے حیا کے آنے کی

دنیا میں کوئی لطف کرے یا جفا کرے — جب میں نہیں بلا سے مری کچھ ہوا کرے

اس جور پر وفا نہ کرے یا وفا کرے — مری جگہ نصیب سے تو ہو تو کیا کرے

آتے ہی ان کو ہوش قیامت بپا ہوئی — مانگیں تمہیں کیوں دعائیں کہ یہ دن خدا کرے

کیوں اے ستم شعار یہ کہنا بھی یاد ہے
تجھ سے دغا کرے تو خدا سے دغا کرے

لذت کو عشق کے غم جاوید چاہئے
تھوڑی سی زندگی ہے کہاں تک وفا کرے

گو وعدۂ دروغ کی بھی عہد ہو گئی
امید ہی نہیں جو کوئی التجا کرے

روز جزاء کہیں نہ سوال و جواب میں
کچھ گفتگو ہمارے تمہارے ہوا کرے

اس التجا کے ساتھ کہا ہم نے حال دل
جیسے اخیر وقت میں کوئی دعا کرے

دل کی طرح سے جان نہ جائے گی عشق میں
پھر کچھ وفا کرے تو یہی بے وفا کرے

بیتاب زیر تیغ نہ ہو وقت امتحاں!
دل کا غلام ہو جو تحمل ذرا کرے

منظور کس کو ہے جو اٹھائے بلائے عشق
جب سر پہ آپڑے، تو کہو کوئی کیا کرے

تجھ کو پسند آگئی دیوانگی مری!
تیری خوشی سے کام کوئی کچھ کیا کرے

دل نخل تن میں یک ثمر خوشگوار ہے
اے کاش تیغ یار ہی یہ پھل نیا کرے

معشوق بے نیاز ہے عاشق کو چاہئے
لب سے کرے جو شکوہ تو دل سے دعا کرے

اس عشق میں کسی کا اجارہ نہیں ہے داغ
پروردگار جس کو یہ یہ دولت عطا کرے

میرے رونے پر جو رویا آدمی فہمیدہ ہے
ناصح عاقل پرانا گرگ باراں دیدہ ہے

جانتے ہیں جاگنے والے فراق یار کے
فتنہ روز قیامت فتنہ خوابیدہ ہے

میں بھی تو دیکھوں نکلتا ہے یہ تنکا کس طرح
چارہ گر کی آنکھ میں میرا تن کاہیدہ ہے

کیا کہوں کیونکر کہوں کس سے کہوں کیا کیا کہوں
آپ کی کیا بات ہے، جو بات ہے سنجیدہ ہے

تو نے رکھا ہے رقیب ترش رو کے دل پہ ہاتھ
آج کیوں پھیکا ترا دست حنا مالیدہ ہے

تیر جب بیٹھا مرے دل میں ترازو ہو گیا!
اس سے یہ ظاہر ہوا قاتل بہت سنجیدہ ہے
میں تو ان باتوں کا قائل ہوں مرے خط کا جواب
جس قدر ہے مختصر ہے چیدہ ہے پیچیدہ ہے
خاک میں اس نے ملایا مجھ کو یا میں نے اسے
آج میں ہوں اور یہ میرا دل تفتیدہ ہے
زہر کھا کر مل گئے ہیں خاک میں عاشق بہت
انگلیاں ہیں دیکھ تو یا سبزہ روئیدہ ہے
خوب آتا ہے لگا لینا نگاہ یار کو
ایک سے ان بن ہوئی تو دوسرا گرویدہ ہے
اس ستم گر نے مرے پیغامبر سے یہ کہا
مر نہیں جاتا اگر آزردہ ہے رنجیدہ ہے

بہر نظارہ چلا ہے کوچہ قاتل میں داغ
کس بلا کا ہے کلیجہ کس غضب کا دیدہ ہے

پیامی کامیاب آئے نہ آئے
خدا جانے جواب آئے نہ آئے
ترے غمزوں کو اپنے کام سے کام
کسی کے دل کو تاب آئے نہ آئے
اسے شرمائیں گے ذکر عدو پر
یہ قسمت ہے حجاب آئے نہ آئے
تم آؤ جب سوار تو سن ناز
قیامت ہمرکاب آئے نہ آئے
شمار اپنی خطاؤں کا بتا دوں
تمہیں شاید حساب آئے نہ آئے
نئے خنجر سے مجھ کو ذبح کیجئے
پھر ایسی آب و تاب آئے نہ آئے
شب وصل عدو تیری بلا سے
کسی مضطر کو خواب آئے نہ آئے
پیوں گا آج ساقی سیر ہو کر
میسر پھر شراب آئے نہ آئے
یہ جا کر پوچھ آ تو ان سے درباں
کہ وہ خانہ خراب آئے نہ آئے

نہ دیکھو داغ کا دیوان دیکھو
سمجھ میں یہ کتاب آئے نہ آئے

بعد مردن بھی خیال رخ قاتل ہے وہی / جس سے ہم جان چراتے تھے مقابل ہے وہی

عشق کا کوئی نتیجہ نہیں جز درد و الم / لاکھ تدبیر کیا کیجئے حاصل ہے وہی

چار دن پہلے جو تقدیر میں تھا اب وہ نہیں / ہم وہی تم ہو وہی شوق وہی دل ہے وہی

خضر سے پوچھے کوئی عمر ابد کی تکلیف / زندگی نام ہے جس چیز کا قاتل ہے وہی

مر گئے خسرو جمشید سے میکش لاکھوں / رونق ساغر و آرائش محفل ہے وہی

مانگے جائیں گے دعا ہو گی نہ کب تک مقبول / بے لئے جو کبھی ٹلتا نہ ہو سائل ہے وہی

رشک اغیار نے کیا وہم میں ڈالا مجھ کو / وہ ہیں پہلو میں پہ اندیشہ باطل ہے وہی

طیش دل تہہ شمشیر نہ دیکھو دیکھو / جس سے قاتل بھی تڑپ جائے یہ بسمل ہے وہی

دیکھ کر مجمع اغیار یہ ان سے پوچھا / ہم جہاں رہتے تھے دن رات یہ محفل ہے وہی

کام دنیا میں نکلتا نہیں آسانی سے / جس کو ہم سہل سمجھ لیتے ہیں مشکل ہے وہی

شور اٹھتا بن ہر مو سے انا لیلیٰ کا / قیس گر دل کو سمجھتا کہ یہ محمل ہے وہی

بارے اتنا تو مرا دھیان انہیں رہتا ہے / سب سے کہتے ہیں مرے جور کے قابل ہے وہی

بڑھ گیا بیروں لہو ان کو جو آتے دیکھا / خود نہ پہچان سکا میں کہ مرا دل ہے وہی

نام پاتے ہیں محبت میں جو مٹ جاتے ہیں / جس کے ہونے کا گماں بھی نہ رہے دل ہے وہی

انتظار نفس باز پسیں ہے ہر دم / سر منزل ہوں مگر دوری منزل ہے وہی

حسرتوں کی ہے تباہی سی تباہی دل میں / جس جگہ قافلے لٹتے ہیں یہ منزل ہے وہی

کیا بتوں کی سی نہ حوروں میں ادائیں ہوں گی / آدمی کے لئے جنت میں بھی مشکل ہے وہی

جو کہے داغ یہ مست وہ لکھ لو دل پر
اس خرابات میں اک مرشد کامل ہے وہی

❁

میری فریاد دوسرا نہ سنے / تم سنو اے بتو خدا نہ سنے

راز اپنا کبھی کہا نہ کہے / حال میرا کبھی سنا نہ سنے

خوبرو وہ جسے زمانہ کہے
گفتگو وہ جسے زمانہ سنے

غیر بھی گر کرے مری تعریف
تو بھی ہرگز وہ بے وفا نہ سنے

کیوں سنے وہ شکایت بیداد
صنعت خنجر ادا نہ سنے

اس لئے ہے پیام بر کی تلاش
مجھ سے میرا وہ مدعا نہ سنے

سن کے دشنام پی گئے ناصح
کان وہ ہے جو ناروا نہ سنے

پہلے گالی وہاں ہے پیچھے بات
اب سنے اس کو کوئی یا نہ سنے

دوستی کیا اسی کو کہتے ہیں
آشنا کی جو آشنا نہ سنے

دیدہ و دل میں اس لئے ہے فرق
ایک کا ایک ماجرا نہ سنے

کیوں نہ بنتا وہ صورت تصویر
مدعا تھا کہ مدعا نہ سنے

ہوش اڑتے ہیں دیکھ کر ان کو
ایسے دیکھے پری لقا نہ سنے

سن سکے ترے منہ سے کیا انکار
لن ترانی کی جو صدا نہ سنے

ہجر میں جو دعائیں مانگیں ہیں
کوئی اللہ کے سوا نہ سنے

داغ کو چین ہی نہیں آتا
اس سے جب تک برا بھلا نہ سنے

فرقت کی شب یہ کام لیا دل کے داغ سے
ڈھونڈا اجل کو تا بہ سحر اس چراغ سے

تفریح ٹپکی پڑتی ہے ان کے دماغ سے
گلگشت کر کے آئے ہیں دشمن کے باغ سے

کھاتے ہیں داغ دوست مرے دل کے داغ سے
سچ ہے چراغ ہوتا ہے روشن چراغ سے

اللہ رے غرور و نزاکت مزاج کی
اپنی بھی زلف سونگھتے ہیں کس دماغ سے

توبہ تو کر چکا ہوں مگر اب بھی شوق ہے
خالی صراحی و خم و جام و ایاغ سے

شہ رگ سے پاس اور پھر اس کا مقام دور
ہرجائی اور پھر نہیں ملتا سراغ سے

گر بعد مرگ وسعت دل ہو نصیب میں
کنج لحد بھی کم نہ ہو کنج فراغ سے

فرہاد و قیس ایک جنوں میں ہیں مبتلا
دامان کوہ بستہ ہے دامان داغ سے

بوئے وفا بھی آتی تو ہوتا ہے درد سر
کیونکر نبھے گی اس بت نازک دماغ سے

پیتے ہیں زیر خاک بھی رندان بادہ کش
گرتی ہے جب شراب چھلک کر ایاغ سے

فریاد عندلیب کو سمجھے مری فغاں
گھبرائے منہ بنائے وہ آتے ہیں باغ سے

دل بجھ گیا ہے اس کی تجلی کے سامنے
خورشید و ماہ اختر و شمع و چراغ سے

ہر شان میں نشان ہے ہر رنگ میں ظہور
آوارہ میں ہوا ہوں کسی کے سراغ سے

ہر وقت تازہ فقرہ ہے ان کی زبان پر
ہر دم نئی اترتی ہے ان کے دماغ سے

دنیا میں ایسے لوگ مصیبت زدہ کہاں
روئے ہم آج خوب گلے مل کے داغ سے

آرزو یہ ہے کہ نکلے دم تمہارے سامنے
تم ہمارے سامنے ہو ہم تمہارے سامنے

حشر کے دن بھی ہو شرح غم تمہارے سامنے
سب خدا کے سامنے ہوں ہم تمہارے سامنے

آہ لب پر آئے تھم تھم کر کہ تم گھبرا نہ جاؤ
درد دل میں ہو مگر کم کم تمہارے سامنے

روبرو میرے بٹھایا جس طرح سے غیر کو
ہو یونہی اک فتنہ عالم تمہارے سامنے

بعد میرے روئے گا سارا زمانہ دیکھنا
دھوم سے ہو گا مرا ماتم تمہارے سامنے

آئی ہے کیا میری شامت آئی ہے کیا میری موت
میں کروں اظہار درد و غم تمہارے سامنے

قتل کر ڈالو ہمیں یا جرم الفت بخش دو
لو کھڑے ہیں ہاتھ باندھے ہم تمہارے سامنے

واعظو تم کو نہ ہو زندان جنت کا یقیں
خود کہیں گر حضرت آدم تمہارے سامنے

اک تمہاری چپ میں سو اعجاز دیکھے اے بتو!
دم بخود ہے عیسیٰؑ مریم تمہارے سامنے

اب یہ بیباکی؟ وہ دن بھی یاد ہیں، جب چھپ گئے
آگیا جب کوئی نامحرم تمہارے سامنے

حال دل میں کچھ نہ ہو تاثیر یہ ممکن نہیں
کوئی اتنا ہو کہے ہر دم تمہارے سامنے

مجھ کو اس سر کی قسم ہر دم وہی ہے اضطراب
داغ مضطر کا جو تھا عالم تمہارے سامنے

پھر کہیں چھپتی ہے ظاہر جب محبت ہو چکی
ہم بھی رسوا ہو چکے ان کی بھی شہرت ہو چکی

دیکھ کر آئینہ آپ آپ وہ کہنے لگے!
شکل یہ پریوں کی یہ حوروں کی صورت ہو چکی

غیر کے آگے تو کی ہو گی برائی کس قدر
میرے منہ پر بارہا میری شکایت ہو چکی

مر گئے ہم مر گئے اس ظلم کی کچھ حد بھی ہے
بیوفائی ہو چکی اے بے مروت ہو چکی

کیا ہمارا جرم ٹھہرا کیا سنا عذر گناہ
وائے حسرت ایک ہی دن میں قیامت ہو چکی

کیوں ہوئے غمگین نہ تھا کچھ مرثیہ ذکر رقیب
آؤ مل جاؤ گلے بس اب ندامت ہو چکی

کثرت ناز و ادا نے صبر کی فرصت نہ دی
دوسری برپا ہوئی جب اک قیامت ہو چکی

ہم بھی اک طرح کا ہو تو رہے کچھ دل لگی
وہ مصیبت پھر نہ آئے جو مصیبت ہو چکی

کیا مزا ہے ان کو اپنی شوخی تقریر کا
جھک پڑے غیروں پہ جب مجھ پر عنایت ہو چکی

ہم بدل جائیں گے کیا؟ قسمت بدل جائے گی کیا
جب نہ دنیا میں ہوئی عقبیٰ میں راحت ہو چکی

تیرے جلوے سے نہ رہ جائے کلیجا تھام کر
حشر تک انسان کی یہ تاب و طاقت ہو چکی

عہد سے ضد سے قسم سے قول سے تکرار سے
دل دیا ان کو مگر جب خوب حجت ہو چکی
ہم سے دیوانوں سے کترا کر چلے ناصح نہ کیوں
جانتا ہے وہ کہ ایسوں کو نصیحت ہو چکی
اے دل مشتاق کافی ہے سہارا اس قدر
کیا نہ ہوگا وصل جب صاحب سلامت ہو چکی
اس کی محفل میں رسائی بھی ہوئی تو کیا ہوا
ہم گئے اس وقت جب برخاست صحبت ہو چکی

اس زمیں میں شعر کہنے کا مزا پاؤ گے داغ
اب تو جو ہوتی تھی اے حضرت سلامت ہو چکی

گو دل آزار ہو اچھوں کا خیال اچھا ہے
سو بلاؤں سے پھر ارمان وصال اچھا ہے
یہ تری چشم فسوں گر میں کمال اچھا ہے
ایک کا حال برا ایک کا حال اچھا ہے
تاک کر دل کو وہ فرماتے ہیں مال اچھا ہے
یہ خدا کی قسم انداز سوال اچھا ہے
روسیاہی خط عارض کی مٹی پیری میں!
کیا قیامت ہے کہ کافر کا مال اچھا ہے
فکر ہے داور محشر نہ توجہ سے سنے
غیر کے نامہ اعمال کا حال اچھا ہے
مول لے لیتے ہیں خود رنج شب وصل میں ہم
کثرت عیش میں تھوڑا سا ملال اچھا ہے
تنگ ہمت ہے اگر دولت کونین ملے
جو نہ پورا ہو کسی سے وہ سوال اچھا ہے
چھان لی ہم نے جہان گذراں کی گذری
سارے بازار میں اک تو ہی تو مال اچھا ہے
عوض نقل و گزک اس کو چبا لیتا ہوں
سوندھا سوندھا یہ مرا جام سفال اچھا ہے
وہ عیادت و مری آتے ہیں لو اور سنو
آج ہی خوبی تقریر سے حال اچھا ہے
طائر قبلہ نما کو ہے حیات جاوید
زندگانی کا مزا بے پر و بال اچھا ہے
آنکھ صیاد کی لاکھوں میں پڑے گی اس پر
آشیاں جس پہ مراد ہو وہ نہال اچھا ہے
مرض عشق کی صحت کے اٹھائے الزام
ہم مرے جاتے ہیں جس روز سے حال اچھا ہے

آ گئی غیر کے مطلب میں کہاں سے خوبی
وہ مرے دل میں ہے، جو حرف سوال اچھا ہے

اور تو کیا تری تصویر بھی تجھ سے یہ کہے
واقعی مجھ سے ترا حسن جمال اچھا ہے

بد دعا لگ گئی کیا تیرے مریض غم کی
چارہ گر مرتے ہیں بیمار کا حال اچھا ہے

گریہ شب سے جو تاثیر کی امید بندھی
ہنس کے تقدیر پکاری کہ خیال اچھا ہے

آپ کی جس میں ہو مرضی وہ مصیبت بہتر
آپ کی جس میں خوشی ہو وہ ملال اچھا ہے

جو نگاہوں میں ادا ہو وہ جواب اولیٰ ہے
جو اشاروں میں ہو پورا وہ سوال اچھا ہے

داغ تم اور پڑھو شعر ابھی چپ نہ رہو
کہ یہاں مجمع ارباب کمال اچھا ہے

غیر کے نام سے پیغام وصال اچھا ہے
چھیڑ کا جس میں مزا ہو وہ سوال اچھا ہے

کبھی کہتا ہوں محبت کا مآل اچھا ہے
کبھی کہتا ہوں جواب ہے یہی حال اچھا ہے

یہ بھی کہتے ہو کہ بے چین کیا کس نے تجھے
یہ بھی کہتے ہو مرا حسن و جمال اچھا ہے

دل تو ہم دیں گے مگر پیشتر اتنا کہہ دو
ہجر اچھا ہے تمہارا کہ وصال اچھا ہے

یہ تو بہتر ہے کہ دنیا میں ہو عقبیٰ کا خیال
کچھ تو عقبیٰ میں بھی دنیا کا مآل اچھا ہے

یہی دولت کا مزہ ہے کہ اڑیں گل چھرے
ہاتھ آتے ہی جو اڑ جائے وہ مال اچھا ہے

صلح دشمن سے بھی کرلیں گے تری خاطر سے
جس طرح سے ہو غرض رفع ملال اچھا ہے

اک دکاں میں ابھی رکھ آئے ہیں ہم اپنا دل
دور سے سب کو بتاتے ہیں وہ مال اچھا ہے

کیا وہ غارت گر دیں حشر سے اڑ جائے گا
ہر مسلمان کا سنتے ہیں مآل اچھا ہے

روز بد سے نہیں تا عمر محبت میں نجات
موت جس سال میں آئے وہی سال اچھا ہے

اپنی تعریف سے چڑھتے ہو اگر جانے دو
چشم بدور ہمارا ہی جمال اچھا ہے

لوگ کہتے ہیں بھلائی کا زمانہ نہ رہا — یہ بھی کہہ دیں کہ برائی کا مآل اچھا ہے

رقم شوق کی تاثیر سے اڑنا بہتر — طائر نامہ رسا بے پر و بال اچھا ہے

ایسے بیمار کی افسوس دوا ہو کیونکر! — ابھی دم بھر میں برا ہے ابھی حال اچھا ہے

دیکھنے والوں کی حالت نہیں دیکھی جاتی — جو نہ دیکھے وہی مشتاق جمال اچھا ہے

یا دکھا دو مجھے تم پاؤں کا ناخن اپنا — یا یہ کہہ دو مرے ناخن سے ہلال اچھا ہے

تم نہیں اور سہی دل کے طلبگار بہت — سو خریدار ہیں موجود جو مال اچھا ہے

دل میں تو خوش ہیں تسلی کو مری کہتے ہیں — آپ مرنے کے نہیں آپ کا حال اچھا ہے

باغ عالم میں کوئی خاک پھلے پھولے گا — برق گرتی ہے اسی پر جو نہال اچھا ہے

عرصہ حشر میں سب ہو گئے خواہاں اس کے — لوگ کہتے ہیں اشاروں سے یہ مال اچھا ہے

ہم سے پوچھے کوئی دنیا میں ہے کیا شے اچھی — رنج اچھا ہے غم اچھا ہے ملال اچھا ہے

آپ پچھتائیں نہیں جور سے توبہ نہ کریں
آپ گھبرائیں نہیں داغ کا حال اچھا ہے

یوں چلئے راہ شوق میں جیسے ہوا چلے — ہم بیٹھ بیٹھ کر جو چلے بھی تو کیا چلے

بیٹھے اداس اٹھے پریشاں خفا چلے — پوچھے تو کوئی آپ سے کیا آئے کیا چلے

آئیں گی ٹوٹ ٹوٹ کے قاصد پر آفتیں — غافل ادھر ادھر بھی ذرا دیکھتا چلے

ہم ساتھ ہو لئے تو کہا اس نے غیر سے — آتا ہی کون اس سے کہو یہ جدا چلے

بالیں سے میری آج وہ یہ کہہ کے اٹھ گئے — اس پر دوا چلے نہ کسی کی دعا چلے

موسیٰ کی طرح راہ میں پوچھے نہ راز دوست — خاموش خضر ساتھ ہمارے چلا چلے

افسانہ رقیب بھی لو بے اثر ہوا — بگڑے جو سچ کہے سے وہاں جھوٹ کیا چلے

رکھا دل و دماغ کو تو روک تھام کر — اس عمر بے وفا پر مرا زور کیا چلے

بیٹھا ہے اعتکاف میں کیا داغ روزہ دار
اے کاش میکدے کو یہ مرد خدا چلے

داغ اس بزم میں مہمان کہاں جاتا ہے
تیرا اللہ نگہبان کہاں جاتا ہے!

غیر کا شکوہ بھی ہوتا ہے تو کس لطف کے ساتھ
ان سے تعریف کا عنواں کہاں جاتا ہے

وہ بھی دن یاد ہے کہہ کہہ کے مناتے تھے مجھے
آ ادھر میں ترے قربان کہاں جاتا ہے

باغ فردوس میں حوروں نے بھی دل لوٹ لیا
جو ہے تقدیر کا نقصاں کہاں جاتا ہے

پاؤں سے میرے بیاباں کہاں چھٹتا ہے
ہاتھ سے میرے گریباں کہاں جاتا ہے

غیر جاتا تھا وہاں میں نے یہ کہہ کر روکا
تجھ سے کچھ جان نہ پہچاں کہاں جاتا ہے

در فردوس سے ممکن ہے کہ درباں ٹل جائے
اس کے دروازے کا درباں کہاں جاتا ہے

ہجر کے دن کی مصیبت تو گذر جائے گی
وصل کی رات کا احساں کہاں جاتا ہے

روٹھ کر بزم سے اٹھا تو نہ روکا مجھ کو
نہ کہا اس نے کہا مان کہاں جاتا ہے

بند کرتے ہو جو ہاتھوں سے تم آنکھیں میری
کیا کہوں میں کہ میرا دھیان کہاں جاتا ہے

بزم سے آنکھ چرا کر جو چلا میں تو کہا
ٹھہر۔ او چور بد اوسان کہاں جاتا ہے

آرزو وصل کی ہوتی ہے سوا بعد وصل
جان جاتی ہے یہ ارمان کہاں جاتا ہے

داغ تم نے تو بڑی دھوم سے کی تیاری
آج یہ عید کا سامان کہاں جاتا ہے

کچھ وہ سرگرم سخن نام خدا ہونے لگے
اب خدا چاہے تو مطلب بھی ادا ہونے لگے

وہ نگہ زاہد کے دل سے آشنا ہونے لگے
سیر تو جب ہے کہ دونوں میں ذرا ہونے لگے

غیر کے مذکور پر میرا بگڑنا تھا بجا
ٹھہرو ٹھہرو سنبھلو سنبھلو کیا سے کیا ہونے لگے

میں ہی چوکا میں نے ظاہر کر دیئے انداز عشق
اس روش سے سیکڑوں ان پر فدا ہونے لگے

جب شب فرقت اٹھائے میں نے کچھ دست دعا
درد اٹھ کر ہاتھ شانوں سے جدا ہونے لگے

سخت گردش، ناامیدی ہم سفر منزل بعید
عاقبت تھک تھک کے نالے نارسا ہونے لگے

سلب کر لے یا الٰہی آسماں کا اختیار
جب کسی معشوق سے عہد وفا ہونے لگے

شکوۂ ناآشنائی نے بڑھایا اور رشک
میری ضد سے وہ تو سب سے آشنا ہونے لگے

المدد اے ہم نشینو! ابتدائے عشق ہے
اب سنبھالو ہم گرفتار بلا ہونے لگے

شکوۂ آزردگی سن کر کہا تو یہ کہا!
کیا غرض کیا واسطہ ہم کیوں خفا ہونے لگے

اب گلے موقوف بس رحم آگیا پیار آگیا!
تھوڑے تھوڑے دل میں تم اے مہ لقا ہونے لگے

وہ قیامت کی گھڑی وہ موت کا ہے سامنا
جب کوئی معشوق سے مل کر جدا ہونے لگے

پردے پردے میں ہے بہتر ہم سے ان سے چھیڑ چھاڑ
کیا مزہ رہ جائے جس دم برملا ہونے لگے

ہائے اس کی فکر اس کی بیقراری اس کی یاس
خلق کے جب نامہ اعمال وا ہونے لگے

اضطراب شوق کا عالم کہوں کیا اس گھڑی
جب کسی کافر کے وا بند قبا ہونے لگے

مہمانوں کو بلاتے ہیں خوشی کے واسطے
تم تو آتے ہی بگڑ بیٹھے خفا ہونے لگے

غیر اچھا میں برا یوں ہی سہی بس چپ رہو
رفتہ رفتہ یہ نہ ہو حجت سوا ہونے لگے

داغ میں پرچا ہی لوں گا باتوں باتوں میں انہیں
شرط یہ ہے میرا ان کا سامنا ہونے لگے

❁

لے کے دل کہتے ہو کیوں دیں اسے جلنے کے لئے
مل گیا خوب بہانا یہ مچلنے کے لئے

باغ عالم میں ہیں سب پھولنے پھلنے کے لئے
ورنہ کیا داغ تری طرح سے جلنے کے لئے

انہیں فرصت بھی ملے گھر سے نکلنے کے لئے
دوپہر چاہئے پوشاک بدلنے کے لئے

تیرا غصہ ہو کہ ہو میری طبیعت ظالم
یہ بلائیں نہیں آئیں کبھی ٹلنے کے لئے

اپنی تصویر ہی وہ کاش مجھے بھجوا دیں!
مشغلہ چاہئے کوئی تو بہلنے کے لئے

چھیڑ کر تذکرۂ غیر کیا تجھ سے
جو مزے ہم نے تری آنکھ بدلنے کے لئے

شوخی و شرم و لوائیں تری دو چھریاں ہیں
ایک چلنے کے لئے ایک نہ چلنے کے لئے

آتش رشک عدو خاک کرے، گی ہم کو
لاگ کی آگ بری ہوتی ہے جلنے کے لئے

کون سی کی نہ دوا کون سی. مانگی نہ دعا
ہم نے کیا کیا نہ کیا اپنے سنبھلنے کے لئے

ہے یہاں تک تو اسے رشک کہ بھر ترئیں
حسن یوسف نہ ملے رنگ بدلنے کے لئے

ہاتاپائی بھی شب وصل تھی ضد بھی تھی انہیں
ہاتھ چلنے کے لئے پاؤں نہ چلنے کے لئے

ابر کیا سبز کرے مجھ شجر سوختہ کو
آب حیوان ہو مرے پھولنے پھلنے کے لئے

چارہ گر زندہ رہے گا تو کرے گا تدبیر
چاہئے عمر خضر میرے سنبھلنے کے لئے

وصل دشمن کی گھڑی تھی کہ ہو اپنا وصل
ساعت اچھی نہ ملی جان نکلنے کے لئے

جنبش لب کہے دیتی ہے وہ اب ہنستے ہیں
موجزن چشمہ حیواں ہے ابلنے کے لئے

غم کی دیوار کھڑی ہو گئی دل کے اندر
میرے ارماں ترستے ہیں نکلنے کے لئے

میں کلیجے سے ملوں سر سے ملوں دل سے ملوں
اپنی تلوار مجھے دیجئے ملنے کے لئے

خاک ٹھہرے ترے کوچے میں کوئی اے قاتل
مستعد نقش کف پا بھی ہے جلنے کے لئے

کھائے جاتا ہے مجھے خنجر خونخوار ترا
یہ اگلنے کے لئے ہے کہ نگلنے کے لئے

تو مری لاش کو ٹھکرا کے چل اے مست شباب
ٹھوکریں کھاتے ہیں انسان سنبھلنے کے لئے

بزم اغیار میں تم چھپ کے نہ بیٹھو اے داغ
چاند چھپنے کے لئے ہے کہ نکلنے کے لئے

❁

طور کے پہلو میں اک بت خانہ ایسا چاہئے
شور اٹھے جلوۂ جانانہ ایسا چاہئے

عشق میں اے ہمت مردانہ ایسا چاہئے
یہ کہے اپنا ہو یا بیگانہ ایسا چاہئے

دوست کوئی عاقل و فرزانہ ایسا چاہئے
جو کہے اس ستم بیجا نہ ایسا چاہئے

دیکھنا کس لطف سے کہتا ہوں اپنی واردات
داور محشر سنے افسانہ ایسا چاہئے

دل ربا کہلائے دل آزار ایسا ڈھونڈھئے
آشنا کہئے جسے بیگانہ ایسا چاہئے

ایک قطرہ بھی اے ساقی ملے کم ظرف کو
انتظام بادہ و پیمانہ ایسا چاہئے

دل مرا اہل وطن سے ہے بہت کھٹکا ہوا
خار تک جس میں نہ ہو ویرانہ ایسا چاہئے

مول لے کر قیس کی تصویر وہ نادم ہوئے
میں نے جب چھیڑا تمہیں دیوانہ ایسا چاہئے

اس ادا سے قتل کر تجھ کو مرے سر کی قسم
سب کہیں انداز معشوقانہ ایسا چاہئے

تیر تیرا دل میں رہ رہ کر کھنچا کس کس طرح
جو کرے مل کر دغا بیگانہ ایسا چاہئے

دل لیا تو لے لیا جرم وفا پر آپ نے
دے سکوں جس کو نہ میں جرمانہ ایسا چاہئے

دل جلوں کے سوز دل کا ہوا اثر دونوں جگہ
گرم ہو کونین آتش خانہ ایسا چاہئے

بے وفائی تم کرو نا آشنائی تم کرو
تم کو ایسا چاہئے حاشانہ ایسا چاہئے

چشم پر خوں بیچتے ہیں ہم جو لے وہ بادہ نوش
اور کیسا چاہئے پیمانہ ایسا چاہئے

دیکھ کر چاہت مری کہتے ہیں سب اہل نظر
گل کو بلبل شمع کو پروانہ ایسا چاہئے

بھیر :. لے حضرت زاہد پئیں چوری چھپے
شہر میں پوشیدہ اک میخانہ ایسا چاہئے

دست مژگاں سے کروں کنگھی تمہاری زلف میں
ایسے موئے عنبریں میں شانہ ایسا چاہئے

یہ اگر نغموں سے ہو لبریز وہ نالوں سے گرم
عیش خانہ ہو کہ ماتم خانہ ایسا چاہئے

چاہنے والوں سے کم ہوتی نہیں چاہت کبھی
چاہئے تو چاہئے یہ کیا نہ ایسا چاہئے

گونج اٹھے گنبد گردوں دہل جائے زمیں
میکشوں کا نالہ مستانہ ایسا چاہئے

نامہ اعمال مجھ سے چھین کر محشر میں وہ
کہتے ہیں اپنے لئے افسانہ ایسا چاہئے

جبر پر ہو صبر الفت میں جفا پر ہو وفا
تجھ کو تو اے ہمت مردانہ ایسا چاہئے

ہجر سے اس شمع رو کے دل جلا فرقت میں بھی
جو اندھیرے میں جلے پروانہ ایسا چاہئے

طور پر ہم بھی گئے تھے کچھ نظر آتا اگر
تو یہ کہتے جلوہ جانانہ ایسا چاہئے

اس بہانے سے دکھادیں دل کا نقشہ ہم انہیں
ہم کو اک ٹوٹا ہوا پیمانہ ایسا چاہئے

خوب جی بھر کر سنا پہلے تو قصہ داغ کا
پھر کہا دل تھام کر افسانہ ایسا چاہئے

آج ان کے بعید اس صورت سے ظاہر ہو گئے
غیر کا مذکور آیا تھا کہ تر بتر ہو گئے

دیکھتے ہی شکل راز دل سے ماہر ہو گئے
پھر نہ وہ ٹالے ٹلے جس بات کے سر ہو گئے

چال ان کی دیکھنا گویا بڑے مظلوم ہیں
سب سے پہلے عرصہ محشر میں حاضر ہو گئے

وصل کی شب تھے سراپا دلیس کیا کیا ذوق و شوق
صبح کے ہوتے ہی رخصت سب مسافر ہو گئے

حضرت ناصح نے پی کر یہ اچھی چال کی
محتسب سے جا ملے رندوں کے مخبر ہو گئے

کیوں قسم کھاتے ہو اب ہم کو نہیں تم سے ملال
وہ کہے دیتی ہے چتون تم خفا پھر ہو گئے

ہم نے تو بچتے نہ دیکھے چاہنے والے ترے
رفتہ رفتہ جاں بحق سب اول آخر ہو گئے

شکوہ کرتا تو خدا جانے وہ کیا کرتے غضب
میں نے کی تعریف وہ الٹے مرے سر ہو گئے

داغ تم آئے تھے بزم عیش میں خوش خوش ابھی
کیا ہوا کس واسطے افسردہ خاطر ہو گئے

جب مئے لالہ فام ہوتی ہے
مجھ کو توبہ حرام ہوتی ہے

یہ بھی طرز حرام ہوتی ہے
ساری دنیا تمام ہوتی ہے

خوبرو وہ ہے جس کی خو اچھی
شمع صورت حرام ہوتی ہے

توڑتا ہے اسی کو وہ گل چیں
جو کلی دل کی خام ہوتی ہے

دل ہی دل تری رقیبوں سے
گفتگو لا کلام ہوتی ہے

صبح ہونے تو دو چلے جانا
شب کی نیت حرام ہوتی ہے

کیا خوشی ہے کہ میرے پھولوں میں
دعوت خاص و عام ہوتی ہے

حرف مطلب کہا نہیں جاتا
بات ان سے مدام ہوتی ہے

نہیں کھنچتی مجھی سے تیری شبیہ
تجھ سے کب ہمکلام ہوتی ہے

یہ سنا ہے کہ برہمن سے بھی
شیخ کی رام رام ہوتی ہے

دم آخر تو کچھ مری سن لو
آج حجت تمام ہوتی ہے

تیرا وعدہ ہے کس قیامت کا
رات دن صبح و شام ہوتی ہے

ہجر کا دن ڈھلے تو ہم جانیں
صبح کے بعد شام ہوتی ہے

غیر جتنی برائی کرتے ہیں
وہ ہمارے ہی نام ہوتی ہے

پہلے اے داغ کچھ نہ ہوش آیا
دل کی اب روک تھام ہوتی ہے

❁

شبنم سے شب ہجر کی ظلمت نہیں جاتی
سو شوب پڑیں تو بھی یہ رنگت نہیں جاتی

آئی ہوئی عاشق کی طبیعت نہیں جاتی
آتی ہے تو آکر یہ قیامت نہیں جاتی

کھاتی ہے پس مرگ ترے ہجر کے خنجر
دنیا سے کوئی روح سلامت نہیں جاتی

سر جاتا ہے سر سے ترا سودا نہیں جاتا
دل جاتا ہے دل سے تری الفت نہیں جاتی

اللہ سے محشر میں کہوں گا ترے آگے
مجبور ہوں اس کی محبت نہیں جاتی

اول تو انہیں شرم رہی منہ سے نہ بولے
جب شرم گئی وصل کی حجت نہیں جاتی

اے عمر رواں اس کو بھی ہمراہ لئے جا
تو جاتی ہے دل سے مری حسرت نہیں جاتی

زاہد یہ اگر پست ہے مسجد سے تو کیا ہے
کچھ اس سے تو میخانہ کی عظمت نہیں جاتی

ہر چند بلا ہے مگر اس میں بھی وفا ہے
گھر غیر کے میری شب فرقت نہیں جاتی

آئینہ ہے اب رہنے لگا آپ کے آگے
کہہ سکتے ہیں منہ دیکھے کی الفت نہیں جاتی

فتنہ بھی ہے پامال تری راہ گذر میں
دو چار قدم اٹھ کے قیامت نہیں جاتی

مل جاتے ہیں خود خاک میں ہم فرق ہے اتنا
دل سے تو ہمارے بھی کدورت نہیں جاتی

جاتی ہے مری جان یہ میں کہہ نہیں سکتا
جب تک کہ اسے تم دو نہ اجازت نہیں جاتی

سو جاتے ہیں اٹھ اٹھ کے جگانے سے شب وصل
ان نیند بھری آنکھوں کی غفلت نہیں جاتی

اے داغ برا مان نہ تو اس کے کہے کا
معشوق کی گالی سے تو عزت نہیں جاتی

جانے سے تو مہمان کی عزت نہیں جاتی
تو جاتی ہے یا اے شب فرقت نہیں جاتی

بیٹھے ہیں عجب شان سے وہ بزم عدو میں
ڈرتی ہے مرے ساتھ قیامت نہیں جاتی

دے گا نہ کوئی ٹھوکریں کھانے کی گواہی
ہمراہ مرے حشر میں تربت نہیں جاتی

رونے سے بھی ملتا ہے کہیں شوق نظارہ
آنکھیں بھی گئیں تو بھی تو حسرت نہیں جاتی

دم بھر مرے قابو میں طبیعت نہیں آتی
اللہ کسی وقت یہ حالت نہیں جاتی

ہے وصل کے بعد ان کو گماں اور کسی کا
لو ایسی صفائی میں کدورت نہیں جاتی

وہ آکے مری قبر پہ یہ لکھ گئے مصرعہ
کافر تجھے دنیا کی محبت نہیں جاتی

فرہاد کی مرقد سے یہ آتی ہیں صدائیں
برباد کسی شخص کی محنت نہیں جاتی

اٹھتے ہیں جو عالم میں وہ مٹ جاتے ہیں فتنے
کافر تری آنکھوں کی شرارت نہیں جاتی

کیوں دختر رز کو نہ رہے شیخ سے پرہیز
کعبے کو بھی یہ صاحب حرمت نہیں جاتی

کیا دیکھ لیا عہد سکندر میں الٰہی
آئینے کے منہ سے کبھی حیرت نہیں جاتی

شرما کے قسم کھا کے ابھی عہد کیا تھا
پھر ظلم کیا' آپ کی عادت نہیں جاتی

کہتے ہیں مجھے دیکھ کے سب اہل محبت
اس طرح تو قابو سے طبیعت نہیں جاتی

غم سہتے ہیں پر لب پہ شکایت نہیں آتی
دکھ بھرتے ہیں پر تیری محبت نہیں جاتی

ہم چاہ کے پچھتائے ہیں اس پردہ نشیں کو
آنکھوں سے کسی وقت وہ صورت نہیں جاتی

وہ جور و جفا کرکے وفا کر نہیں سکتے
اس راہ سے اس راہ طبیعت نہیں جاتی

تعریف ستم سے بھی انہیں وہم بندھے ہیں
کیوں شکر کیا اس کی شکایت نہیں جاتی

اے داغ سلامت رہیں مہمان ہمارے
جو آتی ہے آفت کہ مصیبت نہیں جاتی

اس کی چتون نظر میں پھرتی ہے
اک چھری سی جگر میں پھرتی ہے

آہ ہر دم سفر میں پھرتی ہے
یہ تلاش اثر میں پھرتی ہے

نالہ کرتا ہوں تو مری آواز
گونجتی ان کے گھر میں پھرتی ہے

نہ ملا بعد مرگ بھی آرام   روح اس رہ گذر میں پھرتی ہے
وہ دم رقص بگردشیں اس کی   ایک پہر کی نظر میں پھرتی ہے
نہ ملے گا وہ جستجو سے کہیں   خلق کس دردِ سر میں پھرتی ہے
اس کے آگے زباں مشکل سے   دہن نامہ بر میں پھرتی ہے

آمد آمد ہے آج کس کی داغ
یہ سفیدی جو گھر میں پھرتی ہے

❀

تڑپتے ہیں انہیں غیروں کی چاہت ایسی ہوتی ہے
خدا کی شان ہے ایسوں کی حالت ایسی ہوتی ہے

جب آنکھوں سے لگاتا ہوں تو چپکے چپکے ہنس ہنس کر
تری تصویر بھی کہتی ہے صورت ایسی ہوتی ہے

کیا نظارہ بزم غیر میں اس حور طلعت کا
یہ کیا معلوم تھا دوزخ میں جنت ایسی ہوتی ہے

نہ نکلے عالم بالا تک ایسا چاند سا چہرہ
انہیں کافر بتوں میں ایک صورت ایسی ہوتی ہے

ابھی تو کھیل سمجھے ہو مگر اک دن دکھا دیں گے
قیامت اس کو کہتے ہیں قیامت ایسی ہوتی ہے

ہماری شکل تیرے غم میں پہچانی نہیں جاتی
بگڑ جاتی ہے صورت بھی مصیبت ایسی ہوتی ہے

کفن سے منہ مرا جب کھول کر دیکھا تو وہ بولے
ہمارے چاہنے والوں کی صورت ایسی ہوتی ہے

کہو تو ہم نہ کہتے تھے نہ دیکھو آئینہ دیکھو
بنا دیتی ہے دم پر اچھی صورت ایسی ہوتی ہے

ترا دل سنگدل پگھلے تو جب اس کو یقیں آئے
کہ اس کی شان ایسی اس کی قدرت ایسی ہوتی ہے

بھری محفل میں غیروں سے اشارے یوں مرے آگے
مروت آنکھ کی اے بے مروت ایسی ہوتی ہے

وہ دیتے ہیں تسلی اور پھر تسکیں نہیں ہوتی
کبھی بے چین یہ کافر طبیعت ایسی ہوتی ہے

وہ مجھ کو دیکھتے ہی دور سے منہ پھیر لیتے ہیں
جو ہوتی ہے تو اب صاحب سلامت ایسی ہوتی ہے

غضب میں جان ہے برسوں کے شکوے بھول جاتا ہوں
کبھی دو چار دن ان کی عنایت ایسی ہوتی ہے

ذرا سی بات پر اے داغ تم ان سے بگڑتے ہو
اسی کا نام الفت ہے محبت ایسی ہوتی ہے

آپ کا اعتبار کون کرے — روز کا انتظار کون کرے
ذکر و مہر و وفا تو ہم کرتے — پھر تمہیں شرمسار کون کرے
ہو جو اس چشم مست سے بیخود — پھر اسے ہوشیار کون کرے
تم تو ہو جان اک زمانے کی — جان غم پر نثار کون کرے

آفت روزگار جب تم ہو شکوۂ روزگار کون کرے
اپنی تسبیح رہنے دے زاہد دانہ دانہ شمار کون کرے
ہجر میں زہر کھا کے مر جاؤں موت کا انتظار کون کرے
آنکھ ہے ترک زلف ہے صیاد دیکھیں دل کا شکار کون کرے
وعدہ کرتے نہیں یہ کہتے ہیں تجھ کو امیدوار کون کرے
داغ کی شکل دیکھ کر بولے
ایسی صورت کو پیار کون کرے

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی آپ سے تم تم سے تو ہونے لگی
چاہئے پیغام بر دونوں طرف لطف کیا جب دوبدو ہونے لگی
میری رسوائی کی نوبت آگئی ان کی شہرت کوبکو ہونے لگی
ہے تری تصویر کتنی بے حجاب ہر کسی کے روبرو ہونے لگی
غیر کے ہوتے بھلا اے شام وصل کیوں ہمارے روبرو ہونے لگی
ناامیدی بڑھ گئی ہے اس قدر آرزو کی آرزو ہونے لگی
اب کے مل کر دیکھئے کیا رنگ ہو پھر ہماری جستجو ہونے لگی
داغ اترائے ہوئے پھرتے ہیں آج
شاید ان کی آبرو ہونے لگی

ناروا کہئے ناسزا کہئے
کہئے کہئے مجھے برا کہئے

تجھ کو بدعہد و بیوفا کہئے
ایسے جھوٹے کو اور کیا کہئے

درد دل کا نہ کہئے یا کہئے
جب وہ پوچھے مزاج کیا کہئے

پھر نہ رکیے جو مدعا کہئے
ایک کے بعد دوسرا کہئے

آپ اب میرا منہ نہ کھلوائیں
یہ نہ کہئے کہ مدعا کہئے

وہ مجھے قتل کر کے کہتے ہیں
مانتا ہی نہ تھا یہ کیا کہئے

دل میں رکھنے کی بات ہے غم عشق
اس کو ہرگز نہ برملا کہئے

تجھ کو اچھا کہا ہے کس کس نے
کہنے والوں کو اور کیا کہئے

وہ بھی سن لیں گے یہ کبھی نہ کبھی
حال دل سب سے جابجا کہئے

مجھ کو. کہئے برا نہ غیر کے ساتھ
جو ہو کہنا جدا جدا کہئے

انتہا عشق کی خدا جانے
دم آخر کو ابتدا کہئے

میرے مطلب سے کیا غرض مطلب
آپ اپنا تو مدعا کہئے

ایسی کشتی کا ڈوبنا اچھا
کہ جو دشمن کو ناخدا کہئے

صبر فرقت میں آہی جاتا ہے
پر اسے دیر آشنا کہئے

آگئی آپ کو مسیحائی
مرنے والوں کو مرحبا کہئے

آپ کا خیر خواہ میرے سوا
ہے کوئی اور دوسرا کہئے

ہاتھ رکھ کر وہ اپنے کانوں پر
مجھ سے کہتے ہیں ماجرا کہئے

ہوش جاتے رہے رقیبوں کے
داغ کو اور باوفا کہئے

شکوہ نہیں کسی کی ملاقات کا مجھے
تم جانتے ہو وہم ہے جس بات کا مجھے

جانا کہ بوئے غیر یہ پہچان جائے گا
باسی نہ اس نے ہار دیا رات کا مجھے

کوئی نہیں تو دل ہی سے باتیں ہیں رات بھر
اللہ رے شوق حرف و حکایات کا مجھے

وہ دن سے اپنے گھر گئے آئی شب فراق
کھٹکا لگا ہوا تھا اسی بات کا مجھے

مل کر تمام بھید کہوں گا رقیب سے
آتا ہے خوب توڑ تری گھات کا مجھے

ڈرنا کسی کا اور وہ بجلی کا کوندنا!
موسم بہت پسند ہے برسات کا مجھے

تدبیر سے تو موت نہ آئی شب فراق
ہے انتظار مرگ مفاجات کا مجھے

وہ دن گئے کہ زہر بھی آب حیات تھا
ہے اب تو زہر پان ترے ہات کا مجھے

آخر وہاں رقیب نے نقشہ جما لیا
اے داغ خوف تھا اسی بدذات کا مجھے

مری ان کی بھری محفل میں ہو گی
زباں پر آئے گی جو دل میں ہو گی

یہ ہو گا کیا ہمارا کام ہو گا
نہ ہو گی کیا ادا قاتل میں ہو گی

یہی قاصد پتا ہے اس کے گھر کا
ہوا کچھ اور اس منزل میں ہو گی

جو تیرا جذب دل کامل ہے اے قیس
تو پھر لیلیٰ کہاں محمل میں ہو گی

نہ کرتے دل لگی کیا جانتے تھے
ہماری جان اس مشکل میں ہو گی

سوال وصل پر وہ چھین لیں گے
جو نقدی کیسہ سائل میں ہو گی

چرائے گا اسی سے آنکھ قاتل
ذرا سی جان جس بسمل میں ہو گی

عدم کو جانے والو سنتے جاؤ
یہ آسائش نہ اس منزل میں ہو گی

اگر عقبیٰ میں دنیا یاد آئے تو مشکل اور اک مشکل میں ہو گی
نہیں شوخی سے خالی شرم اس کی قیامت پردۂ حائل میں ہو گی
وہاں چٹکی میں جب وہ تیر لیں گے یہاں اک گدگدی سی دل میں ہو گی
نہ آئے داغ تو اچھا ہے ورنہ
بڑی ہل چل تری محفل میں ہو گی

گرہ جو پڑ گئی رنجش میں وہ مشکل سے نکلے گی
نہ ان کے دل سے نکلے گی نہ میرے دل سے نکلے گی
مرے زخموں کو تو سب دیکھتے ہیں یہ بھی سن لیں گے
دعائے مغفرت جس دم لب قاتل سے نکلے گی
مجھے دیکھیں تہہ خنجر تو ہٹ جائیں تماشائی
بلا ہے وہ جو حسرت سینہ بسمل سے نکلے گی
ادا تیری فغاں میری بھلا کب چین دیتی ہے
جگر تھامے ہوئے خلقت تری محفل سے نکلے گی
مجھے آتا ہے تم پر رحم میرا منہ نہ کھلواؤ
کلیجہ توڑ لے گی وہ دعا جو دل سے نکلے گی
کسی بدخو سے ہم کہنے لگے تھے مدعا اپنا
یہ کیا معلوم تھا آواز بھی مشکل سے نکلے گی
تغافل چاہئے اے قیس تجھ کو ایسے موقع پر
ابھی جھنجھلا کے لیلیٰ پردۂ محمل سے نکلے گی

نہ کرنا قتل ہم کو ورنہ حسرت داغ بن بن کر
تمہارے دل میں بیٹھے گی ہمارے دل سے نکلے گی

نہیں دشوار کچھ اپنے مکاں سے لامکاں جانا
وہیں پہنچائے گی جو راہ جس منزل سے نکلے گی

مری کشتی اگر چھوٹے گی دریائے محبت میں
تو سب سے پہلے بسم اللہ لب ساحل سے نکلے گی

بڑی سختی سے میری جان نکلی ہے کئی دن میں
یکایک لاش کیونکر کوچہ قاتل سے نکلے گی

چھپایا منہ اگر ہم سے تو کیا ہم مر نہ جائیں گے
نگہ بجلی کی صورت پردۂ حائل سے نکلے گی

ترشتے ہیں قیامت کے غضب کے رات دن فقرے
نئی جب بات نکلے گی تری محفل سے نکلے گی

وہی دوزخ نہ مانگے جس میں یہ بت ہوں گے اے واعظ
وہاں جنت ہی جنت کیوں لب سائل سے نکلے گی

رموز عاشقی کو عاشقو تم داغ سے پوچھو
کہ باریکی میں باریکی اسی کامل سے نکلے گی

فغاں کو لاگ ٹھہری آسماں سے ۔۔۔ اٹھا جاتا ہے پردہ درمیاں سے
تری رنجش کھلی طرز بیاں سے ۔۔۔ نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے
نرالی ہے ادا سارے جہاں سے ۔۔۔ کوئی پیدا کرے تجھ سا کہاں سے

گرے ہوتے الجھ کر آستاں سے ‏ چلے آتے ہو گھبرائے کہاں سے

عدو کی التجا کرنی پڑی ہے ‏ مرادیں مانگتا ہوں آسماں سے

مرے تنکوں میں ہے کیا خار حسرت ‏ الگ گرتی ہے بجلی آشیاں سے

نتیجہ ان کی باتوں کا یہ نکلا ‏ کہ اپنی مدح تھی اپنی زباں سے

لگا رہتا ہے کھٹکا دونوں جانب ‏ مزا ہے دوستی کا بدگماں سے

وہ مجھ کو دیکھ کر بولے الٰہی ‏ بچانا اس بلائے ناگہاں سے

نہ کہئے دوست کو دشمن نہ کہئے ‏ پرائے اپنے ہوتے ہیں زماں سے

تمہارے در پہ ہم کیونکر نہ آتے ‏ کہ تھی صاحب سلامت پاسباں سے

شکایت راہ الفت کی سنے کون ‏ الگ چلتا ہوں بچ کر کارواں سے

ڈرے گا شور محشر سے وہ کیا خاک ‏ تسلی جس کو ہو میری فغاں سے

وہ خط لکھیں مجھے جھوٹا ہے قاصد ‏ خدا جانے اٹھا لایا کہاں سے

شب غم ہر بلا کا منتظر ہوں ‏ نگاہیں لڑ رہی ہیں آسماں سے

زہے جادو ہوا اس کا وہی حال ‏ جسے جو کہہ دیا تونے زباں سے

یہ ہے کیا بات سنتے ہیں وہ اکثر ‏ ہمارا حال دشمن کی زباں سے

تم اپنی رہ گذر سے بچتے رہنا ‏ اٹھے گا فتنہ محشر یہاں سے

تمہاری چشم فتاں نے بھی شاگرد ‏ بنا ڈالے ہزاروں آسماں سے

رقیب آیا ہے چھپ کر تیرے در پر ‏ مگر الجھا ہوا ہے پاسباں سے

جہاں آباد ہر منزل ہے اے داغ
قدم باہر نکلا جب مکاں سے

❁

ہمارے دم نکلنے میں بھی اک عالم نکلتا ہے ‏ کہ وہ مشتاق ہیں دیکھیں تو کیونکر دم نکلتا ہے

کمی کیا پڑ گئی ہے چاہنے والوں کی اے قاتل
کہ اب تلوار کم کھنچتی ہے خنجر کم نکلتا ہے

گلا کیسا کہاں کا رنج کس کا جاں بلب ہوتا
جب اس سے پیار سے پوچھا تمہارا دم نکلتا ہے

نہ تجھ سا آج تک دیکھا نہ تجھ سا حشر تک دیکھیں
ان آنکھوں سے بہت نکلا بہت عالم نکلتا ہے

کوئی کیا چل سکے گا اس خرام ناز سے بڑھ کر
قیامت کا تمہاری ٹھوکروں میں دم نکلتا ہے

گداز غم سے میری ہڈیاں گھلتی ہیں گھل جائیں
ترا ارمان تو اے دیدہ پرنم نکلتا ہے

تمہیں میرے مسیحا ہو تمہیں میری تمنا ہو
تمہیں پر جان جاتی ہے تمہیں پر دم نکلتا ہے

نقاب روے روشن سے رخ پرنور کا جلوہ
جو چھن چھن کر نکلتا ہے تو یہ کیا کم نکلتا ہے

الٰہی خیر کرنا آج کوئی داغ کے گھر سے
نہ بے شیون نکلتا ہے نہ بے ماتم نکلتا ہے

زمانہ بہت بدگماں ہو رہا ہے
کسی شخص کا امتحاں ہو رہا ہے

سریلی صدائیں ہیں اس شوخ کی سی
الٰہی یہ جلسہ کہاں ہو رہا ہے

بہت حسرت آتی ہے مجھ کو یہ سن کر
کسی پر کوئی مہرباں ہو رہا ہے

ترے ظلم پنہاں ابھی کون جانے
فقط آسماں آسماں ہو رہا ہے

ان آنکھوں نے اس دل کا کیا بھید کھولا
کہ مضطر مرا رازداں ہو رہا ہے

سنوں کیا خبر جشن عشرت کا قاصد
جہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے

وہ حال طبیعت جو برسوں چھپایا
ہر اک شخص سے اب بیاں ہو رہا ہے

کوئی اڑ کے آیا کوئی چھپ کے آیا!
پشیماں ترا پاسباں ہو رہا ہے

کہیں دو گھڑی آپ شبنم میں سوئے
جو رخ پہ عرق درفشاں ہو رہا ہے

یہ بے ہوشیاں داغ یہ خواب غفلت
خبر بھی ہے جو کچھ وہاں ہو رہا ہے

آج گھبرا کر وہ بولے جب سنے نالے مرے
جان کے پیچھے پڑے ہیں چاہنے والے مرے

محفل دشمن سے میری پیشوائی کے لئے
جھوم کر آنا وہ تیرا ہائے متوالے مرے

خار صحرائے جنوں نے تیز کی کیا کیا زباں
پھوٹے منہ بھی کچھ نہ بولے پاؤں کے چھالے مرے

گیسوؤں پر ہاتھ رکھ کر ناز سے کہتے ہیں وہ
سامری کو بھی تو ڈس جائیں یہ دو کالے مرے

حضرت ناصح تمہاری کیا بری ترکیب ہے
تم کوئی سانچے میں ڈھل سکتے ہو بے ڈھالے مرے

جائے گا ہدیہ رقیبوں کے لئے چاروں طرف
میرے قاتل نے کئے ہیں چار پر کالے مرے

عشق وحشت کی کرے گا کون ایسی پرورش
ان کو چھوڑوں کس طرح یہ پڑ گئے پالے مرے

وہ عیادت کو نہ آئے داغ تو کچھ غم نہیں
اور دنیا میں بہت ہیں چاہنے والے مرے

کس وجہ سے لب پر مرے فریاد نہ آتی
وہ چوٹ نہیں کھائی تھی جو یاد نہ آتی!

جنت میں جو حوروں کو مری یاد نہ آتی!
ہچکی بھی تہہ خنجر بیداد نہ آتی

اے شعبدہ گر تجھ کو ہزاروں ستم آتے
اک طرز دل آزاری و بیداد نہ آتی

گو جان گئی عشق میں پر نام تو پایا!
کہنے میں بھی کیا محنت فرہاد نہ آتی

اس وحشت دل نے مجھے دیوانہ بنایا
ورنہ کبھی تم تک مری فریاد نہ آتی

گر باغ میں وہ خانہ بر انداز نہ آتا
گھبرائی ہوئی نکہت برباد نہ آتی!

قسمت سے ملا مرگ محبت کا بہانا — کیا موت تجھے اے دل ناشاد نہ آتی
اک عمر سے ہوں نغمہ سرا کنج قفس میں — اب بھی مجھے دلداری صیاد نہ آتی
مرتا مگر اس حال سے فرقت میں نہ مرتا — آتی مگر اس طرح تری یاد نہ آتی

ہے فیض الٰہی میں کمی کون سی اے داغ
کیوں جوش پہ یہ طبع خدا داد نہ آتی

ہائے وہ دن کہ میسر تھی ہمیں رات نئی — روز معشوق نیا روز ملاقات نئی
بات کرتی نہیں لے لیتی ہے چٹکی دل میں — یہ تو ہے آپ کی تصویر میں اک بات نئی
دل طلب کرتے ہو مہمان بلا کر ہم کو — یہ تواضع بھی نئی ہے یہ مدارات نئی
عشق بھی کفر ہوا حضرت واعظ خاموش — آپ نے یہ تو کہی قبلہ حاجات نئی
ہوں گے حوران بہشتی کے پرانے انداز — آپ کی بات نئی گات نئی گھات نئی
سر مرا کاٹ کے اے نامہ رسا لیتا جا — گرچہ بے کار سی پر ہے یہ سوغات نئی
رنگ مے دیکھ کے ہم صاف بتا دیتے ہیں — یہ پرانی ہے یہ ہے پیر خرابات نئی
غیر نے کی جو برائی تو بھلائی ٹھہری — یہ ملی ہے عمل بد کی مکافات نئی

داغ سا بھی کوئی شاعر ہے ذرا سچ کہنا
جس کے ہر شعر میں ترکیب نئی بات نئی

پند واعظ سنتے سنتے کان اپنے بھر گئے — کیا عبادت کو ہمیں ہیں سب فرشتے مر گئے
پھوٹ کر روئے جو چھالے ہو گئے جنگل ہرے — چشم دریا بار جب برسی تو جل تھل بھر گئے

دیکھ سکتا کیا ہمارا حال وہ نازک مزاج
آئینے میں آپ اپنی شکل سے ہم ڈر گئے

تو ہے کیا معشوق جو ہم التجا تیری کریں
تو گیا تو ہم بھی تجھ سے اے دل مضطر گئے

منہ اندھیرے مجھ کو غافل دیکھ کر شوخی سے وہ
چپکے اٹھ کر چل دیئے پہلو میں تکیہ دھر گئے

حال میرا پوچھ کر کیا کیا جلے دل میں رقیب
جب کہا شوخی سے اس نے ان کے دشمن مر گئے

آدمی ایسا کہاں پورا فرشتہ ہو تو ہو
شیخ صاحب یہ نہیں معلوم تم کس پر گئے

فاتحہ پڑھنے بھی کوئی قبر پر آتا نہیں
مر گیا میں کیا کہ سب میری طرف سے مر گئے

داغ کے تو نام سے نفرت تھی اس بے مہر کو
پر نہیں معلوم یہ حضرت وہاں کیوں کر گئے

❁

یہ ٹپکتا ہے تیری چتون سے
کہ اشارے ہوئے ہیں دشمن سے

آنکھیں پھوٹیں جو کچھ بھی دیکھا ہو
ابھی آتا ہوں دشت ایمن سے

چوس کر وہ لب مسی آلود!
آج میں ہم زباں ہوں سوسن سے

ہوں وہ بے تاب کیا عجب پس مرگ
نکلے سیماب میرے مدفن سے

خاک مجبوریاں محبت کی
حال کہنا پڑا ہے دشمن سے

آسماں کس طرح سنے فریاد
کان پھوٹے ہیں میرے شیون سے

دل ناداں سے میں نہایت تنگ
اور تم اپنی چشم پرفن سے

ساعت وصل کے لئے اے داغ
پوچھتے رہتے ہیں برہمن سے

❁

ملتے ہی بیباک تھی وہ آنکھ شرمائی ہوئی
پھر گئی پچھتا کے پلکوں تک حیا آئی ہوئی

ہر ادا مستانہ سر سے پاؤں تک چھائی ہوئی
اف تری کافر جوانی جوش پر آئی ہوئی

ہائے دنیا تو کہاں وہ عیب پوشی اب کہاں
عرصۂ محشر میں رسوائی سی رسوائی ہوئی

مجلس اہل عزا میں وہ مجھے روتے چہ خوش!
دو گھڑی کو یہ بھی ان کی محفل آرائی ہوئی

آسماں نے خاک کی چٹکی ہر اک فتنے کو دی
میری تربت ہے یہ کن قدموں کی ٹھکرائی ہوئی

مجھ کو یہ دعویٰ کوئی تیرے سوا دل میں نہیں
اس کا یہ الزام اچھی قید تنہائی ہوئی

ٹوک کر رستے میں پیار آہی گیا اس شوخ پر
وہ نظر حیرت زدہ وہ آنکھ شرمائی ہوئی

تازہ غم کھایا کئے ہم وہ ہیں پاکیزہ مزاج
اور تم کھاتے رہے جھوٹی قسم کھائی ہوئی

بھولے بن کر ان کے منہ سے سن لیا حال رقیب
عمر بھر میں ایک ہی تو ہم سے دانائی ہوئی

ان کی مٹھی میں جو دل تڑپا دبا کر یہ کہا
چھوٹتی ہے کوئی ایسی چیز ہاتھ آئی ہوئی

بوسہ لے کر جان ڈالی غیر کی تصویر میں
یہ نیا اعجاز یہ اچھی مسیحائی ہوئی

دیکھ کر قاتل کی آمد داغ دل میں شاد شاد
اور غم خواروں کے منہ پر مردنی چھائی ہوئی

کس دل بیتاب کی یارب تماشائی ہوئی
وہ نگاہ شوخ کچھ پھرتی ہے گھبرائی ہوئی

اڑ گئی گم ہو گئی جاتی رہی آئی ہوئی
بے وفا تیری وفا میری شکیبائی ہوئی

لیں قیامت نے بلائیں اس سراپا ناز کی
صدقے رعنائی ہوئی قرباں زیبائی ہوئی

بتکدے میں سجدہ کرنا کفر اے واعظ نہیں
گر یہیں مقبول اپنی جبہہ فرسائی ہوئی

چوٹ کھائی عشق کی دل نے جگر تڑپا کیا
دوسرے پر آئے کیونکر ایک کی آئی ہوئی

موت سے ہے روح ترساں موت میرے حال سے
یہ بھی گھبرائی ہوئی اور وہ بھی گھبرائی ہوئی

توبہ گر زاہد کروں میں توبہ ایسے وقت میں
یہ بہار آئی ہوئی ایسی گھٹا چھائی ہوئی

یہ ملا ذکر قیامت پر قیامت کا جواب
کیا اٹھے گی وہ ہماری ٹھوکریں کھائی ہوئی

آگیا جب کوئی کرلیں چار باتیں اس سے بھی
ورنہ پھر سر پیٹنا جس وقت تنہائی ہوئی

یہ ٹپکتا ہے تری زلف سیہ کے رنگ سے
آج کل میں اک نہ اک سر یہ سودائی ہوئی

ہے عجب اندھیر کوئی داغ کا پرساں نہیں
صبح محشر بھی الٰہی شام تنہائی ہوئی!

میری قسمت کی طرح رہتی ہے بل کھائی ہوئی
زلف پر بھی کیا ہے سختی کی گرہ آئی ہوئی

جب ترے در سے پھرا خلقت تماشائی ہوئی
پیچھے پیچھے داغ آگے آگے رسوائی ہوئی

کاتب اعمال سے ضد تھی دم تحریر شوق
انگلیاں گھس گھس گئیں وہ خامہ فرسائی ہوئی

دوست دشمن کو بنایا ہے ترے انداز نے
سب کو پہچانا اگر تجھ سے شناسائی ہوئی

اے ہجوم ناامیدی رکھ لے شرم آرزو
گوشہ دل میں الگ بیٹھی ہے شرمائی ہوئی

جان کر پہچان کر انجان جب کوئی بنے
پھر نہ ہونے کے برابر وہ شناسائی ہوئی

کیا قسم کھا کر ہوا ہے منفعل پیغام بر
تاڑ لی اس نکتہ چیں نے بات سمجھائی ہوئی

ضعف نے ایسا بٹھایا اس کی بزم ناز میں
میں نے یہ جانا مجھے حاصل شکیبائی ہوئی

کس بلا میں مبتلا رہتی ہے دن بھر شام غم
دوڑ کر آتی ہے مرے گھر جو گھبرائی ہوئی

بھولی صورت پر تری تصویر میں یہ بانکپن
لب پہ ظاہر ہے تبسم دل میں اترائی ہوئی

چل دیا اے داغ کیا منہ پھیر کر وہ مہ جبیں
پھر گئی تقدیر تیری سامنے آئی ہوئی

مثنوی
فریادِ داغ

فریاد داغ

(۸۳۸) اشعار کی مثنوی جو داغ نے کہی ۱۸۸۳ء میں چھپی۔ یہ معلوم کرکے لوگوں کو حیرت ہو گی کہ یہ مثنوی داغ نے دو دن میں کہی ہے چنانچہ جلوۂ داغ میں احسن سے لکھوایا ہے۔

"زود گوئی کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ فریاد داغ جیسی بے مثل مثنوی صرف دو دن کی معمولی فکر کا نتیجہ ہے"۔

داغ نے یقیناً دو دن میں مثنوی کہی ہو گی کیونکہ وہ بہت زود گو تھے۔ حیدر آباد میں باتیں کرتے کرتے وہ دو دو تین تین غزلیں لکھوا دیا کرتے تھے ان کے لئے دن بھر میں چار سو شعر کہہ لینا وہ بھی مثنوی کی بحر میں کوئی مشکل نہ تھا۔

"مثنوی فریاد داغ شعری اعتبار سے جتنی نفیس اور دلپذیر ہے معاشقہ کے لحاظ سے اتنی ہی دل گداز اور روح فرسا ہے۔ داغ نے الفاظی معاشقے کئے تھے تخیلی عاشقی کی تھی مگر حقیقت میں حجاب سے پہلے انہوں نے کسی سے محبت نہیں کی تھی پہلے پہل حجاب سے جو دل لگایا تو ہجر و رقابت سے سابقہ پڑا صدمہ ہجر کو داغ نے برداشت کر لیا مگر صدمہ رقیب نہ اٹھا سکے اور اس رشک و رقابت نے انہیں بہت جلایا' یہی وجہ تھی جو وہ رامپور میں رہنے تک حجاب کو رامپور بلانے میں کامیاب نہ ہو سکے اور حجاب بھی رامپور جانے کی ہمت نہ کر سکی' رامپور کی بربادی کے بعد پریشانی اور سراسیمگی نے یہ سودا ہی سر سے نکال دیا اور داغ میدان عمل میں اتر آئے' جب وہ مطمئن ہو گئے اور

حیدر آباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تو پھر گدگدی پیدا ہوئی اور حجاب سے سلسلہ خط و کتابت شروع کیا۔

رامپور سے جانے کے بعد ہی حجاب ایک شخص کی پابند ہو گئی تھی، جب رامپور کا تختہ الٹا اور داغ سراسیمہ ہو گئے تو حجاب نے کسی شخص سے عقد کر لیا، پھر داغ نے بلانا شروع کیا تو اس نے طلاق لے کر حیدر آباد کا رخ کیا اور ایام عدت حیدر آباد ہی میں گزار کر داغ سے نکاح کرنے کی کوشش کرنے لگی، حجاب کہ جن لوگوں نے دیکھا وہ بتاتے ہیں کہ حجاب بڑی ہی غصیلی اور طرار عورت تھی یہی وجہ تھی جو داغ سے نباہ نہ ہو سکی۔

حقیقت یہ ہے کہ جس طرح داغ نے بیان کیا ہے انہیں ایک رفیق کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے حجاب کو بلوایا تھا مگر وہ بجائے رفاقت کے حکمرانی کرنے لگی اور چاہتی تھی کہ داغ اس کے اشاروں پر ناچیں۔ مگر حجاب کی روانگی سے وہ بغیر متاثر ہوئے نہ رہ سکے اور متاثر بھی اتنے ہی ہوئے کہ ان کی صحت ہی برباد ہو گئی اور دل بجھ گیا، گانا سننا تقریباً چھوڑ دیا، عطر کا شوق بھی کم ہو گیا تھا اور کھانا بھی چھوٹ رہا تھا، دوستوں اور شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ اب مجھے کسی بات کا لطف نہیں آتا۔

بہت کم لوگ ایسے ہیں جنہوں نے مثنوی کو شروع سے آخر تک پڑھا ہو، نقادوں میں شاید رام بابو سکسینہ ہیں۔ جنہوں نے فریاد داغ کا مطالعہ کیا ہے۔ چنانچہ ان کا بیان ہے۔

"مثنوی فریاد داغ میں اپنے عشق کا حال جو کلکتے کی ایک مشہور رنڈی منی بائی حجاب کے ساتھ ان کو تھا اور رام پور کا بے نظیر کا میلہ دیکھنے کی غرض سے آئی تھی ایک شاعرانہ رنگ میں بیاں کیا ہے اس مثنوی کے بہت سے اشعار اعلیٰ درجہ کے ہیں اور سادگی اور روانی و عمدگی ان کی قابل داد ہے علی

الخصوص عاشق کا معشوق کی تصویر سے تخاطب نہایت دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے مگر بعض جگہ تعیش اور خراب جذبات کی تصویریں متانت اور تہذیب سے گری ہوئی ہیں۔"

سر عبدالقادر (لاہور) نے ایک انگریز ماہنامے "نیو اورینٹ" میں داغ پر ایک تفصیلی مضمون لکھا تھا اس میں سر عبدالقادر نے فریاد داغ پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی۔

"فریاد داغ ایک مسلسل نظم یا مثنوی ہے جس میں داغ نے خود اپنی زندگی کا ایک واقعہ نظم کیا ہے یہ واقعہ اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب داغ ایک مغنیہ (طوائف) پر عاشق ہو جاتے ہیں جو صرف معمولی موسیقی کی ماہر ہی نہیں ہوتی بلکہ تعلیم یافتہ اور ادبی مذاق رکھنے والی بھی ہوتی ہے اور حجاب تخلص کرتی ہے اس مثنوی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

دونوں طرف تھی آگ برابر لگی ہوئی

اس میں کوئی بات عجیب و غریب اور غیر فطری نہیں ہے' ایک جلسہ رقص و سرود میں داغ اور حجاب ایک دوسرے سے بے حجاب ہو جاتے ہیں اور داغ اپنے دل پر اس کی مفارقت کا ایک دائمی نقش پاتے ہیں اس کی راگنی داغ نے فریاد کی لے میں الاپی ہے اور یہ راگ اس قدر صاف اور واضح طور پر الاپتے ہیں کہ کوئی شخص بھی سمجھنے میں غلطی نہیں کر سکتا' وہ صاف طور پر اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ حجاب نے ان پر واضح کر دیا تھا کہ ان کی سیہ فامی کے باوجود وہ ان کی شاعری کی مداح اور شیدا ہے چونکہ داغ نہ تو خوش رو تھے اور نہ نوجوان اس لئے کوئی نازنین ان کو محبت کی نظر سے کیوں دیکھتی؟ واقعہ یہ ہے کہ حجاب ان کی ظاہری شکل و شباہت پر نہیں بلکہ ان کی

شاعری نام آوری اور دولت پر مٹی ہو گی مگر ان دونوں کی یکجائی بہت جلد ختم ہو گئی، کہا جاتا ہے کہ حجاب سن رسیدہ ہو جانے کے بعد داغ سے ملنے کے لئے آئی جبکہ داغ ستر برس کے ہو چکے تھے، اس قصے کو اس نظر سے دیکھتے ہوئے میں نہیں سمجھتا کہ یہ کوئی ایسی بات ہے جس پر سوانح نگار کو شرمندہ ہونا پڑے، مثنوی جو اس قصے کو ظاہر کرتی ہے بڑی پرلطف ہے، داغ اس کو اس سادگی سے بیان کرتے ہں کہ دل لوٹ جاتا ہے ہر شعر حشر جذبات اور واردات قلبی کا نچوڑ ہے وہ اشعار جن میں داغ محبت کا اظہار کرتے ہیں اس قدر پرلطف ہیں کہ ان کے خلوص زور اور صداقت کے لحاظ سے بمشکل ان کے کسی ہمعصر کو یہ بات حاصل ہو سکتی ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس مختصر مضمون میں "فریاد" کی شاعرانہ خوبیوں کی تشریح پوری طرح کر سکتا ہوں، ان لوگوں کو جنہوں نے اس مثنوی کو اب تک نہیں پڑھا ہے میں مشورہ دیتا ہوں کہ وہ ضرور پڑھیں اور اس کے محاسن کے متعلق خود اپنی رائے قائم کریں، میری رائے میں اس مثنوی کا ادبی مقام بہت بلند ہے اگرچہ داغ نے چار ضخیم دیوان چھوڑے ہیں مگر صرف یہ مثنوی ہی ان کے بقائے دوام کے لئے کافی ہے۔"

حمد ہے عشق آفریں کے لئے نعت ہے ختم مرسلیں کے لئے
السلام اے چہار یار کبار اسلام اے ائمہ اطہار
مدح نواب نامدار کروں جان قربان دل نثار کروں
حاجی و زائر و خدا آگاہ شاہ درویش خوئے ظل اللہ
وہ رئیس دلاور اختر ہند وہ مخاطب مشیر قیصر ہند
قیصر ہند سے مشیر خطاب اور فرزند دلپذیر خطاب
اس سخی کا ہے کام دینے کا اس کے دینے سے نام دینے کا
کیا خزانہ بھرا پرا پایا دل خزانے سے بھی بڑا پایا
سو مزے ایک بات میں دیکھے سو ہنر ایک ذات میں دیکھے
مسند آرائے رام پور رہیں تاقیامت مرے حضور رہیں
ہے عجب شہر مصطفیٰ آباد اس کو رکھنا مرے خدا آباد
سب اسے رام پور کہتے ہیں ہم تو آرام پور کہتے ہیں
خیر نواب کی مناتے ہیں
جس کا کھاتے ہیں اس کا گاتے ہیں

عشق کی تعریف

خوبیاں عشق کی بیان کروں کچھ طبیعت کا امتحان کروں
سب نے کی ہیں برائیاں اس کی میں نے لکھیں بھلائیاں اس کی

دل بنا ہے اسی مزے کے لئے
میں نے یہ لطف جان دے کے لئے
عشق تاب و توان عاشق ہے
شان عاشق نشان عاشق ہے
عشق ہی آرزوئے عاشق ہے
آرزو آبروئے عاشق ہے
عشق نعمت ہے آدمی کے لئے
عشق جنت ہے آدمی کے لئے
دل اسی سے جوان رہتا ہے
مر مٹوں کا نشان رہتا ہے

عشق کا داغ غیرت گل ہے
دور فرہاد رشک سنبل ہے
عشق کیا کیا بہار دیتا ہے
یہ دلوں کو ابھار دیتا ہے
بزدلوں کو دلیر کرتا ہے
یہ دلیروں کو شیر کرتا ہے
عشق سے کس کا زور چلتا ہے
اس سے ستم کا دم نکلتا ہے
خاک سے عشق پاک کرتا ہے
زندہ وہ ہے جو اس پہ مرتا ہے
شیوۂ خاص ہے یہ عام نہیں
جو ہمکے ہیں ان کا کام نہیں
اس سے گمنام نام پاتے ہیں
اس سے ناکام کام پاتے ہیں
یوں ہو مشہور قیس سا قلاش
یوں ہو مشہور ایک سنگ تراش
عشق کے نام پر نثار ہوں میں
اس کے انجام پر نثار ہوں میں
عشق کا درد راحت جاں ہے
عشق کا زہر آب حیواں ہے
یہ ہے ٹکسال نقد جاں کے لئے
یہ کسوٹی ہے امتحاں کے لئے
اس سے دل کا چراغ روشن ہے
آنکھ روشن دماغ روشن ہے
عشق سے رہتی ہے طبیعت گرم
شعلہ رویوں کے ساتھ صحبت گرم
عشق کے کھیل ہم نے کھیلے ہیں
سو پریزاد ہم اکیلے ہیں
عشق کے لطف ہم نے پائے ہیں
کیا کہیں کیا مزے اڑائے ہیں
سو دوائیں ہیں اک کسک اس کی
سو ادائیں ہیں اک لٹک اس کی

یہ ہے معشوق نوجوانوں کا یہ ہے محبوب راز دانوں کا
عشق سے آدمیت آتی ہے آدمی کو مروت آتی ہے
عشق سب بل نکال دیتا ہے عشق سانچے میں ڈھال دیتا ہے
ہے معلم ہزار مجنوں کا سبق آموز ہے فلاطوں کا
عشق کا لطف زندگانی ہے زندگی کا مزا جوانی ہے
عشق عاشق کو بخشواتا ہے عشق جنت میں لے کے جاتا ہے
عشق ایمان ہے خدا رکھے یہ مری جان ہے خدا رکھے
عشق باطن ہو عشق ظاہر ہو اس سے توبہ کرے تو کافر ہو

نالہ عشق نغمہ نے ہے اثر عشق نشہ مئے ہے
اس سے دل کو سرور ہوتا ہے
اس سے نشے میں چور ہوتا ہے

ساقی نامہ

ساقیا میں اگر دعا مانگوں! تو بجز مئے کے اور کیا مانگوں؟
یہ دعا اور کامیاب نہ ہو؟ یہ دعا اور مستجاب نہ ہو؟
یہ دعائیں قبول ہو جائیں! پارسائی کے پھول ہو جائیں!
منہ سے نالے اگر نکالوں میں! خم گردوں کو چھید ڈالوں میں
درد مئے سطح خاک یکسر ہو! کرۂ نار آتش تر ہو!
موجزن ہو وہ بادۂ گلگوں بطہ مئے کی طرح پھرے گردوں
خم گردوں سے آئے چھن کے شراب ساقی مئے ہو چادر مہتاب

خم مئے آسمان ہو جائے میکدہ ہر مکان ہو جائے
نمک شور قند کا ہو جواب سرکہ پر ہو یقین بادۂ ناب
کلہ مئے حباب ہو جائے آب قلزم شراب ہو جائے
در انور بسان ساغر ہو! ہالہ مہ دہان ساغر ہو!
ساغر بادہ اختر تاباں! بیل انگور کی ہو کہکشاں
گل میں ہو رنگ ساغر مل کا شور قلقل ہو نالہ بلبل کا
گریہ شمع بھی ہو مستانہ گرے مستوں کی طرح پروانہ
محتسب شوق سے ہو مئے آشام لب قاضی پہ والشر بوہو مدام
رات دن شغل مئے پرستی ہو ساری دنیا ہو اور مستی ہو
مردم دیدہ تک شرابی ہو آنکھ پیدا ہو تو گلابی ہو
خوف کیسا کہاں کی بے ادبی انتہا کی ہے مجھ کو تشنہ لبی
کس کو اندیشہ گنہگاری اور ہی شے ہے رحمت باری
مئے گلفام کے مزے لوٹیں ساغر و جام کے مزے لوٹیں
اس پری کی ہے حور کی صورت ہے یہی ناز، نور کی صورت

وہ ہیں مست شراب کی باتیں
کھول دے سو حجاب کی باتیں

عشق کی ابتداء

دوستو! حال غم کہوں نہ کہوں ماجرائے ستم کہوں نہ کہوں
مختصر واردات کہتا ہوں سو کی میں ایک بات کہتا ہوں

مدتوں میں نے خون دل کھایا ‏ دل لگانے کا خوب پھل پایا
ان بتوں کو نہ مانتا تھا میں ‏ ان کو پتھر کا جانتا تھا میں
دل ستایا ہوا ہزاروں کا ‏ داغ کھایا ہوا ہزاروں کا
خوب تکلیف عشق پائے ہوئے ‏ بے وفاؤں سے رنج اٹھائے ہوئے
نہ بٹھلاؤں پری کو صحبت میں ‏ حور ہو تو نہ جاؤں جنت میں
عشق کے دام سے رہائی تھی ‏ پارسائی سی پارسائی تھی
چپکے چپکے نہ شب کو روتے تھے ‏ چین سے اپنی نیند سوتے تھے
طبع بشاش تھی ملال نہ تھا ‏ کسی محبوب کا خیال نہ تھا
اب کسی سے نہ دل لگائیں گے ہم ‏ عہد پر عہد تھا قسم پہ قسم
دل لگی سے رہا بدل انکار ‏ لاکھ توبہ ہزار استغفار
ان بتوں سے مجھے بچائے خدا ‏ حاصل دیں نہ حاصل دنیا
ان بتوں کو مری بلا چاہے ‏ میں نہ چاہوں اگر خدا چاہے
توبہ کر لی پیام سے میں نے ‏ ہاتھ اٹھایا سلام سے میں نے
اس پیام و سلام سے نفرت ‏ تھی محبت کے نام سے نفرت

گو طبیعت تو گدگداتی تھی ‏ پر کسی سے نہ میل کھاتی تھی
آگ لگ جائے اس محبت کو ‏ چھیڑ کی دیر تھی طبیعت کو
عشق مدت سے تھا جو ناپیدا ‏ اس نے پھر ولولہ کیا پیدا
بجھ گیا تھا چراغ رسوائی ‏ پھر ہوا تازہ داغ رسوائی
موت کی شکل پھر نظر آئی ‏ چوٹ مدت کی پھر ابھر آئی
پھر ہوئیں دل میں حسرتیں آباد ‏ نالے دینے لگے مبارکباد
پھر ہوا شوق جبہ سائی کا ‏ پھر جما رنگ آشنائی کا

صبر یاروں کا یار تھا نہ رہا　　جبر پر اختیار تھا نہ رہا
آتش غم سے داغ بھنتا تھا　　کون اس دل جلے کی سنتا تھا
نہیں چھٹتی ہے لاگ الفت کی　　نہیں بجھتی ہے آگِ الفت کی
دل کو یہ لاگ چاک کرتی ہے　　دل کو یہ آگ خاک کرتی ہے
آہ سے بھی شرر برستے ہیں　　نفس سرد کو ترستے ہیں
کیا ٹھکانا ہے آتش غم کا　　سینہ اک طبقہ ہے جہنم کا
سوز پنہاں سے جان جلتی ہے　　اف کیے سے زبان جلتی ہے
خانہ دل میں داغ روشن ہے　　رات دن یہ چراغ روشن ہے
ہے قیامت کا سوز داغ جگر　　نار دوزخ ہے جس کی خاکستر
لب پر ہر دم جلے بھنے نالے　　پڑ گئے ہیں زبان پر چھالے
جل گیا جب کسی سے بولے ہم　　پھوڑتے ہیں جلے پھپھولے ہم
حسرت آتی ہے اپنی حالت پر　　پڑیں پتھر بتوں کی چاہت پر

اب وہ دکھ درد روز بھرتا ہوں
اس زمانے کو یاد کرتا ہوں

پہلا آمنا سامنا

آگیا بے نظیر کا میلا　　دل پابند وضع کھل کھیلا
آفت جان ناتواں دیکھی　　یک بیک مرگ ناگہاں دیکھی
جلوہ دیکھا جو حور طلعت کا　　سامنا ہو گیا قیامت کا
دیکھ کر اس پری شمائل کو　　رہ گیا تھام تھام کر دل کو
دل کو میں ڈھونڈھتا رہا نہ ملا　　آنکھ ملتے ہی پھر پتا نہ ملا

رنگ چہرہ سے اڑ گیا کوسوں
دل سے مجھ سے دل جدا کوسوں

آبرو کا لحاظ و پاس کسے
ہوش میں آؤں یہ حواس کسے

یار و غم خوار مونس و ہمدم
کہہ رہے تھے تجھے خدا کی قسم

داغ! تو ماجرا بیان تو کر
تجھ کو کیا ہو گیا بیان تو کر!

کیوں ہے ایسا اداس خیر تو ہے؟
کیوں اڑے ہیں حواس خیر تو ہے؟

سوچو اپنا برا بھلا دیکھو!
دیکھو' نواب میرزا! دیکھو!!

شمع ساں جسم زار گھلتا تھا
پر کسی پر نہ بھید کھلتا تھا

جستجو میں بڑے بڑے عیار
نہ ہوا کوئی واقف اسرار

ہم نشیں و ندیم مضطر تھے
سب طبیب و حکیم مضطر تھے

رنج سا رنج تھا حسینوں کو
داغ سا داغ مہ جبینوں کو

منہ پر اک کے اشک بہتے تھے
ہاتھ ملتے تھے اور کہتے تھے

اس طرح کا فہیم و فرزانہ
اے تری شان! یوں ہو دیوانہ!

اس کا قابو سے دل نکل جائے
ہے غضب اس پہ چال چل جائے

یہ ہر اک فن سے خوب واقف تھا
دوست دشمن سے خوب واقف تھا

ہم سمجھتے تھے ہوشیار اسے
عشق میں آزمودہ کار اسے

یہ وفادار یہ نجستہ شعار
صادق القول صادق الاقرار

کس نی بیہوش کر دیا اس کو
کس نے [illegible] کر دیا اس کو

کہیں آئی ہوئی طبیعت ہے
چوٹ [illegible] ہوئی طبیعت ہے

اک نظر دیکھ بھال کر کوئی
لے گیا دل نکال کر کوئی

حال کیسا بدل گیا اس کا
کیا کلیجہ نکل گیا اس کا

صلح کل ہے یہ آدمیت میں
خیر ہے شر نہیں طبیعت میں

خوش بیاں خوش زباں کہاں ایسا؟ فخر ہندوستاں کہاں ایسا؟
کس دغا باز نے اسے مارا؟ کس فسوں ساز نے اسے مارا؟
کس قیامت نے پائمال کیا؟ سحر بنگالہ نے حلال کیا؟
وہ پری چہرہ کیا قیامت ہے داغ سے شخص کی یہ حالت ہے
اس بلا سے نکالنا اس کو
یا الٰہی! سنبھالنا اس کو!

معشوقہ کی تعریف

مجھ کو اس حال پر نظر ہی نہ تھی دین و دنیا کی کچھ خبر ہی نہ تھی!
عشق نے تازہ روپ بدلا تھا میں کبھی میلے میں اک تماشا تھا
میلے والوں میں دھوم تھی میری خوش جمالوں میں دھوم تھی میری
ہوش آیا تو میں نے کیا دیکھا؟ اک پری چہرہ خوش ادا دیکھا!
رخ سے ظاہر تھا نور کا عالم اور اس پر غرور کا عالم
چتون بھوؤں کی وہ تحریر کیوں نہ دل اس لکیر پر ہو فقیر
چشم خوں ریز وہ فسوں انگیز جس کا شاگرد فتنہ چنگیز
گردن اس کی ہے وہ صراحی دار ہو صراحی بھی دیکھ کر سرشار
ایسے پتھر وہ دونوں قبہ نور شیشہ دل ہو جن سے چکنا چور
گات بانکی بدن سڈول تمام فتنہ قد فتنہ چشم فتنہ خرام
نکہ مست ہوشیاری سے لڑنے والی چھری کٹاری سے
لب پاں خوردہ پہ مسی کی دھڑی دل بیمار پر تھی رات کڑی
جوش پر بادۂ جوانی ہے یہی چاہ ذقن کا پانی ہے

سج دھج آفت غضب تراش خراش — کسی اچھے کی دل ہی دل میں تلاش

وہ اٹکتی ہوئی نظر آہا — وہ لچکتی ہوئی کمر آہا

شوخیاں ہیں حجاب میں کیسی — لن ترانی جواب میں کیسی

اف رے عہد شباب کی مستی — بے پئے ہے شراب کی مستی

ہائے تیرا کلام مستانہ — ہائے تیرا خرام مستانہ

گرتے گرتے کبھی سنبھل جانا — ادھر آنا ادھر نکل جانا

کبھی منہ پر نقاب کا کل ہے — کبھی منہ پھیر کر تغافل ہے

کبھی سائے سے اپنے ڈر جانا — کبھی کچھ بانکپن بھی کر جانا

آئینے سے نگاہیں لڑتی ہیں — خود بخود چتونیں بگڑتی ہیں

کبھی کچھ تیوری میں بل دینا — کبھی آنکھیں دکھا کے چل دینا

آئینے سے نظر چرا جانا — آپ اپنے سے شرم کھا جانا

اپنے سائے سے پوچھنا تو کون؟ — ہے مرے ساتھ دوسرا تو کون؟

بھولے پن میں ہزار گھاتیں ہیں — اک خموشی میں لاکھ باتیں ہیں

ہے نرالی ادا زمانے سے — روٹھنا اور بھی منانے سے

اک قیامت کی چال چل جانا — دل چھلاوے کی طرح چھل جانا

ہر کسی کو نظروں میں تول لیتے ہیں — مشتری کو وہ مول لیتے ہیں

حسن کی آن بان ہائے غضب — بے نیازی کی شان ہائے غضب

ناز جلوے دکھائے جاتا ہے — حسن چہرے پہ چھائے جاتا ہے

رقص طاؤس باغ سے اچھا — شعر کا لطف داغ سے اچھا

جس طرف اٹھ گئی وہ شوخ نگاہ — شور اٹھا کہ بس خدا کی پناہ

ادھر اظہار درد رنج و فراق — اور ادھر گفتگو تراق پراق

کہہ دیا دل کا حال باتوں میں
نہ رہا کچھ خیال باتوں میں

نرم باتیں کبھی نزاکت سے
گرم فقرے کبھی شرارت سے

مفت دل لے کے نقد جاں لینا
باتوں باتوں امتحاں لینا

دل صفائی سے آشنا ہی نہیں
بدگمانی کی انتہا ہی نہیں

جانب در جو بھول کر دیکھا
اس کو تھا وہم کیوں ادھر دیکھا

کیا ہو ایسے سے وصل کی تدبیر
جو نہ دے میرے خواب کی تعبیر

سادگی میں بناوٹیں کیا کیا
اکھڑی اکھڑی لگاوٹیں کیا کیا

شعبدے لاکھ آفت کے
فقرے چلتے ہوئے قیامت کے

کچھ اشاروں سے مدعا کہنا
منہ ہی منہ میں برا بھلا کہنا

بھولی بھولی وہ پیار کی باتیں
شوخیاں اختیار کی باتیں

کبھی چبھتی ہوئی سنا دینا
سن کے تعریف مسکرا دینا

سخن ناصواب کہہ دینا
مجھ کو خانہ خراب کہہ دینا

کبھی دھمکی یہ دی کہ سمجھیں گے
کبھی گردن ہلی کہ سمجھیں گے

مفت الزام میرے سر دھرنا
بے خطا بے قصور لے مرنا

وعدہ کرتے ہی مسکرا دینا
چٹکیوں میں مجھے اڑا دینا

سینکڑوں بات بات میں گھاتیں
میٹھی چھریاں وہ رس بھری باتیں

پتلے ہونٹوں میں کچھ تبسم بھی
مجھ کو کہنا کہ قہر ہو تم بھی

ہائے وہ قدر دانیاں اس کی
ہائی وہ مہربانیاں اس کی

ایک اک دم میں سو مداراتیں
لطف کے دن وہ عیش کی راتیں

ہر کسی سے اک التفات کی بات
لطف کا لطف اور بات کی بات

سو اگر ہیں کسی سے کلام نہیں
پر کوئی شاکی کلام نہیں

وضع کے ہو خلاف کیا مقدور
ایک سے لاکھ تک نہیں منظور

لوگ جو انجمن میں آتے تھے — پھلے پھولے چمن میں آتے تھے
سن کے اس خوش کلام کی تقریر — سب کو حیرت تھی صورت تصویر
دیکھ کر اس کے روئے انور کو — آئے بیٹھے، اٹھے، گئے گھر کو
کبھی شعر و سخن کا چرچا تھا — کبھی اپنے وطن کا چرچا تھا
رات کٹتی ہنسی خوشی کیا کیا — ہوتی رہتی کھلی دلی کیا کیا
جاں نوازی پر اس کو ناز بھی تھا — بے نیازی میں کچھ نیاز بھی تھا
خانہ دوست عیش خانہ تھا — ہائے کیا دن تھے کیا زمانہ تھا
ستم و جور کا گلا کیجئے — لطف قاتل بنے تو کیا کیجئے
شکوہ ہوتا ہے خود پسندوں سے — کیا شکایت نیاز مندوں سے
کون کہتا ہے ناز نے مارا — مجھ کو اس کے نیاز نے مارا
دیکھ کر یہ ادائیں آنکھوں سے — کیوں نہ لوں میں بلائیں آنکھوں سے
آسماں صدقے ہونے والوں میں — فتنہ حشر پائمالوں میں
یہی انداز قہر کرتے ہیں — آدمی کیا؟ فرشتے مرتے ہیں!
ایسے پھندے سے دل ہو کیا آزاد — یاد آیا ہے مطلع استاد
خوب روکا شکایتوں سے مجھے — اس نے مارا عنایتوں سے مجھے
وہ بھلے جو جفائیں کرتے ہیں — وہ برے جو وفائیں کرتے ہیں
دل پھنسا ہے وفا کے پھندے میں — آگیا کس بلا کے پھندے میں
عیش یہ آسماں نہ دیکھ سکا — چار دن شادماں نہ دیکھ سکا

گردش روزگار اور ہوئی
شکل لیل و نہار اور ہوئی

معشوقہ کی روانگی

آگئی ہجر کی گھڑی سر پر
یہ بلا جھیلنی پڑی سر پر
اس کے لب پر پیام رخصت کا
میرے دل میں مقام حسرت کا
قصد ٹھہرا وطن کے جانے کا
رنگ بدلا نیا زمانے کا
حسرت آلود وہ نگاہیں تھیں
شرر آمیز میری آہیں تھیں
بات دل کی نہ لب تک آتی تھی
فکر میں آئی عقل جاتی تھی
مثل کاکل مجھے پریشانی
شکل تصویر اس کو حیرانی
سن کے رخصت کا نام روتے تھے
سب وہاں خاص و عام روتے تھے
ٹھہرے عہد وفا جو آپس میں
کھائیں باہم ہزارہا قسمیں
رسم الفت کے ہو گئے اقرار
خط کتابت کے ہو گئے اقرار
شکر مہر و وفا کیا میں نے
بخشوایا کہا سنا میں نے
گویا بندہ وفا کا بندہ ہے
آدمی پھر خطا کا بندہ ہے
اس نے مجھ سے کہا یقیں مانو!
اک سرمو نہ فرق تم جانو!
جی نہیں چاہتا ہے جانے کو
پر چلے ہیں قلق اٹھانے کو
ہم کو کچھ آرزوئے مال نہیں
اس کا واللہ کچھ خیال نہیں
زر سے معمور ہے ہمارا شہر!
کونسا دوسرا ہے ایسا شہر؟
ہے حکومت کی شان کلکتہ
سلطنت کا نشان کلکتہ
انتخاب زمان کلکتہ
فخر ہندوستان کلکتہ
ہم تو بھوکے ہیں آدمیت کے
آدمیت کے ساتھ الفت کے
ایسے دیسوں سے جی نہیں ملتا
داغ سا آدمی نہیں ملتا

میری تسکین اسی کئے ہی بنی
یہ تسلی مجھے دیئے ہی بنی

آتے جاتے ہیں سب خدائی میں
مر نہ جانا مری جدائی میں

جان سی چیز یوں نہیں کھوتے!
اس قدر پھوٹ کر نہیں روتے

جب کہ رنج و ملال ہوتا ہے
سچ ہے ایسا ہی حال ہوتا ہے

زندگی شرط ہے تو آئیں گے
لطف صحبت کے پھر اٹھائیں گے

دل سے نزدیک ہم ہیں دور نہیں
اس قدر دور رامپور نہیں

یاد رکھنا ہمیں یہ یاد رہے
اسی صورت سے اتحاد رہے

مصرع میر پڑھ کے فرمایا
"پھر ملیں گے اگر خدا لایا"

وہ تو پہلو سے آہ بھر کے اٹھے
اور ہم بے قرار مر کے اٹھے

جب وہ اک ایک سے چلے مل کر
خوب روئے مرے گلے مل کر

ادھر اس مہمان کی رخصت
تھی ادھر میری جان کی رخصت

ساتھ اس کے مری نگاہ گئی
جب نگہ تھک گئی تو آہ گئی

روح کہتی تھی مجھ کو دو رخصت
دل پکارا کہ میں بھی لو رخصت!

دل جگر دونوں تھرتھراتے تھے
پاؤں چلنے میں لڑکھڑاتے تھے

ضعف سے چل سکا نہ چار قدم
اک قدم راہ تھی ہزار قدم

اشک آنکھوں میں اور لب پر دم
جان جانے کو مستعد ہر دم

صبر ٹھہرائے کب ٹھہرتا ہے
سب سے پہلے سلام کرتا ہے

رات گزری مجھے دعا کرتے
تھک گیا منہ خدا خدا کرتے

کس قدر مضطرب مرا دل تھا
دل نہ تھا صید نیم بسمل تھا

جدائی

اے فلک داد خواہ ہوں تجھ سے — طالب رشک ماہ ہوں تجھ سے
یہ ستم دیکھ اور مجھ کو دیکھ — یہ الم دیکھ اور مجھ کو دیکھ
وہ نکیلی ادائیں دھیان میں ہیں — وہ سریلی صدائیں کان میں ہیں
گر نہیں وصل یار جانی کا — لطف کیا ایسی زندگانی کا
ہجر باعث ہے خستہ جانی کا — ہجر دشمن ہے زندگانی کا
ہجر سے زخم خانستاں بہتر — ہجر سے مرگ ناگہاں بہتر
ہجر دنیا سے لے کے جاتا ہے — عاقبت خاک میں ملاتا ہے
دم پہ بنتی ہے ہجر کے غم سے — اس کو پوچھو جناب آدم سے
تیرگی ہے جو یہ شب غم میں — ہے یہ پوش میرے ماتم سے
ہوئے سر کھول کر شب ہجراں — اشک شبنم سے صبح تک گریاں

اس سیاہی میں کیا سحر ہو نمود — گھر گیا دود آتش نمرود
دیکھ کر آہ آتشیں کے شرر — دانت پیسا کئے بہت اختر
داستاں گو ہے نالہ شب گیر — خوب سوتی ہے چین سے تقدیر
کیوں فلک انتہائے جور بھی کچھ — ظلم باقی رہا ہے اور بھی کچھ
یوں کسی کو ہلاک کرتے ہیں — یوں جلاتے ہیں خاک کرتے ہیں
ہمہ تن یاس کر دیا تو نے — ستیاناس کر دیا تو نے
دل ستانے سے درگزر ہی نہیں — آہ مظلوم سے حذر ہی نہیں
ہو گئے خاک من چلے لاکھوں — مر گئے کاٹ کر گلے لاکھوں
میں ہی کیا ہوں تری جفا کے لئے — رحم کر رحم کر خدا کے لئے

کسی کروٹ سے کل نہیں آتی — نہیں آتی اجل نہیں آتی

جی بہلتا نہیں کسی صورت — دم نکلتا نہیں کسی صورت

ضعف سے دونوں مل گئے پہلو — چین بستر سے چھل گئے پہلو

چشم نمناک ہے تو دل غمناک — سینہ صد پارہ و جگر صد چاک

تپ دوری نچوڑتی ہے مجھے — دم بدم روح چھوڑتی ہے مجھے

ضعف سے قلب تھرتھراتا ہے — درد بھی اٹھ کے بیٹھ جاتا ہے

چشم پرخوں سے ندیاں جاری — ریش ناخن سے تن پہ گلکاری

چبھتی ہے کوئی شے کلیجے میں — ہوک سی اٹھتی ہے کلیجے میں

دل کی حالت بری ہے سینے میں — سانس چلتی چھری ہے سینے میں

لگ گئی کس کی بددعا مجھ کو؟ — میرے اللہ کیا ہوا مجھ کو؟

دل سے پہروں کلام کرتا ہوں — زندگی کو سلام کرتا ہوں

غم جان کلہ مہماں دل کا — اشک غماز راز داں دل کا

جب فلک پہ نگاہ جاتی ہے — عرش اعلیٰ تک آہ جاتی ہے

پہنچی ہے آسماں تک فریاد — نہ گئی اس کے کان تک فریاد

درد دل سائبان ہے گویا — دوسرا آسمان ہے گویا

رات دن مجمع پریشانی — خانہ آباد خانہ ویرانی

دل میں ہر آن کاہش دوری — لب پہ ہر وقت ہائے مجبوری

دل ہے بیتاب تو جگر بے چین — ہے مصیبت میں گھر کا گھر بے چین

دل میں ہر وقت ایک تازہ ملال — انقلاب زمانہ شامل حال

نامرادی مراد پاتی ہے — تلخ کامی مزے چکھاتی ہے

نامور ہے .وہ میری گمنامی — پر اثر ہے وہ میری ناکامی

یہ جو لکھے قلم زباں نہ رہے لوح محفوظ تک نشاں نہ رہے
بے کسی میری غمگساروں میں ناامیدی امیدواروں میں
لطف ملتا ہے جان کھونے سے شاد ہوں رات دن کے رونے سے
چشم تر پر ہے گوشہ داماں کا چاک ہنسنے لگا گریباں کا
لحد تنگ کنج تنہائی جیتے جی منہ پر مردنی چھائی
چارہ گر سے دوا نہیں ہوتی نہیں ہوتی شفا نہیں ہوتی
درد دل کا علاج مشکل ہے بچ گئے کل تو آج مشکل ہے
کل جو امید تھی وہ آج نہیں مرض موت کا علاج نہیں
جان جاتی ہے دل کے آنے سے موت آتی ہے اس بہانے سے
گرد بیٹھے طبیب روتے ہیں مجھ کو میرے نصیب روتے ہیں
نبضیں چھوڑتی ہوئی طبیبوں کی پیش چلتی نہیں غریبوں کی
ہر کوئی اپنی اپنی کہتا ہے رائے میں اختلاف رہتا ہے
جو اطبائے وحشت دل ہیں ان کو کپڑے چھوڑانے مشکل ہیں
جو عیادت کو میری آتا ہے دیکھ کر دور ہی سے جاتا ہے
میری باتوں سے وہم آتے ہیں سننے والوں کے ہوش جاتے ہیں
بات کی بات میں پلٹ نہ پڑے یہ سڑی ہے کہیں لپٹ نہ پڑے
مژدۂ وصل کب سناتے ہیں لوگ یٰسین پڑھنے آتے ہیں
دشمن نام و ننگ کون' کہ میں! اپنے جینے سے تنگ کون کہ میں!
دشمن اضطراب کون کہ میں! مبتلائے عذاب کون کہ میں!
تیر غم کا نشانہ کون کہ میں! پائمال زمانہ کون کہ میں!
عاشق بے وقار کون کہ میں! سب میں بے اعتبار کون کہ میں!

مضطر و ناشکیب کون؟ کہ میں! صید دام فریب کون کہ میں!
چشم براہ یار کون کہ میں! ہمہ تن انتظار کون کہ میں!
تیغ حسرت اتر گئی دل میں بے قراری ٹھہر گئی دل میں!
اشک امڈے برس گئیں آنکھیں دیکھنے کو ترس گئیں آنکھیں
شوق کہتا ہے میرے ساتھ آؤ ضعف کہتا ہے بیٹھ بھی جاؤ
چین ملتا نہیں کہیں مجھ کو آسماں ہو گئی زمیں مجھ کو
موت آئے یقیں نہیں آتا نفس واپسیں نہیں آتا
اب کہاں وہ صفائیاں منہ پر چھٹ رہی ہیں ہوائیاں منہ پر
رنج کھاتا ہوں اشک پیتا ہوں یہی کھا پی کے روز جیتا ہوں
جتنے ارمان ہیں میرے دل میں سب وہ پیکان ہیں مرے دل میں
کھیل کوئی نہ عمر بھر کھیلے ہم جو کھیلے تو جاں پر کھیلے
پھوٹ کر روئے پاؤں کے چھالے بہہ گئے جن سے ندیاں نالے
گرہوں روکش یہ دیدۂ پرنم پانی پانی ہو گریۂ آدم
رنج کھانے سے کام ہے مجھ کو دانہ پانی حرام ہے مجھ کو
فکر افشائے راز سے خاموش کبھی کچھ ہوش میں کبھی بے ہوش
الفراق الفراق وردِ زباں الاماں الاماں یہ شور فغاں
جو فرشتے ہیں آسمانوں پر ہاتھ رکھے ہوئے ہیں کانوں پر

غم دوری سے جان بیکل ہے
آنکھ اوجھل پہاڑ اوجھل ہے

کوئی مہماں جو میرے گھر آیا میں نے جانا پیامبر آیا
لیں بلائیں ہزارہا میں نے دیں دعائیں ہزارہا میں نے
اس کو باتوں میں کھولتا تھا میں خط کمر میں ٹٹولتا تھا میں
کبھی پیتا تھا پاؤں دھو دھو کر کبھی ہنستا تھا خوب رو رو کر
کبھی قدموں پہ اس کے گرتا تھا کبھی میں اس کے گرد پھرتا تھا
خبر یار پوچھتا تھا میں حال اغیار پوچھتا تھا میں
رنگ کیا ہے امیدواروں کا ڈھنگ کیا ہے صلاح کاروں کا
کون سے شخص پر عنایت ہے رات دن کس سے گرم صحبت ہے
سنتے ہیں داستان غم کہ نہیں یاد آتے ہیں ان کو ہم کہ نہیں
کس سے ہر وقت ہم کلامی ہے؟ کون سرکار کا سلامی ہے؟
بزم آرائیوں کا شوق بھی ہے؟ اب وہ شعر و سخن کا ذوق بھی ہے؟
ہیں طبیعت میں ولولے کیا کیا؟ رات دن کے ہیں مشغلے کیا کیا؟
مہماں سن کے یہ مری تقدیر تھا تحیر میں صورت تصویر
اس کو حیرت یہ ماجرا کیا ہے؟ میزباں کو جنوں ہے سواد ہے!
میری حالت پہ اس کو سکتا تھا شکل آئینہ منہ کو تکتا تھا
نظر آئی جو اس کی حیرانی سخت مجھ کو ہوئی پشیمانی
کون مہمان ہوکے آئے گا یوں تلاشی جو دے کے جائے گا

ہوش آیا تو شرمسار ہوا
پھر وہی جوش انتظار ہوا

عاشق کی تصویر سے معشوق کی مخاطبت!

یہ سنا ہے کہ وہ پری پیکر
یاد کرتا ہے مجھ کو یوں اکثر
میری تصویر رکھ کے پیش نظر
کو سنا چھیڑنا یہ کہہ کہہ کر

اس ڈھٹائی سے تو ادھر دیکھے
آنکھیں پھوٹیں ہمیں اگر دیکھے
کس طرح گھورتا ہے بلے شریر!
جی میں آتا ہے پھونک دوں تصویر!
تو سہی، رات دن رلاؤں تجھے!
دیکھنے کا مزا چکھاؤں تجھے!
ایسی صورت پہ یہ دماغ ترا!
خوب رکھا ہے نام داغ ترا!
حسن ہوتا ہے حاصل تصویر!
روسیہ! تو ہے قابل تصویر؟
شکل منحوس کیوں نظر آئے؟
مول لے کر بھی ہم تو پچھتائے!
ایسی تصویر کس کو بھاتی ہے
پر، بلا سے، ہنسی تو آتی ہے
تجھ سے رونق نہیں ہے گھر کے لئے
رکھ لیا ہے نظر گزر کے لئے!
نہ ہو کچھ اس سے رونق تعمیر
اور دھبہ لگائے یہ تصویر!
تو ہے رنج و ملال میں کس کے
چپ لگی ہے خیال میں کس کے
کیوں ہے خاموش لب تو کھول ذرا!
وہ بڑے بول اب تو بول ذرا!
لن ترانی کہاں گئی تیری
خوش بیانی کہاں گئی تیری
آرزوئے وصال کہہ تو سہی؟
کیا ہوا تیرا حال کہہ تو سہی؟
جھوٹ سچ ہم کو آزمانا ہے
عشق ہے یا فقط بہانا ہے
تیرے منہ میں زبان ہے کہ نہیں
تجھ میں کمبخت جان ہے کہ نہیں؟
کونسا تھا وہ آئینہ رخسار
تجھ کو سکتے کا دے گیا آزار
آئینہ تیرے منہ پہ رہتا ہے
اس سے کیا اپنا حال کہتا ہے؟

دام دے کر تجھے خریدا ہے! تجھ پر ہر طرح اپنا دعویٰ ہے!
ہاں زلیخا مجھے نہ ٹھہرانا! بن کے یوسف کہیں نہ اترانا!
بال باندھا مرا غلام ہے تو اسی باعث سے نیک نام ہے تو
طائر رنگ اڑ کے چل نہ سکے تیری حسرت کبھی نکل نہ سکے
بھاگ کر بے وفا نہ ہو جانا محض نا آشنا نہ ہو جانا
نہ کہیں گے کہ صورت اچھی ہے ہاں مگر طبیعت اچھی ہے
تیری تصویر کا بہانا ہے تیرا خاکہ بہت اڑانا ہے
پہلے تو اس کو چاک چاک کروں! اور پھر میں جلا کے خاک کروں!
کیا یہ تصویر! جواب نہیں سو نے ایک کا جواب نہیں!
ان کی تصویر پر نظر ہر دم
مجھ کو تقدیر پر نظر ہر دم

معشوقہ کی آمد

صورت نامہ و پیام رہی خط کتابت کی دھوم دھام رہی
ان کو لکھا بطور امتزاج سارے میلوں سے ہے یہ بڑھ کر آج
دیکھو تم بے نظیر کے جلسے! ہر برس ہو شریک اول سے!
تم نے بھی رنگ اس کے دیکھے ہیں! تم نے بھی ڈھنگ اس کے دیکھے ہیں!
کچھ رہو رام پور میں آ کر! لطف اٹھاؤ! حضور میں آ کر!
پر یہ ہے شرط آ کے میلے میں پھنس نہ جاتا کسی جھمیلے میں!
آئی مجھ کو جواب میں تحریر اپنے آنے کے باب میں تحریر

ایسے میلے میں کیوں نہ آئیں　　کہ جہاں تم سا شخص پائیں ہم

کوئی جلسہ دکھانے والا ہو　　کوئی ہم کو بلانے والا ہو

بے بلائے جو آئے کیا آئے　　منہ اٹھائے جو آئے کیا آئے

کیا نہیں ہم کو شوق خوب کہی　　کیا نہیں ہم کو ذوق خوب کہی

باغ کی ہم بہار لوٹیں گے　　داغ کی ہم بہار لوٹیں گے

سب یہ کہتے ہیں سیر بہتر ہے　　ہم بھی سمجھے تو خیر بہتر ہے

فائدہ کیا ہے ہم کو حیلے سے　　آئیں گے پر اسی وسیلے سے

تم در اندازیوں کو کیا جانو!　　تم فسوں سازیوں کو کیا جانو!

فتنہ پردازیاں بھی ہوتی ہیں　　رخنہ اندازیاں بھی ہوتی ہیں

تم کو اس کی خبر بھی ہے کہ نہیں　　نیک و بد پر نظر بھی ہے کہ نہیں

جن سے تم التجائیں کرتے ہو　　ہر طرح کی وفائیں کرتے ہو

تم سمجھتے ہو وہ خلاف نہیں　　وہ ذرا تم سے دل میں صاف نہیں

کہیں بدظن بھی دوست ہوتے ہیں　　کہیں دشمن بھی دوست ہوتے ہیں

باز آئے ہم ایسے آنے سے　　کہ بند ہیں مورچے زمانے سے

خط پہ خط بے سبب نہیں آتے　　جب تو آتے پر اب نہیں آتے

رسم و راہ پیام سے گزرے　　اس پیام و سلام سے گزرے

ایک صاحب جنھوں نے روکا تھا　　ان کو مدنظر تماشا تھا

کوئی دن داغ کو جلائیں ہم　　اس جلانے کے لطف پائیں ہم

گر رقابت کا واسطہ ہوتا　　تو خدا جانے کیا سے کیا ہوتا

بے سبب جن کو یہ عداوت ہو　　واسطہ ہو تو کیا قیامت ہو

مجھ کو صبر و قرار مشکل تھا　　طبع پر اختیار مشکل تھا

ہے عجب شئے امیدواری بھی — لطف دیتی ہے بے قراری تھی

خبر دل ربا نہیں آتی — اس طرف کی ہوا نہیں آتی

مژدۂ جاں فزا نہیں سنتے — ہم خوشی کی صدا نہیں سنتے

گوش زد ایک نوید تھی ہر روز — وہ گئے دن کہ عید تھی ہر روز

دل دکھانے سے کام ہے تجھ کو — اے محبت سلام ہے تجھ کو

مصلحت جان کر گلا چھوڑا — جذب دل پر معاملہ چھوڑا

کف افسوس کس طرح نہ ملے — آدمی کیا کرے جو بس نہ چلے

میں نے سوچا یہ امر اولیٰ ہے — وہ بلائیں جنہوں نے روکا ہے

ان کی کس کس طرح اطاعت کی — پھر انہوں نے بھی یہ عنایت کی

صاف دل سے مراسلہ بھیجا — کہ بنارس انہیں بلا بھیجا

آئے جس وقت وہ بنارس میں — میں نے جانا کہ آگئے بس میں

میری تقریر ان کو لے آئی — میری تدبیر ان کو لے آئی

جاکے عہد شباب کا آنا! — تھا دوبارہ حجاب کا آنا!

کیا مرے دلستاں کا آنا ہے — یہ تو روح رواں کا آنا ہے

نکہت گل ادھر پلٹ آئی — عمر رفتہ مگر پلٹ آئی

تھا یہ اس رشک حور کا آنا — چشم اعمیٰ میں نور کا آنا

تھا یہ اس گل عذار کا آنا — یا نسیم بہار کا آنا

پھر وہی ساعت سعید آئی — کہ برس دن کے بعد عید آئی

میرے معجز بیاں کا آنا ہے — یا مسیح زماں کا آنا ہے

لعل نکلا ہے یا بدخشاں سے — ماہ کنعاں چلا ہے کنعاں سے

بزم میں شمع انجمن آئی — یا بہار گل چمن آئی

میرے غمخوار جا کے لائے انہیں — نہ بنی کچھ بغیر آئے انہیں
میں نے پایا جو اپنے دلبر کو — آبِ حیواں ملا سکندر کو
ایسی دولت نصیب ہو کس کو — گنجِ قاروں ملا ہے مفلس کو
میرے یوسف کی دھوم پیہم ہے — مصر سے رام پور کیا کم ہے
آئے لیکن ہزار ناز کے ساتھ — ملے مجھ سے تو احتراز کے ساتھ
وہم بھی بے قیاس تھا ان کو — پاس والوں کا پاس تھا ان کو
لے لی چپکے سے دل میں چٹکی بھی — پھر تشفی بھی پھر تسلی بھی
پہلے کچھ بات کی تو رک رک کر — پھر کہا میرے کان میں جھک کر
کیا نہیں حسرت وصال ہمیں — وضع داری کا ہے خیال ہمیں
ہم جو آئے یہ دل ہمارا تھا — ورنہ کیا آپ کا اجارا تھا
جب لیا نام وضع کا اس نے — پی گیا سن کے جو کہا اس نے
کھل گئے کان جب سنی ایسی — گھل گئی جان جب سنی ایسی
بجھ گیا دل انار سا چھٹ کر — رہ گیا سینہ میں دھواں گھٹ کر
خوف اغیار پر ہنسی آئی — ان کے انکار پر ہنسی آئی
میں نے کی عرض یہ بجا یہ درست — آپ نے جو کہا، کہا یہ درست
بات مطلب کی میں کہوں! توبہ! — اپنے مہماں کو رنج دوں توبہ
اپنے سر کیوں دھروں پرائی بات — کیوں بگاڑوں بنی بنائی بات
کام مجھ کو تو ہے اطاعت سے — کیا غرض شکوہ و شکایت سے
ابھی کیا جانو! وضعداروں کو — دیکھ لو گے وفا شعاروں کو!
وضع نبھتی ہے وضعداروں سے — یا اطاعت کے خواست گاروں سے
وہ کہیں پاس وضع کرتے ہیں — جو یہ جانیں یہ ہم پہ مرتے ہیں

طور سب غیر غیر دیکھو گے چار دن بعد سیر دیکھو گے
میرے کہنے کی داد دو گے تم نام ان کا کبھی نہ لو گے تم
صبر میں نے کیا برس دن تک کیا قیامت ہے اور دس دن تک
دل کو جو تیری یاد دیتا ہے صبر کی وہ بھی داد دیتا ہے

اک جہاں اپنا دیکھا بھالا ہے
جانتا ہوں جو ہونے والا ہے

واپسی

چار دن میں یہ اتفاق کی بات ان سے ایسی ہوئی نفاق کی بات
پیش آئی جو امتحاں میں نہ تھی وہ پڑی مشکل جو گماں میں نہ تھی
ناز نینوں سے زمیاں بہتر نہیں ہوتی ہیں گرمیاں بہتر
نہ کسی کو برا کہے نہ سنے عمر بھر جو الف سے بے نہ سنے
کوئی جھڑکی نہ کوئی گلی تھی اک شکایت مزے سے خالی تھی
دل شکایت سے ٹوٹ جاتا ہے جی محبت سے چھوٹ جاتا ہے
اس شکایت نے یہ قباحت کی کہ بڑھیں رنجشیں قیامت کی
نشہ زور و زر کی سرمستی اور پھر کس قدر زبردستی
اس کو ضد آئے یہ خدا نہ کرے وہ مچل جائے یہ خدا نہ کرے
منہ سے جس بات پر نہیں نکلی دل سے پھر عمر بھر نہیں نکلی

آدمی کچھ غرض سے دیتا ہے جب اٹھائے طمع تو پھر کیا ہے
بات کا زخم کوئی بھرتا ہے آبرو دار اس سے مرتا ہے

یہ گرہ دل سے کب نکلتی ہے
جان جاتی ہے جب نکلتی ہے

لوگ چالیس ہزار چلتے ہیں
توبہ توبہ یہ بل نکلتے ہیں

کوئی ایسوں کی دال گلتی ہے
پیش کب ہر کسی کی چلتی ہے

جب ادا ہی نہ ہو سکے جی سے
فائدہ کیا قضائے عمری سے

شاد بہنے سے شاد رہتا ہے
ورنہ پھر نامراد رہتا ہے

کوئی۔ نازک مزاج دبتے ہیں؟
صاحب احتیاج دبتے ہیں

اپنے حق میں یہ زہر گھول لیا
طعنے دے دے کے رنج مول لیا

ایسی بگڑی کہ آج تک نہ بنی
ایسی چھٹی کہ آج تک نہ بنی

کسی جانب سے تھا ملال انہیں
کسی جانب سے انفعال انہیں

پھر تو وہ ٹوٹ کر ادھر آئے
دام سے چھوٹ کر ادھر آئے

یہ کہا اب وہ دل کہاں اپنا
تھا غلط سربسر گماں اپنا

پاس ان کا کیا! ہمیں چوکے!
کیوں کیا؟ کیا کیا؟ ہمیں چوکے!

کیا زمانے نے رنگ بدلا ہے
ابتدا کیا تھی انتہا کیا ہے

آگے کیا ایسے ذکر چھیڑوں میں
گڑے مردے عبث اکھیڑوں میں

گزری اوقات عیش و عشرت سے
دو مہینے تک ایک صورت سے

دوست اپنا وہ مجھ کو جان گئے
میرے کہنے کو دل میں مان گئے

پھر یہ سمجھے کہ اپنا گھر ہے بھلا
عقل مندوں کی داغ دور بلا

بولے میری بلا قفس میں رہے
آدمی کیوں پرائے بس میں رہے

قید خانہ ہے رام پور مجھے
جلد رخصت کریں حضور مجھے

ایک انداز سے ہوئے رخصت
بڑے اعزاز سے ہوئے رخصت

کیا کہوں میں کہ کس چلن سے رہے
رہے جب تک وہ بانکپن سے رہے

پھر وہ سمجھے یہ مر ہی جائے گا ڈوب جائے گا زہر کھائے گا

آؤ اس کی تسلیاں کر دیں جی میں جو کچھ ہے وہ بیاں کر دیں
مجھ سے کہنے لگے سنو صاحب! اس قدر مضطرب نہ ہو صاحب
صبر کا پھل ضرور پاؤ گے! اس کی راحت بہت اٹھاؤ گے!
اب تو اپنے وطن کو جائیں گے آؤ گے بھی؟ اگر بلائیں گے!
بات کا موقع و محل دیکھو کیا زمانہ ہے آج کل دیکھو
وہ جو دم دوستی کا بھرتے ہیں تم سے درپردہ رشک کرتے ہیں
ڈر ہے دشمن کی دوست داری سے کام لازم ہے ہوشیاری سے
دم دلاسے وہ مجھ کو دے کے گئے مجھ سے آنے کا عہد لے کے گئے
چلتے چلتے کہا خدا حافظ اب تمہارا مرا خدا حافظ
صبح کو وہ ادھر سوار ہوئے ہم اجل کے امیدوار ہوئے
زندگی بھر یہ کب ہوا صدمہ پہلے کیا تھا جو اب ہوا صدمہ

گو سراسر ملال تھا وہ ہجر
اس کے آگے وصال تھا وہ ہجر

بلاوا

سنئے خوب مری نصیبوں کی! کہ بن آئی وہاں رقیبوں کی
اپنے بیگانے گھیرتے ہیں اسے میرے رستے سے پھیرتے ہیں اسے
ہوئے دس بیس رخنہ گر پیدا کئے سو فتنے لاکھ شر پیدا
بنے اس کے مشیر وہ انساں آئے جن کے فریب میں شیطاں

تم کبھی آزماؤ تو ان کو یہ لگایا بلاؤ تو اس کو
دیکھیں کیسے ہیں چاہنے والے رسم الفت نباہنے والے
کتنے پانی میں ہیں ذرا دیکھو وہ نہ آئیں گے تم بلا دیکھو
چاہتے ہیں تو اڑ کے آئیں گے ورنہ ہر طرح ہچکچائیں گے

تم کو بھولا جو دیکھ پایا ہے کہہ دیا ٹوٹ کر دل آیا ہے
تم نے دیکھا ہے کیا زمانے کا داغ ہے چالیا زمانے کا
سحر آمیز اس کی باتیں ہیں درد آمیز اس کی باتیں ہیں
یہ ہے کیا بات سوچئے اس کو منہ لگایا ہے آپ نے کس کو
ایسے معشوق کب نصیب اسے مل گئے ایک تم عجیب اسے
ایسی تقدیر ہے کہاں اس کی تم کرو پاس داریاں اس کی
کبھی کیجئے تو امتحان وفا راست ہے یا غلط گمان وفا
ہو برا ان لگانے والوں کا جھوٹی سچی لگانے والوں کا
کب شرارت سے باز آتے ہیں آگ پانی میں یہ لگاتے ہیں
کہنا سننا ہے کینہ خواہوں کا جم گیا رنگ روسیاہوں کا
کچھ کدورت سی آگئی اس کو اور بھی کچھ سما گئی اس کو
جب سنی ہر شریر کی تقریر ہو کے خاموش صورت تصویر
دل میں سوچا یہ وہ بت ناکلم دور بیٹھے ہوں کس لئے بدنام
بھیج کر خط بلائیے ان کو واقعی آزمائیے ان کو

نامہ میری طلب میں آہی گیا
جس سے میں اک غضب میں آہی گیا

تم کو بھولا جو دیکھ پایا ہے — کہہ دیا ٹوٹ کر دل آیا ہے
تم نے دیکھا ہے کیا زمانے کا — داغ ہے چالیا زمانے کا
سحر آمیز اس کی باتیں ہیں — درد آمیز اس کی باتیں ہیں
یہ ہے کیا بات سوچئے اس کو — منہ لگایا ہے آپ نے کس کو
ایسے معشوق کب نصیب اسے — مل گئے ایک تم عجیب اسے
ایسی تقدیر ہے کہاں اس کی — تم کرو پاس داریاں اس کی
کبھی کیجئے تو امتحان وفا — راست ہے یا غلط گمان وفا
ہو برا ان لگانے والوں کا — جھوٹی سچی لگانے والوں کا
کب شرارت سے باز آتے ہیں — آگ پانی میں یہ لگاتے ہیں
کہنا سننا ہے کینہ خواہوں کا — جم گیا رنگ روسیاہوں کا
کچھ کدورت سی آگئی اس کو — اور بھی کچھ سما گئی اس کو
جب سنی ہر شریر کی تقریر — ہو کے خاموش صورت تصویر
دل میں سوچا یہ وہ بت ناکام — دور بیٹھے ہوں کس لئے بدنام
بھیج کر خط بلایئے ان کو — واقعی آزمایئے ان کو

نامہ میری طلب میں آہی گیا
جس سے میں اک غضب میں آہی گیا

معشوق کا خط

مجھ کو لکھا کہ اے مرے بیتاب — دن کو بے چین رات کو بے خواب
اے پریشان و مضطر و ناشاد — تیرے دل میں رہی ہماری یاد
اے سزاوار، جور بے تقصیر — اے طلب گار لذت تعزیر

تازگی بخش نام ذوق و نصیر
رشک، سودا و درد و مومن و میر

اے سخن گوئے عیسوی اعجاز
اے سخن سنج سامری انداز

تو گرفتار بند زلف رہے
دل اسیر کمند زلف رہے

درد الفت سے لب پہ شیون ہو
میری کاکل ہو تیری گردن ہو

ناوک ناز کا شکار رہے
تیغ ابرو سے دل فگار رہے

لب معجز بیاں سے دم نکلے
تیرے دل سے نہ میرا غم نکلے

ہو مبارک یہ پیارا پیارا عشق
راس آئے تجھے ہمارا عشق

ہم نئی بات روز سنتے ہیں
تازہ اک واردات سنتے ہیں

کوئی کہتا ہے بے قرار تمہیں
کوئی کہتا ہے اشکبار تمہیں

کوئی کہتا ہے چپ لگی ہے انہیں
سخت دشوار زندگی ہے انہیں

کھاتے ہیں پیتے ہیں نہ سوتے ہیں
مفت رو رو کے جان کھوتے ہیں

کوئی کہتا ہے نالے کرتے ہیں
کوئی کہتا ہے تم پہ مرتے ہیں

بھر گئے کان حال سن سن کر
ذکر رنج و ملال سن سن کر

سن کے یہ حال ہر زباں سے ہم!
لائیں پتھر کا دل کہاں سے ہم

یاد ہے قول اس زمانے کا
تم نے وعدہ کیا تھا آنے کا

کس سے مل کر خوشی میں پھول گئے
تم یکایک جو ہم کو بھول گئے

بڑے خوش خلق و نیک ہو تم تو!
دلی والوں میں ایک ہو تم تو!

ہم یہاں تم وہاں تو لطف نہیں
ہو یہ دوری جہاں تو لطف نہیں

لوگ کہتے ہیں وہ تڑپتے ہیں
ایسے ہوتے ہیں جو تڑپتے ہیں

چین سے اپنے گھر میں رہتے ہو
بزم والا گھر میں رہتے ہو

رسم الفت نباہتے ہو اگر
جان کی خیر چاہتے ہو اگر

اٹھ کے سیدھے ادھر چلے آؤ کوئی روکے مگر چلے آؤ!
ریل میں اتنی دور آنا کیا کار سرکار کا بہانا کیا
ہم بلائیں نہ آئیں آپ چہ خوش اور اس پر رہے ملاپ چہ خوش
یہ جگہ سیر گاہ عالم ہے! آج اس پر نگاہ عالم ہے!
مہماں تم ہو میزباں ہم ہوں عیش و عشرت کے لطف باہم ہوں
جب کسی نے طلب کیا آئے آئے پچھتا کے پھر تو کیا آئے
دلبروں سے دغا نہیں کرتے ایسے اہل وفا نہیں کرتے
گر کسی اور راہ سے ہو گا عذر بدتر گناہ سے ہو گا
نامہ دلنواز جب آیا میں نے سوچا یہ کیا غضب آیا
دل تو کہتا تھا سر کے بل چلئے جس طرح ہو سکے نکل چلئے
شکل چلنے کی آہ کچھ نہ بنی وضع تھی سر راہ کچھ نہ بنی
کار سرکار نے جو آگھیرا قدم اٹھ اٹھ کے رہ گیا میرا
ملتی ہے کلم سے کہیں فرصت مجھ کو مرنے کی بھی نہیں فرصت
رات دن رنج میں گزرتی ہے اک کشش و پیچ میں گزرتی ہے
عذر کیجئے یہ بات مشکل ہے جائیے تو نجات مشکل ہے
نکتے نکتے پہ ہے خیال اسے ہو نہ جائے کہیں ملال اسے
آفت روزگار ایک طرف اس کے دل کا غبار ایک طرف
منزل دوست و در اتنی ہے ریل بھی تھک کے چیخ اٹھتی ہے
شکل کیسی پڑے خدا معلوم کیا ہوا انجام کار کیا معلوم
سوچتا تھا جواب کیا لکھوں قہر ٹوٹے جو مدعا لکھوں
فکر مضموں میں غرق تھا پہروں ہاتھ میں خامہ رہ گیا پہروں

قصد جانے کا دل میں ٹھان لیا مجھ کو جانا پڑا یہ جان لیا
نامہ آخر جواب میں لکھا
کچھ کا کچھ اضطراب میں لکھا

جواب

یاخدا! وہ فرشتہ بھجوا دے کہ مرا نامہ اس کو پہنچا دے
کاش میرا ہی کاتب اعمال اس کو جاکر سنائے حال ملال!
کوئی جائے جو گرد بلو ادھر جاؤں میں اس کے ساتھ اڑ اڑ کر
اے فغاں اپنے زور میں لے چل پہنچوں مکتوب شوق سے اول
اے مہ و مہر گردش ایام! تمہیں پہنچا دو! چلتے پھرتے پیام
ہے کدھر قاصد سلیمانی کہے اس سے مری پریشانی
اے ہوا! بازوں میں تو بھر کے کھول دے پر مرے کبوتر کے!
لے چل اے چرخ تو بھی نامہ یار کہ نہ جائیں یہ گردشیں بیکار
ابرترا! اشک تر کو تو لے جا! برق سوز جگر کو تو لے جا!
یوں ہمارا سلام پہنچانا! یوں ہمارا پیام پہنچانا!
اے مری جان! جان سے بہتر جان سے کیا؟ جہاں سے بہتر
اے مہ آسمان زیبائی! جان خوبی جہان زیبائی!
اے بت لاجواب میں صدقے! اے سراپا حجاب میں صدقے!
شوخ رو، شوخ چشم، شوخ کلام خوش ادا، خوش خرام، خوش اندام
مجھ کو تیرے رخ نکو کی قسم! اپنے ارمان و آرزو کی قسم!

تیرے اقرار و مبدم کی قسم! عہد کی قول کی قسم، کی قسم!
اپنے آزار و رنج و غم کی قسم! داغ کے درد کی الم کی قسم!
تیرے قدموں کی تیرے سر کی قسم! اپنے دل کی قسم، جگر کی قسم!
مصحف روئے پر ضیا کی قسم! جھوٹ کہتا نہیں خدا کی قسم
تو ہے اے مہ جمال پیش نظر! ہے ترا ہی خیال پیش نظر!
سامنے دوسرا نہیں آتا! آئینہ دیکھنا نہیں آتا!
بھول کر تجھ کو میری یاد آئی! دل ناشاد کی مراد آئی!
نہیں کہتا ہوں میں خوشامد سے تیرے احسان بڑھ گئے حد سے!
یہی اک دن تری قسم ہو گا کہ مرا سر ترا قدم ہو گا؟
تجھ سے انصاف چاہتا ہوں میں چشم الطاف چاہتا ہوں میں
آفتیں جتنی ہیں خدائی میں میں نے جھیلیں تری جدائی میں
زندگانی سے یاس ہے مجھ کو تیرے ملنے کی آس ہے مجھ کو
گو زمانہ ہو چاہنے والا نہیں مجھ سا بنانے والا
تم بلاؤ نہ آؤں کیا ممکن ہے سراسر یہ بات ناممکن
میری عزت کو تم بھی جانتی ہو! میری غیرت کو تم بھی جانتی ہو!
سب سے ہے تیری آرزو بڑھ کر آرزو سے ہے آبرو بڑھ کر!
رشک اٹھا کر مجھے نہ مرنا ہو زہر کھا کر مجھے نہ مرنا ہو
یہ نگاہیں کہیں نہ پھر جائیں ہم نظر سے تری نہ گر جائیں!
بات کب ناگوار اٹھتی ہے داغ سے کس کی عار اٹھتی ہے
داغ کھاؤں خدا وہ دن نہ کرے رشک کھاؤں خدا وہ دن نہ کرے
خون دل عاقبت نہ ہو جائے سفر آخرت نہ ہو جائے

آدمی آبرو نہ کھو کے رہے کیا رہے گر حقیر ہو کے رہے

داغ در عدن سے بہتر ہو یہ مسافر وطن سے بہتر ہو

میں اٹھاؤں وہ اس سفر کے مزے بھول جاؤں تمام گھر کے مزے

اہل تمیز مانتے ہیں مجھے جاننے والے جانتے ہیں مجھے

رونق آرائے بزم میں ہی تو ہوں زینت افزائے بزم میں ہی تو ہوں

یہ سر احسان سے نہیں واقف یہ دل ارمان سے نہیں واقف

سر جھکا ہے وہیں خدا آگاہ اس جبیں پر ہے خاک بیت اللہ

اسی ابرو کے وہ اشارے ہیں جس پہ قربان ماہ پارے ہیں

ان نگاہوں کو کوئی کیا جانے میری آنکھوں سے دیکھنا جانے

وہ طبیعت کہ جس میں خوئے وفا یہ وہ بینی جو سونگھے بوئے وفا

لب سے ہر دم یہ کام لیتا ہوں! کہ تمہارا ہی نام لیتا ہوں

کبھی سرگرم التجا نہ ہوئے حرف مطلب سے آشنا نہ ہوئے

مفت کی قیل و قال کیا جانیں لب ہمارے سوال کیا جانیں

لب کھلے تو تری دعا کے لئے کب کھلے حرف مدعا کے لئے

اس زبان سے کلام کو رونق اس بیان سے پیام کو رونق

اس زباں میں بیان کی شوخی اس بیاں میں جہان کی شوخی

کبھی اس کان سے بدی نہ سنی اس بیاں میں جہان کی شوخی

کبھی اس کان سے بدی نہ سنی بات اچھی سنی بری نہ سنی

یہ وہ گردن نہ جو خمیدہ رہے اپنے بیگانے سے کشیدہ رہے

بار احسان غیر زائل ہو دست معشوق ہی حمائل ہو

آئینہ گرد میرے سینے سے کہ یہ سینہ ہے پاک کینے سے

مخزن علم داغ کا دل ہے معدن حلم داغ کا دل ہے
انتخاب زمانہ ہے یہ جگر پر تمہارا نشانہ ہے یہ جگر
ہاتھ پیدا ہوئے عطا کے لئے پاؤں ہیں منزل وفا کے لئے
ہے یہ دربار شاہ کا صدقہ اسی عالم پناہ کا صدقہ
اسی سرکار سے ہوئی تعلیم اسی دربار سے ہوئی تعلیم
نیک و بد سب جتا دیا تم کو حال اپنا بتا دیا تم کو
میں نہ لکھتا کبھی مگر لکھا قدر داں تم کو جان کر لکھا
یہ دعا ہے کہ برقرار رہو میرے حق میں وفا شعار رہو
تم کو اللہ شادماں رکھے عمر بھر مجھ پہ مہرباں رکھے
داغ کی یاد میں حجاب رہے ساتھ شوخی کے اضطراب رہے
خط روانہ ادھر شتاب کیا اس طرف میں نے پاتراب کیا

یا خدا میری منزل آساں ہو!
منزل آساں ہو مشکل آساں ہو

کلکتہ کو جانا

مل گئی جب حضور سے رخصت میں ہوا رام پور سے رخصت
کہہ کے اٹھا اخیر یا قسمت راہ رو میں تو رہنما قسمت
جاکر اپنے وطن میں جی نہ لگا اس بنائے کہن میں جی نہ لگا
چل کے دلی سے لکھنؤ پہنچا ہمہ تن شوق و آرزو پہنچا
بہت اجڑے ہوئے مکاں دیکھے مٹنے والوں کے کچھ نشاں دیکھے

کچھ جو ارمان تھا نکال لیا شہر کو خوب دیکھ بھال لیا
خوب انجم نے مہمانی کی اور بھی سب نے مہربانی کی
راہ میں کلن پور، الہ آباد میں نے دیکھے مگر نہ حسب مراد
اتنے میں آگیا عظیم آباد تھا مجھے اس کا شوق حد سے زیاد
پیشوائی کے واسطے احباب آئے تھے شوق دید میں بیتاب
بہت اشخاص یک بیک آئے اپنی اپنی سواریاں لائے
کوئی مجھ کو لئے ہی جاتا تھا کوئی ناحق کا حق جتاتا تھا
کوئی کہتا تھا میرے گھر چلئے آیئے اس طرف ادھر چلئے
ہوئی لوگوں کی چپقلش کیا کیا رہی آپس میں کشمکش کیا کیا
مجھ کو یہ فکر تھی کہ بھیڑ چھٹے میرزا شاغل آئے جب وہ ہٹے
یہ وہ ہیں نام خلق ہے جن سے آدمیت مراد ہے ان سے
متقی پارسا بہت دیکھے خوش بیاں خوش ادا بہت دیکھے
خوش گلو بھی کئی سنے میں نے خوبرو بھی کئی چنے میں نے
مجھ کو فرصت ملی نہ یاروں سے روز ملتا تھا میں ہزاروں سے
ایسی خلقت کہیں نہیں دیکھی یہ مروت کہیں نہیں دیکھی
کیسی مہماں نوازیاں دیکھیں کس قدر جاں نوازیاں دیکھیں
ان کے اخلاق یاد ہیں مجھ کو ان کے اشفاق یاد ہیں مجھ کو
دیں وہ مہماں کو جس قدر چاہیں بخشدیں گھر کا گھر اگر چاہیں
میر باقر کے گھر قیام ہوا خوب دعوت کا اہتمام ہوا
آٹھ دن دیکھی سیر پٹنے کی یہ ہوئی وجہ جی اچٹنے کی
کیا قیامت تھی شہر کی گرمی کاش گنگا میں ڈوبتی گرمی

آگ کی طرح آب میں گرمی — مثل اخگر حباب میں گرمی
طبع گرمی سے کیوں نہ عاری ہو — جائے نوری وہاں تو ناری ہو
بے جلے کوئی استخواں نہ رہے — عنصر آب کا نشاں نہ رہے
رنگ جل جل کے ہو گئے کاجل — جل گئے لے چلے جو گنگا جل
شعلہ زن ہو تنور طوفاں بھی — کانپتا ہے یہاں زمستاں بھی
رنگت آخر تپش سے زرد ہوئی — گرمئی طبع داغ سرد ہوئی
سوئے کلکتہ میں روانہ ہوا — دور تک ساتھ اک زمانہ ہوا
شوق بے اختیار لے ہی گیا — یہ دل بے قرار لے ہی گیا
آئی ایسی ہوائے کلکتہ — دل پکارا کہ ہائے کلکتہ
ریل پر دوستان نیک خصال — آئے اکثر برائے استقبال
شہر میں دھوم تھی کہ داغ آیا — داغ آیا تو باغ باغ آیا!
دیکھ کر شہر کھل گئیں آنکھیں — ماہ رویوں پہ ڈھل گئیں آنکھیں
سر بازار وہ مکان بلند — جس کو کہئے اک آسمان بلند
چرخ کو رتبہ اس مکاں سے کہاں — دور بھاگا ہے یہ کہاں سے کہاں
شرم و غیرت سے چھپ گئی جنت — ورنہ یہ قصر دیکھتی جنت
ہم جو بالائے بام رہتے تھے — لوگ عالی مقام کہتے تھے
سامنے ناخدا کی مسجد تھی — ناخدا کیا؟ خدا کی مسجد تھی!
مظہر نور ہے یہی مسجد — بیت معمور ہے یہی مسجد
اثر سرمہ اس کی خاک کرے — جلوہ اس کا نظر کو پاک کرے
اس کا جلوہ سرور آنکھوں کا — اس کا دیدار نور آنکھوں کا
بخت بیدار و یار ہے دمساز — اے شب وصل تیری عمر دراز

صبح سے شام تک جمال کے لطف   شام سے صبح تک وصال کے لطف

غم کی راتیں نہ تھے ملال کے دن   کیا پھرے تھے شب وصال کے دن

وصل کی شب میں جلوے تھے دن کے   سرمہ تھے حلق میں موذن کے

عیش و عشرت کی بات بات اچھی   رات سے دن تو دن سے رات اچھی

محفل عیش کا بندھا وہ سماں   دیکھے پھر پھر کے جس کو عمر رواں

دوستوں سے بھری بھری محفل   چشم بد دور وہ پری محفل

بزم آرا تھے سب عدو کے سوا   کوئی نکلا نہ آرزو کے سوا

میری محفل میں دخل غیر کہاں؟   غیر ہو جس جگہ تو خیر کہاں؟

عیش سا عیش تھا نصیبوں میں   کھل بلی پڑ گئی رقیبوں میں

ساری دنیا میں کیا کسی سے غرض!   اپنے معشوق کی خوشی سے غرض!

رات بھر تھا خوشی سے وہ عالم   اشک شادی تھا قطرۂ شبنم!

مسکراتے تھے لب جو دلبر کے   کھلے جاتے تھے پھول بستر کے

پھول بھی ناگوار تھے اس کو   ہار پھولوں کے بار تھے اس کو

ہر گھڑی نوک جھوک ہوتی تھی   دمبدم روک ٹوک ہوتی تھی

گرچہ دیکھے ہزار صورت دار   مگر ایسا کہاں طبیعت دار

قابل دید ہر کسی کی خوشی   اور اس پر ہمارے جی کی خوشی

خود بخود دل کھلا ہی جاتا تھا   قہقہہ لب پہ آہی جاتا تھا

کالی کالی گھٹائیں آتی تھیں!   ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں

آتش حسن یار کی گرمی!   بزم میں اک بہار کی گرمی

گرچہ اکثر ہوا جنوبی تھی   پر وہ عطر حنا میں ڈوبی تھی!

چاندنی کے تمام شب جلسے   دلکشا سقف پر عجب جلوے

یاد ہے ایک رشک گل کی سیر — چودھویں رات کو وہ پل کی سیر

ایسی صحبت میں کیوں نہ دل پرچے — دل لگی کے تھے سینکڑوں چرچے

رات عیش و نشاط میں گزری — صبح تک اختلاط میں گزری

مدعی لاکھ ڈر دکھاتے ہیں — وہ جو کہتے ہیں کر دکھاتے ہیں

داغ سے رسم الفت نہ جائے — سر بھی جائے تو جائے بات نہ جائے

لوگ سب خوش قماش خوش ترکیب — اہل تمیز و صاحب تہذیب

ہم سے سرگرم اتحلو رہے — عبد رزاق شالو رہے

دوست با وضع ہے کہاں پیدا — داغ اس وضع دار کا شیدا

میری رخصت کے دن تمام ہوئے — عیش و عشرت کے دن تمام ہوئے

جلد حاضر ہو یہ پیام آیا — اور سر پر مہ صیام آیا

پھر تو میں ایک دم ٹھہر نہ سکا — دل کی صورت قدم ٹھہر نہ سکا

اس طرح کس طرح سے رہ جاتے — ہوئے بلون برس نمک کھاتے

دل خدا نے دیا غیور بہت — تھا یہ پاس نمک سے دور بہت

گر نمک خوار حیلہ گر نکلے — تو نمک پھوٹ پھوٹ کر نکلے

یہ شرافت کا مقتضا ہی نہیں — کہ شریفوں سے یہ ہوا ہی نہیں

کب میسر ہو روزگار ایسا — اور آقائے نامدار ایسا

کچھ تمنا نہیں رہی مجھ کو — کون سی شے کی ہے کمی مجھ کو

میری رخصت سے ان کو حیرت تھی — کہ یہ رخصت نہ تھی قیامت تھی

فکر تشویش رنج تھا غم تھا — عوض نغمہ شور ماتم تھا

اشک آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے — پاس بیٹھے تو منہ بنائے ہوئے

وہ جو گھبرائے میری اف اف سے — تو یہ کہنے لگے تاسف سے

چند وابستہ ہیں ہمارے ساتھ — ورنہ ہو لیتے ہم تمہارے ساتھ

ہم عزیزوں کو چھوڑ دیں کیونکر   سلسلہ ان سے توڑ دیں کیوں کر؟
تم بھی تنہا نہیں ستم یہ ہے   چھوٹتا ہے یہ ساتھ غم یہ ہے
جو میرے پاس ہے تمہارا ہے   تم کو لیکن یہ کب گوارا ہے
میں نے کی اختیار خاموشی   مجھ سے کب ہو نمک فراموشی
دل سے اپنے یہ گفتگو باہم   کیا رہے آئے کیا چلے کیا ہم
میں کہاں گریہ شبانہ کہاں   سر کہاں سنگ آستانہ کہاں
آبرو کا خیال آتا ہے   عرق انفعال آتا ہے
اپنے دلبر کو چھوڑ کر جائیں   ایسے جانے سے کاش مر جائیں
وہ وفادار برملا ٹھہرے   ہمیں قسمت سے بے وفا ٹھہرے
مضطرب ہو کے ہم ٹھہر نہ سکے   ایسے مجبور تھے کہ مر نہ سکے
اہل صحبت کو داغ دے کے چلے   اپنے دل کا جنازہ لے کے چلے
کیا کہیں جس طرح سے ہم آئے   ہمہ تن حسرت و الم آئے
میرے ہمراہ میر قطب الدین   اشک ریزاں بحالت غمگیں
میری غمخواریوں سے کام انہیں   میری دلداریوں سے کام انہیں
وہ مرے دل کو اس طرح لائے   کوئی گھائل کو جس طرح لائے
کچھ نہ تھی مجھ کو جسم و جاں کی خبر   نہ زمیں کی نہ آسماں کی خبر
ریل نے دو ہی دن میں پہنچایا   رمضاں ایک دن کے بعد آیا
دست بستہ حضور میں پہنچا   بزم عیش و سرور میں پہنچا
مجھ سے دلشاد اک زمانہ ہوا   مورد لطف خسروانہ ہوا
مرض غم سے کب افاقہ تھا   دن کو روزہ تو شب کو فاقہ تھا
سحری ایک زمانہ کھاتا تھا   رمضاں مجھ کو کھائے جاتا تھا
صدمہ ہجر و کاہش غم سے   عید بدتر ہوئی محرم سے

شادیانہ کا شور پیہم ہے
میں سمجھتا ہوں میرا ماتم ہے

یاس ہو تو امید پھر کیسی
دل نہ خوش ہو تو عید پھر کیسی

ہو کے خوش میں کبھی گلے نہ ملا
کف افسوس بے ملے نہ ملا

عشق میں ایک فکر بلداری
لاکھ بیماریوں کی بیماری

داغ کیوں جبر سے گلے ملتا
کاش یہ قبر سے گلے ملتا

ایسی صحبت ہو دل کو کیا مرغوب
ہجر محبوب و وصل نامرغوب

سرو سلماں کہاں مقدر میں
خاک اڑانے کو بھی نہیں گھر میں

کھانے پینے سے مجھ کو نفرت ہے
عید کو روزہ کیا مصیبت ہے؟

ہائے جب زہر بھی نہ پائیں ہم
کیا کلیجہ بروں کا کھائیں ہم

خون دل بھی کمی سی کرتا ہے
دیدۂ تر ہنسی سی کرتا ہے

لوگ سلمان عیش کرتے ہیں
داغ ارمان عیش کرتے ہیں

شب فرقت جو آہ کرتا ہوں
تو خدا کو گواہ کرتا ہوں

آہ فریاد کون سنتا ہے
داد بیداد کون سنتا ہے

درد دل ہم نشیں نہیں سنتا
کوئی سنتا نہیں، نہیں سنتا

کون یہ حال زار دیکھ سکے
کون یہ انتظار دیکھ سکے

دوستوں کے کلیجے پھٹتے ہیں
دشمنوں کے بھی دل الٹتے ہیں

گر کرے بھی اثر فغاں میری
خاک ہوں جل کے ہڈیاں میری

میں یہ مژدہ سنوں وہ آئی موت
کاش آئے مجھے پر آئی موت

بددعا دیتے ہیں بشر مجھ کو
کھا گئے کوس کوس. کر مجھ کو

تھے جو پروانہ سوز الفت سے
اب وہ جلتے ہیں میری صورت سے

پندگو اپنی اپنی بکتے ہیں
زخم دل پر نمک چھڑکتے ہیں

طعنے دے دے کے لوگ ہنستے ہیں — روز تیروں کے مینہ برستے ہیں
ہو رہی ہیں ملامتیں کیا کیا — ٹوٹتی ہیں قیامتیں کیا کیا
طنز کرتے ہیں یہ لطیف و ظریف — کہئے کیا ہے اب مزاج شریف
لو! ذرا سا ہوا جو دل میلا — پیشتر مرگ سے ہے واویلا
ہم تو دیکھیں وہ خوب رو ہے کہاں — ہم سنیں تو وہ خوش گلو ہے کہاں
تم نے دیکھا ہے تم نے برتا ہے — وہ تو مہر و وفا کا پتلا ہے
ایسی ہوتی ہے چاہ کیا کہنا — حضرت داغ واہ کیا کہنا
مہر و الفت اسی کو کہتے ہیں — کیا مروت اسی کو کہتے ہیں
ہے وہی آن بان میں پورا — اترے جو امتحان میں پورا
جان جاتی ہے جن کے آنے سے — کھنچ گئے اور بھی بلانے سے
دلربا وہ جو اپنے پاس رہے — نہ کہ ملنے کی اس سے یاس رہے
طرفہ یہ رسم و راہ نبھتی ہے — آپ کی بے پناہ نبھتی ہے

بے وفا سے یقین الفت ہے! — آپ کا دم بہت غنیمت ہے!
دل میں کچھ شرمگیں ہوا کہ نہیں — اب بھی تجھ کو یقیں ہوا کہ نہیں
کچھ خطوں کی عبارتیں دیکھیں — شوخ فقرے شرارتیں دیکھیں
خوب انعام تم کو ملتے ہیں — الٹے الزام تم کو ملتے ہیں
غیر کا جب وسیلہ ہوتا ہے — عذر انکار حیلہ ہوتا ہے
غیرت مہر و ماہ وہ ہی تو ہیں — آپ کے خیر خواہ وہ ہی تو ہیں
ہم جو بولیں ہماری کیا طاقت — بھید کھولیں ہماری کیا طاقت
صحبت انجمن چھٹے کیوں کر — ان سے اپنا وطن چھٹے کیوں کر
یوں ہی تڑپائیں گے رلائیں گے — مر بھی جاؤ گے تو نہ آئیں گے

وعدہ کیسا اگر کلام کریں
ہم تو جھک کر تمہیں سلام کریں

یہ تو مانا وہ وضع دار بھی ہیں
یہ تو مانا وفا شعار بھی ہیں

یہ بجا ہے ستم نہیں کرتے
جھوٹے قول و قسم نہیں کرتے

تم بڑے چین سے رہے سچ ہے
تم سا ہشیار جو کہے سچ ہے

دھوم ہے جا بجا زمانے میں
نام روشن کیا زمانے میں

یوں ہی ہوتے ہیں چار سو رسوا
در بدر اور کو بکو رسوا

پیشتر جو نہیں کیا وہ کیا
عمر بھر جو نہیں کیا وہ کیا

نہ سہی وصل غیر یوں ہی سہی
کیوں بگڑتے ہو خیر یوں ہی سہی

سارے معشوق دیکھے بھالے ہیں
وہی دنیا سے اک نرالے ہیں

بے وفا جھوٹ بلوفا کہئے
پاکدامن ہیں پارسا کہئے

بے وفائی انہیں نہیں آتی
کج ادائی انہیں نہیں آتی

بھولے بھالے ہیں گھات کیا جانیں
ابھی وہ اور بات کیا جانیں

آپ کا رنج و غم انہیں ہی تو ہے
پاس قول و قسم انہیں ہی تو ہے

خوبصورت نہیں کوئی ان سا
پاک طینت نہیں کوئی ان سا

آپ دھونی لگائے بیٹھے ہیں
ان پر ایمان لائے بیٹھے ہیں

اپنے محبوب کا خیال رہے
سال دو سال تو یہ حال رہے

نہیں چچتا کوئی حسیں تم کو
آفریں ہے صد آفریں تم کو

کیوں کسی بت پہ ہاتھ صاف کرو
تم تو مسجد میں اعتکاف کرو

ترک کرنا نہ مہر و الفت کو
بخشوائیں گے وہ قیامت کو

دل پہ ہر وقت جبر کرتے ہیں
مرد ایسا ہی صبر کرتے ہیں

چپکے چپکے ہر اک کی سنتا ہوں
اپنے مطلب کی بات چنتا ہوں

کوئی تدبیر بن نہیں آتی
کوئی تقریر بن نہیں آتی

۱

میں کلمہ گو ہوں خاص خدا و رسول کا
آتا ہے بام عرش سے مژدہ قبول کا

وہ پاک، بے نیاز، تجسم سے ہے بری
محتاج فوق و تحت، نہ وہ عرض و طول کا

انسان سے بیان ہوں کیوں کر صفات ذات
ایسا کہاں ہے ذہن ظلوم و جہول کا

دونوں جہاں میں بوئے محمدؐ ہے عطر بیز
کونین میں ہے رنگ فقط ایک پھول کا

صلی علی! ہے نام محمدؐ میں کیا اثر
درماں دل علیل و حزین و ملول کا

طاعت خدا کی اور اطاعت رسول کی
یہ ہے طریق، دولت دیں کے حصول کا

یہ داغ ہے صحابہ عظام کا مطیع
یہ داغ جاں نثار ہے آل رسول کا

۲

یارب ہے بخش دینا بندے کو کام تیرا
محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا

جب تک ہے دل بغل میں ہر دم ہو یاد تیری
جب تک زباں ہے منہ میں جاری ہو نام تیرا

ایمان کی کہیں گے ایمان ہے ہمارا
احمدؐ رسول تیرا مصحف کلام تیرا

شمس الضحیٰ محمدؐ بدر الدجیٰ محمدؐ
ہے نور پاک روشن ہر صبح و شام تیرا

اس شاہ انبیاء کے در کا ہوں میں سلامی
آیا سلام جس کو پہنچا پیام تیرا

ہے تو ہی دینے والا پستی سے دے بلندی
اسفل مقام میرا اعلیٰ مقام تیرا

بے چون و بے چگوں ہے بے شبہ ذات تیری
واحد احد صمد ہے اللہ نام تیرا

محروم کیوں رہوں میں جی بھر کے کیوں نہ لوں میں
دیتا ہے رزق سب کو ہے فیض عام تیرا

یہ داغ بھی نہ ہو گا تیرے سوا کسی کا
کونین میں ہے جو کچھ وہ ہے تمام تیرا

۳

اچھی صورت پہ غضب ٹوٹ کے آنا دل کا
یاد آتا ہے ہمیں ہائے زمانا دل کا

تم بھی منہ چوم لو بے ساختہ پیار آجائے
میں سناؤں جو کبھی دل سے فسانا دل کا

نگہ یار نے کی خانہ خرابی ایسی
نہ ٹھکانا ہے جگر کا نہ ٹھکانا دل کا

پوری مہندی بھی لگانی نہیں آتی اب تک
کیوں کر آیا تجھے غیروں سے لگانا دل کا

غنچۂ گل کو وہ مٹھی میں لئے آتے تھے
میں نے پوچھا تو کیا مجھ سے بہانا دل کا

ان حسینوں کا لڑکپن ہی رہے یااللہ
ہوش آتا ہے تو آتا ہے ستانا دل کا

دے خدا اور جگہ سینہ و پہلو کے سوا
کہ برے وقت میں ہو جائے ٹھکانا دل کا

میری آغوش سے کیا ہی وہ تڑپ کر نکلے
ان کا جانا تھا الٰہی کہ یہ جانا دل کا

نگہ شرم کو بے تاب کیا کام کیا
رنگ لایا تری آنکھوں میں سمانا دل کا

انگلیاں تار گریباں میں الجھ جاتی ہیں
سخت دشوار ہے ہاتھوں سے دبانا دل کا

حور کی شکل ہو تم نور کے پتلے ہو تم
اور اس پر تمہیں آتا ہے جلانا دل کا

چھوڑ کر اس کو تری بزم سے کیوں کر جاؤں
اک جنازے کا اٹھانا ہے اٹھانا دل کا

بے دلی کا جو کہا حال تو فرماتے ہیں
کر لیا تو نے کہیں اور ٹھکانا دل کا

بعد مدت کے یہ اے داغ سمجھ میں آیا
وہی دانا ہے کہا جس نے نہ مانا دل کا

۴

سبب کھلا یہ ہمیں ان کے منہ چھپانے کا
اڑا نہ لے کوئی انداز مسکرانے کا

۴

طریق خوب ہے یہ عمر کے بڑھانے کا
کہ منتظر رہوں تا حشر اس کے آنے کا

چڑھاؤ پھول مری قبر پر جو آئے ہو
کہ اب زمانہ گیا تیوری چڑھانے کا

وہ عذر جرم کو بدتر گناہ سے سمجھے
کوئی محل نہ رہا اب قسم کے کھانے کا

بہ تنگ آ کے جو کی میں نے ترک رسم وفا
ہر اک سے کہتے ہیں "یہ حال ہے زمانے کا"

جفائیں کرتے ہیں تھم تھم کے اس خیال سے وہ
گیا تو پھر یہ نہیں میرے ہاتھ آنے کا

نہ سوچے ہم کہ تہ تیغ ہو گی خلق اللہ
گھٹا نہ حوصلہ قاتل کے دل بڑھانے کا

اثر ہے اب کی مئے تند میں وہ اے زاہد
کہ نقشہ تک بھی نہ اترے شراب خانے کا

سمائیں اپنی نگاہوں میں ایسے ویسے کیا
رقیب ہی سہی، ہو آدمی ٹھکانے کا

لگی ہے چاٹ مجھے تلخی محبت کی
علاج زہر سے مشکل ہے زہر کھانے کا

تمہیں رقیب نے بھیجا کھلا ہوا پرچہ
نہ تھا نصیب لفافہ بھی آدھ آنے کا

لگی ٹھکانے سے بلبل کی خانہ بربادی
چراغ گل میں بھی تنکا ہے آشیانے کا

خطا معاف، تم اے داغ اور خواہش وصل
قصور ہے یہ فقط ان کے منہ لگانے کا

۵

دل مجھ سے ترا ہائے ستمگر نہیں ملتا
مر جاؤں گلا کاٹ کے خنجر نہیں ملتا

دو دن بھی کسی سے وہ برابر نہیں ملتا
یہ اور قیامت ہے کہ مل کر نہیں ملتا

یا ترک ملاقات کی خو ہو گی ان کو
یا یہ ہے کہ مجھ سے کوئی بہتر نہیں ملتا

اے کاش ہم اب ٹھوکریں کھا کر ہی سنبھلتے
سر ملتے ہیں اس کوچے میں پتھر نہیں ملتا

زاہد نے اڑائے تو صفت ملکوتی
حضرت کا فرشتوں سے ابھی پر نہیں ملتا

انکار سے امید ہے اقرار سے ہے یاس
جب وعدہ کیا پھر وہ مقرر نہیں ملتا

کیا پوچھتے ہو بزم میں کیا ڈھونڈ رہے ہو
لو صاف بتا دوں دل مضطر نہیں ملتا

تصویر تو پیدا ہے مصور نہیں پیدا
آئینہ تو ملتا ہے سکندر نہیں ملتا

ہر آبلے میں خار ہے ہر زخم میں پیکاں
ملنے سے مری جاں کوئی کیوں کر نہیں ملتا

کیوں کر نہ مریں موت پہ بیمار محبت
ایسا یہ مزا ہے کہ مکرر نہیں ملتا

کیا عید کے دن بھی رمضان ہے کہ جو ساقی
مجھ کو نہیں ملتا کوئی ساغر نہیں ملتا

محفل میں تری عید کے دن میرے گلے سے
وہ کون سا فتنہ ہے جو اٹھ کر نہیں ملتا

پروانے کا بھی وقت ہے بلبل کا بھی موسم
مرتا ہوں جو معشوق گھڑی بھر نہیں ملتا

یا رب مرے اشکوں سے نہ تاثیر جدا ہو
اس قافلے سے کوئی بچھڑ کر نہیں ملتا

اس سے ہی کوئی وصل کی صورت نکل آتی
عکس آپ کا آئینے سے باہر نہیں ملتا

ہر وقت پڑھے جاتے ہیں کیوں داغ کے اشعار
کیا تم کو کوئی اور سخن ور نہیں ملتا

٦

حسینوں کی وفا کیسی جفا کیا
جو دل آیا تو پھر اچھا برا کیا

برا کہنے سے کہئے مدعا کیا
یہ سن کر چپ رہے گا دوسرا کیا

ڈریں کیوں پرسش روز جزا سے
جو پوچھے ہم کو اس کا پوچھنا کیا

نگاہ ناز سے دیکھیں وہ پھر کیوں
مکرر جو ادا ہو وہ ادا کیا

بگڑ بیٹھے عبث ذکر عدو پر
سنا کیا آپ نے میں نے کہا کیا

وہ دل کو چیر کر سو بار دیکھیں
نکلتا ہے ہمارا مدعا کیا

ادا چاک گریباں کی اڑائی
کھلے رہتے تھے یوں بند قبا کیا

٦

یہ سنوایا فغاں بے اثر نے　　کرے گا اور تو اس کے سوا کیا
مری صحبت سے کیوں بچتے ہیں احباب　　الٰہی جیتے جی میں مر گیا کیا
ذرا دم لو کہیں گے حال دل بھی　　ہمارے لب پہ رکھا ہے گلا کیا
عدو ہو وصل ہو میرے گلے ہوں　　ترے دل میں بھی ہیں ارمان کیا کیا
کبھی تڑپا کے دل پر ہاتھ رکھنا　　کبھی کہنا اسے یہ ہو گیا کیا
نگاہ رحم جرم عشق پر کیوں　　یہ کی ہے بخشوانے کو خطا کیا

کہا ظالم نے سن کر داغ کا حال
بہت اچھے ہیں ان کا پوچھنا کیا

ے

برا ہے شاد کو ناشاد کرنا　　سمجھ کر سوچ کر بیداد کرنا
نہیں آتا ہمیں برباد کرنا　　یہ پھر کہنا' یہ پھر ارشاد کرنا
عدو کے غم میں یوں فریاد ہر وقت　　بھلا دوں گا تجھے میں یاد کرنا
مرے صیاد کو اک کھیل ٹھہرا　　پھنسا کر دام میں آزاد کرنا
جو آنکھوں میں ہے دل میں ہو وہی نور　　الٰہی دونوں گھر آباد کرنا
رہے بعد فنا بھی جس کی لذت　　قسم ہے تم کو وہ بیداد کرنا
ہمیں شوق جفا ہے یہ تو کہہ دو　　نہ کرنا یا ستم ایجاد کرنا
غم دنیا و دیں میں مبتلا ہوں　　مرے مولا مری امداد کرنا

چھپانا راز وصل احباب سے داغ
پھر ارمان مبارک باد کرنا

۸

میں راز دل بیان کروں انجمن میں کیا — تکیہ کلام آپ کا ہے ہر سخن میں کیا

تعریف پر مری یہ الجھنا سخن میں کیا — پھرتا ہے نام غیر کا تیرے دھن میں کیا

ہے ساتھ ساتھ شام غریبی کے کچھ دھواں — یاروں نے گھر کو آگ لگادی وطن میں کیا

فتنہ، فساد، رشک، تغافل، غرور، ناز — اس کے سوا ہے اور تری انجمن میں کیا

میں خلد میں ہوں اور نکیرین قبر میں — خالی کفن پڑا ہے دھرا ہے کفن میں کیا

قاصد کے فیصلے سے مرے ہوش اڑ گئے — کیا جانے کہہ دیا اسے دیوانہ پن میں کیا

غربت میں پوچھ لیتے ہیں باد صبا سے ہم — رہتا ہے ذکر خیر ہمارا وطن میں کیا

کیوں سخت گفتگو نہیں کرتے رقیب سے — کچھ چوٹ لگتی ہے لب پیماں شکن میں کیا

مٹھی میں دل نہ تھا جو اٹھے ہاتھ جھاڑ کے — الجھا ہوا ہے زلف شکن در شکن میں کیا

عرض وصال پر یہ دو حرفی جواب ہے — ہر اک سخن میں کیوں کبھی ہر اک سخن میں کیا

زیر زمیں بھی مجھ پہ قیامت بپا رہی — فتنے کا عطر اس نے ملا تھا کفن میں کیا

اس بے وفا کے شکوے سے بے چین ہو گیا — پیغام بر کے آگ لگی تن بدن میں کیا

تجھ کو بھی ہے خبر ترے ملنے کے ڈھنگ ہیں — خلوت میں کیا خیال میں کیا انجمن میں کیا

تسخیر جذب عشق کی تاثیر الاماں — جادو ہے آپ کی نگہ سحر فن میں کیا

سن سن کے میری شوخی تقریر یوں کہا — توبہ ہے، یہ زبان رہے گی دھن میں کیا

اے داغ قدر دان سخن اب وہیں تو ہیں
تعریف اس غزل کی نہ ہو گی دکن میں کیا

۹

توبہ توبہ سر تسلیم جھکایا جاتا
ہم جو سمجھے تھے اگر تجھ میں نہ پایا جاتا

میں کسی دن جو عنایت سے بلایا جاتا
پیشتر مجھ سے مجھے چھوڑ کے سایا جاتا

اے نزاکت ترے قربان کہ وقت رخصت
وہ کہیں "ہم سے تو گھر تک نہیں جایا جاتا"

میں گنہگار نہ ہوتا جو الٰہی مجھ کو
ہر برس نامہ اعمال دکھایا جاتا

باغ ہستی سے عدم میں ہے سوا کیفیت
عمر رفتہ سے پلٹ کر نہیں آیا جاتا

شوق ایسا کہ تری راہ میں مر کر بھی چلوں
ضعف ایسا کہ نہیں جان سے جایا جاتا

بدگمانی مجھے گھبرائے نہ دیتی اتنا
منہ پہ قاصد کے اگر قفل لگایا جاتا

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوئے کیا کیجئے
ہم بھی کچھ دبتے کچھ ان کو بھی دبایا جاتا

فتنہ سازی بھی مرے دل کی قیامت ہوتی
گر ترے کوچے کی مٹی سے بنایا جاتا

ان کی محفل میں رقیبوں نے کسے آوازے
بولتا میں تو گلا میرا دبایا جاتا

حسن کی شان میں ہے رنگ ظہور اے موسیٰ
تو اگر آنکھ چراتا تو دکھایا جاتا

اٹھ کے کعبے سے نہ جاتا جو صنم خانے کو
اور پھر داغ کہاں بار خدایا جاتا

۱۰

کاش تو گور غریباں پہ نہ مضطر پھرتا
صبر سے 'ناز سے' تمکیں سے 'ٹھہر کر' پھرتا

میرے ہی ہاتھ سے مشکل مری آساں ہوگی
مجھ کو دیجئے جو نہیں آپ سے خنجر پھرتا

بیڑیاں ڈال کے گر دفن نہ کرتے احباب
اے جنون لاشہ مرا قبر کے اندر پھرتا

خاک میں ملنے کی جب داد ہماری ملتی
آسماں بن کے بگولا سر محشر پھرتا

دم تزئین جو ذرا آنکھ تمہاری پھرتی
مضطرب آئینے میں حلقہ جوہر پھرتا

کچھ گرہ میں بھی ہے جو دل کے خریدار بنے؟
یہ سمجھ لو کہ یہ سودا نہیں لے کر پھرتا

میں نہ ہوتا تو مزہ بادہ کشی کا بھی نہ تھا
ڈھونڈتا مجھ کو تری بزم میں ساغر پھرتا

جوش پر اور قیامت کی جوانی آتی
ہاتھ میرا جو ترے سینے پہ اکثر پھرتا

رہ نما بن کے جو تقدیر مجھے لے جاتی
بیٹھتا رات بھر اس کوچے میں، دن بھر پھرتا

چرخ کو آگ لگاتی اگر آہ سوزاں
صورت شعلہ جوالہ یہ چکر پھرتا

لطف تھا میں بھی شب وصل کہیں چھپ جاتا
آدمی ان کا مری ٹوہ میں گھر گھر پھرتا

یہ نہ کہئے کہ نہیں اہل وفا میں کوئی
نام اک شخص کا ہے میری زبان پر پھرتا

تم نہ آتے تو یہ انداز کہاں سے ہوتے؟
بیٹھتا بزم میں بن کر کوئی تن کر پھرتا

کیا مرے ہاتھ میں کل تھی جو پھراتا اس کو
پند گو دل کسی محبوب سے کیوں کر پھرتا

داغ چھٹتی در لیلیٰ کی گدائی نہ کبھی
چتر شاہی بھی اگر قیس کے سر پر پھرتا

۱۱

غیر کا میں بھی اگر چاہنے والا ہوتا
ڈھنگ اس چاہ کا دنیا سے نرالا ہوتا

پارسا کوئی اگر تاکنے والا ہوتا
دختر رز نے بڑا نام اچھالا ہوتا

قیس کو آبلہ پا سے ہوا کیا حاصل
پاؤں میں ناقہ لیلیٰ کے یہ چھالا ہوتا

جان اے کاش محبت میں سنبھل کر جاتی
موت کی موت، سنبھالے کا سنبھالا ہوتا

تیشہ فرہاد نے بے کار سنبھالا اے عشق
کام بنتا جو ذرا دل کو سنبھالا ہوتا

ساتھ عشاق کے یہ پھر بھی نہ کرتا نرمی
آسماں گر ہمہ تن روئی کا گالا ہوتا

ہم سے یوسف کا بیاں ہی نہ کیا واعظ نے
ورنہ ہر بات میں تیرا ہی حوالا ہوتا

کچھ قیامت تو نہ تھی ہجر کی شب، اے تقدیر! اس بلا کو کسی تدبیر سے ٹالا ہوتا
سن کے اللہ کی تعریف، کہا اس بت نے تو نے ہم میں تو کوئی عیب نکالا ہوتا
ہم سناتے جو کوئی درد ہمارا سنتا دل دکھاتے جو کوئی دیکھنے والا ہوتا
مل کے اک بار اگر پھر اسی ملتی نہ شراب لب پہ مے، ہاتھ میں زاہد کے پیالہ ہوتا
تیرگی زلف کی خورشید رخ یار سے ہے دھوپ میں رنگ نہ کس طرح سے کالا ہوتا
نامہ بر دیکھ کے تیور انہیں خط دینا تھا باتوں باتوں میں فقط کام نکالا ہوتا
خیر گذری کہ رہی حلق میں گھٹ کر فریاد دل بے تاب نے محشر سے نکالا ہوتا

درد فرقت کی کھٹک وصل میں کیا مٹ جاتی
آہ تھمتی اگر اے داغ تو نالا ہوتا

۱۴

دل کو تاکا تو مری جان! جگر چھوڑ دیا اس طرف بھی نہ کوئی تیر نظر چھوڑ دیا
چھوڑتا مجھ کو نہ بسمل وہ، مگر چھوڑ دیا سر پہ احسان رہے اس لئے سر چھوڑ دیا
یہ تلون مرے صیاد کا دیکھے کوئی کہ ادھر دل کو پھنسایا تو ادھر چھوڑ دیا
ٹکڑے ٹکڑے کیا ناصح کا گریباں میں نے شکر ہے اس نے مرا دامن تر چھوڑ دیا
کیا نزاکت کی شکایت ہے غنیمت جانو ہم نے لپٹا کے گلے وقت سحر چھوڑ دیا
کام سب خانہ خرابی کے ہوئے ہیں تجھ سے رحم کھا کر تجھے اے دیدۂ تر چھوڑ دیا
پھر کہاں تھا نہ یہاں تھا نہ وہاں تھا وہ شوخ دامن اس کا جو سر راہ گذر چھوڑ دیا
لے گئی تھی ترے دیوانے کو گھر سے وحشت نہیں معلوم کہ جنگل میں کدھر چھوڑ دیا
غیر کے حال سے مطلب جو ہمارا نکلا اس نے وہ ذکر جو تھا آٹھ پہر چھوڑ دیا
نامہ بر زندہ نہ چھٹتا کبھی اس سے لیکن پڑھ کے خط، سوچ کے کچھ، سن کے خبر، چھوڑ دیا

آپ پھنس جائیں گے ہم آپ نہ تکلیف کریں   یہ تو فرمایئے دو دن میں اگر چھوڑ دیا

داغ وارفتہ طبیعت کا ٹھکانا کیا ہے
خانہ برباد نے مدت ہوئی گھر چھوڑ دیا

۱۳

غزل مستزاد

جب ان سے حال دل مبتلا کہا' تو کہا   "بچائے تجھ سے خدا"
کچھ اور اس کے سوا مدعا کہا' تو کہا   "ہماری جانے بلا"
کہا جو ان سے کہ ہو سر سے پاؤں تک بے عیب   تو وہ بولے "لاریب"
دغا شعار و ستم آشنا کہا' تو کہا   "ملے گی تجھ کو سزا"
غم فراق سنایا تو سن کے فرمایا   "ہمیں نہ رحم آیا"
رقیب کا جو ذرا ماجرا کہا' تو کہا   "یوں ہی سہی' تجھے کیا؟"
نہ دل دہی ہے نہ عاشق کی جاں نوازی ہے   "یہ بے نیازی ہے"
عذاب پرسش روز جزا کہا' تو کہا   "ہمیں نہیں پروا"
"خدا کے بندوں پر ایسا ستم روانہ کرو   "ذرا خدا سے ڈرو"
کسی غریب نے با التجا کہا' تو کہا   "کسی کو کیوں چاہا"
شکایت طپش غم سے کیا ہو دل ٹھنڈا   "اثر ہو جب الٹا"
تمہاری باتوں سے دل جل گیا کہا' تو کہا   "جلانے میں ہے مزا"
عدو کا ذکر جو ہم چھیڑ سے نکالتے ہیں   "وہ صاف ٹالتے ہیں"
یہ کیا طریق ہے اے بے وفا کہا' تو کہا   "تجھے تو ہے سودا"

پتے کی ان سے جو کوئی کہے قیامت ہے "کہ اس سے نفرت ہے"
حسیں کہا تو سنا، خود نما کہا، تو کہا بہت بگڑ کے "بجا"
شریر و شوخ ہے وہ داغ یہ تو ہے ظاہر "عبث ہوئے تر بھر"
کسی نے چھیڑ سے تم کو برا کہا تو کہا "کہ چھیڑ کا ہے مزا"

۱۴

تو ہی اپنے ہاتھ سے جب دل ربا جاتا رہا — دل کی بھی پروا نہیں، جاتا رہا جاتا رہا
جس توقع پر تھی اپنی زندگی، وہ مٹ گئی — جو بھروسا تھا ہمیں وہ آسرا جاتا رہا
میں نے دیکھا ان کی زلفوں کو تو فرمانے لگے — "آپ کا دل کھل پڑا، گم ہو گیا، جاتا رہا"
اب کئی دن سے وہ رسم و راہ بھی موقوف ہے — ورنہ برسوں نامہ بر آتا رہا جاتا رہا
دل چرا کر آپ تو بیٹھے ہوئے ہیں چین سے — ڈھونڈنے والے سے پوچھے کوئی کیا جاتا رہا
مرگِ دشمن کا زیادہ تم سے ہے مجھ کو ملال — دشمنی کا لطف، شکوے کا مزا جاتا رہا
ہو سکے مطلب نگاری کیا پریشاں طبع سے — ذہن میں آتے ہی حرفِ مدعا جاتا رہا
اچھی صورت کی رہا کرتی تھی اکثر تاک جھانک — رہ گئیں آنکھیں مگر وہ دیکھنا جاتا رہا
کس قدر ان کو فراقِ غیر کا افسوس ہے — ہاتھ ملتے ملتے سب رنگِ حنا جاتا رہا
کاش ساتوں آسمانوں پر گرے یہ برقِ آہ — حیف ہے اس کا ہمارا سامنا جاتا رہا
دیکھو دیکھو مجھ پہ برساتے رہو تیرِ نگاہ — صید جس دم آنکھ سے اوجھل ہوا جاتا رہا
حرص دامن گیر دنیا، مالِ دنیا بے ثبات — جس قدر حاصل کیا، اس سے سوا جاتا رہا

داغ کچھ درہم نہ تھا جس کا انہیں ہوتا ملال
ہو گیا گم ہو گیا جاتا رہا جاتا رہا

۱۵

لے چلا جان مری، روٹھ کے جانا تیرا
ایسے آنے سے تو بہتر تھا نہ آنا تیرا

اپنے دل کو بھی بتاؤں نہ ٹھکانا تیرا
سب نے جانا، جو پتا ایک نے جانا تیرا

تو جو اے زلف! پریشان رہا کرتی ہے
کس کے اجڑے ہوئے دل میں ہے ٹھکانا تیرا

آرزو ہی نہ رہی صبح وطن کی مجھ کو
شام غربت! ہے عجب وقت سہانا تیرا

یہ سمجھ کر تجھے اے موت لگا رکھا ہے
کام آتا ہے برے وقت میں آنا تیرا

اے دل شیفتہ میں آگ لگانے والے
رنگ لایا ہے یہ لاکھے کا جمانا تیرا

تو خدا تو نہیں اے ناصح ناداں! میرا
کیا خطا کی جو کہا میں نے نہ مانا تیرا؟

رنج کیا وصل عدو کا جو تعلق ہی نہیں
مجھ کو واللہ ہنساتا ہے رلانا تیرا

کعبہ و دیر میں یا چشم و دل عاشق میں
انہیں دو چار گھروں میں ہے ٹھکانا تیرا

ترک عادت سے مجھے نیند نہیں آنے کی
کہیں نیچا نہ ہو اے گور! سرہانا تیرا

میں جو کہتا ہوں اٹھائے ہیں بہت رنج فراق
وہ یہ کہتے ہیں بڑا دل ہے توانا تیرا

بزم دشمن سے تجھے کون اٹھا سکتا ہے
اک قیامت کا اٹھانا ہے اٹھانا تیرا

اپنی آنکھوں میں ابھی کوند گئی بجلی سی
ہم نہ سمجھے کہ یہ آنا ہے کہ جانا تیرا

یوں تو کیا آئے گا تو فرط نزاکت سے یہاں
سخت دشوار ہے دھوکے میں بھی آنا تیرا

داغ کو یوں وہ مٹاتے ہیں یہ فرماتے ہیں
تو بدل ڈال ہوا نام پرانا تیرا

۱۶

دیکھے منصور اگر آج زمانہ تیرا
ہو انا الحق کی جگہ لب پہ ترانہ تیرا

داغ ہر ایک زبان پر ہو فسانہ تیرا
وہ دن آتے ہیں وہ آتا ہے زمانہ تیرا
ہدف دل سے نکلتی ہیں ہزاروں آہیں
تیر پر تیر لگاتا ہے نشانہ تیرا
بو الہوس کو بھی ہوا نقد محبت پہ غرور
یا الٰہی کوئی لٹتا ہے خزانہ تیرا
موت سے وہ ہی دم نزع بہانہ کر لوں
یاد آجائے مجھے کاش بہانہ تیرا
تونے مارا نہیں عاشق کو مگر یہ تو بتا
نام لیتا ہے مری جان! زمانہ تیرا
غیر کی نعش اٹھائی تو نہ ہو خواب میں آج
بار کا کل سے نہ دکھا کبھی شانہ تیرا
صفت حسن کرے کوئی کسی پردے میں
بول اٹھتا ہے مری جان! فسانہ تیرا
تیرے ہر عضو میں تصویر کا عالم دیکھا
ہے تن صاف عجب آئینہ خانہ تیرا
بن گیا آہن پیکاں بھی مگر مقناطیس
تیر سے اڑ کے لپٹتا ہے نشانہ تیرا
اس سلیقے کی عداوت کہیں دیکھی نہ سنی
تو زمانے کا عدو دوست زمانہ تیرا
قتل عشاق کیا کھیل سمجھ کر تونے
ابھی باقی ہے لڑکپن کا زمانہ تیرا
مدعی! دیکھ! ہمیں چشم حقارت سے نہ دیکھ
کل ہمارا تھا جو ہے آج زمانہ تیرا
وعدۂ حشر پہ بے ساختہ دل لوٹ گیا
عہد کا عہد' بہانے کا بہانہ تیرا

میرزا داغ ہو' یا شاہ دکن! مورد لطف
اور دن' رات رہے جشن شہانہ تیرا

۱۷

غرض کس کو کرے ماتم ہمارا
مبارک ہو ہمیں کو غم ہمارا
خدا ہی کچھ سنبھالے تو یہ سنبھلے
مزاج اب ہو گیا برہم ہمارا
لڑا رکھی ہے جان ایسی جفا پر
کوئی دیکھے ذرا دم خم ہمارا
خوشی نے بزم میں کیا رنگ بدلا
کہ تم سے بڑھ کے ہے عالم ہمارا

دیئے جا اے فلک پورا ہی آزار — نہ ہو قسمت سے حصہ کم ہمارا
کہیں الجھا ہوا ہے دل تمہارا — کہیں اٹکا ہوا ہے دم ہمارا
کس کے آشنا ہوتے نہیں تم — ہوا کیوں کر تمہارا غم ہمارا
ترے عالم کو جب سے ہم نے دیکھا — تماشائی ہے اک عالم ہمارا

پھر اتنا بھی نہیں اے داغ کوئی
غنیمت ہے جہاں میں دم ہمارا

۱۸

قسمت اس کی ہے کہ جس نے اسے پایا تنہا — خواب میں بھی تو مرے ڈر سے نہ آیا تنہا
حسن بے پردہ ہوا انجمن آرا ہو کر — اس نے ہم کو نہ کبھی جلوہ دکھایا تنہا
بھیج اس شوخ کی تصویر نکیرین کے ہاتھ — قبر میں مجھ کو نہ رکھ بار خدایا! تنہا
میرے ہمراہ مرے دوست بھی غم کھاتے ہیں — خاک کھایا جو کسی شخص نے کھایا تنہا
میں اسی وادی پر خار میں ہوں تیز قدم — رہ گیا مجھ کو جہاں چھوڑ گئے سایا تنہا
عود و مجمر کی طرح جل گئے پروانہ و شمع — ایک تو ہے کہ مجھے تو نے جلایا تنہا
کون بے کس کی زمانے میں خبر لیتا ہے — دل نے سینے میں بہت شور مچایا تنہا
قتل عالم کا رہا شوق ترے قاتل کو — جان سے اس کو نہ مارا جسے پایا تنہا
اے فلک زیر زمیں تجھ کو سلائے اللہ — تو نے برسوں مجھے راتوں کو سلایا تنہا
ساتھ لاکر وہ رقیبوں کو یہ فرماتے ہیں — "کیا سبب تھا جو مجھے تو نے بلایا تنہا؟"
ایک میں جاؤں گا ہستی سے ترا غم لے کر — واقعی جائے گا تنہا ہی جو آیا تنہا
خلوت ناز کے تم نے بھی اڑائے ہیں مزے — ہم نے بھی لطف تصور کا اٹھایا تنہا

راز داروں کو، رفیقوں کو خبر کرنی تھی
داغ نے تو وہاں رنگ جمایا تنہا

۱۹

بلا سے جو دشمن ہوا ہے کسی کا
وہ کافر، صنم کیا خدا ہے کسی کا

دعا مانگ لو تم بھی اپنی زباں سے
کہ پورا ہو جو مدعا ہے کسی کا

ادھر آ کلیجے سے تجھ کو لگا لوں
تجھی پر تو دل آگیا ہے کسی کا

کسی کی تپش میں خوشی ہے کسی کی
کسی کی خلش میں مزا ہے کسی کا

ذرا ڈال دو اپنی زلفوں کا سایہ
مقدر بہت نارسا ہے کسی کا

ہمیشہ اسے ہم نے مٹتے ہی دیکھا
مگر دل بھی رنگ وفا ہے کسی کا

تمہیں اس سے کیا بحث، کیوں پوچھتے ہو
کوئی تذکرہ ہو رہا ہے کسی کا

عدم میں بھی یاروں کو ہم نے تو ڈھونڈا
نشاں ہے، نہ کوسوں پتا ہے کسی کا

مری بزم میں آکے وہ پوچھتے ہیں
برا حال ہم نے سنا ہے کسی کا

تمہیں فکر کیوں، رنج کیوں، لاگ کیوں ہے
کسی سے اگر واسطا ہے کسی کا

ستم ہی کئے جاؤ ہم بھی ہیں حاضر
ہمیں حوصلہ دیکھنا ہے کسی کا

اسی نے بتایا ہے اپنا کسی کو
جو دل سے کوئی ہو رہا ہے کسی کا

بچے جان کس طرح تیری ادا سے
قضا پر کہیں بس چلا ہے کسی کا

مری التجا پر بگڑ کر وہ کہنا
نہیں مانتے اس میں کیا ہے کسی کا

وہ کرنے لگے ہیں قیامت کی باتیں
یہ سچ ہے تو بس فیصلہ ہے کسی کا

سنا کرتے ہیں چھیڑ کر گالیاں ہم
وگرنہ کوئی سر پھرا ہے کسی کا

وہ کب تک رہے گا زمانے کا دشمن ہمیشہ زمانہ رہا ہے کسی کا
تجاہل تغافل سے دز دیدہ نظریں یہ کیا دیکھنا دیکھنا ہے کسی کا

بظاہر نہ جانے' نہ جانے' نہ جانے
تجھے داغ دل جانتا ہے کسی کا

۲۰

نہ کیا وعدہ رات کا پورا تو نہیں اپنی بات کا پورا
قدر ہوتی ہے دین و دنیا میں آدمی ہو صفات کا پورا
نیم جاں رہ نہ جاؤں اے قاتل وار کر اپنے ہات کا پورا
میں چلا کس خوشی سے مقتل کو کرکے ساماں برات کا پورا
بارے اپنے ہجوم حسرت سے پڑ گیا کائنات کا پورا
ہے یہی دل دہی کی ساری بات وعدہ کر التفات کا پورا

داغ تو اس شفیع امت سے
کر بھروسا نجات کا پورا

۲۱

قبضہ کرتا ہے ہر اک حور شمائل اپنا آج ہم وقف کئے دیتے ہیں لو دل اپنا
حلق پتھر ہے اگر اس سے سوا دل اپنا منہ تو بنوائے ذرا خنجر قاتل اپنا
عیش و عشرت میں ادھر ہے' تو مصیبت میں ادھر ایک ہو کر کبھی ان کا ہے' کبھی دل اپنا
چیر کر دل کو مرے دیکھ لیا نور جمال آپ نے آپ نکالا ہے مقابل اپنا

دین و دنیا سے گئے تم سے گئے جی سے گئے
آج یوں کوچ ہوا ہے کئی منزل اپنا

قبہ روضہ اطہر پہ جبیں فرسا ہو
اس طرح داغ مٹائے مہ کامل اپنا

چین مل جائے جو ناکامی جاوید ملے
آدمی دیکھ لے ہر کام میں حاصل اپنا

باغ میں فصل خزاں اور نشیمن ویراں
دام سے چھوٹتے ہی چھوٹ گیا دل اپنا

ننگ و غیرت کا سبب ہو نہ نزاکت دم ذبح
آپ ہی خون نہ کر لے کہیں قاتل اپنا

یہ تڑپنے کا سبب اور بھی ہو جاتا ہے
سونپتے ہی نہیں وہ موت کو بسمل اپنا

ناتوانی سے، رسا قیس ہو کیا لیلیٰ تک
دب رہے، سایہ اگر ڈال دے محمل اپنا

خاک میں اس کو ملائیں گے نہ دیں گے ہرگز
آپ کا اس میں اجارہ تو نہیں، دل اپنا

قطعہ

یاد آتے ہیں وہ اشخاص مصاحب منزل
دو گھڑی جلسہ وہ احباب کے شامل اپنا

نہیں اکثر کا نشاں اور جو کچھ باقی ہیں
ان سے ملنے کو تڑپتا ہے بہت دل اپنا

حیدر آباد میں قدر ہماری اے داغ
شاد و آباد رہے خسرو عادل اپنا

۲۲

پردۂ عرفاں نہیں ہے چاک کیا
چشم بینا کے لئے ادراک کیا

نور سے خالی نہیں یہ خاکداں
کوئی بے ذرہ ہے اپنی خاک کیا

ساقی و میخانہ و مے ایک ہے
ہم نہ سمجھے پاک کیا، ناپاک کیا

صید دل کے واسطے ہے دام عشق　جب نہ ہو نخچیر تو فتراک کیا
صیقل آئینہ عرفاں بنا　کون جانے ہے یہ مشت خاک کیا
موت سے غافل نہ ہونا چاہئے　دیکھو اس صیاد کی ہے تاک کیا
شوق ہو تو منزل مقصود پر　دونوں پہنچیں سست کیا چالاک کیا
ہے عجب درد محبت میں مزا　خاطر آزردہ و غمناک کیا
پائے استقلال ثابت چاہئے　کر سکے گی گردش افلاک کیا
رہ نما دشوار رستے لے چلا　بچ رہے گا دشت وحشت ناک کیا
موج طوفاں خیز و صرصر تند و تیز　کر سکے اس جوش میں تیراک کیا
نیک ہوں اعمال تو پھر دیکھئے　بندھ گئی اسلام کی پھر دھاک کیا

غور سے اے داغ دیکھیں منکرین
ہے جناب صاحب لولاک کیا

۲۳

جذب دل آزما کے دیکھ لیا　اس نے کچھ مسکرا کے دیکھ لیا
غیر کو منہ لگا کے دیکھ لیا　جھوٹ سچ آزما کے دیکھ لیا
ان کے گھر داغ جاکے دیکھ لیا　دل کے کہنے میں آکے دیکھ لیا
کتنی فرحت فزا تھی بوئے وفا　اس نے دل کو جلا کے دیکھ لیا
کبھی غش میں رہا شب وعدہ　کبھی گردن اٹھا کے دیکھ لیا
لوگ کہتے تھے چپ لگی ہے تجھے　حال دل بھی سنا کے دیکھ لیا
جاؤ بھی، کیا کرو گے مہرو وفا؟　بارہا آزما کے دیکھ لیا
زخم دل میں نہیں ہے قطرۂ خوں　خوب ہم نے دبا کے دیکھ لیا

کیجئے بزم سے ہمیں رخصت جو سنا تھا وہ آکے دیکھ لیا
حسن کم یاب، نغمہ ہے نایاب شہر در شہر جاکے دیکھ لیا
جنس دل ہے یہ وہ نہیں سودا ہر جگہ سے منگا کے دیکھ لیا
عمر عاشق سے ہے دراز وہ زلف خوب ہم نے گھٹا کے دیکھ لیا
وہ اثر جس کو دل ترستا تھا آگے آگے دعا کے دیکھ لیا
ادھر آئینہ ہے ادھر دل ہے جس کو چاہا اٹھا کے دیکھ لیا
نہ لیا اس نے خط شرارت سے نامہ بر کو بلا کے دیکھ لیا
اب خریدار ہی نہیں کوئی مول اپنا بڑھا کے دیکھ لیا
قابل آشیاں کوئی نہ ملا تنکا تنکا اٹھا کے دیکھ لیا
اس نے صبح شب وصال مجھے جاتے جاتے بھی آکے دیکھ لیا
ان کو خلوت سرا میں بے پردہ صاف میدان پا کے دیکھ لیا
تم کو ہے وصل غیر سے انکار اور جو ہم نے آکے دیکھ لیا
غیر کو ساتھ لے کے ہم ڈوبے آپ نے ضد ولا کے دیکھ لیا
یہ نئی سیر ہے کہ گلشن میں گل کو بلبل بنا کے دیکھ لیا
رشک ہے نامہ بر نے اس کا جمال میری آنکھوں میں جا کے دیکھ لیا

داغ نے خوب عاشقی کا مزا
جل کے دیکھا جلا کے دیکھ لیا

۲۴

اوپری دل سے بپا گریہ و زاری رکھنا آخری وقت ذرا شرم ہماری رکھنا

چشم عاشق میں پھرو یا دل شیدا میں پھرو
کیا ضرورت ہے، کبھی تم نہ سواری رکھنا
جاؤ ہاں جاؤ ہوئی صبح شب وصل نمود
سلسلہ نامہ و پیغام کا جاری رکھنا
بزم سے میں نہ سبک ہو کے کہیں اٹھ جاؤں
بوجھ احسان کا سر پر مرے بھاری رکھنا
چمن کوچہ جاناں سے مری تربت پر
لاکے دو پھول بھی اے باد بہاری رکھنا
زیب دیتی ہیں یہ مستانہ ادائیں کیا کیا
بے پئے بھی تجھے آنکھوں کو خماری رکھنا
دست گستاخ سے سینے میں نہ ہوگی تکلیف
تم تصور میں مری سینہ فگاری رکھنا
بوالہوس غیر ہیں یا ہم ہیں تمہیں منصف ہو
کچھ لگی لپٹی نہ ان کی نہ ہماری رکھنا
آئیں تھم تھم کے مرے دل کو جراحت کے مزے
تیغ بے آب ذرا کند کٹاری رکھنا
کبھی رکھنا نہ رقیبوں کو تم اپنے گھر میں
اور رکھنا تو بصد ذلت و خواری رکھنا
چشم خونخوار کہیں جانا نہ پڑے بے موقع
اپنے قبضے میں یہ شہباز شکاری رکھنا

درہم داغ دیا داغ کو جیسا تم نے
اپنے عشاق میں سکہ یہی جاری رکھنا

۲۵

اس التفات پر یہ تغافل ستم ہوا
جتنا بڑھا تھا حوصلہ اتنا ہی کم ہوا
جاتا رہا ملاپ تو دونوں کو غم ہوا
اتنا ہوا کہ مجھ کو سوا، اس کو کم ہوا
جب یہ سنا کہ داغ کا آزار کم ہوا
زانو پہ ہاتھ مار کے بولے "ستم ہوا"
دم ٹوٹتا رہا شب وعدہ تمام رات
کیا رشتہ حیات بھی تیری قسم ہوا
بت خانے کا نظارہ بھی گردن کا بوجھ ہے
جب سامنے پڑا، سر تسلیم خم ہوا
تیری گلی کا ایک یہ ادنیٰ نشان ہے
پیدا اسی سے جادۂ راہ عدم ہوا
یہ بھی بڑا کرم ہے کہ میزان عدل میں
میرا گناہ غیر کے عصیاں سے کم ہوا

مقبول ہو نہ مجھ سے مسلمان کی دعا! یا رب در قبول بھی بیت اصنم ہوا؟
تیرے بغیر رونق بیداد ہی نہ تھی مجبور آسمان شریک ستم ہوا
ہے سرفراز خاک بھی تیرے خرام سے ابھرا رہا زمیں پہ جو نقش قدم ہوا
افسوس ہے رقیب نے کی آپ سے دغا مجھ کو بھی رنج آپ کے سر کی قسم ہوا
اے واعظ اس کا ڈر ہے کہ آئے نہ آئے راس گو بادۂ طہور مرے حق میں سم ہوا
مجبور میرے دل کو بھی نفرت سی ہو گئی نقش وفا جہان سے اب کالعدم ہوا
مسجد میں اذن عام تو ہے میکدے میں روک دنیا کا کام دین سے بڑھ کر اہم ہوا
کب شکوۂ عتاب سے بے لطفیاں مٹیں شرمندگی بڑھی جو وہاں غصہ کم ہوا
کیا دل دھڑک رہا ہے نوید وصال سے جس کو خوشی ہوئی اسے آخر کو غم ہوا
مشتاق ذبح کب ہیں بھروسے پہ ہاتھ کے سب کچھ ہوا اگر ترے خنجر میں دم ہوا

اے داغ شکر کر، نہ رہی ان سے رسم و راہ
تجھ پر خدا کا فضل، خدا کا کرم ہوا

۲۶

میری وحشت سے جو اس کا دل حیراں الٹا بخیہ گر سینے لگا چاک گریباں الٹا
خاک کیا کیا نہ اڑائی ترے دیوانوں نے دشت پر دشت بیاباں پہ بیاباں الٹا
روتے روتے وہ تبسم جو کبھی یاد آیا پھر گیا اشک بھی آکر سر مژگاں الٹا
تو شب وعدہ نہ کر اے دل مضطر فریاد پھر نہ جائے کہیں دروازے سے مہماں الٹا
بخت برگشتہ کی تاثیر کہاں جاتی ہے فال کھولوں تو کھلے ہاتھ میں قرآں الٹا
خیر سے قتل بھی کرنا نہیں آتا اب تک حلق پر پھیرتے ہو خنجر براں الٹا
ہونٹ چاٹا ہی کیا ہر دھن زخم جگر آج جھنجلا کے جو قاتل نے نمک داں الٹا

مجھ کو ظالم نے در یار سے الٹا پھیرا
دار پر لٹکے، الٰہی! سر درباں الٹا

ناز یہ ہے نہ کیا قطع تعلق ہم نے
وہ جتاتے ہیں جفا کر کے بھی احسان الٹا

لے چلا بار گنہ میں تو عدم کو مجبور
اختیار اس کو ہے گر پھیر دے سامان الٹا

دیکھ کر راہ شب وصل ہمیں کیوں نہ گئے
کر نہ بیٹھیں وہ کہیں شکوۂ ہجراں الٹا

پڑ گئے لینے کے دینے سر محشر ہم کو
ہو گیا نفع کی امید میں نقصاں الٹا

خط نہ آیا جو وہاں سے تو نہ آئے اے داغ
نامہ بر زندہ پھر آئے کسی عنواں الٹا

۲۷

روئے انور نہیں دیکھا جاتا
دیکھیں کیوں کر نہیں دیکھا جاتا

کیا رہیں ہم کہ ترا چال چلن
پاس رہ کر نہیں دیکھا جاتا

رشک دشمن بھی گوارا لیکن
تجھ کو مضطر نہیں دیکھا جاتا

دیکھ کر گردن عاشق کس دن
تیز خنجر نہیں دیکھا جاتا

اے پریشاں نظری کیوں ہے تلاش
دل کے اندر نہیں دیکھا جاتا

کس کو یہ تاب کہ دیکھے غلطی
خط کو لکھ کر نہیں دیکھا جاتا

دل میں کیا خاک اسے دیکھ سکیں
جس کو باہر نہیں دیکھا جاتا

توبہ کے بعد بھی خالی خالی
کوئی ساغر نہیں دیکھا جاتا

کیا شب وعدہ ہوا ہوں بے خود
جانب در نہیں دیکھا جاتا

بارہا دیکھ لیا ہے اس کو
اور اکثر نہیں دیکھا جاتا

ہم جہاں ہیں وہیں دیکھیں گے تجھے
ہم سے گھر گھر نہیں دیکھا جاتا

او مری نعش اٹھانے والے! آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا جاتا
اب یہ نوبت ہے کہ میرا صدمہ ان سے دم بھر نہیں دیکھا جاتا
خط مرا پھینک دیا یہ کہہ کر ہم سے دفتر نہیں دیکھا جاتا
مختصر یہ ہے کہ اب داغ کا حال
بندہ پرور نہیں دیکھا جاتا

۲۸

کچھ ہمیں بھی خیال ہو ہی گیا آخر ان سے ملال ہو ہی گیا
مشکل ان سے وصال ہو ہی گیا تھا جو ممکن محال ہو ہی گیا
دل میں جب تک رہا ترا شکوہ لب پر آکر سوال ہو ہی گیا
نہ کہا تھا کہ سچ نہ کہلواؤ آپ کو انفعال ہو ہی گیا
یاس انجام کار ہو ہی گئی شوق خواب و خیال ہو ہی گیا
رنگ لایا ہے عشق آخر کار ایک دونوں کا حال ہو ہی گیا
دل لگی کا بھی ہے برا انجام کہ ہنسی میں ملال ہو ہی گیا
ایسے وعدے کئے کوئی جانے آج پورا سوال ہو ہی گیا
شرط ہے جور میں بھی مشاقی تم کو حاصل کمال ہو ہی گیا
دولت حسن ہو کہ دولت زر آخر آخر زوال ہو ہی گیا
رفتہ رفتہ تمہاری چالوں سے دل مرا پائمال ہو ہی گیا
ارنی کہہ کے آگ بھڑکا دی برق نور جمال ہو ہی گیا
مرض عشق سے شفا نہ ہوئی جیتے جی کا وبال ہو ہی گیا
گو کیا ضبط ذکر دشمن پر رخ سے ظاہر ملال ہو ہی گیا

لے کے دل یہ سمجھ لیا تم نے   اب ہمارا یہ مال ہو ہی گیا
گو برائی سے ہو مگر آخر   ان کو میرا خیال ہو ہی گیا
نہ بچی جان ان اداؤں سے   وصل میں بھی وصال ہو ہی گیا

کمر یار کے مضامین سے
داغ نازک خیال ہو ہی گیا

۲۹

اب دل ہے مقام بیکسی کا   یوں گھر نہ تباہ ہو کسی کا
رونا ہے اب اس ہنسی خوشی کا   ماتم ہے بہار زندگی کا
کس کس کو مزہ ہے عاشقی کا   تم نام تو لو بھلا کسی کا
پھر دیکھتے عیش آدمی کا   بنتا جو فلک مری خوشی کا
گلشن میں ترے لبوں نے گویا   رس چوس لیا کلی کلی کا
تیرا بھی تو حسن ہے دغا باز   ہوتا ہی نہیں کوئی کسی کا
لیتے نہیں بزم میں مرا نام   کہتے ہیں خیال ہے کسی کا
جیتے ہیں کسی کی آس پر ہم   احسان ہے ایسی زندگی کا
گھیرا ہے ہجوم غم نے اتنا   ارمان ہے تجھ کو بیکسی کا
بنتی ہے بری کبھی جو دل پر   کہتا ہوں برا ہو عاشقی کا
ماتم سے مرے وہ دل میں خوش ہیں   منہ پر نہیں نام بھی ہنسی کا
اتنی ہی تو بس کسر ہے تم میں   کہنا نہیں مانتے کسی کا
ہم بزم میں ان کی چپکے بیٹھے   منہ دیکھتے ہیں ہر آدمی کا
تم کوچہ غیر میں نہ جانا   اس راہ میں ہے گذر کسی کا

جب ایسی وفا پہ یہ جفا ہو　جی چھوٹ نہ جائے آدمی کا
کس کس نے لئے ہیں تیرے بوسے　ہے لعل نمک فشاں جو پھیکا
جو دم ہے وہ ہے بسا غنیمت　سارا سودا ہے جیتے جی کا
آغاز کو کون پوچھتا ہے　انجام اچھا ہو آدمی کا
بالیں پہ مرے رہا شب غم　اک معرکہ مرگ و زندگی کا
روکیں انہیں کیا کہ ہے غنیمت　آنا جانا کبھی کبھی کا
کہتے ہیں اسے زبان اردو　جس میں نہ ہو رنگ فارسی کا
ایسے سے جو داغ نے نباہی
سچ ہے کہ یہ کام تھا اسی کا

۳۰

ظلم کس کس غریب پر نہ کیا　تم نے اس کام سے حذر نہ کیا
تھی شب ہجر کیا گراں جانی　زہر نے بھی مجھے اثر نہ کیا
نشہ کیسا وہ سحر کہہ دیتے　اس لئے ان کو بے خبر نہ کیا
شام غربت کو آپ کیا جانیں　کوس دو کوس بھی سفر نہ کیا
مر چلے ہم تو رحم کرنے لگے　اب جو کرتے ہو پیشتر نہ کیا
زاہد خشک کے لئے ہے وہ مے　جس نے دامن کسی کا تر نہ کیا
دل کے ہاتھوں سے ہے سخت مجبوری　اب کیا وہ جو عمر بھر نہ کیا
عشق نے قید کر لیا مجھ کو　قبضہ ان کے مزاج پر نہ کیا
ہو گئی چوک ہم سے اے ناصح　تجھ کو اپنا پیامبر نہ کیا
کوئی دن اور صبر کرنا تھا　دل بے تاب نے مگر نہ کیا

تم کو ہم باوفا تو کہہ دیں گے
داغ نے اعتبار اگر نہ کیا

۳۱

جہاں تیرے جلوے سے معمور نکلا
پڑی آنکھ جس کوہ پر طور نکلا

جگر ساتھ اشکوں کے مجبور نکلا
یہ ہمسایہ دل کا بہت دور نکلا

تجلی کسی کی وہ جلوہ کسی کا
کہیں نار نکلی کہیں نور نکلا

یہ سمجھے تھے ہم ایک چرکا ہے دل پر
دبا کر جو دیکھا تو ناسور نکلا

دم سرد کو آگ کیوں کر لگاؤں
جہنم کا شعلہ بھی کافور نکلا

نہ نکلا کوئی بات کا اپنی پورا
مگر ایک نکلا تو منصور نکلا

پلائی مجھے ذکر واعظ نے ایسی
کہ میں بزم سے نشے میں چور نکلا

سر نقش پا لغزش پا ہے شاہد
کہ گھر سے ترے کوئی مخمور نکلا

وہ میکش ہوں رس چوس لیتا ہوں اس کا
جہاں شاخ میں کوئی انگور نکلا

وجود و عدم دونوں گھر پاس نکلے
نہ یہ دور نکلا' نہ وہ دور نکلا

کہاں رہ کے توبہ نبا ہوں الٰہی
کہ جنت میں بھی مجمع حور نکلا

ہوا تھا کبھی سر قلم قاصدوں کا
یہ تیرے 'زمانے میں دستور نکلا

شب وصل ذکر عدو پر وہ بولے
خدا کے لئے کیوں یہ مذکور نکلا

بہت دم دیئے پاس پھٹکا نہ ہرگز
وہ عیار پر فن بہت دور نکلا

سمجھتے تھے ہم داغ گمنام ہو گا
مگر وہ تو عالم میں مشہور نکلا

۳۲

زمیں سے قدم عرش پر لے گیا فرشتوں سے بازی بشر لے گیا
مرا دل وہ تیر نظر لے گیا جگر لینے والا جگر لے گیا
کہوں کیا کدھر سے کدھر لے گیا جدھر لے گیا راہبر لے گیا
وہ پھر مجھ سے دل حیلہ گر لے گیا ادھر دے گیا تھا ادھر لے گیا
دیا دوست کو بزم دشمن میں خط غضب نوک کی نامہ بر لے گیا
تصور میں بھی اب تو آتی نہیں کوئی کیا تمہاری کمر لے گیا
چھپایا بہت ہم نے پہلو میں دل کوئی لینے والا مگر لے گیا
رقیبوں کے ہاتھوں سے محشر کے دن تمہیں چھین کر میں اگر لے گیا
شکایت سنی آج کیا کیا تیری کہ دشمن مجھے اپنے گھر لے گیا
منگائی تھی خاک در یار آج چرا کر مرا چارہ گر لے گیا
کھلائے گا کیا آپ کمائے گا کیا عدم کو جو زاد سفر لے گیا
کلیجا جو اب منہ کو آتا نہیں تیرا تیر شاید جگر لے گیا
دھرا کیا ہے اب لینے آئے ہو کیا کوئی تم سے دل پیشتر لے گیا
برے وقت کا کوئی ساتھی تو ہو مجھے بھی مرا نامہ بر لے گیا
وہاں تک جو پہنچا شب غم کا حال کوئی راہ چلتا خبر لے گیا
بچا لے گیا جان گر تجھ سے غیر وہ کیا لے گیا اپنا سر لے گیا
نہ تھا دور مجھ سے وہ ناوک فگن بہا کر نہ خون جگر لے گیا
شب ہجر نالہ مرا عرش پر فرشتوں سے پہلے خبر لے گیا
ترے ہاتھ دل بیچتا کیوں رقیب وہ ہشیار تھا پھیر کر لے گیا

یہ کیا ایسی وحشت ہوئی داغ کو
اٹھا کر کہاں گھر کا گھر لے گیا

شکل اصلی سے کبھی رنگ تبدل نہ ہوا
غنچہ گل ہو کے کھلا، گل کبھی بلبل نہ ہوا

وعدہ کرنے میں تو ہر بار گذارے برسوں
قتل کرنے میں کبھی تم کو تامل نہ ہوا

آنکھوں آنکھوں میں کیا اس نے مرا کام تمام
شکر ہے کشتہ انداز تغافل نہ ہوا

دود دل میں کوئی انداز نکل ہی آتا
مگر افسوس برنگ خم کاکل نہ ہوا

اہل فریاد سے ہے دھوم تری محفل کی
انجمن شہر خموشاں ہے اگر غل نہ ہوا

باز آیا نہ ستمگر ستم پیہم سے
ختم یہ سلسلہ دور تسلسل نہ ہوا

ہجر میں شربت دیدار کی خواہش ہی رہی
خون دل ہم کو ملا جب بھی توکل نہ ہوا

کب گدائے در میخانہ کو عار آتی ہے
اوک سے پی جو میسر قدح مل نہ ہو

گل سے گلزار ہو دریافت، گہر سے معدن
کیا ہوا جزو سے معلوم اگر کل نہ ہوا

یہ کہا تھا کہ نہ کرنا کبھی ان سے شکوہ
تجھ سے اے دل! نہ ہوا صبر و تحمل نہ ہوا

داغ مرتا ہے ادا پر رخ و گیسو کیسا
یہ کبھی شیفتہ لالہ و سنبل نہ ہوا

۳۴

جواب اس طرف سے بھی فی الفور ہو گا
دبے آپ سے وہ کوئی اور ہو گا

تغافل سے بڑھ کر بھی کیا جور ہو گا
ستم ہو چکا یا ابھی اور ہو گا

نہ عاشق کو شکوہ نہ معشوق سرکش
الٰہی وہ کیا عہد کیا دور ہو گا

لئے جاؤں جنت میں دنیا کی چیزیں
پرانا وہ سامان بے غور ہو گا

دعائیں قیامت کی، ہم کیوں نہ مانگیں
نہ یہ ظلم ہو گا، نہ یہ جور ہو گا

جب آئی بلا ہجر میں دل یہ بولا ابھی حادثہ کچھ نہ کچھ اور ہو گا
خدا جانے کس دن دن جیں گے آکر مرا حال کب قابل غور ہو گا
یونہیں گر حسینوں کی آمد رہے گی دکن رشک کشمیر و لاہور ہو گا
کسی کا ہو گا قیامت میں کوئی زمیں اور ہو گی، فلک اور ہو گا
عبث فکر دنیا، عبث فکر عقبیٰ کہ قسمت کا ہونا بہر طور ہو گا
عیادت کو وہ داغ کی خوش آئے
یہ جانا کہ اب طور بے طور ہو گا

۳۵

عرش و کرسی پہ کیا خدا ملتا آگے بڑھتے تو کچھ پتا ملتا
اس جفا کا جبھی مزا ملتا کوئی تجھ کو اگر برا ملتا
زر ملا، گھر ملا، غلام ملا میں نہ ملتا تو تم کو کیا ملتا
مدعی بن کے دل بغل میں رہا کاش یہ دشمنوں میں جا ملتا
غیر سے مل کے کیا لیا تم نے ہم سے ملتے تو کچھ مزا ملتا
تیرے کوچے میں چھوڑ آئے تھے زندہ رہتا جو دل تو آملتا
عاشقی سے ملے گا اے زاہد بندگی سے نہیں خدا ملتا
نامہ بر ڈر سے بھاگ آیا ہے یا نہ ملتا جواب یا ملتا
اک نہ اک ہم لگائے رکھتے ہیں تم نہ ملتے تو دوسرا ملتا
دوستوں سے تو کچھ نہ نکلا کام کوئی دشمن ہی کام کا ملتا
روز اک دل لگی نئی ہوتی روز اک دل مجھے نیا ملتا

تم کو یہ مل گیا ہے قسمت سے
اغ سا ورنہ دوسرا ملتا

۳۶

غم اس پر آشکار کیا، ہم نے کیا کیا
غافل کو ہوشیار کیا، ہم نے کیا کیا

وعدے پر انتظار کیا، ہم نے کیا کیا
جھوٹے کا اعتبار کیا، ہم نے کیا کیا

ہاں تڑپ تڑپ کے گزاری تمہیں نے رات
تم نے ہی انتظار کیا، ہم نے کیا کیا

اترا رہا ہے نقد محبت پہ دل بہت
اوچھے کو مال دار کیا، ہم نے کیا کیا

کیا فرض تھا کہ صبر ہی کرتے فراق میں
کیوں جبر اختیار کیا، ہم نے کیا کیا

کہتے ہیں وہ شکایت بیداد و جور پر
تجھ کو خدا نے خوار کیا، ہم نے کیا کیا

تعریف عشق سن کے کہاں تک نہ ہو خیال
اس کو بھی بے قرار کیا، ہم نے کیا کیا

ناصح بھی ہے رقیب یہ معلوم ہی نہ تھا
کس کو صلاح کار کیا ہم نے کیا کیا

پہلے تو منفعل وہ ہوئے، پھر بگڑ گئے
کیوں شکوہ بار بار کیا، ہم نے کیا کیا

کہ دیں گے ہم تو داور محشر سے صاف صاف
اچھوں کو دل نے پیار کیا، ہم نے کیا کیا

بہکا تمہارا ہاتھ، ہمارا قصور کیا
خالی تمہیں نے وار کیا، ہم نے کیا کیا

تڑپا دل اور کھائے جگر نے بھی داغ ہجر
آنکھوں نے انتظار کیا، ہم نے کیا کیا

اب بھی تو درد عشق ترقی پذیر ہے
گر ایک سے ہزار کیا، ہم نے کیا کیا

دم خم جو ان کی تیغ کا دیکھا غضب ہوا
اپنے گلے کا ہار کیا، ہم نے کیا کیا

آئینہ کرکے صاف دل اپنا دکھا دیا
کیوں ان کو شرمسار کیا، ہم نے کیا کیا

فرقت میں ہم تو خون جگر بھی نہ کھا سکے
وہ دل نے زہر مار کیا، ہم نے کیا کیا

رسوا کیا جو دل نے تو اب کہ رہے ہیں داغ
دشمن کو راز دار کیا، ہم نے کیا کیا

۳۷

یہ میں ہزار جگہ حشر میں پکار آیا
کہ اور بھی کوئی مجھ سا گناہ گار آیا؟

وہ اس ادا سے وہاں جاکے شرمسار آیا
رقیب پر مجھے بے اختیار پیار آیا

یہ مجھ سے کہنے کو ظالم سر مزار آیا
مرے بغیر تجھے کس طرح قرار آیا؟

کہیں پتا نہ ملا سخت سوگوار آیا
گلی گلی دم گم گشتہ کو پکار آیا

یہ حال تھا شب وعدہ کہ تابہ راہ گذر
ہزار بار گیا میں ہزار بار آیا

ترا ہی کوچہ ٹھکانا ہے خاکساروں کا
جو زندہ آ نہ سکا میں مرا غبار آیا

مزے اڑائے وہاں خوش رہا لیا انعام
یہاں جو نامہ بر آیا تو اشک بار آیا

وہ بولے سچ تو نہ آیا کبھی یقیں مجھ کو
دروغ وعدہ کیا اور اعتبار آیا

ہوا ملال جب ان سے تو چھا گیا اندھیر
کہ دل میں آتے ہی آنکھوں میں بھی غبار آیا

جو وجہ دیر کی پوچھی کہا یہ قاصد نے
گذارنے تھے مصیبت کے دن گذار آیا

گذر گئے اسی گردش میں اپنے لیل و نہار
شب فراق گئی' روز انتظار آیا

اڑائے ہیں ملک الموت نے بھی تیرے ڈھنگ
ہزار بار بلایا تو ایک بار آیا

خدا کے واسطے جھوٹی نہ کھایئے قسمیں
مجھے یقیں ہوا' مجھ کو اعتبار آیا

ہزار فتنے جلو میں ہیں لاکھ ہنگامے
تمہارے ساتھ تو سامان روزگار آیا

تمہاری شوخ مزاجی سے چھا گئی حیرت
تمہیں قرار نہ آیا' مجھے قرار آیا

کہاں تھے شب کو تمہیں کچھ خبر بھی ہے کہ نہیں
کوئی پکارنے والا بہت پکار آیا

شکستہ دل ہوئی کس کس طرح مری توبہ
پئے ہوئے جو کوئی رند بادہ خوار آیا

رقیب سے بھی وہ ہیں بدگمان سر محفل
کہا یہ مجھ سے تمہارا صلاح کار آیا

کمال عشق کو فرہاد و قیس کب پہنچے
وہ پختہ کار ہے' دل جس کا بار بار آیا

کبھی جو دھوپ کی گرمی سے رند چیخ اٹھے
ہوا کے گھوڑے پہ ابر کرم سوار آیا

وفا شعار کو غفلت شعار کون کہے
دم اخیر نہ آیا سر مزار آیا

لگائیں لاش پہ تلواریں اس نے مقتل میں
جو میرے بعد بھی آیا مرا ہی وار آیا

وہ کیوں ہوئے مرے مشتاق، خیر ہو یارب
طلب میں کل ہی خط آیا تھا آج تار آیا

عجب نہیں جو معاصی ہوں وجہ آمرزش
گنہ کیا تو خیال مآل کار آیا

یہ عقدہ عاشق و معشوق کے چلن سے کھلا
سمجھ میں مسئلہ جبر و اختیار آیا

پلا دے آج سر شام مجھ کو اے ساقی
کہ تیری بزم میں اک میں ہی روزہ دار آیا

ڈرے جو حشر میں وہ مجھ کو دیکھتے ہی کہا
مرا رفیق، مرا داغ جاں نثار آیا

۳۸

بھولا مجھے تو بھول گیا اپنا گھر بھی کیا
جنگل میں جا کے کھیت رہا نامہ بر بھی کیا

للّٰلہ مجھ سے آنکھ چرایا نہ کیجئے
ملتی نہیں ہے دل کی طرح سے نظر بھی کیا

ملتے نہیں وہاں تو یہاں ڈھونڈ لیں گے ہم
وہ چھوڑ دیں گے گھر کی طرح رہگذر بھی کیا

مرقد سے تا بہ حشر نکلتا نہیں کوئی
انسان کو عزیز رہا اپنا گھر بھی کیا

بنتے ہی بنتے علم الٰہی میں رہ گئی
پیدا نہ ہوتی ورنہ تمہاری کمر بھی کیا

سن کر فسانہ قیس کا ظالم نے یہ کہا
عاشق خراب خستہ رہے پیشتر بھی کیا

فرہاد جوئے شیر سے مشہور ہو گیا
آتا ہے کام وقت پہ ادنیٰ ہنر بھی کیا

ملتے ہی اس سے آنکھ جو غش آگیا مجھے
غل مچ گیا کہ سخت بلا ہے نظر بھی کیا

یا رب شب فراق بسر ہو چکے کہیں
نازک خرام اس کی طرح ہے سحر بھی کیا

اے ہم نشیں یہ سیل سی کیسی ہے دیکھنا
روتے ہیں میرے حال پہ دیوار و در بھی کیا

ملتے ہیں میری لاش پہ کانٹور کیوں عزیز — مٹ جائے گی یہ سوزش داغ جگر بھی کیا
میری دعا کے ساتھ دعا کی رقیب نے — کل شب کو ہاتھوں ہاتھ لٹا ہے اثر بھی کیا
کیوں داغ کے سوال سے چپ لگ گئی تمہیں
آتا نہیں جواب سمجھ سوچ کر بھی کیا

۳۹

تمہارے خط میں نیا اک سلام کس کا تھا — نہ تھا رقیب تو آخر وہ نام کس کا تھا
وہ قتل کر کے مجھے ہر کسی سے پوچھتے ہیں — یہ کام کس نے کیا ہے، یہ کام کس کا تھا
وفا کریں گے، نباہیں گے، بات مانیں گے — تمہیں بھی یاد ہے کچھ یہ کلام کس کا تھا
رہا نہ دل میں وہ بے درد اور درد رہا — مقیم کون ہوا ہے، مقام کس کا تھا
نہ پوچھ گچھ تھی کسی کی وہاں نہ آؤ بھگت — تمہاری بزم میں کل اہتمام کس کا تھا
تمام بزم جسے سن کے رہ گئی مشتاق — کہو وہ تذکرۂ ناتمام کس کا تھا
ہمارے خط کے تو پرزے کیے پڑھا بھی نہیں — سنا جو تو نے بدل وہ پیام کس کا تھا
اٹھائی کیوں نہ قیامت عدو کے کوچے میں — لحاظ آپ کو وقت خرام کس کا تھا
گذر گیا وہ زمانہ کہوں تو کس سے کہوں — خیال دل کو مرے صبح و شام کس کا تھا
ہمیں تو حضرت واعظ کی ضد نے پلوائی — یہاں ارادۂ شرب مدام کس کا تھا
اگرچہ دیکھنے والے ترے ہزاروں تھے — تباہ حال بہت زیر بام کس کا تھا
وہ کون تھا کہ تمہیں جس نے بے وفا جانا — خیال خام، یہ سودائے خام کس کا تھا
انہیں صفات سے ہوتا ہے آدمی مشہور — جو لطف عام وہ کرتے یہ نام کس کا تھا
ہر اک سے کہتے ہیں کیا داغ بے وفا نکلا
یہ پوچھے ان سے کوئی وہ غلام کس کا تھا

۴۰

دل عاشق اسیر ان گیسوؤں کے جال میں دیکھا
طلسم عشق تو دیکھو کہ شیشہ بال میں دیکھا

جواب خط کا میں شاکی نہیں' یہ تو بتا قاصد
اسے کس حال میں چھوڑا' اسے کس حال میں دیکھا

لگائیں ٹھوکریں اس فتنہ گر نے اور جھنجلا کر
اگر تھورا سا دم باقی کسی پامال میں دیکھا

نہ اندر کا اکھاڑا ہے' نہ ایسی قاف کی پریاں
حسینوں کا تماشا خوب نینی تال میں دیکھا

چلے آتے ہیں کیا کیا ذی کمال اس باب عالی پر
اثر دیکھا تو آصف جا کے اقبال میں دیکھا

ہماری پائمالی اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی
بچا جو فتنہ گردوں سے وہ تیری چال میں دیکھا

رہا کرتی ہے ہم کو فکر آئندہ زمانے کی
ہمیشہ زائچہ اس سال کا اس سال میں دیکھا

پھرے ہم دربدر کوچہ بکوچہ' ڈھونڈتے جس کو
وہ نقد دل تمہارے گوشہ رومال میں دیکھا

گنہ تھا عشق تو اے داور محشر مقر ہوں میں
یہی اک تو نے میرے نامہ اعمال میں دیکھا

متاع حسن کی کب تک رہے گی گرم بازاری
کسی پر بیچ ڈالا جس نے گھاٹا مال میں دیکھا

ہوئے ہیں داغ کے مذہب سے حیراں کافر و مومن
کبھی اس حال میں دیکھا' کبھی اس حال میں دیکھا

۴۱

تقلید سے زاہد کی حاصل ہمیں کیا ہوتا
انساں نہ ملک بنتا' بندہ نہ خدا ہوتا

توبہ ہے حسینوں کو گر پاس وفا ہوتا
کیا جانئے کیا کرتے' کیا جانئے کیا ہوتا

تم لطف اگر کرتے تو حال زمانے کا
ایسا ہی ہوا ہوتا' ایسا نہ ہوا ہوتا

ساقی تری محفل میں چرچا ہی نہیں مے کا
اس سے تو یہ بہتر تھا کچھ ذکر خدا ہوتا

دل نے مجھے تڑپایا آنکھوں نے کیا رسوا اپنوں سے ہوا یہ کچھ سے بیگانوں کیا ہوتا
غیروں کی شکایت پر، فرقت کی حکایت پر گر تم نہ خفا ہوتے تو کون خفا ہوتا
ارمان ہم آغوشی سن سن کے ڈھٹائی سے اس کہنے کے میں صدقے، پھر کہئے تو کیا ہوتا
ہر درد کی اے قاتل! لذت مجھے جب ملتی سر، شانہ، گلا، سینہ، تھم تھم کے جدا ہوتا
ناصح بھی خوشامد سے میری ہی سی کہتا ہے ناداں نہ تھا کیوں وہ سمجھا کے برا ہوتا
تھا غیر بھی ساتھ ان کے کترا کے گئے مجھ سے یہ خیر ہوئی ورنہ جھگڑا ہی ہوا ہوتا
وہ محفل دشمن میں جب مجھ کو طلب کرتے وہ وقت مزے کا تھا اس وقت مزا ہوتا
کیا مجھ سے ہی تنہا ہو تعریف تری قاتل خنجر بھی زباں بنتا جب شکر ادا ہوتا
ہم جان کے نامنصف ہیں داد طلب تجھ سے وہ فیصلہ ہی کیا تھا جو روز جزا ہوتا
ہم کو تو عدم میں بھی نیند نہ آئی محشر تک کچھ آنکھ بھی لگ جاتی گر دل نہ لگا ہوتا
اچھا ہے نہیں آئے وہ دھوپ کی گرمی میں قامت تو قیامت تھا سایہ بھی بلا ہوتا
عاشق کا ذرا سا دل تسکین ہی کیا اس کی جھوٹا ہو کہ سچا ہو وعدہ تو کیا ہوتا
محفل میں سنایا تھا افسانہ غم میں نے الزام یہ رکھا ہے خلوت میں کہا ہوتا

فریاد و فغاں سے تم اے داغ برے ٹھہرے
کچھ بھی نہ کیا ہوتا کچھ بھی نہ ہوا ہوتا

۴۲

جب وہ ناداں عدو کے گھر میں پڑا داغ اک داغ کے جگر میں پڑا
ایسے نشے کے کیوں نہ ہوں قربان ہاتھ ان کا مری کمر میں پڑا
شب وعدہ گذر چکی آدھی اب سنا ہے کہ تیل سر میں پڑا

وقت نظارہ اس کا تار کمر — بال سا میری چشم تر میں پڑا
اے فغاں تھم کہ پھر قیامت ہے — گر خلل خواب فتنہ گر میں پڑا
گر نہیں تھا کوئی جبیں فرسا — کیوں نشاں تیرے سنگ در میں پڑا
عاشقی سخت تر مصیبت ہے — ہم کو یہ کام عمر بھر میں پڑا
مر گئے اہل کعبہ اس بت پر — ایک ماتم خدا کے گھر میں پڑا
ڈوبی جاتی ہے کشتی عشاق — یہ سفینہ عجب بھنور میں پڑا
جلوہ گر دل ادھر ادھر رخسار — فرق ان کی مری نظر میں پڑا
نامہ بر کا تو کچھ پتا نہ ملا — نامہ پایا ہے رہ گذر میں پڑا
ہاتھ میں ان کے دیکھ کر تلوار — ایک جھگڑا دل و جگر میں پڑا
سن کے پیغام وہ ہوئے برہم — پیچ تقریر نامہ بر میں پڑا
شوق اگر ہم عناں ہوا تو کیا — آبلہ پائے نامہ بر میں پڑا

جب چلا داغ کوئے قاتل کو
ایک کہرام اس کے گھر میں پڑا

۳۴

وہ رشک حور شب کو کہیں گھر کے رہ گیا — کوئی فرشتہ کان میں میرے یہ کہہ گیا
رونا تھا دل کا ہجر میں لالے جگر کے تھے — آنکھوں کی راہ خون تمنا بھی بہہ گیا
سائے سے جس کے داغ پڑے ہیں زمیں پر — یہ کون آج گھر سے ترے رو سیہ گیا
نشے کی وجہ سے مری آنکھیں نہیں ہیں سرخ — اے محتسب! یہ خون جگر جم کے رہ گیا
اس واسطے وہ رکھتے ہیں مردے پر اتہام — عاشق کو یہ نہ جانے کوئی بے گنہ گیا
ناصح بھی رشک رستم و اسفندیار ہے — وقت کلام میری کڑی بات سہ گیا

دشنام یا دعا تھی شکایت کہ شکر تھا	وہ منہ ہی منہ میں چلتے ہوئے کچھ تو کہہ گیا
یہ تیرہ خاک واں بھی ہے کاجل کی کوٹھڑی	آیا جو رو سپید یہاں روسیہ گیا
محفل میں غیر سے بھی تو کرنا تھا التفات	یہ ہم سے چوک ہو گئی یہ کام رہ گیا
مجھ تشنہ شراب کو دیکھا جو تاک میں	دریا کی طرح شیرۂ انگور بہہ گیا
معشوق اور اس کے خریدار ہو گئے
اب داغ تیرے ہاتھ سے اے رشک مہ گیا

۴۴

نامہ عاشق ناشاد نہ دیکھا نہ سنا	آپ نے شکوۂ بیداد نہ دیکھا نہ سنا
اگلے وقتوں کی کہانی سے انہیں نفرت ہے	کبھی افسانہ فرہاد نہ دیکھا نہ سنا
اب تیرے کوچے کی بستی کو نظر لگتی ہے	شہر اس طرح کا آباد نہ دیکھا نہ سنا
آسماں دور سے کرتا ہے تجھے جھک کے سلام	کوئی تجھ سا ستم ایجاد نہ دیکھا نہ سنا
ہوتے آئے ہیں سلف سے یونہی عاشق ناکام	اثر نالہ و فریاد نہ دیکھا نہ سنا
پوچھتا ہے جو کوئی خط کا ہمارے مضمون	تو وہ کہتے ہیں کسے یاد' نہ دیکھا نہ سنا
خاک بھی اب تو نہیں خانہ دل میں افسوس	کوئی اس طرح کا برباد نہ دیکھا نہ سنا
در پہ خود بیٹھے ہیں وہ فتنے اٹھانے کے لئے	پاسبانی کا یہ ایجاد نہ دیکھا نہ سنا
سرو کیا فتنہ محشر بھی جو دیکھے تو کہے	کہ ترا سا قد آزاد نہ دیکھا نہ سنا
دیکھیں یوسف بھی جو حضرت کو کہیں صلی علیٰ	آپ سا حسن خدا داد نہ دیکھا نہ سنا
آپ اپنے کو جو شاگرد کا شاگرد گنے
داغ سا ہم نے تو استاد نہ دیکھا نہ سنا

۴۵

وصل کی شب جو فروغ مہ کامل دیکھا
دیکھتے ہی طرف حور شمائل دیکھا

نبض بیمار کبھی اور کبھی دل دیکھا
پھر کیا قتل، نیا آپ کو قاتل دیکھا

جو مرا تکیہ رہا جس نے مرا دل دیکھا
گردن غیر میں وہ ہاتھ حمائل دیکھا

موت بھی چھو نہ سکی مجھ کو رہ الفت میں
میں نے پھر پھر کے اجل کو کئی منزل دیکھا

ناخدا سے کہو بہنے دے ہماری کشتی
ہم نے گرداب جو دیکھا لب ساحل دیکھا

قابل دید تھیں اس وقت ادائیں ان کی
آئینہ دیکھ کے جب مدمقابل دیکھا

بزم اغیار میں تعریف مری ہوتی ہے
آج یہ طرفہ تماشا سر محفل دیکھا

دل دشوار طلب لوٹ ہے دشواری پر
لے لیا ہم نے وہی کام جو مشکل دیکھا

اس نے آوازہ کسا "یہ بھی ہمارا ہے رقیب"
گر ندیموں میں کسی کو مرے شامل دیکھا

کیا سمجھتے نہیں ظاہر کی ملاقات کو ہم
دل تمہارا نہ ملا ہم نے گلے مل دیکھا

بزم اغیار کا یہ حال بتا اے قاصد
تو نے کس کی طرف اس شوخ کو مائل دیکھا

کیا دلاور ہے، کوئی اس کا کلیجا دیکھے
جس نے بے تاب محبت میں مرا دل دیکھا

گالیاں دیتے ہو پھر کہتے ہو یہ بھی مجھ سے
ہم نے تجھ کو اسی لائق اسی قابل دیکھا

عشق کی چوٹ کو دل ہے سر و گردن تو نہیں
جس نے تلوار نہ کھائی اسے بسمل دیکھا

منزل عشق ہے سنسان مقام اے مجنوں
ناقہ دیکھا نہ یہاں کوئی نہ محمل دیکھا

مست تھی آنکھ تری دل تھا ہمارا بے خود
ہم نے دونوں کو دم معرکہ غافل دیکھا

اس نے جب حکم دیا تھا تجھے مر جانا تھا
داغ تو دے نہ سکا جان، ترا دل دیکھا

۴۶

ادھر کی سدھ بھی ذرا اے پیام بر لینا — خدا کے واسطے جلدی مری خبر لینا

جو مے فروش سے سودا بنے تو کر لینا — کمی ہو حضرت زاہد تو ہم سے بھر لینا

بگڑ کے جائیں، تو بلوان بن کے آئیں ہم — کہ ہے روا انہیں دشمن کو دوست کر لینا

چرا کے دل کوئی چلتا ہوا ہے اے ہمدم — سراغ چور کا ہر اک مقام پر لینا

شکار تیر نظر دل ہوا جگر نہ ہوا — یہ بچ رہا ہے ذرا اس کی بھی خبر لینا

عبث نباہ کے وعدے سے تم تو ڈرتے ہو — یہ کون بات ہے اک دن بگاڑ کر لینا

ہمارے سر ہی پڑا اب تو عشق کا سودا — برا ہو یہ کہ بھلا ہو ہمیں مگر لینا

شبیہہ لائیں گے یوسفؑ کی اہل مصر یہاں — بڑا مقابلہ ہے تم بھی بن سنور لینا

کبھی کبھی نکل آتی ہے جنس دل بھی خراب — بری نہ نکلے یہ پکی ضرور کر لینا

قناعت آپ کو ہوتی نہیں کسی شے پر — یہ کیا کہ دل کبھی لینا کبھی جگر لینا

الجھ کے تار نگہ سے پڑا جو کچھ جھٹکا — دہائی دینے لگے، وہ گئی کمر، لینا

مدام پیر مغاں کی ہیں نالشیں ہم پر — بہار آتے ہی ہم کو تو قرض کر لینا

ہمیں تو شوق ہے بے پردہ تم کو دیکھیں گے — تمہیں ہے شرم تو آنکھوں پہ ہاتھ دھر لینا

فریب دے کے لیا دل تو کیا لیا تم نے — بتائیں ہم تمہیں آتا نہیں اگر لینا

غرض تمہیں جو سنو ان سے غیر کا شکوہ
یہ قصہ مول نہ اے داغ اپنے سر لینا

۴۷

نہ بدلے آدمی جنت سے بھی بیت الحزن اپنا — کہ اپنا گھر ہے اپنا در ہے اپنا وطن اپنا

جو یوں ہو وصل تو مٹ جائے سب رنج و محن اپنا — زبان اپنی، دہن ان کا، زبان ان کی، دہن اپنا

نہ سیدھی چال چلتے ہیں نہ سیدھی بات کرتے ہیں — دکھاتے ہیں وہ کمزوروں کو تن کر بانکپن اپنا

عجب تاثیر پیدا کی ہے وصف نوک مژگاں نے — کہ جو سنتا ہے اس کے دل میں چبھتا ہے سخن اپنا

پیام وصل قاصد کی زبانی اور پھر ان سے — یہ نادانی یہ نافہمی یہ تھا دیوانہ پن اپنا

جراحت دل کی لائی رنگ آنسو ضبط کرنے سے — کیا ہے تازہ اس تیزاب نے زخم کہن اپنا

بچا رکھنا جنون کے ہاتھ سے اے بے کسی اس کو — جو اب ہے پیرہن اپنا وہی ہو گا کفن اپنا

نگاہ و غمزہ کوئی چھوڑتے ہیں گلشن دل کو — کہیں ان لوٹنے والوں سے بچتا ہے چمن اپنا

کلیجے دیتے ہیں، وہ کافر بھبوکا بن کے آتا ہے — ذرا دل تھام لیں پہلے سے اہل انجمن اپنا

یہ موقع مل گیا اچھا اسے تیشہ لگانے کا — محبت میں کہاں سر پھوڑتا پھر کوہکن اپنا

ہم اپنی قول سے پھرتے ہیں کب عاشق تمہارے ہیں — رہے گا تادم آخر یہی جو ہے سخن اپنا

یقین وصل کیا آئے کوئی دن امتحاں کر لیں — بڑھائے اعتبار آ آ کے وہ پیماں شکن اپنا

نہ مرتا ہوں نہ جیتا ہوں اثر دونوں دکھاتے ہیں — لب معجز نما اپنا، نگاہ سحر فن اپنا

ہر اک سے ٹیڑھ کی چلتے ہیں بگڑی ہے روش اپنی — تمہاری چال سے ملتا چلا ہے کچھ چلن اپنا

یہ سینہ یہ جگر یہ دل یہ سر یہ حلق حاضر ہے — نکالے حوصلہ ناوک فگن شمشیر زن اپنا

خبر کس کو وہ کس کا تھا وہ کس کا ہے وہ کس کا ہو — سمجھتا ہے اسی کو شیخ اپنا برہمن اپنا

یہ ہم سمجھے ہوئے ہیں تم نے مانا ہے نہ مانو گے — سوال وصل سے کیوں رائیگاں جائے سخن اپنا

الجھتا کیوں ہے دیوانوں سے راہ عشق و وحشت میں — چل اپنی راہ لے تو کام کر اے راہزن اپنا

جو تختے لالہ و گل کے کھلے وہ دیکھ لیتے ہیں
تو فرماتے ہیں وہ ہے داغ کا، یہ ہے چمن اپنا

۴۸

جب دھواں دھار گرجتی ہوئی آتی ہے گھٹا — طالع خفتہ کو مے کش کے جگاتی ہے گھٹا

دل مہجور کے نالوں سے جو ہو ہم آواز　سینہ پھٹ جائے ترا کیا تری چھاتی ہے گھٹا
تو تو اک قطرہ بھی دیتی نہیں اے زلف سیاہ　پانی بھر بھر کے زمانے کو پلاتی ہے گھٹا
ہجر محبوب میں بے تاب ہوں بسمل کی طرح　تار بارش یہ نہیں، تیر لگاتی ہے گھٹا
رات بھر جاگے ہیں، اب آنکھ لگی ہے ان کی　کہ دو خاموش ہو کیوں شور مچاتی ہے گھٹا
صورت ماہی بے آب ہیں مے کش بے تاب　اس تپش میں اجل آتی ہے نہ آتی ہے گھٹا
وعدہ کرتے ہیں وہ جس روز یہاں آنے کا　کیا برستی ہے کہ دریا ہی بہاتی ہے گھٹا
تیغ کی طرح چمک جاتی ہے سر پر بجلی　ہجر میں مجھ کو بلا بن کے ڈراتی ہے گھٹا
توبہ مے خوار کی مقبول ہے جب چاہے کرے　زور سے شور سے یہ مژدہ سناتی ہے گھٹا
جب اٹھاتے ہیں دم بادہ کشی وہ ساغر　کیسی اتراتی ہوئی جھومتی آتی ہے گھٹا

نہیں ساون میں مرے پاس وہ مہ وش اے داغ
مجھ کو تڑپاتی ہے بجلی تو رلاتی ہے گھٹا

۴۹

آئینہ دل نے تماشا کیا　اپنی جگہ میں اسے دیکھا کیا
ایک ستم اے ستم آرا کیا　اور کہوں اور کہوں کیا کیا
سب نے تو دیدار خدا کیا　مجھ کو بھی دیکھا؟ تجھے دیکھا کیا
کھول کے منہ سینے کا پردا کیا　آپ نے چلمن میں تماشا کیا
تو نے بھی عاشق نہ کئے اتنے قتل　ہم نے بہت خون تمنا کیا
نکہت گل میں ہے لپٹ اور ہی　کس نے یہاں بند قبلوا کیا
شکوے سے اس کے ہوئے بدنام سب　سو میں اگر ایک نے ایسا کیا

دیکھتے ہی مجھ کو کہا روز حشر ”تو نے یہاں بھی ہمیں رسوا کیا“
قتل جہاں اس کے لئے کھیل تھا کون کہے آپ نے یہ کیا کیا
داد طلب اس سے ہیں سب داد خواہ جس نے تجھے اتنے سے اتنا کیا
روز قیامت، وہ دم باز پرس چشم غضب سے مجھے دیکھا کیا
ہاتھ سے میرے جو ہوا دل ہلاک اپنے پہ خود خون کا دعوا کیا
ساتھ چلا اس کے دبکتا ہوا فتنہ محشر نے تماشا کیا
چھوڑیئے ان باتوں میں رکھا ہے کیا آپ نے پھر ذکر عدو کا کیا
کس سے کہیں عمر گذشتہ کا حال کیا نہ کیا ہم نے یہاں کیا کیا
کل کا اگر وعدہ وفا آج ہو آپ نے امروز کو فردا کیا
ہیں ستم غیر کا شکوہ کروں اور وہ سن کر کہیں ”اچھا کیا“
اور بھی اک رات سہی انتظار یا نہ کیا اس نے کرم یا کیا
غیر کے آتے ہی وہ تیور نہ تھے تم کو انہیں باتوں نے رسوا کیا
حضرت دل عشق صنم سہل تھا تم نے خدا پر نہ بھروسا کیا
مر کے ہوئیں زندہ بہت حسرتیں شوق نے اعجاز مسیحا کیا

داغ نے دیکھے ہیں ہزاروں حسین
آپ نے کس شخص سے دعوا کیا

۵۰

امیدوار ہوں کرم بے حساب کا پیتا ہوں ڈگڈگا کے پیالہ شراب کا
چرچا ہے ان کے گھر میں مرے اضطراب کا دیکھا سلوک اس دل خانہ خراب کا

بے کار مفت خاک اڑتی پھری صبا
گوشہ الٹ دیا نہ کسی کی نقاب کا

اے چارہ گر کمی نہ کرے لخت دل کہیں
ٹکڑا لگا ہوا ہے یہ چشم پر آب کا

یہ بات ہے بہار چمن ہی کے واسطے
آتا نہیں پلٹ کے زمانہ شباب کا

ساقی تو مجھ کو چاٹ لگا کر الگ ہوا
دھو دھو کے پی رہا ہوں پیالہ شراب کا

یا تمکنت سمائی طبیعت میں آپ کی
یا صبر پڑ گیا دل پر اضطراب کا

میں اک سوال کر کے پشیمان ہو گیا
لچھا بندھا ہوا ہے ہزاروں جواب کا

اٹھا ہے خواب ناز سے کوئی جو دن چڑھے
چمکا ہوا ہے آج نصیب آفتاب کا

واعظ بتا تو بادۂ کوثر کے اسم و قسم
یکتا ہے نام بادہ کشوں میں شراب کا

بہلے گا کس طرح شب غم بے قرار دل
افسانہ گو کی آنکھوں میں ہے زور خواب کا

روزہ رکھیں، نماز پڑھیں، حج ادا کریں
اللہ یہ ثواب بھی ہے کس عذاب کا

لاؤں سبو، پیالہ بھروں، در کو قفل دوں
کیا حکم ہے جناب مشیت ماب کا

مضمون خط شوق کسی میں نہیں ملا
الٹا ہے ایک ایک ورق ہر کتاب کا

کیا لاگ عشق کی ہے کہ دیتا رہا جواب
یعقوبؑ کا خیال زلیخا کے خواب کا

جب میں کروں سوال تو کہتے ہو چپ رہو
کیا بات ہے جواب نہیں اس جواب کا

خوشبو وہی، وہی ہے نزاکت، وہی ہے رنگ
معشوق کیا ہے، پھول ہے وہ بھی گلاب کا

ہونے کو تیری چشم تغافل میں قہر ہو
ہم سے ملے تو لطف ملے کچھ عتاب کا

اس بے قرار دل کا الٰہی علاج کیا
جس کے شکیب پر ہو گماں اضطراب کا

اے زلف یار وجہ بھی کچھ پیچ و تاب کی
اے چشم یار کوئی سبب بھی عتاب کا

اے داغ بخشوائیں گے امت کے وہ گناہ
ہے آسرا جناب رسالت ماب کا

۵۱

غیر پر لطف و کرم بس ہو چکا
ہو چکا ہم پر ستم بس ہو چکا

دل میں رہنے دے کسک اے چارہ گر
درد اپنا کم سے کم بس ہو چکا

میں دم آخر سے اپنے شاد ہوں
انتہا کا رنج و غم بس ہو چکا

گر یہی قسمیں ہیں تو مجھ کو یقیں
آپ کے سر کی قسم بس ہو چکا

ہم کو اے واعظ ابھی مرنا نہیں
وصف گلزار ارم بس ہو چکا

دھوم ہے اب کوچہ دلدار کی
شہرۂ دیر و حرم بس ہو چکا

ہے ہمارے بعد بھی ان کا عتاب
مر کے یہ سمجھے تھے ہم بس ہو چکا

کر چکے پامال اب گھر بیٹھیے
فتنہ برپا ہر قدم بس ہو چکا

اب یہ بت کرتے ہیں ناحق تاک جھانک
بیت رب بیت الصنم بس ہو چکا

بحر الفت سے نکالیں آشنا
تھک گیا ہوں، مجھ میں دم بس ہو چکا

جانب گور غریباں وہ نہ آئے
حشر اے اہل عدم بس ہو چکا

دیکھتا بھی تو نہیں وہ بادہ خوار
ساغر دل جام جم بس ہو چکا

کل جو اک داغ حزیں مشہور تھا
آج وہ بیمار غم بس ہو چکا

۵۲

عاشق مضطر اگر آرام اپنا دیکھتا
عشق کے آغاز میں انجام اپنا دیکھتا

سخت ناکامی تھی اس کو ورنہ یوں مرتا ہی کیوں
کوہکن بنتا ہوا گر کام اپنا دیکھتا

دیکھتا ہے کچھ تو جلوہ ورنہ کیا کرتا نہ ترک نفع توبہ میں جو ے آشام اپنا دیکھتا
تیرے عاشق کو دکھاتے عشق کا دفتر اگر نام تیرا دیکھتا یا نام اپنا دیکھتا
آپ تو ناحق ہیں برہم معذرت کرتا ہے دل جرم جب یہ مورد الزام اپنا دیکھتا
کیا غرض تھی دیکھتے ہم عشق میں اچھا برا دیکھا تو یہ دل ناکام اپنا دیکھتا
چیر کر سینہ دکھایا کیوں نہ اس کو ہم نے دل نقش اس تعویذ میں وہ نام اپنا دیکھتا
آج کو جمشید ہوتا تو دکھاتے اس کو سیر دل ہمارا دیکھ کر کیا جام اپنا دیکھتا
جانتا گر خود غرض خود مطلب ایسا آپ کو فائدہ کیا میں نہ صبح و شام اپنا دیکھتا
نخوت دولت آنکھیں پھٹ گئیں قارون کی کاش آنکھیں پھاڑ کر انجام اپنا دیکھتا

داغ کو وہ آگ لگتی جس کا بجھنا تھا محال
گر تمہاری بزم میں ہم نام اپنا دیکھتا

۵۴

کوئی پھرے نہ قول سے، بس فیصلہ ہوا بوسہ ہمارا آج سے دل آپ کا ہوا
اس دل لگی میں حال جو دل کا ہوا ہوا کیا پوچھتے ہیں آپ تجاہل سے کیا ہوا
ماتم ہمارے مرنے کا ان کی بلا کرے اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ برا ہوا
وہ چھٹتی دیکھتے ہیں ہوائی جو چرخ پر کہتے ہیں مجھ سے "آپ کا نالہ رسا ہوا"
اس پر بھی تو نہیں ہے غم عشق میں کمی کھاتا ہے اک جہان تمہارا دیا ہوا
کیا عیش جلوداں کہ غم جاوداں نہیں انسان کو ہے موت کا کھٹکا لگا ہوا
بیگانہ تھا تو کوئی شکایت نہ تھی ہمیں آفت تو یہ ہوئی کہ وہ مل کر جدا ہوا
جس نے کیا تپاک اسی نے کیا ہلاک جو آشنا ہوا وہی ناآشنا ہوا

دشنام کی بھی آپ سے کس کو امید تھی
ہم نے تو اس پہ صبر کیا جو عطا ہوا
اے جذب شوق! ہو نہ ہو نامہ بر ہی ہو
آتا ہے کوئی شخص ادھر کو اڑا ہوا
عذر ستم سے بس مجھے نادم نہ کیجئے
اس تذکرے کو چھوڑیئے جو کچھ ہوا ہوا
بے خود رہے وصال میں' بے ہوش ہجر میں
کیا جانے ہم سے کب وہ ملا کب جدا ہوا
اس طرح کے جہان میں ہیں بے غرض کہاں
تیری نگہ ہوئی' دل بے مدعا ہوا
اے چرخ کل کی رات کا غم آج تو نہ دے
ہم صبح کو نہ کھائیں گے شب کا بچا ہوا
آباد کس قدر ہے الٰہی عدم کی راہ
ہر دم مسافروں کا ہے تانتا لگا ہوا
اے کاش میرے تیرے لئے کل یہ حکم ہو
لئے جاؤ ان کو خلد میں جو کچھ ہوا ہوا
پیغامبر ندیم بنے' نامہ بر رفیق
میرا تو مدعا نہ کسی سے ادا ہوا
کس کس طرح سے اس کو جلاتے ہیں رات دن
وہ جانتے ہیں داغ ہے ہم پر مٹا ہوا

۵۴

زباں ہلاؤ تو ہو جائے فیصلہ دل کا
اب آچکا ہے لبوں پر معاملہ دل کا
کسی سے کیا ہو تپش میں مقابلہ دل کا
جگر کو آنکھ دکھاتا ہے آبلہ دل کا
خدا کے واسطے کر لو معاملہ دل کا
کہ گھر کے گھر ہی میں ہو جائے فیصلہ دل کا
تم اپنے ساتھ ہی تصویر اپنی لے جاؤ
نکال لیں گے کوئی اور مشغلہ دل کا
قصور تیری نگہ کا ہے کیا خطا اس کی
لگاوٹوں نے بڑھایا ہے حوصلہ دل کا
نہ جان دیتے بن آئے نہ زندہ رہتے بنے
بگڑ گیا ہے یہ کیسا معاملہ دل کا
شباب آتے ہی اے کاش موت بھی آتی
ابھارتا ہے اسی سن میں ولولہ دل کا
کئے ہیں تو نے دل اہل انجمن بے تاب
رواروی میں ہے مصروف قافلہ دل کا

جو منصفی ہے جہاں میں تو منصفی تیری　　اگر معاملہ ہے تو معاملہ دل کا
ملی بھی ہے کبھی عاشق کی داد دنیا میں　　ہوا بھی ہے کبھی کم بخت فیصلہ دل کا
نگاہ مست کو تم ہوشیار کر دینا　　یہ کوئی کھیل نہیں ہے معاملہ دل کا
ہماری آنکھ میں بھی اشک گرم ایسے ہیں　　کہ جن کے آگے بھرے پانی آبلہ دل کا
ہوا نہ اس سے کوئی اور کانوں کان خبر　　الگ الگ ہی رہا سب معاملہ دل کا
اگرچہ جان پہ بن بن گئی محبت میں　　کسی کے منہ پہ نہ رکھا معاملہ دل کا
ازل سے تابہ ابد عشق ہے اسی کے لئے　　ترے مٹائے مٹے گا نہ سلسلہ دل کا
کروں تو داور محشر کے سامنے فریاد　　تجھی کو سونپ نہ دے وہ معاملہ دل کا
نہ آئیں خضر کبھی آپ بھول کر بھی ادھر　　جناب من! نہیں آسان مرحلہ دل کا

کچھ اور بھی تجھے اے داغ بات آتی ہے
وہی بتوں کی شکایت وہی گلہ دل کا

۵۵

عشق میں دل نے بہت کام نکالا اپنا　　سچ ہے ملتا ہے کہاں چاہنے والا اپنا
میں اٹھاتا ہوں سہارے کے لئے دست دعا　　رہ گیا ہو نہ کہیں راہ میں نالا اپنا
اپنی نظروں میں تو پھرتا ہے وہ قد بوٹا سا　　سرو گلچین کو دکھائے قد بالا اپنا
اے سیہ بختی عاشق نہ بنے گی تو زلف　　رہنے دے اپنے لئے رنگ یہ کالا اپنا
اس پہ مرتے ہیں جو بے درد ہو بے مہر بھی ہو　　عشق ہے سارے زمانے سے نرالا اپنا
دل بچا تیغ نظر سے مگر اب خیر نہیں　　تیرے دنبالے نے بھالا جو سنبھالا اپنا
بحر و بر میں نہ کوئی فرق رہے گا باقی　　کچھ اگر پھوٹ پڑا پاؤں کا چھالا اپنا
اپنی تصویر وہ کھنچوائے یہ ممکن ہی نہیں　　جس نے آئینے میں بھی عکس نہ ڈالا اپنا

غیر کے ملنے سے دنیا میں ہوئی بدنامی
تم نے عالم میں بڑا نام اچھالا اپنا

خاک کس کس کی خدا جانے ہوئی دامن گیر
تم نے چلتے ہوئے دامن نہ سنبھالا اپنا

دل شکن اس نے تو دو حرف ہی لکھے تھے ہمیں
دفتر شوق ہوا سب تہ و بالا اپنا

کچھ سیہ بختی عاشق میں سعادت ہوتی
سایہ زلفوں نے تیری اس پہ نہ ڈالا اپنا

چرخ کا پاؤں ہے مدت سے یونہی گردش میں
ہے بجا گر کہے خورشید کو چھالا اپنا

دیکھ کر اس کو تعجب ہے جناب ناصح
مجھ سے فرماتے ہیں کیوں دل نہ سنبھالا اپنا

انتظار اے و ساغر ہو کہاں تک ساقی
کہیں لبریز نہ ہو جائے پیالہ اپنا

اس کے دامن کی جنوں میں بھی رہی ہم کو تلاش
جیب پر اپنی کبھی ہاتھ نہ ڈالا اپنا

غیر سے ملنے کی لکھی ہے نہایت تاکید
اور لکھا ہے مجھے خط میں حوالا اپنا

ہیں برے حال کے سب دیکھنے والے اے داغ
کوئی دنیا میں نہیں پوچھنے والا اپنا

۵۶

تم گلے جب نہ ملو لطف ملاقات ہی کیا
مان بھی جاؤ مری بات یہ ہے بات ہی کیا

دل و دیں لے کے بھی راضی نہ ہوئے آپ کبھی
یہ تو فرمایئے میں کیا، مری اوقات ہی کیا

کشتہ ناز کو کیوں زندہ کریں آ کے مسیح
تمہیں ٹھکراؤ کہ ہے اس میں کرامات ہی کیا

عالم وجد میں بے خود نہیں ہوتے صوفی؟
نشے میں چور ہیں رندان خرابات ہی کیا

ہمت اے دیدۂ تر! قطرہ فشانی کب تک
موسلا دھار نہ برسے تو وہ برسات ہی کیا

دل سے شے ہم نے تو بھیجی انہیں، وہ کہتے ہیں
"بیش قیمت ہے یہ سوغات میں سوغات ہی کیا؟"

حشر کے دن وہی کافر مجھے مل جائے گا
میرے کردار کی ہے اور مکافات ہی کیا

جاکے پی آئے وہاں، آتے ہی توبہ کر لی
اس قدر دور ہے مسجد سے خرابات ہی کیا

عاشقی اور پھر ایسی کہ چھپائے نہ چھپے
مجھ سے مجرم کے لئے چاہئے اثبات ہی کیا

دل کو لے لیتے ہیں در پردہ وہ عیاری سے
چار غیروں پہ جو کھل جائے تو پھر گھات ہی کیا

روز پیتے ہیں صبوحی بھی ادا کرکے نماز
فرق آجائے تو پابندی اوقات ہی کیا

لہریں آتی ہیں طبیعت میں ہماری کیا کیا
برق وش پاس نہ ہو جب تو وہ برسات ہی کیا

مئے انگور فرشتوں کی بھی قسمت میں نہیں
اس سے محروم ہیں اک قبلہ حاجات ہی کیا

اس میں دھوکا تو نہیں ہم سے ذرا سچ کہئے
کر دیا مانگ کے دل آپ نے خیرات ہی کیا

اب تمنائے شب وصل ہے کسی کافر کو
بات کرنے میں گذر جائے تو وہ رات ہی کیا

آگے اس شوخ کے چپ لگ گئی ان کو اے داغ
میرے مطلب کو جو کہتے تھے یہ ہے بات ہی کیا

۵۷

دیکھ کر تیری ادا جی سے گذر جائے گا
مرنے والا تو قیامت میں بھی مرجائے گا

نامہ بر چرب زبانی تو بہت کرتا ہے
دل گواہی نہیں دیتا کہ ادھر جائے گا

اور بھی اور بھی اے درد محبت ہو سوا
گر کمی کی تو مرے دل سے اتر جائے گا

غیر کا قصہ شب وصل میں کیوں لے بیٹھے
باتوں باتوں میں یونہی وقت گذر جائے گا

میرے ہمراہ پس مرگ ڈبونے کے لئے
دیدۂ تر نہ سہی دامن تر جائے گا

رخنہ گر وہ ہو تو محشر کا تماشا کیسا
آن کی آن میں سب کھیل بکھر جائے گا

بے خودی میں ہے کسے ہوش کہاں ہے قاصد
کدھر آیا' نہیں معلوم کدھر جائے گا

عاقبت پاک ہے مے خوار کی سن رکھ زاہد
یہ تو مے خانے سے اللہ کے گھر جائے گا

کھا لیا ہم نے شب ہجر میں سب خون جگر
روز فرقت ہمیں اب صاف گذر جائے گا

کسی بندے پہ برا وقت نہ ڈالے اللہ
کیا خبر تھی کوئی یوں ہجر میں مر جائے گا

کیوں نہ ہم روئیں مقدر کی پریشانی کو
کیا یہ گیسوئے بتے تمہارا کہ سنور جائے گا

بوجھ ڈالے نہ بہت دست دعا پر تاثیر
مجھ کو ڈر ہے کہ مرا ہاتھ اتر جائے گا

وصف حوروں کے تو دن رات سنوں اے واعظ
خوف یہ ہے کہ وہاں پرچہ گذر جائے گا

کر کے برباد مجھے چرخ کہاں جاتا ہے
میں بھی ہمراہ اسی کے ہوں جدھر جائے گا

فوج مژگاں نے تری گھیر لیا ہے دل کو
اب کہاں جائے گا بچ کر، یہ کدھر جائے گا

اب تو اے داغ مرے غم سے وہ خوش ہیں پھر کیا
آخر اک دن یہ زمانہ بھی گذر جائے گا

۵۸

مایوس ہجر میں دل ناکام ہو گیا
رخصت ہو اے اجل مجھے آرام ہو گیا

سنتا ہوں، غیر کا بت خود کلام ہو گیا
یہ بات سچ ہوئی تو مرا کام ہو گیا

میں ہر طرح سے مورد الزام ہو گیا
تقصیر کی کسی نے مرا نام ہو گیا

اس تشنگی کی آگ اسی آگ سے بجھی
میں پانی پیتے پیتے مے آشام ہو گیا

کیوں میری بات سنتے ہی تلوار کھینچ لی
کیا حرف اختلاط بھی دشنام ہو گیا

آپ اپنے گھر کو رشک مسیحا سدھاریے
آرام ہو گیا مجھے آرام ہو گیا

عاشق کے ضعف قلب کی کچھ انتہا نہیں
گویا وہ اس زمانے کا اسلام ہو گیا

سینہ مرا سبو ہے مئے عشق کے لئے
آنکھیں پیالہ بن گئیں، دل جام ہو گیا

بگڑے وہ مجھ کو دیکھ کے محفل میں اس طرح
گویا قیامت آگئی کہرام ہو گیا

باہر خودی سے ہو نہ سکا دل تمام عمر
اس کی رگوں کا جال اسے دام ہو گیا

پھر آرزو مراد پر آ کر ہوئی ہے یاس
لو پختہ ہو کے پھر یہ ثمر خام ہو گیا

بس شرح اس کی حضرت ناصح نہ کیجئے
معلوم ہم کو عشق کا انجام ہو گیا

اب صبر کس طرح سے دل بدگماں کو ہو
کیوں یہ کہا کہ شب کو ہمیں کام ہو گیا

رہتا نہیں ہے اپنا مقدر بھی اپنے ساتھ
وہ بھی شریک گردش ایام ہو گیا

کیا طول مدعا جسے کافی ہو روز حشر
کیا فیصلہ جو صبح سے تا شام ہو گیا

قاصد کے ہاتھ چوم لئے میں نے لے کے خط
یہ اک طرح کا بوسہ بہ پیغام ہو گیا

جو ابتدائے عشق میں تھے کام نادرست
انجام کار سب کا سرانجام ہو گیا

دنیا میں داغ صاحب اعزاز ہے تو ہو
وہ آپ کا تو بندۂ بے دام ہو گیا

۵۹

نام زیر آسماں باقی رہا
مر مٹوں گا یوں نشاں باقی رہا

اس کے در پر جبہ سا لاکھوں ہوئے
پھر بھی سنگ آستاں باقی رہا

دیکھئے فردائے محشر کیا بنے
آج کل پر امتحاں باقی رہا

اے گداز غم تجھے کھا جاؤں گا
ایک بھی گر استخواں باقی رہا

شب کو تیری جستجو میں کوبکو
کون سا مجھ سے مکاں باقی رہا

مٹ گئے دنیا کے جلسے سیکڑوں
ہے غنیمت جو سماں باقی رہا

آنکھ اپنی روز محشر کھل چکی
کچھ اگر خواب گراں باقی رہا

دل لگی ہو جائے گی زیر مزار
تو جو اے درد نہاں باقی رہا

آزمائی ہے مروت ہی ابھی
امتحاں سا امتحاں باقی رہا

حال کچھ اے داور محشر نہ پوچھ
حال مجھ میں اب کہاں باقی رہا

مٹ چکا گو اک زمانے کا خیال
پھر بھی دل میں اک جہاں باقی رہا

تغیر کا چھلا چھپایا آپ نے اس نشانی کا نشاں باقی رہا

جا چکا اے داغ سب مال و متاع

شکر ہے لطف زباں باقی رہا

۶۰

و محتسب کا مسرب رندانہ کھل گیا پہلے ہی عید سے در مے خانہ کھل گیا

باد صبا نے بھی نہ کیا اس کو بے حجاب سینے پہ ہاتھ آگئے جب شانہ کھل گیا

قاتل نے دیکھے اس میں ہزاروں پری جمال دل چاک کیا ہوا کہ پری خانہ کھل گیا

ہم سے تغافل اور ہے غیروں سے تاک جھانک تیرا فریب نرگس مستانہ کھل گیا

جلنے لگے ہیں شمع سے' گل سے ہیں بد دماغ کیوں ان پہ عشق بلبل و پروانہ کھل گیا

رکھا تھا ہم نے پردہ کہ اس پر کھلے نہ حال سب راز دل سناتے ہی افسانہ کھل گیا

خونیں ہے پیرھن جو تمہارے شہید کا اس پر یہ سرخ خلعت شاہانہ کھل گیا

پوچھا مزاج اس نے تو دحشت کی اس نے لی آخر کو پردۂ دل دیوانہ کھل گیا

اس مے کدے سے ہم تو چلے تشنہ کام ہی بس ہم پہ ظرف ساقی و پیمانہ کھل گیا

مشتاق دید غش میں پڑے ہیں جو زیر بام سر کی نقاب کیا رخ جانانہ کھل گیا

اے داغ وقت مرگ ہوا امتحاں ہمیں

اس وقت میں یگانہ و بیگانہ کھل گیا

۶۱

ادھر دیکھ لینا' ادھر دیکھ لینا کن انکھیوں سے اس کو مگر دیکھ لینا

فقط نبض سے حال ظاہر نہ ہو گا — مرا دل بھی اے چارہ گر دیکھ لینا
کبھی ذکر دیدار آیا تو بولے — قیامت سے بھی پیشتر دیکھ لینا
نہ دینا خط شوق گھبرا کے پہلے — محل، موقع، اے نامہ بر دیکھ لینا
کہیں ایسے بگڑے سنورتے بھی دیکھے — نہ آئیں گے وہ راہ پر دیکھ لینا
تغافل میں شوخی نرالی ادا تھی — غضب تھا وہ منہ پھیر کر دیکھ لینا
شب وعدہ اپنا یہی مشغلہ تھا — اٹھا کر نظر سوئے در دیکھ لینا
بلایا جو غیروں کو دعوت میں تم نے — مجھے پیشتر اپنے گھر دیکھ لینا
محبت کے بازار میں اور کیا ہے — کوئی دل دکھائے اگر دیکھ لینا
مرے سامنے غیر سے بھی اشارے — ادھر بھی، ادھر دیکھ کر، دیکھ لینا
نہ ہو نازک اتنا بھی مشاطہ کوئی — دھن دیکھ لینا کمر دیکھ لینا
نہیں رکھنے دیتے جہاں پاؤں ہم کو — اسی آستانے پہ سر دیکھ لینا
تماشائے عالم کی فرصت ہے کس کو — غنیمت ہے بس اک نظر دیکھ لینا
دیئے جاتے ہیں آج کچھ لکھ کے تم کو — اسے وقت فرصت مگر دیکھ لینا
ہمیں جان دیں گے، ہمیں مر مٹیں گے — ہمیں تم کسی وقت پر دیکھ لینا

جلایا تو ہے داغ کے دل کو تم نے
مگر اس کا ہو گا اثر دیکھ لینا

۶۲

دل مکدر مدام کا نکلا — کب یہ آئینہ کام کا نکلا
گھر سے تم کیوں نکالے دیتے ہو — کیا قصور اس غلام کا نکلا
بھر کے دے جام ورنہ اے ساقی — دم کسی تشنہ کام کا نکلا

مٹ گئی رسم و راہ بھی ان سے — یہ نتیجہ پیام کا نکلا
بحث تھی مے کشی میں زاہد سے — عذر ماہ صیام کا نکلا
یہ سنا ہے کہ اب وہ ہرجائی — صبح آتا ہے شام کا نکلا
گالیاں سنتے ہیں دعا دے کر — خوب پہلو کلام کا نکلا
دل کے ملنے کی پھر امید نہیں — یہ اگر اس کے کام کا نکلا
واہ کیا کیا تیری محبت میں — حوصلہ خاص و عام کا نکلا

سچ تو یہ ہے کہ عاشقی میں داغ
ایک ہی اپنے نام کا نکلا

۶۳

تجھے نامہ بر قسم ہے وہیں دن سے رات کرنا — کوئی ایک بات پوچھے تو ہزار بات کرنا
نہیں اور خوف قاصد مگر ایک بات کا ہے — جو رقیب بھی وہاں ہو بہت التفات کرنا
وہ ہو تیز رو نہ پائے کوئی تم کو حضرت دل — رہ دوست میں جو چلنا تو ہوا کو مات کرنا
ابھی سن ہی کیا ہے جو انہیں وقار و تمکیں — کبھی اجتناب کرنا، کبھی التفات کرنا
مرے دل کی قیمت اتنی نہ بڑھاؤ کون لے گا — جو تمہیں نہ جانتا ہو یہ اسی سے گھات کرنا
ہمیں گلشن جہاں میں یہی کام آخری ہے — اسی باغباں کو واپس ثمر حیات کرنا
یہ زمانہ کہہ رہا ہے کہ وہ قول کے ہیں پورے — مگر اک ہمیں سے وعدہ انہیں بے ثبات کرنا
نکل آئیں گے وہ باہر وہیں شور سن کے اے دل — کبھی ان کے در پہ جا کر کوئی واردات کرنا

وہ کریم کیا نہیں ہے، وہ رحیم کیا نہیں ہے
کبھی داغ بھول کر بھی نہ غم نجات کرنا

۶۴

شوق ہے اس کو خود نمائی کا — اب خدا حافظ اس خدائی کا
وصل پیغام ہے جدائی کا — موت انجام آشنائی کا
دے دیا رنج اک خدائی کا — ستیاناس ہو جدائی کا
کسی بندے کو درد عشق نہ دے — واسطہ اپنی کبریائی کا
پھنس گیا دل بری جگہ' افسوس! — کوئی پہلو نہیں رہائی کا
صلح کے بعد وہ مزہ نہ رہا — روز سامان تھا لڑائی کا
کہتے ہیں وہ قیامت آنے دو — ابھی موقع نہیں صفائی کا
اپنے ہوتے عدو پر آنے دے — کیوں وہ الزام بے وفائی کا
اشک آنکھوں میں' داغ ہے دل میں — یہ نتیجہ ہے آشنائی کا
ہنسی آتی ہے اپنے رونے پر — اور رونا ہے جگ ہنسائی کا
آج وہ امتحان کرتے ہیں — وقت ہے قسمت آزمائی کا
دل اڑاتا ہے دل لگی کے مزے — پوچھنا کیا لگی لگائی کا
فتنہ گر ایک تو ہے اک محشر — دل شریک اس میں ہے تنہائی کا
اڑ گئے ہوش دام میں پھنس کر — قید کیا نام ہے رہائی کا
اک خدائی کی آفتیں دیکھیں — ہائے صدمہ تری جدائی کا
اور تو ہم کو کچھ نہیں آتا — کام کرتے ہیں آشنائی کا
دل ترا صاف ہو نہیں سکتا — ہیچ ہے محکمہ صفائی کا
بت کدے کی جو سیر کی ہم نے — کارخانہ ہے اک خدائی کا
گرچہ پہنچا ہوں میں کہیں سے کہیں — مرحلہ دور ہے رسائی کا

نہ رہا لطف اس زمانے میں
میرزا داغ میرزائی کا

۶۵

آشنا تو ہے اپنے مطلب کا
فیصلہ ہو چکا ہے یہ کب کا

روز محشر ہے یہ دلیل ان کی
کہتے ہیں "مجھ سے وعدہ تھا شب کا"

کیوں نہ ہو غیر کی دعا مقبول
وہ خدائے کریم ہے ب کا

لے کے دل تم نے جب ستم توڑے
پھر ہماری بغل میں آو بکا

وہ سنے درد دل جو ہو ہم درد
نہیں، ہاں کوئی مرے ڈھب کا

کس کو جانوں رقیب محفل میں
ایک نام اس نے رکھ دیا سب کا

غنچہ گل کو سونگھئے بچ کر
بوسہ لے لے نہ آپ کے لب کا

ذکر بے داد پر نہ ہو برہم
کہ نہیں ہے یہ تذکرہ اب کا

داغ مے کو نہ دیکھ اے زاہد
دل تو ہے پاک رند مشرب کا

دم نہیں دل میں ایک مدت سے
خون ہے مدعا و مطلب کا

کافر عشق کیوں مسلماں ہو
سب کو ہے پاس اپنے مذہب کا

جرم تھا پیشتر تغافل بھی
حال جب کا کہوں کہ میں اب کا

چاہنے والے ہوں، برے کہ بھلے
ان کے دفتر میں نام ہے سب کا

ہو مئے ناب یا شراب طہور
تشنہ ہوں ساغر لبالب کا

بات پوری وہ کر نہیں سکتے
زور ہے کیا نزاکت لب کا

کیا کرو گے کہو تو روز جزا
ایک دعویٰ ہوا اگر سب کا

تم نے بھی کچھ سنا کہ تا بفلک
شور پہنچا ہے میری یا رب کا

پہلے انکار اور پھر دشنام یہ نتیجہ ہے عرض مطلب کا
شکر ہے داغ کامیاب ہوا
حق تعالیٰ بھلا کرے سب کا

۶۵

جس دن وہ مرے قتل کے ساماں میں نہ ہو گا وہ دن ہی کبھی گردش دوراں میں نہ ہو گا
جینا تو بلائے شب ہجراں میں نہ ہو گا مرنا بھی الٰہی مرے امکاں میں نہ ہو گا
کیوں مفت میں دیوانہ بنوں چھوڑ کے تجھ کو دامن میں جو ہے ہاتھ گریباں میں نہ ہو گا
کیوں جانے لگا دل ترے ناوک سے نکل کر سوفار میں ہو گا جو وہ پیکاں میں نہ ہو گا
چمکے گا مرا داغ جگر صورت خورشید کیا روز قیامت شب ہجراں میں نہ ہو گا
میں پیچ سے تقدیر کے خوش ہوں یہ سمجھ کر ایسا کوئی بل گیسوئے پیچاں میں نہ ہو گا
بہلاؤں گا اپنے دل ویراں سے طبیعت یہ دشت بلا کیا مرے زنداں میں نہ ہو گا
ہوتا ہے جدائی میں ضرر جان کا ناصح ہے یہ تو یقیں تو مرے نقصاں میں نہ ہو گا
کیا آئے دم نزع بلانے سے جو آئے محسوب یہ احساں کسی احساں میں نہ ہو گا
اتنا تو ہوا دیدۂ گریاں کی بدولت آباد کوئی کوچہ جاناں میں نہ ہو گا
کیا خوف اذاں ہم کو شب وصل یقیں ہے اللہ کا گھر کوچہ جاناں میں نہ ہو گا
اپنے بھی تو بیگانے نظر آئیں گے اے داغ
اپنا تو کوئی حشر کے میداں میں نہ ہو گا

۶۶

تم کو کیا ہر کسی سے ملنا تھا دل ملا کر مجھ ہی سے ملنا تھا

پوچھتے کیا ہو کیوں لائی دیر — اک نئے آدمی سے ملنا تھا
مل کے غیروں سے بزم میں، یہ کہا — "مجھ کو آخر سبھی سے ملنا تھا"
کیوں بہانے کئے شب وعدہ — صاف کہہ دو کسی سے ملنا تھا
عید کو بھی خفا خفا ہی رہے — آج کے دن خوشی سے ملنا تھا
آپ کا مجھ سے جی نہیں ملتا — اس محبت پہ جی سے ملنا تھا

تم تو اکھڑے رہے تمہیں اے داغ
ہر طرح مدعی سے ملنا تھا

٦٧

مقتل میں وہ سفاک جو مصروف ستم تھا — آگے صف عشاق سے اپنا ہی قدم تھا
اے نامہ بر اس کا نہ یہ انداز رقم تھا — معلوم ہوا ہاتھ میں دشمن کے قلم تھا
وہ جلد نہ کیوں اٹھتے مری بزم عزا سے — عشرت کدہ غیر بھی دو چار قدم تھا
یاد آتے ہیں اب مجھ کو شب وصل کے احسان — جو عین کرم تھا وہ مرے حق میں ستم تھا
سنتا ہوں کہ ناصح کی زباں بند ہوئی ہے — ہر روز کی جھک جھک سے مرا ناک میں دم تھا
یہ شکوۂ فرقت پہ کہا پیار سے اس نے — "مجھ کو بھی بہت رنج ترے سر کی قسم تھا"
ہم مر گئے لیکن نہ اٹھایا ستم رشک — یہ کام محبت میں تری سب سے اہم تھا
نکلا دل آباد کو برباد ہی کر کے — غیروں کا تصور بھی بڑا نحس قدم تھا
کرتے ہو عبث شکوۂ فرقت کی شکایت — وہ شکر ملاقات گزشتہ سے تو کم تھا
نکلے بھی تو ہمراہ دم باز پسیں کے — جب تک وہ مرے دل میں رہے سینے میں دم تھا
تھا وعدہ یہاں چار پہر رہنے کا ان سے — افسوس مگر وصل کا دن رات سے کم تھا

جل جل کے ہوئے خاک، ہوئی خاک بھی برباد
ہستی میں یہ ہستی تھی، عدم میں یہ عدم تھا

مجنوں کے طرف دار بنے ہیں کئی دن سے
فرماتے ہیں "وہ آپ سے کس بات میں کم تھا"

معشوق، فلک، غیر، شب غم، دل بے تاب
تازیست مرے حال پہ کس کس کا کرم تھا

اس بت نے لفافہ جو دیا مہر لگا کر
گویا وہ کف دست میں قاصد کے پدم تھا

نکلا ہے تلاشی سے فقط اک درم داغ
یاروں کو مرے دل پہ ہزاروں کا بھرم تھا

دل خون ہوا، خاک ہوا، خوب ہوا، داغ
ہر آن کی تکلیف تھی، ہر وقت کا غم تھا

ردیف ب

۶۸

نہیں سنتا ستم ایجاد ہماری یارب
تجھ سے ہر وقت ہے فریاد ہماری یارب

کچھ تو تخصیص ہو مظلوم محبت کے لئے
کاش دنیا میں ملے داد ہماری یارب

پھر کہاں جائیں گے جنت میں اگر جی نہ لگا
ہے طبیعت بہت آزاد ہماری یارب

در پے بیخ کنی ہو گئے سارے دشمن
جب کہیں جم گئی بنیاد ہماری یارب

ان کے آنے سے اجل پیشتر آئی افسوس
کیا برے وقت ہوئی یاد ہماری یا رب

دل دھڑکتا ہے کہ آغاز محبت ہے ابھی
کیا پڑے دیکھئے افتاد ہماری یارب

پھر کوئی مانے نہ مانے ہمیں پروا کیا ہے
مان لے گر دل ناشاد ہماری یا رب

ہو دم قتل وہ تصویر کا عالم ہم پر
شکل دیکھا کرے جلاد ہماری یارب

ہجر میں زندہ رہا داغ تو وہ کہتے ہیں
"ہائے بے کار ہو بے داد ہماری یارب"

۶۹

نگاہ لطف سے والا نگاہ ہے محبوب
پناہ خلق سے عالم پناہ ہے محبوب

ہنر شناس ہے محبوب شاہ آصف جاہ
کمال دوست' مہ نیم ماہ ہے محبوب

کوئی طریق ارادت سے ہم بھٹکتے ہیں
ہمارے واسطے اک خضر راہ ہے محبوب

مجال کیا ہے نہ سیدھا ہو چرخ کج رفتار
کہ قہرمان و شہ کج کلاہ ہے محبوب

بلند بخت و سرفراز سب ہیں درباری
قمر خدم ہے' فلک بارگاہ ہے محبوب

شرف ہے خسرو و جم کو بھی باریابی سے
وہ صاحب شرف و عز و جاہ ہے محبوب

نشان شر نہ رکھا نام کو زمانے میں
خدا کے بندوں کا وہ خیر خواہ ہے محبوب

نہ کیوں ہو سایہ دامن میں اس کے خلق اللہ
کہ شہریار ہے' ظل اللہ ہے محبوب

امید منصب و جاہ و حشم نہ کیوں کر ہو
فقیر داغ ہے' تو پادشاہ ہے محبوب

۷۰

دل ناکام کے ہیں کام خراب
کر لیا عاشقی میں نام خراب

اس خرابات کا یہی ہے مزہ
کہ رہے آدمی مدام خراب

زلف ہے چور' چشم یار شریر
حسن کا سب ہے انتظام خراب

دیکھ کر جنس دل وہ کہتے ہیں
کیوں کرے کوئی اپنے دام خراب

ابر تر سے صبا ہی اچھی تھی
میری مٹی ہوئی تمام خراب

وہ بھی ساقی مجھے نہیں دیتا
وہ جو ٹوٹا پڑا ہے جام خراب

کیا ملا ہم کو زندگی کے سوا
وہ بھی دشوار' ناتمام' خراب

واہ کیا منہ سے پھول جھڑتے ہیں خوب رو ہو کے یہ کلام خراب
چال کی رہ نمائے عشق نے بھی وہ دکھایا جو تھا مقام خراب

داغ ہے بدچلن تو ہونے دو
سو میں ہوتا ہے اک غلام خراب

ردیف پ

۱۷

کیا سبب؟ شاد ہے! بشاش ہے جی آپ ہی آپ چلی آتی ہے مجھے آج ہنسی آپ ہی آپ
ابھی آئی بھی نہیں کوچہ دلبر سے صبا کھل گئی آج مرے دل کی کلی آپ ہی آپ

ہیں بڑے یار فراموش جناب زاہد جا کے مے خانے میں چوری سے جو پی آپ ہی آپ
مجھ کو ارشاد سے ناصح کے یہ مفہوم ہوا جس طرح سے کوئی بن بیٹھے ولی آپ ہی آپ
قطرے قطرے کو ترستی ہیں ہماری آنکھیں کھا گیا خون جگر رنج دلی آپ ہی آپ
ہم نشیں بھی تو نہیں ہجر میں دل کیا بہلے باتیں کر لیتے ہیں دو چار گھڑی آپ ہی آپ
سوچتے ہیں کہیں تدبیر بھی قسمت والے کہ نکل جاتے ہیں ارمان دلی آپ ہی آپ
کچھ تو فرمایئے اس بدمزگی کا باعث آپ ہی آپ ہے رنجش، خفگی آپ ہی آپ
کبھی کثرت سے غرض ہے کبھی وحدت منظور کبھی وہ انجمن آرا ہے کبھی آپ ہی آپ

دل لگی آگ ہے اے داغ خبر لو جلدی
جو لگائے سے لگی کب وہ بجھی آپ ہی آپ

ردیف ت

۲۷

بزم دشمن میں نہ کھلتا گل تر کی صورت
جاؤ بجلی کی طرح آؤ نظر کی صورت

نہ مٹانے سے مٹی فتنہ و شر کی صورت
نظر آتی نہیں اب کوئی گذر کی صورت

سوچ لے پہلے ہی تو نفع و ضرر کی صورت
نامہ بر تجھ کو بھلا دیں گے وہ گھر کی صورت

کیا خبر کیا ہوئی فریاد و اثر کی صورت
کہ ادھر کب نظر آتی ہے ادھر کی صورت

بگڑی شوریدہ سری سے مرے گھر کی صورت
وہی دیوار کی صورت ہے جو در کی صورت

چھپ کے بیٹھے ہو آ مجھ سے چلو یونہی سہی
میں بھی اٹھنے کا نہیں پردۂ در کی صورت

اس کو دیکھے کوئی محفل میں، یہ کس کی طاقت
ہر بشر دیکھنے لگتا ہے بشر کی صورت

بار تشبیہ سے دھرے وہ ہوئے جاتے ہیں
کیوں رگ جاں سے ملائی تھی کمر کی صورت

نامہ بر جان کے میں اس کے قدم لیتا ہوں
جب بنا کر کوئی آتا ہے سفر کی صورت

نہیں معشوق کوئی حسن و ادا سے خالی
اس پہ صورت بھی مرے رشک قمر کی صورت

اے جنوں خاک بیاباں کو بیاباں سمجھوں
میری آنکھوں میں ابھی پھرتی ہے گھر کی صورت

ان کے جانے کا وہ صدمہ وہ مری تنہائی
اور روتی ہوئی وہ شمع سحر کی صورت

رشک آئینے سے کیا، وہم تو اس بات کا ہے
تیرے دل میں نہ پھرے آئینہ گر کی صورت

خط میں لکھا تھا کہ آتا ہے کلیجا منہ کو
اب دکھائیں انہیں کس منہ سے جگر کی صورت

وصف حوران بہشتی کے سنے اے واعظ
سب سے اچھی ہے جو اچھی ہے بشر کی صورت

لب پاں خوردہ کی شوخی پہ نہ اترا ظالم
ملتی جلتی ہے مرے زخم جگر کی صورت

خواب راحت سے جو اٹھے ہیں وہ کلمہ پڑھتے
نظر آئی ہے کسی پاک نظر کی صورت

آج آنکھیں نہیں یا میں نہیں، دیکھو تو غضب
کہ دکھائی ہے مجھے غیر کے گھر کی صورت

آئے تھے گھر میں مرے آگ بگولا بن کر
ٹھنڈے ٹھنڈے وہ گئے باد سحر کی صورت

ہاتھ آنکھوں پہ شب وصل عبث رکھتے ہو
میری صورت نہ سہی دیکھو سحر کی صورت

آپ نے کی ہیں عبث شرم سے نیچی آنکھیں
چبھ گئی یہ بھی ادا دل میں نظر کی صورت

دل سے نکلے تو پھرے خانہ خرابوں کی طرح
تم نے برسوں دیکھی نہیں گھر کی صورت

منتظر ہجر میں ہم، وصل میں مشتاق ہو تم
نظر آتی نہیں دونوں کو سحر کی صورت

در و دیوار کا جلوہ نہیں دیکھا جاتا
ان کے آتے ہی بدل جاتی ہے گھر کی صورت

کوئی دم کوئی گھڑی کل نہیں پڑتی دل کو
میں بیاں کس سے کروں آٹھ پہر کی صورت

لئے جاتا ہے ہمیں جوش جنوں صحرا کو
دیکھتے جاتے ہیں منہ پھیر کے گھر کی صورت

حضرت داغ تو شاعر ہیں ہوا باندھتے ہیں
نہ دعا کی کوئی صورت نہ اثر کی صورت

۷۳

بزم میں دیکھا ہے کس حسرت سے میں نے سوئے دوست
مجھ کو دشمن سے گلے مل کر جو آئی بوئے دوست

یہ بلائیں کس کو لپٹیں دیکھئے ہوں کس کے سر
کچھ پریشاں سے نظر آتے ہیں مجھ کو موئے دوست

سخت جانوں پر ہوا کرتی ہے اکثر مشق تیغ
چشم بد دور آج کل ہیں روپ پر بازوئے دوست

میں برائی میں بھی ہو جاتا برابر کا شریک
میری قسمت سے سوا بگڑی ہوئی ہے خوئے دوست

وہ عدو کے ساتھ آتے ہیں عیادت کو مری
اک نظر ہے سوئے دشمن، اک نظر سوئے دوست

اے صبا توہی اٹھائے چل ذرا وقت خرام
قد آدم سے زیادہ بڑھ گئے گیسوئے دوست

آپ اپنے کو تو چشم شوق پہلے دیکھ لے
کیا ہنسی ہے کھیل ہے یوں دیکھ لینا روئے دوست

ذکر آتا ہے اگر ان کا تو کٹ جاتی ہے بات
تیغ سے بڑھ کر کہیں برش میں ہیں ابروئے دوست

فرق اتنا تو رہے زیر زمین اے آسمان
پاس دشمن کے ہو دشمن، دوست ہم پہلوئے دوست

مجھ کو وہم آیا کہ بے شک مدعی کا ہے یہ خط
دب گیا تھا گوشہ دامن تہ زانوئے دوست

بانکپن کرتے ہیں مشتاقوں سے کیا کیا خوب رو
دیکھتے ہی میری صورت تن گئے ابروئے دوست

غیر کے نقش قدم اے داغ رہبر ہو گئے
مٹنے والوں نے بتایا ہے نشان کوئے دوست

۴۷

نہیں سنتے وہ اب ہماری بات سچ ہے بن آئے کی ہے ساری بات
دو دو باتیں ہوئی تھیں واعظ سے رکھ لی اللہ نے ہماری بات
غیر سے اس نے ہی نہ پوچھا حال کرنے دیتی نہ بے قراری بات

حال دل سن کے یہ جواب ملا — اب نہ ہو گی مری تمہاری بات
دل دہلتا ہے مجھ سے دشمن کا — کہ دلیروں کی ہے کراری بات
کھیل ہے امتحاں ترے آگے — میرے آگے ہے جاں نثاری بات
حال کہہ کر پلٹ گیا قاصد — خوب بگڑی ہوئی سنواری بات
حشر میں کچھ نہ کچھ نکالے گی — میری شرم گناہ گاری بات
خامشی میں ادا کریں مطلب — یہ تو ہے ان کی اختیاری بات
لب شیریں کا بوسہ دے دیجئے — زہر لگتی ہے گر ہماری بات

لوٹ لیتی ہے داغ کے دل کو
تیری ہر ایک پیاری پیاری بات

۷۵

کیجئے قتل کا ابرو سے اشارا جھٹ پٹ — یہی تلوار کرے کام ہمارا جھٹ پٹ
وہ شکایت کی خبر سن کے ہوئے جب برہم — لے دیا نام رقیبوں نے ہمارا جھٹ پٹ
دل کو نظروں سے گرا کر نہ ہوئے آپ خبر — ایسے گرتے کو تو دیتے ہیں سہارا جھٹ پٹ
سچ یہ ہے کی مرے قاصد نے بڑی چالاکی — کرکے تسلیم، خط شوق گذارا جھٹ پٹ
قول دینے میں کیا عذر نزاکت پہروں — ہاتھ پر ہاتھ کبھی تم نے نہ مارا جھٹ پٹ
پس دیوار جو اس نے مری آواز سنی — وہیں دربانوں کو گھبرا کے پکارا جھٹ پٹ
بجتے رہئے گا میری آہ شرر افشاں سے — کہ پہنچتا ہے اس آتش کا شرارا جھٹ پٹ
نہ ہوا ایک نگہ سے جو مرا کام تمام — پھر کے پھر دیکھ لیا اس نے دوبارا جھٹ پٹ
نامہ بر زندہ جو پھرتا ہے تو یہ کہتا ہے — اب تو دلوایئے انعام ہمارا جھٹ پٹ
تیرہ بختی نے بڑی دیر لگا رکھی ہے — کہیں چمکے مری قسمت کا ستارا جھٹ پٹ

جب پریشانی عاشق کی مصیبت سن لی　　اس نے بکھری ہوئی زلفوں کو سنوارا جھٹ پٹ
دل بے تاب کو کیا تاب ہو سوز غم کی　　آگ پر رکھتے ہی اڑ جاتا ہے پارا جھٹ پٹ

پھر نہ کہیئے گا کہ ہم سے نہ کہا داغ کا حال
لیجئے اس کی خبر آپ خدارا جھٹ پٹ

ردیف ث

۷۶

پڑا ہے بل جبیں پر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث
ہوا کیوں تیز خنجر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

خفا رہتے ہو اکثر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث
ستم ہوتے ہیں مجھ پر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

کہا گر ہم نے ہرجائی تو کیوں تم نے برا مانا
پھرا کرتے ہو دن بھر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

یہ حیرت ہے کہ اس کافر نے مجھ کو ذبح کرنے میں
کہا اللہ اکبر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

طبیعت میری جب سنبھلی ذرا، ان کو عجب آیا
ہوا آرام کیوں کر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

اشاروں میں ہوئی تھیں مجھ سے ان سے آج کچھ باتیں
یہی چرچا ہے گھر گھر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

غبار دل ترا لیا میرے اشکوں نے نہیں دھویا
کہ اب تک ہے مکدر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

نہیں رکھا قدم تم نے تو ہرگز کوئے دشمن میں
بپا پھر کیوں ہے محشر کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

سنبھل کر گفتگو کرتے ہو لیکن باتوں باتوں میں
بگڑ جاتے ہیں تیور، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

تمہیں جانو تمہیں سمجھو وہ کیوں اتنا پریشاں ہے
بتائے داغ مضطر، کیا سبب، کیا وجہ، کیا باعث

ردیف ج

۷۷

میرا جدا مزاج ہے، ان کا جدا مزاج
پھر کس طرح سے ایک ہو اچھا برا مزاج

دیکھا نہ اس قدر کسی معشوق کا غرور
اللہ کیا دماغ ہے، اللہ کیا مزاج

کس طرح دل کا حال کھلے اس مزاج سے
پوچھوں مزاج تو وہ کہیں "آپ کا مزاج؟"

تم کیا کسی کے دل میں بھلا! گھر بناؤ گے
بنتا نہیں بنائے سے بگڑا ہوا مزاج

تم کو ذرا سی بات کی برداشت ہی نہیں
ایسا اکھل کھرا بھی ہے کس کام کا مزاج

نااتفاقیاں تھیں پیام و سلام تک
جب مل گئی نظر سے نظر، مل گیا مزاج

پالا پڑے کہیں نہ کسی بدمزاج سے
ہروقت دیکھتے ہیں مزاج آشنا مزاج

آخر یہ عرض حال ہے دشنام تو نہیں
ہاتھوں سے کیوں نکلنے لگا آپ کا مزاج

دن رات کا ہے فرق تمہارے مزاج میں
دن کو جدا مزاج، تو شب کو جدا مزاج

کل ان کا سامنا جو ہوا خیر ہو گئی
بدلی ہوئی نگاہ تھی، بدلا ہوا مزاج

ان کو بغیر چھیڑ کئے چین ہی نہیں
کتنی شریر طبع ہے، کیا چلبلا مزاج

جس کے مزاج میں یہ تلون ہو کیا نبھے
لاؤں کہاں سے روز الٰہی نیا مزاج

قاصد کو چٹکیوں میں ہمیشہ اڑا دیا
اس شوخ کا بھی شوخ ہے بے انتہا مزاج

آب سرشک، آتش حسرت، غبار غم
مل کر ہوائے شوخ سے میرا بنا مزاج

سچ ہے خدا کی دین میں کیا دخل ہو سکے
اک داغ کا مزاج ہے، اک آپ کا مزاج

۷۸

جائے آسودگی کہاں ہے آج
جو زمیں کل تھی آسماں ہے آج

میرے گھر تو تو مہماں ہے آج
کیوں شب ہجر وہ کہاں ہے آج

میں بھی جاتا ہوں ساتھ غیروں کے
دوست دشمن کا امتحاں ہے آج

کیا ڈریں گے وہ اس سے محشر میں
کل یہی ہو گی جو فغاں ہے آج

تم وہاں تھے تو دل وہاں تھا کل
تم یہاں ہو تو دل یہاں ہے آج

عشق کو ابتدا میں ہم سمجھے
فتنہ آخر الزماں ہے آج

کل ادا دل کا حال ہو کہ نہ ہو
سن لو گویا مری زباں ہے آج

آرزو وصل کی شہید ہوئی
ماتم مرگ نوجواں ہے آج

اس ہدف پر لگائیں گے وہ تیر
دل نشیں داغ کا نشان ہے آج

ردیف چ

۷۹

جس دم رقیب کہنے کو آتے ہیں جھوٹ سچ
ان کو مری طرف سے لگاتے ہیں جھوٹ سچ

قاصد کے کچھ کلام غلط ہیں تو کچھ صحیح
ہم کو الگ الگ نظر آتے ہیں جھوٹ سچ

اول ہی سے ہے ان کا خوشامد طلب مزاج
پھر ہاں میں ہاں ندیم ملاتے ہیں جھوٹ سچ

دیکھیں تو ہم بھی اس بت پرفن کی بات چیت
کیونکر بتانے والے بتاتے ہیں جھوٹ سچ

آتا ہے داستان محبت میں ان کو لطف
بے پر کی ہم بھی روز اڑاتے ہیں جھوٹ سچ

یہ جانتے ہیں جان تو جائے گی ایک دن
ناصح کے ڈر سے خیر مناتے ہیں جھوٹ سچ

وعدہ وفا کریں نہ کریں، آئیں یا نہ آئیں
گھبرا کے کچھ وہ بول تو جاتے ہیں جھوٹ سچ

ہم ناصح شفیق کے شاگرد ہو گئے
ہر روز کا سبق وہ پڑھاتے ہیں جھوٹ سچ

انصاف یہ کہ ان کے سوالوں کا کیا جواب
باتیں اگرچہ ہم بھی بناتے ہیں جھوٹ سچ

جوہر اس آئینے کے ہوئے خوب آشکار
دل میں تمہارے سب نظر آتے ہیں جھوٹ سچ

اس نکتہ چیں سے داغ یہ تقریر پیچ دار
آگے تمہارے سب ابھی آتے ہیں جھوٹ سچ

ردیف ح

۸۰

لیتا ہے آدمی ہی سے تو آدمی صلاح
میری وہی صلاح ہے جو آپ کی صلاح

میں پوچھتا ہوں آپ سے الفت کے باب میں
دیجئے خدا کے واسطے اچھی کوئی صلاح

دل کو صلاح کار بناکر ہوئے خراب
دشمن وہی ہے دے جو بری بات کی صلاح

کہتے ہیں جب وہ مجھ سے "تجھے ہم کریں گے قتل"
کہتا ہوں ہاتھ باندھ کے "جو آپ کی صلاح"

وہ دوست ہے مشیر جتائے جو وقت پر
یہ مشورہ خلاف ہے' یہ ہے بری صلاح

رنج فراق یار میں مر جاؤں یا جیوں
میں تجھ سے پوچھتا ہوں یہ اے بے کسی صلاح

عادت میں فرق' رائے جدا' وضع مختلف
اے پند گو ملے گی نہ میری تری صلاح

مشتاق تیغ ناز ہوں' لوں کس سے مشورہ
دے گا نہ کوئی موت کی تا زندگی صلاح

مرضی سے دوست کی ہے غرض' مرہی کیوں نہ جاؤں
اس نے ہنسی خوشی مجھے مرنے کی دی صلاح

قائم مزاج کیا ہو تمہیں وہ نہیں رہے
دل کی طرح بدلنے لگی ہر گھڑی صلاح

پیری میں خاک توبہ کروں جب کہے طبیب
نادان ایسے وقت میں ہے مے کشی صلاح

کیوں مدعی سے چارہ طلب داغ ہو گیا
کیا جانے ایسے شخص کو یہ کس نے دی صلاح

۸۱

سیکھی شب فراق یہ کس کا غرور' صبح؟
کیا کھینچتی ہے آپ کو رہ رہ کے دور صبح

صد شکر خوب حسن پہ لیل و نہار ہیں
زلف پری ہے شام تو رخسار یار صبح

ہوتا ہے نشہ دیر میں مجھ بادہ نوش کو
میں شام کو پیوں گا تو ہو گا سرور صبح

اب یوں ترے بغیر گذرتے ہیں رات دن
شام بلا ہے شام' تو صبح نشور صبح

گذری ہے باتوں باتوں میں آدھی شب وصال
میرے حضور شام ہے ان کے حضور صبح

پھیکی ہے اب بھی روشنی داغ ہجر سے
گو شمع میں ملاتی ہے اپنا بھی نور صبح

شب باش ہوتے ہیں جو وہ گھر میں رقیب کے
کرتی نہیں ہے آٹھ پہر بھی ظہور صبح

مشاطہ کاش میرے دل صاف کو دکھائے
آئینہ دیکھتے ہیں وہ اٹھ کر ضرور صبح

ان سے شب وصال جو ذکر سحر کیا
بولے خدا نخواستہ ہو اب سے دور صبح

میں نے شب فراق یہ کہہ کر گذار دی
وہ آئی، لے وہ آئی، دل ناصبور، صبح

بے صبریوں سے داغ شب غم میں فائدہ
کم بخت تیرے نالوں سے ہو گی ضرور صبح

ردیف خ

۸۴

نرگسی چشم ہے بلا کی شوخ
شوخ بھی اور انتہا کی شوخ

ہاتھ رکھ میری چشم پرخوں پر
ہو گی رنگت سوا حنا کی شوخ

ہر نگہ تیری انتہا کی شریر
ہر ادا تیری انتہا کی شوخ

جس کے دیکھے سے ہو نظر بجلی
ہے وہ تصویر مہ لقا کی شوخ

تیری تحریر انتہا کی متین
تیری تقریر انتہا کی شوخ

آئی اس برق وش کے کوچے سے
آج رفتار ہے صبا کی شوخ

کیا ٹھکانا تری طبیعت کا
ابتداء میں ہے انتہا کی شوخ

ہے تری طرز شوخی گفتار
اپنے مطلب کی، مدعا کی، شوخ

چیخ اٹھے عندلیب اگر سن لے
گفتگو میرے دل ربا کی شوخ

جو فرشتے سے بھی نہ باز آئے
ہے زباں ایسی بے حیا کی شوخ

اس مرقع کی جان وہ ہی تو ہے
داغ نے خوب شکل پائی شوخ

ردیف د

۸۳

خدا دے تو دے آرزوئے محمدؐ　　کریں چشم و دل جستجوئے محمدؐ
کھلے گی مری آنکھ جب روز محشر　　کھچے گی مری روح سوئے محمدؐ
کہاں باغ جنت کہاں باغ یثرب　　کہاں بوئے گل اور بوئے محمدؐ
خوشی سے ابل جائیں تسنیم و کوثر　　جو مل جائے آب وضوئے محمدؐ
کہوں کیوں نہ ہر بار صلی علیٰ میں　　تصور میں پھرتا ہے روئے محمدؐ
ادھر دوست خوش ہیں ادھر غیر راضی　　خوشا خلق و خوئے نکوئے محمدؐ
بنیں دست مژگاں مرے پاؤں یارب　　کروں طے ان آنکھوں سے کوئے محمدؐ
بھریں خضر بھی سامنے جس کے پانی　　زہے عزت وہ آبروئے محمدؐ
الٰہی نہ ہو داغ کا بال بیکا
رگ جاں بنے تار موئے محمدؐ

۸۴

ملی ہم کو جنت قیامت کے بعد　　ملے کیا خدا جانے جنت کے بعد
نہ ہو مہرباں ہو کے نامہرباں　　عداوت بری ہے محبت کے بعد

حیا کے، تبسم کے، اغماض کے
مزے لے رہا ہوں شکایت کے بعد

ملا لوں ذرا آنکھ بھی زیرِ تیغ
مری جان نکلے گی حسرت کے بعد

لڑیں گے وہ حوروں سے فردوس میں
یہ فتنہ اٹھے گا قیامت کے بعد

عبث عذر ہے اب عبث لطف ہے
کروں شکر کیونکر شکایت کے بعد

مرے حال پر رحم آہی گیا
وہ چل کر پلٹ آئے رخصت کے بعد

محبت سے پہلے نہ کیوں مر گیا
مری موت آئی طبیعت کے بعد

ہوا مانعِ سیر، حسن و جمال
نہ دیکھیں گے کچھ اچھی صورت کے بعد

نہیں اس کے خوگر ہم اے آسماں
نہ دے ہم کو تکلیف راحت کے بعد

وفادار ہوتے ہیں دیر آشنا
یہ عقدہ کھلا ایک مدت کے بعد

مجھے منہ لگا کر نہ دل سے اتار
کہ ذلت نہیں دیتے عزت کے بعد

مجھے طعنہ دے کر کیا وصفِ غیر
دیا اور چرکا جراحت کے بعد

اسی کا مزہ ہو تو کیا کیجئے
کہا مانتے ہیں وہ حجت کے بعد

تڑپنا نہ دیکھا گیا داغ کا
ہوا خاتمہ کس مصیبت کے بعد

۸۵

اے وعدہ فراموش! رہی تجھ کو جفا یاد
یہ بھول بھی کیا بھول ہے، یہ یاد بھی کیا یاد

تھا وردِ زباں نعرۂ یارب شبِ فرقت
آتا ہے برے وقت میں بندے کو خدا یاد

جو رنج اٹھائے ہیں وہ بھولے نہیں جاتے
غم دل سے سوا یاد ہے، دل تم سے سوا یاد

افسانہ غم سن کے کہا طعن سے اس نے
"کیا ہوش ہے، کیا ذہن ہے، کیا حافظہ، کیا یاد"

بھولا نہیں میں قطع تعلق میں غم و عیش
اس کا بھی مزا یاد ہے اس کا بھی مزا یاد

تم خواہ عداوت اسے سمجھو کہ محبت
رہتی ہے رقیبوں کی مجھے تم سے سوا یاد

وہ سنتے ہیں کب دل سے مری رام کہانی
فرماتے ہیں "کچھ اور بھی ہے اس کے سوا یاد"

سنتا ہوں رقیبوں سے بڑا معرکہ گذرا
اس وقت مجھے بھول کے تم نے نہ کیا یاد

گو جان سے جانا ہے تری بزم میں جانا
اس کو ہی شکایت ہوئی جس کو نہ کیا یاد

دل دیتے ہیں لو مفت ہی کیا یاد کرو گے
احسان جو مانو گے تو آئے گی وفا یاد

چبھتا تھا لڑکپن ہی سے کچھ بانکپن اس کا
ترچھی سی نگہ یاد ہے، برچھی سی ادا یاد

بندے سے ہے کیوں پرسش اعمال الٰہی
انسان کو رہتی ہے کہاں اپنی خطا یاد

مرتا ہوں مگر خیر مناتا نہیں اپنی
کرتا ہوں اسی کے لئے جو جو ہے دعا یاد

استاد نے اچھا سبق عشق پڑھایا
جب اس کو بھلاتا ہوں یہ ہوا ہے سوا یاد

محشر میں حسینوں کی طرف تاک لگائے
وہ میں ہی تو ہوں گا، یہ رہے تم کو پتا یاد

تم بھولتے ہو آج کی بات آج ہی اکثر
مشکل ہے اگر وعدۂ فردا نہ رہا یاد

رہتا ہے عبادت میں ہمیں موت کا کھٹکا
ہم یاد خدا کرتے ہیں کر لے نہ خدا یاد

معشوق سے اے داغ تغافل کا گلہ کیا
کیوں یاد کرے تجھ کو کرے اس کی بلا یاد

ردیف ر

۸۶

تم لگاؤ عاشق دل گیر پر — ناز ہو جس تیغ پر جس تیر پر
چارہ گر مرتے ہیں کیوں تدبیر پر — چھوڑ دیں مجھ کو مری تقدیر پر
اس نگاہ امتحاں کو دیکھنا — ہے کبھی مجھ پر کبھی شمشیر پر
شرم مجھ سے اور وہ بھی وصل میں — تم تو نادم ہو کسی تقصیر پر
دوسرے کو دیکھ سکتے ہی نہیں — آتے ہیں منہ اپنی بھی تصویر پر
یوں تو سو پہلو بٹھائے وصل کے — دل نہیں جمتا کسی تدبیر پر

بھیج کر خط پھر مکر جانا یہ کیا دیکھئے آئے ہیں اس تحریر پر
داور محشر کے آگے تو سہی لوٹ جاؤ تم مری تقریر پر
گریہ شب سے توقع تھی بہت اوس الٹی پڑ گئی تاثیر پر
شوخی الفاظ کچھ لائے گی رنگ آنکھ پڑتی ہے مری تحریر پر
داغ سچ ہے جو خدا چاہے کرے
آدمی کا بس نہیں تقدیر پر

۸۷

حسرت آتی ہے دل ناکام پر اس کو دے ڈالوں خدا کے نام پر
عذر کیوں کرتے ہو اس سے فائدہ مٹ چکے ہم لذت دشنام پر
کل میں سن لو کہ رسوائی نہ ہو ہم چلے آئے ہیں جس پیغام پر
ہو گیا صیاد بھی عاشق مزاج خود بچھا جاتا ہے اپنے دام پر
جان کر ہوں مبتلا تو کیا علاج تھی نظر آغاز سے انجام پر
جب پسند آتا ہے میرا شعر انہیں گالیاں پڑتی ہیں میرے نام پر
رہ گیا ہے دل تمہاری بزم میں چھوڑ آئے ہیں اسے ہم کام پر
وصل کی شب کیوں نہ اترا کر کہے صبح عاشق ہو گئی ہے شام پر
ان سے جھگڑا طے ہوا روز حساب ہو گئی ڈگری ہمارے نام پر
بدگمانی! مجھ کو لے چل ان کے ساتھ مسکراتے جاتے ہیں ہر گام پر
مجھ سے کہتے ہیں کہ پہچانو یہ خط ہاتھ رکھ کر وہ عدو کے نام پر
ہجر میں یہ بھی نہیں آتا کبھی کیوں نہ ہو تیرا گماں آرام پر
صورت دیوت رہی بالائے طاق دل تو آجاتا ہے اچھے نام پر

جلنے لگتی ہے زباں کہتے ہی داغ
اف نکل جاتی ہے میرے نام پر

۸۸

خلوت میں جب کسی کو نہ پایا ادھر ادھر
گھبرا کے دیکھتے تھے وہ کیا ادھر ادھر

تقدیر ہی میں دامن یوسف کے چاک تھا
پڑتا وگرنہ دست زلیخا ادھر ادھر

آغاز ہے جنوں کا طبیعت ہے جوش پر
پھرتا ہوں جاکے جانب صحرا ادھر ادھر

بوسہ ملا نہ عارض جاناں کا وصل میں
سرکی ذرا نہ زلف چلیپا ادھر ادھر

محشر میں بعد پرسش اعمال دیکھنا
ہم دیکھتے پھریں گے تماشا ادھر ادھر

نفرت ہے ان کو وصل سے میرا یہی سوال
بے ڈھب پڑا ہوا ہے یہ جھگڑا ادھر ادھر

دیکھ اے صبا! اڑے نہ اسیروں کا آشیاں
ہونے نہ پائے ایک بھی تنکا ادھر ادھر

محفل میں اس نے ہم کو بلا کر دکھائی سیر
دیکھی جمی ہوئی صف اعدا ادھر ادھر

تم رات کو کہاں تھے؟ تمہاری تلاش میں
پھرتا تھا کوئی ڈھونڈنے والا ادھر ادھر

ہم تشنہ جمال ہیں تو ہم کو دیکھ کر
ساقی چھپا نہ ساغر و مینا ادھر ادھر

کیا کیا شب وصال سوال و جواب میں
رہتا ہے ہار جیت کا نقشا ادھر ادھر

اس فتنہ گر سے پھر بھی تو پالا پڑے گا داغ
ہے تاک جھانک آپ کی بے جا ادھر ادھر

۸۹

آئے کوئی تو بیٹھ بھی جائے ذرا سی دیر
مشتاق دید لطف اٹھائے ذرا سی دیر

ہنگام نزع اٹھ گئے سب بیٹھ بیٹھ کر
بالیں پہ میری اپنے پرائے ذرا سی دیر

قاصد کو چین ہی نہیں آتا' علاج کیا
جب تک نہ جاتے جاتے لگائے ذرا سی دیر

کچھ رہ گیا ہے قصہ غم وہ سنا تو دوں
کاش ان کو نیند اور نہ آئے ذرا سی دیر

رکھتے ہی دل پہ دست حنائی اٹھا نہ تو
وہ آگ خاک ہے کہ جلائے ذرا سی دیر

آخر انہیں ہوا یہ تماشا بھی ناپسند
پرزے ہمارے خط کے اڑائے ذرا سی دیر

پھرتا ہے میرے دل میں کوئی حرف مدعا
قاصد سے کہہ دو اور نہ جائے ذرا سی دیر

دیکھا تو فیصلہ تھا قیامت میں کچھ نہ تھا
گذری تھی ان کو آنکھ دکھائے ذرا سی دیر

ہوتی ہیں اتنی بات کی برسوں شکایتیں
کوئی اگر کسی کو ستائے ذرا سی دیر

میں کچھ تو خواب مرگ سے ہو جاؤں آشنا
فرقت کی رات نیند جو آئے ذرا سی دیر

میں دیکھ لوں اسے وہ نہ دیکھے مری طرف
باتوں میں کوئی اس کو لگائے ذرا سی دیر
سب خاک ہی میں مجھ کو ملانے کو آئے تھے
ٹھہرے رہے نہ اپنے پرائے ذرا سی دیر
قاتل بھی تیز دست ہے بسمل بھی جاں بلب
خنجر نے کی ہے بیٹھے بٹھائے ذرا سی دیر
تم نے تمام عمر جلایا ہے داغ کو
کیا لطف ہو جو وہ بھی جلائے ذرا سی دیر

۹۰

آئے ہیں ترے کوچے میں ہم گھر سے نکل کر
اب جائیں کہاں عرصہ محشر سے نکل کر
سو گھر وہ پھرا کرتے ہیں اس گھر سے نکل کر
کیا پاؤں نکالے دل مضطر سے نکل کر
میں داور محشر سے بہت داد طلب تھا
وہ ڈانٹ گئے مجھ کو برابر سے نکل کر
دونا ہو تڑپنے کا تماشا جو ستم گر
بسمل میں دم آئے ترے خنجر سے نکل کر
صد شکر کہ دنیا میں بھٹکتے نہ پھرے ہم
اللہ کے گھر پہنچے ترے گھر سے نکل کر
ارمان تو یہ ہے نہ رہے تجھ سے صفائی
اس دل میں پڑے پیچ مقدر سے نکل کر
سن لیتے ہیں رستے میں جو آہٹ بھی کسی کی
الٹے ہی پلٹ جاتے ہیں وہ گھر سے نکل کر
اٹکا ہے مرا دم تری تلوار میں قاتل
جانے کا نہیں حلقہ جوہر سے نکل کر
دنیا ہی میں ملتے ہیں اسے دوزخ و جنت
انسان ذرا سیر کرے گھر سے نکل کر
گھبرائے ہوئے طور ہیں ہر نقش قدم کے
یہ کون گیا صبح ترے گھر سے نکل کر
اللہ رے غیرت مری اللہ رے ہمت
آگے ہی رہا شوق میں رہ بر سے نکل کر
پہچان لیا سب نے یہ آتے ہیں وہیں سے
ہم چھپ نہ سکے محفل دل بر سے نکل کر
جس طرح بھرے شیشے سے مے جام میں ساقی
یوں اترے مرے حلق میں ساغر سے نکل کر
مرنے کی بھی فرصت نہیں اے گردش ایام
آسودہ ہوں کیوں کر ترے چکر سے نکل کر

اس گل کا پڑا جس شجر خشک پہ سایہ — شاخیں ہوئیں سرسبز نئے سر سے نکل کر
ہے آتش حسن اس بت کافر کی جہاں سوز — یہ آگ غضب پھیلی ہے پتھر سے نکل کر
اے کاش وہیں ڈوب مریں شرم گنہ سے — جنت میں نہ ہم جائیں گے کوثر سے نکل کر
محفل میں بٹھایا پھر انہیں کھینچ کے دامن — وہ چھپ کے چلے تھے مرے سر پر سے نکل کر
اس ترک نگہ کو نہیں مژگاں کا سہارا — لڑتے ہوئے دیکھا اسے لشکر سے نکل کر

دلی سے چلو داغؔ کرو سیر دکن کی
گوہر کی ہوئی قدر سمندر سے نکل کر

۹۱

شامت مری دل ان کو دکھایا نکال کر — چلتے ہوئے وہ جیب میں چپکے سے ڈال کر
مرگ رقیب کا نہ زیادہ ملال کر — تیرا کدھر خیال ہے اپنا خیال کر
الفت کی ہم بلا میں پھنسے دیکھ بھال کر — دل کو غضب میں ڈال دیا آنکھ ڈال کر
مجھ کو دیا ہے گرچہ لب یار نے جواب — آنکھیں یہ کہہ رہی ہیں دوبارہ سوال کر
کیا کوئی اس کنائے کو پہچانتا نہیں — دیتے ہو گالیاں مجھے غیروں پہ ڈال کر

ان سنگ دل بتوں کو نہ اے داغؔ رحم آئے
رکھ دے جو کوئی اپنا کلیجا نکال کر

۹۲

کہتے ہیں وہ یہ وصف گل نوبہار پر — "طرہ ہے اپنی ایک جوانی ہزار پر"
قاتل نے میرے اپنی ہدایت کے واسطے — لکھا گذشتہ سن مری لوح مزار پر

دل مر گیا ہے جب سے ہمارا یہ حال ہے — طاری ہو جیسے سوگ کسی سوگ گوار پر

اس کو مٹائے دیتی ہے بے داد آپ کی — اب کیجئے کرم ستم روزگار پر

تڑپائیں تلبہ حشر اگر ان کا بس چلے — لوٹے ہوئے ہیں میرے دل بے قرار پر

پیغام بر رقیب بنے یہ خبر نہ تھی — دنیا کے کام ہوتے ہیں سب اعتبار پر

ملتے ہیں کچھ کچھ اس بت کم سن کے رنگ ڈھنگ — آتا ہے پیار اس دل ناکردہ کار پر

حسرت بھی ان میں بند، تمنا بھی اس میں بند — مہریں لگی ہوئی ہیں دل داغ دار پر

ساقی کو صرفہ اور یہ ہے مے کشوں کو پیاس — پڑتے ہیں ہاتھ جام مئے خوش گوار پر

اتنے سے دل میں ایک زمانہ کی خواہشیں — بھولا ہوا ہوں زندگی مستعار پر

بے ڈھب گھرا ہوا ہے، پھنسا ہے بری طرح — اللہ رحم کرے دل ناکردہ کار پر

ہوتا ہے سب کا ایک اشارے میں فیصلہ — وہ چشم شوخ بند نہیں ہے ہزار پر

تم کو تو آرزو کی خلش بھی نہیں ہوئی — کیا جانو کیا گذرتی ہے امیدوار پر

وہ رفتہ رفتہ ہاتھ کے چالاک ہو گئے — رکھ رکھ کے ہاتھ میرے دل بے قرار پر

پیری میں دل ہے یاد جوانی سے داغ داغ — آئی ہوئی ہے اپنی خزاں بھی بہار پر

امید اس کی ذات سے اے داغ چاہیئے
سب منحصر ہے رحمت پروردگار پر

۹۴

جانچ لو ہاتھ میں پہلے دل شیدا لے کر — نہیں پھرنے کا مری جان یہ سودا لے کر

ناز ہوتا ہے انہیں مال پرایا لے کر — دون کی لیتے ہیں میرا دل شیدا لے کر

مجھ گراں بار محبت کے بنیں لاکھ مزار — پہنچوں جنہ ، سہارے پہ سہارا لے کر

وقت اظہار محبت بہت اتراتی ہے — دل کے بوسے ری جانب سے تمنا لے کر

آگیا حضرت ناصح سے مرا ناک میں دم — روز آتے ہیں نئی طرح کا جھگڑا لے کر
دل کا سودا جو کرے تم سے وہ سودائی ہے — دام دیتے ہی نہیں مال پرایا لے کر
خاک کر دے تپ غم آگ لگا کر مجھ کو — دوش نازک پہ چلے کیوں وہ جنازا لے کر
جان کر نامہ محبوب کیا استقبال — جب کسی شخص کا پرچہ کوئی آیا لے کر
رکھ دیا ہاتھ مرے منہ پہ بت کافر نے — صبح اٹھنے نہ دیا نام خدا کا لے کر
تم سے کیا واسطہ، کیوں مہر و وفا کی ہے تلاش — دو گے کیا غیر کو یہ حصہ ہمارا لے کر
سن کے وہ حال مرا غیر سے فرماتے ہیں — "آئے ہیں آپ محبت کا سندیسا لے کر"
خنجر غمزہ و تیغ نگہ و تیر ادا — آئیں گے قتل کا سامان وہ کیا کیا لے کر
کیا لگاتے ہیں وہ اس چیز کی قیمت دیکھیں — جائیں ہم آج وہاں دل کا نمونا لے کر

آنکھ کا ہے یہ اشارہ کہ نہ چھوڑیں دل کو — منہ سے کہتے ہیں کرے کوئی اسے کیا لے کر
دست مژگاں نہ سنبھالے تو نہ سنبھلے ہرگز — چشم بیمار بھی اٹھتی ہے سہارا لے کر
زلف نے باندھ لیں مشکیں تو دل مجرم کی — یہ بھی احسان ہے گر چھوڑ دے بدلا لے کر
گھر سے نکلو تو سہی، آنکھوں سے دیکھو تو سہی — اقربا آئے ہیں عاشق کا جنازا لے کر
میں وہ بیمار ہوں جی جاؤں اگر یہ سن لوں — قتل کو آئے ہیں تلوار مسیحا لے کر
ہے سیہ بختی مہجور بھی بڑھتی دولت — تو روانہ ہوا اسے اے شب یلدا لے کر
ایسے لینے سے تو ہے جان کا دینا اچھا — کیا جیے گر جیے احسان کسی کا لے کر
دیکھتا ہے کبھی منہ اور کبھی سوئے فلک — آئینہ ہاتھ میں وہ آئینہ سیما لے کر
خط کے لے جانے سے ایمان نہیں جانے کا — کوئی جاتا ہی نہیں بندہ خدا کا لے کر
کیا تماشا ہے کہ جب غیر سے ہوتے ہیں خفا — گالیاں دیتے ہیں وہ نام ہمارا لے کر
مہربانی سے تری وصل میں یہ دھڑکا ہے — نہ نکل جائے دل کو تمنا لے کر
گم ہوا ہے، نہیں ملتا کہیں قاصد کا پتا — اڑ گیا خط کے عوض کیا پر عنقا لے کر

اپنی آنکھوں سے تو دیکھی نہیں دل کی چوری
کیوں گنہ گار ہوں میں نام کسی کا لے کر

شرط انصاف ہے یہ داغ کا دعویٰ ہے بجا
آدمی عشق کرے نام ہمارا لے کر

۹۴

یوں برس پڑتے ہیں کیا ایسے وفاداروں پر
رکھ لیا تو نے تو عشاق کو تلواروں پر

منحصر قدر ہے رحمت کی گنہ گاروں پر
مال کا مول ہے موقوف خریداروں پر

عطر افشاں تری زلفیں ہیں جو رخساروں پر
یہی روغن تو ٹپکتا ہے ان انگاروں پر

سینک دے آتش رخسار سے دل کی چوٹیں
عشق کی مار پڑی ہے ترے بیماروں پر

کوچہ یار سے برباد بھی ہو کر نہ گیا
خاک اڑ اڑ کے مری جم گئی دیواروں پر

اشک خجلت کسی میکش کے جو دوزخ میں گرے
اوس پڑ جائے دہکتے ہوئے انگاروں پر

لے کے بوسے کسی بے رحم نے ڈالے ہیں نشاں
کاکلیں چھوٹی ہیں اس واسطے رخساروں پر

محتسب توڑ کے شیشہ نہ بہا مفت شراب
ارے کم بخت! چھڑک دے اسے مے خواروں پر

آگ تلووں سے لگی بزم عدو میں یارب
فرش گل پر ہیں مرے پاؤں کہ انگاروں پر

آگئی نغمہ لیلیٰ کی صدا کانوں میں
قیس کا ہاتھ پڑا جیب کے جب تاروں پر

"کیوں تڑپنے نہ دیا اس کو" وہ یہ کہتے ہیں
خفگی مجھ سے سوا ہے مرے غم خواروں پر

کل تمہیں داور محشر سے یہ کہنا ہو گا
رحم کر رحم کر محبت کے گنہ گاروں پر

خوف رنداں سے یہ ہے بزم میں زہاد کا حال
سب کے سب ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں دستاروں پر

عاشق آئے ہیں کہ دیوانوں کا لشکر آیا
کیا چڑھائی ہے ترے کوچے کی دیواروں پر

حشر کے روز بھی ایک ایک کی پہچان رہے
کچھ بنا دیجئے نشاں اپنے طلب گاروں پر

ایسی دیکھی نہ سنی عاشقی و معشوقی
جان جاتی ہے اجل کی ترے بیماروں پر

داغ کا عشق بھی دنیا سے نرالا دیکھا
دل جب آتا ہے تو آتا ہے دل آزاروں پر

۹۵

مزے لوں درد کے میں تھوڑے ظلم سہہ سہہ کر
ستم کیجئے تو تھم تھم کر، جفا لیجئے تو رہ رہ کر

ملے تھے آج مدت میں بہت روئے، بہت تڑپے
وہ درد عشق سن سن کر، ہم اپنا درد کہہ کہہ کر

ہوئی ہے شمع محفل تو شریک گریہ عاشق
تجھے اے قلقل مینا کہا تھا کس نے قہ قہ کر

چھپایا زلف نے چہرہ تو شوخی نے کیا ظاہر
ہزاروں بار نکلا وصل کی شب چاند گہہ گہہ کر

تڑپنے میں مزہ آتا ہے اس کم بخت کے ہم کو
اگر دل یاس سے بیٹھا ابھارا ہم نے کہہ کہہ کر

ٹھکانا کیا ہے جب جوش بہت جوش پر آئے
جناب خضر کی بھی ناؤ ڈوبے اس میں بہہ بہہ کر

یہ جانا تھا نہ آئیں گے تو کیوں جانے دیا ان کو
یہی اے داغ پچھتاوا مجھے آتا ہے رہ رہ کر

۹۶

میرے دل کو دیکھ کر، میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

دل لگاتا تھا زمانے کی ہوا کو دیکھ کر
آشنا کو دیکھ کر ناآشنا کو دیکھ کر

کوچہ دشمن سے یہ آتی نہ ہو یارب کہیں
جی اڑا جاتا ہے کچھ باد صبا کو دیکھ کر

میں نے پوچھا تھا ملو گے دن کو تم یا رات کو؟
مسکرائے اپنی وہ زلف دوتا کو دیکھ کر

ہم انہیں آنکھوں سے دیکھیں گے ترا حسن و جمال
گر یہی آنکھیں رہیں اپنی خدا کو دیکھ کر

گر دل مشتاق کو دیکھا بھی تو بے اختیار
دوڑتے ہیں ہاتھ اس بند قبا کو دیکھ کر

اب تو دیکھا تم نے اپنے داد خواہوں کا ہجوم
اب تو آنکھیں کھل گئیں روز جزا کو دیکھ کر

بدگماں میری طرف سے ہیں وہ مجھ سے بھی سوا
راہ چلتے ہیں تو میرے نقش پا کو دیکھ کر

گردش گردوں کا باعث اور کچھ کھلتا نہیں
بھاگتا پھرتا ہے یہ تیری جفا کو دیکھ کر

حضرت زاہد ہماری چھیڑ کی عادت نہیں
گدگدی ہوتی ہے دل میں پارسا کو دیکھ کر

کوچہ جاناں کے بدلے کوئے دشمن میں نہ جائے
خاک ہونا ہے ہمیں لیکن ہوا کو دیکھ کر

ہم مٹے جس پر تری بے ساختہ وہ بات تھی
تو بھی عاشق ہو ہی جاتا اس ادا کو دیکھ کر

غیر نے کی بے وفائی، سب کی شامت آگئی
آگ ہو جاتے ہیں وہ اہل وفا کو دیکھ کر

زندگی سے تنگ تھا فرقت میں اللہ رے خوشی
جان میں جان آگئی پیک قضا کو دیکھ کر

دل ربا ہے شرم بھی شوخی بھی دل کس کس کو دوں
اس ادا کو دیکھ کر یا اس ادا کو دیکھ کر

پیشتر ان کو گماں تھا جب نہ دیکھی آرزو
پھر تو گھبرائے دل بے مدعا کو دیکھ کر

خوب تھی تنہا طریق عشق میں آوارگی
پاؤں پھولے ہیں ہمارے رہ نما کو دیکھ کر

مختصر یہ ہے ملا اتنا مرے خط کا جواب
کلث ڈالا اس نے حرف مدعا کو دیکھ کر

اس نے حیرت سے کہا دیکھی جو لیلیٰ کی شبیہہ
"قیس دیوانہ ہوا تھا اس بلا کو دیکھ کر"

غیر نے مہندی لگائی اس کے ہاتھوں میں جو داغ
خون آنکھوں میں اتر آیا حنا کو دیکھ کر

۹۷

یہاں تک تو پہنچا گریباں سے بڑھ کر
کہاں جائے گا چاک، داماں سے بڑھ کر

خلش گر نہیں کوئی مژگاں سے بڑھ کر
کھٹکتی ہے یہ پھانس پیکاں سے بڑھ کر

نکلتا نہیں پاؤں وحشت زدوں کا
نہیں کوئی زنداں بیاباں سے بڑھ کر

عجب مرتبہ کافر عشق کا ہے
ملی دوت کفر ایماں سے بڑھ کر
نہ پوچھو اسے "کون ہے؟" کیا بتائیں
مگر ایک دیکھا ہے شیطاں سے بڑھ کر
عجب بے خلش زندگی ہو رہی ہے
دیا یاس نے لطف ارماں سے بڑھ کر
ہوا بھی اگر کچھ تو دو چار پل ہے
قیامت کا دن روز ہجراں سے بڑھ کر
وہ کہتے ہیں اپنے بھی تیر نظر کو
چلا ہے کہاں میری مژگاں سے بڑھ کر
ابھی اے دل آشفتگی تیری کیا ہے
پریشان ہو زلف پریشاں سے بڑھ کر
نہ لے ڈینگ کی دل خدنگ نگہ سے
نہیں بولتے ایسے مہماں سے بڑھ کر
کریں غیر کی اور تعریف کیا ہم
وہ ہے سنگ دل تیرے درباں سے بڑھ کر
مری پیشوائی وہاں کون کرتا
لیا موت نے کوئے جاناں سے بڑھ کر
اگر پیشتر اپنے وعدے سے آؤ
یہ احسان ہو عہد و پیماں سے بڑھ کر
فرشتوں کو نسبت نہیں عشق میں کچھ
نہ انساں سے گھٹ کر نہ انساں سے بڑھ کر
یہ حوروں پہ مرتا ہے بے دیکھے بھالے
نہیں کوئی عاشق مسلماں سے بڑھ کر

دیا مفت دل داغ نے اس پری کو
نہیں کوئی نادان انساں سے بڑھ کر

۹۸

اپنی نظر میں ہیچ ہے سارے جہاں کی سیر
دل خوش نہ ہو تو کس کا تماشا کہاں کی سیر
اب تک تو دیکھتے رہے جوبن بہار کا
آئندہ ہم کریں گے تمہاری خزاں کی سیر
باب قبول تک نہیں پہنچی ہماری آہ
پھر پھر کے کر رہی ہے ابھی آسماں کی سیر
سیر خزاں بھی دیدۂ عبرت نگر کرے
کیا کی جو کی بہار گل و گلستاں کی سیر

دل میں کبھی، جگر میں کبھی ہے نگاہ یار
دیکھے تو کوئی آنکھ سے اس مہماں کی سیر

دنیا کے دیکھنے کے لئے آنکھ چاہئے
جنت کی سیر سے ہے سوا اس مکاں کی سیر

پتا کھڑک گیا تو وہ لپکا اسی طرف
دیکھی تمام رات عجب پاسباں کی سیر

کچھ جھومتے ہیں نشے میں کچھ ہیں گرے پڑے
کچھ اور ہی ہے محفل پیر مغاں کی سیر

کس پر جمائے آنکھ خریدار کیا کرے
بازار حسن میں ہے نئی ہر دکاں کی سیر

ہم جانتے تھے یہ کہ انہیں خوف آئے گا
وہ دیکھتے ہیں نالہ آتش فشاں کی سیر

کیوں دیکھنے لگے مری چشم پر آب کو
دریا پہ آپ کیجئے آب رواں کی سیر

کیوں آدمی کو عالم بالا کی ہو ہوس
بڑھ کر نہیں زمین سے کچھ آسماں کی سیر

دلی میں پھول والوں کی ہے ایک سیر داغ
بلدے میں ہم نے دیکھ لی سارے جہاں کی سیر

طعنہ زن کیوں کر نہ ہو گلزار پر
چوٹ ہے اپنے دل افگار پر

جب وہ آئے شوخی گفتار پر
چل گئی چال اپنی بھی رفتار پر

صبح کو وہ جاگ کر پھر سو رہے
رہ گیا ہے آئینہ رخسار پر

اٹھ نہیں سکتی حیا کے بوجھ سے
رحم آتا ہے نگاہ یار پر

کس کو تھا محشر میں خوف باز پرس
ہاتھ دوڑا دامن دلدار پر

روکتا ہے جب ہمیں دربان یار
شعر لکھ آتے ہیں ہم دیوار پر

ہجر میں ہر سانس ہے اک تیغ تیز
زندگی تلوار کی ہے دھار پر

دوست لائے اس گلی سے جب مجھے
جم گیا سایہ مرا دیوار پر

ضبط سے اشکوں کے طاقت آگئی
پھر گیا پانی دل بیمار پر

زلف عارض پر نہ چھوڑو رات دن — جھائیاں پڑ جائیں گی رخسار پر
جیتے جی کا یہ بھی اک آزار ہے — صبر کرنا وعدۂ دیدار پر
مہربانی اس سے ہو سکتی نہیں — مہر کر دی کیا دل دلدار پر
چشم جاناں سے الگ ہو اے حیا — یوں جھکا پڑتے نہیں بیمار پر
دیکھ پائے جن میں مضمون وصال — معترض ہیں وہ انہیں اشعار پر

داغ کا کیوں غم کیا؟ کہتے ہیں وہ
سب برسے میرے ماتم دار پر

ردیف ز

۱۰۰

یا خواجہ معین الدین چشتی، سلطان الہند غریب نواز
یا واقف راز خفی و جلی، سلطان الہند غریب نواز

آگاہ ہو میرے حال تم سے، گم کردہ خرد ہوں ہوش ہیں گم
دشمن ہیں پئے آزار دہی، سلطان الہند غریب نواز

فریاد تمہیں سے ہے میری، تکلیف سہی کیسی کیسی
ہو داد طلب کی داد رسی، سلطان الہند غریب نواز

منہ عیش و طرب نے پھیر لیا، دن رات کے غم نے گھیر لیا
سب دور ہوں میرے رنج دلی، سلطان الہند غریب نواز

دل اور جگر خم خانہ عشق، آنکھیں ہوں مری پیمانہ عشق
اے عاشق زار خدا و نبی، سلطان الہند غریب نواز

لائی ہے مجھے امید کرم اس خاک کی اس در کی ہے قسم
آیا ہوں پئے حاجت طلبی، سلطان الہند غریب نواز
کیا میری زباں، کیا میرا بیاں، میں ہیچ مداں، تم پر قرباں
کہتے ہیں ملک بھی تم کو یہی، سلطان الہند غریب نواز
یہ داغ کہاں تک رنج سہے تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آل نبی، اولاد علی، سلطان الہند غریب نواز

۱۰۱

چبھتا ہے مرے دل میں ترے ناز کا انداز
آزار کا آزار ہے، انداز کا انداز
کیا جھوم کے مستانہ چلا جانب مقتل
دیکھو تو ذرا عاشق جاں باز کا انداز
تم بات میں کر دو گے دل مردہ کو زندہ
ہونٹوں سے ٹپکتا ہے وہ اعجاز کا انداز
کیا جان کسی کی ہے نظر بھر کے جو دیکھے
انداز پھر اس دلبر طناز کا انداز
دروازے پر آہی گئے وہ میری صدا سے
ملتا تھا بہت غیر کی آواز کا انداز
نقش قدم یار بھی کرتا ہے مسخر
رفتار میں ہے چشم فسوں ساز کا انداز
خط پھینک کے سہما ہوا آتا ہے کبوتر
اگلا سا نہیں ہے پر پرواز کا انداز
دنیا میں کسے محرم اسرار بنائیں
ہے ایک ہی غماز کا، ہم راز کا انداز
تم بزم میں یوں غیر کو سر پہ نہ بٹھاؤ
محدود ہے ہر شخص لے اعزاز کا انداز
ہم کہتے نہ تھے جان پہ بن جائے گی اے دل
دیکھ اور نگاہ غلط انداز کا انداز
یوں زیر زمیں خاک میں اچھوں کو ملاتا
ٹھہرا فلک تفرقہ پرداز کا انداز
میں اس سے بھی خوش ہوں کہ تری طرز جفا سے
ملتا ہے مرے طالع ناساز کا انداز

اے داغ مقلد ہیں اسی طرز کے ہم بھی
ہر شعر میں ہو بلبل شیراز کا انداز

ردیف س

۱۰۴

عرض کرتے ہم جو ہوتے حضرت آدمؑ کے پاس
آدمی وہ ہے کہ دنیا میں نہ پھٹکے غم کے پاس

چارۂ زخم محبت کیا کروں یہ فکر ہے
رکھ لیا تیزاب بھی جراح نے مرہم کے پاس

نقد دل رکھ کر گرہ میں ہو گیا ہے مال دار
اس سے پہلے کیا دھرا تھا گیسوئے پرخم کے پاس

کہتی ہے چشم سخن گو سحر پردازی کے ساتھ
کیوں یہ جادو تو نہیں تھا عیسیٰؑ مریم کے پاس

جان میں جان آگئی ہے آج ان کو دیکھ کر
دوسرا اک اور بھی دم ہے ہمارے دم کے پاس

تعزیت کو میری وہ آئے تو گھبرا جائیں گے
چاہیے بزم طرب بھی مجلس ماتم کے پاس

ہم ہیں لہری بندے' آئے' پی پلا کر چل دیے
جس کو لالچ ہو وہ ساقی جم کے بیٹھے جم کے پاس

جب سے آیا ہے پیام شوق کا لے کر جواب
بدگمانی بیٹھنے دیتی نہیں ہم دم کے پاس

تیرے بیماروں کا چوتھے آسماں پر ہے دماغ
کوئی لے جائے انہیں اب عیسیٰ مریمؑ کے پاس

ہاتھ آیا چور، لے کر یہ رقم چلتا نہ ہو
آپ کی انگلی میں ہے دزد حنا خاتم کے پاس

دیکھ کر فیاض کو کھلتی ہے کیا طبع بخیل
موت تھی قارون کی ہوتا اگر حاتم کے پاس

ہاتھ میں طاقت نہیں کیا کیجئے اخفائے راز
رہ گیا آ آ کے دامن دیدۂ پرنم کے پاس

کون سی خوبی ہے اس میں پوچھتا بھی ہے کوئی
داغ جیسا دل ہے تیرے پاس ہے عالم کے پاس

۱۰۳

برسوں رہا ہوں میں کسی نازک بدن کے پاس
کیا جی لگے نہال گل و یاسمن کے پاس

دل ہے مرا ہر ایک رفیق کہن کے پاس
جتنا وطن سے دور ہوں اتنا وطن کے پاس

کامل ہو عشق پاک تو پرویز سا رقیب
شیریں کو لائے شوق سے خود کوہ کن کے پاس

وہ نازکی سے مجھ پہ نہ افسوس کر سکے
انگشت حیف رہ گئی آکر دھن کے پاس

اے بے کسی! رہے گی نہ بے پردہ اپنی لاش
میت خود اڑ کے جائے گی گور و کفن کے پاس

نظروں سے اس نے کام لیا صید گاہ میں
جب تیر ہو چکے بت ناوک فگن کے پاس

ویراں پڑا ہے دل تو کلیجا ہے داغ دار
جنگل لگا ہوا ہے ہمارے چمن کے پاس

غربت سے ہم پھریں تو کہیں پھر پلٹ نہ جائیں
احباب کچھ نشان بنا دیں وطن کے پاس

خسرو کے ہاتھ عشق کی دولت نہ آسکی
وہ مال کوہ کن کا رہا کوہ کن کے پاس

جتنا تھا شوق بوسے کا اتنا ہی خوب تھا
جاجا کے رہ گیا دھن اس کے دھن کے پاس

ہوتی ہے اس کے منہ کی بھی ہر بات دل شکن
ناصح رہا ہے کیا بت پیماں شکن کے پاس

بچ کر چلے وہ سایہ دیوار سے بھی دور
آنکلے گر کبھی مرے بیت الحزن کے پاس

ظالم کہاں سے تیری طبیعت میں بل پڑا
کیا یہ نہیں تھا زلف شکن در شکن کے پاس

ہے لاکھ شکر کہ اے داغ آج کل
آرام سے گذرتی ہے شاہ دکن کے پاس

آزمایا ہے مدام آپ کو بس بس، اجی بس
دونوں ہاتھوں سے سلام آپ کو بس بس، اجی بس

آپ کی بندہ نوازی ہے جہاں میں مشہور
جانتا ہے یہ غلام آپ کو بس، بس اجی بس

منہ نہ کھلوایئے میرا یونہی رہنے دیجئے
یاد بھی ہے، وہ کلام آپ کو بس بس، اجی بس

کوچہ غیر ہی میں زور نزاکت بھی ہوا
وہیں کرنا تھا قیام آپ کو بس بس، اجی بس

کیا برے ڈھنگ میں کوئی نہیں اچھا کہتا
غیر بھی رکھتے ہیں نام آپ کو بس بس، اجی بس

ہم نے کل دیکھ لیا، دیکھ لیا، دیکھ لیا
کہیں جاتے سرشام آپ کو بس بس، اجی بس

طالب وصل ہو کیوں کوئی جو دشنام سنے
کون بھیجے یہ پیام آپ کو بس بس، اجی بس

حیلہ مہر و وفا پر نہ تامل نہ درنگ
اور وعدے میں کلام آپ کو بس بس، اجی بس

پیجئے خون جگر اپنا جناب زاہد
بادہ و ساغر و جام آپ کو بس بس، اجی بس

کیجئے ہاتھ لگا کر جو مرا کام تمام
یہ بھی آتا نہیں کام آپ کو بس بس، اجی بس
یہ تو کہئے کہ نشان اس کا مٹایا کس نے
یاد ہو داغ کا نام آپ کو بس بس، اجی بس

ردیف ش

۱۰۵

سر کو ہے تیرے سنگ در کی تلاش — پاؤں کو تیری رہ گزر کی تلاش
مجھ کو ہے اپنے نامہ بر کی تلاش — نامہ بر کو ہے ان کے گھر کی تلاش
نہ ملا ہم کو تو وہ ہرجائی — گئی بے کار عمر بھر کی تلاش
جوش کھاتا ہے سینے میں کیا کیا — خون دل کو ہے چشم تر کی تلاش
طالب وصل ہم، وہ در پے قتل — ہے برابر ادھر ادھر کی تلاش
نکلی پڑتی ہے کیوں تری تلوار — اس کو رہتی ہے کس کے سر کی تلاش
چار سو پھرتی ہے جو اس کی نگاہ — ہے کسی دل کی یا جگر کی تلاش
چاہتی ہے نزاکت اپنی نمود — ہے اسے بھی تری کمر کی تلاش
میری ہمت کے پاؤں ٹوٹ گئے — اب کہاں ہے وہ پیشتر کی تلاش
اہل دنیا کو ہو گی جنت میں — کبھی شب کی کبھی سحر کی تلاش
منزل عشق در کنار رہی — چاہئے پہلے راہ بر کی تلاش
یا خدا حشر میں مرا کیا کام — لائی ہے ایک فتنہ گر کی تلاش
یہ خرابہ خراب کرتا ہے — نہ کرے کوئی سیم و زر کی تلاش

کن حجابوں میں اس کو پایا ہے	کیوں نہ ہو واہ رے بشر کی تلاش
روز لکھتا ہوں اک نیا نامہ	روز رہتی ہے نامہ بر کی تلاش
ڈھونڈ لیتی ہے لاکھ میں یکتا	کوئی دیکھے مری نظر کی تلاش
میرے حال زبوں سے گھبرا کر	چارہ گر کو ہے چارہ گر کی تلاش

حضرت داغ کا یہ سن شریف
اور پھر شوخ سیم بر کی تلاش

ردیف ص

۱۰۶

کوئی ان سے کرے ہزار اخلاص	جانتے ہی نہیں وہ پیار اخلاص
ناگوار آپ کو ہے اتنا ہی	جس قدر مجھ کو خوش گوار اخلاص
کرتے ہیں وہ ہزار بار ستم	اور بھولے سے ایک بار اخلاص
وہ جھڑکتے ہیں بار بار ہمیں	ہم جتاتے ہیں بار بار اخلاص
چھوڑتی ہی نہیں کسی صورت	دل سے رکھتی ہے زلف یار اخلاص
تم وہی ہو جنھوں نے قتل کیا	نہ جتاؤ سر مزار اخلاص
گو زباں سے کریں وہ رنج اظہار	ہے نگاہوں سے آشکار اخلاص
ان سے بیگانہ وار رہنا تھا	نہ ہوا ہم کو سازگار اخلاص

داغ! ان دلبران پر فن سے
نہ کرے کوئی زینہار اخلاص

۱۰۷

وصل چاہوں تو کہیں "رہنے دے اپنا اخلاص
یہ مرے ساتھ نکالا ہے کہاں کا اخلاص"

غیر سے ملتے ہو چھپ کر یہ کھلا ہے ہم پر
واہ! بس دیکھ لیا ہم نے تمہارا اخلاص

اب کدورت ہوئی مشہور خدا کی قدرت
دھوم تھی جس کی وہ تھا میرا تمہارا اخلاص

جب کبھی دیکھتے ہیں عاشق و معشوق میں ربط
جل کے وہ کہتے ہیں "کس کام کا ایسا اخلاص"

اس لئے سورۂ اخلاص نہیں پڑھتے وہ
کہ نہ ہو جائے کسی شخص سے اپنا اخلاص

تیری بات وہ کیا ہے جو وہ منظور کریں
نہ گوارا انہیں رنجش، نہ گوارا اخلاص

پیار اخلاص کی باتیں ہوں مزہ ہے اس کا
رنج سے رنج تو اخلاص سے ہو گا اخلاص

قصہ لیلیٰ و مجنوں جو سنایا تو کہا
"اگلے وقتوں کا نہیں سنتے پرانا اخلاص"

تم تو نادان ہو انکار کئے جاتے ہو
وصل سے اور بھی بڑھ جائے گا دونا اخلاص

واجب القتل ہیں اغیار اگر غور کرو
یہ جتاتے ہیں یونہی مفت کا جھوٹا اخلاص

غیر منہ آتے ہیں مجھ پر یہ خبر بھی ہے انہیں
نہ مری ان کی کدورت، نہ کسی کا اخلاص

اب رقیبوں کی شکایت ہے ہمارے آگے
کہہ دیا تھا کہ بڑھاتے نہیں اتنا اخلاص

کل سے آج، آج سے کل ہو گی محبت بڑھ کر
رفتہ رفتہ یونہی ہو جائے گا پورا اخلاص

مجھ سے ملنا ہے اگر ملئے خلوص دل سے
آپ ظاہر کا جتاتے ہیں یہ کیسا اخلاص

داغ سا مخلص خالص نہ ملے گا تم کو
اس کا اخلاص، پھر اس درجے کا ایسا اخلاص

ردیف ض

۱۰۸

بے داد و جور و لطف و ترحم سے کیا غرض
تم کو غرض نہیں تو ہمیں تم سے کیا غرض

کیوں ہم شب فراق میں تارے گنا کریں
ہم کو شمار اختر و انجم سے کیا غرض

کوئی ہنسا کرے تو بلا سے ہنسا کرے
کیوں دل جلائیں، برق تبسم سے کیا غرض

لیتے ہیں جاں نثار کوئی منت مسیح
جو ہو شہید عشق اسے قم سے کیا غرض

جو خاکسار عشق ہیں ملتے ہیں خاک میں
اہل زمیں کو چرخ چہارم سے کیا غرض

دل طرز انجمن ہی سے بیزار ہو گیا
مطلب ہمیں شراب سے کیا، خم سے کیا غرض

کیوں بزم عیش چھوڑ کے بزم عزا میں آئیں
ان کو ہمارے پھولوں سے چہلم سے کیا غرض

روز ازل سے پاک ہیں رندان بے ریا
ان کو وضو سے اور تیمم سے کیا غرض

شیدائیوں کو عزت دنیا سے ننگ ہے
دیوانے کو ملامت مردم سے کیا غرض

معشوق سے امید کرم؟ داغ خیر ہے
اس بندۂ خدا کو ترحم سے کیا غرض

۱۰۹

کرتے ہیں وہ تمام حسینوں پر اعتراض
پھر وہ بھی اس طرح کہ نہ اٹھے ہر اعتراض

لکھا جواب خط نہ جدا میرے خط ہی پر
اس نکتہ چیں نے بھیج دیئے لکھ کر اعتراض

اٹھکھیلیوں کی چال سے چلنا نہ حشر میں
عالم کرے گا تم پہ سر محشر اعتراض

اہل زباں کی قدر تو اہل زباں کو ہے
بے سوچے سمجھے ہونے لگے گھر گھر اعتراض

اے داغ کیوں حریف کو ہو اس سے فائدہ
کرتے نہیں سخن ور دانش ور اعتراض

ردیف ط

۱۱۰

آج ٹھہرے مری تمہاری شرط — وصل کی شرط بھی ہے پیار کی شرط
شرط بھی اور پھر تمہاری شرط — جیت لی تم نے، میں نے ہاری شرط
بے ستوں کاٹتا نہ کیوں فرہاد — کہ محبت کی تھی یہ بھاری شرط
اشک غماز ہو تو کیا کیجئے — ہے محبت میں راز داری شرط
دل لگی کیا کریں وہ دل نہ رہا — جس بنا پر ہوئی تھی ساری شرط
دل رباؤں کو ہے جفا لازم — دل فگاروں کو بے قراری شرط
کیوں نہ دشمن کو دشمنی ہو فرض — دوست کو جب ہو دوستداری شرط
اور سنئے وہ مجھ سے کہتے ہیں — "حشر کے دن ہے جاں نثاری شرط"
ہو یہ عادت نہ باعث غفلت — ہے تغافل میں ہوشیاری شرط
کام عشاق کا تمام کیا — خوب پوری ہوئی تمہاری شرط
جوش رحمت کے واسطے زاہد — ہے ذرا سی گناہ گاری شرط
غیر لاکھوں میں بے وفا نکلے — آیئے آپ کی ہماری شرط

بدگمانوں سے عشق کا دعویٰ
واہ اے داغ خوب ہاری شرط

ردیف ظ

۱۱۱

ہے یہاں بھی اس بت کافر کو نخوت، الحفیظ
الحفیظ اے داور روز قیامت، الحفیظ

کس طرح سے ہو بسر یارب دیار عشق میں
ہر بلا پر ہے بلا، آفت پر آفت، الحفیظ

تیری تمکیں کم نہ تھی کچھ مار کھانے کے لئے
اور پھر اس پر یہ شوخی، یہ شرارت، الحفیظ

جس نے دیکھا اس کے عاشق کو کہا بے اختیار
تیرے بندے پر الٰہی یہ مصیبت، الحفیظ

میں وہ عاصی ہوں اگر بخشا گیا تو کیا عجب
دیکھ کر مجھ کو پکاریں اہل جنت، الحفیظ

جل گئے ہم جل گئے اے داغ فرقت الاماں
اف رے اف اے آتش سوز محبت، الحفیظ

خاک میں گھر مل گیا، دل مل گیا، ہم مل گئے
اور تجھ کو ہے وہی اب تک کدورت، الحفیظ

آئینہ جب دیکھتا ہوں ہجر میں کہتا ہوں میں
آدمی کی ایسی ہو جاتی ہے صورت، الحفیظ

عاشق مظلوم کے لاشے کو ہنس کر دیکھنا
تو ہے کتنا سنگ دل، اے بے مروت، الحفیظ

آدمی کی تاب کیا جو دل سنبھالے، ہوش ہوں
اس ادائے جاں ستاں پر ایسی صورت، الحفیظ

ایک بجلی تھی ادا اس شعلہ رو کی، دیکھئے
ہو گئی اتنے میں کیسی دل کی حالت، الحفیظ

دے شفا تو داغ کو یارب بحق مصطفیٰ
الحذر یہ درد و بیماری کی شدت، الحفیظ

ردیف ع

۱۱۲

ہیں بہت سے عاشق دل گیر جمع
تیرے ترکش میں ہیں کتنے تیر جمع

اچھی صورت سے ہمیں بھی عشق ہے
کرتے ہیں تصویر پر تصویر جمع

کوچہ قاتل میں آفت آگئی
جب ہوئے دوچار بھی رہ گیر جمع

یا لگا دو آگ یا لکھ دو جواب
ہو گیا ہے دفتر تحریر جمع

چومتے ہیں تیرے دیوانے کے پاؤں
جس قدر میں حلقہ زنجیر جمع

تھوڑی تھوڑی ہی ملے اس در کی خاک
چٹکی چٹکی ہم کریں اکسیر جمع

پھر کرے چو رنگ وہ قاتل مجھے
پھر ہوں سب اعضا تہ شمشیر جمع

دیکھ کر صورت مرے صیاد کی
ایک جا ہوتے نہیں نخچیر جمع

بے مقدر خاک بھی بنتا نہیں
گر ہوں لاکھوں نسخہ اکسیر جمع

خون دل کا چشم تر ٹھیکا نہ لے
اس سے ہونے کی نہیں توفیر جمع

تیری قسمت میں ستارے ہیں کہاں
کوڑیاں کیں تونے چرخ پیر جمع

بدلی زاہد نے نئی پوشاک روز
کس قدر ہیں جامعہ تزویر جمع

تیری محفل کوئی جادو گھر ہوئی
ہیں ہزاروں صاحب تسخیر جمع

حلق پر میرے چھری پھرتی نہیں
کیجئے خاطر دم تکبیر جمع

کیا خلش کرتی ہیں دل میں حسرتیں
ہو گئے گویا ہزاروں تیر جمع

کس طرح یک جا ہوں داغ اپنے عزیز
ہونے دیتی ہی نہیں تقدیر جمع

ردیف غ

۱۱۳

دیکھ کر وہ عارض رنگیں، ہے یوں دل باغ باغ
جیسے ہوں نظارۂ گل سے عنادل باغ باغ

بن گیا خون کف پا سے گلستاں خار زار
میں چلا صحرا میں گویا چند منزل باغ باغ

صورت غنچہ کھلی جاتی ہیں باچھیں کس قدر
کیا خوشی ہے، کس کو مارا، کیوں ہے قاتل باغ باغ

گلشن فردوس میں حوریں نظر آئی ہیں کیا
ہاتھ تلواروں کے کھا کر ہے جو بسمل باغ باغ

کیا کہوں اے ہم نشیں اس بزم رنگیں کی بہار
زیب محفل تھا وہ گل رو، اہل محفل باغ باغ

کون سے طائر کی ہے صیاد کو ایسی تلاش
ڈھونڈتا پھرتا ہے کیوں گلچیں کے شامل باغ باغ

جب کوئی طوفاں زدہ کشتی کنارے پر لگی
کس قدر دل میں ہوئے سب اہل ساحل باغ باغ

دیکھ کر آئینہ دونوں ہو گئے برہم یہ کیا
تم ادھر خوش ہو ادھر مد مقابل باغ باغ

پھر نہ پائے گی قیامت تک یہ اپنا آشیاں
عندلیب اس طرح کیوں پھرتی ہے غافل باغ باغ

جو ہمارے حق میں کانٹے بوئیں، صد افسوس ہے
تم پھرو گل گشت کرتے، ان کے شامل باغ باغ
اس کی خوش بو جب کسی گل میں نہ پائی آپ نے
پھر جناب داغ کیا پھرنے سے حاصل باغ باغ

ردیف ف

۱۱۴

کافر وہ زلف پر شکن، ایک اس طرف ایک اس طرف
پھر اس پہ چشم سحر فن، ایک اس طرف ایک اس طرف

ہنگام رحلت دیکھیے دل کس طرف اپنا جھکے
بیٹھے ہیں شیخ و برہمن ایک اس طرف ایک اس طرف

ہیں آسمان حسن کے روشن ستارے مہ جبیں
بازو پہ تیرے نورتن ایک اس طرف ایک اس طرف

دل کی، جگر کی جائے کیا۔ افسردگی، مژمردگی
زخم کہن، داغ کہن ایک اس طرف ایک اس طرف

زلفوں کی یہ سرگوشیاں، دل پر بلائیں لائیں گی
غماز ہے گرم سخن، ایک اس طرف ایک اس طرف

غیروں کا مجمع اور تم پریوں کا جمگھٹ اور ہم
پہلو بہ پہلو انجمن، ایک۔ اس طرف ایک اس طرف

دل ایک تنہا بیچ میں، آنکھیں تری سفاک دو
شمشیر زن، ناوک فگن، ایک اس طرف ایک اس طرف

میں مر گیا ہوں، وصل میں راحت ہو ہر پہلو مجھے
تکئے ہوں دو زیرِ کفن، ایک اس طرف ایک اس طرف

تو اور دھنے بائیں ہوں لیلی و شیریں بزم میں
میں اور قیس و کوہ کن، ایک اس طرف ایک اس طرف

بازو تو چھٹتے ہی نہیں صحرا کو کیوں کر جاؤں میں
لپٹے ہیں دو اہلِ وطن، ایک اس طرف ایک اس طرف

دونوں فرشتے دوش پر کیا لکھ سکیں حالت مری
آلودۂ رنج و محن، ایک اس طرف ایک اس طرف

رخسار تیرے سیم گوں پھر اس پہ گلگونے کا رنگ
پھولا ہے کیا رنگ چمن ایک اس طرف ایک اس طرف

اترا رہا ہے داغ کیا ہنگام گلگشت چمن
رنگیں قبا گل پیرہن، ایک اس طرف ایک اس طرف

۱۱۵

وہ کہتے ہیں دل کی کہاں صاف صاف | بظاہر ہے ان کا بیاں صاف صاف
کدورت کا باعث تو کوئی کھلے | بیاں کیجئے مہرباں صاف صاف
مرے رازِ دل کی ہے ان کو تلاش | کہیں کہہ نہ دے راز داں صاف صاف
رہے زیرِ عارض کہاں شب کو پھول | نظر آتے ہیں سب نشاں صاف صاف
رہے ابر مے خانے پر حشر تک | دکھائی نہ دے آسماں صاف صاف

کوئی پارسا جب الجھتا ہے کچھ ... سناتا ہے پیر مغاں صاف صاف
دکھاتے ہیں آئینہ خورشید کو ... ترے گال اے دلِ ستاں صاف صاف
محبت کے قصے ہیں الجھے ہوئے ... سنو مجھ سے تم داستاں صاف صاف

پسند آئے ہم کو بھی اشعار داغ
زباں پاک و شستہ' بیاں صاف صاف

ردیف قاف

۱۱۶

ہے جمالِ یار سے تنویرِ عشق ... حسن نے چمکائی ہے تقدیرِ عشق
کھینچ لائے عرش تک تسخیرِ عشق ... آپ نے دیکھی نہیں تاثیرِ عشق
جس کے دل پر کارگر ہے تیرِ عشق ... حشر تک پڑے گا وہ نخچیرِ عشق
تیرے عاشق کا سراپا دیکھ کر ... کھچ گئی ہے سامنے تصویرِ عشق
دل ضعیفوں کا جواں کیوں کر نہ ہو ... کرتی ہے کلیا پلٹ اکسیرِ عشق
عاشقوں کی کیا خطا انصاف کر ... دے سزا اس کو یہ ہے تقصیرِ عشق
عقل دیوانی ہے جو ہو سامنے ... چوکتا ہے کب نشانہ' تیرِ عشق
جھوٹے وعدے ان کے پھر اس پر دلیل ... رات بھر کیا کیا رہی تقریرِ عشق
میں نے دیکھی تھی قیامت خواب میں ... دی مجھے اک شخص نے تعبیرِ عشق
داورِ روزِ قیامت دیکھ لے ... اس کلیجے پر لگا ہے تیرِ عشق
مار ہی ڈالا یہ جب بجلی گری ... چلتی ہے رک رک کے کب شمشیرِ عشق

انتہائے عاشقی میں ہے یہ شوق　　ہم ابھی ہوں اور دامن گیر عشق
دل مچل کر آپ رہتا ہے اسیر　　ایسی کچھ بھاری نہیں زنجیر عشق
زخم جب بھرتا نظر آتا ہے کچھ　　دل میں رکھ لیتے ہیں ہم شمشیر عشق
یہ بلا آئی ہوئی ٹلتی نہیں
داغ کیا ہو چارہ و تدبیر عشق

۱۱۷

مٹ گئے افسوس! سارے ذوق شوق　　ہائے وہ ہم وہ ہمارے ذوق شوق
عشق آخر کو مسلط ہو گیا　　دل مرا ہارا نہ ہمارے ذوق شوق
دل لگی ہو یا ہنسی یا چھیڑ چھاڑ　　ہوتے ہیں پیاروں کے پیارے ذوق شوق
آس ٹوٹی، دل ہمارا مر گیا　　اپنے اپنے گھر سدھارے ذوق شوق
ابتدائے سن میں ہے مشق جفا　　رنگ لائیں گے تمہارے ذوق شوق
ہر گلی کوچے میں اب ہے تاک جھانک　　پھرتے ہیں ان کو ابھارے ذوق شوق
عاشقوں کا دل سلامت چاہیے　　کب ہوئے اس سے کنارے ذوق شوق
حسن پر قربان مشتاقوں کے دل　　اس کے صدقے میں اتارے ذوق شوق
داغ صاحب بھی ہوئے عاشق مزاج
ہو گیا ان کو بھی بارے ذوق شوق

ردیف ک

۱۱۸

نہ آئی بات جو دل سے زباں تک
وہ پہنچی بدگماں تک، رازداں تک

یہ سب جھگڑے ہیں جان ناتواں تک
رہے گا دم کہاں تک غم کہاں تک

تغافل مرنے والوں سے کہاں تک
ہمیں جینا پڑا ہے امتحاں تک

چلے آئے وہ جھونکے میں ہوا کے
نزاکت ان کو لے آئی یہاں تک

زباں سے تھا نہ ممکن شکوۂ جور
اشاروں سے کہا آخر کہاں تک

دل اس کی بزم سے کس طرح اکھڑے
ٹھہر جائے جہاں عمر رواں تک

ہمیں باد خزاں سے بھی ہے اک فیض
کہ تنکے اڑ کے آئے آشیاں تک

کنارہ کر گیا دامن بھی تیرا
نہ آیا میری چشم خوں فشاں تک

زمیں ٹل جائے ٹلنے کے نہیں ہم
کہ اب تو آگئے اس آستاں تک

دم رخصت ہوا اندیشہ غیر
گئے ہمراہ ہم ان کے مکاں تک

کہوں کیا طالع واژوں کی تاثیر
گرا ہوں میں پہنچ کر آسماں تک

مزے کی ہے ہماری بھی کہانی
کوئی پہنچا دے ان کے قصہ خواں تک

ترے تیر نگہ سے کوئی بچ کر
اماں پاتا نہیں دارالاماں تک

رہے کیا مصطفیٰ آباد میں داغ
وہ سارے لطف تھے خلد آشیاں تک

۱۱۹

رہا جذب دل کا اثر دیر تک
ملائے رہے وہ نظر دیر تک

مزہ دے گیا ہو نہ پیغام شوق | کہ سنتا رہا نامہ بر دیر تک

وہی وقت پیری بھی ہے داغ عشق | جلا یہ چراغ سحر دیر تک

ذرا سا جو الجھا یہ تار نگاہ | وبلاتے رہے وہ کمر دیر تک

یہاں دم بدم سو پیام وصال | سکوت ان کو ہر بات پر دیر تک

بڑی دیر میں سوچ کر لب کھلے | رہے گی دعا بے اثر دیر تک

کچھ ایسی رہی میری تغیر حال | وہ سوچا کئے دیکھ کر دیر تک

غشی کا بھی احسان مجھ پر ہوا | وہ زانو رہا زیر سر دیر تک

کہیں رات کو وہ ہوئے بے حجاب | اڑا آج نور قمر دیر تک

ادھر دیکھنا نامہ بر غور سے | وہ محفل میں دیکھیں جدھر دیر تک

حیا سے جھکی تھیں کب آنکھیں تری | لڑی ہے کسی سے نظر دیر تک

وہ سمجھے نہ سمجھے مرا مدعا | ہلی ان کی گردن مگر دیر تک

نفس کی عجب سیر ہے ہم نفس | کرے یوں مسافر سفر دیر تک

ٹپکتا ہے دیوار و در سے ترے | کسی نے ملی چشم تر دیر تک

وہ رخصت طلب اور میں جاں بلب | رہا حشر وقت سحر دیر تک

خبر سن کے خوش خوش وہ آتے تو ہیں | نہ نکلی مری جاں اگر دیر تک

ترے وعدے سے زندگی بڑھ گئی | جئے ہم اس امید پر دیر تک

محبت میں تکرار کا ہے مزا | گلے ہوں جو باہم دگر دیر تک

نئی چاہ چھپتی ہے اے داغ کب
اڑے گی ابھی یہ خبر دیر تک

ردیف ل

۱۲۰

بے قراری ہوئی آخر سبب چارۂ دل
بن گیا ہول دل انجام کو گہوارۂ دل

تیر کے بدلے لگا دے کوئی برچھی ظالم
روزن سینہ سے کرتا ہو جو نظارۂ دل

دفتر شوق سے بھاری نہیں یہ اے قاصد
ساتھ مکتوب کے تو باندھ لے پشتارۂ دل

یہی اچھا ہے کہ آنکھیں ہیں تمہاری بیمار
یہی بیمار تو کرتی ہیں مرا چارۂ دل

خون مژگاں سے نکلتا ہے ہزارے کی طرح
چھوٹتا ہے جو مرے سینے میں فوارۂ دل

جن کی تقدیر میں گردش ہے نہیں ان کو قرار
قطب تارا نہ ہوا کوکب سیارۂ دل

پڑتی ہے ضرب محبت تو نکلتی ہے فغاں
شور محشر سے ہم آہنگ ہے نقارۂ دل

یہ زمانے کی خبر ٹھیک ہمیں دیتا ہے
طاق ہے اور بھی ہر کام میں ہرکارۂ دل

بے تاب کی تصویر انہیں کیا بھیجوں
کہ مصور سے اترتا نہیں انگارۂ دل

کوئی جانے کہ خریدار نہیں، چاہ نہیں
چلتے پھرتے ہی وہ کر لیتے ہیں نظارۂ دل

لعل و یاقوت کی اے داغ جو ہے فرمائش
بھیج دو ان کے لئے لخت جگر پارۂ دل

۱۲۱

وصل کی ٹھہری جو اے ماہ جبیں آج سے کل
وہ بھی نزدیک ہے کچھ دور نہیں آج سے کل

ایک دن اور بھی مہمان کی خاطر کر لوں
کاش رخصت ہو مری جان حزیں آج سے کل

کیجئے وعدہ خلافی بھی تو اس پہلو سے
کہ سوا ہو مجھے ملنے کا یقیں آج سے کل

ہم کو ایک ایک گذرتی ہے قیامت کی گھڑی
اُن کے نزدیک تو کچھ بات نہیں آج سے کل

دم بدم ہم نے زمانے کا تنزل دیکھا
ہمیں کہتے ہیں گر اچھے تھے ہمیں آج سے کل

خود نمائی کے لئے وعدۂ فردا کیسا
کیا بدل جائے گا وہ پردہ نشیں آج سے کل

آجاؤ گے یہاں سے تو اٹھاؤ گے قلق
آج کا دن ہے برا جاؤ کہیں آج سے کل

ناتواں آہ کو دے کون سہارا یا رب
چل کے پہنچے گی یہ تا عرش بریں آج سے کل

صبر کر اے دل مضطر وہ نہیں ملنے کی
کل سے آج ان کی ہوئی ہو گی یونہی آج سے کل

آج ہی وہ جو نہ آئے تو یہ جانا ہم نے
تیری بگڑی دل اندوہ گزیں آج سے کل

زندگی بھر تو قیامت کی اٹھائی تکلیف
بارے آئی ہے مجھے زیر زمیں آج سے کل

خوب رو یوں کو نہیں کچھ غم فردا اے داغ
ہوں گے مغرور زیادہ یہ حسیں آج سے کل

مزہ دے گیا ہے شباب اول اول ملے خوب رو انتخاب اول اول
وہ کب لطف کرتے ہیں بے آزمائے کرم آخر آخر، عتاب اول اول
خدا شرم رکھے تری انتہا تک کہ ڈالی ہے منہ پر نقاب اول اول
انہیں سے پھر آخر کو کھل کھیلتے ہیں وہ کرتے ہیں جن سے حجاب اول اول
الٰہی رہے بانکپن ان کا قائم سنبھالی ہے تیغ خوش آب اول اول
خدا سے دعا ہے کہ مظلوم تیرے بھگت جائیں روز حساب اول اول
سنا ہے چلو فتنہ حشر کو بھی ہوا ہے ابھی ہم رکاب اول اول

قطعہ

وہ پیغام بر کی مدارات پیہم وہ رسم سوال و جواب اول اول
وہ جلسے وہ احباب رندانہ مشرب وہ معشوق و شرب شراب اول اول
وہ سیر چمن، وہ تماشائے دریا وہ لطف شب ماہتاب اول اول
وہ گلیوں میں راتوں کو چھپ چھپ کے جانا وہ یاروں سے کچھ کچھ حجاب اول اول
وہ ہر بات کا شوق بے سوچے سمجھے وہ ہر کام کرنا شتاب اول اول
وہ پہلے پہل دل لگانا کسی کا وہ کچھ شوق کا اضطراب اول اول
جوانی کی لہروں میں کیا کیا رہے ہم خراباتیوں میں خراب اول اول
کوئی دن رہے پارسا ہم بھی زاہد بہت ہم نے لوٹے ثواب اول اول
رہا درس و تدریس کا شوق ہم کو نظر سے نہ سرکی کتاب اول اول

کبھی ہم سے ہوتا نہ تھا ترک اولیٰ — رہے ہم مشیت مآب اول اول
بنے ستم و سام و گیو و نریماں — رہے رشک افراسیاب اول اول
رہے زیر راں اسپ چالاک اکثر — سواروں میں تھے لاجواب اول اول
پھکیتی بنکیتی کی تھی مشق کیا کیا — ہر اک فن میں تھے کامیاب اول اول

ہوئی داغ اب ان کی تعبیر الٹی
نظر آئے جو ہم کو خواب اول اول

۱۴۴

رہتا ہے روز اس کی ملاقات کا خیال — ہو جائے خواب کاش یہ دن رات کا خیال
بیٹھے ہیں خانقاہ میں جب دو گھڑی بھی ہم — آہی گیا ہے پیر خرابات کا خیال
کیوں کر نہ یاد آئے شب ہجر روز حشر — اس دن ضرور چاہئے اس رات کا خیال
کھٹکا نہ ہو تو عیش سے گذرے کوئی گھڑی — رہتا ہے بزم یار میں ہر بات کا خیال
ماہ صیام بھی اسی موسم میں آگیا — رندوں کو اس سے بڑھ کے ہے برسات کا خیال
رنجش بھی ہو تو دل کی تسلی کے واسطے — کرتا ہوں ان کے لطف و عنایات کا خیال
اے دل! عدو کی بزم میں کیوں لے گیا مجھے — کم بخت آگیا نہ مدارات کا خیال
باتیں سنو تو حضرت صوفی سے عرش کی — جاتا ہے دور قبلہ حاجات کا خیال

اے داغ جو کہا ہے اسے کر دکھائیں گے
انسان کیا وہ جس کو نہ ہو بات کا خیال

ردیف م

۱۲۵

دیا رقیبوں کو تم نے پیام' نام بنام
مری طرف سے بھی پہنچے سلام' نام بنام

مری شکائت تحریر وجہ رشک ہوئی
کہ اب وہ لکھتے ہیں دفتر مدام' نام بنام

سلیقہ دیکھئے اس وقت دوست دشمن کا
سپرد ہو جو کوئی انتظام' نام بنام

اگر تڑپتی ہے بجلی تو ابر روتا ہے
ملا ہر ایک کو ہر ایک کام' نام بنام

یہ کس کے قتل کی شادی منائی جاتی ہے
کہ رقعے بٹنے کا ہے اہتمام' نام بنام

ستم رسیدوں میں لکھے گئے ہیں روز ازل
تمہارے چاہنے والے تمام' نام بنام

تمہاری چال کو طاؤس و کبک کیا پہنچیں
جدا جدا ہے ادائے خرام' نام بنام

بچائے جان خدا اہل مہر و الفت کی
وہ کوستے ہیں انہیں صبح و شام' نام بنام

خدا کرے مرے آگے نہ آئے نام رقیب
پکارے جائیں گے روز قیام' نام بنام

کیا ہے آپ کو جس جس نے بے وفا مشہور
جو حکم ہو تو بتا دے غلام' نام بنام

گئے ہیں داغ وہاں چھپ کے دیکھئے کیا ہو
گنے گئے ہیں جہاں خاص و عام' نام بنام

۱۲۶

رشک سے غیروں کے جی کھوتے ہیں ہم
کیا بروں کی جان کو روتے ہیں ہم

گرچہ کچھ بے جا دم بسمل نہیں
خنجر سفاک کو دھوتے ہیں ہم

بے خودانہ اپنی ہشیاری رہی — جاگتے ہیں کچھ تو کچھ سوتے ہیں ہم

حاصل اعمال ہیں خلد و سقر — وہ ہی پھل پاتے ہیں جو بوتے ہیں ہم

ہاتھ منہ ان کا دھلایا غیر نے — ہاتھ اپنی جان سے دھوتے ہیں ہم

اپنے گھر رہنے دے کیوں کر حوروش — حضرت آدم ہی کے پوتے ہیں ہم

جان کنی اپنا ہے کام اے کوہ کن — عشق میں پتھر نہیں ڈھوتے ہیں ہم

دیکھ لیں گے فتنہ محشر کو بھی — اب تو چادر تان کر سوتے ہیں ہم

داغ ہے کس کو میسر درد عشق
رنج ہوتا ہے تو خوش ہوتے ہیں ہم

۱۲۷

ابھی ہماری محبت کسی کو کیا معلوم — کسی کے دل کی حقیقت کسی کو کیا معلوم

یقیں تو یہ ہے وہ خط کا جواب لکھیں گے — مگر نوشتہ قسمت کسی کو کیا معلوم

بظاہر ان کو حیادار لوگ سمجھے ہیں — حیا میں جو ہے شرارت کسی کو کیا معلوم

قدم قدم پہ تمہارے ہمارے دل کی طرح — پسی ہوئی ہے قیامت کسی کو کیا معلوم

یہ رنج و عیش ہوئے ہجر و وصل میں ہم کو — کہاں ہے دوزخ و جنت کسی کو کیا معلوم

جو سخت بات سنے دل تو ٹوٹ جاتا ہے — اس آئینے کی نزاکت کسی کو کیا معلوم

کیا کریں وہ سنانے کو پیار کی باتیں — انہیں ہے مجھ سے عداوت کسی کو کیا معلوم

خدا کرے نہ پھنسے دام عشق میں کوئی — اٹھائی ہے جو مصیبت کسی کو کیا معلوم

ابھی تو فتنے ہی برپا کئے ہیں عالم میں — اٹھائیں گے وہ قیامت کسی کو کیا معلوم

جناب داغ کے مشرب کو ہم سے تو پوچھو
چھپے ہوئے ہیں یہ حضرت کسی کو کیا معلوم

ردیف ن

۱۲۸

آپ جن کو ہدف تیر نظر کرتے ہیں
رات دن ہائے جگر، ہائے جگر کرتے ہیں

اور کیا داغ کے اشعار اثر کرتے ہیں
گدگدی دل میں حسینوں کے مگر کرتے ہیں

غیر کے سامنے یوں ہوتے ہیں شکوے مجھ سے
دیکھتے ہیں وہ ادھر بات ادھر کرتے ہیں

دیکھ کر دور سے درباں نے مجھے للکارا
نہ کہا یہ کہ ٹھہر جاؤ خبر کرتے ہیں

تھک گئے نامہ اعمال کو لکھتے لکھتے
کیا فرشتوں کا برا حال بشر کرتے ہیں

ابھی غیروں سے اشاروں میں ہوئی ہیں باتیں
دیکھتے دیکھتے آپ آنکھوں میں گھر کرتے ہیں

در و دیوار سے بھی رشک مجھے آتا ہے
غور سے جب کسی جانب وہ نظر کرتے ہیں

ان سے پوچھے جو کوئی، خاک میں ملتے ہیں کہاں؟
وہ اشارہ طرف راہ گذر کرتے ہیں

ایک تو نشہ ے اس پہ نشیلی آنکھیں
ہوش اڑتے ہیں جدھر کو وہ نظر کرتے ہیں

عشق میں صبر و تحمل ہی کیا کرتے ہم
یہ بھی کم بخت کسی وقت ضرر کرتے ہیں

غیر کے قتل پہ باندھیں یہ بہانہ ہے فقط
کھینچ کر اور بھی پتلی وہ کمر کرتے ہیں

حضرت داغ کو دلی کی ہوا خوب لگی
رات دن عیش ہے جلسوں میں بسر کرتے ہیں

۱۲۹

عذر آنے میں بھی ہے اور بلاتے بھی نہیں
باعث ترک ملاقات بتاتے بھی نہیں

منتظر ہیں دم رخصت کہ یہ مر جائے تو جائیں
پھر یہ احسان کہ ہم چھوڑ کے جاتے بھی نہیں

سر اٹھاؤ تو سہی آنکھ ملاؤ تو سہی
نشہ مے بھی نہیں نیند کے ماتے بھی نہیں

کیا کہا، پھر تو کہو، "ہم نہیں سنتے تیری"
نہیں سنتے تو ہم ایسوں کو سناتے بھی نہیں

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

مجھ سے لاغر تری آنکھوں میں کھٹکتے تو رہے
تجھ سے نازک مری نظروں میں سماتے بھی نہیں

دیکھتے ہی مجھے محفل میں یہ ارشاد ہوا
کون بیٹھا ہے اسے لوگ اٹھاتے بھی نہیں

ہو چکا قطع تعلق تو جفائیں • کیوں ہوں
جن کو مطلب نہیں رہتا وہ ستاتے بھی نہیں

زیست سے تنگ ہو اے داغ تو کیوں جیتے ہو
جان پیاری بھی نہیں جان سے جاتے بھی نہیں

۱۳۰

چوٹ کھاتا دل حزیں نہ کہیں درد رہ جائے گا کہیں نہ کہیں
کیا ملے گا کوئی حسیں نہ کہیں جی بہل جائے گا کہیں نہ کہیں
ہے کدورت بھری ہوئی اس میں آسماں پر بھی ہو زمیں نہ کہیں

حل پہلو بچا کے لکھا ہے　　تاڑ جائے وہ نکتہ چیں نہ کہیں
یہ تو کہئے کہ رات کی باتیں　　آپ نے غیر سے کہیں نہ کہیں
جن کو حوریں بیان کرتے ہیں　　خلد میں ہوں یہی حسین نہ کہیں
مجھ کو گریاں اٹھا نہ محفل سے　　بیٹھ جائے ابھی زمیں نہ کہیں
کیوں کہیں تجھ سے آرزوئیں ہم　　فائدہ کیا، کہیں کہیں نہ کہیں
لا اسے جذب شوق تھم تھم کر　　گر پڑے شوخ نازنیں نہ کہیں
نہ کرو امتحان مہر و وفا　　آئے اس جھوٹ پر یقیں نہ کہیں
موت اسی آستاں پہ آجائے　　صرف سجدہ ہو پھر جبیں نہ کہیں
آپ کی گفتگو کا کیا کہنا　　چار باتیں بھی دل نشیں نہ کہیں
غیر دیتا ہے کیوں مجھے ساغر　　سانپ ہو زیر آستیں نہ کہیں
ہجر میں ہے خیال اس کا مجھے　　کھسا جائے ہم نشیں نہ کہیں
قتل جس کا تمہیں ہے مد نظر　　وہ گنہ گار ہوں ہمیں نہ کہیں
وہ رکلوٹ اسے بھی سمجھیں گے　　دم رکے وقت واپسیں نہ کہیں
دل بخشش بھی یوں ترے منہ سے　　نکلے بے ساختہ نہیں نہ کہیں
رشک یہ بھی ہے صبر پر میرے　　غیر کہہ بیٹھیں آفریں نہ کہیں
تیرے عاشق ہیں کافر و دین دار　　ایک ہو جائے کفر و دیں نہ کہیں

داغ پھر تاک جھانک کرتے ہیں
اب گھرے، اب پھنسے کہیں نہ کہیں

۱۳۱

عشق میں دل کہیں حواس کہیں　　ایسے رہتے ہیں اپنے پاس کہیں

کون پردے میں چھپ کے بیٹھا ہے　　بھر کے جاتا ہے کیوں گلاس کہیں
مجھ کو ہے اس سے احتمالِ وفا　　نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں
زہر کھاتے ہیں تنگ آکر ہم　　یہ دوا آئے دل کو راس کہیں

برزم میں داغ گر نہیں تو نہ ہو
یہیں ہو گا وہ آس پاس کہیں

۱۳۲

اے فلک! موردِ عتاب ہوں میں　　وصل سے خاک کامیاب ہوں میں
تم میں یہ وصف ہے کہ ہو بے داغ　　مجھ میں یہ عیب بے حجاب ہوں میں
دے کے خط کون انتظار کرے　　اپنے قاصد کے ہم رکاب ہوں میں
جب ملا رہ نما تو یہ جانا　　رہرو راہ ناصواب ہوں میں
کیوں کسی زلف کی بلا میں پھنسوں　　کیوں گرفتار پیچ و تاب ہوں میں
کیوں کسی چشم مست کو دیکھوں　　مفت آلودۂ شراب ہوں میں

داغ کیا خوب صر صر عصیاں
خاک پائے ابو تراب ہوں میں

۱۳۳

میں نے چاہا جو تمہیں اس کا گنہ گار تو ہوں
مگر اتنا بھی سمجھ لو کہ وفادار تو ہوں

عمر بھر آپ نے مجھ کو کبھی اچھا نہ کہا
خیر اچھا نہ سہی آپ کا بیمار تو ہوں

یا خدا پرسش اعمال کا دیتا ہوں جواب
بات کا ہوش کسے ہے ابھی ہشیار تو ہوں

مے و معشوق سے انکار نہیں اے زاہد
عاشق زار تو ہوں رند قدح خوار تو ہوں

گو مرے پاس نہیں غیر متاع کاسد
میں تماشائی انداز خریدار تو ہوں

ابھی کیا جانے کوئی مجھ کو تمہارا شیدا
کوئی دن اور ابھی رسوا سر بازار تو ہوں

گو مری وضع نہیں یہ کہ ملوں غیر سے میں
تابع حکم جفا کار و ستم گار تو ہوں

کیا گذر جائے تجھے رات یونہی بے کھٹکے
بزم میں گل نہ سہی میں نہ سہی خار تو ہوں

تاب نظارۂ انوار تجلی نہ سہی
رسا ہمت ہے کہ میں طالب دیدار تو ہوں

داغ مرنے نہیں دیتا مجھے رشک اغیار
ورنہ مر جاؤں ابھی جان سے بیزار تو ہوں

۱۳۴

ہم تو فریاد و فغاں آہ و بکا کرتے ہیں
جن سے کچھ ہو نہیں سکتا وہ دعا کرتے ہیں

خوف محشر سے وہ کب ترک جفا کرتے ہیں
بت اس طرح سے ہنگامے ہوا کرتے ہیں

خوب خوش باش گذر اہل صفا کرتے ہیں
نہ خفا ہوتے ہیں ایسے نہ خفا کرتے ہیں

ایک انداز سخن طرز شکایت ٹھہری
ہم جدا کرتے ہیں شکوے وہ جدا کرتے ہیں

پوچھتا ہے جو مزاج اپنا کوئی فرقت میں
منہ سے اتنا ہی نکلتا ہے دعا کرتے ہیں

کچھ تعلق تو رہے، شکوہ بے جا ہی سہی
نہ کیا تم نے گلا اس کا گلا کرتے ہیں

یا الٰہی مرے درباں سے وہ پوچھے آکر
کون ہے کس سے ملاقات ہے کیا کرتے ہیں

ہاتھ سے قتل نہ وہ پاؤں سے مامال کریں
گھر ہی میں بیٹھے ہوئے حکم کیا کرتے ہیں

حسینوں کی جو تعریف کریں کیا ضد ہے
وہ طرف داری ارباب وفا کرتے ہیں

پرسش داور محشر سے ڈریں کیوں عاشق
یہ خطا وار تو بندے کی خطا کرتے ہیں

تم کو بیمار محبت سے بھی عار آتی ہے
ہم تو اچھوں کے لئے روز دعا کرتے ہیں

اپنے کوچے میں نہ کیجئے مری مٹی برباد
آپ بھی خاک اڑاتے ہیں یہ کیا کرتے ہیں

دست مژگاں کا اشارہ ہے کہ رسوا کیجئے
انہیں ہاتھوں سے وہ انگشت نما کرتے ہیں

اب یہی ضد ہے کہ ہم قتل کریں گے تجھ کو
وہ تو ہر بات میں اپنا ہی کہا کرتے ہیں

ان کو پروا نہیں کیوں دل کے خریدار بنیں
مفت کے قصے ہی وہ مول لیا کرتے ہیں

آپ کے عشق میں جو مجھ کو نہ کرنا تھا کیا
دیکھئے آپ مرے واسطے کیا کرتے ہیں

صبر کرنے کا ہمارے بھی یہی ہے انداز
آپ جس طرح سے پیمان وفا کرتے ہیں

سچ کہا تذکرۂ غیر سے کیا حاصل ہے
اک تماشے کے لئے چھیڑ دیا کرتے ہیں

جان بلب جان کے مجھ کو یہ پیام آیا ہے
لو مبارک ہو کہ اب عہد وفا کرتے ہیں

داغ کا رشک سنا غیر سے اس نے تو کہا
اس کی تقدیر میں جلنا ہے، جلا کرتے ہیں

۱۳۵

ہم دل کی بات داور محشر سے کیا کہیں   یہ راز کہہ کے اس بت کافر سے کیا کہیں
آشوب حشر اس بت خود سر سے کیا کہیں   محشر کا حال فتنہ محشر سے کیا کہیں

گو اپنی ضد کے ایک ہو تم مان جاؤ گے — یہ مانتا نہیں دل مضطر سے کیا کہیں
بنتی نہیں ہے بات مصیبت کہے بغیر — کہتے ہیں پھر کہ داور محشر سے کیا کہیں
ہے مے کدے میں قلقل مینا کی یہ صدا — ساقی کے جوڑ توڑ کو ساغر سے کیا کہیں
سمجھے ہو تم کہ غیر کے شکوے ہیں ایک دو — یہ داستان کم نہیں دفتر سے کیا کہیں
دلبر اشارہ فہم ہے، دشمن نگاہ باز — ہم چپکے چپکے بھی دل مضطر سے کیا کہیں
لب تک امنڈ امنڈ کے تو آتی ہیں حسرتیں — چلتی نہیں زبان ترے ڈر سے، کیا کہیں
تم اور کان رکھ کے سنو بات غیر کی — مجبور ہو گئے ہیں مقدر سے کیا کہیں
دل کا فسانہ کس سے کہیں اے شب فراق — دیوار و در سے، چرخ سے، اختر سے کیا کہیں
کوئی کرے سوال تو کچھ دیجئے جواب — بت بن گئے جب آپ تو پتھر سے کیا کہیں
سنتا ہے وقت ذبح یہ کب اپنی بے کسی — قاتل سے کہہ بھی سکتے ہیں خنجر سے کیا کہیں
یہ ہم کو ناگوار ہے وہ اس کو ناگوار — دلبر سے کیا سنیں، دل مضطر سے کیا کہیں
کہتے ہیں وہ "کہو تو سہی دل کا حال کچھ" — حیران ہم کھڑے ہیں گھڑی بھر سے کیا کہیں
دل میں ہمارے آپ کی جو چبھ گئی ہے بات — پیکاں سے بڑھ کے تیز ہے نشتر سے کیا کہیں
نادان رہنمائے رہ شوق ہو گیا — منزل میں جو بلا ہے وہ رہبر سے کیا کہیں
ہوتی صفائے دل تو بناتا نہ آئینہ — جوہر اس آئینے کے سکندر سے کیا کہیں

بے وجہ ان بتوں کی خموشی نہیں ہے داغ
کیا جانے کل یہ داور محشر سے کیا کہیں

۱۳۶

مجھے دل کی ایذا سے راحت نہیں — پرائی مصیبت سے فرصت نہیں
بہت دور ایسی قیامت نہیں — مگر ان کو وعدے کی عادت نہیں
غم دو جہاں بھی ہے کافی مجھے — مگر آدمی کو قناعت نہیں

نظر کھائے جاتی ہے عشاق کی — حسینوں کو دنیا میں راحت نہیں
بڑی کشمکش میں ہے عہد وفا — کبھی ہے کبھی ان کی نیت نہیں
اٹھا کر مری نعش اس نے کہا — کوئی اس سے بڑھ کر مصیبت نہیں
یہاں منصفی حشر پر منحصر — وہاں فیصلے کی ضرورت نہیں
رہا ہجر بت میں دل سنگ سخت — کچھ اپنوں کو اپنوں سے الفت نہیں
یہ دل ہے، یہ حسرت یہ ارمان ہے — مری جان! حاضر میں حجت نہیں
مزاج آپ کا ہے مزاج آج کل — پرائی طبیعت طبیعت نہیں
تری آرزو جن کو ہے ان کو ہے — خدا کی قسم ہم کو حسرت نہیں
بظاہر اٹھانا مجھے بزم سے — اشارے سے کہنا اجازت نہیں
ہوا توبہ مے سے میں جاں بلب — عداوت ہے یہ ترک عادت نہیں
قیامت ہو یا دل ہو یا موت ہو — کوئی ان میں رکنے کی آفت نہیں
دیا نامہ بر نے یہ آکر جواب — انہیں بات کرنے کی فرصت نہیں

زمیں میں گڑا شرم عصیاں سے میں
نہ جانو کہ محشر میں تربت نہیں

قطعہ

کہاں دل سے میں نے اسے یاد رکھ — انہیں تجھ سے نفرت ہے الفت نہیں
وہاں بے نیازی ہے ہر شان میں — وہاں خود نمائی سے فرصت نہیں
وہ کیوں وعدۂ وصل پورا کریں — یہ اقرار ہے کوئی منت نہیں
وہ کیوں جذب دل سے ہوں اندیشہ مند — محبت ہے کوئی کرامت نہیں
وہ کیوں سوز داغ جگر سے ڈریں — کہ یہ آفتاب قیامت نہیں

وہ کیوں چشم پر خوں کی دیکھیں بہار | یہ رونا ہے باران رحمت نہیں
وہ کیوں سن کے پی جائیں غیروں کی بات | یہ ہیں زہر کے گھونٹ شربت نہیں
وہ کیوں عشق ظاہر کو باور کریں | حقیقت میں کچھ بھی حقیقت نہیں
وہ کیوں جوش مشتاق پر رحم کھائیں | عدو کے مرض کی یہ شدت نہیں
وہ کیوں دیکھیں صورت اٹھا کر نگاہ | یہ کیا بار ناز و نزاکت نہیں
وہ کیوں مول لیں جنس دل کیا غرض | کہ اس شے کی ان کو ضرورت نہیں
وہ کیوں شکوۂ رنج فرقت سنیں | شکایت ہے یہ کچھ حکایت نہیں
وہ کیوں کر نہ دیں جھڑکیاں گالیاں | کہ عاشق مزاجوں کی عزت نہیں

دیا دل نے مایوس ہو کر جواب
نہیں داغ اب کوئی حسرت نہیں

۱۳۷

مظہر نور دیں معین الدینؒ | آفتاب زمیں معین الدینؒ
خواجہ خواجگان ہندوستان | بے گماں بالیقیں معین الدینؒ
سرور انبیاء رسول اللہ | حامی مسلمیں معین الدینؒ
میں ترے آستاں کا خاک نشین | تو مرا دل نشیں معین الدینؒ
المدد، المدد کہ تیرے سوا | کوئی میرا نہیں معین الدینؒ
در فردوس پر ہو آپ کا ہاتھ | اور یہ آستیں معین الدینؒ
وہ جہاں ہے وہیں ہے دل میرا | میں جہاں ہوں وہیں معین الدینؒ

داغ تیرا ہی دم بھرے جائے
تادم واپسیں معین الدینؒ

جو یک دلی ہو تو ہو بات کا یقیں سے یقیں
کہ ہاں سے ہاں ہے مرے مہرباں نہیں سے نہیں
تری گلی کے مقابل جو لائیں جنت کو
مکاں مکاں سے کرے رو کشی مکیں سے مکیں
علاج اور نہیں کوئی خوش نصیبی کا
نصیب ہو تو ملوں غیر کی جبیں سے جبیں

ہمارے دل پہ محبت کا نقش کندہ ہے
ملا سکے نہ سلیمانؑ بھی اس نگیں سے نگیں
تمہارے سامنے یہ آئینے کی صورت ہے
کہ جس طرح سے کرے لاگ ہر حسیں سے حسیں
وہ کیوں بلائیں مجھے اپنی بزم عشرت میں
غرض کسے جو کوئی مفت ہو حزیں سے حزیں
صفائے دل ہو تو ہو پیچ دار کیوں تقریر
یہ باتیں آپ کی ہم نے چناں چنیں سے چنیں
در صنم سے گیا منہ اٹھائے کعبے کو
اڑا کے لے گئی وحشت مجھے کہیں سے کہیں
پڑا ہے تفرقہ کیا دل میں اور دلبر میں
ہزاروں کوس ہو گر ہو بہت قریں سے قریں

نشانہ دل کو بناتے ہی لی جگر کی خبر
نگہ کے تیر کو چلنا پڑا یہیں سے یہیں

غزل میں داغ کی مضموں ہیں خاکساری کے
نہیں ہے پست ان اشعار کی زمیں سے زمیں

۱۳۹

اڑائی خاک تیری جستجو میں ہر کہیں برسوں
پھری ہے آسماں بن کر مرے سر پر زمین برسوں

نہ آیا ہے نہ آئے ان کے وعدہ کا یقیں برسوں
یونہی ہے آج کل پرسوں مگر ملتے نہیں برسوں

برا ہو جذبہ دل کا اسے کیوں کھینچ لایا تھا
کہ آنکھوں سے دبائے ہم نے پائے نازنین برسوں

کسی کوچے میں جب ہم اچھی صورت دیکھ لیتے ہیں
لگی رہتی ہے اپنے دم قدم سے وہ زمیں برسوں

نہ آنکھوں کا اجارہ ہے نہ دل کا زور ہے ان پر
وہ خود مختار ہیں ٹھہریں کہیں دم بھر کہیں برسوں

ہوا ہے جان کا خواہاں کوئی اب رہ نہیں سکتی
رہے تیری امانت کے الٰہی ہم امیں برسوں

کسی خورشید رو کے پاؤں پر رکھا تھا سر اک دن
مثال ماہ چمکی ساتھ قسمت کے جبیں برسوں

تہہ شمشیر قاتل اس خوشی سے جان دی میں نے
لب دشمن سے بھی نکلی صدائے آفریں برسوں

نہیں تھا تو بھی تھا وہ بے وفا آغوش دشمن میں
کہ میری بدگمانی نے اسے رکھا وہیں برسوں

جنوں کو بھی تو بے ساماں نہیں دیکھا گیا ہم سے
رہی ہے دست وحشت میں ہماری آستیں برسوں

یہیں رہنا یہیں سہنا یہیں مرنا یہیں بھرنا
یہی در ہے یہی سر ہے گذاریں گے یہیں برسوں

کسی نازک بدن کی ایک دن خوشبو جو سونگھی تھی
اسی حسرت میں سونگھا ہم نے عطر نازنیں برسوں

مرے آنسو مکدر کیوں نہ نکلیں دیدۂ تر سے
کہ آنکھوں میں پھری ہے اس کے کوچے کی زمیں برسوں

تڑپتے جس نے دیکھا اس دل بے تاب کو دم بھر
رہا ہے ہول دل میں مبتلا وہ ہم نشیں برسوں

صفائی اس کو کہتے ہیں اسی پر ناز ہے تم کو
کدورت بیٹھ کر دل سے نکلتی ہی نہیں برسوں

مجھے رکھا ہے ایسا زندہ درگور اس کی فرقت نے
زمیں پر یوں رہا گویا رہا زیر زمیں برسوں

خدا کی شان اب تم داغ کی صورت سے جلتے ہو
وہی دل سوز ہے جو رہ چکا ہے دل نشیں برسوں

حال دل تجھ سے، دل آزار، کہوں یا نہ کہوں
خوف ہے مانع اظہار، کہوں یا نہ کہوں

نام ظالم کا جب آتا ہے بگڑ جاتے ہو
آسماں کو بھی ستم گار کہوں یا نہ کہوں

آخر انسان ہوں میں، صبر و تحمل کب تک
سینکڑوں سن کے بھی دو چار کہوں یا نہ کہوں

ہاتھ کیوں رکھتے ہو منہ پر مرے، مطلب کیا ہے
باعث رنجش و تکرار کہوں یا نہ کہوں

تم سنو یا نہ سنو اس سے تو کچھ بحث نہیں
جو ہے کہنا مجھے سو بار کہوں یا نہ کہو

مجھ سے قاصد نے کہا سن کے زبانی پیغام
یہی کہنا تو ہے دشوار کہوں یا نہ کہوں

کہہ چکے غیر تو افسانے سب اپنے اپنے
مجھ کو کیا حکم ہے سرکار کہوں یا نہ کہوں

فکر ہے، سوچ ہے، تشویش ہے، کیا کیا کچھ ہے
دل سے بھی عشق کے اسرار کہوں یا نہ کہوں

آپ کا حال جو غیروں نے کہا ہے مجھ سے
ہیں مرے کان گنہ گار کہوں یا نہ کہوں

نہیں چھپتی، نہیں چھپتی، نہیں چھپتی، الفت
سب کہے دیتے ہیں آثار کہوں یا نہ کہوں
داغ ہے نام مرا، برق طبیعت میری
گرم اس طرح کے اشعار کہوں یا نہ کہوں

۱۴۱

مقتضائے وقت کا پابند ہر حالت میں ہوں
میں زمیں پستی میں ہوں تو آسماں رفعت میں ہوں

ایک میں دل کے نہ ہونے سے ہزار آفت میں ہوں
غم میں ہوں، ماتم میں ہوں، حیرت میں ہوں، حسرت میں ہوں

ہوش جب آیا تو یہ جانو قیامت آگئی
زندگی میری جبھی تک ہے کہ میں غفلت میں ہوں

کیوں ہوا جاتا ہے دل پر ان بتوں کا اختیار
میں تو یااللہ تیرے قبضہ قدرت میں ہوں

جلوۂ دیدار کو ہے خود نمائی سے غرض
اور میں کم بخت بے خود شوق کی حالت میں ہوں

پندگو! تیری سنوں کیا اس ہجوم شوق میں
چھیڑنا یہ تذکرہ اس وقت جب فرصت میں ہوں

ہیں زمانے میں ہزاروں چاہنے والے مرے
آپ کا بندہ ہوں جب تک آپ کی خدمت میں ہوں

خار دامن گیر ہیں اہل وطن سے بھی سوا
میں عزیز اہل وحشت وادی غربت میں ہوں

وجہ تسکیں ہو گیا فرقت میں آخر اضطراب
اب تڑپنے کی نہیں طاقت بڑی راحت میں ہوں

چارہ گر اس زندگی سے موت بہتر ہے مجھے
اب اگر اچھا بھی ہوں میں تو بڑی مدت میں ہوں

شاہ میرا قدر داں' احباب میرے مہرباں
میں دکن میں جب سے ہوں اے داغ اک جنت میں ہوں

۱۴۲

زلفیں رخسار پر نہ آئیں کیوں ان کے پیچھے پڑیں بلائیں کیوں
غیر باتوں میں زہر اگلتا ہے اس کی جھوٹی مجھے پلائیں کیوں
اپنی عادت نہیں یہ اے غم عشق ہم بڑھا کر تجھے گھٹائیں کیوں
بدگماں ہوں جب امتحاں کے بعد پھر کسی کو وہ آزمائیں کیوں
جھوٹی قسمیں بہت ہیں کھانے کو میرے مرنے کا غم وہ کھائیں کیوں
مست و بے خود رہے زمانے میں دیکھے اچھی بری ہوائیں کیوں
مے اگر تیز ہے تو اے ساقی آگ پانی میں ہم لگائیں کیوں
جب تڑپتا ہے کوئی' کہتے ہیں برچھیاں بن گئیں ادائیں کیوں
آج غیروں کے شکوے ہوتے ہیں آپ ایسوں کو منہ لگائیں کیوں

جان پر کیا بنی کہو تو سہی
داغ پر درد ہیں صدائیں کیوں

۱۴۳

دور ہی دور سے اقرار ہوا کرتے ہیں
کچھ اشارے سر دیوار ہوا کرتے ہیں

مٹ گئے ہم تو فقط نام ہی اس کا سن کر
دیکھ کر جنس خریدار ہوا کرتے ہیں

دود دل سلسلہ عشق بنا بھی تو کیا
کہیں معشوق گرفتار ہوا کرتے ہیں

آپ کی بزم محبت کی عدالت ٹھہری
روز دو چار کے اظہار ہوا کرتے ہیں

وہ نہ مانیں گے مری میں یہ نہ مانوں گا کبھی
حسب عادت یونہی انکار ہوا کرتے ہیں

بادہ کش معصیت شب سے بری خوب ہوئے
کچھ یونہی صبح کو ہشیار ہوا کرتے ہیں

کوئی سنتا نہیں یہ پند و نصیحت ناصح
آپ کیوں کہہ کے گنہ گار ہوا کرتے ہیں

بوسہ دے دیجئے لعل نمکین کا مجھ کو
جان نثار ایسے نمک خوار ہوا کرتے ہیں

میں برا اور طبیعت مری اچھی، کیا خوب
منتخب کیوں مرے اشعار ہوا کرتے ہیں

بھاگتے ہی نظر آتے ہیں تری آنکھوں سے
لڑنے مرنے کو جو تیار ہوا کرتے ہیں

چشم بیمار کے دیکھے سے ہوئی یہ صحت
جو ہیں اچھے وہی بیمار ہوا کرتے ہیں

تیغ بھاری ہے، وہ نازک ہیں، مری عمر دراز
مشورے قتل کے ہر بار ہوا کرتے ہیں

داغ نے خط غلامی جو دیا فرمایا
ایسے ہی لوگ وفادار ہوا کرتے ہیں

۱۴۴

دیکھیں تو کیسے فتنے ہیں نیچی نگہ میں
آئینہ رکھ دے کاش کوئی ان کی راہ میں

دیکھو پڑا نہ ہو دل گم گشتہ راہ میں
میری نگاہ میں نہ تمہاری نگاہ میں

امیدوار رحمت باری ہوں اس قدر
ہوتا ہوں میں شریک پرائے گناہ میں

کس فتنہ گر کی چال نے بے تاب کر دیا
نقش قدم بھی دوڑتے پھرتے ہیں راہ میں

وہ شوق وصل و رنگ شکایت ہی مٹ گیا
عاشق کو دل لگی کا مزا کیا نباہ میں

یوسف غلام بن کے بکے جائے ننگ ہے
سارے ہی قافلے کو ڈبونا تھا چاہ میں

تقدیر کو جب آگ لگاتا ہے سوز عشق
ہوتی ہے روشنی مرے بخت سیاہ میں

پھینکے جو کاٹ کر کسی لاغر نے ہاتھ پاؤں
کانٹے بچھائے آپ نے دشمن کی راہ میں

ہوتی ہے دیکھنے کے لئے آنکھ میں نگاہ
دیکھو تمہاری آنکھ ہے میری نگاہ میں

کرتے ہیں یوں بگڑ کے مرے باب میں سوال
جرات جواب کی نہیں رہتی گواہ میں

محشر میں کس طرف سے یہ آنے لگی صدا
آتا ہو جس کو آئے ہماری پناہ میں

دل بھی کہیں جمے تو ہمارا قدم جمے
اک پاؤں بت کدے میں تو اک خانقاہ میں

جو پیچ پڑ گئے تھے وہ سارے نکل گئے
اب گفتگو رہی مری ان کی نباہ میں

ہنگام شکوہ خوف بٹھانے سے فائدہ
تم خود ہی بیٹھ جاؤ دل داد خواہ میں

ہم دوسرے کو دیکھ نہیں سکتے ان کے پاس
کیا آگیا ہے فرق ہماری نگاہ میں

بجلی گری کہ آہ پڑی بادہ خوار کی
ہل چل پڑی ہوئی ہے عجب خانقاہ میں

کیا سب کا خون گردن قاتل ہی پر رہا
اک بوند بھی لہو کی نہیں قتل گاہ میں

کیوں داغ دہلوی کی زباں مستند نہ ہو
پیدا کیا خدا نے اسے تخت گاہ میں

۱۳۵

خواب راحت سے وہ بیدار ہوئے ہیں کہ نہیں
فتنہ حشر کے آثار ہوئے ہیں کہ نہیں

ہم سے جب وعدہ کیا تھا وہ بہت کم سن تھے
دیکھئے قابل انکار ہوئے ہیں کہ نہیں

اب ہے عنقا مرض عشق و محبت کی دوا
کبھی پہلے بھی یہ آزار ہوئے ہیں کہ نہیں

شاہد حال ترے دیدہ و دل ہیں میرے
ان گواہوں کے بھی اظہار ہوئے ہیں کہ نہیں

بوسہ غیر نے کیا داغ لگائے دیکھو
نیل گوں چاند سے رخسار ہوئے ہیں کہ نہیں

تیرے جلوے نے دورنگی سے کیا ہے یک رنگ
متفق کافر و دیں دار ہوئے ہیں کہ نہیں

گھر سے نکلیں نہ کبھی، پوچھ نہ لیں وہ جب تک
جمع دس بیس خریدار ہوئے ہیں کہ نہیں

وعدۂ مہر و وفا یہ تو ہے معمولی بات
ہم سے کچھ اور بھی اقرار ہوئے ہیں کہ نہیں

اب جو تو مجھ کو پھنساتا ہے بتا اے صیاد
کچھ رہا اگلے گرفتار ہوئے ہیں کہ نہیں

بادۂ عشق میں سرشار جو ہیں اے واعظ
ایسے مے خوار گنہ گار ہوئے ہیں کہ نہیں

آہ لب پر مرے آئی تو قیامت آئی
وہ بھی ہشیار خبردار ہوئے ہیں کہ نہیں

میری آنکھوں سے ذرا جانچئے اپنی قیمت
آپ بھی اپنے خریدار ہوئے ہیں کہ نہیں

داغؔ اس فکر میں دن رات گھلا جاتا ہے
مجھ سے راضی مرے سرکار ہوئے ہیں کہ نہیں

۱۴۶

چھین کر دل بت خود کام لئے جاتے ہیں لوٹ کر راحت و آرام لئے جاتے ہیں

نظر آتا ہوں، نہ اس بزم سے اٹھ سکتا ہوں
ناتوانی سے بڑے کام لئے جاتے ہیں

مر گیا کون شب وصل کی امید میں آج
کس کا تابوت سر شام لئے جاتے ہیں

گرچہ دیتے ہیں زباں سے وہ شکایت کا جواب
دل میں کیا کیا دم الزام لئے جاتے ہیں

نامہ بر ایک بھی سچا نہیں دیکھا ہم نے
سیکڑوں مفت کے انعام لئے جاتے ہیں

شکوۂ مہر و وفا کس نے کہا کس سے سنا
پھر وہی آپ مرا نام لئے جاتے ہیں

جب تصور میں کوئی پردہ نشین ہوتا ہے
دل سے آنکھوں کے بہت کام لئے جاتے ہیں

عشق کرتا ہے مرے دل کی صفائی کیا کیا
ایسے مہمان سے بھی کام لئے جاتے ہیں

مول جنت کا ہوا نقد عبادت زاہد
ہے کہیں مال کہیں دام لئے جاتے ہیں

دل نے جو ہم سے کہا ہے وہ ادا کرنا ہے
اپنا ہم آپ ہی پیغام لئے جاتے ہیں

کیا مزا ہے کہ شکایت میں مزہ آتا ہے
خود وہ الزام پر الزام لئے جاتے ہیں

مے کشو! حضرت زاہد کی تلاشی لینا
کہ چھپائے ہوئے وہ جام لئے جاتے ہیں

پہلے تو ایسے وفادار کو آزاد کیا
مول اب داغ کے ہم نام لئے جاتے ہیں

۱۴۷

صاف کب امتحان لیتے ہیں
وہ تو دم دے کے جان لیتے ہیں

یوں ہے منظور خانہ ویرانی
مول میرا مکان لیتے ہیں

تم تغافل کرو رقیبوں سے
جاننے والے جان لیتے ہیں

پھر نہ آنا اگر کوئی بھیجے
نامہ بر سے زبان لیتے ہیں

اب بھی گر پڑ کے ضعف سے نالے
ساتواں آسمان لیتے ہیں

تیرے خنجر سے بھی تو اے قاتل
نوک کی نوجوان لیتے ہیں

اپنے بسمل کا سر ہے زانو پر کس محبت سے جان لیتے ہیں
یہ سنا ہے مرے لئے تلوار اک مرے مہربان لیتے ہیں
یہ نہ کہہ ہم سے تیرے منہ میں خاک اس میں تیری زبان لیتے ہیں
کون جاتا ہے اس گلی میں جسے دور سے پاسبان لیتے ہیں
منزلِ شوق طے نہیں ہوتی تھپکیاں ناتوان لیتے ہیں
کر گذرتے ہیں' ہو بری کہ بھلی دل میں جو کچھ وہ ٹھان لیتے ہیں
وہ جھگڑتے ہیں جب رقیبوں سے بیچ میں مجھ کو سان لیتے ہیں
مستعد ہو کے یہ کہو تو سہی آیئے امتحاں لیتے ہیں

داغ بھی ہے عجیب سحر بیاں
بات جس کی وہ مان لیتے ہیں

۱۴۸

ناداں ہے دوست' کچھ خبر نیک و بد نہیں
مجھ بے گناہ پر یہ ستم جس کی حد نہیں
یہ کیا کہا کہ غیر کو تجھ سے حسد نہیں
بن جاؤ تم گواہ تو اس کی سند نہیں
بندے کو آسرا ہے فقط اس کی ذات کا
اللہ کی مدد سے زیادہ مدد نہیں
تجھ سا ہی بلکہ تجھ سے بھی اچھا ملے گا اور
تو اس صنم کدے میں صنم ہے صمد نہیں

ہم کو ملے تو لطف رہے اے جناب خضر
گردش زدوں کو لذت عمر ابد نہیں

ہم کس شمار میں رہے ہو کر خمیدہ پشت
یہ حرف ہمزہ وہ ہے کہ جس کا عدد نہیں

کیا دیکھ کر نہال ہوں شمشاد و سرو کو
وہ بانکپن، وہ چال، وہ بوٹا سا قد نہیں

بچ بچ کے میری قبر سے چلتا ہے کیوں عدو
عشرت سرائے خلد ہے، کنج لحد نہیں

کیا فرض ہے کہ ہو بنی آدم ہی میں رقیب
شیطان رو سیاہ بھی تو لاولد نہیں

وہ دل کہاں کہ تیری محبت ہو دل نشیں
کوئی بھی ایسی روح کے قابل جسد نہیں

خون جگر کہاں صف مژگاں کے واسطے
افسوس ایسی فوج کو ملتی رسد نہیں

دشمن کو چار چاند لگے ہیں تو کیا کریں
ہم کو کسی سے کینہ و بغض و حسد نہیں

کیوں کر رہے ہمیشہ طبیعت کا ایک حال
وہ بحر پھر ہے خاک اگر جزر و مد نہیں

وہ امتحاں کریں تو سہی سوز عشق کا
اے داغ داغ دل سے زیادہ سند نہیں

۱۴۹

دل گیا، تم نے لیا، ہم کیا کریں
جانے والی چیز کا غم کیا کریں

ہم نے مر کر ہجر میں پائی شفا
ایسے اچھے کا وہ ماتم کیا کریں

اپنے ہی غم سے نہیں ملتی نجات
اس بنا پر فکر عالم کیا کریں

ایک ساغر پر ہے اپنی زندگی
رفتہ رفتہ اس سے بھی کم کیا کریں

کر چکے سب اپنی اپنی حکمتیں
دم نکلتا ہو تو ہم دم کیا کریں

دل نے سیکھا شیوۂ بیگانگی
ایسے نامحرم کو محرم کیا کریں

معرکہ ہے آج حسن و عشق کا
دیکھیے وہ کیا کریں ہم کیا کریں

آئینہ ہے اور وہ ہیں دیکھیے
فیصلہ دونوں یہ باہم کیا کریں

آدمی ہونا بہت دشوار ہے
پھر فرشتے حرص آدم کیا کریں

تند خو ہے کب سنے وہ دل کی بات
اور بھی برہم کو برہم کیا کریں

حیدر آباد اور لنگر یاد ہے
اب کے دلی میں محرم کیا کریں

کہتے ہیں اہل سفارش مجھ سے داغ
تیری قسمت ہے بری ہم کیا کریں

۱۵۰

تماشائے دیر و حرم دیکھتے ہیں
تجھے ہر بہانے سے ہم دیکھتے ہیں

ہماری طرف اب وہ کم دیکھتے ہیں
وہ نظریں نہیں جن کو ہم دیکھتے ہیں

زمانے کے کیا کیا ستم دیکھتے ہیں
ہمیں جانتے ہیں جو ہم دیکھتے ہیں

پھرے بت کدے سے تو اے اہل کعبہ پھر آکر تمہارے قدم دیکھتے ہیں
ہمیں چشم بینا دکھاتی ہے سب کچھ وہ اندھے ہیں جو جام جم دیکھتے ہیں
نہ ایمائے خواہش' نہ اظہار مطلب مرے منہ کو اہل کرم دیکھتے ہیں
کبھی توڑتے ہیں وہ خنجر کو اپنے کبھی نبض لبسمل میں دم دیکھتے ہیں
غنیمت ہے چشم تغافل بھی ان کی بہت دیکھتے ہیں جو کم دیکھتے ہیں
غرض کیا کہ سمجھیں مرے خط کا مضمون وہ عنوان و طرز رقم دیکھتے ہیں
سلامت رہے دل برا ہے کہ اچھا ہزاروں میں یہ ایک دم دیکھتے ہیں
رہا کون محفل میں اب آنے والا وہ چاروں طرف دم بدم دیکھتے ہیں
ادھر شرم حائل ادھر خوف مانع نہ وہ دیکھتے ہیں' نہ ہم دیکھتے ہیں
انہیں کیوں نہ ہو دل ربائی سے نفرت کہ ہر دل میں وہ غم الم دیکھتے ہیں
جواب خط شوق لکھنا ہے مشکل وہ گھڑیوں شگاف قلم دیکھتے ہیں
نگہباں سے بھی کیا ہوئی بدگمانی اب اس کو ترے ساتھ کم دیکھتے ہیں

ہمیں داغ کیا کم ہے یہ سرفرازی
کہ شاہ دکن کے قدم دیکھتے ہیں

۱۵۱

دل مفت لوں' ہرگز نہ دوں' وہ یہ کہے' میں یوں کہوں
اس کے سوا بھی سوچ لوں' وہ یہ کہے میں یوں کہوں

وصف لب عیسیٰ کروں' تقریر سحر آگیں سنوں
ہو فرق اعجاز و فسوں' وہ یہ کہے میں یوں کہوں

انعام چاہے خط رساں تو میں سناؤں گالیاں
اس کو طمع مجھ کو جنوں' وہ یہ کہے میں یوں کہوں

دشمن کے طعنے جب سنوں کیوں کر نہ میں دشنام دوں
بہ جائے گا دریائے خوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

ناصح سے وقت گفتگو کیا کیا ہوئی ہے دو بدو
بہتر ہے یہ، بدتر ہے یوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

جو یہ کہے اچھا ہے تو اس سے کہوں جھوٹا ہے تو
کیوں کر نہ ہو حالت زبوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

دیکھا جو انداز صبا لائی خبر، دل نے کہا
میں منکر فال و شگوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

کرتا ہے واعظ ہجو مے کہتا ہوں میں ہے خوب شے
کیوں کر نہ ہو حجت فزوں وہ یہ کہے میں یوں کہوں

کہتا ہے ناصح کر دوا مجھ کو طپش میں ہے مزا
کس طرح دل کو ہو سکوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

کیا دیکھئے ہو وقت پر قاصد چلا ہے سوچ کر
وہ یہ کہے میں یوں کہوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

وہ چاہتا ہے فصل ہو میں چاہتا ہوں وصل ہو
اے داغ کس آفت میں ہوں، وہ یہ کہے میں یوں کہوں

۱۵۴

ہزار رنج و مصیبت کے دن گذارے ہیں
کبھی جو لڑ گئی قسمت تو وارے نیارے ہیں

خدا کی شان کریمی کا پوچھنا کیا ہے
غضب تو یہ ہے گنہ گار ہم تمہارے ہیں

ازل سے سوختہ قسمت رہے ترے عاشق
ستارے ان کے نصیبوں کے کیا شرارے ہیں

گلہ کیا جو رقیبوں کا ان سے' فرمایا
تمہارے دوست بھی سب مدعی ہمارے ہیں

برا نہ جان حسینوں کو مان اے واعظ
خدا گواہ یہ بندے خدا کو پیارے ہیں

تمہارے چشم فسوں ساز سے نہیں شکوہ
ہمیں ہے خوب خبر جن کے یہ اشارے ہیں

بگڑ گئی ہے طبیعت' بدل چکا ہے مزاج
نہ تم ہمارے ہو اب سے نہ ہم تمہارے ہیں

وفا کرو کہ جفا' اختیار ہے تم کو
برے ہیں یا ہیں بھلے جیسے ہیں ہیں تمہارے ہیں

کھلے نہ باب اجابت تو کیا کرے کوئی
بہت دعا نے پکارا ہے ہاتھ مارے ہیں

بھٹکتی پھرتی ہیں آہیں' تباہ ہیں نالے
رفیق دل کے سہارے سے بے سہارے ہیں

ہمارے دل کو اگر لوٹ لو تو ہم جانیں
کہ تم نے ایک زمانے کے مال مارے ہیں

تری ادا جو قضا ہو تو کچھ نہیں پروا
ڈریں گے موت سے کیا دل کے جو کرارے ہیں

زمیں پہ رشک مہ و مہر ہیں حسیں لاکھوں
فلک پہ دو ہی تو چمکے ہوئے ستارے ہیں

وہ تند خو ہے تو ہو داغ کچھ نہیں پروا
مزاج بگڑے ہوئے سینکڑے سنوارے ہیں

۱۵۳

یہ لطف زہد و رندی ہے کہ ہر فرقے میں داخل ہوں
کوئی دن ان میں شامل ہوں کوئی دن ان میں شامل ہوں

وہ اس بزم ہستی میں عزیز اہل محفل ہوں
ہزاروں جان کی اک جان لاکھوں دل کا اک دل ہوں

مزا ہے تجھ میں کیا اے سوز الفت' واہ قائل ہوں
جگر بھی لوٹتا ہے اس تمنا میں کہ میں دل ہوں

ضعیفی پر جناب خضر کی کیا رحم آتا ہے
وہ جس منزل میں ہیں میں ان سے آگے چند منزل ہوں

برابر کا نہ ہو کوئی تو لطف خود نمائی کیا
وہ کہتا ہے کہ کیوں کر آپ اپنے سے مقابل ہوں

چھپایا تھا بہت کم بخت کو وزدیدہ نظروں سے
پکار اٹھا مرے پہلو میں لو حاضر ہوں میں دل ہوں

ترے لب پر، زباں پر تیری، میرا نام کیوں آئے
اسے بھی عار آتی ہے کہ کیوں جھوٹوں میں شامل ہوں

سکوں بدتر ہے میرا، بے قراری اس سے بھی بدتر
ٹھہرنے کے لئے حسرت، تڑپنے کے لئے دل ہوں

نگاہ شوق نے کی عرض حاجت وہ بھی ڈر ڈر کر
کبھی مانگا نہیں اپنی زبان سے میں وہ سائل ہوں

زمانہ کیا ستائے گا، فلک آزار کیا دے گا
مصیبت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گی کہ بے دل ہوں

مجھے ساری بلائیں ہجر کی شب دیکھنی ہوں گی
جگا دے لے کے چٹکی درد دل جس وقت غافل ہوں

نہ کر اے چارہ گر ناحق کا صرفہ زہر دینے میں
جو مرنے کے نہیں قابل تو کیا جینے کے قابل ہوں

کہیں میری روانی ہے کہیں افسردگی میری
کہیں میں آب دریا ہوں کہیں میں خاک ساحل ہوں

وہاں اے زاہد ایسے آدمی کی کیا بسر ہو گی
نہ جنت میرے قابل ہے نہ میں جنت کے قابل ہوں

کرے تو پابجولاں اپنے ہاتھوں سے جو وحشی کو
جنوں کو بھی یہ سودا ہو کہ پابند سلاسل ہوں

ترا کوچہ اگر فردوس ہے، تجھ کو مبارک ہو
مجھے کیا فائدہ، کیوں جیتے جی جنت میں داخل ہوں

محبت اور پھر میری محبت چھپ سکے کیوں کر
وہاں اثبات پر اثبات ہے، میں دل میں قائل ہوں

خدا کی مہر ہے شاہ دکن کی قدر دانی ہے
کہ میں آرام سے خوش حال ہوں اے داغ خوش دل ہوں

۱۵۴

جہاں ہوں جس جگہ ہوں ہم دم اصحاب کامل ہوں
نظر آنکھوں میں ہوں، منہ میں زباں ہوں، سینے میں دل ہوں

کھٹکتا ہوں ہر اک کو، کیا شریک اہل محفل ہوں
کہاں بیٹھوں کہاں اٹھوں، الٰہی کس کے شامل ہوں

جسے میں راہ پر لاؤں مجھے وہ راہ پر لائے
کہیں میں ہادیِ منزل، کہیں گم کردہ منزل ہوں

جو تو ہے خود نما تو میں بھی ہوں آئینۂ عرفاں
مخاطب سے مخاطب ہوں، مقابل سے مقابل ہوں

پتے کی کہہ رہا ہوں سچی سچی بے خودی میں بھی
عجب مجذوب سالک ہوں، عجب ہشیار غافل ہوں

محبت کی نشانی دفتر عالم میں ہے مجھ سے
نہ کوئی مد زائد ہوں، نہ کوئی حرف باطل ہوں

خدا نے خیر کر لی بچ گئی درباں سے عزت
یہی کہنا پڑا کچھ مانگنے آیا ہوں، سائل ہوں

ذرا سے ضبط غم پر یہ شکایت ہونے لگتی ہے
مجھے جس طرح چاہے رکھ ترا قیدی، ترا دل ہوں

کبھی جینے کی تدبیریں، کبھی مرنے کے ساماں ہیں
کبھی اپنا مسیحا ہوں، کبھی میں اپنا قاتل ہوں

نہ روکے سے رکے وہ چلتے چلتے کہہ گئے یہ بھی
ٹھہر جاؤں جو ٹھہرانے سے، کیا میں آپ کا دل ہوں

کیا اقرار جرم عشق ان کے شاد کرنے کو
اب آفت آگئی اپنی زباں سے آپ قائل ہوں

کہاں کی داد خواہی حشر میں جب یہ کہا اس نے
ترا جی چاہتا ہے میں گنہ گاروں میں داخل ہوں

اسی کو اتحاد عاشق و معشوق کہتے ہیں
پکار اٹھتا ہے خود مجنوں کہ میں لیلائے محمل ہوں

زمیں سے آسماں تک جانتے ہیں جاننے والے
مجھے دیکھو کہ میں اپنے کئے سے آپ غافل ہوں

بنا جاتا ہے محشر بھی تو مقتل، کیا تماشا ہے
ہر اک کو آرزو ہے کشتۂ انداز قاتل ہوں

چراتا ہوں نگاہ یاس و حسرت ورنہ اے قاتل
تجھے بھی اک اشارے میں لٹا دوں میں وہ بسمل ہوں

خدا جانے فلک کو داغ مجھ سے کیوں عداوت ہے
کسی فن میں نہ لائق ہوں نہ فائق ہوں نہ کامل ہوں

۱۵۵

جل کے ٹھنڈے ہوئے ترے غم میں ہم کو جنت ملی جنہم میں
کچھ ترا شوق کچھ تری حسرت اور رکھا ہی کیا ہے اب ہم میں
عرق آلودہ رخ ترا شب وصل غرق ہے آفتاب شبنم میں
کیا اسی نازکی پہ دعویٰ ہے آپ پھرتے ہیں چشم عالم میں
چل گئی چال آپ کی ہم پر سیدھے سادے تھے آگئے دم میں
ہو گیا عید ان کو میرا سوگ قہقہے اڑ رہے ہیں ماتم میں
روسیاہی گئی نہ اے زاہد ڈوب مرنا تھا چاہ زمزم میں
بزم دشمن میں کس طرح مرتا موت آتی نہیں جہنم میں
دل کی قیمت بہت ہے نیم نگاہ یہ تو آئے گا اس سے بھی کم میں
دل کو آشفتگی نے کیوں گھیرا یہ بھی ہو جمع زلف برہم میں
جب سے دیکھی ہے ہم نے تیری پلک پڑ گیا بال چشم پرنم میں
اب عنایت ہے کیوں خدا کے لئے کون سی بات بڑھ گئی ہم میں

داغ کو وہ جلا کے کہتے ہیں
ہم نے روشن کیا ہے عالم میں

۱۵۶

شکر بھی ٹھہرا شکایت، میں کیا کروں تو کیا کروں
بات کرنی ہے قیامت، میں کروں تو کیا کروں

کر دیا مجبور اس عاشق مزاجی نے مجھے
آہی جاتی ہے طبیعت میں کروں تو کیا کروں

جتنی باتیں کام کی تھیں کر گئے سب اہل عشق
نو گرفتارِ محبت، میں کروں تو کیا کروں

التجائیں جس قدر تھیں اس بت کافر سے کیں
اب خدا سے عرضِ حاجت میں کروں تو کیا کروں

پا برہنہ، دشت ویراں، دور منزل، راہ سخت
تو بتا اے شامِ غربت، میں کروں تو کیا کروں

دل تو ہے ان کی نظر میں کیا بہانہ چل سکے
دوستو حاضر میں حجت، میں کروں تو کیا کروں

میری لاشے پر کہا "کیا بے وفا یہ شخص تھا
بے مروت سے مروت میں کروں تو کیا کروں"

یہ کسی نے سچ کہا ہے بندگی بے چارگی
شکوۂ آزارِ قسمت، میں کروں تو کیا کروں

مجھ سے فرماتے ہیں، وہ "یہ تو خدا کا کلام ہے
تیری تسکینِ طبیعت، میں کروں تو کیا کروں"

ہوش ہی جاتے رہیں تو آدمی کیا کر سکے
دیکھ لوں جب اچھی صورت میں کروں تو کیا کروں

دل سے وہ کافر صنم نکلے تو سب کچھ ہو قبول
جا کے مسجد میں عبادت میں کروں تو کیا کروں

دل نے کی ہے جو خطا اپنے کئے کو پائے گا
ایسے مجرم کی شفاعت میں کروں تو کیا کروں

ضبطِ غم بھی ناصحِ مشفق کیا دو چار دن
اور اے حضرت سلامت میں کروں تو کیا کروں

ان کو عادت جور کی ہے وہ کریں تو کیا کریں
ترک عادت ہے عداوت میں کروں تو کیا کروں

کر دیا شاہ دکن نے داغ مستغنی مجھے
آرزوئے جاہ و دولت میں کروں تو کیا کروں

۱۵۷

اس ادا سے وہ جفا کرتے ہیں
کوئی جانے کہ وفا کرتے ہیں

یوں وفا عہد وفا کرتے ہیں
آپ کیا کہتے ہیں کیا کرتے ہیں

ہم کو چھیڑو گے تو پچھتاؤ گے
ہنسنے والوں سے ہنسا کرتے ہیں

نامہ بر تجھ کو سلیقہ ہی نہیں
کام باتوں میں بنا کرتے ہیں

چلئے عاشق کا جنازہ اٹھا
آپ بیٹھے ہوئے کیا کرتے ہیں

یہ بتاتا نہیں کوئی مجھ کو
دل جو آتا ہے تو کیا کرتے ہیں

حسن کا حق نہیں رہتا باقی
ہر ادا میں وہ ادا کرتے ہیں

تیر آخر بدل کافر ہے
ہم اخیر آج دعا کرتے ہیں

روتے ہیں غیر کا رونا پہروں
یہ ہنسی مجھ سے ہنسا کرتے ہیں

اس لئے دل کو لگا رکھا ہے
اس میں محبوب رہا کرتے ہیں

تم ملو گے نہ وہاں بھی ہم سے
حشر سے پہلے گلا کرتے ہیں

جھانک کر روزن در سے مجھ کو
کیا وہ شوخی سے حیا کرتے ہیں

اس نے احسان جتا کر یہ کہا
"آپ کس منہ سے گلا کرتے ہیں"

روز لیتے ہیں نیا دل دلبر
نہیں معلوم یہ کیا کرتے ہیں

داغ تو دیکھ تو کیا ہوتا ہے
جبر پر صبر کیا کرتے ہیں

۱۵۸

ان کو کہاں ہے صبر و تحمل عتاب میں — دم بھر کے بعد اور خط آیا جواب میں
کیوں فکر اس قدر ہے رقیبوں کے باب میں — ان کے گنہ بھی ڈال دو میرے حساب میں
دیکھا دل ان کا غیر نے سینے پہ رکھ کے ہاتھ — وہ کاش دیکھتے نہ مجھے اضطراب میں
صوفی کو اجتناب ہے، واعظ کو احتراز — کیا زہر گھل گیا ہے الٰہی شراب میں
یا رب نہ پوچھ عرصۂ محشر میں راز دل — کرتا ہوں میں حجاب کی باتیں حجاب میں
عاشق تو کب دبیں گے فرشتوں سے بعد مرگ — تکرار ہو نہ جائے سوال و جواب میں
دل دے کے مفت مول لیا پھر ہزار بار — اپنے دھوئیں بکھر گئے عہد شباب میں
اس نے بغیر خط کے پڑھے لکھ دیا جواب — یہ بات بھی ہے لکھنے کے قابل کتاب میں
تر بھر ہوئے ہیں کیسے وہ برسے ہیں کس قدر — لگتی لگاتی بات جو کہہ دی عتاب میں
آو نا اتنی دیر ہمیں تم کریں کلام — روز جزا ابھی ہے توقف حساب میں
میں دیکھتا ہوں دیکھتے ہی وصل ہجر بھی — تعبیر مجھ کو خواب کی ملتی ہے خواب میں
پوچھے تو کوئی حضرت واعظ سے اتنی بات — ایسے ہی تھے جناب بھی عہد شباب میں
آنکھ اپنی بند ہوتے ہی پردے سے اٹھ گئے — دیکھا تھا ہم نے خاک جہان خراب میں
تم مجھ پہ جور کرکے پشیمان بھی نہیں — میں تم سے دل لگا کے پڑا کس عذاب میں

کچھ ہوش ہو تو داغ کو سمجھائیں نیک و بد
ڈوبا ہوا ہے نشہ جام شراب میں

۱۵۹

یا تو ایسی مہربانی مجھ پہ یا کچھ بھی نہیں
ابتداء ہی ابتداء تھی انتہا کچھ بھی نہیں

بعد شوخی کے تری طرزِ حیا کچھ بھی نہیں
وہ ادائے دلربا تھی یہ ادا کچھ بھی نہیں

دیکھ کر تصویرِ یوسف کہہ دیا کچھ بھی نہیں
آپ ہی سب کچھ ہیں گویا دوسرا کچھ بھی نہیں

پوچھنے والوں نے میرا ناک میں دم کر دیا
جس نے پوچھا حال کچھ، کہنا پڑا کچھ بھی نہیں

گر نہ ہو عمرِ جوان و شاہد و سامانِ عیش
بے مزہ ہے زندگی اس کا مزا کچھ بھی نہیں

ان کو خط لکھا ہے سو پہلو بچا کر خوف سے
ہے عبارت ہی عبارت مدعا کچھ بھی نہیں

سینکڑوں دیں جھڑکیاں مجھ کو ہزاروں گالیاں
اور پھر کہتے ہیں میں نے تو کہا کچھ بھی نہیں

سن کے حالِ دل مرا رکھتے ہیں وہ کانوں پہ ہاتھ
ہائے اس انداز سے گویا سنا کچھ بھی نہیں

اس ستم پر صبر کرنا یہ ہمارا کام تھا
آپ کے نزدیک تسلیم و رضا کچھ بھی نہیں

جب نہ ہو قدر وفا اپنی وفا ہے بے نشاں
ہم نے یہ مانا اگر ہے بھی تو کیا کچھ بھی نہیں

تم اگر بے داد گر ہو تو خدا ہے داد گر
یہ نہ سمجھو پرسشِ روزِ جزا کچھ بھی نہیں

آگے اس بیگانہ وش کے ہیچ ہیں سب، کوئی ہو
آشنا کچھ بھی نہیں، ناآشنا کچھ بھی نہیں

بے خودی ہے وصل میں یا چھائی ہے تیری حیا
دیکھتا سب کچھ ہوں، لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

اپنے دم کو آدمی ہر دم غنیمت جان لے
خاک کا پھر ڈھیر ہے بعد فنا کچھ بھی نہیں

تو نے قسامِ ازل غیروں کو کیا کیا کچھ دیا
داغ ہے محروم اس کے نام کا کچھ بھی نہیں

۱۶۰

زندگی کا نہیں سامان، سر مو دل میں
مژۂ یار نے کیا پھیر دی جھاڑو دل میں

ایک تیرے ہی نہ رہنے سے رہا کیا کیا کچھ | کوئی حسرت نہ رہی جب سے رہا تو دل میں
یہی دھڑکا ہے کہ خالی نہ رہے وصل کی شب | دل ہے پہلو میں تو ہے آپ کا پہلو دل میں
اشک پیتا ہوں اگر ضبط محبت کے لئے | ریزے الماس کے بن جاتے ہیں آنسو دل میں
سانپ سا لوٹ رہا ہے شب ہجراں کیا کیا | لہریں لیتا ہے خیال خم گیسو دل میں
ساتھ ہر سانس کے آجاتی ہے پھولوں کی مہک | بس گئی ہے گل عارض کی جو خوشبو دل میں
ضعف اس درجہ بڑھا ہے کہ الٰہی توبہ | درد بھی اب تو بدلتا نہیں پہلو دل میں
اب کہاں ہوش، کہاں صبر، کہاں تاب و تواں | کر گئی گھر یہ تری نرگس جادو دل میں
تیر کی طرح سے چلتی ہیں نگاہیں دل پر | تیغ کی طرح اتر جاتے ہیں ابرو دل میں
پہلوئے غیر میں بیٹھے وہ نظر آتے ہیں | سوچتا ہوں جو کبھی وصل کا پہلو دل میں
کیا کہوں گذرے ہیں دن رات مجھے سولی پر | جب سمایا ہے کسی کا قد دل جو دل میں
روح قالب میں ہے یا غنچے میں بوئے پنہاں | بند شیشے میں پری ہے کہ پری رو دل میں
نوک پیکاں جو ادھر ہے لب سوفار ادھر | تیر سفاک ہوا خوب ترازو دل میں
اب وہ آتے ہیں نکلنے کے لئے ہو تیار | آرزو بیٹھ رہی چھپ کے کہاں تو دل میں
خلش و حسرت و بیتابی و آزار و الم | سب کے سب ایک طرف سب سے سوا تو دل میں

شیوۂ راستی ایسا ہے دکن میں اے داغ
بل نہیں رکھتے مسلمان سے ہندو دل میں

۱۶۱

کسی کا مجھ کو نہ محتاج رکھ زمانے میں | کمی ہے کون سی یا رب ترے خزانے میں
اس انفعال سے گھر چھوڑنا پڑا مجھ کو | وہ آج آئیں گے میرے غریب خانے میں
جو ہو اجازت صیاد و طاقت پرواز | قفس کو لے کے چلا جاؤں آشیانے میں

رقیب بھی تو اسے کان رکھ کے سنتے ہیں
عجب طرح کا مزہ ہے مرے فسانے میں
نہ باز آ دل مضطر سوال پیہم سے
وہ سوچتے ہیں ابھی دیر ہے بہانے میں
لڑیں وہ میرے عوض تجھ سے رحم کھا کھا کر
اگر ہوں لیلیٰ و شیریں ترے زمانے میں
ملا نہ خرمن ہستی سے کچھ سوائے اجل
بھرا ہے زہر مگر اس کے دانے دانے میں
ہمارے دل پہ لگائیں تو وہ خدنگ نگہ
یہ تیر ڈوب کے رہ جائے گا نشانے میں
سر نیاز کے جھکتے ہی آنکھ سے دیکھا
بھرا ہے جلوہ عجب تیرے آستانے میں
نہ رکھ مجھے قفس آہنی میں اے صیاد
بجائے خار تھے گل میرے آشیانے میں
مرے وکیل بنے جو حضرت ناصح
یہ فکر ہے انہیں کیا دوں گا محنتانے میں
پڑھیں گے حضرت زاہد وہاں بھی جا کے نماز
بنے گی چھوٹی سی مسجد شراب خانے میں

مآل کار خدا جانے داغ کیا ہو گا
خدا سے کام پڑا آخری زمانے میں

۱۶۴

وہ دشنام لاکھوں مجھے دے رہے ہیں
مزے لینے والے مزے لے رہے ہیں
تسلی مرے دل کو کیا دے رہے ہیں
کلیجے میں وہ چٹکیاں لے رہے ہیں
عجب خوبیاں خوبرویوں میں دیکھیں
برائی میں بھی سب سے اچھے رہے ہیں
رقیبوں کی ہے چاندنی چار دن کی
ہمیشہ کہیں دور دورے رہے ہیں؟
وہاں خاک اڑتی ہے اب وائے حسرت
جہاں سالہا سال جلسے رہے ہیں
مزہ دے گیا ہے فسانہ ہمارا
مہینوں وہاں اس کے چرچے رہے ہیں
جدھر سے وہ گذرے قیامت بپا تھی
کہ نقش قدم تک تڑپتے رہے ہیں

عدم کو چلے جائیں گے ہجر میں ہم
اکیلے رہیں گے اکیلے رہے ہیں

محبت میں اچھا نہیں دوڑ چلنا
جو آگے چلے ہیں وہ پیچھے رہے ہیں

نصیبوں سے ملتا ہے درد محبت
یہاں مرنے والے ہی اچھے رہے ہیں

یونہیں روز محشر بھی انکار ہو گا
کبھی میری سن کر وہ چپکے رہے ہیں

یہ حجت نئی ہے کہ اب دل کو واپس
نہیں لیتے ہم اور وہ دے رہے ہیں

جنہیں اس نے لکھا ہے حرف تسلی
وہ کم بخت برسوں تڑپتے رہے ہیں

خدا زندہ رکھے مرے دوستوں کو
بہت چل بسے اور تھوڑے رہے ہیں

گئی داغ کے ساتھ مہر و محبت
فقط اب تو دعوے ہی دعوے رہے ہیں

۱۴۳

خط میں لکھے ہوئے رنجش کے کلام آتے ہیں
کس قیامت کے یہ نامے مرے نام آتے ہیں

تاب نظارہ کسے دیکھی جو ان کے جلوے
بجلیاں کوندتی ہیں جب لب بام آتے ہیں

تو سہی حشر میں تجھ سے جو نہ یہ کہوا دوں
دوست وہ ہوتے ہیں جو وقت پہ کام آتے ہیں

رہرو راہ محبت کا خدا حافظ ہے
اس میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں

وہ ڈرا ہوں کہ سمجھتا ہوں یہ دھوکا تو نہ ہو
اب وہاں سے جو محبت کے پیام آتے ہیں

صبر کرتا ہے کبھی اور تڑپتا ہے کبھی
دل ناکام کو اپنے یہی کام آتے ہیں

نہ کسی شخص کی عزت نہ کسی کی توقیر
عاشق آتے ہیں تمہارے کہ غلام آتے ہیں

رسم تحریر بھی مٹ جائے یہی مطلب ہے
ان کے خط میں مجھے غیروں کے سلام آتے ہیں

وصل کی رات گذر جائے نہ بے لطفی میں
کہ مجھے نیند کے جھوکے سر شام آتے ہیں

گریہ ہو نالہ ہو حسرت ہو کہ ارمان وصال
آنے والے تری فرقت میں مدام آتے ہیں

داغ کی طرح سے گل ہوتے ہیں صدقے قرباں
بہر گل گشت چمن میں جو نظام آتے ہیں

۱۶۴

ہوا رشک عدو بھی عاشقی میں
لگا دی اور قسمت نے لگی میں

کروں کیا چار دن کی زندگی میں
رہی جاتی ہے حسرت جی کی جی میں

بتوں سے اب معافی چاہتا ہوں
خدا سے کچھ کہا تھا بے خودی میں

نہ اترا اے دل ناداں شب وصل
کوئی غم ہو ہی جاتا ہے خوشی میں

مری جانب سے اے قاصد یہ کہنا
تجھے میں دیکھ لیتا زندگی میں

غضب وہ ہر ادا پر اس کا کہنا
بھلا یہ بات دیکھی ہے کسی میں

اکیلے بیٹھ کر کیا سوچتے ہو
یہ تنہائی ہے داخل بے کسی میں

تمہیں کھل جائے گی دل کی تمنا
ابھی ہے بند خوش بو اس کلی میں

وہ لے کر کیا کریں عشاق کے دل
کسی میں داغ ہے کانٹا کسی میں

عدو سے مل کے پھر ایسی ڈھٹائی
ذرا شرمائے ہوتے اپنے جی میں

دیا دل ہم نے ان کو یہ سمجھ کر
کہ اپنی جان بچتی ہے اسی میں

نہ ہو راحت نصیب اہل زمیں کو
ہمیشہ ہے فلک اس پیروی میں

وہ بگڑے ذکر دشمن پر شب وصل
غضب کا رنج پھیلا ہے خوشی میں

تجھی پر جان دیتا کیوں زمانہ
اگر یہ بات ہوتی ہر کسی میں

نہ دیکھا سایہ دیوار تک بھی
بہت چکر لگائے اس گلی میں

دل ویراں کے ظاہر پر نہ جاؤ
نہ ہونے پر بھی سب کچھ ہے اسی میں

ترا آزردہ ہونا بھی ادا ہے
مگر وہ دل لگی میں یا ہنسی میں

پری سے نقشہ اچھا حور سے آنکھ   تری صورت نہیں ملتی کسی میں
عداوت ان کی ظاہر ہو نہ الفت   وہی ہے جو سمجھ لو اپنے جی میں

تمہیں کیا چھیڑ کر خوش ہوں وہ اے داغ
کہ تم تو روئے دیتے ہو ہنسی میں

۱۶۵

اثر ہے خار حسرت کے بیاں میں   کہ اس کے حرف چبھتے ہیں زباں میں
نزاکت سے نہ آئے جو گماں میں   کوئی کیا لائے اس کو امتحاں میں
پئے تھے اشک جو عشق نہاں میں   وہ چھالے بن کے پھوٹے ہیں زباں میں
کھلے گر بال و پر اب کے تو صیاد   قفس رکھا ہوا ہے آشیاں میں
ہوئی جاتی ہے عالم کی صفائی   رہو تم امتحاں ہی امتحاں میں
نہیں مرنے کا اپنے غم، یہ غم ہے   کہ پھر آنا نہ ہو گا اس جہاں میں
یہ ممکن تھا کہ رسوائی نہ ہوتی   سمائی بھی ہو تیرے رازداں میں
مقدر نے دکھایا، میں نے دیکھا   نہ تھا جو کچھ مرے وہم و گماں میں
ادھر وحشت ادھر ہے خوف رہزن   کبھی تنہا کبھی میں کارواں میں
یہ کہہ کر وہ مرے دل میں نہ ٹھہرے   ہمیں ہوتی ہے وحشت اس مکاں میں
غنیمت ہے جو وہ کرتے نہیں بات   ہماری موت ہے ان کی زباں میں
خدا کے آگے سچ کہنا پڑے گا   زباں میری لگا تا زباں میں
سنا دے قصہ خواں ان کو مرا حال   لگا دے یہ بھی کہ داستاں میں
ہوا بگڑی ہوئی ہے کچھ چمن کی   چلو اے ہم صفیرو آشیاں میں
نہیں ہے انتہا اہل وفا کی   بہت دشواریاں ہیں متحاں میں

کیا ہے عاشقوں نے اس کو بدنام برائی کون سی ہے آسماں میں
جو کچھ کہتے ہو منہ سے کر دکھاؤ دھرا کیا ہے فقط خالی بیاں میں
چلے آتے ہیں وہ مقتل سے ناخوش برا نکلا ہے کوئی امتحاں میں
نمود حسن کو ہے عشق درکار بہت ہوتے ہیں یوسفؑ کارواں میں
مرے دل کو مرے نالوں کو روکے اگر طاقت ہے تیرے پاسباں میں
چل اے شوق ستم اس سرزمیں پر جو ہو کچھ ملتی جلتی آسماں میں
کہا دل تھام کر اس سنگ دل نے اثر ہے دردمندوں کی فغاں میں
کہا سب نے کلام داغ سن کر
غنیمت ہے یہ دم، ہندوستاں میں

۱۶۶

دم نہیں، دل نہیں، دماغ نہیں کوئی دیکھے تو اب وہ داغ نہیں
گر قناعت نہیں ہے انساں کو کبھی حاصل اسے فراغ نہیں
ایسے ویرانے میں وہ کیوں آئیں خانہ دل ہے خانہ باغ نہیں
بات کرنی تو بار ہے تم کو بات سننے کا بھی دماغ نہیں
تھی زمانے میں روشنی جس کی ہائے اس گھر میں اب چراغ نہیں
مست کر دے نگاہ سے ساقی حاجت ساغر و ایاغ نہیں
فصل گل جوش پر ہے اب کے برس دل افسردہ باغ باغ نہیں
کھوج ملتا ہے ہر مسافر کا عمر رفتہ کا کچھ سراغ نہیں
داغ کو کیوں مٹائے دیتے ہو
دل سے ہو دور یہ وہ داغ نہیں

نیند آئے جو کسی رات یہ ممکن ہی نہیں
مجھ پہ گذرے نہ قیامت وہ کوئی دن ہی نہیں

دم شماری دل مجبور بری ہوتی ہے
جان کی خیر اسی میں ہے کہ تو گن ہی نہیں

قابل دید ہے بے تابی دل کا مضموں
حرف کوئی مری مکتوب میں ساکن ہی نہیں

کس بھروسے پہ دکھاؤں نگہ یار کو دل
چور کا سارے جہاں میں کوئی ضامن ہی نہیں

ہے لڑکپن کا زمانہ وہ ادا کیا جانیں
ابھی موسم ہی نہیں، دن ہی نہیں، سن ہی نہیں

مانگتا ہوں جو دعا وصل کی ان کے آگے
چپکے چپکے وہ کہے جاتے ہیں ممکن ہی نہیں

غیر آسیب ہے، سائے سے بھی اس کے بچنا
آدمیت ہو اگر اس میں تو وہ جن ہی نہیں

کون گرداب محبت سے نکالے مجھ کو
آشنا کوئی مددگار و معاون ہی نہیں

آپ کے دل کی خبر کیوں نہ ہو میرے دل کو
کیا زمانے میں کوئی صاحب باطن ہی نہیں

آپ اے حضرت ناصح کوئی تدبیر کریں
آپ سا کوئی مرا مشفق و محسن ہی نہیں

کس کو اے داغ سنائیں غزل اپنی کہہ کر
میر و مرزا بھی نہیں غالب و مومن ہی نہیں

۱۶۸

خدا سے گفتگو ہے اور میں ہوں
کل اے بے مہر تو ہے اور میں ہوں

ادھر محفل میں ہیں پروانہ و شمع
ادھر وہ شمع رو ہے اور میں ہوں

شب وصل عدو ہے اور تو ہے
دل پر آرزو ہے اور میں ہوں

نکالوں چھان کر ساری خدائی
اب اس کی جستجو ہے اور میں ہوں

مے و ساغر کہاں روز جدائی
مرے دل کا لہو ہے اور میں ہوں

تن بے سر سے ہے قاتل کی تعریف
صدائے بے گلو ہے اور میں ہوں

ہمیشہ تازہ گل رو دیکھتا ہوں
بہار رنگ و بو ہے اور میں ہوں

نکلی چھیڑ گر مجھ سے سر بزم
سمجھ لو پھر عدو ہے اور میں ہوں

نہ چھوڑوں گا دل خوں گشتہ تجھ کو
کہ اب تیرا لہو ہے اور میں ہوں

نہ آئے اور کوئی دم تو پھر کیا
یوں ہی سی آرزو ہے اور میں ہوں

کہیں جمتی نہیں اپنی طبیعت
خیال چار سو ہے اور میں ہوں

ملیں گے کل کہ وہ سمجھیں گے مجھ سے
کہا ہے داغ تو ہے اور میں ہوں

۱۶۹

صبح تک دل کو دلاسے شب غم دیتے ہیں
جس کو تم دے نہیں سکتے اسے ہم دیتے ہیں

حسب خواہش وہ کہاں رنج والم دیتے ہیں
مانگنے والے کو آزار بھی کم دیتے ہیں

خاک دیتے ہیں جو یوں اہل کرم دیتے ہیں
سو بتاتے ہیں اگر ایک درم دیتے ہیں

وعدہ کرنے کو وہ تیار تھے سچے دل سے
میں نے کم بخت یہ جانا مجھے دم دیتے ہیں

کس نے خوش بو سے بسایا ہے کفن کو میرے
کہ دعائیں مجھے سب اہل عدم دیتے ہیں

وہ جو ارشاد کریں یاد رہے یا نہ رہے
نامہ برہم تجھے قرطاس و قلم دیتے ہیں

مجھ سے وہ کہتے ہیں پروانے کو دیکھا تو نے
دیکھ یوں جلتے ہیں، اس طرح سے دم دیتے ہیں

خاکساران محبت کا یہی تو ہے علاج
گھول کر ان کو ترا نقش قدم دیتے ہیں

سادگی ہے کہ شرارت ہے جو ہر بات پہ وہ
میرے دشمن کو مرے سر کی قسم دیتے ہیں

عہد لیتے ہو کہ پھر بوسہ نہ لینا دیکھو
دینے والی بھی کہیں لے کے قسم دیتے ہیں

طعنہ الفت دشمن پہ کہا ظالم نے
ایک سے لیتے ہیں دل ایک کو ہم دیتے ہیں

مدعا یہ ہے تڑپتا ہی سسکتا ہی رہے
گھول کر آب بقا میں مجھے سم دیتے ہیں

دل شکن ان سے زیادہ کوئی لکھے گا جواب
کس لئے ہاتھ میں دشمن کے قلم دیتے ہیں

تو وفا کرتی جو اے عمر رواں کیا ہوتا
بے وفائی پہ تری سیکڑوں دم دیتے ہیں

زاہدوں کو برکت کا ہے مہینہ رمضان
فاقے کرتے ہیں مگر کب یہ بھرم دیتے ہیں

ابر نیساں کے ہر اک قطرے پہ کہتی ہے صدف
واہ دل کھول کے یوں اہل کرم دیتے ہیں

رنج دینے کا عبث داغ ہے شکوہ ان سے
جس کو دیتا ہے خدا اس کو صنم دیتے ہیں

۱۷۰

کیوں چراتے ہو دیکھ کر آنکھیں
کر چکیں میرے دل میں گھر آنکھیں

ضعف سے کچھ نظر نہیں آتا
کر رہی ہیں ڈگر ڈگر آنکھیں

چشم نرگس کو دیکھ لیں پھر ہم   تم دکھا دو جو اک نظر آنکھیں
ہے دوا ان کی آتش رخسار   سینکتے ہیں اس آگ پر آنکھیں
کوئی آسان ہے ترا دیدار   پہلے بنوائے تو بشر آنکھیں
جلوۂ یار کی نہ تاب ہوئی   ٹوٹ آئی ہیں کس قدر آنکھیں
دل کو تو گھونٹ گھونٹ کر رکھا   مانتی ہی نہیں مگر آنکھیں
نہ گئی تاک جھانک کی علوت   لئے پھرتی ہیں در بدر آنکھیں
کیا یہ جلوو بھرا نہ تھا کاجل   سرخ کر لیں جو پونچھ کر آنکھیں
ناوک و نیشتر تری پلکیں   سحر پرداز و فتنہ گر آنکھیں
یہ نرالا ہے شرم کا انداز   بات کرتے ہو ڈھانک کر آنکھیں
خاک پر کیوں ہو نقش پا تیرا   ہم بچھائیں زمین پر آنکھیں
نوحہ گر کون ہے مقدر پر   رونے والوں میں ہیں مگر آنکھیں
یہی رونا ہے گر شب غم کا   پھوٹ جائیں گی تا سحر آنکھیں
حال دل دیکھنا نہیں آتا   دل کی بنوائیں چارہ گر آنکھیں

داغ آنکھیں نکالتے ہیں وہ
ان کو دے دو نکال کر آنکھیں ۔

۱۷۱

سب لوگ جدھر وہ ہیں ادھر دیکھ رہے ہیں   ہم دیکھنے والوں کی نظر دیکھ رہے ہیں
تیور ترے اے رشک قمر دیکھ رہے ہیں   ہم شام سے آثار سحر دیکھ رہے ہیں
میرا دل گم گشتہ جو ڈھونڈا نہیں ملتا   وہ اپنا دھن، اپنی کمر دیکھ رہے ہیں

کوئی تو نکل آئے گا سرباز محبت
دل دیکھ رہے ہیں وہ جگر دیکھ رہے ہیں

ہے مجمع اغیار کہ ہنگامہ محشر
کیا سیر مرے دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں

اب اے نگہ شوق نہ رہ جائے تمنا
اس وقت ادھر سے وہ ادھر دیکھ رہے ہیں

ہر چند کہ ہر روز کی رنجش ہے قیامت
ہم کوئی دن اس کو بھی مگر دیکھ رہے ہیں

آمد ہے کسی کی کہ گیا کوئی ادھر سے
کیوں سب طرف راہ گذر دیکھ رہے ہیں

تکرار تجلی نے ترے جلوے میں کیوں کی
حیرت زدہ سب اہل نظر دیکھ رہے ہیں

نیرنگ ہے ایک ایک ترا دید کے قابل
ہم اے فلک شعبدہ گر، دیکھ رہے ہیں

کب تک ہے تمہارا سخن تلخ گوارا
اس زہر میں کتنا ہے اثر دیکھ رہے ہیں

کچھ دیکھ رہے ہیں دل بسمل کا تڑپنا
کچھ غور سے قاتل کا ہنر دیکھ رہے ہیں

اب تک تو جو قسمت نے دکھایا وہی دیکھا
آئندہ ہو کیا نفع و ضرر دیکھ رہے ہیں

پہلے تو سنا کرتے تھے عاشق کی مصیبت
اب آنکھ سے وہ آٹھ پہر دیکھ رہے ہیں

کیوں کفر ہے دیدار صنم حضرت واعظ
اللہ دکھاتا ہے، بشر دیکھ رہے ہیں

خط غیر کا پڑھتے تھے، جو ٹوکا تو وہ بولے
اخبار کا پرچہ ہے، خبر دیکھ رہے ہیں

پڑھ پڑھ کے وہ دم کرتے ہیں کچھ ہاتھ پر اپنے
ہنس ہنس کے مرے زخم جگر دیکھ رہے ہیں

میں داغ ہوں مرتا ہوں ادھر دیکھئے مجھ کو
منہ پھیر کے یہ آپ کدھر دیکھ رہے ہیں

۱۷۲

ان کے اک جاں نثار ہم بھی ہیں
ہیں جہاں سو ہزار، ہم بھی ہیں

تم بھی بے چین، ہم بھی ہیں بے چین
تم بھی ہو بے قرار، ہم بھی ہیں

اے فلک کہہ تو کیا ارادہ ہے
عیش کے خواست گار ہم بھی ہیں

کھینچ لائے گا جذب دل ان کو ہمہ تن انتظار ہم بھی ہیں
بزم دشمن میں لے چلا ہے دل کیسے بے اختیار ہم بھی ہیں
شہر خالی کئے، دکاں کیسی ایک ہی بادہ خوار ہم بھی ہیں
شرم سمجھے ترے تغافل کو واہ کیا ہوشیار ہم بھی ہیں
ہاتھ ہم سے ملاؤ اے موسیٰؑ عاشق روئے یار ہم بھی ہیں
خواہش بادۂ طہور نہیں کیسے پرہیزگار ہم بھی ہیں
تم اگر اپنی گوں کے ہو معشوق اپنے مطلب کے یار ہم بھی ہیں
جس نے چاہا پھنسا لیا ہم کو دلبروں کے شکار ہم بھی ہیں
آئی مے خانے سے یہ کس کی صدا لاؤ یاروں کے یار ہم بھی ہیں
لے ہی تو لے گی دل نگاہ تری ہر طرح ہوشیار ہم بھی ہیں
ادھر آکر بھی فاتحہ پڑھ لو آج زیر مزار ہم بھی ہیں
غیر کا حال پوچھئے ہم سے اس کے جلسے کے یار ہم بھی ہیں

کون سا دل ہے جس میں داغ نہیں
عشق میں یادگار ہم بھی ہیں

۱۷۳

یہ تو نہیں کہ تم سا جہاں میں حسیں نہیں
اس دل کو کیا کروں یہ بہلتا کہیں نہیں

ہاں ہاں کہو زباں سے یا تم نہیں نہیں
ہم کو تمہاری بات کا مطلق یقیں نہیں

دل کے سوا نہ کعبے میں ہے وہ نہ دیر میں
گر ہے تو بس یہیں ہے، نہیں تو کہیں نہیں

چکر ہے رات دن مجھے مانند آسماں
بیٹھے جہاں یہ دل وہ کوئی سرزمیں نہیں

اس در پہ جبہ سا ہو تو پھر کوئی کیوں اٹھے
یا سنگ آستاں ہی نہیں یا جبیں نہیں

تم مہرباں ہو کہ نہ ہو، اس سے بحث کیا
وہ دل نہیں، وہ لاگ نہیں، وہ ہمیں نہیں

دنیا کا حال حضرت عیسیٰؑ سے پوچھے
کیا آسماں والوں میں اہل زمیں نہیں

کس طرح بے حجاب ہو کیوں کر ہو بدلحاظ
کیا میرے دل میں وہ نگہ شرمگیں نہیں

یہ کیا کہا، معاف کرو تم کہا سنا!
دم دے رہا ہوں میں یہ دم واپسیں نہیں

کیوں، ذکر بے وفائی دشمن پہ یاد ہے؟
گردن ہلا ہلا کے وہ کہتا "نہیں، نہیں"

کہتا ہوں دل سے اور حسیں ڈھونڈیے کوئی
آتا ہے پھر خیال کہ ایسا کہیں نہیں

مذہب میں اپنے ترک ملاقات کفر ہے
یہ بات ہم نشیں کی تو کچھ دل نشیں نہیں

واعظ تجھے دکھائیں گے ہم کوئے یار بھی
جا پہنچے ایک دم میں یہ خلد بریں نہیں

کیا لطف دے رہی ہیں ادائیں عتاب کی
ہے موج بحر حسن و چین جبیں نہیں

معشوق بن کے چھوٹ گئے سب ستم شعار
یا رب ستم رسیدوں کی پرسش کہیں نہیں

افسوس ہے کہ درد بھی اب چھوڑتا ہے ساتھ
یہ بھی اخیر وقت کہیں ہے کہیں نہیں

احباب چشم تر سے اٹھاتے ہیں ہاتھ کیوں
یہ پردہ آنکھ کا ہے مری آستیں نہیں

باتیں تمھاری اور ہماری شکایتیں
جو کچھ سنی ہیں ہم نے وہ تم سے کہیں نہیں

جلوت میں یوں ہے وہ کہ تلاشی ہے چشم شوق
خلوت میں اس طرح ہے کہ خلوت گزیں نہیں

کہتے ہیں لوگ داغ سے وہ بدگمان ہیں
ایسا تمھاری ذات سے اس کو یقین نہیں

۱۷۴

وہ نہایت ہمیں مغرور نظر آتے ہیں
پاس بیٹھے ہیں مگر دور نظر آتے ہیں

زاہد خشک کی بھی رال ٹپک پڑتی ہے
ترو تازہ اگر انگور نظر آتے ہیں

اشک پر خوں کا جو ٹپکا ہی لگا رہتا ہے
دل کے اندر کئی ناسور نظر آتے ہیں

یاد آتے ہیں وہ دندان مسی آلودہ
جب ستارے شب دیجور نظر آتے ہیں

ہم نشیں ان کے منانے کے لئے بھیجے تھے
وہ سوا مجھ سے بھی مجبور نظر آتے ہیں

سرد مہری سے تری سرد ہوئے ہیں ایسے
دل جو پرسوز تھے کافور نظر آتے ہیں

چاند سورج کو فلک اپنے لئے رہنے دے
ہم کو کیا کیا رخ پرنور نظر آتے ہیں

چشم مستان قدح خوار میں شب کو اختر
چرخ پر ساغر بلور نظر آتے ہیں

وصف خوبان جہاں پر یہ کہا اس بت نے
آپ کی آنکھ میں سب حور نظر آتے ہیں

اے فلک ان کے علاوہ بھی حسیں ہیں کہ نہیں
جو زمانے میں ہیں مشہور نظر آتے ہیں

خانہ غیر میں بے پردہ ہے وہ ماہ جمال
کہ ستارے مجھے بے نور نظر آتے ہیں

نہیں خم خانہ عالم میں کوئی بھی ہشیار
ہم کو مخمور بھی مخمور نظر آتے ہیں

سخت جاں ہو دل بسمل تو کرے کیا قاتل
وار بیٹھے ہوئے بھرپور نظر آتے ہیں

شکر کرتا ہوں انہیں دیکھ کر دشمن ہوں کہ دوست
مجھ کو دنیا میں جو مسرور نظر آتے ہیں

اجر ملتا ہے اٹھاتے ہیں جو بار غم عشق
ہم کو عاشق ترے مزدور نظر آتے ہیں

مر کے بھی داغ محبت کے نشاں کچھ نہ مٹے
داغ کے دل میں بدستور نظر آتے ہیں

۱۷۵

اس "نہیں" کا کوئی علاج نہیں
روز کہتے ہیں آپ آج نہیں

کل جو تھا آج وہ مزاج نہیں
اس تلون کا کچھ علاج نہیں

آئینہ دیکھتے ہی اترائے
پھر یہ کیا ہے اگر مزاج نہیں

لے کے دل رکھ لو کام آئے گا
گو ابھی تم کو احتیاج نہیں

ہو سکیں ہم مزاج داں کیوں کر
ہم کو ملتا ترا مزاج نہیں

چپ لگی لعل جاں فزا کو ترے
اس مسیحا کا کچھ علاج نہیں

دل بے مدعا خدا نے دیا
اب کسی شے کی احتیاج نہیں

کھوٹے داموں میں یہ بھی کیا ٹھہرا درہم داغ کا رواج نہیں
بے نیازی کی شان کہتی ہے بندگی کی کچھ احتیاج نہیں
دل لگی کیجئے رقیبوں سے اس طرح کا مرا مزاج نہیں
عشق ہے پادشاہ عالم گیر گرچہ ظاہر میں تخت و تاج نہیں
درد فرقت کی گو دوا ہے وصل اس کے قابل بھی ہر مزاج نہیں
یاس نے کیا بجھا دیا دل کو کہ تڑپ کیسی' اختلاج نہیں
ہم تو سیرت پسند عاشق ہیں خوب رو کیا جو خوش مزاج نہیں
حور سے پوچھتا ہوں جنت میں اس جگہ کیا بتوں کا راج نہیں

صبر بھی دل کو داغ دے لیں گے
ابھی کچھ اس کی احتیاج نہیں

۱۷۶

یہ بت جو دیتے ہیں' جھوٹی زبان دیتے ہیں
خدا کے واسطے پر لوگ جان دیتے ہیں

ہم امتحان کے ساتھ امتحان دیتے ہیں
وہ جان لینے کو آئیں تو جان دیتے ہیں

زمین کوچہ جاناں کا رتبہ ایسا ہے
فرشتے اس کے عوض آسمان دیتے ہیں

تکان پہنچے نہ قاتل کے دست نازک کو
ٹھہر ٹھہر کے بہت امتحان دیتے ہیں

عدو کی بزم ہے کچھ ان کی انجمن تو نہیں
وہ اپنے ہاتھوں سے کیوں پھول پان دیتے ہیں

یہ نامہ بر نے کہا مجھ سے کیا وہ دل میں نہیں
کہ آپ اور جگہ کا نشان دیتے ہیں

خیال عارض و لب سے بڑھا ہے دل میں لہو
گرہ سے اپنی یہی مہمان دیتے ہیں

مرے فسانے کو سن سن کے نیند اڑتی ہے
دعائیں مجھ کو ترے پاسبان دیتے ہیں

خیال رشک سے مر جائے مدعا یہ ہے
وہ مفت غیر کا مجھ کو مکان دیتے ہیں

تری نگاہ نے، تیری ادا نے مارا ہے
دھائیاں یہی سب نوجوان دیتے ہیں

کیا ہے بوسے کا وعدہ مگر ہے وہ احساں
کوئی یہ جانے کہ دونوں جہان دیتے ہیں

ملے گا تارک دنیا کو کیا بجز جنت
وہاں مکان کے بدلے مکان دیتے ہیں

وہ تم کہ روز نئی بدگمانیاں ہیں تمہیں
وہ ہم کو روز نیا امتحان دیتے ہیں

سنا ہے بات بھی کرنی تمہیں نہیں آتی
تمہارے منہ میں ہم اپنی زبان دیتے ہیں

وہ رنج بندے کو اپنے خدا نہیں دیتا
جو مجھ کو ایک مرے مہربان دیتے ہیں

کہے جو داغ کہ ہم جاں نثار ہیں سب جھوٹ
یہ لوگ مفت کہیں اپنی جان دیتے ہیں

۱۷۷

اسیر دام بلا اور کون ہے، میں ہوں
شکار تیر جفا اور کون ہے، میں ہوں

تیری ادا پہ فدا اور کون ہے میں ہوں
تباہ میرے سوا اور کون ہے میں ہوں

شہید زہر حیا اور کون ہے میں ہوں
قتیل تیغ ادا اور کون ہے میں ہوں

کہاں سے آئی شب غم صدا تسلی کی
یہاں تو بار خدا اور کون ہے میں ہوں

مجھے تو رنج نہ دے تو کہ اے دل ناداں
جہاں میں دوست ترا اور کون ہے میں ہوں

بندھی ہے شرط اسی سے رہ محبت میں
حریف باد صبا اور کون ہے میں ہوں

شریک روح بھی میری ہے میرے ماتم میں
شمول اہل عزا اور کون ہے میں ہوں

تمہارا عاشق شیدا ہوں خیر جیسا ہوں
برا ہوں یا ہوں بھلا اور کون ہے میں ہوں

دعا جو میں نے یہ مانگی خدا بروں سے بچائے
تو سن کے بولے برا اور کون ہے میں ہوں

مٹے ہوؤں کا ہمیشہ نشان رہتا ہے
بقا کے غم میں فنا اور کون ہے میں ہوں

عدو کا عشق، حسینوں کا رشک خوئے ستم
تمہارے دل سے جدا اور کون ہے میں ہوں

خیال یار یہ کہتا ہے مجھ سے خلوت میں
ترا رفیق بتا اور کون ہے میں ہوں

اس آرزو نے کیا اپنی جان سے بیزار
اس اپنے دم سے خفا اور کون ہے میں ہوں

ستم شریک فلک اور کون ہے تم ہو
شریک اہل وفا اور کون ہے میں ہوں

حجاب مجھ سے، حیا مجھ سے، عار ہے مجھ سے
اس انجمن میں نیا اور کون ہے میں ہوں

وہ داغ جس کو گل باغ عشق کہتے ہیں
بہار رنگ وفا اور کون ہے میں ہوں

ردیف و

۱۷۸

واعظ بڑا مزا ہو اگر یوں عذاب ہو
دوزخ میں پاؤں، ہاتھ میں جامِ شراب ہو

معشوق کا تو جرم ہو عاشق خراب ہو
کوئی کرے گناہ کسی پر عذاب ہو

تو مجھ پہ شیفتہ ہو، مجھے اجتناب ہو
یہ انقلاب ہو تو بڑا انقلاب ہو

دنیا میں کیا دھرا ہے قیامت میں لطف ہے
میرا جواب ہو نہ تمہارا جواب ہو

ساقی ہمارے جام میں کیوں بال پڑ گیا
ایسا نہ ہو کہ غیر کی جھوٹی شراب ہو

نکلے جدھر سے وہ یہی چرچا ہوا کیا
اس طرح کا جمال ہو، ایسا شباب ہو

دو بار تونے ذکر کیا رشکِ حور کا
ناصح خدا کرے تجھے دونا ثواب ہو

دنیا سے رو سیاہ چلا ہوں پسِ فنا
منہ پہ مرے کفن سے جدا اک نقاب ہو

مجبور کی دعا کو شبِ قدر چاہئے
یوسفؑ کے دیکھنے کو زلیخا کا خواب ہو

بولیں سوالِ وصل پہ وہ ان کو کیا غرض
خاموش ہیں کہ کوئی کہے لاجواب ہو

ایسا لگا ہوا ہے مئے ناب کا مزہ
پانی بھی میں پیوں تو مرا منہ خراب ہو

جلتا نہیں رقیب تعجب کی بات ہے
بجلی تمہیں زمیں پہ، تمہیں آفتاب ہو

یارب شمارِ جرم سے بس منفعل نہ کر
تنخواہ تو نہیں ہے کہ جس کا حساب ہو

یہ مدعا ہے کہہ نہ سکوں حرفِ مدعا
کیوں کر نہ عرضِ حال سے پہلے عتاب ہو

عاشق کی ایک حال میں گذرے تو لطف کیا
دل کو کبھی سکوں ہو کبھی اضطراب ہو

بس بوالہوس نہیں جو سزاوارِ لطف ہوں
میرے زہے نصیب جو مجھ پر عتاب ہو

در پردہ تم جلاؤ جلاؤں نہ میں، چہ خوش
میرا بھی نام داغ ہے گر تم حجاب ہو

بے تاب میں دز دیدہ نظر دیکھئے کیا ہو
پھر دیکھ لیا اس نے ادھر دیکھئے کیا ہو

بھیجا ہے خط شوق اسے دل نے نہ مانا
اب فکر ہے یہ آٹھ پہر دیکھئے کیا ہو

لڑنے تو لگیں اس کی نگاہوں سے نگاہیں
اس جنگ کا انجام مگر دیکھئے کیا ہو

دل جب سے لگایا ہے کہیں جی نہیں لگتا
کس طرح سے ہوتی ہے بسر دیکھئے کیا ہو

جب چھیڑتی ہے باد صبا زلف دوتا کو
دھری ہوئی جاتی ہے کمر دیکھئے کیا ہو

اب کے توبہ مشکل دل مضطر کو سنبھالا
اندیشہ ہے یہ بار دگر دیکھئے کیا ہو

جو کہنے کی باتیں ہیں وہ سب میں نے کہی ہیں
ان کو مرے کہنے کا اثر دیکھئے کیا ہو

اندیشہ فردا میں عبث جان گھلائیں
ہے آج کسے کل کی خبر دیکھئے کیا ہو

زاہد کو بڑا ناز ہے مے کش کو بڑا عجز
اللہ کو مقبول مگر دیکھئے کیا ہو

پی ہم نے ہو شربا اور بہت پی
سوچا نہیں کچھ نفع و ضرر دیکھئے کیا ہو

وہ بیٹھے بٹھائے تو اٹھاتے ہیں قیامت
جائیں جو سر راہ گذر دیکھئے کیا ہو

میں وصل میں بے تاب جو ہوں آخر شب سے
دل ان کا دھڑکتا ہے سحر دیکھئے کیا ہو

پھر یاس مٹاتی ہے مرے دل کی تمنا
بن بن کے بگڑتا ہے یہ گھر دیکھئے کیا ہو

اے داغ انہیں بھی تو ہے دشمن ہی کا دھڑکا
ہے دونوں طرف ایک ہی ڈر دیکھئے کیا ہو

۱۸۰

کیوں وعدۂ وصال سے دل بدگماں نہ ہو
یہ شرط ہے نئی کہ خدا درمیاں نہ ہو

دل بدگماں ہے، اور سوا بدگماں نہ ہو
دیجئے خط اس کو جس کے دھن ہو زباں نہ ہو

مرتا ہے تجھ پہ ایک زمانہ شباب میں
اچھا تو ہے کہ پیر کوئی نوجواں نہ ہو

گھلتی ہے جان ایک ہی دشمن کی فکر میں
یارب شریک حال عدو آسماں نہ ہو

سارا جہان جان کو کہتا ہے بے وفا
مجھ کو یہ فکر ہے تمہیں جان جہاں نہ ہو

انداز جاں دہی نہیں آتا ابھی مجھے
مٹی مری خراب دم امتحاں نہ ہو

پوچھیں وہ جب خوشی سے قیامت کی بات ہے
میرا ہی حال اور مجھی سے بیاں نہ ہو

یارب پس فنا بھی رہے شرم بے کسی
یہ مشت خاک گرد رہ کارواں نہ ہو

حوروں کے ہاتھ پڑ گئے جنت میں ہم غریب
کیا آدمی کا بس ہے جو اپنا مکاں نہ ہو

تڑپاؤ گے جگر کو کہ دل کو لٹاؤ گے
منظور کیا ہے، درد کہاں ہو کہاں نہ ہو

رہتی ہے اس سے ہی در جاناں پہ دل لگی سر پھوڑیں سنگ در سے اگر پاسباں نہ ہو
مجھ کو ملا یہ شکوۂ دشنام پر جواب آپ اس سے عشق کیجئے جس کی زباں نہ ہو
یا رب بنا دے تو اسی صورت کا اور کچھ اس آسماں سے تنگ ہیں یہ آسماں نہ ہو
آفت کی تاک جھانک، قیامت کی شوخیاں پھر چاہتے ہو ہم سے کوئی بدگماں نہ ہو
کیا کر سکے وہ غیر کی تجھ سے شکایتیں جس ناتواں سے اپنی حقیقت بیاں نہ ہو
واعظ بجا ہے کہئے جو ویرانے کو بہشت جنت اسی کا نام ہے آدم جہاں نہ ہو
جھوٹا ہوا جو وعدہ ترا اس کا غم نہیں ڈر ہے کہ لب سے غیر کے جھوٹی زباں نہ ہو
اب اس نگاہ شرم میں وہ شوخیاں کہاں وہ تیغ کیا چلے گی جو برسوں رواں نہ ہو
تقدیر پھیر لائی ترے در سے رات کو دھوکا مجھے ہوا کہ پرایا مکاں نہ ہو

اے داغ عیش میں ہوں دل شاد شاد سے
انسان وہ ہے جس کو غم دو جہاں نہ ہو

۱۸۱

میرے پہلو سے وہ اٹھے غیر کی تعظیم کو
بندگی کو بندگی، تسلیم ہے تسلیم کو

اے تپ سوز محبت تیری آمد دیکھ کر
رونگٹے اٹھتے ہیں میرے جسم پر تعظیم کو

ہے رضائے دوست بڑھ کر الفت فرزند سے
ورنہ کیا دوبھر تھے اسمٰعیلؑ ابراہیمؑ کو

آج مجھ سے حضرت ناصح یہ جل کر کہہ گئے
آسماں سے اب فرشتے آئیں گے تعلیم کو

مجھ سے اے آشام کی، کب اوس سے بجھتی ہے پیاس
بجھ گیا دل دیکھتے ہی کوثر و تسنیم کو

ہے بڑی دولت جو ہاتھ آجائے کوئی خوب رو
اے ہوس ڈھونڈتا ہے کیا طلا و سیم کو

آسماں دیتا ہے مجھ کو رنج غیروں کو خوشی
واہ کیا کہنا ہے، کیا کہتے ہیں اس تقسیم کو

اپنے دل کا حال ہے دم بھر میں کچھ، دم بھر میں کچھ
آگ لگ جائے الٰہی اس امید و بیم کو

جب یہیں اے داغ وحشت ہے تو آسائش کہاں
جائیے ہندوستاں سے کون سی اقلیم کو

۱۸۲

ہمارے دل میں بے کھٹکے محبت اپنی رہنے دو
امانت دار کا گھر ہے امانت اپنی رہنے دو

جو ہیں مشتاق ان کے دل میں حسرت اپنی رہنے دو
کوئی دن اور بھی پردے میں صورت اپنی رہنے دو

نہیں ہے اشتہا اب تک بہت غم کھا کے آیا ہوں
کہوں گا اہل جنت سے یہ نعمت اپنی رہنے دو

غضب کی بات ہے یہ مشورہ دیتے ہیں وہ مجھ کو
رقیبوں سے بھی تم صاحب سلامت اپنی رہنے دو

کسی کو چاہ کر پچھتاؤ گے، وہ مجھ سے کہتے ہیں
تم اپنے ہی لئے جھوٹی محبت اپنی رہنے دو

ڈرایا ہے، منایا ہے یہ کہہ کر وصل میں اس نے
بگڑ جائیں گے ہم بس بس شکایت اپنی رہنے دو

شکایت نامہ آیا ہے جواب خط میں اے ہمدم
یہ ہے قسمت کا لکھا، خیر قسمت اپنی، رہنے دو

لڑیں گے فتنہ محشر سے، یہ فتنے نگاہوں کے
ابھی تم اپنے قبضے میں قیامت اپنی رہنے دو

ہمیں دیدار سے محروم رکھ کر ہے نظر دل پر
پرایا مال تاکو اور دولت اپنی رہنے دو

محبت اور پھر کس کی محبت یار ناداں ہیں
کہا کیوں مجھ سے قابو میں طبیعت اپنی رہنے دو

مرے ناصح جو تنگ آئے تو یوں کہنے لگے باہم
نہیں سنتا کوئی یارو نصیحت اپنی رہنے دو

اگر اے حضرت دل ہے وہ ہرجائی تو کیا غم ہے
بھٹکتی تم بھی ڈانواں ڈول نیت اپنی رہنے دو

دعائیں مانگتا ہوں میں جناب کبریائی میں
نہ چھیڑو یہ نہیں موقع، شرارت اپنی رہنے دو

بظاہر مہربانی ہے تو دل میں بدگمانی ہے
سلام ایسی عنایت کو، عنایت اپنی رہنے دو

نہ گھبرا جائے رہ کر ایک مہماں خانہ دل میں
کچھ الفت میری رہنے دو کچھ الفت اپنی رہنے دو

نہ توڑو آئینے کو رشک سے آئینہ رو ہو کر
اسی میں ملتی جلتی کچھ شباہت اپنی رہنے دو

وہاں ہے بے نیازی داغ اس سے کیا غرض اس کو
یہ طاعت اپنی رکھ چھوڑو' عبادت اپنی رہنے دو

۱۸۳

نہ دنیا سے ملے راحت نہ تجھ سے چین اصلا ہو
مگر پھر یہ دعا دیتا ہوں تو ہو اور دنیا ہو
ترے دیدار کو بھی مجمع محشر ہی زیبا ہو
کہ جیسے دیکھنے والے ہوں ویسا ہی تماشا ہو
انہیں یہ جستجو ہے مرنے والا کوئی پیدا ہو
مگر بہتر سے بہتر ہو' مگر اچھے سے اچھا ہو
جو وحدت میں دوئی اس مرتبے کی ہو تو زیبا ہو
تمہیں تم ہو تو بہتر ہو' ہمیں ہم ہوں تو اچھا ہو
یہ فرمایا انہوں نے دیکھ کر تصویر یوسفؑ کی
اسے تو مول وہ لے جو کوئی آنکھوں کا اندھا ہو
خمار مے سے یوں وقت سحر بگڑا مزاج
کسی نے رات بھر جیسے پریشاں خواب دیکھا
کلیجے سے لگا لیتا ہوں برگ لالہ و گل کو
عجب کیا ہے اگر یہ بھی کسی کے دل کا ٹکڑا ہو
تری زلفیں بھی ہیں صیاد' آنکھیں بھی شکاری ہیں
تماشا دیکھنے کا ہے جو میرے دل پہ جھگڑا ہو

اگر غافل نہ ہوتے ہم تو کب کے مر چکے ہوتے
کسے یہ یاد کل کیا تھا، کسے معلوم کل کیا ہو

جہنم ہو کہ جنت، کیا اندھیرے میں نظر آئے
شرر ہی سنگ مرقد کا چراغ راہ عقبیٰ ہو

ہوئی یہ انتظار یار میں ہر اشک کی صورت
جو تھم جائے تو پتھر ہو جو بہہ جائے تو دریا ہو

نہ عاشق ہو کسی کا کوئی دنیا میں وہ کہتے ہیں
ہمارا چاہنے والا ہی پیدا ہو جو پیدا ہو

نگاہ پاک سے دیکھے جمال پاک محبوبی
اگر دامان یوسفؑ پردۂ چشم زلیخا ہو

لڑیں گے آپ حوروں سے ملیں گے آپ غیروں سے
مجھے ڈر ہے کہ جنت میں کوئی فتنہ نہ برپا ہو

ابھی نفرت ہے تم کو داغ سے وہ دن بھی آتے ہیں
خدا چاہے تو اس کم بخت کو دل سے تمہیں چاہو

۱۸۴

عشق تاثیر کرے اور وہ تسخیر بھی ہو
یہ تو سب کچھ ہو مگر خواہش تقدیر بھی ہو

کاش تجھ سے ہی مقابل تری تصویر بھی ہو
دعویٰ ناز بھی ہو، شوخیٔ تقریر بھی ہو

جعل سازوں نے بنایا ہے شکایت نامہ
کیوں خفا آپ ہوئے، یہ مری تحریر بھی ہو

طمع زر ہی سے انسان کی مٹی ہے خراب
خاک میں ہم تو ملا دیں اگر اکسیر بھی ہو

جب مقابل ہی نہ ہوں کس کو بتاؤں اچھا
سامنے آپ بھی ہوں آپ کی تصویر بھی ہو

پہلے یہ شرط مصور سے وہ کر لیتے ہیں
بانکی صورت بھی کھنچے ہاتھ میں شمشیر بھی ہو

مارے باندھے ہی سے چھوڑے گا فلک اپنی چال
کہکشاں اس کے لئے تیغ بھی زنجیر بھی ہو

کوئی تلوان ہوں، یاروں کے کہے میں آؤں
جس کو تدبیر بتاتے ہیں وہ تدبیر بھی ہو

کاش وہ محفل اغیار میں اے جذبۂ دل
میری تعظیم بھی دے، مجھ سے بغل گیر بھی ہو

جو نکمے ہیں کوئی کام نہیں کر سکتے
انہیں بوڑھوں میں شمار فلک پیر بھی ہو

لڑ پڑے غیر سے کیا خیر ہے کیسا ہے مزاج
تم جو چپ چپ بھی ہو، مضطر بھی ہو دلگیر بھی ہو

وصل کا خواب سناتے ہیں تمہیں یہ سن لو
خواب جس طرح کا ہے ویسی ہی تعبیر بھی ہو

تیری بزم طرب و عیش کو لگتی ہے نظر
ہیں جہاں اور وہاں عاشق دل گیر بھی ہو

گو ہے شوخی، وہ اثر دیدۂ نرگس میں کہاں
اس کی آنکھوں کی طرح سرمہ تسخیر بھی ہو

تم نمک خوار ہوئے شاہ دکن کے اے داغ
اب خدا چاہے تو منصب بھی ہو، جاگیر بھی ہو

۱۸۵

تم آئینہ ہی نہ ہر بار دیکھتے جاؤ
مری طرف بھی تو سرکار دیکھتے جاؤ

نہ جاؤ، حال دل زار دیکھتے جاؤ
کہ جی نہ چاہے تو ناچار دیکھتے جاؤ

بہار عمر میں باغ جہاں کی سیر کرو
کھلا ہوا ہے یہ گلزار دیکھتے جاؤ

یہی تو چشم حقیقت نگر کا سرمہ ہے
نزاع کافر و دیں دار دیکھتے جاؤ

اٹھاؤ آنکھ، نہ شرماؤ، یہ تو محفل ہے
غضب سے جانب اغیار دیکھتے جاؤ

نہیں ہے جنس وفا کی تمہیں جو قدر نہ ہو
بنیں گے کتنے خریدار دیکھتے جاؤ

تمہیں غرض جو کرو رحم پائمالوں پر
تم اپنی شوخی رفتار دیکھتے جاؤ

قسم بھی کھائی تھی، قرآن بھی اٹھایا تھا
پھر آج ہے وہی انکار دیکھتے جاؤ

یہ شامت آئی کہ اس کی گلی میں دل نے کہا
کھلا ہے روزن دیوار دیکھتے جاؤ

ہوا ہے کیا ابھی، ہنگامہ اور کچھ ہو گا
فغاں میں حشر کے آثار دیکھتے جاؤ

شب وصال عدو کی یہی نشانی ہے
نشان بوسہ رخسار دیکھتے جاؤ

تمہاری آنکھ مرے دل سے لے سبب بے وجہ
ہوئی ہے لڑنے کو تیار دیکھتے جاؤ

ادھر کو آہی گئے اب تو حضرت زاہد
یہیں ہے خانہ خمار دیکھتے جاؤ

رقیب بر سر پرخاش ہم سے ہوتا ہے
بڑھے گی مفت میں تکرار دیکھتے جاؤ

نہیں ہیں جرم محبت میں سب کے سب ملزم
خطا معاف خطا وار دیکھتے جاؤ

دکھا رہی ہے تماشا فلک کی نیرنگی نیا ہے شعبدہ ہر بار دیکھتے جاؤ
بنا دیا مری چاہت نے غیرت یوسفؑ تم اپنی گرمئی بازار دیکھتے جاؤ
نہ جاؤ بند کیے آنکھ رہ روان عدم ادھر ادھر بھی خبردار دیکھتے جاؤ
سنی سنائی پہ ہرگز کبھی عمل نہ کرو ہمارے حال کے اخبار دیکھتے جاؤ
کوئی نہ کوئی ہر اک شعر میں ہے بات ضرور
جناب داغ کے اشعار دیکھتے جاؤ

ردیف ہ

۱۸۶

کیوں کرتے ہو دنیا کی ہر اک بات سے توبہ
منظور تو ہے میری ملاقات سے توبہ
کیوں کر نہ کروں شور مناجات سے توبہ
آغاز ہو جب چار گھڑی رات سے توبہ
زاہد سے چھپایا ہے اسے گوشہ دل میں
بھاگی تھی کسی رند خرابات سے توبہ
یہ فصل اگر ہو گی تو ہر روز پئیں گے
ہم مے سے کریں توبہ کہ برسات سے توبہ
کیوں کر وہ ادھر آئے کہ اے حضرت زاہد
پچتی ہی نہیں قبلہ حاجات سے توبہ

تعریف صنم بلت ہے پھر نہیں زاہد
کیا ٹوٹ گئی حرف و حکایات سے توبہ

بیعت بھی جو کرتا ہے تو وہ دست سبو پر
چکراتی ہے کیا رند خرابات سے توبہ

اللہ دکھائے نہ مجھے روز و شب ہجر
اس دن سے حذر کیجئے' اس رات سے توبہ

خود ہم نہ ملیں گے' نہ کہیں جائیں گے مہماں
کی آپ نے واللہ نئی گھات سے توبہ

کافر تری تقریر تو اچھی ہے' کریں کیا
کرتے ہیں مسلمان بری بلت سے توبہ

وہ آئی گھٹا جھوم کے للچانے لگا دل
واعظ کو بلاؤ کہ چلی ہات سے توبہ

پھسلاتے ہیں کیوں آپ مجھے حضرت ناصح
منت سے کروں گا نہ مدارات سے توبہ

آفت ہے' قیامت ہے یہ پاداش' غضب ہے
توبہ' عمل بد کی مکافات سے توبہ

دنیا میں کوئی بات ہی اچھی نہیں زاہد
اس بلت سے توبہ' کبھی اس بلت سے توبہ

مسجد نہیں دربار ہے یہ پیر مغاں کا
دروازے کے باہر رہے اوقات سے توبہ

امید ہے مجھ کو یہ ندا آئے دم مرگ
مقبول ہوئی اس کی عنایات سے توبہ

یہ داغ قدح خوار کے کیا جی میں سمائی
سنتے ہیں کئے بیٹھے ہیں وہ رات سے توبہ

۱۸۷

کیوں برسر عتاب ہو، کیا اس سے فائدہ
کوئی اگر خراب ہو کیا اس سے فائدہ

حاصل بھی کچھ، نتیجہ بھی کچھ، دل جو دیں تمہیں
نقصان بے حساب ہو، کیا اس سے فائدہ

یکتا اگر ہوئے تو خدا بن نہ جاؤ گے
مانا تم انتخاب ہو کیا اس سے فائدہ

کیا لطف وصل ہے جو دوبارہ نہ ہو نصیب
دونا جو اضطراب ہو کیا اس سے فائدہ

چھریوں سے کم نہیں ہیں نگاہوں کی تیزیاں
ٹکڑے جو یوں نقاب ہو کیا اس سے فائدہ

گر دل ملے تو آنکھ ملانے کا لطف ہے
کیوں شکوۂ حجاب ہو کیا اس سے فائدہ

چلتا ہے کون کون چلے بزم وعظ سے
بدنام کیوں شراب ہو کیا اس سے فائدہ

کیوں خاکسار بن کے رہوں کوئے یار میں
مٹی مری خراب ہو کیا اس سے فائدہ

حرف سوال کہہ کے تقاضا نہ چاہئے
جب صاف ہی جواب ہو کیا اس سے فائدہ

ایسوں سے وہ نگاہ ملاتے نہیں کبھی
گر داغ آفتاب ہو کیا اس سے فائدہ

۱۸۸

دل کی ہے پرورش خلش درد و غم کے ساتھ
کتنے لگے پڑے ہیں یہاں ایک دم کے ساتھ

چلتا ہے ساتھ ایک مسافر کے دوسرا
اے کاش آرزو بھی نکل جائے دم کے ساتھ

مردے سے بھی رقیب کے مجھ کو تو خوف ہے
کیا جانے کیا کرے گا یہ اہل عدم کے ساتھ

عادت بھی ہے دروغ کی' خوف خدا بھی ہے
وہ کانپ کانپ جاتے ہیں جھوٹی قسم کے ساتھ

لکھتا ہوا چلا ہوں خط شوق راہ میں
چلتے ہیں میرے پاؤں برابر قلم کے ساتھ

اس کو یہ آرزو ہے مزا حال دیکھ لو
لب پر مرے دل آنے لگا شرح غم کے ساتھ

ہے آسماں کو ابر گہر بار سے حسد
نبھتی نہیں بخیل کی اہل کرم کے ساتھ

کیا جور کا مزہ ہے اگر آسمان نہ ہو
جو بات جس کی ہے وہ اسی کے ہے دم کے ساتھ

دونوں کا نام عشق میں مشہور ہو گیا
میرا وفا کے ساتھ تمہارا ستم کے ساتھ

سیدھی طرح کبھی نہیں رہتی تمہاری زلف
کرتی ہے بانکپن یہ بڑے پیچ و خم کے ساتھ

اک بار جان لی جو کسی کی تو کیا مزہ
کچھ کچھ کرم بھی کیجئے ہر ہر ستم کے ساتھ

افسوس اس زمانے میں وہ چیز ہی نہیں
دل کو ملا کے دیکھتے ہم جام جم کے ساتھ

اہل دول نہ دیکھیں مجھے چشم کم سے داغ
دولت لگی پڑی ہے مرے دم قدم کے ساتھ

۱۸۹

مانند طور بام پہ دیکھا تو کچھ نہ کچھ
بجلی تھی یا چھلاوا مگر تھا تو کچھ نہ کچھ

قاصد کی چال اور ہے تیور کچھ اور ہیں
اچھا برا جواب یہ لایا تو کچھ نہ کچھ

گو محفل رقیب میں جانا نہ چاہئے
دیکھیں گے ہم بلا سے تماشا تو کچھ نہ کچھ

ہر چند اضطراب میں ہم نے کہا ہے حال
قاصد بڑا فہیم ہے سمجھا تو کچھ نہ کچھ

گو عرض مدعا پہ مجھے گالیاں ملیں
نکلے گی میرے دل کی تمنا تو کچھ نہ کچھ

اچھا برا جواب ملے جائے نامہ بر
انکار ہی سہی مجھے لکھا تو کچھ نہ کچھ

کچھ وہم ہے کہ فکر ہے دل میں شب وصال
اندیشہ مند آپ کو پایا تو کچھ نہ کچھ

کیوں تیر وہ لگائے جو لے دل میں چٹکیاں
ہوتی ہے اس کی بات میں ایذا تو کچھ نہ کچھ

ہنگام امتحان ستم یاد تو کیا
بارے انہیں ہوئی مری پروا تو کچھ نہ کچھ

گو داور قیامت اسے صاف چھوڑ دے
ہم بھی جتائے جائیں گے دعوا تو کچھ نہ کچھ

عشرت نہ ہو قلق ہو یہ قسمت کی بات ہے
پھل عاشقی کا داغ نے پایا تو کچھ نہ کچھ

۱۹۰

دنیا سے کیا غرض جو رہے ہم سے واسطہ
اس واسطے سے چھوڑ دو عالم سے واسطہ

تیرے مریض غم کی دعا ہے یہ دم بہ دم
ڈالے خدا نہ عیسیٰؑ مریمؑ سے واسطہ

رشک پری انہیں جو کہا، یہ ملا جواب
جب ہم پری ہیں کیا ہمیں آدم سے واسطہ

جب غیر، غیر ہے تو اسے کیوں ہو لاگ ڈانٹ
کچھ تم سے واسطہ ہے نہ کچھ ہم سے واسطہ

سچ ہے مقام دوست کے طالب کو کیا غرض
جنت سے واسطہ نہ جہنم سے واسطہ

الفت میں دونوں لازم و ملزوم ہو گئے
غم کو غرض ہے دل سے اسے غم سے واسطہ

پیغام بر رقیب کو آخر بنا لیا
پیدا کیا یہ کوشش پیہم سے واسطہ

آخر بغیر تر ہوئے دامن نہ بچ سکا
اس کو پڑا ہے دیدۂ پرنم سے واسطہ

کیوں ملتے ہیں حضرت زاہد کو مجھے
کوئی تو ہے جناب مکرم سے واسطہ

محبوب بادشاہ دکن شادمان رہے
اے داغ ہم کو ہے فقط اس دم سے واسطہ

ردیف ے

۱۹۱

نفرت ہے حرف وصل سے اچھا یوں ہی سہی
لو آؤ اور بات سنو وہ نہیں سہی

چھوڑوں گا میں نہ ہاتھ چلے آؤ ساتھ ساتھ
نازک کلائی دکھتی ہے تو آستیں سہی

ظاہر تو اختلاط کی باتیں ہوا کریں
دل میں اگر نہیں ہے محبت نہیں سہی

مشق جفا کے واسطے کس کی تلاش ہے
کوئی اگر نہیں ہے تو یہ کمترین سہی

اقرار کرکے گھورتے ہو کیوں مری طرف
باور سہی، یقین سہی، دل نشیں سہی

آرام کچھ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا
زیر فلک نہیں ہے تو زیر زمیں سہی

بے داد کرکے چاہتے ہو پھر جفا کی داد
بہتر، بجا، درست، صحیح، آفریں سہی

سجدے ہی کرتے جائیں گے ہم تیری راہ میں
ہے نقش پا سے عار تو نقش جبیں سہی

بے دل لگی بھی داغ گذرنی محال ہے
وہ دل نہیں سہی، وہ تمنا نہیں سہی

۱۹۴

ایک طوفاں ہے غم عشق میں رونا کیا ہے
نہیں معلوم کہ انجام کو ہونا کیا ہے

دیکھ کر سانولی صورت تری یوسفؑ بھی کہے
چٹ پٹا حسن نمک دار سلونا کیا ہے

چار باتیں بھی کبھی آپ نے گھل مل کے نہ کیں
انہیں باتوں کا ہے رونا مجھے رونا کیا ہے

کلوش و کینہ و بے رحمی و آزار دہی
اور اب اس کے سوا آپ سے ہونا کیا ہے

آشنا بحر محبت سے نکالیں نہ مجھے
ڈوبنے والے کو دشوار ڈبونا کیا ہے

کاش مل جائے ترا سایہ دیوار ہمیں
اوڑھنا کیا ہے، فقیروں کا بچھونا کیا ہے

لحد تنگ میں کروٹ بھی نہ لینے پائے
پاؤں پھیلا کے نہ سوئے تو وہ سونا کیا ہے

تیغ کھینچے ہوئے وہ ترک پھر اس پر یہ غضب
ہم تڑی دیتے ہیں بس آپ سے ہونا کیا ہے

مزرع دل میں عبث تخم محبت بویا
جس سے حاصل نہ ہو اس تخم کا بونا کیا ہے

ابر رحمت ہے ادھر دیدۂ پرنم ہے ادھر
مشکل اس نامہ اعمال کا دھونا کیا ہے

تم پہ مر جائیں گے اس آس پہ ہم جیتے ہیں
زندگی شرط ہے تو جان کا کھونا کیا ہے

چمپئی رنگ پھر اس رنگ میں بجلی کی چمک
ملت کندن ہے ترے رنگ سے سونا کیا ہے

اس کی ٹھوکر سے بھی کم بخت نہ جاگا افسوس
موت ہے داغ سیہ مست کا سونا کیا ہے

۱۹۳

آرزو ہے وفا کرے کوئی
جی نہ چاہے تو کیا کرے کوئی

گر مرض ہو دوا کرے کوئی
مرنے والے کا کیا کرے کوئی

کوستے ہیں جلے ہوئے کیا کیا
اپنے حق میں دعا کرے کوئی

ان سے سب اپنی اپنی کہتے ہیں
میرا مطلب ادا کرے کوئی

چاہ سے آپ کو تو نفرت ہے
مجھ کو چاہے خدا کرے کوئی

اس گلے کو گلہ نہیں کہتے
گر مزے کا گلا کرے کوئی

یہ ملی داد رنج فرقت کی
اور دل کا کہا کرے کوئی

تم سراپا ہو صورت تصویر
تم سے پھر بات کیا کرے کوئی

کہتے ہیں ہم نہیں خدائے کریم
کیوں ہماری خطا کرے کوئی

جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں
ایسی جنت کو کیا کرے کوئی

اس جفا پر تمہیں تمنا ہے
کہ مری التجا کرے کوئی

منہ لگاتے ہی داغ اترایا
لطف ہے پھر جفا کرے کوئی

۱۹۴

ہر چند شوخیوں کی حیا پردہ دار ہے
آنکھوں میں تیری فتنہ بہت بے قرار ہے

جتنا وہ مہربان ہے یہ بے قرار ہے
دل کا معاملہ بھی عجب پیچ دار ہے

سب کچھ تو ہو چکا یہ فقط انتظار ہے
کہہ دیں بگڑ کے آپ تجھے اختیار ہے

اس فتنہ گر سے ہم سے تو رہتے ہیں توڑ جوڑ
شامت تو اس کی ہے کہ جو ناکردہ کار ہے

قیمت سوائی پہنچی ہے پہلے کشید سے
جو مے فروش ہے وہ مرا قرض دار ہے

بے وجہ یوں ہو' آپ کی تصویر حیرتی
مشتاق ہے کسی کا اسے انتظار ہے

ان پہلوؤں سے پوچھ لیا اس نے درد دل
نکلا مری زبان سے بے اختیار ہے

دل میں ہیں نامہ بر سے بہت بدگمانیاں
منہ پر یہ کہہ رہا ہوں ترا اعتبار ہے

اب تک تو ابتدائے محبت میں ہیں مزے
آگے مرا نصیب ہے اللہ یار ہے

جب تک وفا ہو وعدہ یہاں زندگی کہاں
مجھ سے زیادہ عہد ترا پائیدار ہے

یہ آپ جانیں داغ میں جو ہیں برائیاں
اتنا تو ہم کہیں گے بڑا وضع دار ہے

کب وہ چونکے جو شراب عشق سے مستانہ ہے
شور محشر اس کو بہر خواب اک افسانہ ہے
پھر سر شوریدہ پرجوش جنوں دیوانہ ہے
پھر دل تفسیدہ پر برق بلا پروانہ ہے
خوب ہی چلتی ہوئی وہ نرگس مستانہ ہے
آشنا سے آشنا بیگانے سے بیگانہ ہے
آتے جاتے ہیں نئے ہر روز مرغ نامہ بر
بندہ پرور آپ کا گھر بھی کبوتر خانہ ہے
فاتحہ پڑھنے کو آیا تھا مگر وہ شمع رو
آج میری قبر کا جو پھول ہے پروانہ ہے
درد سے بھرتے ہیں آنسو ضبط سے پیتے ہیں ہم
آنکھ کی ہے آنکھ یہ پیمانے کا پیمانہ ہے
پائے ساقی پر گرایا جب گرایا ہے مجھے
چال سے خالی کہاں یہ لغزش مستانہ ہے
کوہ کن کا تھا یہی پیشہ جو کاٹا تھا پہاڑ
کام مشکل جاں کنی اے ہمت مردانہ ہے
جب پڑا ہے وقت کوئی ہو گئے ہیں سب الگ
دوست بھی اپنا نہیں بیگانہ تو بیگانہ ہے
اس کے در پر جاکے ہوتا ہے گدا کو بھی یہ ناز
لوگ کہتے ہیں مزاج اس شخص کا شاہانہ ہے

مجھ کو لے جا کر کہا ناصح نے ان کے روبرو
آپ کے سر کی قسم یہ آپ کا دیوانہ ہے

اس کو دیوانہ بنا لوں تو کروں جھک کر سلام
میں تو بھولا ہوں مگر دشمن بڑا فرزانہ ہے

ہم نے دیکھا ہی نہیں خالی نحوست سے کوئی
زاہدوں کو نامبارک سبحہ صد دانہ ہے

داغ یہ ہے کوئے قاتل مان ناداں ضد نہ کر
اٹھ یہاں سے، ادھر، گھر بیٹھ، کچھ دیوانہ ہے

۱۹۶

کلیجا کرے خون وہ دل یہی ہے
تمہاری برابر کا قاتل یہی ہے

جو بے آگ جل جائے وہ دل یہی ہے
جو بے زخم تڑپے وہ بسمل یہی ہے

نہیں یک دلی سخت مشکل یہی ہے
کہ وہ دل وہی اور یہ دل یہی ہے

برائی نہ چاہے بروں سے بنا ہے
اگر ہے تو دنیا میں مشکل یہی ہے

نہ ٹھہرا وہ ناوک تو دل یوں پکارا
ٹھہرا اے مسافر کہ منزل یہی ہے

چھپاتے ہو مٹھی میں کیوں دیکھ پایا
یہی ہے یہی ہے مرا دل یہی ہے

کرے مجھ سے ہر چند وہ بھولی باتیں
مگر پھر کہوں گا کہ قاتل یہی ہے

طبیعت کا آنا ہے آفت کا آنا
کرے صبر انسان مشکل یہی ہے

رہ عشق میں راہ زن کیا نہ ہو گا
مجھے خوف منزل بہ منزل یہی ہے

نہ آئے گا کوئی نہ بیٹھے گا کوئی
اگر آپ کا رنگ محفل یہی ہے

ترا جلوہ ٹھہرا ہے مقصود عالم
کہ ساری خدائی کا حاصل یہی ہے

بھری بزم میں تجھ کو آتا ہے کیسا — یہ پہچان جانا کہ مائل یہی ہے
تڑپنے سے جس کے تسلی ہو تجھ کو — مری جان اس کلام کا دل یہی ہے
ہماری شب غم گذر جائے یا رب — کہ آسان کرنے کی مشکل یہی ہے
خدا نے بنایا بتوں نے بگاڑا — نہ کعبہ نہ بت خانہ وہ دل یہی ہے
مری بزم کا عیش سن کر وہ بولے — اگر موت سے ہے تو غافل یہی ہے
وفا وہ کریں داغ یہ کس نے مانا
مگر آپ کا زعم باطل یہی ہے

۱۹۷

غیر ہو ناشاد کیوں کیسی کہی — چاہتا ہوں داد کیوں کیسی کہی
پہلے گالی دی سوال وصل پر — پھر ہوا ارشاد کیوں کیسی کہی
پیر زن کے ساتھ بول اٹھی اجل — اس نے اے فرہاد کیوں کیسی کہی
تم نے دل کی بات کیوں کیسی سنی — ہم نے یہ رو داد کیوں کیسی کہی
عاشقوں کے قتل پر اتنی خوشی — آپ ہیں جلاد کیوں کیسی کہی
مانگتے تھے میرے ملنے کی دعا — وہ بھی دن ہیں یاد کیوں کیسی کہی
لے چلیں گے آج تجھ کو ان کے پاس — اے دل ناشاد کیوں کیسی کہی
حشر میں پوچھے گا کہہ کر سرگذشت — یہ کہانی یاد کیوں کیسی کہی
سن لئے وصل عدو کے تم نے شعر — یہ مبارک باد کیوں کیسی کہی
میں کروں تیری طرح تجھ پر ستم — اے ستم ایجاد کیوں کیسی کہی
دل لگایا اب تو ہم نے پند گو — ہرچہ بادا باد کیوں کیسی کہی
صید کر لو طائر جان رقیب — تم بنو صیاد کیوں کیسی کہی

ہم نے تجھ سے آج اپنی آرزو بے کئے فریاد کیوں کیسی کہی
تو بھی اے ناصح کسی پر جان دے ہاتھ لا استاد کیوں کیسی کہی

داغ تجھ کو باغ جنت نصیب
خانماں برباد کیوں کیسی کہی

۱۹۸

کہا تھا ہم نے جو کچھ راز داں سے سنا وہ آج دشمن کی زباں سے
یہ ہے امید جسم ناتواں سے کروں میں اڑ کے باتیں آسماں سے
ملا تھا یا نہیں اس دل ستاں سے ترا آنا ہوا قاصد کہاں سے
برستے ہیں وہ فتنے آسماں سے قیامت مٹ گئی میرے نشاں سے
نکالو داغ کو اپنے مکاں سے چلا آیا یہ دیوانہ کہاں سے
وہی کہتا ہوں میں سنتا ہوں جو کچھ ملی ہے یوں زباں ان کی زباں سے
ہدف دل کو کرے گا اک نہ اک دن یہ تیرا کھیلنا تیر و کماں سے
انہیں غصہ' ہمیں ہے شوق' قاصد چلیں گے وہ وہاں سے ہم یہاں سے
مری آہیں رقیبوں کی دعائیں یہ فوجیں لڑ رہی ہیں آسماں سے
چلے بے راہ اکثر رہرو شوق بچی جاتی ہے منزل کارواں سے
ہر اک میں عیب نکلیں گے کہاں تک تمہیں اچھے سہی سارے جہاں سے
سنا ہے آئی کچھ اس پر بھی آفت مزہ ملنے کا اب ہے پاسباں سے

کہاں اے داغ اب اپنا ٹھکانا
اٹھا بیٹھے ہیں دل دونوں جہاں سے

۱۹۹

تاثیر محبت نے کیوں دیر لگائی ہے — یارب مری قسمت نے کیوں دیر لگائی ہے
مظلوم جفا آخر کب داد کو پہنچیں گے — کیا جانے قیامت نے کیوں دیر لگائی ہے
مے خانے پہ آجائے گھنگور گھٹا گھر کر — اللہ کی رحمت نے کیوں دیر لگائی ہے
وہ سنگ دل آتا ہے کب میرے جنازے پر — لے جانے میں خلقت نے کیوں دیر لگائی ہے
لڑتی نہیں آنکھ ان کی گو سامنے بیٹھے ہیں — شوخی نے شرارت نے کیوں کیوں دیر لگائی ہے
کم ظرف نہیں مے کش ہے ان کو حیا مانع — ساقی تری ہمت نے کیوں دیر لگائی ہے
کل صبح قیامت ہے کیا جانے کوئی اس کو — میری شب فرقت نے کیوں دیر لگائی ہے
دشوار نہیں میرے لکھے کا بدل دینا — پھر کاتب قدرت نے کیوں دیر لگائی ہے

تم کہہ نہ سکے جلدی اشعار بہت اچھے
اے داغ طبیعت نے کیوں دیر لگائی ہے

۲۰۰

کس طرح کہوں قیس ترے دل کو لگی ہے — نالوں سے کبھی آگ بھی محمل کو لگی ہے
اے راہ نما راہ لے تو اور طرف کی — کچھ اور ہوا رہرو منزل کو لگی ہے
مٹتی ہے کوئی داغ محبت کی نشانی — یہ چوٹ غضب کی مہ کامل کو لگی ہے
جام مئے کوثر لئے مشتاق ہیں حوریں — کیوں دیر الٰہی مرے قاتل کو لگی ہے
تعریف سنی حضرت یوسفؑ کی جو مجھ سے — اک چوٹ مرے حور شمائل کو لگی ہے
انصاف سے دشمن نے کبھی حق میں ہمارے — اچھی بھی کہی ہے تو بری دل کو لگی ہے
میں تیرے سوا اور نہ اللہ سے مانگوں — مدت سے یہی دھن ترے سائل کو لگی ہے

مجبور ہوا شکر جفا سے بھی تو کم بخت
کیا موت کی ہچکی ترے بسمل کو لگی ہے

دیکھا نہ کنارا کبھی کشتی نے ہماری
کب تھیں حباب لب ساحل کو لگی ہے

کچھ روتے ہیں کچھ مرتے ہیں کچھ لوٹ رہے ہیں
کس کی نظر بد تری محفل کو لگی ہے

جب سے یہ سنا' داغ نے کی عشق سے توبہ
گھبرائے ہوئے پھرتے ہیں کیا دل کو لگی ہے

۲۰۱

وقت انصاف جو تم پاس ہمارے ہوتے
روبرو داور محشر کے اشارے ہوتے

بزم دشمن میں ترے ہم کو نظارے ہوتے
اور اس بات کے آنکھوں میں اشارے ہوتے

کس نے یوں پیار کیا کس نے وفا ایسی کی
کیوں کریں قتل کسی کو وہ ہمارے ہوتے

شب فرقت میں دھواں دھار گھٹا چھائی ہے
کاش گنتے جو نمودار ستارے ہوتے

پھول تھے غیر کی قسمت میں اگر اے ظالم
تو نے پتھر ہی مجھے پھینک کے مارے ہوتے

قیس و فرہاد بھلے کو نہ ہوئے آج کے دن
وہ بھی سو جان سے قربان تمہارے ہوتے

تارے گن گن کے گذاری شب دیجور فراق
کیا مصیبت تھی جو گنتی کے ستارے ہوتے

نامہ بر رہ کے وہاں تجھ کو خبر لانی تھی
چار دن اور مصیبت کے گذارے ہوتے

جور کے لطف تھے جب بد مزگی کے تھے مزے
جو تمہارے تھے وہی ڈھنگ ہمارے ہوتے

کیوں مرے پاس تڑپنے کو رہے پہلو میں
آپ بھی حضرت دل ساتھ سدھارے ہوتے

زلفیں بکھری ہوئی تم نے جو سنواریں تو کیا
کام بگڑے ہوئے عاشق کے سنوارے ہوتے

چار دن بھی نہ رقیبوں سے نبھی' دیکھ لیا
جو ہمارے نہ ہوئے کب وہ تمہارے ہوتے

امتحاں گلہ محبت میں نہ ٹھہرے اغیار
یوں نہ گھبراتے اگر دل کے کرارے ہوتے

بے نیازی کی ادا ان میں نہ ہوتی ہرگز
داغ یہ بت جو نہ اللہ کو پیارے ہوتے

۲۰۲

وہ قتل کیا اس نے یہ شہرت ہو کسی کی
کیا لطف ہو محشر میں بھی تربت ہو کسی کی

ہم اپنے ہی سر لیں گے مصیبت ہو کسی کی
آئے گی اسی جان پہ آفت ہو کسی کی

مٹ جائے کوئی حسن سے، شہرت ہو کسی کی
ماتم ہو کسی کا شب عشرت ہو کسی کی

پیغام دیا تھا کوئی مرتا ہے خبر لو
قاصد سے کہا گر یہی عادت ہو کسی کی

تم ظلم کئے جاؤ یہ ذمہ ہے ہمارا
پرسش بھی جو فردائے قیامت ہو کسی کی

وہ صدمے اٹھائے ہیں کہ ہر دم یہ دعا ہے
دنیا میں کسی کو نہ محبت ہو کسی کی

ہم لطف کے رستے کو ابھی جانچ رہے ہیں
دل دیں اگر ایسی ہی عنایت ہو کسی کی

بے دل ہیں یہ معشوق بھی عاشق سے زیادہ
دل ہو تو ضرور اس میں محبت ہو کسی کی

کیوں وصل کی شب ہاتھ لگانے نہیں دیتے
معشوق ہو یا کوئی امانت ہو کسی کی

نصاف اسی روز تو ٹھہرا ہے ہمارا
ایسا نہ ہو شرمندہ قیامت ہو کسی کی

اے نامہ بر، انداز سخن سیکھ لے ہم سے
تعریف کے پہلو میں شکایت ہو کسی کی

لپٹا دے مجھے تیغ سے اے شوق شہادت
پوری نہ کسی طرح سے حجت ہو کسی کی

دشمن کی کبھی تم سے برائی نہ کروں گا
کیا فائدہ کیوں مفت میں غیبت ہو کسی کی

دیکھی ہے وہ شوخی کہ یہ جی چاہ رہا ہے
مٹی کے بھی پتلے میں شرارت ہو کسی کی

آتا ہے مجھے نرگس حیراں سے یہی وہم
کم بخت کی آنکھوں میں نہ حسرت ہو کسی کی

اے داور محشر نظر رحم کسی پر
مجھ کو نہیں منظور کہ ذلت ہو کسی کی

راحت طلبی نے مجھے رکھا نہ کہیں کا
طاعت ہو کسی کی نہ اطاعت ہو کسی کی

اے نامہ بر، احوال غم ہجر تو لکھ دوں — ایسا نہ ہو میری ہی سی حالت ہو کسی کی
لڑنا، کبھی ملنا، کبھی آنا، کبھی جانا — تم شوخ ہو یا شوخ طبیعت ہو کسی کی
لو رہنے دو تسکیں کے لئے غیر کی تصویر — شاید جو نہ ہوں میں تو ضرورت ہو کسی کی

یہ داغ ہماری نہیں سنتا نہیں سنتا
ایسی بھی الٰہی نہ بری مت ہو کسی کی

۲۰۳

عشق میں عیش کے بدلے یہ تباہی کیسی — پھنس گئی جان مصیبت میں الٰہی کیسی
چاہتے ہو مری چاہت کا رقیبوں سے ثبوت — جب ہو مجرم کو خود اقرار گواہی کیسی
ابھی آئی، ابھی چھائی، شب ہجراں اے چرخ — دوڑتی ہے ترے منہ پر یہ سیاہی کیسی
ترک خوں خوار ترا غمزہ پھر اس پر چالاک — دل سے لڑتا ہے لڑائی یہ سپاہی کیسی
دل نہیں مال تو اس کا تمہیں لالچ کیسا — تم نہیں چور تو دزدیدہ نگاہی کیسی
تم تو دل دار و وفا دار ہو، لو کیا کہنا — منصفی شرط ہے کیوں ہم نے نباہی کیسی
پارسا جان کے وہ مجھ سے ملے دھوکے میں — آگئی کام مری پاک نگاہی کیسی
ابر آیا ہے فلک پر کہ شب غم یا رب — یہ سپیدی میں جھلکتی ہے سیاہی کیسی
اس سے بڑھ کر تو گنہ گار نہ دیکھا نہ سنا — جب کیا عشق تو ناکردہ گناہی کیسی

کیا بری چیز ہے، الفت کا برا ہو، اے داغ
دل سے ہم دم نے برائی مری چاہی کیسی

۲۰۴

فراق یار میں تسکیں دل بے تاب کو ہوتی
جو اپنے عیش سے فرصت مرے احباب کو ہوتی

پسند آئی اگر اس شوخ کو اس دل کی بے تابی
یہ حسرت برق کو، یہ آرزو سیماب کو ہوتی

بنایا ان حسینوں کو تباہی کے لئے ورنہ
ترقی سی ترقی عالم اسباب کو ہوتی

شب فرقت جو دیکھا چودھویں کا چاند کیا دیکھا
میسر اس کی صورت دیدۂ بے خواب کو ہوتی

پڑی تھی مجھ میں جان مجھ سے کش کی مر جاتا
اگر کچھ دیر اے زاہد شراب ناب کو ہوتی

نئی سیریں، نرالے رنگ کیوں کر دیکھتا کوئی
ہمیشہ کیوں نہ گردش عالم اسباب کو ہوتی

رہا پردے میں وہ بت ورنہ ابرو کے اشارے سے
قیامت تھی کہ جنبش کعبے کی محراب کو ہوتی

مزہ جب تھا نہ رہتا نام کو بھی اس میں دم باقی
یہاں تک پیاس تیرے خنجر بے آب کو ہوتی

نگاہ شوق موسیٰ کی طرح گر دیکھتی تجھ کو
کہاں یہ تاب تیرے روئے عالم تاب کو ہوتی

شب غم داغ سینے سے نہ اٹھا ہاتھ ہی ورنہ
فروغ داغ سے نسبت نہ کچھ مہتاب کو ہوتی

۲۰۵

یہ چرچے ہیں ہمیں دونوں کے دم سے نہ تم سے پھر زمانے میں نہ ہم سے

اگر مر جائیں تو چھٹ جائیں غم سے　　مگر یہ ہو نہیں سکتا ہے ہم سے
ہمیں ہے کس کی حسرت، تیری حسرت　　محبت کس کے دم سے، تیرے دم سے
نہ لکھیں گے جواب خط کسی کو　　یہی لکھ دے وہ کاش اپنے قلم سے
یہاں تک ہو گئے ہیں محو دیدار　　یہ آنکھیں کم نہیں بیت الصنم سے
نہ کیوں ہو ان کی گھبرائی ہوئی چال　　کہ فتنے لپٹے جاتے ہیں قدم سے
پسند آئی انہیں خود طرز رفتار　　نظر اٹھتی نہیں اپنے قدم سے
غلط ہر وعدہ پھر ہر بار کہنا　　ہماری توبہ ہی جھوٹی قسم سے
کہا یہ شکوۂ روز جزا پر　　تجھے پالا پڑے گا پھر بھی ہم سے
شب وعدہ ہمارے خواب میں آئے　　وہ سچے بن گئے جھوٹی قسم سے
ملا یہ خامہ فرسائی پر الزام　　ہمیں لکھا ہے خط ٹوٹے قلم سے
مرے سر پر نہ رکھو ہاتھ اپنا　　کہ ہوگا درد سر جھوٹی قسم سے
زمانے کو فلک کو ساتھ لے لو　　یہ جی بھرتا نہیں تھوڑے ستم سے
دم تحریر خط یہ ہیں دعائیں　　چلے قاصد سوا میرے قلم سے
کہیں گے ہم کہ ہم کو چاہتے ہو　　اگر تم ہاتھ اٹھا بیٹھے ستم سے

خدا باآبرو دے رزق اے داغ
نہیں ہے بحث ہم کو بیش و کم سے

۲۰۶

اجل روز جدائی کیوں نہ آئی　　کسی کی مجھ کو آئی کیوں نہ آئی
بہت عاشق تھے خواہان قیامت　　بلائے سے نہ آئی کیوں نہ آئی

تعجب ہے کہ اس بے داد پر بھی ترے آگے برائی کیوں نہ آئی
محبت میں جو دل پر آئی تھی چوٹ جگر پر وہ سوائی کیوں نہ آئی
عدو کو پھیر لاتا در سے مجھے یہ رہ نمائی کیوں نہ آئی
ترا شفاف چہرہ تن بدن صاف طبیعت میں صفائی کیوں نہ آئی
مسیحائی اگر آتی ہے تم کو ادائے جاں فزائی کیوں نہ آئی
مجھے بھولا سمجھ لے ورنہ واعظ سمجھ میں پارسائی کیوں نہ آئی
ہزاروں چاہتے ہیں داغ تم کو
تمہیں پھر بے وفائی کیوں نہ آئی

۲۰۷

پوچھتے ہیں وہ مزاج اچھا تو ہے مار رکھنے کا علاج اچھا تو ہے
یاس کلی وجہ استغنا ہوئی جب نہ ہو کچھ احتیاج اچھا تو ہے
گر حسینوں میں بھی ہو رسم وفا کیا برا ہے یہ رواج، اچھا تو ہے
آشیاں زیب سر مجنوں ہوا اے جنوں تنکوں کا تاج اچھا تو ہے
سینہ کوبی دل خراشی چاہئے ہو سکے جو کام کاج اچھا تو ہے
دل نہ ٹھہرے گا تو کیا ٹھہرے گا عشق قلب کا یہ اختلاج اچھا تو ہے
داغ کو دی ہے تسلی آپ نے
واقعی وہ کل سے آج اچھا تو ہے

۲۰۸

پھول دن بھر میں تر و تازہ کہاں رہتا ہے
آدمی تیس برس تک بھی جواں رہتا ہے

داغ حسرت جو پس مرگ عیاں رہتا ہے
یہ نشان قدم عمر رواں رہتا ہے

دل میں رہتا ہے جو آنکھوں سے نہاں رہتا ہے
پوچھتے پھرتے ہیں وہ داغ کہاں رہتا ہے

کون سا چاہنے والا ہے تمہارا ممنون
سر تو رہتا نہیں احسان کہاں رہتا ہے

دست رو سینہ عشاق پہ مارا اکثر
تیغ سے بڑھ کے ترا ہاتھ رواں رہتا ہے

وہ کڑی بات سے لیتے ہیں جو چٹکی دل میں
پہروں ان کے لب نازک پہ نشاں رہتا ہے

میں برا ہوں تو برا جان کے ملئے مجھ سے
عیب کو عیب سمجھئے تو کہاں رہتا ہے

خانہ دل میں تکلف بھی رہے تھوڑا سا
کہ ترا داغ' ترا درد' یہاں رہتا ہے

لامکاں تک کی خبر حضرت واعظ نے کہی
یہ تو فرمائیں کہ اللہ کہاں رہتا ہے

ہم تو سمجھے تھے کہ درباں ہے تمہارا نوکر
کیا خبر تھی ملک الموت یہاں رہتا ہے

ان کے آتے ہی مجھے حور کا آیا جو خیال
بولے گھبرا کے کوئی اور یہاں رہتا ہے

اپنے کوچے میں نئی راہ نکال اپنے لئے
کہ یہاں مجمع آفت زدگاں رہتا ہے

جیسی دو آنکھیں ہیں دو دل بھی ملے ہیں مجھ کو
وقت پر ایک یہاں ایک وہاں رہتا ہے

گرچہ وہ کوستے ہیں فخر ہے اس کا مجھ کو
نام میرا ہی انہیں ورد زباں رہتا ہے

کچھ مجھے وہم بندھا کرتے ہیں تنہائی میں
کچھ انہیں بھی مری جانب سے گماں رہتا ہے

کیا کروں عشق میں بے تابیٔ دل کا شکوہ
صبر کرنے سے بھی پہروں خفقاں رہتا ہے

میرے مطلب کی کہانی سے انہیں ہے نفرت
یہی افسانہ مجھے نوک زباں رہتا ہے

زخم آلے تو سبھی خشک ہوا کرتے ہیں
داغ مٹتا ہی نہیں اس کا نشاں رہتا ہے

۲۰۹

لطف وہ عشق میں پائے ہیں کہ جی جانتا ہے
رنج بھی ایسے اٹھائے ہیں کہ جی جانتا ہے

جو زمانے کے ستم ہیں وہ زمانہ جانے
تو نے دل اتنے ستائے ہیں کہ جی جانتا ہے

مسکراتے ہوئے وہ مجمع اغیار کے ساتھ
آج یوں بزم میں آئے ہیں کہ جی جانتا ہے

سادگی، بانکپن، اغماض، شرارت، شوخی
تو نے انداز وہ پائے ہیں کہ جی جانتا ہے

انہی قدموں نے تمہارے انہی قدموں کی قسم
خاک میں اتنے ملائے ہیں کہ جی جانتا ہے

تم نہیں جانتے اب تک، یہ تمہارے انداز
وہ مرے دل میں سمائے ہیں کہ جی جانتا ہے

کعبہ و دیر میں پتھرا گئیں دونوں آنکھیں   ایسے جلوے نظر آئے ہیں کہ جی جانتا ہے
دوستی میں تری در پردہ ہمارے دشمن   اسی قدر اپنے پرائے ہیں کہ جی جانتا ہے
داغ وارفتہ کو ہم آج ترے کوچے سے
اس طرح کھینچ کے لائے ہیں کہ جی جانتا ہے

۲۱۰

تم لبھاتے ہو بار بار کسے   ایسی باتوں کا اعتبار کسے
جب تلون مزاج وہ ٹھہرے   بے وفائی کا اعتبار کسے
مانگتا ہے دعا رقیب آکر   کھینچ لایا مرا مزار کسے
میرے مرنے کے بعد رو کے کہا   اب کہیں گے وفا شعار کسے
تاک میں دل کی ہے نشیلی آنکھ   اور کہتے ہیں ہوشیار کسے
دیکھئے رنگ لائے کیا جوبن   لوٹتی ہے تری بہار کسے
اک زمانے میں پڑ گئی ہل چل   کر دیا تم نے بے قرار کسے
داغ کو دو ہی دن میں بھول گئے
آپ کہتے تھے جاں نثار کسے

۲۱۱

دل کے رہنے کا اعتبار کسے   اور کہنے کا اختیار کسے
دل سے دشمن کا اعتبار کسے   ہم بنائیں صلاح کار کسے
یاد بھی ہے کہ آج بھول گئے   کل کیا تھا امیدوار کسے

موت سے پیشتر ہی مر جاؤں اس قدر تاب انتظار کسے
جب کہا میں نے ہائے لوٹ لیا دل پکارا کہ میرے یار کسے
غیر کو بھی ملا لیا ہم نے وہ بنائیں گے راز دار کسے
ذکر دشمن تو خوب تھا کہئے اب گذرتا ہے ناگوار کسے
دل دعا کیا کرے مرے حق میں بخشوائے گناہ گار کسے
بجلیاں ہیں یہ شوخیاں تیری اور کہتے ہیں بے قرار کسے

داغ سے وہ اگر نہیں ملتے
نہ ملیں ہے یہ افتخار کسے

۲۱۲

ہیں خون دل سے دیدۂ گریاں بھرے ہوئے دونوں چراغ ہیں شب ہجراں بھرے ہوئے
زخموں پہ میرے کان ملاحت کے ہاتھ سے خالی کئی ہوئے ہیں نمک داں بھرے ہوئے
منکر ہے قتل غیر سے کیوں دیکھ تو ذرا آیا ہے کون خون سے داماں بھرے ہوئے
خالی نہیں فساد سے یہ تیوری کے بل آتے ہو تم کہیں سے مری جاں بھرے ہوئے
مجھ رند پاک باز کو خالی سمجھ نہ شیخ اس دل میں ہیں خزانہ عرفاں بھرے ہوئے
ہیں جنتی گلی میں تری کشتگان تیغ ہیں اس زمیں میں گنج شہیداں بھرے ہوئے

اے داغ دل ترا نہ شگفتہ ہوا کبھی
عالم میں ہیں گلوں سے گلستاں بھرے ہوئے

۲۱۳

ایسے تنگ آئے ہاتھ سے دل کے روئے ہم غیر سے گلے مل کے
عرش سے آگے آگے ملتے ہیں کچھ کچھ آثار اپنی منزل کے

عشق پر زور، حسن زور شکن ‏ رہ گئے آج ہاتھ مل مل کے
بوسہ دینے کا لطف تو یہ ہے ‏ ہونٹ ہلنے نہ پائیں سائل کے
ہاتھ گردن میں ڈال کر بولے ‏ کس سے ملئے ترے گلے مل کے
شوق سے آپ آئینہ دیکھیں ‏ ہوش اڑ جائیں گے مقابل کے
داغ کے عشق پر یہ ناز کرو
ہم ہیں معشوق فرد کامل کے

۲۱۴

کام رکھنے کا نہیں اے دل ناداں کوئی ‏ خود بخود غیب سے ہو جائے گا ساماں کوئی
بیچتا ہوں جو خریدے مرے ارماں کوئی ‏ مفت دیتا ہوں اگر مان لے احساں کوئی
عشق جس کو نہ ہو ایسا نہیں انساں کوئی ‏ آگے تقدیر ہے خوش ہو کہ پشیماں کوئی
مل گیا اور ہی غارت گر ایماں کوئی ‏ لے گیا لوٹ کے مجھ سے ترے ارماں کوئی
تھا ابھی چشم تصور میں نمایاں کوئی ‏ ہو گیا دیکھتے ہی دیکھتے پنہاں کوئی
لائے کیوں کر یہ یقیں دل سے مسلماں کوئی ‏ بے قسم کھائے وہ کرتے نہیں پیماں کوئی
پانی پی پی کے دعا دیں تجھے بسمل قاتل ‏ ان کو پہنچا دے سرچشمہ حیواں کوئی
ان اچٹتی ہوئی باتوں کے نہیں ہم قائل ‏ کرے انکار باندازۂ پیماں کوئی
دیر ہو جائے بلا سے انہیں آرائش میں ‏ رہ نہ جائے کسی کم بخت کا ارماں کوئی
رکھ کے پیکاں مرے زخموں میں لگانا ٹانکے ‏ ہو یو نہیں دیکھ کے انگشت بہ دنداں کوئی
شکوۂ رنجش و بیداد بھی کرنا قاصد ‏ مگر اتنا کہ نہ ہو جائے پشیماں کوئی
جانتے بھی ہو اس ارمان بھرے کو کہ نہیں ‏ شب کو بیٹھا تھا کسی گوشے میں پنہاں کوئی
برسوں امید شہادت میں جئے ہم اے خضر ‏ تیغ سے بڑھ کے نہیں دم کا نگہباں کوئی

نظر آتا نہیں محفل میں کہیں پروانہ
بن کے بیٹھا ہے کہاں شمع شبستاں کوئی

حسرتیں یوں تو محبت میں بہت ہوتی ہیں
دل میں رکھنے کا نکل آتا ہے ارماں کوئی

منفعل روز قیامت ہو وہ ظالم توبہ
داد خواہی سے نہ ہو جائے پشیماں کوئی

چشم بد دور وہ صیاد ہیں تیری آنکھیں
سامنے ہو کے نکلتا نہیں انساں کوئی

ایک مہمان نے آتے ہی یہ گھر لوٹ لیا
وہ جو دل میں ہے تو باقی نہیں ارماں کوئی

دل تڑپ کے ادھر آتا ہے تو بڑھتی ہے خلش
ہے مگر دوسرے پہلو میں بھی پیکاں کوئی

اس کو میں لکھ کے خط شوق پتا بھول گیا
غیر ہی لکھ دے مرے نامے کا عنواں کوئی

طبع حاضر ہے، صفائی بھی ہے، نیت بھی درست
اب تو کر لیجئے خدا کے لئے پیماں کوئی

میں شب وصل زباں چوس کے چھوڑوں کیوں کر
کر سکے غیر سے کیوں وعدہ و پیماں کوئی

اے حیات ابدی کچھ تو سہارا دینا
نظر آتا ہے مجھے جان کا خواہاں کوئی

ہے حسینوں کی عدالت میں اسی کی بخشش
ہو جو ناکردہ خطا دل سے پشیماں کوئی

ہو گی اس بزم میں گلدستہ نرگس کی بہار
باندھ دے اس میں مرا دیدۂ حیراں کوئی

آتشیں آہ نے بل خاک نکالے دیکھو
سیدھے کرتا ہے ادھر ناوک جاناں کوئی

جب سے کی عشق سے توبہ نظر آتے ہیں یہ خواب
کھینچتا ہے کوئی دامن تو گریباں کوئی

توڑ کر عہد بت عہد شکن نے یہ کہا
آپ کی عمر کا رشتہ نہیں پیماں کوئی

دل میں چبھ جاتی ہیں کس طرح تمہاری آنکھیں
سرخ دیکھا نہ کبھی ناوک مژگاں کوئی

فرصت ناز بھی پہروں نہیں ملتی افسوس
وہ ہے مصروف ستم ہائے فراواں کوئی

آنکھ میں آنکھ تو ڈالی نہیں جاتی ظالم
دل میں دل ڈال دے کس طرح سے انساں کوئی

مٹ چکی ہے خلش دل مگر اب بھی اے داغ
پھانس کی طرح کھٹک جاتا ہے ارماں کوئی

تری محفل میں یہ کثرت کبھی تھی — ہمارے رنگ کی صحبت کبھی تھی
اس آزادی میں کیا وحشت کبھی تھی — مجھے اپنے سے بھی نفرت کبھی تھی
ہمارا دل، ہمارا دل کبھی تھا — تری صورت، تری صورت کبھی تھی
ہوا انساں کی آنکھوں سے ثابت — عیاں کب نور میں ظلمت کبھی تھی
دکن میں آئے ہم ہندوستاں سے — تصور میں بھی یہ صورت کبھی تھی
مٹی کیا آبروئے عشق افسوس — کہ اس ذلت میں بھی عزت کبھی تھی
جہاں سو حسرتوں کی پوٹ ہے اب — یہیں اک شخص کی تربت کبھی تھی
ذرا انصاف کیجئے کون ہوں میں — نہ تھی یا کچھ مری عزت کبھی تھی
اسی حسرت میں اب دل مبتلا ہے — کہ جس امید میں حسرت کبھی تھی
ابھی باقی ہے کچھ آزار کا شوق — وہ پھر ہو جو مری حالت کبھی تھی
ترحم بھی تجھے ہم پر کبھی تھا — تسلی بھی دم رخصت کبھی تھی
نہ دی دو گز زمیں مرقد کو میرے — کہا اس کوچے میں تربت کبھی تھی
کریں کیا اب زمانے کی شکایت — کہ دنیا منزل راحت کبھی تھی
محبت سے تری ہوتا ہے اب رنج — عداوت سے تری الفت کبھی تھی
شب ہجراں میں سویا کون کم بخت — کبھی کچھ ہوش تھا غفلت کبھی تھی
دل ویراں میں باقی ہیں یہ آثار — یہاں غم تھا یہاں حسرت کبھی تھی
مزا آتا نہیں وہ قتل میں اب — ترے چرکوں میں جو لذت کبھی تھی
شکایت سن کے یہ ہوتا ہے ارشاد — تری تقدیر میں راحت کبھی تھی
یہ تہمت رکھ کے ہم ان سے ملیں گے — ہماری آپ کی صحبت کبھی تھی

تمہاری سادگی یہ کہہ رہی ہے / نگاہ ناز اک آفت کبھی تھی

ہجوم غم سے اب تک مر نہ جاتا / مجھے مرنے کی بھی فرصت کبھی تھی

دل برباد میں اڑتی ہے اب خاک / یہ بستی غیرت جنت کبھی تھی

یہ دل حاضر ہے لیجئے، اس سے کیا بحث / نہ تھی یا آپ کی نیت کبھی تھی

نہیں ہے اب نہیں ہے صاف سن لو / کبھی تھی مجھ کو ہاں چاہت کبھی تھی

تم اترائے کہ بس مرنے لگا داغ
بناوٹ تھی جو وہ حالت کبھی تھی

۲۱۶

ہم تیرے کام، اے دل مضطر بنائیں گے / اب کے بگڑ گئے تو مکرر بنائیں گے

تصویر یار اپنی جبیں پر بنائیں گے / بگڑا ہوا ہم اپنا مقدر بنائیں گے

جنت کے بدلے دل میں ترے گھر بنائیں گے / یہ یادگار ہم سر محشر بنائیں گے

ایمان کی تو یہ ہے غضب ہیں بتان ہند / اپنا ہی سا مجھے بھی یہ کافر بنائیں گے

حرف غلط نہیں مری تقدیر کا لکھا / احباب چھیل کر اسے کیوں کر بنائیں گے

اوروں پہ کیوں نزول بلا اپنے ساتھ ہو / اب ہم مکان شہر سے باہر بنائیں گے

کیا بن پڑے گا کوئی نہ دل کا مسودہ / اکثر مٹائیں گے ابھی اکثر بنائیں گے

ہو گا یونہیں جو تشنہ خوں ایک ایک کا / کیوں مے فروش بادۂ احمر بنائیں گے

دینے لگا ہے ہم کو مزا خار آرزو / اس کو بڑھا کے صورت نشتر بنائیں گے

باعث بگاڑ کے ہیں وہی جن سے تھی امید / ان سے بنیں گے کام یہ اکثر بنائیں گے

افسوس ہے کہ ٹوٹ پڑے گا وہیں فلک / ہم جان توڑ کر جو کہیں گھر بنائیں گے

جب دل بگڑ چکا تو بنائے سے کب بنا / کیا خاک وہ بنائیں گے پتھر بنائیں گے

دشمن ہمارے واسطے تکلیف کیوں کریں ہم آپ اپنے قتل کا محضر بنائیں گے
داماں حشر خانہ بروشوں سے کب چھٹا اس کو بھی چیر پھاڑ کے بستر بنائیں گے
تیرے بگاڑنے تو بگاڑا ہے دل مرا تیرے بناؤ بھی مرے دم پر بنائیں گے
خالی نہ ہوگی لطف سے بے داد محتسب ہم شیشہ شکستہ کو ساغر بنائیں گے
کہتے ہیں وہ جلائیں گے ہم تجھ کو حشر تک دشمن کی قبر تیرے برابر بنائیں گے
ہوگا شب فراق کا غم بھی بہت بڑا دل کو ہزار ہاتھ کا کیوں کر بنائیں گے
اس نازنیں کو لکھیں گے جب سطر اشتیاق دل کی رگوں سے ہم خط مسطر بنائیں گے
بے کار جائے گا نہ کوئی فتنہ خرام وہ رفتہ رفتہ شہر کو محشر بنائیں گے
کیوں عکس جا سکے گا جو تو ناز کر سکے ہم آئینے میں سد سکندر بنائیں گے
عادت ہی ہو گئی ہے وہ دیکھیں گے جب مجھے چتون غضب کی، قہر کے تیور بنائیں گے
منہ دیکھتے ہیں دیر سے نیچی نظر کئے پلکوں سے آئینے میں وہ جوہر بنائیں گے
وہ جھانکنے جو آئیں گے ہم دیکھ لیں گے صاف تصویر غیر روبروئے در بنائیں گے
وہ کم سنی میں کھیل بھی کھیلیں گے تو یہی مٹی کے تیغ و ناوک و خنجر بنائیں گے
کچھ تجھ کو بھی تو خانہ خرابی کی قدر ہو خانہ خرابہ دل میں ترے گھر بنائیں گے

ہر وقت داغ کا یہی تکیہ کلام ہے
میرے حضور مجھ کو تونگر بنائیں گے

۲۱۷

گر میرے اشک سرخ سے رنگ حنا ملے جو چور کی سزا ہو وہ مجھ کو سزا ملے
جاتے تھے منہ چھپائے ہوئے مے کدے کو ہم آتے ہوئے ادھر سے کئی پارسا ملے
پس ماندگان قافلہ کا انتظار تھا جو رہ گئے تھے راہ میں بارے وہ آملے

اپنی بھی شامت آگئی توبہ کے ساتھ ہی
عہد شباب کے جو کہیں آشنا ملے
جنت سے عار، حور کی صحبت سے اجتناب
کیا جانے بندگی کا صلہ مجھ کو کیا ملے
شوقِ وصال خاک میں سب کو ملائے گا
تم کیوں ملو کسی سے تمہاری بلا ملے
اللہ دے تو فقر کی دولت ہے سلطنت
جتنے فقیر مجھ کو ملے بادشاہ ملے
جو اپنے دل سے آپ کرے بدمزاجیاں
ایسے اکھل کھرے سے بھلا کوئی کیا ملے
دنیا میں دل لگی کے لئے کچھ تو چاہیے
ہم ان بتوں سے ملتے ہیں جب تک خدا ملے
اک بات ہم کہیں تو ابھی کھوئے جاؤ گے
اس طرح سے کہ تم کو نہ اپنا پتا ملے
اب منحصر ہے داورِ محشر کے علم پر
میرے گواہ ٹوٹ کے دشمن سے جا ملے
لو آؤ دل ملائیں تمہاری نگاہ سے
شوخی سے شوخی اور حیا سے حیا ملے
اس دل ستاں کا ہے وہی دروازہ نامہ بر
درباں بھی تجھ سے دل کو جہاں پوچھتا ملے
یہ بھید کیا ہے مجھ سے ملا آج یوں رقیب
جس طرح آشنا سے کوئی آشنا ملے
اس کے ہجوم ناز میں کھویا گیا ہے دل
جو اس طرح کی بھیڑ میں گم ہو وہ کیا ملے
اس واسطے اٹھائی ہیں تیری برائیاں
ڈرتا ہوں کہ اور نہ تجھ سے برا ملے

اے داغ اپنی وضع ہمیشہ یہی رہی
کوئی کھچا کھچے، کوئی ہم سے ملا ملے

۲۱۸

ساقیا دے بھی مئے روح فزا تھوڑی سی
بے وفا عمر کرے اور وفا تھوڑی سی
ہم تو اس آنکھ کے ہیں دیکھنے والے دیکھو
جس میں شوخی ہے بہت اور حیا تھوڑی سی
وعدۂ غیر پہ کیا ہوتی ہے جلدی ان کو
ہاتھ دھو ڈالتے ہیں مل کے حنا تھوڑی سی

نغمہ دل کش ہو تو دم ساز دم عیسیٰ ہے
کبھی آجاتی ہے کانوں میں صدا تھوڑی سی

تم مرے جرم کی تفصیل نہ پوچھو مجھ سے
کہ خطا وار بتاتا ہے خطا تھوڑی سی

ابھی بت خانے کے سجدوں سے تو فرصت ہو لے
جا کے مسجد میں بھی کرلیں گے ادا تھوڑی سی

مرگ فرہاد پہ حسرت سے کہا شیریں نے
عمر عاشق ہی کو دیتا ہے خدا تھوڑی سی

وائے تقدیر گرے ٹوٹ کے ناخن اپنے
رہ گئی تھی گرہ بند قبا تھوڑی سی

آئے ہمسائے میں وہ گو نہ یہاں تک آئے
آج مقبول ہوئی میری دعا تھوڑی سی

کیوں فلک مجھ کو کھلاتا ہے غم عشق بہت
ایسے بیمار کو دیتے ہیں غذا تھوڑی سی

بعد مردن مرے مرقد میں بنا دیں روزن
آتی جاتی رہے دنیا کی ہوا تھوڑی سی

منصفی شرط ہے آخر کوئی کب تک بخشے
روز ہو جاتی ہے بھولے سے خطا تھوڑی سی

داغ یہ مے ہے' یہ ساغر ہے' کہاں کی توبہ
پی خدا کے لئے اے مرد خدا تھوڑی سی

۲۱۹

جان سے چھوڑ دے تو اے ستم ایجاد مجھے
کہ ملے روز نئی لذت بے داد مجھے

تم سلامت رہو آزار کے دینے والے
کون سنتا ہے مبارک مری فریاد مجھے

اہل محشر سے یہ پوچھوں گا خدا لگتی بات
تم نے دیکھا بھی ہے دنیا میں کبھی شاد مجھے

حسن کا دام بلا ہے چمن عالم میں
نظر آتا ہے ہر اک پھول بھی صیاد مجھے

بندگی ایسی غلامی کو اگر قدر نہ ہو
قتل کر ڈال جو کرتا نہیں آزاد مجھے

آسماں ٹوٹ پڑا مجھ پہ تری الفت میں
پہلے ہی سے نظر آتی تھی یہ افتاد مجھے

کچھ تو امید بندھے ان سے وفاداری کی
کاش دشمن ہی سمجھ کر وہ کریں یاد مجھے

خانہ دل سے یہ ماتم کی صدا آتی ہے
غم سے آباد کیا' جان سے برباد مجھے

ہچکیاں داغ دمِ نزع چلی آتی ہیں
شاید اس بھولنے والے نے کیا یاد مجھے

۲۲۰

تم نے بدلے ہم سے گن گن کے لئے
ہم نے کیا چاہا تھا اس دن کے لئے

کچھ نرالا ہے جوانی کا بناؤ
شوخیاں زیور ہیں اس سن کے لئے

وصل میں تنگ آ کے وہ کہنے لگے
کیا یہ جوبن تھا اسی دن کے لئے

چاہنے والوں سے گر مطلب نہیں
آپ پھر پیدا ہوئے کن کے لئے

فیصلہ ہو آج میرا آپ کا
یہ اٹھا رکھا ہے کس دن کے لئے

دے مئے بے درد اے پیر مغاں
چاہئے اک پاک باطن کے لئے

دل کے لینے کو ضمانت چاہئے
اور اطمینان ضامن کے لئے

مے کشو مژدہ، اب آئی فصل گل
بلبل نے چونچ میں تنکے لئے

ہم نشینوں سے مرے کہتے ہیں وہ
چھوڑ دیں غیروں کو کیا ان کے لئے

ہیں رخ نازک پہ گنتی کے نشاں
کس نے تیرے بوسے گن گن کے لئے

وہ نہیں سنتے ہماری کیا کریں
مانگتے ہیں ہم دعا جن کے لئے

آج کل میں داغ ہو گے کامیاب
کیوں مرے جاتے ہو دو دن کے لئے

۲۲۱

آئے بھی تو وہ منہ کو چھپائے مرے آگے
اس طرح سے آئے کہ نہ آئے مرے آگے

کیا دم کا بھروسا ہے پھر آئے کہ نہ آئے
جانا ہے جو قاصد کو تو جائے مرے آگے

کچھ تذکرۂ رنجش معشوق جو آیا
دشمن کے بھی آنسو نکل آئے مرے آگے

دل میں نے لگایا ہے مگر دیکھیے کیا ہو
سب جھینکتے ہیں اپنے پرائے مرے آگے

بجھتے ہوئے دیکھوں گا نہ میں دل کی لگی کو
کوئی نہ کبھی شمع بجھائے مرے آگے

مانگی ہے دعا وصل کی کچھ اور نہ سمجھو
کوسا ہو اگر میں نے تو آئے مرے آگے

تیور یہی کہتے تھے کہ یہ نام ہے میرا
لکھ کر کوئی حرف اس نے مٹائے مرے آگے

دیکھے تو کوئی قاصد جاناں کی دلیری
واپس مرے خط لا کے جلائے مرے آگے

بچھڑے ہوئے معشوق ملیں سب کو الٰہی
تنہا کوئی جنت میں نہ جائے مرے آگے

محشر میں بھی ہے خواہش خلوت مجھے ایسی
کہتا ہوں کیا میرا نہ آئے مرے آگے

کچھ داغ کا مذکور جو آیا تو وہ بولے
آئے تھے برا حال بنائے مرے آگے

۲۲۲

یہ جو ہے حکم مرے پاس نہ آئے کوئی
اس لئے روٹھ رہے ہیں کہ منائے کوئی

یہ نہ پوچھو کہ غم ہجر میں کیسی گذری
دل دکھانے کا اگر ہو تو دکھائے کوئی

تاک میں ہے نگہ شوق' خدا خیر کرے
سامنے سے مرے بچتا ہوا جائے کوئی

ہو چکا عیش کا جلسہ تو مجھے خط بھیجا
آپ کی طرح سے مہمان بلائے کوئی

ترک بیداد کی تم داد نہ چاہو مجھ سے
کر کے احسان نہ احسان جتائے کوئی

یوں شب وصل ہو بالیدگی عیش و نشاط
آپ اپنے میں خوشی سے نہ سمائے کوئی

حال افلاک و زمیں کا جو بتایا بھی تو کیا
بات وہ ہے جو ترے دل کی بتائے کوئی

درد الفت کے مزے لیتے ہیں قسمت والے
خون دل زہر نہیں ہے کہ نہ کھائے کوئی

کیا وہ مے داخل دعوت ہی نہیں اے واعظ مہربانی سے بلاکر جو پلائے کوئی
وعدۂ وصل اسے جان کے خوش ہو جاؤں وقت رخصت بھی اگر ہاتھ ملائے کوئی
سرد مہری سے زمانے کی ہوا ہے دل سرد رکھ کر اس چیز کو کیا آگ لگائے کوئی

آپ نے داغ کو منہ بھی نہ لگایا افسوس
اس کو رکھتا تھا کلیجے سے لگائے کوئی

۲۲۳

وہ کھینچتے ہیں خنجر براں کبھی کبھی مشکل ہماری ہوتی ہے آساں کبھی کبھی
بھولے ہی بن کے کام نکلتا ہے گاہ گاہ بن جاتے ہیں ہم آپ ہی ناداں کبھی کبھی
اقرار سے زیادہ ہے انکار آپ کا ہر دم نہیں نہیں ہے تو ہاں ہاں کبھی کبھی
ہر وقت ان کی شرم سے اٹھتی نہیں پلک ہوتا ہے دل کے پار یہ پیکاں کبھی کبھی
دل رفتہ رفتہ خوگر غم ہو تو خوب ہے آیا کرے مری شب ہجراں کبھی کبھی
رہ رہ کے یاد آتے ہیں اپنے ستم انہیں ہوتے ہیں جھوٹ موٹ کے احساں کبھی کبھی
اس جبر پر بھی ہے وہی آفت لگی ہوئی ہوتا ہے شوق سلسلہ جنباں کبھی کبھی
میری مجال ہے جو کروں عرض مدعا نظروں میں بات ہوتی ہے پنہاں کبھی کبھی
سنتے ہیں کان رکھ کے فرشتے بھی اس کی بات کہتا ہے دور دور کی انساں کبھی کبھی

شکر خدا کہ عشق نے کچھ کچھ اثر کیا
وہ دیکھتے ہیں داغ کا دیواں کبھی کبھی

۲۲۴

جو نکلا پیچ سے کاکل کے دل، زلف دوتا لپٹی
چھٹا جب اک بلا سے دوسری پیچھے بلا لپٹی

صبا اٹکھیلیاں کرتی ہے کیا کیا راہ میں ان سے
کبھی کاکل سے آلپٹی کبھی دامن سے جالپٹی

لپٹتا ہے گلے سے جس طرح بچھڑا ہوا کوئی
ہمارے حلق سے اس طرح وہ تیغ جفا لپٹی

کبھی لپٹا نہ تو میرے گلے سے کیوں نہ رشک آئے
رہی اے بے وفا ہر دم ترے تن سے قبا لپٹی

وہ ہوں میں کشتہ فرقت غنیمت اس کو جانوں گا
زمیں بھی میری میت سے اگر بعد فنا لپٹی

قیامت تھک گئی جب اٹھتے اٹھتے میرے نالوں سے
تو آخر مضطرب ہو کر ترے قدموں سے جا لپٹی

گھری ہیں ان کی آنکھیں دیکھنا کیا شرم و شوخی میں
نگاہوں سے ادا لپٹی تو پلکوں سے حیا لپٹی

وہ ہوں گردش زدہ میں' چھو لیا جب میرے دامن کو
تو چکراتی ہوئی پہروں بگولے میں ہوا لپٹی

جلانے کو مرے بزم و چمن میں رات دن دیکھو
جو لپٹا شمع سے پروانہ' بلبل گل سے جا لپٹی

کوئی دیکھے تو بانکی وضع رند لاؤ بالی کی
کہ اس کے سر سے ہے وہ لٹ پٹی دستار کیا لپٹی

وہ کہتے ہیں عجب تاثیر دیکھی خون عاشق میں
چھڑائی جس قدر ہاتھوں سے یہ مہندی سوا لپٹی

نہ روکے سے رکا آخر گیا داغ اس کے کوچے میں
نہ مانا ایک کا کہنا بہت خلق خدا لپٹی

۲۲۵

گلشن میں ہرے ہو کے شجر لائے ثمر بھی
اے بارشِ رحمت کوئی چھینٹا تو ادھر بھی

عاشق ہیں ترے حور و ملک جن و بشر بھی
دیتا ہے خدا حسن تو پڑتی ہے نظر بھی

وہ صبح کو اٹھتے ہی ملا لیتے ہیں صورت
آئینہ بھی رہتا ہے برابر گلِ تر بھی

کیا تیز رو راہِ محبت ہے الٰہی
پیچھے رہی جاتی ہے مرے دل سے نظر بھی

رکھتا ہی نہیں کوئی کہاں جا کے رہے دل
مثلِ گل بازی‘ یہ ادھر بھی ہے ادھر بھی

میں صبحِ شبِ وصل نہ دیکھوں اسے جاتے
آنکھوں ہی میں آجائے سپیدی‘ سحر بھی

اللہ کرے ہو ترے درباں کو بھی وحشت
میرا ہی گریبان بنے پردۂ در بھی

بت خانے میں کیوں رہنے لگے حضرت زاہد
ایسوں کا ٹھکانا نہیں اللہ کے گھر بھی

اقرار سے پہلے تو رہا کرتے تھے پیغام
جب وعدہ کیا پھر نہیں ہوتے وہ خبر بھی

بیٹھو بھی‘ مرے قتل پہ کیا باندھو گے تلوار
دیکھوں تو سہی باندھنی آتی ہے کمر بھی

اے داغ دمِ نزع ہیں وہ منتظر اس کے
کیوں دیر لگا رکھی ہے جلدی کہیں مر بھی

۲۲۶

اک چیز ہے اس عالمِ ہستی میں بشر بھی
دنیا کا طلب گار بھی دنیا سے حذر بھی

اس تیر کا زخمی ہے مرا دل بھی جگر بھی
اچھوں کی بری ہوتی ہے سیدھی سی نظر بھی

دیکھوں کسی محبوب کو میں سامنے تیرے
منت سے کہے تو نگہِ لطف ادھر بھی

یہ کل ان تک آئے گی بری ہو کہ بھلی ہو
رک جائے گی کیا تیری طرح تیری خبر بھی

کیا ایک ہی ڈورے میں بندھی ان کی نزاکت
جب ہلتی ہے گردن تو لچکتی ہے کمر بھی

بے تاب تری بزم میں دیکھا جسے دیکھا
ہوش اڑتے ہیں، ہے اڑتی ہے، اڑتی ہے خبر بھی

دل اس نے لیا مجھ کو ملی دولت دیدار
کیا لوٹ کا سامان ادھر بھی ہے ادھر بھی

گنتے ہیں وہ دنیا کے جو سب چاہنے والے
پوچھے تو کوئی ہے تمہیں دنیا کی خبر بھی

جب جرم محبت کی سزا مل گئی اک بار
تقصیر وہی ہم سے ہوئی بار دگر بھی

روندا ہے غضب لشکر غم نے مرے دل کو
ایسی نہیں پامال کوئی راہ گذر بھی

ہوتی ہے دعا کافر و دیں دار کی مقبول
اللہ کی سرکار میں لگتا ہے اثر بھی

اچھا ہے کہ جنگل میں ہو پانی کا سہارا
لے جائے مرا نامہ رساں دیدۂ تر بھی

فرماتے ہیں وہ سنتے ہیں جب داغ کے اشعار
اللہ زباں دے تو زباں میں ہو اثر بھی

۲۲۷

ہم سے برگشتہ کسی کی نظر ایسی تو نہ تھی
گرچہ تھی چشم تغافل مگر ایسی تو نہ تھی

شب کو جو حال رہا ہے وہ خدا پر روشن
تجھ سے امید مجھے بے خبر ایسی تو نہ تھی

وہی دل ہے، وہی لب ہیں، وہی انداز بیاں
جیسی اب ہے یہ دعا بے اثر ایسی تو نہ تھی

کے گھڑی اور جیوں گا یہ بتا دے کم بخت
فکر تجھ کو کبھی اے چارہ گر ایسی تو نہ تھی

شکل یوسفؑ کی جو تعریف سنی، فرمایا
منصفی شرط ہے، دیکھو ادھر، ایسی تو نہ تھی

بارہا آئے گئے نامہ و پیغام و سلام
تجھ کو جلدی کبھی اے نامہ بر ایسی تو نہ تھی

وصل کے ساتھ ہی جاتے رہے کیا لیل و نہار
شام ایسی تو نہ تھی وہ سحر ایسی تو نہ تھی

آگ دل کی بھی اثر کر گئی شاید اس میں
پیشتر سوزش داغ جگر ایسی تو نہ تھی

داغ صاحب کی محبت نہ چھپائے سے چھپی
ایسی مشہور ہوئی' یہ خبر ایسی تو نہ تھی

۲۲۸

شکست عہد سے ہوتا ہی کیا ہے
انہیں اس بات کی پروا ہی کیا ہے

ترقی کر رہی ہے ان کی شوخی
ابھی تڑپے گا دل تڑپا ہی کیا ہے

بڑی آنکھیں تمہاری ہیں اگر ہوں
ان آنکھوں نے ابھی دیکھا ہی کیا ہے

حقیقت میں ہو تم دنیا سے اچھے
حقیقت میں مگر دنیا ہی کیا ہے

ہمارے دل میں ہے ساری خدائی
خدا کے گھر میں اب رکھا ہی کیا ہے

ملے گی حشر میں کیا داد مجھ کو
مری فریاد سے ہوتا ہی کیا ہے

سمجھتا ہی نہیں قاصد مری بات
زبان نامہ بر پر کیا ہی کیا ہے

شکایت ہی سہی عرض تمنا
ذرا انصاف کر بے جا ہی کیا ہے

تجھے دنیا میں لوں' عقبیٰ میں چاہوں
بجز اس کے مرا دعویٰ ہی کیا ہے

رہی کیوں اس دل ویراں میں حسرت
نہ ہو وحشت تو وہ صحرا ہی کیا ہے

ہمیشہ دیکھتی ہیں دل کی آنکھیں ہمارا آپ کا پردا ہی کیا ہے
ادا ہے ابتدا مشق جفا کی بہت ہو گا ستم اتنا ہی کیا ہے
فقط اک جان وہ بھی تجھ پہ قربان محبت نے یہاں چھوڑا ہی کیا ہے
اگر سن لیں وہ حال زار اے داغ
ترے کہنے کا پھر کہنا ہی کیا ہے

۴۴۹

کسی کے ہیں جلوے یہاں کیسے کیسے عیاں کیسے کیسے، نہاں کیسے کیسے
دیئے داغ نے امتحاں کیسے کیسے مٹائے ہیں ان کے گماں کیسے کیسے
نشیب و فراز ان کو سمجھائے کیا کیا ملائے زمین آسماں کیسے کیسے
ہوئیں ان سے غمازیاں کیسی کیسی بنے تھے مرے رازداں کیسے کیسے
وہ جب اوپری دل سے کرتے ہیں وعدہ تو کھاتی ہے پلٹے زباں کیسے کیسے
بنایا کئے مجھ کو مجرم وہ ناحق ملایا کئے ہاں میں ہاں کیسے کیسے
ملے زاہد پیر کو حور توبہ وہاں ہوں گے رعنا جواں کیسے کیسے
نہ آثار عشرت، نہ سامان راحت نشاں سے ہوئے بے نشاں کیسے کیسے
چھٹے قافلے والے اول ہی منزل پڑے رہ گئے ناتواں کیسے کیسے
نہ مانی نہ مانی مری بات اس نے ہوئے دوست ہم داستاں کیسے کیسے
سکھانے پڑھانے کو ہیں دوست دشمن یہاں کیسے کیسے، وہاں کیسے کیسے
کھلائے ہیں گل نوک مژگاں نے کیا کیا بنائے ہیں دل پر نشاں کیسے کیسے
نہیں حیدر آباد پیرس سے کچھ کم یہاں بھی سجے ہیں مکاں کیسے کیسے

گئے دیدہ و دل بھی ہمراہ قاصد — روانہ ہوئے ارمغاں کیسے کیسے
مرے ساتھ غیروں پہ بھی آفت آئی — نکالے گئے میہماں کیسے کیسے
گذرگہ ارمان و حسرت رہا دل — گذرتے رہے کارواں کیسے کیسے
شکایت حکایت ہی میں رات گذری — رہے تذکرے درمیاں کیسے کیسے

وطن سے چلے داغ جب ہم دکن کو
چھٹے اہل ہندوستاں کیسے کیسے

۲۳۰

قیامت ہے اگر میں نے فغاں کی — فرشتے خیر مانگیں آسماں کی
تلاش ان کو ہے میرے رازداں کی — نئی ترکیب نکلی امتحاں کی
تمنا اور وہ بھی امتحاں کی — خبر تھی کس کو مرگ ناگہاں کی
کہاں اے چارہ گر دل میں حرارت — یہ گرمی ہے فقط ضبط فغاں کی
نہیں کچھ ہرزہ گو دیوانہ عشق — سنو تو کہہ رہا ہے یہ کہاں کی
دبا ہے خاک صرصر میں نشیمن — نظر پڑتی نہیں اب باغباں کی
کرے گی سجدہ میت بھی ہماری — کہ مٹی دی ہے اس نے آستاں کی
شب غم آئے خواب مرگ کیوں کر — یہاں دیکھی ہیں آنکھیں پاسباں کی
تمہیں سنواؤں کیوں کر اس کی باتیں — مرے دل میں ہے کیفیت زباں کی
مرے مرنے سے گو اس کو ہوئی عید — خوشی جو چاہئے تھی وہ کہاں کی
در جاناں پہ ہنگامہ نہ دیکھا — کماں اتری ہوئی ہے پاسباں کی
دہن کو ہے مزا تیرے دہن کا — زبان کو چاٹ ہے تیری زباں کی
خدا کے سامنے بھی بت بنے وہ — ہمیں نے ان کی کیفیت بیاں کی

یونہی رہ جائے وہ بیٹھا کا بیٹھا کھلی رہ جائیں آنکھیں پاسباں کی
رگ بسمل میں باقی ہے ابھی دم لگا دے اور بھی اک امتحاں کی
دل اس کا ہے کہ جس نے اپنی حالت بیاں کی اور پھر تجھ سے بیاں کی
وہ سن کر داغ کے اشعار بولے
خدا جانے یہ بولی ہے کہاں کی

۲۳۱

کبھی ہم سے نہ کہنا "تیرا کہنا ہم نہ مانیں گے"
جو ضد آئی تو بے منوائے اصلا ہم نہ مانیں گے
خیال غیر ہوگا' دل ہمارا پاسباں ہو گا
رہیں خلوت سرا میں آپ تنہا ہم نہ مانیں گے
گواہی کون دے' میرا ثبوت عشق کیوں کر ہو
وہ کہتے ہیں قیامت تک یہ دعویٰ ہم نہ مانیں گے
ترا ثانی کہاں پیدا فقط کہنے کی باتیں ہیں
اگر سارا زمانہ مان لے گا ہم نہ مانیں گے
ہم ایسے ہی تو ہیں وہ ہم کو پوچھیں اس عنایت سے
یقیں آتا نہیں قاصد ہے جھوٹا ہم نہ مانیں گے
بہت ہم درد و یک جاں و دو قالب ہم نے دیکھے ہیں
نہیں ہے کوئی دنیا میں کسی کا ہم نہ مانیں گے
بلا سے گر کوئی اس بات کا دل میں برا مانے
مگر معشوق ہو وعدے کا سچا ہم نہ مانیں گے

سوال ان کا یہ ہے دنیا میں کر لو فیصلہ ہم سے
اٹھاؤ گے اگر عقبیٰ میں جھگڑا ہم نہ مانیں گے

وہ کہتے ہیں ہم اشک و آہ سوزاں کے نہیں قائل
بہم ہوں آب و آتش دونوں یک جاں ہم نہ مانیں گے

نکل جائے اگر پہلو سے دل یہ ہے یقیں ہم کو
نکل جائے کبھی دل سے تمنا ہم نہ مانیں گے

بڑھے تکرار کیوں پہلے ہی اس کا فیصلہ کر لو
یہ کہنا مان لیں گے ہم یہ کہنا ہم نہ مانیں گے

تمہیں خط غلامی داغ لکھ دے کیا سند اس کی
کہ ایسا شخص ہو بندہ کسی کا ہم نہ مانیں گے

۲۳۳

نزاکت مانع زور آزمائی ہوتی جاتی ہے
کہ شاخ گل سی جب ان کی کلائی ہوتی جاتی ہے

پھنسا کر زلف میں دل عمر بھر ان کی بلا رکھے
اسیری ہوتی جاتی ہے، رہائی ہوتی جاتی ہے

مبارک ہو اب صیاد کو، مژدہ اسیری کو
بہت مشہور میری خوش نوائی ہوتی جاتی ہے

بڑھایا شوق نے آگے، ہٹایا خوف نے پیچھے
رسائی میں بھی اس تک نارسائی ہوتی جاتی ہے

نکل جائیں گے بل ملنا نہ چھوڑو راست بازوں سے
بہت سیدھی تمہاری کج ادائی ہوتی جاتی ہے

ہمیں بھی صبر آئے، صاف کہہ دو ہم نہیں رہتے
الگ ہر چیز کیوں اپنی پرائی ہوتی جاتی ہے

مخاطب ہوں کسی سے بزم میں وہ چوٹ ہے مجھ پر
مرے ہی سامنے میری برائی ہوتی جاتی ہے

وہ چشم فتنہ زا سے دیکھ کر آئینہ کہتے ہیں
بہت اے شوخ تجھ میں بے حیائی ہوتی جاتی ہے

ابھی سے کیا ہوا جاتا ہے خون مدعا یا رب
کہ رنگت کاغذ خط کی حنائی ہوتی جاتی ہے

خدا جانے یہ ہے کیا بھید کیا ہوتا ہے اے کافر
جدھر تو ہے ادھر ساری خدائی ہوتی جاتی ہے

نہ میں آتش نہ وہ سیماب، یا رب کیا سبب اس کا
جہاں تک دل ملاتا ہوں جدائی ہوتی جاتی ہے

خدا ہے طالب دیدار محشر کوئی رہ جائے
بہت مشہور تیری خود نمائی ہوتی جاتی ہے

کدورت سی کدورت تھی مٹایا داغ کو جس نے
بحمداللہ اب ان سے صفائی ہوتی جاتی ہے

۲۳۳

سب سے تم اچھے ہو، تم سے مری قسمت اچھی
یہی کم بخت دکھا دیتی ہے صورت اچھی

حسن معشوق سے بھی حسن سخن ہے کم یاب
ایک ہوتی ہے ہزاروں میں طبیعت اچھی

میری تصویر بھی دیکھی تو کہا شرما کر
یہ برا شخص ہے اس کی نہیں نیت اچھی

ہر طرح دل کا ضرر، جان کا نقصاں دیکھا
نہ محبت تری اچھی نہ عداوت اچھی

کس صفائی سے کیا وصل کا تو نے انکار
اس محل پر تو زباں میں تری لکنت اچھی

ہجر میں کس کو بلاؤں نہ بلاؤں کس کو
موت اچھی ہے الٰہی کہ قیامت اچھی

قبر میں نیند اڑاتے ہیں نکیرین عبث
ان سوالوں سے تو دشمن کی حکایت اچھی

دیکھنے والوں سے انداز کہیں چھپتے ہیں
ہم کو پردے میں نظر آتی ہے صورت اچھی

میری شامت کہ دکھائی اسے دشمن کی شبیہ
مسکرا کر یہ کہا اس نے نہایت اچھی

میری تربت پہ یہ ظالم نے کہا پچھتا کر
مل گئی عیش ابد کی تجھے فرصت اچھی

جو ہو آغاز میں بہتر وہ خوشی ہے بدتر
جس کا انجام ہو اچھا وہ مصیبت اچھی

آدمیت سے علاقہ ہے نہ دنیا کا مزا
پھر جہنم سے ہے کس بات میں جنت اچھی

پھوٹ کر روئے بظاہر جو لحد پر دشمن
اس بہانے سے بھائی مری تربت اچھی

ہم نشینوں کو مشیروں کو ترے دیکھ لیا
بری صحبت ہے بری، اچھی ہے صحبت اچھی

ہے سر ناز فروشی تو خریدار بہت
بیچ ڈالو اسے مل جائے گی قیمت اچھی

عیب اپنے بھی بیاں کرنے لگے آخر کار
ہو گئی ان کو برا کہنے کی عادت اچھی

خود ستائی پہ نہ محمول ہو اے رشک مسیح
کہوں کس منہ سے کہ ہے میری طبیعت اچھی

تم بتاؤ تو سہی مہر و محبت کے گواہ
ایسے دعوے میں تو جھوٹی بھی شہادت اچھی

زور زور سے بھی کہیں داغ حسیں ملتے ہیں
اپنے نزدیک تو ہے سب سے اطاعت اچھی

۲۳۴

ہجر کی یہ رات کیسی رات ہے
ایک میں ہوں یا خدا کی ذات ہے

ان کی فرمائش نئی دن رات ہے — اور تھوڑی سی مری اوقات ہے
تم کو صحبت غیر سے دن رات ہے — دیکھو اپنی بات اپنے ہات ہے
آپ کی ہر بات میں یہ بات ہے — چال ہے فقرہ ہے دم ہے گھات ہے
حور کی خواہش پہ یہ طعنے ملے — واہ کیا نیت ہے کیا اوقات ہے
تو نے قاصد جو کہی دل کو لگی — یہ اسی کافر کے منہ کی بات ہے
پھر خدا جانے کہاں تم ہم کہاں — عیش و عشرت کی یہی اک رات ہے
جان کے خواہاں ہیں سب جان جہاں — سچ ہے بے پروا اسی کی ذات ہے
ذکر دشمن پر بگڑنا ہے بجا — واقعی لگتی لگاتی بات ہے
شکوے کے بدلے کیا شکر ستم — پھر خفا ہیں کیا مزے کی بات ہے
ان کا قاصد لے چلا ہے دل مرا — تازہ فرمائش نئی سوغات ہے
یہ ملا اظہار الفت پر جواب — آپ ایسے ہی تو ہیں کیا بات ہے
شب کو جاگیں بزم میں وہ دن کو سوئیں — رات کا دن اور دن کی رات ہے
اس نے باتوں کا مری دے کر جواب — کہہ دیا خاموش' یہ شہ مات ہے
کیوں پھسل پڑتے ہیں ملک حسن میں — کیا وہاں برسات ہی برسات ہے
جب کہا میں نے کہ لو مرتا ہوں میں — بولے بسم اللہ اچھی بات ہے
ضعف سے اٹھتے نہیں دست دعا — اب ہماری شرم اس کے ہات ہے
کہتے ہو' دشنام دے کر لیں گے دل — مفت کیوں دیتے ہو کیا خیرات ہے
باوفا ہیں غیر اس کی کیا دلیل — ان کا دعویٰ محض بے اثبات ہے
بات کرنی بھی نہ آتی تھی تمہیں — یہ ہمارے سامنے کی بات ہے

داغ سے جاکر ملے تھے ہم بھی آج
آدمی خوش وضع' خوش اوقات ہے

۲۳۵

اب وہ یہ کہہ رہے ہیں مری مان جایئے
اللہ تیری شان کے قربان جایئے

بگڑے ہوئے مزاج کو پہچان جایئے
سیدھی طرح نہ مانئے گا مان جایئے

اللہ جانتا ہے اگر جان جایئے
اس دل کے شوق کو تو ابھی مان جایئے

کس کا ہے خوف روکنے والا ہی کون ہے
ہر روز کیوں نہ جایئے مہمان جایئے

محفل میں کس نے آپ کو دل میں چھپا لیا
اتنوں میں کون چور ہے پہچان جایئے

ہیں تیوری میں بل تو نگاہیں پھری ہوئی
جاتے ہیں ایسے آنے سے اوسان' جایئے

دو مشکلیں ہیں ایک جتانے میں شوق کے
پہلے تو جان جایئے پھر مان جایئے

انسان کو ہے خانہ ہستی میں لطف کیا
مہمان آیئے تو پشیمان جایئے

گو وعدۂ وصال ہو جھوٹا' مزا تو ہے
کیوں کر نہ ایسے جھوٹ کے قربان جایئے

رہ جائے بعد وصل بھی چینک لگی ہوئی
کچھ رکھئے کچھ نکال کے ارمان جایئے

اچھی کہی کہ غیر کے گھر تک ذرا چلو
میں آپ کا نہیں ہوں نگہبان جایئے

آئے ہیں آپ غیر کے گھر سے کھڑے کھڑے
یہ اور کو جتایئے احسان' جایئے

دونوں سے امتحان وفا پر یہ کہہ دیا
منوایئے رقیب کو یا مان جایئے

کیا بدگمانیاں ہیں انہیں مجھ کو حکم ہے
گھر میں خدا کے بھی تو نہ مہمان جایئے

کیا فرض ہے کہ سب مری باتیں قبول ہیں
سن سن کے کچھ نہ مانئے کچھ مان جایئے

سودائیاں زلف میں کچھ تو لٹک بھی ہو
جنت میں جایئے تو پریشان جایئے

دل کو جو دیکھ لو تو یہی پیار سے کہو
قربان جایئے ترے قربان جایئے

جانے نہ دوں گا آپ کو بے فیصلہ ہوئے
دل کے مقدمے کو ابھی چھان جایئے

یہ تو بجا کہ آپ کو دنیا سے کیا غرض
جاتی ہے جس کی جان اسے جان جایئے

غصے میں ہاتھ سے یہ نشانی نہ گر پڑے — دامن میں لے کے میرا گریبان جایئے

یہ مختصر جواب ملا عرض وصل پر — دل مانتا نہیں کہ تری مان جایئے

وہ آزمودہ کار تو ہے گر ولی نہیں
جو کچھ بتائے داغ اسے مان جایئے

۲۳۶

اس لئے وصل سے انکار ہے ہم جان گئے — یہ نہ سمجھے کوئی کیا جلد کہا مان گئے

تو وہ ہے سب بت کافر ترے قربان گئے — جو خدا کو بھی نہ مانیں وہ تجھے مان گئے

دعویٰ مہر و وفا پر وہ برا مان گئے — الٹے نادم ہوئے احسان کے احسان گئے

غیر کے دل میں نہ ہوں اس کی تلاشی لینا — کہ شب ہجر میں چوری مرے ارمان گئے

تیرے عاشق کا جنازہ نہ گیا ہو آگے — ابھی اس راہ سے کچھ لوگ پریشان گئے

کیا کرے دیکھئے ہر روز کا آنا جانا — کہ جہاں شام ہوئی اور وہ مہمان گئے

دیکھ کہتے ہیں اسے آئی گئی کا سودا — ہم ترے آتے ہی سو جان سے قربان گئے

آپ ہی قید ہوئے جاتے ہو اپنے گھر میں — بدلیاں رہتی ہیں وہ آئے یہ دربان گئے

یا الٰہی کہیں لٹتی تو نہیں راہ عدم — جانے والے جو یہاں چھوڑ کے سامان گئے

کہتے ہیں شکوۂ بے داد کرے گا پھر بھی — ہم اگر روز جزا تیرا کہا مان گئے

رہ گئے دشت محبت میں نہ کچھ ساتھ دیا — حضرت خضر بھی دو چار ہی میدان گئے

آج کل نالہ بلبل میں بھی تاثیر نہیں — کیا عجب گل یہ پکارے کہ مرے کان گئے

ان کے عاشق ہیں وہ جانیں کہ نہ جانیں ہم کو — یہ سمجھتے ہیں کہ جب جان گئے مان گئے

عشق منہ پر مرے لکھا ہو تو کیا اس کا علاج — جان پہچان نہ تھی اور وہ پہچان گئے

مجھ کو مشتاق نہ رکھنا تھا شب وصل انہیں / حور کے واسطے کیا چھوڑ کے ارمان گئے

ہم نے آتے ہی یہ محفل میں تماشا دیکھا / غیر کے ہوش اڑے' آپ کے اوسان گئے

خانہ دل ہے الٰہی کہ مسافر خانہ / کتنے ہی آئے یہاں کتنے ہی ارمان گئے

آزمائش ہی پہ ٹھہرا تھا محبت کا ثبوت / اب تو پہچان گئے' جان گئے' مان گئے

خلش خار تمنا نے لٹا رکھا تھا / تیرے ارمان گئے دل سے کہ پیکان گئے

بندۂ عشق ہو ایسے کہ الٰہی توبہ
تم تو معشوق کو اے داغ خدا جان گئے

۲۳۷

وہ نیم وعدہ کر کے جو خاموش ہو گئے / امیدوار ہوش سے بے ہوش ہو گئے

تلچھٹ بھی آج حضرت زاہد نے صاف کی / مے نوش کیا ہوئے کہ بلا نوش ہو گئے

کافی ہے میرے قتل سے اتنا انہیں لحاظ / دو چار دن کے واسطے روپوش ہو گئے

حباب کو جنازہ اٹھانا بھی بار تھا / ہم خاک میں ملے وہ سبک دوش ہو گئے

بگڑا مزاج ان کا تو محفل بگڑ گئی / سامان عیش اڑ کے مرے ہوش ہو گئے

ماتم ہے طفل اشک کا یا دل کا سوگ ہے / کیوں مردمان دیدہ' سیہ پوش ہو گئے

ہاں ہاں ٹھہر ٹھہر کے اٹھا رخ سے تو نقاب / پیدا طبیعتوں میں بہت جوش ہو گئے

کیا کیا شب فراق رہی ہم کو بے خودی / اکثر ستون در سے ہم آغوش ہو گئے

میری برائیاں تو نہ کرتا ہو مدعی / کیا غور ہے کہ وہ ہمہ تن گوش ہو گئے

اے داغ سب زمانہ ماضی کے ذوق شوق
یک بار دل سے محو و فراموش ہو گئے

۲۳۸

اس نے جب اک نگاہ دیکھا ہے　　حال دل کا تباہ دیکھا ہے
سچ بتا تو نے بھی شب فرقت　　کبھی روز سیاہ دیکھا ہے
دل ہے دونوں طرف کا جانب دار　　کہیں ایسا گواہ دیکھا ہے
مجھ کو بے جرم کیوں سزا ملتی　　کچھ نہ کچھ تو گناہ دیکھا ہے
بزم میں مجھ کو تاک کر بولے　　چھپ کے بیٹھے ہو واہ دیکھا ہے
ساتھ اس بت کے اہل تقویٰ کو　　صورت گرد راہ دیکھا ہے
آئینہ دیکھ کر تم نے　　کیا سفید و سیاہ دیکھا ہے
اس سے پوچھا ہے اس نے اپنا حال　　جب کوئی داد خواہ دیکھا ہے
واقعی ہم نے تیرے کوچے میں
داغ کو گاہ گاہ دیکھا ہے

۲۳۹

ساتھ شوخی کے کچھ حجاب بھی ہے　　اس ادا کا کہیں جواب بھی ہے
رحم کر میرے حال پر واعظ　　کہ امنگیں بھی ہیں شباب بھی ہے
عشق میں ہے متاع درد کی قدر　　یہ گراں بھی ہے انتخاب بھی ہے
مار ڈالا ہے اس دورنگی نے　　مہربانی بھی ہے عتاب بھی ہے
سن لی کیفیت جناں واعظ　　دیکھ اس قسم کی شراب بھی ہے
کیا رہے گا یہی ترا عالم　　ساتھ عالم کے انقلاب بھی ہے

جھٹپٹے وقت گھر چلے جانا　　دن بھی ہے گرم، آفتاب بھی ہے
عشق بازی کو ہے سلیقہ شرط　　یہ گنہ بھی ہے یہ ثواب بھی ہے
کچھ مجھے یاس، کچھ مجھے امید　　صبر کے ساتھ اضطراب بھی ہے
اس جفا پر وفا کروں کب تک　　آدمیت کا کچھ حساب بھی ہے
تجھ سا ناآشنا نہیں کوئی　　بے وفا جان بھی، شباب بھی ہے
دل ہمارا ہے تشنہ مقصود　　دشت میں بحر بھی سراب بھی ہے
سو جہنم ہے اک تری رنجش　　اس سے بڑھ کر کوئی عذاب بھی ہے
ہوش میں ہو تو کچھ کہیں تم سے　　نشہ بھی ہے خمار خواب بھی ہے
داغ کا کچھ پتا نہیں ملتا
کہیں وہ خانماں خراب بھی ہے

۲۴۰

پھرے راہ سے وہ یہاں آتے آتے　　اجل مر رہی تو کہاں آتے آتے
نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی　　بہت دیر کی مہرباں آتے آتے
سنا ہے کہ آتا ہے سرنامہ بر کا　　کہاں رہ گیا ارمغاں آتے آتے
یقیں ہے کہ ہو جائے آخر کو سچی　　مرے منہ میں تیری زباں آتے آتے
سنانے کے قابل جو تھی بات ان کو　　وہی رہ گئی درمیاں آتے آتے
مجھے یاد کرنے سے یہ مدعا تھا　　نکل جائے دم ہچکیاں آتے آتے
ابھی سن ہی کیا ہے جو بے باکیاں ہوں　　انہیں آئیں گی شوخیاں آتے آتے
کلیجا مرے منہ کو آئے گا اک دن　　یونہیں لب پر آہ و فغاں آتے آتے
چلے آتے ہیں دل میں ارمان لاکھوں　　مکاں بھر گیا مہماں آتے آتے

نتیجہ نہ نکلا تھکے سب پیامی
وہاں جاتے جاتے یہاں آتے آتے

تمہارا ہی مشتاق دیدار ہو گا
گیا جان سے اک جواں آتے آتے

تری آنکھ پھرتے ہی کیسا پھرا ہے
مری راہ پر آسماں آتے آتے

پڑا ہے بڑا پیچ پھر دل لگی میں
طبیعت رکی ہے جہاں آتے آتے

مرے آشیاں کے تو تھے چار تنکے
چمن اڑ گیا آندھیاں آتے آتے

کسی نے کچھ ان کو ابھارا تو ہوتا
نہ آتے نہ آتے یہاں آتے آتے

قیامت بھی آتی تھی ہمراہ اس کے
مگر رہ گئی ہم عناں آتے آتے

بنا ہے ہمیشہ یہ دل باغ و صحرا
بہار آتے آتے خزاں آتے آتے

نہیں کھیل اے داغ یاروں سے کہہ دو
کہ آتی ہے اردو زباں آتے آتے

۲۴۱

مل گئی بے خودی شوق میں راحت کیسی
ہو گئی دونوں جہاں سے مجھے فرصت کیسی

کیا کہوں دل نے اٹھائی ہے اذیت کیسی
مرنے والے کی رہی رات کو حالت کیسی

چھوڑ دی مشق ستم چھٹ گئی عادت کیسی
باندھ لی آپ نے ساتھ اپنے عداوت کیسی

ایک دل لاکھ خیال، ایک نظر لاکھ جمال
کوئی دیکھے تو یہ وحدت میں ہے کثرت کیسی

کس کی ٹھوکر کا ہے مشتاق مزار عاشق
نشاں ہو کے ابھر آئی ہے تربت کیسی

اپنی آنکھوں میں سمایا ہے کچھ ایسا جلوہ
نہیں تمیز بری ہوتی ہے صورت کیسی

کھینچتا ہے مجھے کانٹوں میں جنوں وقت علاج
اور شرماتی ہے وحشت کہ یہ وحشت کیسی

عکس بھی آئینہ میں چار گھڑی بعد آیا
بڑھ گئی حد سے سوا ان کی نزاکت کیسی

خار خار سر بستر سے نہ چھوٹا دامن — رہی کانٹوں میں الجھ کر شب فرقت کیسی
مجھ پر الزام ہے کیوں تو نے مرا غم کھایا — اور ہوتی ہے امانت میں خیانت کیسی
بندہ چاہے جو خدائی کوئی مل سکتی ہے — لوگ قسمت کو لئے پھرتے ہیں قسمت کیسی
عیش اقبال عجب شے ہے' یہ ہم دیکھتے ہیں — چار ہی دن میں بدل جاتی ہے صورت کیسی
جور معشوق کی پرسش ہی نہیں دنیا میں — اپنے بندے سے خدا کو ہے محبت کیسی
خواری عشق کا رتبہ کوئی ہم سے پوچھے — ایسی ذلت کی کیا کرتے ہیں عزت کیسی
عذر بے جاہی سے ظالم نے نہ دی مجھ کو نجات — شکوۂ ہجر کہاں' شرح مصیبت کیسی
امتحاں اور جو باقی ہیں وہ یوں ہوتے ہیں — یہ بھی انداز ہے مجھ سے انہیں نفرت کیسی
ساتھ غیروں کے وہ کیا چھوڑ گئے چنگاری — میرے ہمراہ جلی ہے مری تربت کیسی
حور سے بحث نہیں ہاں یہ بتا اے زاہد — لاکھ دو لاکھ میں ہو ایک وہ صورت کیسی
دوست یک رنگ جو اک جا کہیں مل بیٹھتے ہیں — لطف کے ساتھ گذر جاتی ہے صحبت کیسی
میں جو خاموش ہوں یہ صرف تمہارا منہ ہے — ورنہ ہر بات ہو اک تیری شکایت کیسی

دھمکیاں دیتے ہو تم جذبہ دل کی اے داغ
بندہ پرور یہ محبت میں حکومت کیسی

۲۴۲

جا کر اس بزم میں آجاتی ہے شامت کیسی — میرے اللہ نے رکھ لی مری عزت کیسی
عشق نے دی ہیں دعائیں دم رحلت کیسی — مجھ سے مل مل کے گلے روئی ہے حسرت کیسی
آدمی مر کے جئے ہے یہ مصیبت کیسی — یہیں انصاف نہ ہو جائے قیامت کیسی
کبھی آتی ہیں تصور میں جو دو تصویریں — کیا کہوں میں بھٹکتی ہے طبیعت کیسی

سحر و سفاکی و بیباکی و شوخی و عتاب
جس کی آنکھوں میں یہ فتنے ہوں مروت کیسی

لے ہی تو لیں گے گنہ گاروں کے ہوتے زاہد
یہ تو دوزخ کے بھی قابل نہیں جنت کیسی

خواب میں بھی جو برا اس نے کہا سب نے سنا
جلد ہوتی ہے بری بات کی شہرت کیسی

آپ ہی جور کریں آپ ہی پوچھیں مجھ سے
یہ تو فرمایئے ہے آج طبیعت کیسی

اب تو دو چار ہی نالوں کا رہا تھا جھگڑا
ہار دی حضرت دل آپ نے ہمت کیسی

چل کے دو چار قدم آگ لگا دی کس نے
تلملاتی ہوئی پھرتی ہے قیامت کیسی

اس کو میں نے جو کلیجے سے لگا رکھا ہے
درد نے پائی مرے سینے سے راحت کیسی

بے محل بات بھلی بھی تو بری ہوتی ہے
شکر کرتے ہوئے ڈرتا ہوں شکایت کیسی

کوئی دنیا میں نہیں تیری طرح ہرجائی
اے اجل تجھ کو بھی ہے گردش قسمت کیسی

تھمئے تھمئے کہ نکل جائے مری جان حزیں
میں تو رخصت نہ ہوا آپ کی رخصت کیسی

تھے کہاں رات کو آئینہ تو لے کر دیکھو
اور ہوتی ہے خطا وار کی صورت کیسی

اپنے جینے کی دعا بھی تو نہیں کی جاتی
سی دیئے ہونٹ خموشی نے شکایت کیسی

نگہ یار کو میں دل میں جگہ دوں لیکن
چور ہو جب کوئی مہمان تو عزت کیسی

چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں یہ یاد رہے
کبھی کیسی ہے کبھی اپنی طبیعت کیسی

بخش دے پرسش اعمال سے پہلے یارب
پوچھ کر کوئی اگر دے تو سخاوت کیسی

شعر تو نکلے تو وہ لخت جگر اپنا ہے
اپنی اولاد سے ہوتی ہے محبت کیسی

دل کو سمجھائیں گے، بہلائیں گے، پھسلائیں گے
بعد مر جانے کے مل جائے گی فرصت کیسی

نظر آتا ہے پری رو جو کوئی شوخ و شریر
گدگداتی ہے پھر اے داغ طبیعت کیسی

۲۴۳

کیا خوف ہے ان کو جو ملے داد کسی کی
کچھ کھائے تو جاتی نہیں فریاد کسی کی

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسی کی | ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسی کی
منصف ہو اگر دو ہی گے تم داد کسی کی | سننی ہی پڑے گی تمہیں فریاد کسی کی
جب قطع تعلق ہے تو پھر پاس کہاں کا | رکھتا گلی لپٹی نہیں آزاد کسی کی
آرام طلب ہوں کرم عام کے طالب | یوں مفت میں لٹتی نہیں بے داد کسی کی
دل تھامے ہوئے پھرتے ہیں سب گبر و مسلمان | کیا یاد ہے، کیا یاد ہے، کیا یاد کسی کی
اس حسن جہاں سوز سے برپا ہے قیامت | ایسے میں کرے کیا کوئی امداد کسی کی
بڑھتی ہے محبت کی اسیری میں اسیری | پوری نہیں ہوتی کبھی میعاد کسی کی
پڑتی ہی نہیں کل کسی کروٹ کسی پہلو | آئے تجھے آئی دل ناشاد کسی کی
ایمان تو جب لائیں ہم اے شان کریمی | مٹ جائے اگر لذت بیداد کسی کی
نکلی تو سہی جاں اگر سہل نہ نکلی | اٹکی نہیں رہتی مرے جلاد کسی کی
جب دیکھتی ہے نالہ بلبل میں اثر کچھ | اس کو بھی اچک لیتی ہے فریاد کسی کی
اللہ کرے زندہ رہیں دیکھنے والے | اف اف وہ حسیں شکل خدا داد کسی کی
یہ حسن کا فتنہ جو بنا بڑھ کے قیامت | تعمیر کسی کی ہے تو بنیاد کسی کی
گھبرا کے اگر موت بھی مانگوں تو کہیں وہ | جاگیر نہیں ہے عدم آباد کسی کی
کیا عیش بھلا دے گا یہ آزار یہ تکلیف | جنت میں بھی یاد آئے گی بیداد کسی کی
ہے الفت دشمن میں برا حال کسی کا | اے حضرت دل کیجئے امداد کسی کی

کم بخت وہی داغ نہ ہو دیکھو تو جا کر
بے چین کئے دیتی ہے فریاد کسی کی

۲۴۴

پرسش جو ان سے ظلم کی روز جزا ہوئی | اتنا ہی کہہ کے چھوٹ گئے وہ خطا ہوئی

دل لے کے پوچھتے ہو تری چیز کیا ہوئی
اچھی کہی، یہ ایک ہی اے دلربا ہوئی

کس دن قبول خاطر اہل وفا ہوئی
ناصح کی بات بات ہماری دعا ہوئی

جلوہ دکھا کے دیکھ لیا بزم ناز میں
وہ مر گیا وہ روح کسی کی ہوا ہوئی

بے دو بدو ہوئے نہ نکلتا کبھی غبار
آج ان سے صاف صاف مری برملا ہوئی

پوری ابھی سنی بھی نہیں تم نے داستاں
اک بات میں بگڑ گئے، یہ بات کیا ہوئی

کیوں میں نے کی شکایت ہجراں، بجا درست
کہتا ہوں ہاتھ جوڑ کے بخشو خطا ہوئی

جاتے ہیں بزم غیر میں ہم بھی بھرے ہوئے
دو ٹوک ان سے یا نہ ہوئی آج یا ہوئی

جیتا ہے دیکھ دیکھ کے تجھ کو ہر اک بشر
کیا بند تیرے عہد میں راہ وفا ہوئی

رحمت کے کارخانے ہیں واعظ کچھ اور ہی
بخشش اسی کی ہو گئی جس سے خطا ہوئی

بند قبا شکستہ ہیں، دامن ہے چاک چاک
کس کی طرف سے یہ تو کہو ابتدا ہوئی

خنجر میں تیرے خون کی بو آ رہی ہے آج
کیا جانے کس غریب کی حاجت روا ہوئی

دل ہاتھ سے گیا ہے تو پھر مل ہی جائے گا
یہ جان تو نہیں کہ ہوئی جب جدا ہوئی

اتنا اثر تو نالہ پر درد نے کیا
چاروں طرف سے حق میں ہمارے دعا ہوئی

کہتے ہیں وہ ہماری اطاعت کرے گا کیا
جس بندۂ خدا سے نہ طاعت ادا ہوئی

واعظ مئے طہور کی قیمت گراں سہی
میں دام پھیر لوں گا اگر بدمزا ہوئی

مشہور ہے زمانے میں دونوں کی لاگ ڈانٹ
میری فغاں ہوئی کہ تمہاری ادا ہوئی

یا پی پلا کے حضرت زاہد بھی رنگ لائے
یا یہ ہوا کہ دختر زر پارسا ہوئی

قاتل نے بعد قتل پڑھی عید کی نماز
میری قضا کے ساتھ یہ اچھی ادا ہوئی

جب ان سے پوچھتا ہوں دل گم شدہ کو میں
وہ مجھ سے پوچھتے ہیں کمر میری کیا ہوئی

اے داغ! کس کو دیکھ لیا تو نے، خیر ہے
اب تک تو ہوش میں تھا تجھے کیا بلا ہوئی

۲۴۵

دنیا میں ہیں سب عیش کے ساماں کوئی دن کے
یہ جلوے نظر آتے ہیں ناداں کوئی دن کے

ہیں نغمہ مرغان خوش الحان کوئی دن کے
ہیں رنگ و بہار چمنستان کوئی دن کے

عالم ہے شب و روز ترے وصل کا خواہاں
کرتا ہے کوئی رات کے ارماں، کوئی دن کے

ڈرتی ہے بلا بھی تو مرے روز سیہ سے
ہو سکتی ہے روکش شب ہجراں کوئی دن کے

بے باک ہوئے جاتے ہیں اب وہ کوئی دن میں
درباں کوئی دن کے ہیں نگہباں کوئی دن کے

دل دے کے اب اس شوخ پہ جاتی ہے مری جان
ہیں اور بھی تقدیر میں نقصاں کوئی دن کے

ہے جوش جوانی میں خیال مئے و معشوق
اے دل ہیں یہ سب خواب پریشاں کوئی دن کے

پھر اپنے مقدر میں کہاں وصل کی راتیں
ہم پر ہیں یہ سب آپ کے احساں کوئی دن کے

لے جائے کہاں دیکھئے اب گردش قسمت
دلی میں ہم اے داغ ہیں مہماں کوئی دن کے

۲۴۶

اطاعت میں اغیار خامی کریں گے
ہمیں بندہ پرور غلامی کریں گے

وہ کیا چارۂ تلخ کامی کریں گے
یہی نا کہ شیریں کلامی کریں گے

کروں گا جب اظہار رنج و مصیبت
حمایت مری ان کے حامی کریں گے

یہ ٹھہری ہے آوارگان محبت
جناب خضر کو مقامی کریں گے

ہوئے آپ بدنام جن جن کے پیچھے
وہی آپ کی نیک نامی کریں گے

یہی غم رہے گا مرے دوست ان سے
ذرا پختگی میں جو خامی کریں گے

یہ جانو کہ ہو گی جہاں خاک عاشق
وہیں تو وہ محشر خرامی کریں گے

کریں ہم دغا آپ سے توبہ توبہ — یہ کوفی کریں گے، یہ شامی کریں گے
کوئی کچھ پڑھایا کرے منغ بچوں کو — یہ بس یاد اشعار جامی کریں گے
کہاں تک اٹھائیں یہ نازک مزاجی — کسی اور کی اب غلامی کریں گے
رہے گا نہ دشمن تو مجھ کو خوشی کیا — وہ خود اس کی قائم مقامی کریں گے
قیامت بھی مٹ جائے گی ہر قدم پر — قیامت کی وہ خوش خرامی کریں گے
مرے قتل کے روز میلہ لگے گا — یہ جلسہ وہ اک دھوم دھامی کریں گے
عجب شان پر رحمت عام ہو گی — خوشی خاص بندوں میں عامی کریں گے

نہ گھبراؤ تم داغ مطلب تمہارا
ادا سب پیامی سلامی کریں گے

۲۴۷

دل پریشان ہوا جاتا ہے — اور سامان ہوا جاتا ہے
خدمت پیر مغاں کر زاہد — تو اب انسان ہوا جاتا ہے
موت سے پہلے مجھے قتل کرو — اس کا احسان ہوا جاتا ہے
لذت عشق الٰہی مٹ جائے — درد ارمان ہوا جاتا ہے
دم ذرا لو کہ مرا دم تم پر — ابھی قربان ہوا جاتا ہے
گریہ کیا ضبط کروں اے ناصح — اشک پیمان ہوا جاتا ہے
بے وفائی سے بھی رفتہ رفتہ — وہ مری جان ہوا جاتا ہے
عرصہ حشر میں وہ آ پہنچے — صاف میدان ہوا جاتا ہے
مدد اے ہمت دشوار پسند — کام آسان ہوا جاتا ہے
چھائی جاتی ہے یہ وحشت کیسی — گھر بیابان ہوا جاتا ہے

شکوہ سن آنکھ ملا کر ظالم کیوں پشیمان ہوا جاتا ہے
آتش شوق بجھی جاتی ہے خاک ارمان ہوا جاتا ہے
عذر جانے میں نہ کر اے قاصد تو بھی نادان ہوا جاتا ہے
مضطرب کیوں نہ ہوں ارماں دل میں قید مہمان ہوا جاتا ہے
داغ! خاموش' نہ لگ جائے نظر
شعر دیوان ہوا جاتا ہے

۲۴۸

جنس دل' آپ کو کیا؟ مہنگی ہے یا سستی ہے
ہم نہیں بیچتے کچھ زور زبردستی ہے
مجھ کو جلوے سے غش آیا اسے گذرا یہ گمان
نیند غفلت کی ہے یا چھائی ہوئی مستی ہے
اے فلک چین سے دم بھر تو پڑا رہنے دے
ہم بھی بستے ہیں جہاں خلق خدا بستی ہے
ہے ہمیشہ رخ رنگیں کی بہار اے گل تر
رو کشی اس سے کرے تو' تری کیا ہستی ہے
ہاتھ سے دامن امید کرم چھوٹ گیا
ہم یہ سمجھے کہ یہی وجہ تہی دستی ہے
زہر چڑھتا ہے تری زلف کے نظارے سے
مار رکھتی ہے یہ ناگن یونہی کب ڈستی ہے

ہے یہ اب بے اثری، غیر کے طعنے کیسے
ہم پر آوازے ہماری ہی فغاں کستی ہے

دل کے سو ٹکڑے اڑے تن کو خبر تک نہ ہوئی
چشم بددور یہ قاتل کی سبک دستی ہے

نعمتیں سارے جہاں کی ہوں تو پروا نہ کرے
فاقہ مستی تری کیا بات ہے کیا مستی ہے

کوئی دم موت کا کھٹکا نہیں جاتا دل سے
نیستی کہتے ہیں جس کو وہ یہی ہستی ہے

کہیں روتا تو ادھر سے نہیں گذرا مجنوں
پاؤں سے ناقۂ لیلیٰ کے زمیں دھستی ہے

حوصلہ چاہئے انسان کو جو پائے عروج
پست ہمت کو بلندی بھی جو ہے پستی ہے

بہر گل گشت جو آتا ہے وہ نازک اندام
شاخ گل تار رگ گل سے کمر کستی ہے

آدمی روح کو آرام سے رکھے ہر دم
ورنہ پھر اور ہی عالم کو یہ چل بستی ہے

حیدر آباد رہے تا بہ قیامت قائم
یہی اب داغ مسلمانوں کی اک بستی ہے

۲۴۹

غیر سے میری طرف داری ہے یہ نئی طرح کی عیاری ہے

ان کو وعدے میں بھی دشواری ہے — مجھ کو ایک ایک گھڑی بھاری ہے
میرے دل میں وہ حنائی فندق — اک چمکتی ہوئی چنگاری ہے
چشم فتاں میں کہاں شرم و حیا — مردمک مردم بازاری ہے
غمزہ و ناز نے کھینچی تلوار — کس سے یہ جنگ کی تیاری ہے
کم نہیں موت سے دل کا آنا — سخت مجبوری و ناچاری ہے
سنگ اسود نہ ٹلا کعبے سے — پتھر اپنی ہی جگہ بھاری ہے
آنکھیں بھرتی ہیں ہزاروں فتنے — اس کی مژگاں کا قلم جاری ہے
کیا کریں شور لب زخم جگر — آپ کا پاس نمک خواری ہے
عرض مطلب پہ زباں قطع ہوئی — بات کرنے کی گنہ گاری ہے
آئے چکر میں جناب زاہد — دختر رز کا قدم بھاری ہے
اتنی ہی رات ہے جتنی سمجھو — یہی آدھی ہے یہی ساری ہے
یہ رہے جان رہے یا نہ رہے — وضع داری بری بیماری ہے

داغ دشمن سے بھی جھک کر ملئے
کچھ عجب چیز ملنساری ہے

۲۵۰

خوش کسی حال میں انسان رہا ہے نہ رہے — ہو کے بے فکر کسی آن رہا ہے نہ رہے
دست معشوق سہی پنجہ وحشت نہ سہی — ثابت اپنا تو گریبان رہا ہے نہ رہے
نہ کیا قتل یونہی سب کو گھلا کر مارا — مرنے والوں کے سر احسان رہا ہے نہ رہے
میرے ہی قتل کی حسرت ترے دل میں تو رہی — بجز اس کے کوئی ارمان رہا ہے نہ رہے
جو حقیقت سے خبردار ہوا یا ہو گا — پھر حقیقت میں وہ انسان رہا ہے نہ رہے

کرتے ہیں عشق کا ہم جان لگا کر سودا — اس میں انجام کو نقصان رہا ہے نہ رہے
خون عاشق سے ہمیشہ ہی رہا فندق بند — سادہ اس تیر کا پیکان رہا ہے نہ رہے
دل بیتاب کو کیوں زلف میں الجھاتے ہو — کوئی باندھے سے تو مہمان رہا ہے نہ رہے
دخل کیا ہم سے محبت میں جو بازی لے جائے — غیر کے ہاتھ یہ میدان رہا ہے نہ رہے
راہ میں تیر نگہ دور سے لیتا ہے خبر — ان کے ہمراہ نگہبان رہا ہے نہ رہے

سخن عشق کی تاثیر سے وہ ڈرتے ہیں
سامنے داغ کا دیوان رہا ہے نہ رہے

۲۵۱

دیکھئے عشق لیں اب جان رہے یا نہ رہے — جان کیا چیز ہے ایمان رہے یا نہ رہے
چاٹ جنت کی قیامت ہے، دل خلق حریص — عمر بھر شوق میں انسان رہے یا نہ رہے
کیا مصیبت ہے کہ تم وعدہ کرو اور نہ آؤ — کوئی کم بخت پریشان رہے یا نہ رہے
اب تو کھالی ترے ملنے کی قسم اے ظالم — آن رہ جائے، مری جان رہے یا نہ رہے
ہوش میں آؤ نہ گھبراؤ جواب اس کا دو — شب کو جا کر کہیں مہمان رہے یا نہ رہے
آج یاروں نے مری موت کی تیاری کی — یہ بھی کل دیکھئے سامان رہے یا نہ رہے
جلوۂ یار قیامت ہے جناب ناصح — کہئے حضرت کے بھی اوسان رہے یا نہ رہے
جذب دل کی نہ خبر تھی تو لگایا کیوں تھا — آپ کے تیر میں پیکان رہے یا نہ رہے
تو تو اک بار مرے دل کی تمنا بر لا — پھر بلا سے کوئی ارمان رہے یا نہ رہے
ہاتھ سے وقت گیا آپ جو قابو سے گئے — عمر بھر کوئی پشیمان رہے یا نہ رہے

تیری تصویر نے دیکھی تھی کب ایسی صورت
دیکھ کر داغ کو حیران رہے یا نہ رہے

۲۵۲

قیامت ہیں بانکی لوائیں تمہاری
ادھر آؤ لے لوں بلائیں تمہاری

جو پوچھا کبھی شغل تنہائی ان سے
کہا گنتے ہیں ہم خطائیں تمہاری

زمانے میں ہیں یادگار زمانہ
وفائیں ہماری، جفائیں تمہاری

ہمیں دو گے انعام کیا روز محشر
جو ہم بات بگڑی بنائیں تمہاری

پھڑک جائے کیوں کر نہ انسان سن کر
رسیلی سریلی صدائیں تمہاری

تجلی کی موسیٰ سے ہوں دو دو باتیں
اگر شکل ہم دیکھ پائیں تمہاری

ہمیں بے تمہارے ہے سم آب و دانہ
قسم بھی جو کھائیں تو کھائیں تمہاری

ہر اک داستاں ہے نہایت مزے کی
ہم اپنی کہیں یا سنائیں تمہاری

کریں آنکھ سے ہم نظارے تمہارے
سنیں کان سے ہم صدائیں تمہاری

کرو صدقے غیروں کو سر پر سے اپنے
بڑے لینے والے بلائیں تمہاری

بظاہر محبت جتانے سے حاصل
مجھے کوستی ہیں دعائیں تمہاری

وہ گھبرا گئے آخر اے حضرت دل
کہاں تک سنیں التجائیں تمہاری

یقیں ہے کہ اب سے زیادہ قلق ہو
محبت جو ہم آزمائیں تمہاری

شب غم وہاں سے یہ پیغام آیا
اثر کر چکیں بس دعائیں تمہاری

اٹھائے ہیں صدمے بہت داغ تم نے
الٰہی مرادیں بر آئیں تمہاری

۲۵۳

نگہ نکلی، نہ دل کی چور زلف عنبریں نکلی
ادھر لا ہاتھ، مٹھی کھول، یہ چوری یہیں نکلی

تری خاطر سے کہ دوں آرزو اے نازنیں نکلی
نہیں نکلی، نہیں نکلی، نہیں نکلی، نہیں نکلی

تہہ شمشیر گھٹ کر مری جان حزیں نکلی
تمنا آپ کے دل کی بھی نکلی یا نہیں نکلی

مٹی چین جبیں تو چاند سی تیری جبیں نکلی
پڑی جب گل جھڑی دل میں نہیں سلجھی نہیں نکلی

دعائے بے اثر کی جب ہوئی کچھ سرد بازاری
کلیجے سے ہمارے جل کے آہ آتشیں نکلی

اٹھے دست دعا کیا ضعف نے ایسا گھلایا ہے
جسے میں ہاتھ سمجھا تھا وہ خالی آستیں نکلی

بہت آنکھیں لگی رہتی ہیں اس کی چشم پرفن پر
ہماری ناک میں جو تھی وہ خود زیر کمیں نکلی

بجا اے حضرت واعظ کہاں دنیا کہاں جنت
نرالی آن، بانکی وضع، جب نکلی یہیں نکلی

رسائی ضعف سے مشکل تھی اس کے روئے زیبا تک
ہماری آہ سے مل کر نگاہ واپسیں نکلی

وہ اپنی ہر ادا کی آپ ہی تعریف کرتے ہیں
نگہ نے نیمچہ مارا زباں سے آفریں نکلی

کہوں کیا پہلے ہی آنکھیں نکالیں آپ نے مجھ پر
ابھی کم بخت پوری بات بھی منہ سے نہیں نکلی

مجھے خوش دیکھ کر تم کیوں مبارک باد دیتے ہو
نہ پوچھو وصل کی حسرت کہاں نکلی کہیں نکلی

نکل کر تم مری آغوش سے اس حال کو پہنچے
کہیں سے چل دیا دامن کہیں سے آستیں نکلی

ہمارا حال دنیا میں کوئی کب دیکھ سکتا ہے
توقع چشم جاناں سے تھی، وہ بھی شرمگیں نکلی

زمانے کو تو یہ ارمان مجھ کو اس کا رونا ہے
وہ تھی کیا بے وفا حسرت جو وقت واپسیں نکلی

مرے ہی سامنے باد صبا نے کیوں نقاب الٹی
چھری کھینچے ہوئے اس شوخ کی چین جبیں نکلی

ٹھکانا خانہ ویران محبت کا کہاں ہوتا
نہ اس لائق فلک نکلا نہ اس قابل زمیں نکلی

تمہیں دعویٰ تھا ہم ہوں گے مقابل ماہ کامل سے
خدا کی شان ہے لو وصل کی شب چودھویں نکلی

نیاز و ناز عشق و حسن دیکھا قیس و لیلیٰ میں
جو یہ صحرا نشیں نکلا تو وہ محمل نشیں نکلی

یہ ان کو لاگ ہے وہ پوچھتے ہیں ہر مسافر سے
ہماری سی کوئی صورت کہیں دیکھی کہیں نکلی

اجل نے دی نہ مہلت بات کی بھی رہ گئی حسرت
ادھر گھر سے وہ نکلے تھے ادھر جان حزیں نکلی

مری طبع رواں اے داغ جس دم جوش پر آئی
وہی پانی ہوئی جو شعر کی پتھر زمیں نکلی

۲۵۴

عرض احوال کو گلا سمجھے کیا کہا میں نے، آپ کیا سمجھے

ان اشاروں کو کوئی کیا سمجھے نگہ ناز سے خدا سمجھے

وعدہ کرنا پھر اس خوشی کے ساتھ ہم تو اس کو بھی اک ادا سمجھے

چلتے چلتے وہ کہہ گئے مجھ سے ہم تجھے مطلب آشنا سمجھے

پردے پردے میں گالیاں دے کر مجھ سے وہ پوچھتے ہیں کیا سمجھے

اپنے بے چین دل کے آگے ہم اس کی شوخی کو بھی حیا سمجھے

ان کنایوں کو اپنے تم سمجھو بات وہ ہے جو دوسرا سمجھے

خط کو دیکھا نہ دیکھا چاک کیا اس کو مطلب جو مدعا سمجھے

سچ تو یہ ہے کہ وہ بت مغرور اپنے آگے کسی کو کیا سمجھے

کیا یقیں ہے مری محبت کا وہ شکایت کو التجا سمجھے

جب کہا اس نے تجھ سے سمجھیں گے میں نے بھی طعن سے کہا، سمجھے

تو پرائی سمجھ پہ کام نہ کر رمز الفت کو غیر کیا سمجھے

دل نے سمجھا ہے دوست دشمن کو ایسے نافہم سے خدا سمجھے

آدمیت کی شرط ہے اے داغ
خوب اپنا برا بھلا سمجھے

۲۵۵

دل کو کیا ہو گیا خدا جانے کیوں ہے ایسا اداس کیا جانے

اپنے غم میں بھی اس کو صرفہ ہے ۔ نہ کھلا جانے وہ، نہ کھا جانے
اس تجاہل کا کیا ٹھکانا ہے ۔ جان کر جو نہ مدعا جانے
کہہ دیا میں نے راز دل اپنا ۔ اس کو تم جانو یا خدا جانے
کیا غرض، کیوں ادھر توجہ ہو ۔ حال دل آپ کی بلا جانے
جانتے جانتے ہی جانے گا ۔ مجھ میں کیا ہے ابھی وہ کیا جانے
کیا ہم اس بدگماں سے بات کریں ۔ جو ستایش کو بھی گلا جانے
تم نہ پاؤ گے سادہ دل مجھ سا ۔ جو تغافل کو بھی حیا جانے
ہے عبث جرم عشق پر الزام ۔ جب خطا وار بھی خطا جانے
نہیں کوتاہ دامن امید ۔ آگے اب دست نارسا جانے
جو ہو اچھا ہزار اچھوں کا ۔ واعظ اس بت کو تو برا جانے
کی مری قدر مثل شاہ دکن ۔ کسی نواب نے نہ راجا جانے
اس سے اٹھے گی مصیبت عشق ۔ ابتدا کو جو انتہا جانے

داغ سے کہہ دو اب نہ گھبرائے
کام اپنا بتا ہوا جانے

۲۵۶

کمر کی طرح بے نشان ہے دہن بھی ۔ دہن کا ہے دعوئی تو کیجئے سخن بھی
ہزاروں طرح کے ہیں سامان اس میں ۔ پرانی ہی سرکار چرخ کہن بھی
سنبھل کر ذرا پاؤں رکھئے زمیں پر ۔ اگر چال بگڑی تو بگڑا چلن بھی
بہت خوب رو دل میں بیٹھے ہوئے ہیں ۔ مگر بزم جنت ہے یہ انجمن بھی

نہ خط بھیجتا ہے نہ آتا ہے کوئی
عدم ہو گیا ہے ہمارا وطن بھی

اگر دل ملائے، تو مل جائے باہم
زباں سے زباں بھی، دھن سے دھن بھی

تجھے ابروئے یار سیدھا نہ دیکھا
عجب بانکپن ہے ترا بانکپن بھی

وہاں کچھ نہ بولا گیا نامہ بر سے
خدا نے دیئے تھے زباں بھی دھن بھی

نہ مانا برا میرے شکوے کا اس نے
بڑے کام آیا یہ دیوانہ پن بھی

بلا سے ہوں برباد ہم اڑ کے پہنچیں
نہیں آتی ہم تک ہوائے وطن بھی

طریق محبت میں رہبر ہو اچھا
یہی راہ آسان بھی ہے کٹھن بھی

شرارت سے خالی نہیں ان کی باتیں
جہاں سادگی ہے وہاں بانکپن بھی

سلامت رہے شاہ محبوب یا رب
رعیت بھی آباد ملک دکن بھی

وہی چارہ فرمائے اہل غرض ہے
وہی دست گیر غریب الوطن بھی

فلاطوں خرد ہے تو لقمان حکمت
سکندر حشم ہے تو جم انجمن بھی

مرا شاہ ہے مالک ملک و دولت
مرا شاہ ہے قدر دان سخن بھی

خدا کی عنایت سے ہے داغ سب کچھ
جو وہ مہرباں ہے تو شاہ دکن بھی

۲۵۷

سیکڑوں ملتے ہیں الزام کے دینے والے
ایک دو بھی نہیں آرام کے دینے والے

میرے قاصد کو دیا اس نے یہ جھنجلا کے جواب
کون ہوتے ہیں وہ پیغام کے دینے والے

وعدۂ وصل پہ یہ پختگی و استحکام
آفریں اے طمع خام کے دینے والے

جاں نثاروں کو ملا کرتے ہیں اکثر دشنام
تم سلامت رہو انعام کے دینے والے

اس خرابات سے وہ اہل خرابات گئے
جام بھر کر مئے گلفام کے دینے والے

آبرو عاشق بدنام کی کب رہتی ہے
نام رکھتے ہیں مجھے نام کے دینے والے

عشق کے حکم سے ہے دست جنوں بر سر کار
کام لیتے ہیں سبھی کام کے دینے والے

ناتوانی پہ نہ جا تو کہ ہمیں باقی ہیں
سو دعائیں تجھے دل تھام کے دینے والے

اب مرے سامنے خاموش ہے کیوں کیا باعث
لب گستاخ سے دشنام کے دینے والے

وہی تو وعدۂ دیدار کریں گے پورا
مجھ کو دھوکے سحر و شام کے دینے والے

وہی اچھے وہی دانا ہیں تمہارے نزدیک
مشورے تم کو برے کام کے دینے والے

آپ ہیں جان کے ایمان کے لینے والے
آپ ہیں درد کے آلام کے دینے والے

غیر کیا دے گا تمہیں نقد دل و جاں اپنا
نہیں ہوتے کبھی اس نام کے دینے والے

قتل عشاق کا وہ حکم نہ دیتے بے وجہ
کچھ سمجھ لیتے ہیں احکام کے دینے والے
داغ عاصی کو ملے نعمت فردوس و نعیم
یا نبیؐ دولت اسلام کے دینے والے

۲۵۸

یہ دل، محبوب سبحانی کے صدقے — محی الدین جیلانی کے صدقے
مرے دل پر چلے وہ خنجر عشق — ملک ہوں جس کی قربانی کے صدقے
تمہاری ذات سے ہے نظم عالم — جہاں بانی کے سلطانی کے صدقے
تمہارے لطف پنہانی کے قربان — تمہارے فیض روحانی کے صدقے
نثار قبہ انور مہ و مہر — فرشتے قبر نورانی کے صدقے
یہ زیبا ہے جو ہوں لوح و قلم بھی — تمہارے اسم لاثانی کے صدقے
سبک روحی میں کب ہے لذت درد — دم بسمل گراں جانی کے صدقے
یہ دل ہو اور جوش قلزم عشق — یہ کشتی موج طوفانی کے صدقے
فدائے شمع پروانہ ہو اے داغ
ہم اپنے قطب ربانی کے صدقے

۲۵۹

محبت ہے مجھے اس رہ گذر سے — جنازہ بھی مرا جائے ادھر سے
بچانا آفت تیر نظر سے — الٰہی یہ بلا آئی کدھر سے

لچکتی ہے بہت بار نظر سے — ہمارے ہاتھ لپٹا تو کمر سے
نگہ دل سے لڑے مژگاں جگر سے — بندھا ہے مورچہ کیا گھر کے گھر سے
ٹپکتا ہے یہ صاف اس کی نظر سے — بہت باتیں ہوئی ہیں نامہ بر سے
نہ روکا شام فرقت کو کسی نے — دوہائی دے رہا تھا میں سحر سے
کیا ہے ضبط جب درد محبت — گرے ہیں ٹپ ٹپ آنسو چشم تر سے
انہیں فرصت کہ اس کا سر اتارا — ہمیں فرصت کہ چھوٹے درد سر سے
ہم اپنی جان پر کھیلے ہوئے ہیں — لڑائی ہو پڑی ہے چارہ گر سے
خدا کی دین ہے غم ہو کہ شادی — یہ بندے لائے ہیں کیا اپنے گھر سے
تمہارا دیکھنا کیوں کر نہ دیکھوں — نظر کی چوٹ رکتی ہے نظر سے
نرالی وضع زاہد نے بنائی — یہ ہے انسان کیا جانے کدھر سے
ملی سوز و گداز ہجر کی داد — بجھے آنسو مرے شمع سحر سے
شب فرقت تھمیں اتنے تو نالے — کہ میں باتیں کروں دیوار و در سے
نہ دیکھا کر مجھے غصے سے ظالم — تری آنکھوں سے بھی کیوں خون برسے
مزا آتا ہے ان کے روٹھنے میں — ہمیشہ چھیڑ ہوتی ہے ادھر سے
دغا ہم سے کرو گے آخر کار — یہ ہم سمجھے ہوئے تھے پیشتر سے
انہیں تو حور ہی سے لاگ ٹھہری — الٰہی لاؤں جنت کس کے گھر سے

رقیب روسیہ کیوں سر چڑھا ہے
اسے صدقے کرو تم داغ پر سے

۲۶۰

لذت سیر دگر چشم تمنا لے گی
ایک بار اور بھی دنیا ابھی پلٹا لے گی

دل کا سرمایہ وہ دز دیدہ نظر کیا لے گی
اتنا دینا بھی پڑے گا اسے جتنا لے گی

شکوۂ دھر نہ بیداد فلک کی فریاد
حشر میں خلق خدا نام تمہارا لے گی

پردہ در ہو گی محبت یہ خبر تھی کس کو
ہاتھ میں دامن یوسفؑ کو زلیخا لے گی

نہ کریں میرے لئے حضرت ناصح تکلیف
خود طبیعت دل بیتاب کو سمجھا لے گی

لٹ چکے جان و دل و صبر و خرد روز وصال
کیا دھرا ہے شب غم آکے یہاں کیا لے گی

ایک مدت سے ہے برباد ہماری مٹی
دیکھئے کب ترے دامن کا سہارا لے گی

چارہ گر ہوں گے تجھے کپڑے چھڑانے مشکل
آڑے ہاتھوں مری وحشت کبھی ایسا لے گی

خاص بخشو گے تمہیں اپنے گنہ گاروں کو
بخشش عام نہ ان کا کبھی ٹھیکا لے گی

کج اداؤں کو بہت ہم نے کیا ہے سیدھا
ہم سے کیا بل کی تری زلف چلیپا لے گی

چین سے آپ رہیں کچھ مری پروا نہ کریں
کیا شب ہجر بلا ہے کہ مجھے کھا لے گی

دل کا سودا تری زلفوں سے بنا رکھا ہے
کیا خبر تھی کہ مگر مفت میں ھتیا لے گی

شب کو دیکھے گی جو یہ داغ دل و چاک جگر
خوف سے کلہ کشاں دانتوں میں تنکا لے گی

غیر ہے خواب شب وصل میں اے آہ رسا
کام بن جائے گا سوتے کو اگر جا لے گی

اوپری دل ہی سے اس دل کے خریدار بنو
جس کو تم لو گے اسی چیز کو دنیا لے گی

کام بگڑا نہ بنائے سے بنے گا ہرگز
میری تدبیر نہ تقدیر سے بدلا لے گی

درد و غم رنج و الم مول لئے کیا کیا کچھ
اور کیا کیا نہ مری خواہش بے جا لے گی

گرم بازاری دل دیکھ کے وہ کہتے ہیں
ہم نہ لیں گے اسے جس چیز کو دنیا لے گی

دل سودا زدہ آزار محبت لے گا
عقل دیوانی نہیں ہے جو یہ سودا لے گی

شاہ دیں دار کا وہ فیض ہے جاری اے داغ
حشر تک جس سے مزے دین کے دنیا لے گی

۲۶۱

جب سے بسی ہوئی کسی گلگوں قبا میں ہے
میں کیا ہوں کہ نکہت گل کس ہوا میں ہے

گرویدہ اس ستم پہ بھی رہتے ہیں سیکڑوں
میری وفا کا رنگ تمہاری جفا میں ہے

خالی نہیں ہے ان کی شرارت سے شرم بھی
جو کچھ بچی ادا سے وہ شوخی حیا میں ہے

افسوس یہ ہوئی نہ مقدر میں غیر کے
مضبوط جو گرہ ترے بند قبا میں ہے

گذری کبھی نہ چین سے ہم کو کوئی گھڑی
جو ابتدا میں غم تھا وہی انتہا میں ہے

اے خضر بادہ خوار کو کیا اس کی آرزو
کیفیت شراب بھی آب بقا میں ہے

آسودگان خاک کی آہیں لگی نہ ہوں
دامن دم خرام ترا کس ہوا میں ہے

چٹکی میں ان کی تیر نگاہوں میں ان کی قہر
کیا جانے کتنی دیر ہماری قضا میں ہے

ہنگامہ دوست' دوست رہا بزم غیر میں
کب یہ سنا کہ مجمع اہل وفا میں ہے

مر جاؤں میں اگر ہو وہاں ناز میں کمی
اپنی تو جان ایک سراپا ادا میں ہے

کس طرح عرض حال کرے کیا کرے کوئی
تاثیر • شکوے میں نہ اثر التجا میں ہے

سر پھوڑنا فضول ہے' دم توڑنا عبث
دل پھیر دے بتوں کا یہ قدرت خدا میں ہے

پہلو میں دیکھ کر مرے دل کو مچل گئے
ان کو گمان تھا مری زلف دوتا میں ہے

دن کو کچھ اور رنگ تو شب کو کچھ اور ڈھنگ
تاثیر دو طرح کی ہماری دعا میں ہے

ہنگام سجدہ سر پہ قیامت بپا ہوئی
ہر ذرہ ایک فتنہ ترے نقش پا میں ہے

دل کو پھنسا رہی ہے وہ زلف سیاہ گوں
یہ مبتلا تو آپ ہی اپنی بلا میں ہے

یا رب شب فراق نہ ہوں مانگ کر خجل
اس کی ادا کا ڈھنگ بھی کوئی قضا میں ہے

یہ وحشت مزاج نہ اس وقت رنگ لائے
دامن قبول کا مرے دست دعا میں ہے

اب دیکھیے جو داغ کو وہ داغ ہی نہیں
سب رنگ چھوڑ چھاڑ کے یاد خدا میں ہے

۲۶۲

ہم اس جہان سے ارمان لے کے جائیں گے
خدا کے گھر یہی سامان لے کے جائیں گے

یہ ولولے تو مری جان لے کے جائیں گے
یہ ذوق شوق تو ایمان لے کے جائیں گے

وہ وقت نزع نہ آئیں عدو کے کہنے سے
ہم اور غیر کا احسان لے کے جائیں گے

بیاں کریں گے ترے ظلم ہم قسم کھا کر
خدا کے سامنے قرآن لے کے جائیں گے

چڑھی نہ تربت مجنوں پہ آج تک چادر
ہم اپنا چاک گریبان لے کے جائیں گے

ہمیں یہ فکر کہ دل سوچ کر سمجھ کر دیں
انہیں یہ ضد کہ اسی آن لے کے جائیں گے

صنم کدے کے ہوئے ہم نہ مے کدے کے ہوئے
یہ داغ دل میں مسلمان لے کے جائیں گے

بھرے ہیں کعبہ دل میں جو حسرت و ارمان
مراد اپنی یہ مہمان لے کے جائیں گے

لگا کے لائے ہیں غیروں کو آپ اپنے ساتھ
یہاں سے کیا یہ نگہبان لے کے جائیں گے

بغیر وصل کا وعدہ لئے ٹلیں گے نہ ہم
یہ عہد لے کے یہ پیمان لے کے جائیں گے

پھنسا رہے گا دل مبتلا تو دنیا میں
گناہ کس میں پھر انسان لے کے جائیں گے

کچھ آگیا مرے آگے دیا لیا میرا
یقین تھا وہ مری جان لے کے جائیں گے

خدا کے سامنے جب آپ کی طلب ہو گی
وہاں بھی آپ نگہبان لے کے جائیں گے

نہیں ہے تشنگی حشر کا کچھ اندیشہ
ہم اشک شرم کا طوفان لے کے جائیں گے

کریں گے اہل جزا اہل حشر میں تقسیم
بہت سے ہم ترے ارمان لے کے جائیں گے

کیا ہے سخت پریشان ناصحوں نے مجھے
جب آئیں گے مرے اوسان لے کے جائیں گے

اس آستاں پہ جو دی جان داغ بے کس نے
جنازہ آپ کے دربان لے کے جائیں گے

۲۶۳

وعدے پہ ان کی بات بنائی ہوئی سی ہے
کھائی ہے وہ قسم کہ جو کھائی ہوئی سی ہے

کسی بوالہوس کے خون میں تم نے رنگے ہیں ہاتھ
اتری ہوئی حنا یہ لگائی ہوئی سی ہے

چھایا ہوا ہے بزم عدو کا خمار سا
آنکھوں میں تیری نیند سمائی ہوئی سی ہے

افسردہ خاطری میں بھی ہے آگ شوق کی
پوری بجھی نہیں یہ بجھائی ہوئی سی ہے

تم دل سے مہربان ہو اس کا یقیں نہیں
یہ طرزِ التفات اڑائی ہوئی سی ہے

دھویا ہے تم نے تیغ کو باقی ہے نم ابھی
یہ خون میں کسی کے نہائی ہوئی سی ہے

ہے چشمِ نیم باز پہ دھوکا خمار کا
یہ تو لڑی ہوئی سی لڑائی ہوئی سی ہے

میرا نشاں جو کوچۂ جاناں میں دیکھئے
اک مشتِ خاک وہ بھی اڑائی ہوئی سی ہے

دستِ فلک سے ہائے مری سرنوشت بھی
موہوم اک لکیر مٹائی ہوئی سی ہے

چشمک زنی نہ کی ہو کسی چشمِ مست نے
نرگس کی آنکھ آج جو آئی ہوئی سی ہے

رنگت اڑی ہوئی سی ہے کیا آج داغ کی
چہرے پہ مردنی بھی تو چھائی ہوئی سی ہے

۲۶۴

ہر دم اسی کی دھن ہے اسی کا خیال ہے
چھوٹے چھٹائے ربط پر اب تک یہ حال ہے

لو دو ہی دن کے بعد یہ ان کا خیال ہے
چھوڑو بھی رسم و راہ کہاں کا وبال ہے

میں کیا کہوں کہ جو مجھے شوقِ وصال ہے
تم دیکھ لو فقیر کی صورت سوال ہے

جب ہو نہ اعتبار تو کہنے سے فائدہ
اللہ جانتا ہے جو اس دل کا حال ہے

سن کر مری زباں سے برائی رقیب کی
غصے کو تم نے ضبط کیا یہ کمال ہے

قسمت سے نبھ گئی ہے چلو فیصلہ ہوا
میرا کمال ہے نہ تمہارا کمال ہے

لیل و نہار اپنے گذرتے ہیں ایک شکل
جو شب کو خواب تھا وہی دن کو خیال ہے

میں ہوں گدائے مےکدہ مجھ پر ہو کیوں حرام
قاضی کو بھی تو مفت کی واعظ حلال ہے

کس طرح لے سکوں ترے دزدِ حنا سے دل
اندیشہ ہو گیا کہ یہ چوری کا مال ہے

وہ کہہ رہے تھے بزم میں خنجر نکال کر
اس دل کو لاؤ جس میں امیدِ وصال ہے

جینا ہے ننگِ عشق تو مرنا خلافِ عقل
یہ بھی محال ہے مجھے وہ بھی محال ہے

کافر نہ میں ہوں اور نہ محشر ہے بزم یار　　اپنے کئے سے پھر مجھے کیوں انفعال ہے

اے داغ ان کی رنجش بے جا کا کیا علاج
اپنے قصور پر بھی تو مجھ سے ملال ہے

۲۶۵

دل لے ہی چکے ناز سے، شوخی سے، ہنسی سے　　اب ان کی بلا آنکھ ملاتی ہے کسی سے

مانی ہیں نیازین یہی مانگی ہیں دعائیں　　اللہ بچائے مجھے تیری خفگی سے

آئینے میں کیا دیکھتے ہو اپنی ادائیں　　اس ناز اس انداز کو پوچھو مرے جی سے

ارشاد ہوا ہے کہ تجھے قتل کریں گے　　پھر یہ بھی ہے تاکید کہ کہنا نہ کسی سے

معشوق کو عشاق نے بے درد بنایا　　انصاف تو یہ ہے کہ ہوئی چوک سبھی سے

ہم کیوں انہیں سمجھا کے عبث رنج اٹھائیں　　کچھ بات ہو مطلب نہ بری سے نہ بھلی سے

گھر پھونک دیئے آتش الفت نے ہزاروں　　یہ آگ قیامت کی لگی دل کی لگی سے

ہوں محو تصور مری باتوں پہ نہ جاؤ　　کچھ بے خودی شوق میں کہتا ہوں کسی سے

ایسا ہو نشانہ تو وہ کیوں غیر کو تاکیں　　الفت بھی مجھی سے ہے عداوت بھی مجھی سے

دیکھی نہ بہار اور ثمر عشق کا پایا　　اس باغ میں پھل پیشتر آتا ہے کلی سے

در پردہ تو ہوتے ہیں گلے ان کے ہزاروں　　دیکھا تو دعا صاف نکل جاتی ہے جی سے

دانستہ بھی رو لیتے ہیں اس بزم میں جا کر　　اندیشہ ہے مر جائیں نہ ہم فرط خوشی سے

مہمان کہیں جانے کو ہیں آپ بھی تیار　　بس لیجئے سلام اپنا بھی وعدہ ہے کسی سے

پہچانو تو کس نقش کف پا کی ہے، یہ خاک　　اکسیر اٹھا لائے ہیں دشمن کی گلی سے

گستاخ ہوا جب نہ پذیرا ہوئی منت　　نکلا تو سہی کام مگر بے ادبی سے

بھولے سے پیا بھی کوئی ساغر تو گنہ کیا　　اک عمر ہوئی توبہ کئے بادہ کشی سے

شہرہ تھا کہ ہے خنجر قاتل میں بہت آب
دم سوکھ گیا اس کا مری تشنہ لبی سے

میں وصل کا سائل ہوں جواب اس کا تو دیجئے
کیوں چپ ہوئے کیا پوچھنے جاتا ہے کسی سے

وہ شام شب وصل سے برہم ہیں الٰہی
آثار قیامت ہیں نمودار ابھی سے

اے داغ کریں وہ ستم ایجاد کہاں تک
کیا ناک میں دم ہے تری ایذا طلبی سے

۳۶۶

مشکل ہے ان آنکھوں سے خدا کو کوئی دیکھے
دیکھے تو بت ماہ لقا کو کوئی دیکھے

اس چشم فسوں گر کی حیا کو کوئی دیکھے
اس ظالم مظلوم نما کو کوئی دیکھے

میرے نفس سرد پہ ہیں طعنہ زن احباب
اس وقت زمانے کی ہوا کو کوئی دیکھے

کہتے ہیں کہے جائیں برا حضرت واعظ
پی کر تو مئے روح فزا کو کوئی دیکھے

کھل کھیلئے کھل جائیے دل کھول کر ملئے
کب تک گرہ بند قبا کو کوئی دیکھے

جب ذکر ہوا طول حیات ابدی کا
وہ بولے مری زلف رسا کو کوئی دیکھے

تقریر سنے کوئی کہ تعریف تمہاری
انداز کو دیکھے کہ ادا کو کوئی دیکھے

کہتا ہے کہ مر جاؤ تو کچھ ہم کو یقیں ہو
بے درد کی اس شرط وفا کو کوئی دیکھے

اس واسطے لے جاتے ہیں غیر ان کو اڑا کر
ایسا نہ ہو نقش کف پا کو کوئی دیکھے

اے پردہ نشیں تنگ ہیں سب اہل بصارت
کیا دخل ترے ناخن پا کو کوئی دیکھے

نیرنگی انداز صنم کو کوئی سمجھے
دل تنگی مردان خدا کو کوئی دیکھے

جو دیکھتے ہیں چشم تحیر سے ترا حسن
ان دیکھنے والوں کی ادا کو کوئی دیکھے

اے داغ سنے ہیں بہت اگلے تو فسانے
کیا حال ہے اب اہل وفا کو کوئی دیکھے

۲۶۷

دل جگر سب آبلوں سے بھر چلے — مر چلے اے سوز فرقت مر چلے

کہتی ہے رگ رگ ہمارے حلق کی — دم میں دم جب تک رہے خنجر چلے

راہ ہے دشوار و منزل دور تر — پا شکستہ کیا کرے کیوں کر چلے

جس جگہ ٹھہرا دیا ٹھہرے رہے — جس طرف کو لے چلا رہبر چلے

دیکھئے پس ماندگاں پر کیا بنے — ہم تو اپنی سی بہت کچھ کر چلے

کیسی ہل چل ہے سرائے دہر میں — سب مسافر چھوڑ کر بستر چلے

حضرت دل تھی یہی شرط وفا — آپ میرے حق میں یہ کیا کر چلے

کربلا ہے کوئے قاتل کی زمیں — شام کو پہنچے وہیں دن بھر چلے

غیر کیا جانے کہ پردے پردے میں — وار وہ جس پر چلے اس پر چلے

مار ڈالے گی قفس میں بوئے گل — ہم اسیروں سے ہوا بچ کر چلے

موج طوفانی و گرداب محیط — اپنی کشتی کس طرف بچ کر چلے

حسرتوں سے کیوں نہ ہو دل پائمال — اس زمیں پر سیکڑوں لشکر چلے

منزل مقصود کے خواہاں ہیں سب — ساتھ کس کس کو کوئی لے کر چلے

کیا دھرا تھا اس تہی خم خانے میں — ہم بھی آکر اپنا بھرنا بھر چلے

نکلنے دیتی ہے کہیں وحشت ہمیں — چھان کر جنگل پھر اپنے گھر چلے

جادۂ راہ حقیقت چھوڑ کر — قافلے کے قافلے اکثر چلے

داغ کے لب پر ہے مصرع درد کا
جب تک بس چل سکے ساغر چلے

اب کیوں نہ کروں نالہ، مجھے ڈر تو نہیں ہے
یہ عرصہ محشر ہے ترا گھر تو نہیں ہے

گو وصل ہو لیکن مجھے باور تو نہیں ہے
ہاں دل میں نہ ہو، ان کی زباں پر تو نہیں ہے

پھر جائے تو پھر جائے بلا سے نہیں پروا
کچھ آپ کا دل میرا مقدر تو نہیں ہے

کیوں مورد بیداد ہوں کچھ وجہ بھی اس کی
لکھا ہوا عاشق مرے منہ پر تو نہیں ہے

چبھتی ہے تری بات مرے دل میں ہمیشہ
آخر یہ زبان ہے کوئی نشتر تو نہیں ہے

کس طرح نہ قدرت کا تماشا نظر آئے
آئینہ رخ صاف ہے پتھر تو نہیں ہے

جاتی ہی رہے گی یہ پریشانی دل بھی
آشفتگی زلف معنبر تو نہیں ہے

معشوق کا جب ذکر کیا مجھ سے کسی نے
گھبرا کے یہ پوچھا وہ ستم گر تو نہیں ہے

پیغام بروں کی مجھے باتوں کا یقیں کیا
اے دل یہ کچھ ارشاد پیمبر تو نہیں ہے

فرمایئے اب شوق سے جو مدنظر ہو
دل آپ کے فرمانے سے باہر تو نہیں ہے

کرتا ہے امام آج بہت سہو کے سجدے
پوشیدہ جماعت میں وہ کافر تو نہیں ہے

ہر ایک کو دے روز فلک کیوں درم داغ
ہر شخص کا روزینہ مقرر تو نہیں ہے

آئینے سے ہو جائے گی اس رخ کی صفائی
یہ کینہ دارا و سکندر تو نہیں ہے

احسان ہو ہم پر جو ہمیں آپ بتا دیں
دنیا میں کوئی آپ سے بہتر تو نہیں ہے

پھر قصد صنم خانہ کیا داغ جو تو نے
کم بخت ترے پاؤں میں چکر تو نہیں ہے

۲۶۹

داد کس کی دوں جو ہوں دونوں برابر سامنے
وہ جب آتے ہیں تو آتا ہے مقدر سامنے

ہم کو کیا حاصل حسینوں میں ہو گر تم آفتاب
شب کو ہاتھ آتے نہیں، رہتے ہو دن بھر سامنے

لیں مرے دل میں کسی کافر نے کیا کیا چٹکیاں
جب نظر آیا مجھے اللہ کا گھر سامنے

تازہ ہنگامے دکھاتا ہے ہمیں وہ فتنہ گر
روز ہوتا ہے نیا سامان محشر سامنے

ہم اگر مانیں تو اے زاہد یہ بیشک ہے گناہ
بے طلب رکھ دے جو کوئی بھر کے ساغر سامنے

سن چکے بس لن ترانی ہو چکا ہم سے حجاب
آیئے' اب آیئے' اے بندہ پرور سامنے

یا الٰہی خیر ہو بیٹھے ہیں وہ یوں بزم میں
تیغ رکھی ہے برابر اور خنجر سامنے

جس طرح جی چاہتا ہے اس طرح ہو بے حجاب
یوں تو ہونے کو وہ ہو جاتا ہے اکثر سامنے

دیدۂ و دل کی یونہی تسکین ہونی چاہیۓ
ایک دلبر ہو بغل میں ایک دلبر سامنے

وہم ہے اس کو کہیں دام وفا میں آ نہ جاؤں
اس لئے رکھ لی برائی سب کی لکھ کر سامنے

بت پرستی سے تو کی توبہ مگر یہ حال ہے
سر پٹکنے کے لئے رہتا ہے پتھر سامنے

مجھ کو ان کے جلوۂ دیدار سے غشؔ آگیا
وہ یہ کہتے ہیں کیا بے خود اسے سرسام نے

اے نگاہ شوق بس اتنی نہ تیزی چاہیۓ
ہے یہی صورت تو ہوں گے وہ مقرر سامنے

کوئی روکے سے کہیں رکتا ہوں میں شوریدہ سر
توڑ ڈالوں ہو اگر سد سکندر سامنے

دیکھئے اے داغ کیا ہوتی ہے پاداش عمل
دیکھنے والا ہو تو ہے روز محشر سامنے

نگاہ شوخ جب اس سے لڑی ہے　　تو بجلی تھرتھرا کر گر پڑی ہے
اسے بھی مجھ کو بھی ضد آپڑی ہے　　خرابی بیچ والوں کی بڑی ہے
لہو کی بوند مژگاں سے جھڑی ہے　　یہی گلزار دل کی پنکھڑی ہے
قیامت میں قیامت کر گیا کون　　کہ دل تھامے صف محشر کھڑی ہے
کریں کیا رند توبہ مے سے زاہد　　کہ یہ تو ان کی گھٹی میں پڑی ہے
قدم جمتا نہیں تیری گلی میں　　کسی بے تاب کی میت گڑی ہے
عدو بھی تنگ ہے ان کے ستم سے　　اسے اپنی مجھے اپنی پڑی ہے
ابھی میں نے کیا تھا یاد اس کو　　وہ آیا عمر قاصد کی بڑی ہے
بنا ہے مدعی پیغام بر بھی　　جڑی ہے جب مری کھوٹی جڑی ہے
کیا ہے میں نے ضبط آہ جس دم　　انی برچھی کی سینے میں گڑی ہے
گل بستر ستارے بن گئے ہیں　　ترے ماتھے سے جب افشاں جھڑی ہے
یہ کہتا ہے مرا شوق شہادت　　تری تلوار پھولوں کی چھڑی ہے
وہ روٹھیں غیر سے تو ہم منائیں　　پرائی آفت اپنے سر پڑی ہے
تجھے دیتا ہوں اپنی جان بھی میں　　مرے دل سے مری ہمت بڑی ہے
ٹلیں وہ کب جو دل لینے پہ اڑ جائیں　　یہ کیا کچھ کھیل چوسر کی اڑی ہے
الٰہی کب سحر ہو گی شب ہجر　　قیامت کی گھڑی ہے جو گھڑی ہے
بگڑ کر ہم نے سو الزام پائے　　اب ان کی ہر طرح سے بن پڑی ہے

غزل اک اور بھی اے داغ لکھو
طبیعت اس زمیں میں کچھ لڑی ہے

۲۷۱

نظر کعبے میں اس بت پر پڑی ہے
کہاں جاکر مری قسمت لڑی ہے

مجھے انجام الفت کی پڑی ہے
یہ غم آٹھوں پہر چونسٹھ گھڑی ہے

وہاں مشق تغافل ہر گھڑی ہے
پرائے دل کی ان کو کیا پڑی ہے

ترے در پر تڑپتے کس کو دیکھا
کہ ہر دیوار سکتے میں کھڑی ہے

پرائے مال پر اتنا تقاضا
تمہیں دل دیں گے جلدی پڑی ہے

مروت بھی ہو تیری آنکھ میں کاش
نشیلی ہے، رسیلی ہے، بڑی ہے

زباں تک آسکے کیا حرف مطلب
ہماری آہ سینے میں اڑی ہے

خزاں سے ہے بہار حسن محفوظ
گل عارض کی کب پتی جھڑی ہے

نہ بیٹھی تیغ عشق اس سنگ دل پر
اچٹ کر چوٹ مجھ پر ہی پڑی ہے

حسینوں کو برا کہتا ہے ناصح
انہی باتوں پہ مجھ سے ہو پڑی ہے

جفائے آسماں کی انتہا کیا
بڑوں کی بات جو کچھ ہے بڑی ہے

خدا سے التجا ہے ناخدا کیا
مری کشتی بھنور میں جا پڑی ہے

ادھر وحشت لئے جاتی ہے مجھ کو
ادھر حداد نے بیڑی گھڑی ہے

دل اپنا بیچتے پھرتے ہیں لاکھوں
محبت آج کل پیسے دھڑی ہے

جنازہ دیکھ لو عاشق کا در پر
سواری اس مسافر کی کھڑی ہے

ہمارا دم ہے خنجر میں دم ذبح
ہماری جان قاتل میں پڑی ہے

امانت رکھ تو لوں داغ محبت
مگر ڈرتا ہوں یہ جوکھوں بڑی ہے

ڈبونا چاہتا ہے قلزم عشق
کنارے پر مری کشتی اڑی ہے

گھڑی ہے سو بلاؤں میں مری جان
یہ تنہا ہے، اکیلی ہے، چھڑی ہے

وہی اک بات ہے لیکن تری بات　　عدو سے نرم ہے مجھ سے کڑی ہے

ملازم شاہ آصف جاہ کے ہیں
جناب داغ کی قسمت بڑی ہے

۲۷۲

ناوک لگا جگر پہ تو دل پرستاں لگی
کاری لگی نظر تری کافر جہاں لگی

ہم بھی دعا کے بعد پہنچتے تو خوب تھ
کیوں چرخ تک زمیں سے نہ اک نردباں لگی

شام شب وصال میں پھولی نہیں شفق
تلووں سے تیرے آگ یہ اے آسماں لگی

آتا ہے تم کو تلخی دشنام میں مزہ
اس چاٹ پر لگی تو تمہاری زباں لگی

پوچھتا جو عشق غیر کی تم کو لگی ہے چوٹ
آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے بولے وہ ہاں لگی

اچھا کہا جو حور 'کو' کیا قہر ہو گیا
ایسی تمہارے دل کو بری مہرباں لگی

میرا فسانہ تونے جو اے پند گو سنا
کچھ تیرے ہاتھ بات بھی اے نکتہ داں لگی

پوشیدہ دل کی چوٹ قیامت کی چوٹ ہے
فرہاد کے تو سر یہ لگی یہ کہاں لگی

رہتی ہے اطلاع انہیں دل کے حال سے — ملتی ہیں گالیاں مجھے پہلے سوال سے

دل کو بچا رہا ہوں بتوں کے خیال سے — اللہ تو علیم ہے بندے کے حال سے

جانا کہ یہ بھی ایک طرح کا لگاؤ ہے — ناخوش ہوا نہ میں کبھی ان کے ملال سے

جانیں ترے خرام کو طاؤس و کبک کیا — لینی تھی اس کی داد کسی پائمال سے

کیا شکوۂ فراق کروں اس کی فکر ہے — بے لطفیاں بڑھیں گی ترے انفعال سے

جنت میں ان حسینوں کو آتا ہے کیا مزا — وعدہ کیا ہے اس نے بڑی قیل و قال سے

اے محتسب نہ لوٹ اسے تو یہ حکم دے — مسجد بنائے پیر مغاں اپنے مال سے

بخشش نہ ہو گی غیر کی یہ مجھ سے پوچھئے — بندے کو اطلاع ہے عقبیٰ کے حال سے

احوال چارہ گر سے کہاں تک بیاں کروں — دم ناک میں ہے روز کی اس دیکھ بھال سے

دو چار وہ ہمیں نے تو لٹکے بتا دیئے — مشہور تم جہاں میں ہوئے جس کمال سے

احسان مانتا ہوں ترا اے دل حزیں — وہ شاد شاد ہیں مرے حزن و ملال سے

ملتی نہیں ہے راہ نکیرین کے لئے — کیا قبر اٹ گئی مری گرد ملال سے

بے جا ہے رشک غیر، بجا ہے یہ روٹھنا — جانے بھی دو ملال بڑھے گا ملال سے

کہتے ہیں کیوں خدا کو کیا یاد ہجر میں — فرصت بڑی ملی تجھے میرے خیال سے

سچ ہے کسی کا چاہنے والا ہو کوئی ہو — دوزخ کو عید ہوتی ہے کافر کے حال سے

تھک تھک کے بند ہوتی ہے یہ چشم انتظار — آتا ہے شب کو خواب تمہارے خیال سے

ہوتا ہے خشک دامن تر کیا طلسم ہے — طوفان گریہ و عرق انفعال سے

اے دست وحشت اور تجھے چاہئے اگر — دامن فلک سے چھین، گریباں ہلال سے

حیرت ہے اس نے صبح کو مجھ سے بیاں کیں — باتیں جو کی تھیں رات کو اس کے خیال سے

اے داغ ہے دکن سے بہت دور لکھنؤ
ملتے امیر احمد و سید جلال سے

تقدیر نے نہ جمنے دیا اس جگہ مجھے
اکھڑے قدم وہاں سے طبیعت جہاں لگی

رو رو کے کہہ رہے ہیں وہ مردے پہ غیر کے
کس کی بری نظر تجھے اے نوجواں لگی

بے تاب مجھ کو دیکھ کے وہ پوچھتے ہیں داغ
کم بخت تیرے چوٹ بتا تو کہاں لگی

۲۷۳

کل کچھ طبیعت اپنی جو مشکوک ہو گئی
آج ان سے دو ہی باتوں میں دو ٹوک ہو گئی

ہوتا نہیں ہے سیر غم دو جہاں سے بھی
اے دل یہ کس بلا کی تری بھوک ہو گئی

کیوں غیر کی طرح سے نہ ہم بے وفا ہوئے
اس عاشقی میں ہم سے بڑی چوک ہو گئی

مدت سے رسم مہر و وفا میں کمی تو تھی
آخر ترے زمانے میں متروک ہو گئی

برسات ہی میں مست ہے ارگن کی بھی صدا
کوئل کی کوک اس کے لئے کوک ہو گئی

سب کچھ ہمارے دل کو ملا کیا نہیں ملا
تیری نگاہ لطف جو مسلوک ہو گئی

اے داغ اب نہیں درم داغ بھی نصیب
دنیا فلک کے ہاتھ سے مفلوک ہو گئی

۲۷۴

ابروئے یار کیوں نہ کھنچے اس مثال سے
اس کے تو ناخنوں میں پڑے ہیں حلال سے

کیجئے انصاف' یہ ناحق کا جھگڑا ہم سے ہے
دل دیا ہے غیر کو اس کا تقاضا ہم سے ہے
وصل کا وعدہ کسی سے ہو وہ گویا ہم سے ہے
کیا یقیں ہے جانتے ہیں ہم یہ ایسا ہم سے ہے
مٹ گئے جب ہم تو جانو مٹ گئی ساری بہار
ہم ہیں دنیا میں تو یہ گلزار دنیا ہم سے ہے
وصف یوسف پر بت کافر نے جھنجلا کر کہا
ہم تو دیکھیں اس کی صورت کون اچھا ہم سے ہے
لیلی و مجنوں کا قصہ کوئی سنتا ہی نہیں
بحث عالم کو فقط یا تم سے ہے یا ہم سے ہے
دل یہ کہتا ہے ہمارے دم سے ہیں آثار عاشق
درد ہم سے ہے' تپش ہم سے ہے' سودا ہم سے ہے
کیوں نہ حیرت ہو کہ بغض و کینہ و رنج و ملال
ہم کو دشمن سے نہیں ہے تم کو جتنا ہم سے ہے
دل جلوں سے آپ بل بھرتے ہیں یہ اچھا نہیں
چرخ کج رفتار بھی گر ہے تو سیدھا ہم سے ہے
جا چکی تھی رسم الفت' مٹ چکا تھا نام عشق
اب زمانے میں کچھ ان باتوں کا چرچا ہم سے ہے
واہ کیا کہنا ہے کیا اچھا دیا تم نے جواب
شکوۂ بے جا کو سن کر ناز بے جا ہم سے ہے

دل میں بھی آئے، تصور میں بھی آئے بے حجاب
ان کو ظاہر میں فقط آنکھوں کا پردا ہم سے ہے

وعدۂ دیدار کیسا اور کیا پیمان وصل
کیا کہیں کیوں کر کہیں جو قول ان کا ہم سے ہے

چین کیجئے عیش کیجئے مجمع اغیار میں
آپ کو اب واسطہ، مطلب، غرض کیا ہم سے ہے

ہم سے جو ملتے نہ تھے اب ان سے ہم ملتے نہیں
جن سے تھی ہم کو شکایت ان کو شکوا ہم سے ہے

دل میں وہ گھبرا رہے ہیں اور مجھ سے حشر میں
کہتے ہیں کہ ڈال جو کچھ تجھ کو کہنا ہم سے ہے

یا رب اس سے ہیں بہت وابستہ اپنی خواہشیں
آسماں کو بھی کسی شے کی تمنا ہم سے ہے

صاف ہو جاؤ تو پھر ہو گفتگو بھی صاف صاف
جس قدر تکرار ہے یہ رنجش باہم سے ہے

کوئی کافر ہی کرے اے داغ ان کی آرزو
اے تیری شان اب تمنا کی تمنا ہم سے ہے

۲۷۶

ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اک عالم میں شیدائی تجھے
لگ گئی کس کی نظر اے حسن زیبائی تجھے

۲۷۱

یہ بٹے کیا خوب حصے عاشق و معشوق کو
ناشکیبائی مجھے دی اور رعنائی تجھے

تو مرے سر پر کھڑی رہتی ہے ہر دم اے اجل
اور پھر سارا جہاں کہتا ہے ہرجائی تجھے

چھیڑ کا موقع کوئی ملتا نہ تھا اچھا ملا
میرے دل میں آئی شوخی جب حیا آئی تجھے

دھن لگی رہتی ہے اپنے دوست کی آٹھوں پہر
میں غنیمت جانتا ہوں کنج تنہائی تجھے

شکوۂ بے داد کیسا' کیسی فریاد ستم
رنج ہے "جبرا" قیامت کیوں اٹھا لائی تجھے

اک طرف اہل ہوس ہیں اک طرف ہیں اہل عشق
بزم آرائی میں آتی ہے صف آرائی تجھے

جاتے ہیں سینے میں آیا باہر اے پیکان بار
ہو گئی اتنے میں کس کس سے شناسائی تجھے

بے حجابی کا بہانہ کوئی تجھ سے سیکھ جائے
غیر کے آتے ہی ظالم آئی انگڑائی تجھے

جستجو جس کی ہے اپنے آپ میں تو دیکھ لے
دیکھنے کو دی ہے اے غافل یہ بینائی تجھے

تو اگر سن لے تو کیا جانے کرے کیسا غرور
دیکھ کر سمجھا ہے جو تیرا تماشائی تجھے

گر یہی جھگڑے رہے باہم تو ملنا ہو چکا
رنج تنہائی مجھے ہے فکر رسوائی تجھے

کاش تھمنے دے ٹھہرنے دے مرے دل کی تپش
گو بمشکل کھینچ کر میری کشش لائی تجھے

دوست کو دشمن سمجھ لیتا ہے تو دشمن کو دوست
آگئی ہے بانکپن کے ساتھ کج رائی تجھے

ہم کریں گے مرتے مرتے آپ ہی اپنا علاج
چارہ گر آتی نہیں ہے چارہ فرمائی تجھے

آئیں کیوں میرے دل ویراں میں فرماتے ہیں وہ
کیا غرض ہم کو، مبارک دشت پیمائی تجھے

تیری دانائی کے قائل تھے سب افلاطوں منش
شاعری نے کر دیا اے داغ سودائی تجھے

۲۷۷

جمع ہیں پاک اک زمانے کے ہائے جلسے شراب خانے کے
ذکر بے فائدہ نہ کر واعظ اس زمانے میں اس زمانے کے
دل سے کہتا ہے یہ لب سوفار تیر قربان اس نشانے کے
برق پھونکے اڑائے باد خزاں چار تنکے ہیں آشیانے کے
ہے مری داستاں بھی کیا مرغوب حرف بکتے ہیں اس فسانے کے
شب وعدہ امید وصل کسے ہم تو ہیں منتظر بہانے کے
کعبہ و دیر میں دھرا کیا ہے گرد ہیں تیرے آستانے کے
شب فرقت ترے تصور سے مشورے ہوتے ہیں زمانے کے
تخم الفت سے ہے وفور اشک لاکھ دانے ہیں ایک دانے کے

لعل لب اور گوہر دنداں یہ جواہر ہیں کس خزانے کے
اہل جنت کے بھی دلوں پر داغ
نقش ہیں اس نگار خانے کے

۲۷۸

رکھ دیں اگر شیشہ بھی بادہ مجھ نوش کی
خالی بھری دکان کرے مے فروش کی
کیوں ناصحوں کو فکر ہے مجھ بادہ فروش کی
صدقہ وہ دیں حواسوں کا بنوائیں ہوش کی
تربت پہ میری ڈال دیں اس کی گلی کی خاک
حاجت نہیں ہے اس کے لئے قبر پوش کی
کب تک حجاب' آنکھ ملاؤ پیو پلاؤ
کیفیت انجمن میں رہے ناؤ نوش کی
بنکار اٹھے مست محبت تو ہے وہ راز
بے ہوشیوں میں یہ کبھی لیتا ہے ہوش کی
دل خون ہو گا توبہ سے عہد شباب میں
واعظ یہی تو عمر ہے جوش و خروش کی
وہ دل کے ولولے وہ جوانی کے زور شر
اک داستاں ہے اپنی طبیعت کے جوش کی
دیکھا جمال یار سنی داستان عشق
دعوت یہ ساری عمر رہی چشم و گوش کی

زاہد کی سرخ آنکھوں سے معلوم ہو گیا
رندوں سے جو بچی تھی وہ حضرت نے نوش کی

تدبیر بار دل کی اگر پوچھتا ہوں میں
کہتے ہیں پہلے فکر کروں بار دوش کی

پایاب ہے شناور دریائے عشق کو
اے بحر اصل کیا ترے۔ جوش و خروش کی

باہم تری نگاہ و حیا میں ہے کیوں سلوک
غماز سے کبھی نہ بنی عیب پوش کی

ہر خوب رو کو داغ جتاتا ہے عاشقی
عیار ہے بھلیَ کہی اس خود فروش کی

۲۷۹

دل میں عاشق کے، تصور سے کھٹک ہوتی ہے
ان حسینوں کی غضب نوک پلک ہوتی ہے

اس بہانے سے بہائے سر محفل آنسو
کہہ دیا ان سے کہ آنکھوں میں کھٹک ہوتی ہے

جلوہ بے پردہ تو ہوتا ہے۔ فقط ہوش ربا
وہ قیامت ہے جو چلمن کی .جھلک ہوتی ہے

سہمے جاتے ہیں ڈرے جاتے ہیں وہ عاشق سے
کم سنی ہے ابھی اس سن میں جھجک ہوتی ہے

درد فرقت بھی الٰہی نہ دغا دے جائے
آج یہ کیا ہے کہ تھم تھم کے کسک ہوتی ہے

جس نے سونگھی ہے وہ خوشبو کوئی اس سے پوچھے
باسی ہاروں کے جو پھولوں میں مہک ہوتی ہے

سادہ دل ہیں جو انہیں آئینہ رو کہتے ہیں
آئینے میں کہیں بجلی کی چمک ہوتی ہے

پست ہمت کبھی پاتے نہیں عالم میں عروج
قاعدہ ہے کہ زمیں زیر فلک ہوتی ہے

کوئی تو غم ہے جو کی آپ نے آرائش ترک
سادگی اور مجھے باعث شک ہوتی ہے

جھومنا اور وہ ہنسنا ترے دیوانوں کا
عجب انداز کی کچھ ان میں لٹک ہوتی ہے

کون بے کس کا معاون ہے بجز ذات خدا
غیب سے اس کی مدد اس کی کمک ہوتی ہے

آتش رنگ حنا نے تو جلایا دل کو
اس کی تاثیر یہی سرد و خنک ہوتی ہے

وہ برائی سے بھی گو غیر کا مذکور کریں
بدگمانی مجھے بے شبہ و شک ہوتی ہے

اس نزاکت پہ نے کیا وہ ہماری فریاد
غنچہ چٹکے تو کہے سر میں دھمک ہوتی ہے

ہاتھ رکھ لیتے ہیں وہ ڈر کے کمر پر اپنی
شاخ گلبن میں ہوا سے جو لچک ہوتی ہے

دل اندھا دھند ہی آتا ہے ہمیشہ اے داغ
چھان بین اس میں نہ کچھ چھان پھٹک ہوتی ہے

۲۸۰

اچھی کہی کہ عشق میں بیمار کیوں ہوئے
اچھوں کے آپ درپے آزار کیوں ہوئے

تیرے لبوں سے وصل کے انکار کیوں ہوئے
یہ نازکی میں قابل گفتار کیوں ہوئے

پی کر نہ توبہ کی ہو تو واعظ زباں جلے
یہ اعتراض کیا ہے کہ مے خوار کیوں ہوئے

کیا یہ شریر آنکھ لڑائی کا گھر نہیں
تم اس کے بدلے لڑنے کو تیار کیوں ہوئے

کس کی مجال ان سے کہے میرے باب میں
اقرار کیوں کیے تھے اب انکار کیوں ہوئے

ہم ذمہ دار ہو گئے اخفائے راز کے
عاشق ہوئے تو محرم اسرار کیوں ہوئے

کہتے ہیں تم نے مجھ کو بنایا ستم شعار
الزام ہے کہ طالب آزار کیوں ہوئے

غفلت میں خوب چین سے سوتے تھے اپنی نیند
کس نے جگا دیا ہمیں' بیدار کیوں ہوئے

یہ کیا کہا فلک کو جلاتا نہ آہ سے
اپنی تو کہئے آپ ستم گار کیوں ہوئے

دیکھا نہیں یہ شان' یہ جلوہ کچھ اور ہے
بت کہہ کے تجھ کو لوگ گنہ گار کیوں ہوئے

منہ مانگے دام بوسہ لب کے نہ دے سکے
پھر حضرت دل آپ خریدار کیوں ہوئے

کہتا ہے عاشقوں کو وہ کافر یہ طنز سے
بندے خدا کے میرے طلب گار کیوں ہوئے

ہم کو دکھا کے جلوہ یہ آواز کس نے دی
چل دو یہاں سے نقش بہ دیوار کیوں ہوئے

ہونا ہی تھا وصال جو ہوتا نہ تھا وصال
یہ مرحلے تو سہل تھے دشوار کیوں ہوئے

خجلت تو کہہ رہی ہے نہایت برا کیا
رحمت نہ یہ کہے گی گنہ گار کیوں ہوئے

دل کہہ رہا اس سے کہو ماجرائے عشق
میں کہہ رہا ہوں کہہ کے گنہ گار کیوں ہوئے

اپنا سر دوسرا نظر آنے لگا مجھے
جلتا ہوں میں وہ آئینہ رخسار کیوں ہوئے

کیا جانے کیا دکھائی دیا ان کو خواب میں
بے وقت آج شب کو وہ بیدار کیوں ہوئے

اے داغ اک زمانے کے دل میں ہے گھر ترا
وہ نام سن کے نام سے بیزار کیوں ہوئے

۲۸۱

کلوش فلک تفرقہ پرداز ہمیں سے
کیوں اے خلل انداز یہ انداز ہمیں سے

ہوتے ہیں ادا عشق کے انداز ہمیں سے
یہ سحر ہمیں سے ہیں یہ اعجاز ہمیں سے

ہر چند کچھ ایسی بھی ہیں باتیں کہ نہ سنئے
کیا کیجئے کہتے ہیں وہ سب راز ہمیں سے

ہم سے ہی سر بزم چراتے ہیں نظر بھی
لڑتی بھی ہے پھر چشم فسوں ساز ہمیں سے

سو دیکھنے والے ہوں تو یہ آنکھ کہاں ہے
تصویر تری کیوں نہ کرے ناز ہمیں سے

صیاد کی بے داد نہیں کنج قفس میں
ٹوٹے ہیں پھڑک کر پر پرواز ہمیں سے

اٹھتا ہے ترے کوچے سے کب شور قیامت
لاکھوں ہیں یہاں گوش بر آواز ہمیں سے

ہشک آنکھ کے پردے میں ہیں باہر نہیں آتے
غمزے کی لیا کرتے ہیں غماز ہمیں سے

توقیر پھر اس بزم میں اپنی ہے مساوی
گو غیر ہوئے صاحب اعزاز ہمیں سے

ایجاد کئے رسم محبت میں ہمیں نے
انجام کو پہنچے گا یہ آغاز ہمیں سے

دیکھیں تری طاقت تری تلوار کی برش
دو چار اگر اور ہوں سرباز ہمیں سے

ہم نے ہی تو پالا دل مفسد کو بغل میں
کرتا ہے دغا پھر یہ دغا باز ہمیں سے

ہنگامہ محشر میں بھی اللہ کرے داغ
راضی ہو تو ہو وہ بت طناز ہمیں سے

یہ ٹپکتا ہے رنگ بسمل سے ہولی کھیلے گا آج قاتل سے
ناز اعدا اٹھے گا مشکل سے دل بدل لیجئے مرے دل سے
ہو گئی یاس عہد باطل سے ہم کو جینا پڑا مرے دل سے
میری تصویر بھی وہ دیکھتے ہیں کس بری آنکھ کس برے دل سے
تیر تیرا ہے اور دل میرا اب چھٹے گا یہ ساتھ مشکل سے
کس نے مذکور کر دیا میرا بگڑے بیٹھے ہیں ساری محفل سے
اب زباں سے وہ پھر نہیں سکتیں جو دعائیں نکل گئیں دل سے
کیوں ہوا ناخدا کو اطمینان ابھی کشتی ہے دور ساحل سے
بڑھ گیا رتبہ تماشائی آنکھ ملتی ہے پیشتر دل سے
اب ادھر رخ کرے تو میں جانوں تیر تیرا کھٹک گیا دل سے
بات بگڑی بنی ہے قاصد کی کام آساں ہوا ہے مشکل سے
ہے اک آندھی غبار مجنوں کا سارباں ہوشیار محمل سے
مٹ گئے ہم تو جب یہ اس نے کہا تو نے شکوے کیے تھے کس دل سے
صبر کرنا پڑا ہمیں کو مگر وہ نہ شرمائے عہد باطل سے
جب سے دیکھا ہے میرے دل کا داغ ان کو نفرت ہے ماہ کامل سے
میں تو کیا ہوں کہ تیغ و خنجر بھی دم چراتے ہیں میرے قاتل سے
محتسب آگیا تو اے ساقی ہم اذاں دیں گے اٹھ کے محفل سے
آئینہ رکھ دیا مرے آگے کہ اسے رشک ہے مقابل سے
کیا کہوں وجہ بدحواسی کی ہوش پراں ہیں رنگ محفل سے
طالب وصل جان کر پہلے کرتے ہیں وہ سوال سائل سے

جذب دل کھینچ لائے گا اس کو ایک کیا ہے ہزار منزل سے

آتش عشق میں مزہ کیا ہے
پوچھئے اس کو داغ کے دل سے

۲۸۳

ملتا ہے محبت کا مزہ زہر فنا سے
کلی بھی کریں ہم نہ کبھی آب بقا سے

وہ دل پہ چھری پھیر گئے ناز و ادا سے
اب کوئی مرے کوئی جئے ان کی بلا سے

کیا وجہ بگڑنے کی مری آہ رسا سے
یہ خوب ہوئی آپ تو لڑتے ہیں ہوا سے

وہ کہتے ہیں گھبرا کے مرے دست دعا سے
کیا عرش پہ جا پہنچیں گے یہ ہاتھ ذرا سے

ہم تیرے سوا اور ہوں کس چیز کے طالب
کیا چھوڑ دیا مانگنے والوں نے خدا سے

معشوق سے چھوٹے یہ کبھی ہو نہیں سکتا
مجبور ہے وہ شیوۂ بیداد و جفا سے

اب قامت زیبا نے اٹھائی ہے قیامت
فتنے بھی ذرا سے تھے کبھی تم بھی ذرا سے

اللہ رے کیا فتنہ گری ہے دم رفتار
بچتی ہے قیامت ترے دامن کی ہوا سے

جائے طرف گور غریباں جو وہ قاتل
لبیک کا شور اٹھے مزار شہدا سے

عاشق کو کسی طرح ملے جائے یہ نعمت
کیا خون جگر کم ہے مئے روح فزا سے

شکوہ ہو بہانہ ہو کچھ اس کی نہیں پروا
جو بات ہو وہ کیجئے انداز و ادا سے

کیا خاک لڑیں گے مرے دل سے تری آنکھیں
جو شرم سے جھکتی ہیں وہ چھپتی ہیں حیا سے

دل میں بھی اسی طرح گرہ پڑ گئی ہو گی
یہ عقدہ کھلا ہم کو ترے بند قبا سے

انسان یہ شے اپنی خوشی سے نہیں دیتا
اس واسطے دل لیتے ہیں وہ مکر و دغا سے

گلزار محبت سے کبھی خوش نہیں ہوتے
وہ کہتے ہیں دم ناک میں ہے بوئے وفا سے

بیتاب ہوں بے ہوش نہیں ہوں جو نہ سمجھوں دم دیتے ہیں یہ آپ جو دیتے ہیں دلا سے
ناوک ہے نہ برچھی ہے نہ خنجر ہے نہ تلوار یہ دیدہ و دل ہی ہیں مرے خون کے پیاسے
میں بزم سے اٹھ جاؤں نکل جاؤں چلا جاؤں کیا بات ہوئی خیر تو ہے کیوں ہو خفا سے
اب دوش پر ان کے ہے کماں ہاتھ میں ہے تیر اس عہد میں مرنے کا نہیں کوئی قضا سے

جب دیکھتے ہیں داغ کو ہوتا ہے یہ ارشاد
معلوم نہیں زندہ ہے یہ کس کی دعا سے

۲۸۴

مرض عشق کی دوا بھی ہے مجھ میں دیکھو تو کچھ رہا بھی ہے
کچھ جفا بھی ہے کچھ وفا بھی ہے دل لگی کا یہی مزا بھی ہے
عاقبت میں دل کو چین نہیں اس محبت کی انتہا بھی ہے
زندگی اور اس زمانے کی ایسے جینے کا کچھ مزا بھی ہے
دیر کے جانے والوں سے کہہ دو تم میں اک بندۂ خدا بھی ہے
تیری امداد کے لئے اے آہ پیچھے پیچھے مری دعا بھی ہے
کیا یونہی مر گئے ترے عاشق بخشوایا کہا سنا بھی ہے
میں سناؤں تو داستاں اپنی آپ کو بات کا مزا بھی ہے
رشک پر صبر ہو سکے کیوں کر یہ کسی سے کبھی ہوا بھی ہے
تو نے پوچھا نہ ایک دن ہم سے کچھ ترے دل میں مدعا بھی ہے
چار دن کے شباب پر یہ غرور ابتدا ہے تو انتہا بھی ہے
دیکھ کر دل کو پوچھتے ہیں وہ اس مکاں میں کوئی رہا بھی ہے

رمز الفت بتایئے نہ مجھے
آپ سے کوئی پوچھتا بھی ہے
کچھ ہے بے جا عتاب بھی ان کا
کچھ یونہی سی مری خطا بھی ہے
ہاں ذرا پھر قسم تو کھا لیجئے
آج کل جھوٹ میں مزا بھی ہے
نہیں سنتے وہ اپنے مطلب کی
یہ کسی نے کہیں سنا بھی ہے
سب کو ملتی ہے دولت دیدار
اس میں حصہ فقیر کا بھی ہے
حال دل کب ادا ہوا پورا
کچھ کہا بھی ہے کچھ رہا بھی ہے
کیوں تجھے چپ لگی ہے اے قاصد
منہ سے تو پھوٹ کچھ کہا بھی ہے
ڈھونڈتی ہیں تجھے مری آنکھیں
اے وفا کچھ ترا پتا بھی ہے
چتونیں شوخ چلبلی تقریر
اس میں پھر شرم بھی حیا بھی ہے
اس کو عاشق بھی لوگ کہتے ہیں
داغ کا نام دوسرا بھی ہے

۲۸۵

مٹے داغ دل آرزو رہ گئی
چمن اڑ گیا اور بو رہ گئی
کہاں دل میں اب آرزو رہ گئی
وہ مدت سے بن کر لہو رہ گئی
شب وصل کی کیا کہوں داستاں
زباں تھک گئی گفتگو رہ گئی
بہت اے شب غم بلائیں ٹلیں
خدا جانے کس طرح تو رہ گئی
چلے ہم تری بزم سے تشنہ کام
تمنائے جام و سبو رہ گئی
بہت چل بسے یار، اے زندگی
کوئی دن کی مہمان تو رہ گئی
کہاں سے کہاں لے گیا ہم کو شوق
مگر رہ گئی جستجو رہ گئی
بھرے چاک دل میں نمک چارہ گر
اگر احتیاج رفو رہ گئی

مرا سر گیا ایک ہی وار میں
ہوس تجھ کو اے جنگ جو رہ گئی

نہ دھوئے اگر جان سے اپنے ہاتھ
تو عاشق سے شرط وضو رہ گئی

پھرے بھی تو کچھ دست نازک سے تیغ
یہ کیا ہو کے زیب گلو رہ گئی

گیا دل گیا داغ اس بزم میں
غنیمت ہوا آبرو رہ گئی

۲۸۶

آئینے سے وہ کہتے ہیں، تیری نظر ہوئی
اے چشم شوق! اس کی تجھے بھی خبر ہوئی

جو مجھ پہ چشم لطف تھی اب غیر پر ہوئی
دنیا کی طرح یہ بھی ادھر کی ادھر ہوئی

شرمیں راز عشق خدا سے بھی یوں کہا
جس کی نہ کانوں کان کسی کو خبر ہوئی

میری بلا سے ٹوٹ کے پیکاں جو رہ گیا
حاصل مجھے تو لذت زخم جگر ہوئی

اس کا بھی اعتبار ہے گویا برائے نام
تیری نگاہ لطف بھی تیری کمر ہوئی

کچھ روز وعدہ یاس کی حالت عجیب تھی
کیا کہیے کس قدر نہ ہوئی کس قدر ہوئی

کر لیں گے حور کا بھی نظارہ دم اخیر
دنیا کی تاک جھانک سے فرصت اگر ہوئی

کہتے ہیں مجھ سے مر نہ گئے میرے نام پر
کیا چاہ میں وہ چاہ جو منہ دیکھ کر ہوئی

رکھا نگاہ میں جو دل بے قرار کو
اس دن سے اور شوخ تمہاری نظر ہوئی

کیا امتحاں کروں کہ نہ چھوٹے گی جان پھر
اس کو خدانخواستہ الفت اگر ہوئی

اب کہہ رہا ہوں اس کے تصور سے مدعا
پیغام بر کی یاد بھی پیغام بر ہوئی

دل کو بغل میں پال کے مجبور ہو گئے
دشمن کے ساتھ عمر ہماری بسر ہوئی

جا تو سہی دکھا تو سہی اس کو خط مرا
آگے سے آگے فکر تجھے نامہ بر ہوئی

بچتی تھی دخت رز کی نہ حرمت کسی طرح
یہ نیک بخت ہار کے قاضی کے سر ہوئی

گو عرض مدعا پہ زباں قطع کیوں نہ ہو
اب کیا چھٹے گی وہ خطا عمر بھر ہوئی

کہتے ہیں بار بار وہ مجھ سے شب وصال
ہے ہے اگر نہ تیری دعا سے سحر ہوئی

ہمسائے میں یہ شور ہے لو داغ کی خبر
کم بخت کو تڑپتے ہوئے رات بھر ہوئی

۲۸۷

زاہد کو روز حشر پڑی امتحان کی
پیر مغاں نے خلد میں جاکر دکان کی

دم بھر میں پار آہ تھی اک نوجوان کی
پیری کسی طرح نہ چلی آسمان کی

قاصد بھی ان کو دیکھ کے دیوانہ ہو گیا
پوچھی زمین کی تو کہی آسمان کی

تعریف غیر سن کے جو میں نے دیا جواب
اس بات پر خفا ہیں کہ ہم سے زبان کی

کس کو گلہ نہیں تری بیداد و جور کا
کیوں کر زبان بند ہو سارے جہان کی

سر کاٹ کر لگاتے ہیں گردن کے ساتھ پھر
کچھ رہ گئی ہے ان کو ہوس امتحان کی

گو جانتا ہوں جھوٹ مگر اس کو کیا کروں
کھاتے ہیں پیار سے وہ قسم میری جان کی

یہ شکوۂ رقیب پہ مجھ کو ملا جواب
لوگوں سے تو نے کیوں مری خوبی بیان کی

آہٹ نہیں سنی کہ مجھے دور سے لیا
پسلی پھڑک اٹھی تھی مگر پاسبان کی

روکا اسی بہانے سے اظہار شوق پر
معلوم ہے ہمیں نہیں حاجت بیان کی

کب تک بنا بنا کے کہوں ماجرائے دل
فرمائشیں ہیں روز نئی داستان کی

کیا پھر بھی دل کے دینے میں اے داغ عذر ہو
گر وہ قسم دلائے تمہیں اپنی جان کی

کب تک کھچے رہو گے، کب تک تنی رہے گی
کس کی بنی رہی ہے، کس کی بنی رہے گی

اس کی نگہ سے ہر دم جی پر بنی رہے گی
برچھی میں دل رہے گا دل میں انی رہے گی

مل کر تو ان سے دیکھیں آئندہ جو مقدر
یا دوستی رہے گی یا دشمنی رہے گی

کشتہ کیا ہے اس کے تیر نگہ نے مجھ کو
میرے مزار پر بھی تیر افگنی رہے گی

ہر بندۂ خدا پر کب تک ستم رہے گا
یہ تیرے دل میں کافر کب تک ٹھنی رہے گی

تنگ آکے دل کے ہاتھوں چاہا تھا ہم نے مرنا
یہ کیا خبر تھی برسوں یوں جاں کنی رہے گی

جلوہ اگر دکھاؤ تو پھر نہ منہ چھپاؤ
اک صاعقے کی باقی کیا روشنی رہے گی

نبھ جائے ان سے اپنی جس طرح ہے غنیمت
یہ جانتے ہیں اکثر بگڑی بنی رہے گی

مر مر کے ہم جیے ہیں سو امتحاں دیئے ہیں
اے بدگمان کب تک یہ بدظنی رہے گی

ہم سے نظر ملا کر بے تاب دل کو دیکھو
برق جہاں سے کب تک چشمک زنی رہے گی

لوٹیں گی وہ نگاہیں ہر کاروان دل کو
جب تک چلے گا رستہ یہ رہ زنی رہے گی

اے داغ تیری صورت دیکھیں گے وہ نہ ڈر کر
چھائی ہوئی جو منہ پر یوں مردنی رہے گی

۲۸۹

جور کی خو ترے دل سے نہ ستم گار گئی
عمر بھر اپنی وفا سب یونہی بے کار گئی

آتے جاتے مری بالیں پہ قضا ہار گئی
آتی سو بار شب وعدہ تو سو بار گئی

جس کو کہتے ہیں اثر وہ نہ ملا ہے نہ ملے
کیا گئی آہ فلک کے بھی اگر پار گئی

تاک جھانک اپنی تکہ کو رہی اس کوچے میں
روزن در سے ہٹی تو سر دیوار گئی

جان کیا رکنے کی شے ہے کہ جسے روک سکیں
نہ گئی آج اگر کل یہ چلن ہار گئی

چین سے بیٹھے ہو کیا تم کو خبر ہے کہ نہیں
آبرو آج عدو کی سر بازار گئی

رکھ لئے منہ پہ عبث ہاتھ حیا سے تم نے
لذت وصل ملی لذت دیدار گئی

اس کا منہ دیکھتے ہی خواب میں ہم چونک اٹھے
اپنے ہاتھ آئی ہوئی دولت بیدار گئی

نگہ ناز کو ہم نے جو چھپایا دل میں
وہ یہ کہتے ہیں کہ چوری مری تلوار گئی

میرے گھر خوف سے تھم تھم کے قدم رکھتے ہو
کیا ہوا اب وہ کہاں شوخی رفتار گئی

میرے مرنے کی خبر سن کے کہا خوب ہوا
روز کا قصہ گیا، روز کی تکرار گئی

اس قدر پاس رہا عشق کی رسوائی کا
خاک بھی میری نہ اڑ کر سو بازار گئی

صدمے سہنے کے لئے بھی ہے توانائی شرط
اب طبیعت غم فرقت سے بہت ہار گئی

نگہ شوخ میں تمکیں بھی کبھی ہوتی ہے
بے قراری دل عاشق سے نہ زنہار گئی

تم کو نفرت ہو تو ہو دل سے یہ گھر ایسا ہے
چھوڑ کر اس کو مری روح نہ زنہار گئی

موت کے آنے سے سو طرح کی راحت پائی
جان کے جاتے ہی تکلیف دل زار گئی

جب اٹھی کوچہ جاناں سے قیامت کوئی
چلتے چلتے مرے دھمکانے کو للکار گئی

آمد آمد ہے گل گشت چمن ہے کس کی
پیشوائی کے لئے نکہت گلزار گئی

گالیاں دینے لگے بہر عیادت آکر
دل کی تسکین گئی پرسش بیمار گئی
داغ خورشید قیامت نے قیامت کی ہے
آج کیا جانے کہاں اپنی شب تار گئی

۲۹۰

جلا تھا دل جب کیا تھا نالہ جلیں گے لب جب دعا کریں گے
جو وہ کیا تھا تو کیا کیا تھا جو یہ کریں گے تو کیا کریں گے
مزا اسی میں ہے دل لگی کا کہ شوخیاں ہوں شرارتیں ہوں
جو آپ ہم سے حیا کریں گے تو چھیڑ کر ہم خفا کریں گے
عجب طرح کا معاملہ ہے وہ سوچتے ہیں یہ بات پہروں
کبھی طمع ہے کہ لیجئے دل کبھی یہ ہے فکر کیا کریں گے
عداوت ان کو ہے آج جس سے اسی پہ کل مہربانیاں کریں گے
جو دشمنی کر سکیں نہ پوری وہ دوستی ہم سے کیا کریں گے
ہزار ہیں رنگ عاشقی کے جو ان کو برتے وہ ان کو جانے
تمہیں کو ہم بے وفا کہیں گے تمہیں سے ہم التجا کریں گے
پیام بر کی مجال کیا تھی جو ان سے کہہ کر جواب لاتا
بہت سنی ہم نے ایسی باتیں بہت سی ایسی سنا کریں گے
ہوئے ہیں وہ خوگر جفا ہم' یہ کہتے پھرتے ہیں. جابجا ہم
جو کوئی ہم پر ستم کرے گا ہم اس کے حق میں دعا کریں گے

جو رشک لقماں بھی چارہ گر ہو مسیح ثانی بھی وہ اگر ہو
کسی سے اچھے ہوئے نہ ہوں گے ہم آپ اپنی دوا کریں گے

خطا کرو گے جو بوسہ مانگا یہ کیا کہا پھر نہ ہم سے کہنا
خطا کریں گے خطا کریں گے خطا کریں گے خطا کریں گے

کوئی سہے رنج و غم کہاں تک اٹھائے ظلم و ستم کہاں تک
وہ حضرت داغ ہی نہیں اب جو تجھ سے مہر و وفا کریں گے

۲۹۱

وہ دل لے کے چپکے سے چلتے ہوئے یہاں رہ گئے ہاتھ ملتے ہوئے
الٰہی وہ نکلے تو ہیں سیر کو چلے آئیں مجھ تک ٹہلتے ہوئے
نہ اترایئے دیر لگتی ہے کیا زمانے کو کروٹ بدلتے ہوئے
عدم میں بھی ہم نیند بھر کر نہ سوئے گئے حشر میں آنکھیں ملتے ہوئے
محبت میں ناکامیوں سے اخیر بہت کام دیکھے نکلتے ہوئے
گلا کاٹ لوں میں ہی، خنجر تو دو تمہیں دیر ہو گی سنبھلتے ہوئے
مرے جذب دل پر نہ الزام آئے وہ آتے ہیں آنکھیں بدلتے ہوئے
کریں وعدے پر وعدہ وہ ہم کو کیا یہ چکمے، یہ فقرے ہیں، چلتے ہوئے
ذرا داغ کے دل پہ رکھو تو ہاتھ
بہت تم نے دیکھے ہیں جلتے ہوئے

۲۹۲

وہ لیتے ہیں چٹکی دم گفتار ذرا سی کیا دل کو مزا دیتی ہے تکرار ذرا سی

کیوں چاٹ نہ لوں خاک در یار ذرا سی
اکسیر ہے اکسیر کی مقدار ذرا سی
اندیشہ ہے اک صاحب تقویٰ کی نظر کا
مے چھوڑ دیا کرتے ہیں مے خوار ذرا سی
اے شوخ غضب ہے ترے ابرو کا اشارہ
کیا دیکھئے کرتی ہے یہ تلوار ذرا سی
دشنام پس بوسہ جو تو دے تو مزا ہے
تلخی بھی ہو اے لعل شکر بار ذرا سی
اس فتنہ عالم سے یہ کہتی ہے قیامت
دے ڈال مجھے شوخی رفتار ذرا سی
موسیٰ کو تو جب بھی نہ رہی تاب نظارہ
جھلکی تھی پئے طالب دیدار ذرا سی
اس شان رحیمی نے بہت رنگ دکھایا
جس وقت جھکی چشم گنہ گار ذرا سی
زاہد مری خاطر سے مسلمان سمجھ کر
دل توڑ نہ تو، پی لے مرے یار ذرا سی
سو ٹکڑے کروں دل کے تو لے کوئی خریدار
وہ کہتے ہیں یہ جنس ہے درکار ذرا سی
کھل جاتے ہیں اکثر ترے فقرے تری چالیں
باقی ہے کسر تجھ میں بھی عیار ذرا سی
ہمسائے میں وہ آئے تھے جب جھانکنا چاہا
اونچی رہی سر سے مرے دیوار ذرا سی
اکثر تو رقیبوں سے مرے ہوتے ہیں شکوے
تعریف بھی ہو جاتی ہے اک بار ذرا سی
جب ہم کو مئے تلخ میسر نہیں ہوتی
افیون ہی کھا لیتے ہیں ناچار ذرا سی
بے داد فلک نے تو بہت زور دکھایا
کر تو ہی کمی اے ستم یار ذرا سی
ساقی مجھے ترسا کے پلاتا ہے مئے ناب
اک بار بہت سی نہیں ہر بار ذرا سی

کہتا ہے وہ ہم داغ کو دل میں نہیں رکھتے
میں چاہوں جگہ دے مجھے دل دار ذرا سی

۲۹۴

رہے گا عشق ترا خاک میں ملا کے مجھے
کہ ابتدا میں ہوئے رنج انتہا کے مجھے
دیئے ہیں ہجر میں دکھ درد کس بلا کے مجھے
شب فراق نے مارا لٹا لٹا کے مجھے

ہوا ہے مد نظر اس طرح سے ترسانا
بناؤ کرتے نہیں بدگماں بتا کے مجھے

عدو کے شکوے پہ یہ انفعال بھی ہے نیا
وہ منہ ہی منہ میں سناتے ہیں سر جھکا کے مجھے

نہ کی شکایت معشوق شرم عصیاں سے
کہ اور جھینپ چڑھی سامنے خدا کے مجھے

ہجوم ناز میں گھر کر دکھائی دی دل نے
یہ لوٹے لیتے ہیں تنہا غریب پا کے مجھے

ارادہ قتل کا ہے یا ہیں شکل کے مشتاق
وہ گھورتے ہیں بہت سامنے بلا کے مجھے

عجیب غیر کے افسانے میں ہے کیفیت
یہ حال سنئے ذرا سی کبھی پلا کے مجھے

مکدر اہل فلک میری مشت خاک سے ہیں
بگاڑ ڈال دیا آدمی بنا کے مجھے

طریق مہر و وفا میں کمی کئے ہی بنی
خیال تھا وہ نہ پچھتائے آزما کے مجھے

بغیر موت کے کس طرح کوئی مرتا ہے
یقیں نہ آئے تو وہ دیکھ جائیں آ کے مجھے

بلائے عشق تو دشمن کو بھی نصیب نہ ہو
مرا رقیب بھی رویا گلے لگا کے مجھے

کہا یہ دل نے چلو آج کوئے قاتل میں
اجل کہاں سے کہاں لے گئی لگا کے مجھے

ہر ایک شخص کو حاصل جدا ہے کیفیت
جفا کے لطف تجھے ہیں مزے وفا کے مجھے

ستم تو یہ ہے کہ پھر اس خوشی کی قدر نہیں
تم اپنے دل میں ہو خوش کس قدر ستا کے مجھے

غضب ہے آہ مری داغ نام ہے میرا
تمام شہر جلاؤ گے کیا جلا کے مجھے

اشعار متفرقات

روز نخست عشق سے حسن ہی سرفراز تھا
کون نیاز مند تھا تو ہی تو بے نیاز تھا

دیگر

وہی پیش نظر آیا کہ تھا جس بات کا کھٹکا
رکا جب ہاتھ قاتل کا مری آنکھوں میں دم اٹکا

دیگر

نیلی پیلی کرتے ہیں آنکھیں وہ مجھ کو دیکھ کر
ایک رنگ آتا ہے اک جاتا ہے مجھ رنجور کا

دیگر

غیر کو گھر میں چھپا رکھا مری آنکھیں ڈھانکیں
کھیل یہ آنکھ مچولی کا نرالا دیکھا

دیگر

آپ نے کیوں کر کیا اقرار کیوں کر ہو گیا
اور پھر اس پر یہ حیرت مجھ کو باور ہو گیا

دیگر

کرم اے ابر رحمت دھو ہماری روسیاہی کو
کہ اب غسل میت سے یہ داغ اپنا نہ چھوٹے گا
قدم لینے کو کانٹے منتظر ہیں دشت وحشت میں
سنا ہے آج زنداں سے ترا دیوانہ چھوٹے گا

دیگر

اے داغ ہے ایسی ترے اشعار میں گرمی   سن کر جسے آجائے سخن ور کو پسینا

دیگر

دم تکبیر میرا قاتل ناداں جو ششدر تھا   زبان تیغ پر بے ساختہ اللہ اکبر تھا
جب آئے روبرو وہ کہہ گئے دیکھا نہیں ہم کو   کیا ملزم کہ تیرے سامنے تیرا مقدر تھا

دیگر

روزہ نہ کھلا عید کے دن بھی رمضان کا — دشمن ہی رہا شیخ حرم پیر مغاں کا

دیگر

تپش دل کا تماشا نہ رہا — جب کوئی دیکھنے والا نہ رہا

دیگر

لٹ گئے خود آئینہ مد مقابل کیا ہوا
آپ اپنی تو خبر لیں آپ کا دل کیا ہوا
گرچہ ان سے بھی گیا خوش ہوں مگر اس بات سے
میرے دل کو کہہ رہے ہیں وہ مرا دل کیا ہوا

دیگر

کیا جو وعدہ و ملنا ضرور تھا کہ نہ تھا — کوئی تمہارے لئے ناصبور تھا کہ نہ تھا

دیگر

ایک ہی وعدے سے کیا صبر مری جاں ہو گا — اور بھی بعد قسم کے کوئی پیماں ہو گا

دیگر

مجھ کو وعدے نے ترے جی سے گذرنے نہ دیا
میں نے چاہا تھا کہ مر جاؤں تو مرنے نہ دیا
وعدہ لیتے ہی وہ باتوں میں لگایا ہم نے
دیر تک اس کو کسی طرح مکرنے نہ دیا
کیا میرے نام سے محشر میں نہ ڈگری ہوتی
اس نے جھگڑا وہ کیا فیصلہ کرنے نہ دیا

ردیف ٹ

ظالم یہ دیکھو چوٹ پڑی میری آنکھ میں کاری لگی ہے کیا تری ترچھی نظر کی چوٹ

دیگر

آگے آنکھوں کے اندھیرا چھا گیا کچھ دکھائی دے تو دیکھوں دل کی چوٹ

ردیف چ

ہروقت دل کے یار ہیں تشویش، فکر، سوچ ہر آن میں ہزار ہیں تشویش، فکر، سوچ

ردیف ڈ

چار دن کا ہے سب غرور گھمنڈ کیجئے اپنے دل سے دور گھمنڈ

ردیف ر

جب شباب آکر زلیخا کے دوبارہ دن پھرے
کھل گئیں آنکھیں سی یوسف کی یہ عالم دیکھ کر

دیگر

سر بھی جائے تو نہ جائے گا یہ سودا ہو کر
مجھ کو لپٹا ہے جنوں جھاڑ کا کانٹا ہو کر

ردیف ڑ

غرض نہیں ہمیں ذکر عدو نہ چھیڑ کہ چھیڑ
ہماری تجھ سے نہیں گفتگو نہ چھیڑ کہ چھیڑ

ردیف ز

واقف نہیں ہم عشرت و آرام ہے کیا چیز
کہتے ہیں مئے ناب کے، جام ہے کیا چیز

ردیف ق

تڑپنے والوں کی تصویر کھینچ یوں بہزاد
ادھر جواب میں دل ہو ادھر جواب میں برق

ردیف ن

آپ کے سر کی قسم زلف میں یہ بات کہاں
جو الجھتی' ہیں اٹکتی ہیں تمہاری آنکھیں

دیگر

کیوں کیا خواب میں دیکھا تھا کس برق تجلی کو
کب اب تک دیکھئے شعلے ان آنکھوں سے نکلتے ہیں

دیگر

جو متاع ہنر بیش بہا رکھتے ہیں ان کو آنکھوں سے خریدار لگا رکھتے ہیں

دیگر

اے تاکا اسے جھانکا یہی نقشہ دیکھا چلتی پھرتی ہیں قیامت کی تمہاری آنکھیں

دیگر

جب جان کا سوال ہو کیا دے کوئی جواب
میں چپ رہا تو کہتے ہیں تو نے سنا نہیں

دیگر

خیال ذرۂ ریگ بیاباں کوئی جاتا ہے
پھریں گے تر مرے تربت میں بھی مجنوں کی آنکھوں میں

دیگر

کرے دعوائے ہم چشمی تو مژگان دراز اس کی
چبھوئے خوب نکلے نرگس شہلا کی آنکھوں میں

دیگر

ہیں لال پری نشہ مے سے پری آنکھیں
پھر اس پہ دھواں دھار وہ کاجل بھری آنکھیں

دیگر

وہ نقد دل کو ہمیشہ نظر میں رکھتے ہیں
جو آنکھوں والے ہیں اچھا برا پرکھتے ہیں

دیگر

ہمارے شمع رو کے سامنے یوں شمع پر جلنا
الٰہی کیسی چربی چھائی پروانے کی آنکھوں میں

دیگر

سما جائے اگر وہ غیرت گل تیری آنکھوں میں
نظارہ گل کا گذرے خار بلبل تیری آنکھوں میں

دیگر

آدمی کو بری نظر سے دیکھ اے فلک خاک تیری آنکھوں میں

دیگر

خبر سے کاجل گھلا رہتا ہے اب تو ہر گھڑی
اس بلا کو پالنا آنکھوں میں دیکھ اچھا نہیں

دیگر

بے وجہ نہیں آپ کی شرمائی ہیں آنکھیں
آشوب ہے یا نشے سے جھک آئی ہیں آنکھیں

دیگر

زاہد کو ہے پھر جلوۂ دیدار کی حسرت
بجلی کی چمک دیکھ کے چندھیا گئیں آنکھیں

دیگر

کیا یہ بتان خوشرو اک ہم کو کھینچتے ہیں
اپنی طرف یہ کافر عالم کو کھینچتے ہیں

دیگر

ہزاروں تارک دنیا جہان میں دیکھے
جہاں میں تارک جنت وہ کون ہے میں ہوں

دیگر

بات کرتے ہیں خوشی کی بھی تو اک رنج کے ساتھ
وہ ہنساتے بھی ہیں ایسا کہ رلا دیتے ہیں

دیگر

جو بار بار نہ ہو وہ ترا عتاب نہیں
یہ جاکے آئے نہ کیوں غصہ ہے شباب نہیں

دیگر

ہم اپنے دل کے ہاتھوں مورد صد رنج و آفت ہیں
یہ سب حضرت کی خوبی ہے جو یہ کچھ ہیں سو حضرت ہیں

ردیف و

تو ہم سے بدگماں تو دل مبتلا نہ ہو
تیری برائی چاہیں گے تیرا برا نہ ہو

بے وجہ یہ نیاز نہیں غور کیجئے
کیوں التجا کریں جو کوئی مدعا نہ ہو

اول تو یہ دعا تھی کہ وہ بھی ہو بے قرار
اب کہہ رہا ہوں یہ کہیں میرا کہا نہ ہو

دل جائے جان جائے قیامت ہی کیوں نہ آئے
سب کچھ مجھے قبول مگر تو خفا نہ ہو

دیگر

وہ نظر باز وقت نظارہ
آنکھوں آنکھوں میں کھا گیا دل کو

دیگر

مری طرح سے شب غم کوئی تباہ نہ ہو کروں گواہ خدا کو تو وہ گواہ نہ ہو

دیگر

وفائے وعدہ خدا جانے آج ہو کہ نہ ہو درست غیر سے اس کا مزاج ہو کہ نہ ہو
گناہ کیا ہے و معشوق کی طلب واعظ جب آدمی ہے تو پھر احتیاج ہو کہ نہ ہو

ردیف ہ

بادہ کشی سے ایسی توبہ یامرے اللہ میری توبہ
میرے دل سے کوئی پوچھے غم الفت کے مزے
کہ لگا رکھا ہے مدت سے اسے جان کے ساتھ
کہہ دے ایمان سے تو غیر کے گھر جانے کی
کہیں فقط جائے گا ایمان ہی انسان کے ساتھ

دیگر

جھگڑے لگے ہیں یوں تو بہت آدمی کے ساتھ
یا رب نہ ہو کسی کو محبت کسی کے ساتھ
جب یہ نہ ہو تو کیوں نہ ہو دنیا و دیں خراب
سارے لگاؤ رہتے ہیں دل کی لگی کے ساتھ

ردیف ی

بھرے بیٹھے ہو تم محفل میں اے داغ کہے دیتی ہے خاموشی تمہاری

دیگر

جو بیٹھیں آنکھیں تو پلکیں بھی کوئی پل کی ہیں
رہی ہیں بس یہی آنکھوں کی سوئیاں باقی

دیگر

ہلایا جب مری آہ و فغاں نے زمیں پکڑی ہے کیا کیا آسماں نے

دیگر

رقیبوں سے ہے دوستداری تمہاری نبھے گی نہ ہرگز ہماری تمہاری

دیگر

ہر رنگ میں ہے داغ سا ہم رنگ کہاں ہے
بوڑھوں میں وہ بوڑھا ہے جوانوں میں جواں ہے

دیگر

رنج دیتے ہیں اسی کو آپ جو رنجور ہے
یہ کہاں کی رسم ہے، کس ملک کا دستور ہے

دیگر

خاک میں تم ملانے آتے ہو یوں بھی کوئی کسی سے ملتا ہے

دیگر

اے داغ یہ کیا بات ہے ہم کو تو بتاؤ رہتا ہے وہاں ذکر تمہارا کئی دن سے

دیگر

ساقیا چاٹ لگی چاہئے پیمانے کی ہم تو لے ڈالیں گے مٹی ترے مے خانے کی

دیگر

کہتے ہیں لوگ تیری طبیعت الٹ گئی یہ جانتے نہیں مری قسمت الٹ گئی

دیگر

غضب ہے اس ستم گر پر دل امیدوار آئے
کرم سے جس کو نفرت ہو وفا سے جس کو عار آئے

دیگر

اپنی تقدیر پہ گریاں جو شب غم ہو گی گل خورشید قیامت پہ بھی شبنم ہو گی

دیگر

غیر پر ان کی طبیعت آئی گر یہ سچ ہے تو قیامت آئی
دل پہ ہر روز اک آفت آئی یہ گئی اور قیامت آئی

دیگر

ہم اپنے کاتب اعمال کو ملا لیں گے گناہ سہل ثبوت گناہ مشکل ہے

دیگر

یہ کیا ہے حضرت ناصح ذرا سنو تو سہی ہر اک سے کہتے ہو میری ذرا سنو تو سہی

دیگر

باطن میں کینہ اور بظاہر یہ بات ہے   دنیا کہے کہ داغ پہ کیا التفات ہے

دیگر

محبوبیت کی شان نہیں ہے ستم گری   محبوب ہو کے آپ دل آزار کیوں ہوئے
گر ہو نہ ہو تو بے خودی شرم جرم ہو   کیا جانیں ہم سزا کے سزاوار کیوں ہوئے
اپنے جمال ہوش ربا کی خبر بھی ہے   کہتے ہو ہم سے طالب دیدار کیوں ہوئے
تھوڑے دنوں میں لطف اسیری ملا نہ تھا
ہم کیا کہیں کہ چھٹ کے گرفتار کیوں ہوئے

دیگر

ملا کر آنکھ سے آنکھ اس کو گریاں کر دیا کس نے
کہ اپنی آنکھ نم کی قطرۂ شبنم سے نرگس نے

دیگر

اہل محفل سے ملائی آنکھ جب اس نے ذرا
مختلف سب سے اشارے ہو گئے ہر بات کے

دیگر

بولے وہ ماہ مصر کی تصویر دیکھ کر ہاں خیر کچھ درست ہے یہ آنکھ ناک سے

دیگر

تنہا جو آیئے مری آنکھوں پر آیئے ساتھ اپنے غیر کو نہ کبھی لے کر آیئے

دیگر

دیکھا نہ وقت ذبح بھی اس رشک حور کو آنکھیں الٹ گئیں یہ مصیبت تو دیکھئے
کرتا ہے داغ کوچہ قاتل میں تاک جھانک پردے پڑے ہیں آنکھوں پہ غفلت تو دیکھئے

دیگر

ٹھیکری آنکھوں پہ دانستہ جو مجنوں رکھتا لیلی پردہ نشیں جامے سے باہر ہوتی

دیگر

ان سے نگاہ ملتے ہی دل پر لگی ہو چوٹ بجلی سی اپنی آنکھوں کے نیچے چمک گئی

دیگر

دل کو چرا لیا ہے نگاہوں سے اور پھر آنکھوں میں بیٹھتے ہیں ڈھٹائی تو دیکھئے

دیگر

آپ کی آنکھوں میں کس طرح نہ ٹیسو پھولے   زردی چہرۂ بیمار اثر کرتی ہے

دیگر

خورشید میرے سامنے یا شمع طور ہے   آنکھیں جو تیوراگئیں یہ کس کا نور ہے

دیگر

اس بدگماں کو نشہ ے کا گماں ہے   آنکھیں چڑھی ہوئی ہیں ہماری بخار سے

دیگر

ہر طرف مجمع اغیار ہی دیکھا ہم نے   آنکھیں دوڑائیں تری بزم میں کیا کیا ہم نے

دیگر

ہفت افلاک سے تاثیر دعا مانگتی ہے   سات گھر بھیک یہ مانند گدا مانگتی ہے

دیگر

چھپ کے بیٹھے ہو مرے دل میں یہ پردا کیا ہے
دیکھنے والے سے پوچھے کوئی دیکھا کیا ہے
جو گھڑی عیش کی گذرے وہ غنیمت جانو
زندگانی کا مری جان بھروسا کیا ہے

دیگر

بالیں سے نہ اٹھنا تھا' کیا تم نے قیامت کی
لو بیٹھ گئیں آنکھیں بیمار محبت کی

دیگر

غم حسین میں اٹھے گا سرخ رواے داغ   یہ بوجھ تونے اٹھایا علی علی کرکے

دیگر

تو کرے الطاف دشمن پر ستم یہ بھی تو ہے
غم غلط ہو غیر کا مجھ کو الم یہ بھی تو ہے

کوئے جاناں میں اڑا لے چل تن لاغر مرا
ایک تنکا اے نسیم صبح دم یہ بھی تو ہے

دیگر

کیا تڑپنے ہی کو خالق نے طبیعت دی ہے — صبر دے گا وہی جس نے تری الفت دی ہے
بادشاہوں کو یہی لوگ ہیں دینے والے — یہ فقیروں ہی کو اللہ نے ہمت دی ہے

خمسہ بر غزل خود مصنف

کہتا ہے کیا کہ جاہل رندانے آدمی ہیں
رندانے آدمی تو فرزانے آدمی ہیں
جو آدمی ہو لیکن وہ جانے آدمی ہیں
زاہد نہ کہہ برے یہ مستانے آدمی ہیں
تجھ کو لپٹ پڑیں گے دیوانے آدمی ہیں

یہ لوگ وہ ہیں ان سے الفت ہزار کیجئے
ان کو یہ فکر ہر دم چوکیں تو وار کیجئے
ان سے جو ربط کیجئے بیگانہ وار کیجئے
غیروں کی دوستی پر کیوں اعتبار کیجئے
یہ دشمنی کریں گے بیگانے آدمی ہیں

یہ سچ کہ لوگ جو ہیں سو درد و غم سہارے
ظلم و ستم کے کشتے اندوہ و غم کے مارے

منت سے پوچھتے ہیں آزار و رنج سارے
جو آدمی پہ گذرے وہ اک سوا تمہارے
کیا جی لگا کے سنتے افسانے آدمی ہیں

جب غیر کوئی آئے بے شبہ اس کو ٹوکے
ہم روز کے سلامی کیوں کھائے ہم پہ دھوکے
اب جی میں ٹھن گئی ہے جائیں گے جان کھو کے
کیا چور ہیں جو ہم کو دربان در پہ روکے
کہہ دو کہ یہ تو جانے پہچانے آدمی ہیں

دے جلد بھر کے ساغر جو کچھ خم میں باقی
غافل یہ صحبت مل ہے امر اتفاقی
کم ظرف جو ہوں ان سے کر تو یہ خوش مذاقی
مے بوند بھر پلا کر کیا ہنس رہا ہے ساقی
بھر بھر کے پیتے آخر پیمانے آدمی ہیں

قسمت پر اپنی مجھ کو کیوں کر نہ آئے حسرت
ناکارۂ جہاں ہوں صورت نہ میری سیرت
تم کو ہی کچھ نرالی ایسی نہیں کدورت
میں وہ بشر کہ مجھ سے ہر آدمی کو نفرت
تم شمع وہ کہ تم پر پروانے آدمی ہیں

بے محنت مکیں کب کوئی مکاں بنا ہے
دیکھو خلیلؑ ہی سے کعبہ بنا ہوا ہے
ہے گرچہ اک خرابہ لیکن تمہاری جا ہے
تم نے ہمارے دل میں گھر کر لیا تو کیا ہے

آباد کرتے آخر ویرانے آدمی ہیں

ہم عشق کے ہیں بندے کب عشق ہم سے چھوٹا

یہ عشق کا مزا ہے ہو لب پہ جام صہبا

صہبائے عشق کو بھی کہتے ہیں آپ بے جا

اے شیخ صاحب اس جا کیجئے کلام ایسا

حضرت کو تاکہ کوئی یہ جانے آدمی ہیں

ان خدمتوں کا اپنی حق لیں گے روز محشر

دنیا میں جانتے ہو جیسے فدا ہیں تم پر

پھر بندگی ہماری دیکھو گے بندہ پرور

جب داور قیامت پوچھے گا تم پہ رکھ کر

کہہ دیں گے صاف ہم تو بیگانے آدمی ہیں

اے کشتہ تغافل اے بسمل جدائی

مجروح ناوک غم مقتول بے وفائی

کب ہوتی ہے کسی سے جو تو نے کر دکھائی

شاباش داغ تجھ کو کیا تیغ عشق کھائی

جی کرتے ہیں وہی جو مردانے آدمی ہیں

خمسہ بر غزل حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ

ایں چہ رفتار ست بے جا مے روی بے خودانہ مست صہبا مے روی

مے روی و بے محابا مے روی سرو سیمینا بصحرا مے روی

نیک بد عہدی کہ بے ما مے روی

ثانی نظارۂ روئے نکو جلوۂ دیدار محشر ہو تو ہو
کب ملا یہ دن کلیم و طور کو اے تماشا گاہ عالم روئے تو
تو کجا بہر تماشا مے روی

کون کر سکتا ہے تجھ سے ہم سری سب حسینوں پر ہے تجھ کو برتری
ہے حجاب و شرم طرز دلبری روئے پنہاں دارد از مردم پری
تو پریرو آشکارا مے روی

حسن تیرا غیرت شمس و قمر ناز تیرا دلکش و جادو اثر
خوش ہو کیا ایسا کسی کو دیکھ کر گر تماشا مے کنی در خود نگر
کے بخوشتر زیں تماشا مے روی

آدمی سے بولتا ہے آدمی فکر یہ کیسی ہے کیسی خامشی
منتظر ہوں دیر سے کہہ تو سہی مے نوازی بندہ را یا مے کشی
مے نشینی یک نفس یا مے روی

ہے خرام ناز سے دل شاد شاد گرچہ پامالی بھی ہو حد سے زیاد
عاشق پابوس کی آئے مراد گر قدم بر چشم من خواہی نہاد
دیدہ بر رہ مے نہم تا مے روی

جو ترا شیدا ہوا روز نخست تیری فرقت میں رہا کب تندرست
داغ نے اچھا سنا یہ شعر چست دیدۂ سعدی و دل ہمراہ تست
تانہ پنداری کہ تنہا مے روی

سلام

ان کو مجرا تھے جو زیر آسماں بیٹھے ہوئے
بھوکے پیاسے بے وطن بے خانماں بیٹھے ہوئے

شور ماتم سن کے اہل بیت کا سب اہل شام
شادیاں کرتے تھے گھر میں شاداں بیٹھے ہوئے

شاہ اس پر بھی اٹھا دیتے تھے اعدا کے قدم
تیر تن پر دل پہ داغ جاں ستاں بیٹھے ہوئے

وا دریغا دست عابد میں تو ہو ان کی مہار
اور اونٹوں پر چلیں کچھ سارباں بیٹھے ہوئے

کربلا سے شام تک دم دم کی جاتی تھی خبر
جابجا تھے ڈاک پر سب خط رساں بیٹھے ہوئے

امت عاصی کے حق میں شاہ نے مانگی دعا
جانب قبلہ زمیں پر نیم جاں بیٹھے ہوئے

جب مدینے میں شہادت کی خبر اڑ کر گئی
کچھ کھڑے روتے تھے کچھ پیر و جواں بیٹھے ہوئے

کوفیوں نے خود بلا کر یہ ستم برپا کیا
اپنے گھر تھے چین سے شاہ زماں بیٹھے ہوئے

حلق پر خنجر چلا سبط رسول اللہ کے
کہاں ہیں عابد نے غم کی برچھیاں بیٹھے ہوئے

بیٹھے بیٹھے پشت زیں پر ہی پڑی شہہ نے نماز
زخم کاری تھے بہت تا استخواں بیٹھے ہوئے

راہ تسلیم و رضا میں اہل بیت مصطفیٰ
صبر کا کرتے تھے باہم امتحاں بیٹھے ہوئی

کہہ رہے تھے العطش جس وقت سب اہل حرم
سب کی سنتے تھے شہہ کون و مکاں بیٹھے ہوئے

قطعہ

حضرت عابد کو زنداں میں بھی تھا اتنا لحاظ
ہم سے غافل ہوں نہ در پر پاسباں بیٹھے ہوئے

رات کو چپ چاپ ہوتی تھی کوئی دم کو اگر
پھر ہلا دیتے تھے اپنی بیڑیاں بیٹھے ہوئے

شاہ کے ماتم میں روئے ہیں بہت حور و ملک
دیکھنا جنت میں بھی ہوں گے مکاں بیٹھے ہوئے

حج زیارت کر چکے اب کربلا کو بھی چلو
داغ مدت ہو گئی تم کو یہاں بیٹھے ہوئے

سلام

سلام اس کو کیا جس نے نام چار طرف
اسی کے نام درود و سلام چار طرف

پڑی تھی گھیرے ہوئے فوج شام چار طرف
حسین بیچ میں تھے روک تھام چار طرف

خضر بھی لا نہ سکے ایک بوند پانی کی
یہ اشقیا کا رہا انتظام چار طرف

نکل کے جائیں شہہ دیں نہ کربلا سے کہیں
پہنچ گیا تھا یہی حکم عام چار طرف

جب ایک بار ہی ساری سپاہ ٹوٹ پڑی
کیا ہے شاہ نے کیا قتل عام چار طرف

مدد کہیں سے نہ پہنچے یہ سب کو دھڑکا تھا
حسینؑ ابن علیؑ کا تھا نام چار طرف

یہ عرض شاہ سے کی حر نے کیجئے اپنا
نہ بھٹکے یا مرے مولا غلام چار طرف

عدو کی جان پہ گرتی تھی ہر طرف بجلی
چمک رہی تھی جو تیغ امام چار طرف

ادھر تو خیمہ اطہر میں ہر طرف ماتم — ادھر خوشی کی پڑی دھوم دھام چار طرف
قضا بھی آئی تو مرمر کے آئی مقتل میں — عجب طرح کا رہا اژدھام چار طرف
در آیا جب صف اعدا میں ابن شیر خدا — تو بھاگتے نظر آئے تمام چار طرف
بلا بلا کے کریں کربلا میں شہہ کو شہید — پہنچ گئے تھے یہ خفیہ پیام چار طرف
ہزار قتل کئے ذوالفقار حیدرؑ نے — قضا نے خوب کیا اپنا کام چار طرف
کھڑی ہوئی تھیں شہیدوں کے واسطے حوریں — لئے ہوئے مئے کوثر کے جام چار طرف
محب آل محمدؐ محب حق ہو گا — یہ مشتہر ہے نبیؐ کا کلام چار طرف
مثال خلط عناصر تھے متفق دشمن — اگرچہ پھیلے ہوئے تھے تمام چار طرف

رہے گا حشر تک اے داغ ربع مسکوں میں
غم حسین علیہ السلام چار طرف

رباعیات

بے مہری بے مہر سے دل سرد ہوا — جو حوصلہ تھا پست ہوا گرد ہوا
جو صاحب درد ہو کرے داغ کی قدر — بے داغ ہوا کوئی تو بے درد ہوا

بے فائدہ انسان کا گھبرانا ہے — ہر طرح اسے رزق تو پہنچانا ہے
تاروں کے خزانے سے بھی مل جائے گا — منظور جو اللہ کو دلوانا ہے

صد شکر پہنچ فخر زماں تک تو ہوئی — معراج مجھے ایسے مکاں تک تو ہوئی
پستی سے فلک نما پہ آیا اے داغ — اونچی مری تقدیر یہاں تک تو ہوئی

دریا کو اگر گوہر خوش آب دیا　　گردوں کو اگر مہر جہاں تاب دیا
اے داغ وہ ان کا تھا یہ تیرا حصہ　　اللہ نے حاتم تجھے نواب دیا

ہے صاحب اقبال وقار الامرا　　ہے مظہر اجلال وقار الامرا
اے داغ عجب کیا ہے پھریں تیرے دن　　ماضی کو کرے حال وقار الامرا

شہرت ہے بڑی شان سے آئے نواب　　اقبال کے سامان سے آئے نواب
جان آگئی اے داغ ہمارے تن میں　　جب ہم نے سنا کلن سے آئے نواب

دریائے سخا کان عطا کون کہ آپ　　مشکل کے مری عقدہ کشا کون کہ آپ
داغ اپنی پریشانی دل کس سے کہئے　　نواب وقار الامرا کون کہ آپ

مجھ سا نہ ہو دکھ درد کا سہنے والا　　بے فائدہ بے قاعدہ رہنے والا
حضرت سے مرا شوق حضوری جو کہے　　ایسا نہیں ملتا کوئی کہنے والا

ذی مرتبہ ذی شان ہے خان خاناں　　ہر چشم میں انسان ہے خان خاناں
ہر سینے میں دل ہے اور دل میں امید　　قالب میں مری جان ہے خان خاناں

گنجینہ دولت سے سخاوت بڑھ کر　　ایثار و سخاوت سے شجاعت بڑھ کر
نواب وقار الامرا کے اوصاف　　بڑھ کر ہیں زمانے سے نہایت بڑھ کر

نواب غم و رنج سے آزاد رہے
اللہ کرے صاحب اولاد رہے
اے داغ ہمیشہ یہ دعا ہے اپنی
یا دور فلک خوش رہے آباد رہے

مہدی کو اگر خیر زماں کہتے ہیں
یا محسن ملک اس کو یہاں کہتے ہیں
زیبا ہے کہیں محسن عالم اے داغ
جو چاہئے کہنا وہ کہاں کہتے ہیں

اس خیر کا انسان کوئی ہو تو سہی
ذی مرتبہ ذی شان کوئی ہو تو سہی
ہر شخص کی ملحوظ ہے خاطر داری
یوں دل کا نگہبان کوئی ہو تو سہی

ہے باغ شجاعت کا شجر افسر جنگ
ہے بحر سخاوت کا گہر افسر جنگ
ذی مرتبہ، حوصلہ، ذی شان، ذی عقل
اے داغ نہیں کوئی مگر افسر جنگ

خورشید سے انور ہے تری رائے منیر
امید سے بڑھ کر ہے ترا فیض کثیر
نواب منیر ملک یکتائے زماں
آپ اپنا جواب اپنی مثال اپنی نظیر

یہ کہ دباتے ہیں مجھے سب اغیار
دلواؤ جو کچھ ہم کو تو ہو وصل نگار
ایمان کی اے داغ جو پوچھو یہ ہے
ہیں راشی و مرتشی تو دونوں فی النار

سلطان دکن کے ہوئے اشفاق بہت
اشخاص نے مجھ سے کئے اخلاق بہت
دلی کو اگر جاؤں تو مل کر جاؤں
میں آپ کے ملنے کا ہوں مشتاق بہت

جب تک ہیں ضیا بخش مہ و مہر منیر　　جب تک ہے کواکب سے فلک پر تنویر
دل شاد رہے خوش رہے آباد رہے　　نواب قدیر جنگ یا رب قدیر

جب تک ہے جہاں میں دور ساقی باقی　　جب تک رہے لذت تلاقی باقی
باقی کی نہ کیوں ہو عمر و دولت کو بقا　　فانی فانی ہے اور باقی باقی

قطعات

قطعہ تاریخ تہنیت مسند نشینی

نواب محمد مشتاق علی خان والی ریاست رامپور

زہے نشاط، زہے خرمی، زہے عشرت
بنا ہے غیرت فردوس مصطفیٰ آباد

جہاں جہاں ہے خوشی، عیش، انبساط، سرور
زباں زباں سے ادا نغمہ مبارک باد

نگہ نگہ سے ٹپکتا ہے بادۂ عشرت
نفس نفس سے یہ آواز ہے کہ آئی مراد

دھن دھن سے دعائے بقائے دولت و عمر
سخن سخن میں ہے شکر و سپاس حد سے زیادہ

عروج دولت و اقبال و شان و شوکت سے
بنا ہے عالم بالا یہ عالم ایجاد

ہوا وسادہ نشیں روز جمعہ کو نواب
نمازیوں نے دعا دے کے دی مبارک باد

زہے طراوت آب و ہوائے گلشن دہر
قدم جما کے سنبھلتا ہے باغ میں شمشاد

وہ جوش رنگ ہے ہو آب نیشتر بھی شہاب
جو فصد لے رنگ شاخ نہال کی فصاد

مثال خاطر شگفتہ ہر لب امید
برنگ غنچہ شگفتہ ہر گل فریاد

سب اعتدال سے ہیں اب عناصر اربع
سب اتفاق سے ہیں آب و خاک' آتش و باد

مزاج اہل زمانہ میں ہے وہ یک سوئی
مریض کے بھی مرض میں نہ جمع ہوں اضداد

چڑھا کے ساغر صہبائے عشق کو صوفی
پکار اٹھتے ہیں نشے میں ہرچہ بادا باد

قضا قضا کرے لے لے کے ہچکیاں پیہم
کسی مریض کو بھولے سے بھی جو آئے یاد

شرار برق بھی دانتوں میں ڈر سے لے تنکا
ہوائے عدل سے ہو صر صر خزاں برباد

ترے سکون طبیعت قیام دولت سے
کہے نہ اب سے زمانے کو کوئی بے بنیاد

فروغ نیر اقبال سے عجب کیا ہے
پڑھے اگر خط تقدیر کور مادر زاد

ترے زمانے میں دل ہو گئے ہیں آئینہ
ہوا تھا صاف سکندر کے عہد میں فولاد
گدا کو بھی وہ تمول ہے عہد دولت میں
جو اس زمانے میں ہو خسروی کرے فرہاد
ترا اشارۂ آبرو کلید قفل امید
تری نگاہ دل آرزو ہے جان مراد
ڈلی ڈلی کو نمک کی ترستے ہیں اعدا
مٹا ہے عہد میں تیرے وہ نام شور و فساد
اب اس کو سہو کہیں ہم کہ حافظہ ٹھہرائیں
ہمیشہ تجھ کو رہا دے کے بھول جانا یاد
بہت قدیم نمک خوار معتمد ممتاز
یہ داغ مدح سرا ساکن جہان آباد
جگر فگار و دل افگار و مضطر و غم ناک
قتیل خنجر اعدا و کشتہ حساد
اے خدا نے باعزاز و آبرو رکھا
مدام شاد رہا یہ بفضل رب عباد
امیدوار ترحم ہے خواست گار کرم
نگاہ لطف رہے خلد آشیاں سے زیاد

دعائیں دے کے یہ لکھتا ہے مصرع تاریخ
جلوس خسرو عالم پناہ نیک نہاد

۱۳۰۴ھ

قطعہ تاریخ مدار المہامی جنرل اعظم الدین خان

اعظم الدین خان بہادر کو جاہ و منصب ملا باسانی
یہ مدار المہام عالی جاہ مستقل ہے بحکم سلطانی
عدل و انصاف و داد و فیض و کرم عہد دولت میں با فراوانی
داغ آشفتہ ہو گیا مجبور ہے یہ آزار دشمن جانی
تن ہے آلودۂ ہزار امراض دل ہے مجموعہ پریشانی
مانگتا ہے دعائیں صحت کی پھلو پھولو بہ فضل ربانی
اپنے جرنیل کو دیا عہدہ ہے یہ نواب کی ہنر دانی
اس نیابت کی یہ کہی تاریخ
آصف اعظم جہاں بانی

۱۳۰۴ھ

قطعہ تاریخ سال گرہ

نظام الملک آصف جاہ نواب میر محبوب علی خان

والی ریاست حیدر آباد دکن

مسعود مبارک ہو تجھ کو اے خسرو دوراں سال گرہ
یہ سال گرہ ہے سال گرہ کہتے ہیں اسے ہاں سال گرہ

بڑھ کر ہو کلاوہ کاہ کشاں ہر ایک گرہ نجم تاباں
اللہ کرے ہو لاکھ برس یوں لایق و شایاں سال گرہ

یہ چاند ربیع الثانی کا یہ پیر کا دن تاریخ چھٹی
ہے فضل خدا تسویں ہے اب اے شہہ ذی شان سال گرہ

ادریسؑ و مسیحؑ الیاسؑ و خضرؑ دیں بھر کلاوہ رشتہ عمر
تا روز شمار اس کا ہو شمار ایسی ہو فراواں سال گرہ

یہ جشن سجا یہ دھوم مچی عالم کو ملا ہے گنج گہر
ہے عقدہ کشائے بخت جہاں دریا رزر افشاں سال گرہ

وہ شور مبارک باد ہوا، سب گونج رہے ہیں ارض و سما
کیا حور و پری کیا انس و ملک گاتے ہیں خوش الحاں سال گرہ

ہر وقت خوشی، ہر آن خوشی، ہر لحظہ خوشی، ہر لمحہ خوشی
ہے عیش کا ساماں جشن طرب، ہے جشن کا ساماں سال گرہ

آراستہ ہیں بازار و مکاں، پیراستہ ہیں سب پیر و جواں
ہے زینت بلدہ سال گرہ، ہے رونق ایواں سال گرہ

اے داغ دعا سلطان کو دے تاریخ لکھ اس تقریب کی یوں
جاوید ہمایوں بے حد ہو محبوب علی خاں سال گرہ

۱۳۰۶ھ

تاریخ دیگر۔ سال گرہ نظام

۱۳۰۷ھ

قطعہ

ہوئی ہے سال گرہ آج شاہ والا کی — نجستہ فال ہے یہ اور نیک فال گرہ
یہ جشن وہ ہے کہ کہتی ہے ساری خلق اللہ — کھلے نصیبوں کی یا رب ذوالجلال گرہ
ہزار دانہ یاقوت کی بنے تسبیح — بڑھے کلاوہ میں ہر سال ایک لال گرہ

لکھا ہے داغ نے یہ اس کا مصرع تاریخ
ہزاروں سال مبارک یہ جشن سال گرہ

۱۳۰۷ھ

قطعہ مبارکباد در تقریب ولادت باسعادت دختر نیک اختر حضور پر نور حضرت میر محبوب علی خان بہادر آصف جاہ دام اقبالہ و ملکہ

اے خسرو جم حشم فلک قدر — ہے عہد ترا بسا مبارک
اللہ رکھے تجھے سلامت — ہو عشرت جاں فزا مبارک

اللہ نے دی ہے شاہ زادی اللہ کی یہ عطا مبارک
چلہ ہے سکندر النساء کا یہ رسم کرے خدا مبارک
اس دن کی دعائیں مانگتے تھے یہ دن ہے بہت بڑا مبارک
ہوتی ہے ولادت اس میں مسعود ہے ماہ صیام کا مبارک
آئی رمضان میں عید گویا سب عیدوں سے ہے سوا مبارک
دیکھے چھٹی چلے شادیاں سب جلسوں کا ہو دیکھنا مبارک
ہے مطربہ فلک طرب ساز آتی ہے یہی ندا مبارک
سب اہل زمین و اہل افلاک کہتے ہیں جدا جدا مبارک
پھولیں پھلیں نونہال شاہی مقبول ہو یہ دعا مبارک
سرسبز رہے ریاض اولاد اس باغ کی ہو فضا مبارک
عالم کو خوشی ہے کہہ رہے ہیں سب دوست، سب آشنا، مبارک
تقریب سعید و جشن فرخ دنیا میں ہے جابجا مبارک

تاریخ کہی ہے داغ نے آج
نورس تجھے بادشاہ مبارک

۱۳۰۵ھ

قطعہ مبارکباد سال گرہ شاہزادی اعلیٰ حضرت حضور پرنور نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ دام اقبالہ و خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہوئی ہے سال گرہ اج شاہ زادجی لی — رہے ہمیشہ الٰہی بہار سال گرہ
برائے نذر شہنشاہ داغ لکھ تاریخ — زیاد تا بہ ابد ہو شمار سال گرہ

۱۳۰۵ھ

تاریخ حصول شرف حضوری حضور پرنور اعلیٰ حضرت نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ دام اقبالہ و خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

قدم بوس حضرت کا حاصل ہوا — بڑے شوق سے اور ارمان سے
حضوری کی تاریخ پوچھیں اگر — یہ کہ دو ملے' داغ سلطان سے

۱۳۰۵ھ

تاریخ تصنیف و طبع دیوان جناب مستطاب خادم حضرت حتمی پناہی حاجی حرمین شریفین مشیر قیصر ہند نواب کلب علی خان بہادر فرزند دلپذیر دولت انگلشیہ رئیس دلاور اعظم طبقہ اعلائے ستارۂ ہند والی مصطفیٰ آباد عرف رام پور دام ملکہم و اقبالہم

برس دن میں کہا دیوان ایسا میرے آقا نے
سخن ہے نام اس کا طبع نیکو اس کو کہتے ہیں

کہی ہیں داغ نے اک بیت میں دواس کی تاریخیں
یہ ہے وہ بیت رشک بیت ابرو اس کو کہتے ہیں

یہ اول مصرع تاریخ ہے تالیف دیواں کا
زہے معجز بیانی عطر اردو اس کو کہتے ہیں

جو پوچھے کوئی سال طبع پڑھ دوں مصرع ثانی
چھپا مطبع میں اچھا نقش جادو اس کو کہتے ہیں

۱۲۹۳ھ

ایضاً

کیا خسرو آفاق نے دیوان کہا ہے
اللہ رے اللہ یہ دستگہ نظم

کس طرح یہ دیوان نہ ہو سامعہ افروز
کہتے ہیں اسے مہر سخن ہے یہ مہ نظم

ہے روح فزا دل کو یہ عیسیٰ فصاحت
ہے راہ نما شوق کو یہ خضر رہ نظم

اے داغ ہوا طبع کلام شہہ والا
اس نظم کی تاریخ کہی میں نے، شہہ نظم

۱۲۹۵ھ

ایضاً

خسرو عہد کا چھپا دیوان
کیوں نہ ہو عرش پر دماغ کمال

سخن تازہ اس کو کہتے ہیں
تر و تازہ ہے اس سے باغ کمال

مل گیا اس کلام سے اے داغ
ورنہ معدوم تھا سراغ کمال

یہ ہے طبع روشن کا
اس کی تاریخ ہے' چراغ کمال

۱۲۹۵ھ

تاریخ طبع کلیات میاں منیر صاحب

چہ خوب طبع شد ایں بے نظیر کلیات	خوشا تجلی طبع جہاں فروز منیر
خوش است مصرع سال شروع طبع اے داغ	طلوع شد بادوہ مہر نیمروز منیر

۱۲۹۵ھ

ایضاً

جب یہ دیوان ہو چکے مطبوع	ہو گئی نظم و نثر عالمگیر
داغ نے اس کی یہ کہی تاریخ	آفتاب منیر و بدر منیر

۱۲۹۶ھ

قطعہ تہنیت خلعت ریاست نواب مشتاق علی خان بہادر والی رام پور

نواب کو ہو حصول یارب	دارین میں برتری بلندی
خلعت کا ہے داغ عیسوی سال	تشریف شریف ارجمندی

۱۸۸۸ع

تاریخ وفات فرزند جناب راجہ گردھاری پرشاد بہادر

راج بنسی نغز گو باقی تخلص نیک خو
ذی حشم، ذی رتبہ، عالی منزلت، عالی دماغ
اے فلک افسوس یوں ہو جلائے حادثات
اس طرح برباد ہو جائے یکایک اس کا باغ
سال بھر میں دونوں فرزند آگے پیچھے اٹھ گئے
آفتاب خانداں وہ تھا تو یہ گھر کا چراغ
سچ ہے ہستی کے لئے لازم ہوئی ہے نیستی
تنگ نائے دھر میں حاصل نہیں ہوتا فراغ
ایک دن عشرت کدہ چالیس دن ہے غم کدہ
اس جہان پرالم میں کوئی کیا ہو باغ باغ
آدمی کو چاہئے صبر و شکیبائی کرے
جو خدا کے بھید ہیں ملتا ہے کب اس کا سراغ
داغ نے یہ عیسوی سن میں لکھی تاریخ
آہ باقی کو ہوا اب دوسرے بیٹے کا داغ

۱۸۸۸ء

تاریخ ناول منشی ریاض احمد صاحب خیر آبادی

یہ فسانہ کس قدر رنگیں ہوا ہو سکے کیا ہم سے تعریف ریاض
داغ لکھ دو اس کا سال عیسوی ناول نادر ہے تالیف ریاض

۱۸۸۹ء

تاریخ طبع دیوان مرزا محمد قادر بخش تخلص صابر

تجھے آفریں عاقل خوش بیان کیا اپنے استاد کا حق ادا
یہ تاریخ اس کی کہی داغ نے خوشا پاک دیوان صابر چھپا

۱۳۰۴ھ

ایضاً

شہہ سخن سخن شاہزادۂ دہلی چہا فصیح و بلیغ ست و شستہ و معقول
بگفت داغ چنیں سال طبع دیوانش بسا نتیجہ افکار صابر مقبول

۱۳۰۴ھ

تاریخ وزارت نواب رفعت جنگ عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر اکبر بشیر الدولہ سر آسماں جاہ محمد مظہر الدین خان بہادر مدار المہام سرکار عالی

پہلے سلطان ابن سلطان خسرو ملک دکن
پھر بشیر الدولہ عادل امیر ابن امیر
قابل مدح و دعا ہیں لائق وصف و ثنا
بادشاہت بے بدل ہے تو وزارت بے نظیر

یہ دلاور ہے سبکدوش وہ بہادر مکتیں
شاہ عالمگیر، دستور معظم شیر گیر
حبذا خاقان دوراں، مرحبا نواب عہد
اس سے جان آرام میں ہے اس سے دل راحت پذیر
یہ ہے شمع سلطنت تو وہ چراغ ابہت
مالک اقبال روشن صاحب رائے منیر
یہ اگر ابر کرم ہے وہ ہے دریائے نوال
کیوں رہے ملک دکن میں نام کو بھی اب فقیر
داغ تاریخ وزارت اتفاق شہہ سے لکھ
مہر و ماہ آسمان نور ہیں شاہ و وزیر
۱۳۰۵ھ

تاریخ خلعت سر آسماں جاہ بہادر

ملا آج نواب کو خاص خلعت ہوئی دھوم سی دھوم ماہی سے تا ماہ
کہی داغ نے خوب تاریخ اس کی وزیر شہنشاہ سر آسماں جاہ
۱۳۰۵ھ

تاریخ خطاب میجری نواب میجر افسر جنگ بہادر

قدر داں ہے قیصر ہندوستاں کر دیا میجرز راہ معدلت
ہو مبارک یہ خطاب میجری تجھ کو اے نواب والا مرتبت

اے بہادر پاک دل پاکیزہ خوے　مدح کے قابل ہے تیری ہر صفت
قدر داں تیرا رہے شاہ دکن　شام کیسا شاہ فخر سلطنت

مصرع تاریخ لکھا داغ نے
میجر افسر جنگ عالی منزلت

۱۳۰۵ھ

تاریخ باختیار شدن راجہ ہر کشن سنگھ بہادر والی کشن کوٹ ملک پنجاب

جیو بیر بر ہر کشن سنگھ جی　سنا ہے ملا اختیار آپ کو
کہی داغ نے آج تاریخ سال　مبارک کشن کوٹ راجہ کو ہو

۱۳۰۵ھ

ایضاً

راجہ صاحب ذرا اسے سنئے　یہ ہزاروں میں ایک ہے تاریخ
آپ کے اختیار ملنے کی　بخت بیدار و نیک، ہے تاریخ

۱۳۰۵ھ

تاریخ تیاری مکان و باغ نواب قدر الدولہ بہادر

میر نور الحسین خاں ذی جاہ　کرد قصر رفیع و باغ بنا
داغ یک مصرع و دو تاریخ است　خوش جہا قصر، باغ روح فزا

۱۳۰۵ھ

قطعہ تاریخ صحت اعظم الدین خان بہادر

مدار المہام ریاست رام پور

کرم گستر داغ جنرل بہادر — ترا منصب و جاہ ثروت مبارک
شنیدم چو ایں مژدہ تاریخ گفتم — مبارک ہر آئینہ صحت مبارک

۱۳۰۵ھ

تاریخ انتقال نواب دلاور النساء بیگم

جملہ نثر تاریخی۔ نواب دلاور النساء بیگم پاک دامن نے انتقال کیا

ایضاً

قصر جنت میں ہوئیں زینت بخش — بیگم رابعہ اوصاف و خصال
بہر تاریخ یہ کہہ دے اے داغ — پنجشنبہ مہ ذی الحجہ سال

۱۳۰۵ھ

ایضاً

شب پنجشنبہ کو ذی الحجہ میں — یہ واقع ہوا واقعہ جس گھڑی
یہ تاریخ اس کی کہی داغ نے — دلاور نسا طاعتی جنتی

۱۳۰۵ھ

قطعه تاریخ انتقال آفتاب بیگم نور اللہ مرقدہ

بهشت باد نصیب آفتاب بیگم را کزیں جہاں بہمان دگر خراماں شد
نوشت داغ جگر تفتہ مصرع تاریخ عجیب زیر زمیں آفتاب پنہاں شد

۱۳۰۵ھ

قطعه تاریخ رحلت حضرت محمد عبدالنبی شاہ صاحب مجذوب قدس سرہ' واقع ہمکندہ ضلع ملک دکن

زہے درگاہ فیض آثار و پرنور کہ ازماہی منور گشت تا ماہ
برائے چشم و دل وقت زیارت زعرش آید صدائے نور اللہ
دریں جا ہر کہ حاجت مند آمد مراد خویش حاصل کرد دل خواہ
بتجی سورہ انا فتحنا چہ فتح الباب گشتہ باب درگاہ
بعہد میر محبوب علی خان شہ دیں دار و آصف جاہ ذیجاہ
بسعی کار پردازان دولت چہ خوش تعمیر شد الحمدللہ
بگو داغ ازسر اخلاص تاریخ
مزار اشرف عبدالنبی شاہ

۱۳۰۵ھ

تاریخ رحلت حضرت سید حسن رسول نما قدس سرہ العزیز

چو کحل خاک شود زیب دیدۂ بینا بعین عبد بود آشکار سر سما

۱۳۰۳ھ ۱۳۰۳ھ

حبیب پاک بیں نور یثرب و بطحا　　زقبر اطہر سید حسن رسول نما

۱۴۰۳ھ　　۱۴۰۳ھ

افکار داغ

۱۳۰۷ھ

تاریخ طبع دیوان منشی اقبال حسین صاحب وکیل راجہ بیکانیر

عجب روح افزا و فرحت فزا ہے　　بہار سخن سے گلستان عاشق
تم اے داغ یہ اس کی تاریخ لکھ دو　　تصانیف اقبال دیوان عاشق

۱۳۰۷ھ

تاریخ طبع دیوان جناب نواب احمد علی خان بہادر رونق

سخن سنج نواب احمد علی خاں　　سخن را کزو ہست سامان رونق
ہویدا شد اعجاز جلوہ طرازی　　زگفتار رونق بدیوان رونق
ہمہ زیب معنی ہمہ معنی آرا　　زہے رنگ رونق خسے شان رونق
چو پرسید از داغ تاریخ طبعش
بگفتہ شمیم گلستان رونق

۱۳۰۷ھ

تاریخ مراجعت اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مد ظلہ العالی از ہمکنڈہ

ہوئے زیب بلدہ جو شاہ دکن ملا دیدۂ و دل کو نور و سرور
کہو خیر مقدم کی تاریخ داغ ہمکنڈے سے آگئے اب حضور

۱۳۰۷ھ

قطعہ تہنیت تسمیہ خوانی شہزادہ والا تبار میر عثمان علی خان بہادر ولی عہد شاہ دکن

شہزادہ ہوا ہے زیب مکتب بجباں نہ ہو ثانی ولی عہد
سورۃ اقراء کی آج سن لی سلطان نے زبانی ولی عہد
اللہ کرے کہ شاہ دیکھے پیری و جوانی ولی عہد
اس رسم کی داغ تو بھی تاریخ لکھ تسمیہ خوانی ولی عہد

۱۳۰۷ھ

تاریخ وفات محمد تاج الدین خان صاحب شاہ جہان پوری سارجنٹ میجر افواج سرکار نظام دکن

جمعہ ثانی معہ شوال بود کز جہان شد آہ آن یکتائے عہد
داغ سال ارتحالش زد رقم بود تاج الدین خان دانائے عہد

۱۳۰۷ھ

دیگر

در مہ شوال روز جمعہ وائے زیں جہاں پدرود کرد آں نوجوان
داغ سال رحلت از ہاتف شنید دید تاج الدین خان حال جناں

۱۳۰۷ھ

قطعہ تاریخ تہنیت عید ذی الحجہ

میر محبوب علی خاں خسرو ملک دکن یا الٰہی خوش رہے صبح و مسا شام و پگاہ
عید ذی الحجہ کی یہ تاریخ لکھی داغ نے عید حج اسعد مبارک ہو شہہ گیتی پناہ

۱۳۰۷ھ

تاریخ سند یافتن فیض محمد خاں وکیل ساکن بلند شہر

چو فیض محمدؐ امتحاں دادیں بار بگرفت سند برائے کار سرکار
بنوشت دو تاریخ بیک مصرع داغ مختار جزو کل' وکیل مختار

۱۳۰۷ھ

قطعہ تاریخ دیوان جناب مولوی ممتاز احمد صاحب مقیم جوناگڑھ

بارک اللہ محامد احمدؐ کرد ممتاز چوں بصدق و یقیں
داغ تاریخ طبع دیوان گفت جلوہ پرداز نعت سرورؐ دیں

قطعہ تاریخ ولادت باسعادت شہزادہ بلند اقبال

بادشاہ دکن طول عمرہ و قدرہ

ولادت ہوئی شاہ زادے کی آج
کہ جس سے ہوئے شاد سب خاص و عام

اسی دن کی سب مانگتے تھے دعا
دعاگو ہیں اس کے دعا گو تمام

الٰہی یہ مولود مسعود ہو
بحق محمدؐ علیہ السلام

یہ سال ولادت کی آئی ندا
کہ اے داغ لکھ دے، شبیہ نظام

۱۳۰۸ھ

تاریخ ہذا در نثر۔ مبارک باد سال گرہ مبارک

بندگان عالی آصف جاہ دام ملکہ

تبارک اللہ اب آئی یہ ساعت مسعود
مبارک اے شہہ عالی تبار سال گرہ

سعید و فرخ و مسعود سعد و اسعد ہو
حضور کو مرے پروردگار سال گرہ

ہزاروں بار ہوں دربار جشن سلطانی
ہزاروں بار ہو اے شہریار سال گرہ

شگفتہ غنچہ خاطر ہے باغ باغ ہے خلق
ہوئی ہے باغ جہاں کی بہار سال گرہ

زمانہ آج کے دن فیض یاب ہوتا ہے
کہ ہے زمانے میں یہ یادگار سال گرہ

کشود کار کا یہ دن ہے کیا تعجب ہے
جو کھولے اب کے مری ماہوار سال گرہ

کہا ہے داغ دعاگو نے مصرع تاریخ
اسی روش سے ہوں اسی ہزار سال گرہ

۱۳۰۸ھ

تاریخ سرفرازی خطاب نواب داور الدولہ داور الملک داور جنگ داور مرزا علی خان بہادر

ساز گار آئے الٰہی متفق لیل و نہار
یہ سرافرازی مبارک زیب ہے باعزّ و شان
میرزا صاحب ملا ہے یہ خطاب یادگار
داغ نے زیبا کہا ہے سال اس بہبود کا

۱۳۰۸ھ

تاریخ سرفرازی خطاب نواب آصف نواز جنگ آصف نواز الدولہ آصف نواز الملک سید عبدالرزاق علی خان بہادر معتمد صرف خاص سرکار نظام دکن دام اقبالہ

اک خطاب آصف نواز الدولہ آج
شاہ نے بخشا نہایت انتخاب
دوسرا آصف نواز الملک بھی
جس کی قدر و منزل ہے بے حساب
ان خطابوں کے تھے شایاں آپ ہی
سید والا حسب عالی جناب
داغ نے تاریخ اس کی یہ کہی
معتمد صاحب ہوئے زیبا خطاب

تاریخ سرفرازی خطاب نواب انتصار جنگ وقار الدولہ وقار الملک مولوی مشتاق حسین خان بہادر

از انتصار جنگ بہادر وقار ملک — دایم وقار دولت و زیب و سادہ باد
تاریخ ایں عطاے خطابات داغ گفت — افزائش خطاب مبارک زیادہ بادہ

۱۳۰۸ھ

تاریخ صید افگنی حضرت بندگان عالی متعالی مدظلہ العالی بادشاہ ملک دکن

میر محبوب علی خان خسرو آفاق کو — بخت اسکندر دل رستم دیا اللہ نے
داغ اس شیر افگنی کا سال اگر پوچھے کوئی — کہدے' اچھا شیر مارا شاہ آصف جاہ نے

۱۳۰۸ھ

ایضاً

رستم دوراں شہہ ملک دکن — کز نہیبش شیر چرخ آمد ستوہ
کرد چوں شیر افگنی بنوشت داغ — بادشاہ شیر افگن با شکوہ

۱۳۰۸ھ

ولہ

ایک ہفتے کا ہے حساب شکار　　داغ کی تم زبان سے سن لو
کہی گنتی کی ایک ہی تاریخ　　شاہ آصف نے شیر مارے دو

۱۳۰۸ھ

قطعہ تاریخی ترتیب دیوان شہزادہ رحیم الدین حیا

طبع شہزادۂ رحیم الدین　　ہست کان ادا و جان حیا
کرد نواب قدر داں محمود　　تا ابد شہرۂ زبان حیا
زیب ترتیب دادہ جملہ کلام　　کہ بماند ازو نشان حیا
داغ بنوشت سال دیوانش
شاہد شوخی بیان حیا

۱۳۰۸ھ

ایضاً

خوشا توجہ نواب قدر دان محمود　　سخن کی قدر یہ ہے قدر کی بنا یہ ہے
کیا ہے جمع کلام حیا بسعی بلیغ　　کلام کیا ہے کہ معشوق دل ربا یہ ہے
کلام صاف پھر اس طرح کا فصیح و بلیغ　　کسی نے آنکھ سے دیکھا ہے دیکھنا یہ ہے
کہا ہے داغ نے سن لو یہ مصرع تاریخ
سخن طرازی شہزادہ حیا یہ ہے

۱۳۰۸ھ

قطعہ تاریخ تصنیف واسوخت منشی نجیب الدین صاحب نجیب ملازم ریاست کوروائے

بنا دلبر زمانے کا یہ واسوخت الدین کیا کہنا تمہارا
ہوا جلنے جلانے کا یہ واسوخت ہے داغ نے تاریخ اس کی

۱۳۰۸ھ

قطعہ تاریخ تقویم میر حیدر علی صاحب حیدر آبادی

نوشتہ دور شمس و ماہ و اختر کنوں حیدر علی استاد کامل
زہے نقش جہاں تقویم حیدر بگفتم مصرع تاریخ اے داغ

۱۳۰۹ھ

تاریخ طبع دیوان مشفقی میر ضامن علی صاحب جلال

یا رب رسد نوید بہر صاحب کمال دیوان باندا ق سخن سنج طبع شد
آہنگ طبع نازک ضامن علی جلال برجستہ گفت مصرع تاریخ طبع داغ

۱۳۰۰ھ

قطعہ تاریخ رحلت طوبیٰ آشیان مرزا محمد سلطان فتح الملک شاہ فخر الدین ولی عہد بہادر گورگانی

انار اللہ برہانہ

غم فتح ملک سلطان چہ بلائے جان و دل شد
وحدش مقام جنت زکرم کریم غفار
چوز داغ سال رحلت دل درد مند پرسید
بکشید آہ حسرت دو صد و دوازدہ بار

۱۲۷۳ھ

قطعہ تاریخ مقتول شدن جنرل محمد اعظم الدین خان بہادر جنرل ریاست رام پور

محمد اعظم الدین خان بہادر عظیم الشان معظم اعظم عصر
وزیر رام پور و جنرل فوج امیر باوقار و اکرم عصر
حکیمے ماہر طرز زمانہ فہیمے واقف کیف و کم عصر
سوم تاریخ ماہ صوم در شب بغفلت کشتہ شد آں ضیغم عصر
بعمر چہل و پنج افسوس افسوس رہائی یافت از قید غم عصر
عجب نبود اگر تا عرش اعلیٰ رسد فریاد اہل ماتم عصر
بفکر سال داغ از ہاتف غیب
ندا آمد مزار رستم عصر

۱۳۰۸ھ

تاریخ رحلت زمانی بیگم مرحومہ صبیہ محمد ابراہیم خان لمبردار لونی ضلع میرٹھ

گشت ایں حادثہ درماہ ربیع الثانی در دو شنبہ .شمار آمدہ بست و چارم
سال مرحومہ و مغفورہ چنیں داغ نوشت کاملہ رفت بفردوس زمانی بیگم

۱۳۰۸ھ

برائے نواب محبوب یار جنگ بہادر نوشتہ شد

اے داغ آج دیدۂ جوہر شناس میں جو آبرو ہے بیش بہادر کے واسطے
اس سے زیادہ ہو سرو سامان و آب و تاب محبوب یار جنگ بہادر کے واسطے

تقریظ مثنوی ضیائے دکن مصنفہ مولوی سید باقر حسن خان صاحب المتخلص بہ ضیا معتمد مجلس عالیہ سرکار عالی

وہ عالی نسب میر باقر حسن وہ سید وہ آل شہہ ذالمنن
وہ اولاد دستور شاہ جہاں مخاطب بہ نواب اسلام خان

وہ سرکار آصف میں ہیں باوقار　　معزز مکرم بڑے عہدہ دار

عدالت کی مجلس میں ہیں معتمد　　نہیں عدل و انصاف کی جن کی حد

طبیعت منور تخلص ضیا　　کہیں جس کو کالشمس و بدر الدجیٰ

وہ شیریں زباں اور شیریں مقال　　کہ پانی بھرے جس کے آگے زلال

ہنرور ہنرمند کے جوہری　　شفیق و کرم گستر داغ بھی

کہی مثنوی کیا عدیم المثال　　محرم کے لنگر کا ہے جس میں حال

وہ چمکی جہاں میں ضیائے دکن　　کہ ہر بیت سورج کی ہے اک کرن

یہ تاریخ بھی قابل دید ہے　　اسی جام میں جام جمشید ہے

ہر اک سطر گیسوے دل دار ہے　　ہر اک نقطہ خال رخ یار ہے

ضیائے دکن پر پڑے گر نگاہ　　تو قرباں ہوں روز و شب مہر و ماہ

بیاں صاف صاف اور ایسا متین　　پھسلتا ہے جس پر دل سامعین

زباں وہ زباں جو فصاحت کی کان　　بیاں وہ بیاں جو بلاغت کی جان

نہیں اس میں مضمون الجھے ہوئے　　ہزاروں بکھیڑے ہیں سلجھے ہوئے

ہزاروں ہیں مضمون جدت کے ساتھ　　الٰہی پھر ایسی فصاحت کے ساتھ

ہر اک لفظ بے ساختہ دل نشین　　مگر پھر کوئی بے رعایت نہیں

مضامیں کی ایسی بندھی ہے لڑی　　کہ ساون کی گویا لگی ہے جھڑی

مرصع وہ ترکیب الفاظ کی　　کہ جیسے جواہر جڑے جوہری

پری بھی ہے حور خوش انداز بھی　　یہ جادو بھی ہے اور اعجاز بھی

فسوں ساز ہے یہ ہر اک ڈھنگ میں　　یہ ہے شعبدہ باز ہر رنگ میں

کوئی اس کا مصرع بگڑتا نہیں　　حریفوں سے بھی اپنے لڑتا نہیں

ہر اک مصرع شوخ ایسا کہا　　ادھر منہ سے نکلا ادھر دل میں تھا

کہیں کچھ کہیں کچھ کہیں کچھ ہے رنگ — مگر ہے زباں کا وہی ایک ڈھنگ
سنو کیا کہا اور کیسا کہا — بچا کر کہا سب سے جتنا کہا
گل اس پر ہے بلبل یہ ایسا ہے باغ — چراغ اس کا پروانہ یہ وہ چراغ
طبیعت رواں ایسی دیکھی نہیں — روانی میں رو ہے کہ رکتی نہیں
کہیں رستمی کر گئے رزم میں — کہیں خسروی کر گئے بزم میں
جو ہے عیش کی شکل جنت کی ہے — مصیبت بھی ہے تو قیامت کی ہے
نرالے مضامیں نئے رنگ ڈھنگ — طبیعت عجب چلبلی شوخ و شنگ
چھلاوہ ہے بجلی ہے طبع رواں — ابھی یہ یہاں تھی ابھی ہے وہاں
طبیعت کی طراریاں دیکھئے — عمرو کی سی عیاریاں دیکھئے
کسی کو میسر یہ چستی نہیں — نہیں اس کی بندش میں سستی نہیں
نزاکت میں گل سے بھی بڑھ کر ہے یہ — رسائی میں بخت سکندر ہے یہ
بلندی میں ہے آسمان بلند — منور مہ و مہر سے بھی دو چند
زبان سے ہے اطہر بیاں کی صفت — بیاں سے ہے باہر زباں کی صفت
دل صاف سے آئینہ منفعل — زباں پاک ایسی کہ مومن کا دل
سخن ور اگر قدر اس کی کریں — ضیا کا دھن موتیوں سے بھریں
سزاوار اس کا نہیں ہر کوئی — دکھائی تو دو شعر لکھ کر کوئی
جو کاغذ فلک کہکشاں ہو قلم — سیاہی شب قیر کی ہو بہم
صفت اس کی لکھیں فرشتے اگر — نہ پوری ہو توصیف المختصر
یہ کیوں کر نہ مطبوع و مرغوب ہو — جب اس کے لئے عہد محبوب ہو
سلامت رہیں پادشاہ و وزیر — رکھے جمع اہل ہنر بے نظیر

سنیں اس کی تاریخ اہل سخن
منور مبین ہے ضیائے دکن — ۱۳۰۸ھ

قطعہ تاریخ میلاد شریف مصنفہ وزیر الدین صاحب تحصیلدار

اللہ کرے قبول اس کو کیا خوب وزیر دیں نے لکھا
اے داغ یہ لکھ دے اس کی تاریخ
میلاد شریف خوب و زیبا

۱۳۰۹ھ

قطعہ مبارک باد جشن عید الفطر در مدح حضرت بندگان عالی حضور پر نور رستم دوران افلاطون زمان سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ السلطان ابن السلطان میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و دام اقبالہ

اے شہہ عالی ہمم، بادشہہ ذی حشم
تو ہے جہان کرم، تجھ سے جہاں فیض یاب

مالک ملک و سپاہ، خسرو گیتی پناہ
رستم دوراں نظام، آصف ثانی خطاب

بخت میں اقبال میں، جاہ میں اجلال میں
آپ ہی اپنا عدیل، آپ ہی اپنا جواب

آج تری نیکیاں، کس سے گنی جائیں گی
کل یہ مقرر ہوا، اس لئے روز حساب

بارش ابر کرم، جب سے ہوئی دمبدم ۔۔۔ کون پریشان ہے، کس کی ہے مٹی خراب
مصلحت خاص اگر، صلح پہ ہو رہنموں ۔۔۔ شیر و شکر ہو رہیں، رستم و افراسیاب
پر تو نور نظر، چھائے جو قطبین پر ۔۔۔ ایک بنے آفتاب، ایک بنے ماہتاب
شیر فلک خوف سے، ماہی بے آب ہے ۔۔۔ شہرۂ شیر افگنی، سن کے ہوا زہرہ آب
تو جو حمایت کرے، وہ ہو قوی ناتواں ۔۔۔ باد مخالف سے بھی، سینہ سپر ہو حباب
شیوۂ حضرت نظام، ہے یہ پے انتظام ۔۔۔ قہر و سیاست بدیر، رحم و عنایت شتاب
عہد میں تیرے ملے، راحت و عیش و سکوں ۔۔۔ دھر کو پھر کیا کہیں، جب نہ رہے انقلاب
شہر ہے گلزاریوں، خلق ہی گلرنگ یوں ۔۔۔ جیسے چمن در چمن، باغ میں پھولے گلاب
بلدہ کا اک اک مکان، امن میں دارالامان ۔۔۔ شہر کی اک اک گلی، جادۂ راہ صواب
شاہ کے بدخواہ کو، گر نہ جلا کر ڈبوئے ۔۔۔ بحر میں کیوں موج ہو، نار میں کیوں التہاب
ہاتھ سے، دشمن کے گم، دولت دنیا ہو یوں ۔۔۔ آ نہ سکے جس طرح، جا کے دوبارہ شباب
کثرت اولاد سے، پھولے پھلے بادشاہ ۔۔۔ اے مرے رب کریم، ہو یہ دعا مستجاب
رزم میں ہو دل نواز، نعرۂ تکبیر و حمد ۔۔۔ بزم میں ہو دلفریب، نغمہ چنگ و رباب
عید کا دربار ہے، ہوتے ہیں اکثر عطا ۔۔۔ منصب و جاگیر و زر، خلعت و جاہ و خطاب
ایک زمانہ ہوا، آج ترقی پذیر ۔۔۔ داغ ہوا خواہ بھی، ذرے سے ہو آفتاب
شاہ سلامت رہے، تا بقیامت رہے ۔۔۔ عدل و سخاوت سے روز، لوٹے ہزاروں ثواب

جشن شہنشاہ کا، مصرع تاریخ ہے
عید مبارک تجھے، اے شہہ آصف جناب

۱۳۰۸ھ

قطعہ تاریخ مبارک باد ولادت باسعادت فرزند ارجمند

نواب رفعت جنگ عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر اکبر

بشیر الدولہ سر آسمان جاہ محمد مظہر الدین خان بہادر

مدار المہام سرکار عالی

دیا آسماں جاہ کو حق نے بیٹا — یہ عالی نسب فخر ہے خانداں کا
اس اختر سے ہے برج اقبال روشن — یہ ہے روشنی بخش کون و مکاں کا
یہ بحر کرم کا در بے بہا ہے — یہ ہے پھول امید کے گلستاں کا
کھلا غنچہ آرزوئے خلایق — کھلا عقدۂ بخت پیر و جواں کا
ملے اس کو عمر ابد یا الٰہی — یہ لوٹے مزا عشرت جاوداں کا
پھلے پھولے یہ نونہال امارت — ترو تازہ جب ہے گلشن جہاں کا

جب اے داغ ہاتف سے تاریخ پوچھی
ندا آئی: خورشید ہے آسماں کا

۱۳۰۸ھ

قطعہ تاریخ سال گرہ مبارک حضرت بندگان عالی متعالی

حضور پرنور دام اقبالہ و خلد اللہ ملکہ

محبوب علی خان شہہ ملک دکن کو — اللہ سلامت رکھے دنیا کی بقا تک

ہو عمر دراز اس شہہ والا کی الٰہی ۔ دیتے ہیں دعا پیر و جوان وزن و کودک
یہ روز وہ فیروز ہے وہ ساعت مسعود ۔ منضم ہے خوشی دل سے غم و رنج ہے منفک
دربار درر بار ہے سلطان دکن کا ۔ سب اہل حشم جمع ہیں فرزانہ وزیرک
گر دیکھتا جمشید بھی یہ جشن تو کہتا ۔ ایسا نہیں سامان میسر مجھے بے شک
دیکھا نہیں ایسا تو زمیں کو کبھی پرنور ۔ کرتا ہے فلک چشم کواکب سے یہ چشمک

ہاتف نے کہا داغ سے یہ مصرع تاریخ
سب نیک گھڑی سال گرہ جشن مبارک

۱۳۰۹ھ

ایضاً

وہ آج دن ہے مبارک وہ ساعت مسعود ۔ شہہ دکن کی ہوئی شاہوار سال گرہ
جہان کیوں نہ رہے منتظر یہ وہ دن ہے ۔ کہ جس کی آپ تھی امیدوار سال گرہ
کسی کی سرخ قبا ہے کوئی گلابی پوش ۔ دکھا رہی ہے یہ رنگیں بہار سال گرہ
خطاب و منصب و جاگیر آج ملتے ہیں ۔ ہوئی ہے باعث عز و وقار سال گرہ
زمیں سے تابہ فلک دھوم دھام ہے اس کی ۔ سعید تر ہو یہ پروردگار سال گرہ
مرے حضور کو یا رب یونہی مبارک ہوں ۔ ہزار سال گرہ سنو ہزار سال گرہ

لکھی ملا کے سر الف داغ نے تاریخ
ہمیشہ شاہ کو ہو سازگار سال گرہ

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ صحت اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی حضور پر نور دام اقبالہ و خلد اللہ ملکہ

رہے شاہ دکن یا رب سلامت ضیا حاصل ہے جب تک مہر و مہ کو
لکھی یہ داغ نے تاریخ صحت مبارک دور صحت بادشاہ کو

۱۳۰۹ھ

ایضاً

مرے حضور الٰہی جئیں ہزار برس شفا سے جن کی سکوں ہے دل زمانہ کو
لکھا ہے داغ نے یہ سال صحت سلطان خدا نے دی ہے شفا عادل زمانہ کو

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ انتقال حکیم محمود خان دہلوی نور اللہ مرقدہ

خان محمود مسیحا دم لقماں حکمت رفت ازیں دار فنا از طلب رب ودود
داغ ایں مصرع تاریخ شنید از ہاتف جائے محمود شود خوب مقام محمود

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ شکار شیر افگنی اعلیٰ حضرت بندگان عالی متعالی مد ظلہ العالی حضور پر نور دام اقبالہ و خلد اللہ ملکہ

سلطان دکن رستم دوران دلیر ایسا ہے زبردست کرے شیر کو زیر
لکھا سر آغاز سے یہ داغ نے سال بالفعل جہاں دار نے مارے دو شیر

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ ولادت باسعادت شاہ زادۂ نامور بلند اقبال طول عمرہ

شاہ زادے کی ولادت کا ہمایوں سال ہے یا فروغ دیدہ لکھوں یا چراغ دو دماں
مجھ سے ہاتف نے کہا اے داغ یہ تاریخ لکھ چاند سا بیٹا مبارک اے شہہ کیواں مکاں

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ ولادت باسعادت شاہزادہ دیگر طال اللہ عمرہ

چاند سا فرزند اور شاہ کو حق نے دیا غلغلہ تہنیت چار طرف ہے کمال
رب کریم اس کو دے سایہ محبوب میں بخت سکندر کی طرح' عمر خضر کی مثال
خسرو ملک دکن دیکھے بہار چمن پھولے پھلے تا ابد عیش میں یہ نونہال
شاہ کا ہے فیض عام' ہیں متمول تمام کوئی نہیں خستہ دل' کوئی نہیں خستہ حال
داغ دم فکر سال غیب سے آئی ندا
یہ کہو' پیدا ہوا اختر جاہ و جلال

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ نو تعمیر پچ محلّہ

شاہ محبوب کا مکان بنا غیرت قصر و قیصر و فغفور
اس سے بہتر ہے اور کیا تاریخ کہہ دے اے داغ، سیرگاہ حضور

۱۳۱۰ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان معزز

ہر کہ بیند ایں کلام نغز را گوید ہمیں وہ چہ خوش ترکیب الفاظ ست و انداز سخن
مصرع تاریخ طبعش گفت داغ دہلوی
چاپ دیوان معزز شد از اعزاز سخن

۱۳۰۹ھ

قطعہ تاریخ طبع دیوان خفی

واہ عصمت ماب کیا کہنا کیا ہی اچھی کہی ہے نعت نبیؐ
تپش دل کی آگ ہے اس میں اور اک لاگ ہے محبت کی
کیا فصیح و بلیغ ہے یہ کلام کہیں تمکیں ہے تو کہیں شوخی
جس طرح رنگ و گل ہوں نشہ و مل یوں ہے چسپیدہ لفظ سے معنی
بندش اچھی، زبان اچھی ہو یہی شعر و سخن کی ہے خوبی
رگ مجذوب ہے خط مسطر کاغذ اس کا ہے یا دل صوفی

ہے دوات اس کی یا ہے دیدۂ حور خامہ اس کا ہے یا ہے بال پری

حق تعالیٰ اسے کرے مقبول بطفیلِ محمدؐ عربی

طبع دیواں کا سال تو اے داغ

کہہ دے : مطبوع عشق پاک خفی

۱۳۱۰ھ

قطعہ تاریخ تعمیر مسجد حاجی جہانگیر بخش صاحب واقع کانپور

مسجد بنائی خوب. جہانگیر بخش نے حاجی کو بیت رب سے محبت جو ہے کمال

اللہ اکبر اس کی عمارت ہے وہ بلند پہنچے نہ جس کے طاق تک اندیشہ و خیال

فرزند پانچ اس کو خدا نے عطا کیے بابخت و جاہ و طنطنہ و عزت و جلال

مثل حواس خمسہ رہیں اتفاق سے مسجد میں پنج گانہ پڑھیں پانچوں نونہال

اے داغ گر زمانہ تاریخ کی ہے فکر

لکھ : کعبہ جدید جہانگیر بخش' سال

۱۳۱۰ھ

قطعہ تہنیت تسمیہ خوانی فرزند قاضی حسین میاں صاحب بہادر رئیس منگرول' ملک کاٹھیاوار

اے زہے شادمانی و شادی جس کو فروخت فزائے جان کہئے

اے زہے بزم انبساط و سرور جس کی خوبی جہاں جہاں کہئے

خوب شادی کا یہ منڈھا چھایا — نور کا جس کو آسماں کہئے
چتر اقبال کیجئے تحریر — ابر رحمت کا سائباں کہئے

تختہ گلستاں اسے لکھئے — چار ماہتاب ہاں کہئے
یہ سلیماں کا تخت اور ستون — سبز پریاں ہیں بیگماں کہئے
لالہ کہئے ہر اک کنول کو اگر — چوب کو شاخ ارغواں کہئے
کیا کمانوں سے بھر گیا منگرول — غیرت خانہ کماں کہئے
ابروؤں کی ہیں دو ہلال کی ایک — سو کمانیں ہیں یوں کہاں کہئے
ہر کماں میں ہے روشنی ایسی — جس کو ہمشکل کہکشاں کہئے
جلوۂ برق و مہر و مہ لکھئے — اختر بخت خسرواں کہئے
فرحت افزا ہے ہر گلی کوچہ — غیرت کشت زعفراں کہئے
بدر دیں کی ہوئی ہے بسم اللہ — کہ جسے بدر آسماں کہئے
اس سے پوچھوں جو ہو بڑا سیاح — کہیں دیکھا ہے یہ سماں کہئے
آئے ہیں اپنا گھر سمجھ کے رئیس — مہمانوں کو میزباں کہئے
بٹ رہا ہے طعام کوسوں تک — وہیں موجود ہو جہاں کہئے
عطر بزم طرب کی خوشبو کو — نکہت گلشن جناں کہئے
بینڈ باجے کی ہے صدا دل کش — ایسے نغمے کو دل ستاں کہئے
رقص کرتی ہے چرخ پر زہرہ — اتر آئے ابھی یہاں کہئے
ایسے دربار کی صفات و ثناء — جاوداں سنئے جاوداں کہئے
اس کا چرچا کہاں کہاں کیجئے — یہ حکایت کہاں کہاں کہئے
یہی سنئے جو داستاں سنئے — یہی کہئے جو داستاں کہئے
میں کہے جاؤں یوں مبارک باد — دوست فرمائے جائیں ہاں کہئے

جلوہ گر ہیں یہاں حسین میاں جن کو خورشید آسماں کہئے
یہ ہے وہ میزبان خدا رکھے
داغ کو جس کا مہماں کہئے

ایضاً

ہم تجھے دیتے ہیں نوشاہ مبارک بادی کرے مقبول یہ اللہ مبارک بادی
دھوم سی دھوم ہے شہرت سی ہے شہرت اس کی پہنچی ماہی سے یہ تاماہ مبارک بادی
چہچہے بلبل گلشن کے سنے تو کوئی شادیانہ ہے کبھی گاہ مبارک بادی
تن پہ ہر مو ہو زباں اور زباں سے ہر وقت دوں تجھے نوشہ ذی جاہ مبارک بادی
آج شب گشت میں ہیں نغمہ سرا اہل طرب گاتے جاتے ہیں سر راہ مبارک بادی
تم کو اللہ کی درگاہ سے ہو عیش نصیب دے ہر اک بندۂ درگاہ مبارک بادی
کیا تعجب ہے کہ گلشن میں چٹک کر غنچے گائیں بلبل کے جو ہمراہ مبارک بادی
وجد کیوں کر نہ کرے سن کر اسے اک عالم
داغ بے مثل ہے واللہ مبارک بادی

دیگر

مبارک ہو یہ سنت اور بسم اللہ کی شادی
ہوئی ہے آج بدر الدین رشک ماہ کی شادی
خوشی اس کی زمانے کو ہوئی ہے عید سے بڑھ کر
بڑے ارمان کی ہے' آرزو کی' چاہ کی شادی

کرے اللہ عمر و دولت و اقبال روز افزوں
خدا وہ دن دکھائے لوگ دیکھیں بیاہ کی شادی

قیامت تک حسن نامور کا نام ہو یا رب
کہ جس نے خوب ہی دل کھول کر دل خواہ کی شادی

فلک پر زہرہ گائے شادیانہ قاف میں پریاں
زمیں سے آسماں تک ہو مرے نوشاہ کی شادی

دعا ہے داغ کی یہ رات دن ہر وقت ہر لحظہ
مبارک ہو تمھیں فرزند عالی جاہ کی شادی

مبارک باد ولادت باسعادت فرزند دل بند نواب رفعت جنگ

عمدۃ الملک اعظم الامرا امیر اکبر بشیر الدولہ سر آسماں جاہ

محمد مظہر الدین خان بہادر مدار المہام سرکار عالی مد ظلہ العالی

شادیاں روز ہوں سرکار مبارک تم کو
طالع فرخ و بیدار مبارک تم کو

آسماں جاہ تمھیں حق نے دیا ہے فرزند
ماہ اقبال کا دیدار مبارک تم کو

وہ دن اللہ کرے لائے دلہن یہ دولہا
وہ سہاگ اور ہو وہ پیار مبارک تم کو

بزم جشن و طرب و عیش ہمایوں ہو تمھیں
روز دربار گھر بار مبارک تم کو

صد وی سال رہے گلبن باغ اقبال
پھلا پھولا ہوا گلزار مبارک تم کو

تم سلامت رہو اللہ سلامت رکھے
اور فرزند پرانوار مبارک تم کو

داغ مداح یہ دیتا ہے مبارک بادی
تہنیت نامے کے اشعار مبارک تم کو

بتقریب شادی مرزا سراج الدین احمد خان صاحب نبیرۂ نواب ضیاء الدین احمد خان بہادر انار اللہ برہانہ

جوہری لایا ادھر لائی ہے مالن سہرا
مایہ کان گہر حاصل گلشن سہرا

ہو مبارک تجھے نوشاہ سراج الدین خاں
دے رہا ہے رخ پرنور یہ جوبن سہرا

مردم دیدہ کو بھی تاب نظارہ نہ رہی
دیکھیں مژگاں کی نہ کیوں ڈال کے چلمن سہرا

اس رسائی سے بڑھی عمر گل و گوہر کی
آگیا ہے جو ترے تا سر دامن سہرا

ہر لڑی گوہر و یاقوت زمرد کی گندھی
چشم بد دور جواہر کا ہے معدن سہرا

شجر طور کے کیا پھول گندھے ہیں اس میں
ہم نے دیکھا نہیں اس طرح کا روشن سہرا

سب نے جانا کہ یہ چلتا ہے زمیں پر خورشید
رخ نوشہ سے جو سر کا سر توسن سہرا

حور کو بھی یہ تمنا ہے کہ مالن بنتی
اس میں یہ شرط ہے گوندھے گی سہاگن سہرا

پھر دیئے داغ نے گلہائے مضامیں اس میں
کیا عجب گائے اگر بلبل گلشن سہرا

دیگر

نا ہے نوشہ ذی شاں کا سہرا
سراج الدین احمد خاں کا سہرا

سر نوشاہ پر ہے تاج اقبال
یہ شلہانہ سرو سلطاں کا سہرا

یہ ہے چشم تماشائی کی حسرت کہ بن جائے مری مژگاں کا سہرا
نہیں پھولا سماتا آپ میں آج خوشی سے یہ گل خنداں کا سہرا
ہوا مقیش کے سہرے سے ظاہر شعار نیر رخشاں کا سہرا
رخ نوشاہ پرنور علی نور سجا ہے گوہر غلطاں کا سہرا
ثریا طرہ بدھی کہکشاں ہے منور اختر تاباں کا سہرا
مبارک سب عزیزوں کو الٰہی بڑی چاہت بڑی ارماں کا سہرا
نہ کہتا داغ تو پھر کون کہتا
نہال باغ عارف خاں کا سہرا

سہرا

بتقریب شادی نواب محمد ممتاز حسین خان

بہادر دام اقبالہ رئیس پاٹودی

عید آئی ہے کہ آئی ہے گھڑی سہرے کی
کیا گلے ملتی ہے ایک ایک لڑی سہرے کی
خان ممتاز حسین آج بنا ہے دولہا
ہو گئی اس لئے توقیر بڑی سہرے کی
موئے کاکل، رگ دل، رشتہ جاں، تار نظر
سب کو حسرت ہے بنیں آج لڑی سہرے کی
جوہری کو ہے جو دعویٰ تو ہے مالن کو بھی ناز
گفتگو ہو گئی آپس میں کڑی سہرے کی

کیا عجب لے رخ نوشہ کی بلائیں چٹ چٹ
بن کے انگشت جو ہر ایک لڑی سہرے کی

مٹ گئی تاب قمر تاب گہر کے آگے
چاندنی رات میں جب جوت پڑی سہرے

نظر بد نہ پڑے تاکہ رخ نوشہ پر
ہو گئی بیچ میں دیوار کھڑی سہرے کی

ہے فزوں کلن جواہر سے جواہر خانہ
نہیں رہنے کی کسی طرح اڑی سہرے کی

گل نے بلبل سے کہا نغمہ شادی سن کر
منہ ہے چھوٹا سا ترا بات بڑی سہرے کی

ہے دعا داغ کی، نواب کی ہو عمر دراز
سب عزیزوں کو مبارک ہو گھڑی سہرے کی

دیگر

مبارک ہو نوشہ کو زیبا ہے سہرا
یہ دولہا ہے دولہا یہ سہرا ہے سہرا

نہیں پھول پھولے سماتے خوشی سے
کہ مشکل سے مالن نے گوندھا ہے سہرا

یہ کہتی ہیں کھل کھل کے پھولوں کی کلیاں
ہمیں فخر ہے یہ ہمارا ہے سہرا

گہر، لعل و یاقوت ہیرا زمرد
جواہر لگا کر سجایا ہے سہرا

کرن سے جو سورج کی اس کو ملایا
فرشتے پکار اٹھے اچھا ہے سہرا

دکھاتی ہیں لڑیاں بھی لہرا کے موجیں
عجب آب گوہر سے دریا ہے سہرا

ہوا شمع کا نور کافور کیسا
مگر روئے نوشہ سے سرکا ہے سہرا

خط کہکشاں سے جو بالا ہے بدھی تو عقد ثریا پہ طرہ ہے سہرا
تمنا ہے نوشاہ کے پاؤں چومے کہ قدموں سے لپٹا ہی جاتا ہے سہرا
پھلے پھولے نواب ممتاز یا رب یہ ممتاز ممتاز اس کا سہرا
ہر اختر بنا روزن در فلک پر یہ ہے تاک حوروں کو کیسا ہے سہرا

یہ کہتا ہے اے داغ جوش محبت
تمہارا ہی حق تھا جو لکھا ہے سہرا

قصیدہ مدحیہ حضرت بندگان عالی متعالی حضور پر نور رستم دوراں افلاطون زماں سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ نواب میر محبوب علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و دام اقبالہ

میں ہوا بادیہ پیما طرف ملک دکن سرمہ چشم غزالاں ہوئی گرد دامن
نازنینوں کی کمر بید کی شاخ لرزاں موجہ ریگ رواں زلف پریشاں کی شکن
بستر قاقم و سنجاب بنا سبزۂ دشت تکیہ مخمل و کمخواب ہر اک خشت کہن
قطرۂ شبنم ہر خار سے گوہر بے آب زرد رو لالہ کہسار سے ہر لعل یمن
شاخ آہو پہ گماں پیچ و خم کاکل کا سبزۂ دشت میں ہے سبزۂ نو خط کی پھبن
ذرے ذرے سے نمودار فروغ انجم جلوے جلوے سے عیاں کلہ کشاں کا جوبن
دیکھے کوسوں سے مسافر کہ یہ آئی منزل صبح صادق کی طرح شام غریبی روشن

خاک اس دشت میں اڑتی ہے کہ اڑتا ہے عبیر
آگے اس خاک کے مٹی اثر مشک ختن

قوت نامیہ اس جوش پر اللہ اللہ
دانہ موتی کا جو بوئیں تو ہو خرمن خرمن

چوکڑی بھولے جو اس دشت کی سونگھے خوشبو
کہ یہاں آہوئے تاتار کا ہو نشہ ہرن

خار صحرا اسے انگلی کے اشارے سے بتائے
راہ بھولے جو مسافر کوئی آوارہ وطن

دیدۂ غول بیاباں نے جلائی مشعل
ہر بگولے سے عیاں رقص بت نسریں تن

زندہ رہتا ہے تن عابد مرتاض کی شکل
خشک ہو کر بھی بیاباں میں ہیں یاں نخل کہن

شجر طور کے مانند منور ہر نخل
مل گیا کیا کہیں اس دشت سے دشت ایمن

آسماں سبز قدم ہو کے بنا سبز اختر
عکس افگن جو ہوا سبزۂ کہسار و دمن

ندیاں کوہ کی ہیں رشک وہ جوئے شیر
جن سے پھیکی پڑی فردوس کی بھی نہر لبن

موجیں کرتی ہوئی پھرتی ہے صبا مثل نسیم
لہلہاتے ہوئے سبزے کا نرالا جوبن

حوریں پانی بھریں پنگھٹ کا جو دیکھیں جمگھٹ
ہے اس انداز کا ہر ایک بت سیمیں تن

ایسے جھرمٹ کئے باہم ہیں ثریا تمثال
کہ زمیں پر نظر آنے لگے پروین و پرن

اشہب خامہ چالاک کی پھرتی ہے عناں
صفت دشت و جبل سے طرف شہر و چمن

قوت باصرہ و شامہ تم کو ہو نوید
باغ کی مدح میں گل کھلتے ہیں گلشن گلشن

مطلع ثانی

وہ طراوت کا اثر ہے کہ دم سیر چمن
پانی دینے لگے یوسف کا یہاں چاہ ذقن

برگ برگ گل و گلزار یہاں تک پھیلا
جس سے کوتاہ ہے گلچیں کا سراسر دامن

لالہ و گل نے جو پہنی ہے قبائے رنگیں
دیتی ہے خلعت نو روز بہار گلشن

قلقل شیشہ کی آواز ہے بستاں بستاں
توبہ مے پہ تقاضا ہے کہ بشکن بشکن

نو عروسان چمن مست ہوئے ہیں کیا کیا
کھینچتی ہے کمر سرو کو بھی شاخ سمن

وہ رطوبت کا اثر ہے کہ چمن میں خورشید
گوہر شبنم شاداب سے بھر لے دامن

بوئیے تخم محبت کو تو پیدا ہو وفا
ڈالئے پرتو رخ کو تو اگے سیب ذقن

لائے گر فصل خزاں کو فلک نیلی رنگہ
نیلی پیلی ہو غضب دیکھ کے اس کو سوسن

پر پروانہ جھلے پھولوں کا پنکھا ایسا
کہ مٹے شمع کے بھی دل کی لگن دل کی جلن

کیا عجب پہنچے وہاں تک اثر فیض بہار
فلس ماہی بھی کھلیں صورت گلہائے چمن

گر یونہیں فصل بہاری کو رہا جوش عروج
شاخ طوبیٰ میں عجب کیا ہے کھلے نسترون

کس طرح دست حنائی نہ کرے نخل چنار
تیغ اردی سے بہا پھرتا ہے خون بہمن

شہر اس شہر کا ہے نام یہی بلدہ ہے
فخر کلکتہ و مدراس، نظیر لندن

ثانی خلد و ارم، بانی تزئین و حشم
روکش چین و ختن غیرت بغداد و عدن

چھپ گئے سقف فلک یوں نہ ایوان بلند
تشتری ڈھانک دے جس طرح کوئی زیر لگن

روشنی ایسی جواہر کی دکانوں میں عیاں
جن کے نظارے سے ہو چشم تمنا روشن

ایسے عشرت کدے میں کیوں نہ ہو خلقت دلشاد
ایسے مامن میں نہ کیوں کر ہو زمانہ ایمن

شحنہ عدل کا وہ خوف ہے بازاروں میں
نہیں ممکن کہ جو برتن سے بھی کھڑکے برتن

ہاتھ باندھے ہوئے پھرتے ہیں یہاں دست دراز
لب سے رہتے ہیں بیہودہ سرا وقت سخن

ذی خرد اتنے ہیں ذی فہم ہیں اتنے کہ یہاں
کیا قباحت ہے اگر ما کی جگہ بولئے من

ناظم و ناثر و فرزانہ و دانا و ادیب
عالم و عاقل و علامہ ہر اک ماہر فن

حیدر آباد کا بجتا ہے جہاں میں ڈنکا
نوبتیں کیوں نہ بجیں دھوم سے بلون بلون

طفل مکتب بھی پڑھاتا ہے فلاطوں کو سبق
خلق ہوتا نہیں اس شہر میں کوئی کودن

حیدر آباد سے کیوں جائے کہیں عیش ابد
خوشتر از ملک سلیمان نہ ہو کیوں حب وطن

دشت و کوہ و چمن و شہر کی مداحی ہے ۔ ایسی تشبیب کو زیبا ہے کہیں چار چمن
چمن آرائے دکن خسرو فیاض و جواد ۔ جس نے شاداب کیا آب کرم سے یہ چمن

مدح میں اس کی پڑھوں مطلع رنگیں ایسا
جس سے اے داغ ہو شرمندہ بہار گلشن

مطلع ثالث

خسرو و تیر فگن، تیغ فگن، شیر فگن ۔ میر محبوب علی خاں ملک دکن
داد گر داد دہ و داد رس و داد رساں ۔ فخر دیں، فخر نگیں، فخر زماں، فخر زمن
پاک دل، پاک نفس، پاک نظر، پاک نہاد ۔ نیک خو، نیک سیر، نیک روش، نیک چلن
قدر داں، قدر کن و قدر فزا، قدر شناس ۔ حاکم علم و عمل، بادشاہ فہم و فطن
آفتاب شرف و اوج مہ عز و علا ۔ شمع کاشانہ دیں، اختر بخت روشن
قاطع بغض و حسد، قامع بیداد و ستم ۔ بانی عیش و طرب، ماحی آلام و حزن
مجمع جود و سخا، مصدر الطاف و عطا ۔ معدن حلم و حیا، مخزن اوصاف حسن
صاحب جاہ و حشم، وارث دیہیم و سریر ۔ مالک سیف و قلم ظل قدیر ذوالمنن

تیرے انوار کا پرتو ہے کہ ہے پرتو مہر ۔ تیرے اخلاق کی خوشبو ہے کہ خوشبوئے چمن
ہاتھ ڈالا محالات میں بخشش نے تری ۔ کہ سکے کون عطا کو ترے مہما امکن
وہ گہر بار ترا دست کرم ہے شاہا ۔ آگے اس فیض کے پانی بھرے بھادوں کی بھرن
ھن برستی ہے دکن میں یہ مثل ہے مشہور ۔ تو نے برسائے گہر فیض سے معدن معدن
فیض ہے کوہ و بیاباں کو بھی ہنگام نثار ۔ لیتے ہیں لعل و گہر دونوں بچھا کر دامن
کوئی سختی کرے اس عہد میں کیا ممکن ہے ۔ موم سے بڑھ کے ہوا نرم مزاج آہن

عہد میں تیرے جو معدوم ہے کیا ہے یہ ہے
کلوش و کینہ و آزار و غم و رنج و محن

جو سلطاں سے وہ ممنوع ہوئے طرز سوال
زخم پھیلائے جو دامن تو بنے تر دامن

وہ بھی چھپ چھپ کے یہاں دیکھتا ہے اپنی موت
زخم میں ٹانکے ہیں یا درد کے در پر چلمن

حکمت آموز فلاطوں ہے تری عقل سلیم
بات پختہ ہے تری، رائے تری مستحسن

ریشہ بیخ زقوم اس کو بناتی ہے زمیں
تیرے اعدا کا نہ بے کار گیا تار کفن

آتش قہر سے رستم کا بھی ہو زہرہ آب
شمع کی طرح سے گھل جائے تن روئیں تن

تیرے مداح ہیں سب اہل نظر اہل کمال
آنکھ میں گھر ہے ترا تو ہے زباں پر مسکن

سو زبانیں گل صد برگ سے لے قرض ہزار
تو کرے لاکھ طرح سے وہ تری مدح سخن

ہیں ترے عہد عدالت میں شکستہ احوال
دل شکن، عہد شکن، توبہ شکن، روزہ شکن

بت کدوں میں ہے یہ ماتم تری دیں داری سے
بانگ ناقوس پہ ہوتا ہے یقیں شیون

جھریاں پڑ گئیں آخر کو رخ توبہ پر
عصمتی اس کو سمجھتے ہیں جو تھے توبہ شکن

منہ چڑھے کون تری تیغ کے یہ کوہ شگاف
سر شکن، صف شکن، آہن شکن، البرز شکن

ایک ہی وار میں تلوار کرے دو ٹکڑے
مغفر و بکتر و چار آئینہ، خفتاں، جوشن

اتنی حاصل ترے اعدا کو سبک دوشی ہے
تیری تلوار اڑا دیتی ہے تن سے گردن

تعریف اسپ

کیا ترے اسپ پری وش کی کروں میں تعریف
خوب ہے خوب، خوش اسلوب، سراسر ہمہ تن

سینہ چوڑا ہے، تلی چوڑی ہے، سم چوڑے ہیں
جتنی چھوٹی ہے کمر، اتنی بڑی ہے گردن

یال، دم، پاؤں، شکم، کان، کنوتی، پٹھے
ڈھل گئے حسن کے سانچے میں سب اعضائے بدن

جست میں برق ہے، اڑنے میں پری، گشت میں چرخ
پھر سبک رو صفت بوئے بہار گلشن

نہ بندھے اسپ فلک سیر فلک سے ہرگز ۔۔۔ گر بنے قوس قزح اس کی پچھاڑی کی رسن
اللہ اللہ رے اس تیز روی کی تاثیر ۔۔۔ نام لے اس کا تو ہو صاف زبان الکن

اتنی سرعت سے نہ ہرگز خبر آتی جاتی
تار برقی میں ہے آمیزش نعل توسن

صفت فیل

فلک آسا وہ ترا فیل کہ جس کے آگے ۔۔۔ ریزۂ سنگ و خزف سے ہیں سبک کوہ دمن
ہیں ترے فیل کے دانتوں پہ سنہری چوڑے ۔۔۔ یا سر طور پہ کافور کی شمعیں روشن
یوں سر فیل پہ یہ زرد عماری تلیاں ۔۔۔ شب کو جس طرح سے ہو چرخ پہ مہ جلوہ فگن
ڈر کے رکھتا ہے قدم برج اسد میں خورشید ۔۔۔ دیکھ کر فیل شکاری کو ترے شیر فگن
طمطراق اور تری فوج کا وہ زرق و برق ۔۔۔ لیس ہر طرح سے ہر ایک رسالہ پلٹن
دکنی و عربی' کابلی و پنجابی ۔۔۔ ہر سپاہی ترے لشکر کا ہے رشک بیژن
داغ مداح و ثنا خوان و ستائش پیرا ۔۔۔ اس دعا پر تری کرتا ہے بس اب ختم سخن
جب تک آفاق میں ہو دولت و ثروت کی نمود ۔۔۔ جب تک افلاک پہ ہوں اختر و انجم روشن
جب تک انداز پہ ہے حسن و جمال دل کش ۔۔۔ جب تک اظہار پہ ہے رنگ گل نسترون
جب تک آوازۂ اقبال ہو آویزۂ گوش ۔۔۔ جب تک اندازۂ عشرت ہو بانداز حسن
جب تک انجام کو پہنچے فلک پیر کی عمر ۔۔۔ جب تک آفت سے ہوں محفوظ زمیں اور زمن
جب تک اسلام کا ہے نام جہاں میں قائم ۔۔۔ جب تک اس نام سے آباد ہے یہ دار کہن
بلبلیں شیفتہ جب تک ہوں بہار گل پر ۔۔۔ اور پروانہ نثار سر شمع روشن
حسن معشوق میں جب تک ہو کمال تاثیر ۔۔۔ دل عاشق میں کھبی جاتی ہو تیکھی چتون
تو سلامت رہے آباد رہے شاد رہے ۔۔۔ زار ہو' خوار ہو' ناچار ہو' تیرا دشمن

تیری اولاد کی کثرت ہو تری نسل سے یوں
جیسے اک دانے سے پیدا ہوں ہزاروں خرمن

سرخ رو داغ ہو یوں ظل کرم سے تیرے
پر تو مہر سے جس طرح بنے لعل یمن

قطعہ مدحیہ در تہنیت عید الفطر بنام حضرت بندگان عالی متعالی رستم دوران افلاطون زماں سپہ سالار ظفر الممالک فتح جنگ نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ و اقبالہ

آج وہ روز مبارک ہے وہ ہے، یوم سعید
کہ گلے ملتی ہے خود شاہ کے اقبال سے عید

دھوم سی دھوم خوشی سی ہے خوشی چار طرف
تشنگان مئے گلگوں کی بر آئی امید

آج مے خانہ پہ رندوں کی چڑھائی دیکھو
توڑ ڈالیں نہ کہیں مے کدے کی سد سدید

آج یوں قفل در مے کدہ وا ہوتا ہے
دست زاہد میں عوض پیر مغاں کے ہے کلید

آج وہ دن ہے کہ پیتے ہیں اسے مے آشام
کی ہے دو چار برس پہلے جو ساقی نے کشید

ہاں پیو بادہ کشو دیکھیں تو کتنا دم ہے
خود ہے ساقی کی طرف سے یہی تاکید اکید

تلخی بادہ ہے وہ آج کے دن لذت بخش
ہونٹ چاٹا کرے اک گھونٹ جو پی لے جمشید

زاہد خشک کے منہ میں بھی بھر آئے پانی
دست ساقی میں بھرا دیکھے اگر جام نبید

حسن میں جھلتے ہیں یوں ڈال کے جھولا مہ وش
جس طرح برج میں میزاں کے فلک پر ناہید

اعتدال آب و ہوا کا ہے عجب روح افزا
زہر بھولے سے کوئی کھائے تو وہ بھی ہو مفید

ذہن کیا کند ہو ہوتے نہیں ہتیار بھی کند
مثل یوناں نہیں بلدے میں کوئی شخص بلید

خبث نفس اہل دکن میں نہ رہا نام کو بھی
نہ ملے بہر دوا ڈھونڈیئے گر خبث حدید

نبض خورشید میں پائے جو حرارت تو فلک
تخم سے قطرۂ شبنم کے بنائے تبرید

دیدنی ہے یہ بہار چمن بو قلموں
دیدۂ دل سے کرے غور جو ہو فرصت دید

چمن دہر میں سو بار خزاں آئے تو کیا
نہ ہو پژمردہ و افسردہ گل وصف حمید

جو ہے بیگانہ تعلق سے یگانہ ہے وہی
کہ عجب شے ہے زمانے میں تفرد تفرید

نیک و بد کا ہو ہر اک بات میں انساں کو خیال
دوست سے وعدۂ واثق ہو تو دشمن سے وعید

وہی شہ زور رہا جس نے دبایا اس کو
نفس سرکش کو سمجھئے کہ یہ ہے دیو مرید

بس خبردار ہو اے داغ ذرا ہوش میں آ
پند عطار کی اس مدح میں کیسی تقلید

دیدہ و دل سے اٹھا پردۂ غفلت غافل
دیکھ سامان شہانہ کہ یہ ہے قابل دید

آج دربار' گہر بار شہہ والا ہے
چھائی ہے کیا در و دیوار پہ دربار میں عید

ہوش آتے ہی یہ مطلع مرے لب پر آیا
کی فرشتوں نے بھی مضمون کی جس کے تائید

مطلع ثانی

جشن آراستہ شاہ کی مدت ہے مدید
کیا عجب دیکھے اگر جی کے دوبارہ جمشید

شاہ وہ شاہ سلیمانؑ حشم و آصف جاہ
شاہ وہ شاہ فریدوں فر و ضحاک عبید

صاحب بخت خوش و فرخ و فیروز و سعید۔
میر محبوب علی خان شہ یکتا و وحید

غصہ و قہر ہے کم، سہو و خطا اس سے بھی کم
رحم و الطاف فزوں، داد و دہش اس سے مزید
گم ہوا عہد عدالت میں تشدد ایسا
نہ لکھیں رسم کتابت میں بھی کاتب تشدید
وقت انصاف کرے تھوڑی خطا پر بھی نظر
وقت الطاف و کرم عفو کرے جرم شدید
سیدھے ہو جاتے ہیں اس عہد میں بانکے ترچھے
کہیں مٹ جائے نہ ابروئے حسیناں کی کشید
شمع اقبال سے یوں چہرۂ زیبا روشن
جیسے والشمس کی تفسیر سے قرآن مجید
تیرہ باطن نظر آئے نہ کوئی کور سواد
دل کی قندیل میں روشن ہے چراغ امید
حیدر آباد رہے شاہ کے دم سے آباد
جس سے ہے صورت اسلام نمودار و پدید
مسجدوں میں ہے یہاں شور اذان و تکبیر
خانقاہوں میں یہاں سلسلہ حمد حمید
کہیں تعلیم و تعلم ہے بدرس و تدریس
کہیں قرآن کی تلاوت ہے بحسن تجوید
ہے کہیں تذکرۂ عینیت ذات و صفات
ہے کہیں مشغلہ ذکر شہود و توحید
کیوں نہ ہو محکم و مضبوط بنائے اسلام
شاہ دیں دار کو ہر دم ہے لحاظ تشئید

مدح حاضر میں پڑھوں مطلع روشن ایسا
کہ چمک جائے مرا بخت بھی مثل خورشید

مطلع ثالث

یوں سلاطین دکن میں ہے ترا دور سعید
جس طرح سارے مہینوں میں مبارک مہ عید

چار آنکھیں ہیں زمانے کی زمانے میں ترے
چشم لطف ایک بڑھی ایک بڑھی چشم امید

مان جاتے ہیں تری رائے جہان آرا کو
اہل تفہیم میں ہوتی ہے جہاں گفت و شنید

یوں تری رائے کے پیرو ہیں تمام اہل خرد
جس طرح اہل تسنن ہیں سب اہل تقلید

دس سے دس لاکھ جو بن جائیں عقول عشرہ
کر سکیں وہ نہ تری رائے کی ہرگز تردید

ہو گیا تیرے زمانے میں فلک کم آزار
درد ہوتا نہیں عشاق کے دل میں بھی شدید

چرخ کانپ اٹھے، لرز جائے زمیں دہشت سے
الاماں وقت سیاست جو کرے تو تہدید

رسیاں باندھ کے رکھے جو عدو اپنی عمر
تو بھی ہرگز نہ بنے حبل متیں حبل ورید

تیرے بدخواہ کو دولت بھی اگر حاصل ہو
جب بھی مردود ہو ملعون ہو مانند یزید

قطعہ

آج وہ طنطنہ و دبدبہ شاہی ہے
یوں ففرو ہوں ترے نام سے بدخواہ عبید

سن کے لاحول ولا قوت الا باللہ
جس طرح بھاگ کے فی النار ہو شیطان پلید

تیرے بدخواہ تہی دست ازل ایسے ہیں
گنجفے میں بھی حریفوں کو نہ ہرگز ہو رسید

تیری تلوار بھی مقراض اجل ہے گویا
جامہ ہستی اعدا کی کرے قطع و برید

در صفت اسپ

ہو بھی جائے جو سواری میں ترے اسپ سے شرط
پیچھے مڑ مڑ کے کرے باد صبا پر تاکید
چھو سکے دامن زیں کو نہ کبھی دست خیال
طے کرے مشرق و مغرب کی وہ یوں راہ بعید

قطعہ

جس زمیں پر ترے گھوڑے کا قدم پڑتا ہے
چاٹ لے خاک وہاں کی جو کوئی پیک و برید
اس کی تاثیر سے وہ تیز روی حاصل ہو
برق و صرصر سے بھی ممکن نہیں جس کی تقلید
ابلق لیل و نہار اور بھی جوبن لایا
تیرے اصطبل میں جاری ہوئی جس وقت خرید
خلد سے باہر اسی واسطے گندم نکلا
ملتی رہتی ہے طویلے میں جو گھوڑوں کو خوید

در صفت فیل

فیل خانے میں ترے جمع ہیں عالم کے پہاڑ
ایک اک فیل زمیں پر ہے مگر چرخ جدید

اک مہرے میں اڑا دے وہ اسے صورت کاہ
گر مقابل میں ترے فیل کے ہو کوہ حدید

تیری سرکار سے کوئی نہیں جاتا محروم
تیرے دربار سے کوئی نہیں پھرتا نومید

حد اوصاف اگر ہو تو کرے حصر کوئی
میرے امکان سے باہر ہیں ترے وصف حمید

روز نو روز ہو' ہر شب ہو شب عیش و نشاط
رات دن جشن ہوں فرخندہ و فیروز و سعید

دل عارف میں ہوں اسرار نہانی جب تک
تیرے چہرے سے ہوں اقبال کے آثار پدید

تجھ سے عشرت کو بھی ہر وقت ہو عشرت حاصل
تجھ سے امید کی ہر لحظہ بر آئے امید

تو رہے تابہ ابد نامور و نام آور
تیری اولاد ہو سب صاحب اقبال و سعید

قصیدہ در مدح حضرت بندگان عالی متعالی حضور پرنور رستم دوراں افلاطون زماں سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ نواب میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ دام اقبالہ و خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

کیا جواں بخت و جواں سال ہوا ہے عالم
فلک پیر بھی کھاتا ہے جوانی کی قسم

ہو گئی فصل بہاری میں بھی اب کے برسات
جوش سے ابر بہاراں کے ہوا یہ عالم

چرخ پر چھائی ہیں اس طرح گھٹائیں کالی
جس طرح ہوں رخ معشوق پہ زلفیں برہم

ہے سیہ ابر میں اس روپ پہ بگلوں کی قطار
انجم کاہ کشاں کی ہو لڑی جیسے بہم

گرد افلاس کو بھی ابر کرم دھوتا ہے
تار بارش میں ہے موتی کی لڑی کا عالم

جوش پر رحمت باری ہے تعجب کیا ہے
چاہ بابل کا دھواں بھی جو بنے ابر کرم

کہیں بادل کی گرج ہے کہیں بجلی کی کڑک
کہیں بوندوں کی پھواریں کہیں برسے چھم چھم

نعرۂ مست کا بادل کی گرج میں انداز
نگہ شوخ کا بجلی کی تڑپ میں عالم

ابرنیساں سے ہوئی ایسی تری خشکی میں
گائیں دیپک تو اٹھے شعلے کی جا موجہ یم

آب شمشیر میں جوہر ہے بشکل ماہی
آب آئینہ میں غواص ہے عکس آدم

پسلیاں اب نہیں دریا کی دکھائی دیتیں
خوب تن تن کے رواں ہونے لگے موجہ یم

کشتیوں میں کہیں جلسے ہیں چڑھے دریا کے
ہو رہی ہیں کہیں تیراکوں میں شرطیں باہم

قوت نامیہ ایسی ہے تو کچھ دور نہیں
دوڑیں اٹھ اٹھ کے زمیں پر سے اگر نقش قدم

اس کے خرطوم کا مضمون درازی نہ بندھا
دونوں کوتاہ ہوئیں بحر طویل اور مدید

تو وہ ممدوح معرف ترے شاہان زمن
میں وہ مداح کہ قائل مرے سحبان و لبید

تجھ سے آرائش مخلوق خدا کا ایجلو
مجھ سے آرائش انداز سخن کی تجدید

ہیں سپہ دار ہزاروں ترے منقاد و مطیع
سیکڑوں اہل سخن، سحر بیاں میرے مرید

اس طرح حکم میں تیرے نہیں ہوتا اجمال
جس طرح شعر میں میرے نہیں ہوتی تعقید

تجھ کو شایاں ہے مری رتبہ فزائی کے امور
مجھ کو زیبا ہے تری مدح و ثنا کی تمہید

نہیں جنچتے مجھے اشراقی و مشائیں کچھ
تھے فلاطون و ارسطو مرے شاگرد رشید

ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھے
نقرۂ ماہ نہ لوں میں نہ طلائے خورشید

شاہ سے مرتبہ و منصب و خلعت کی عطا
داغ سے مرحمت نعمت شاہی کی رسید

بن گیا داغ حزیں کا دل پر داغ ایسا
جس طرح پھولوں سے گلزار بنے قبر شہید

خسروا تجھ سے پہنچتی ہے زمانے کو مدد
تو موید ہے من اللہ برائے تائید

شاہ کا لطف و کرم اس کے لئے ہے درکار
سب ہیں آسودہ نمک خوار قدیم اور جدید

خاک میں جان ہے ایسی کہ نہیں اس کا عجب
زندہ ہو جائیں اگر زیر زمیں اہل عدم

نار دوزخ بھی بنے آج گلستان خلیل
اخگر سوختہ بھی ہوں گل گلزار ارم

بلت کی شاخ میں بھی آج وہ ہے استحکام
توڑنا چاہیں تو ٹوٹیں نہ کبھی قول و قسم

اثر باد بہاری سے تعجب کیا ہے
گل فشاں صورت گلزار ہو نخل ماتم

ارض کو فوق سما پر ہے اسی موسم میں
کہ زمیں لوح زمرد ہے، فلک ہے نیلم

وقت انشاء اثر تازگی مضموں سے
شاخ سرسبز بنے ہاتھ میں کاتب کے قلم

خط گلزار ہو قرطاس پہ کھینچیں جو لکیر
ہو برنگ رگ گل ریشہ سوراخ قلم

ہے وہ بالیدگی سبزہ سر راہ گذر
زور سے جس کے اکڑ جاتے ہیں رہرو کے قدم

شوخیِ رنگ سے مہندی کی ہے فق رنگِ شفق
لالۂ باغ پہ ہے لال پری کا عالم
کہیں طاؤس چمن کی ہے نوائے دل کش
کہیں آتی ہیں پپیہوں کی صدائیں پیہم
ہے کہیں گُل کی مہک تو کہیں بلبل کی چہک
کوک کوئل کی ہے ارگن سے بھی خوشتر ہر دم
نکہتِ گُل کا اثر ہو نفسِ مطرب میں
گائیں اس فصل میں گر رام کلی اہلِ نغم

بھینی بھینی ہے وہ خوشبو کہ معطر ہو دماغ
ٹھنڈی ٹھنڈی وہ ہوائیں ہیں کہ دل ہو خرم
بو سے لیتا ہے شگوفے کے شگوفہ کھل کر
شاخ سے شاخ گلے ملتی ہے کیا کیا باہم
روز ہر باغ میں ہیں گُل بدنوں کے جلسے
چندریاں ساڑیاں سرخ اس پہ ترشح کم کم
یہ ہے موجود وہ معدوم، یہ تازہ وہ کہن
باغِ محبوب کہاں اور کہاں باغِ ارم
بزمِ عشرت کا عجب رنگ ہے اس موسم میں
گاتے ہیں گونڈ ملار اہلِ طرب اہلِ نغم
سبعہ سیارہ کو بھی یمن و شرف حاصل ہے
معتدل آج کے دن چاروں عناصر باہم

نہ ہے گرمی نہ کہیں حد سے زیادہ سردی
حیدر آباد میں ہے فصل کا ایسا عالم

روز نو روز ہے وہ فرخ و مسعود و سعید
کہ زحل کی بھی سعادت نہیں برجیس سے کم

عکس بھی اس کا کرے بیضہ فولاد کو چور
بیضہ بازی نوروز ہے وہ مستحکم

آج وہ قدر ہے ان کے جو مقابل کیجے
تاج پرویز کے موتی نہ خریدے عالم

بیضہ مرغ کو گر بیضہ گردوں سے لڑائیں
خط محور سے لکیر اس میں ہو ثابت ہر دم

شور ہے قلقل مینا کا چلو آؤ پیو
مغ بچوں نے بھی مچا رکھی ہے کیا کیا اودھم

لائے مے خانے پہ کیا آج قدم ہی پھسلے
پھسلے مومن کا جو ایمان تو ہندو کا دھرم

محو و بیخود بھی کوئی آپ سے اٹھ سکتا ہے
محفل عیش میں جم جائے یہاں بیٹھ کے جم

جشن نو روز ہے دربار شہہ والا ہے
اہل دربار ہزاروں ہیں یہاں کم سے کم

منصب و خلعت و جاگیر خطاب و خدمت
خیر خواہوں کو عطا آج ہوئے ہیں پیہم

عکس بھی نذر گزاروں کا ہوا نذر گزار
جا بجا آئینے ایوان میں ہیں قد آدم

شاہ کے نام سے ہوتی ہے محبت پیدا
کیوں نہ محبوب دل خلق ہو اسم اعظم
نام لیجئے اگر اس کا تو اسی دم کھل جائے
عقدۂ کار ہو کیسا ہی جو دشوار و اہم
خسرو نام ور و بادشہہ نام آور
شان میں جس کی کیا داغ نے مطلع یہ رقم

مطلع ثانی

صاحب طبل و علم مالک شمشیر و قلم
میر محبوب علی خان شہہ فرخندہ شیم
مالک مملکت و مال و منال و حکمت
صاحب دبدبہ و طنطنہ و جاہ و حشم

کوکب ملک دکن ماہ منیر دولت
مہر و اقبال و حشم چشم و چراغ عالم
بخت و اقبال و دماغ و نگہ و دل روشن
فہم و ادراک و ذکا و عمل و علم و علم
جس کے جلوے سے چمک مہر جہاں تاب کی ماند
جس کے چہرے سے دمک ماہ فلک کی مدھم
بذل میں' عدل میں ہے حاتم و کسریٰ کی مثال
رزم میں بزم میں ہے ثانی اسکندر و جم

ایسی سطوت ہے کہ تھراتے ہیں اہل آزار
موت بھی ڈھونڈتی ہے اپنے لئے راہ عدم

شاہ کا حرف سیاست جو ہوا ہے مشہور
خوف سے دانت نکالے ہوئے ہے سین ستم

ہیبت شاہ سے کہسار ہیں پانی پانی
اگر آذر بھی تراشے کبھی ترشے نہ صنم

بازوئے باز میں ہو پرورش بچہ قاز
اور بزغالہ کو آغوش میں پالے ضیغم

گنج سلطان کی اگر دیکھ لے کثرت قاروں
تو وہیں ہاتھ دوالے کے نکل جائے بھرم

اے زہے جود کہ ہے خوان عطا خوان خلیل
اے زہے فیض کہ ہے دست سخا ابر کرم

قدر ایسی ہے سپاہی کی جو پاتا یہ دور
چھوڑ کر خدمت کاؤس کو آتا رستم

نیکیاں شاہ کی لکھی ہیں ازل میں جو بہت
کچھ تعجب نہیں فرسودہ ہوں گر لوح و قلم

مدح حاضر میں لکھ اے داغ وہ مطلع بے مثل
سن کے احسنت کہے جس کو زبان عالم

مطلع ثالث

کیا عجب ناموری سے تری اے بحر کرم
فلس ماہی پہ ترا سکہ ہو مانند درم

جمع ہیں ایک تری ذات میں کتنے اوصاف
بذل و انصاف و ہنر پروری و لطف و کرم

نور ایماں سے وہ روشن ہے دل پاک ترا
دیکھے یہ جلوہ تو پروانہ بنے شمع حرم

اور بھی دوسری پیدا ہو برابر کی اجل
ملک الموت بھرے گر تری تلوار کی دم

تو جو چاہے نہ رہے دھر میں کھٹکا باقی
ماہی بحر کا بھی خار سے خالی ہو شکم

گر کسی نرخ پہ ٹھہرے تری جنس حسنات
تو فرشتوں کو یہ لالچ ہو کریں بیع سلم

ہے دم معرکہ حاصل تجھے وہ استقلال
قطب تارے کی طرح سے نہ ہٹے تیرا قدم

کعبہ مقصد آفاق ہے تیرا دیدار
مردم دیدہ ہوں قرباں صفت طوف حرم

تیرے ہی دست سخاوت کی کرامت کہئے
یوں جو بے پاؤں کے چلتا ہے زمانے میں درم

تیر عکمی ہے ترا حکم کہ ٹلتا ہی نہیں
قدر انداز ہے تو مثل قضائے مبرم

تیرے بدخواہ کو ہر طرح سے غمگیں پایا
اس نے الٹا بھی الم کو تو ملا وہ ہی الم

حشر تک قبر عدو سے یہ صدائیں آئیں
ہائے غم وائے الم ہائے غضب وائے ستم

یوں ہے مردود عدو بارگہ عالی سے
جس طرح رکھ نہ سکے چرخ پہ ابلیس قدم
سامری فن بھی عدو ہو تو نہ ہو سکا اس کا گذر
چوب درباں میں ہے موسیٰ کے عصا کا عالم
ہے ازل سے یہ ترے در کا سلامی شاہا
پشت ہے پیر فلک کی اسی تسلیم سے خم
دخل کیا ہو جو ترے عہد میں کوئی برباد
کہ پر کلہ کو رکھتی ہے بھو کر شبنم
حیدر آباد ہے جنت سے سوا دارالامن
کھا کے گندم نہ یہاں سے کبھی نکلے آدم

تعریف اسپ

شاہ کے اسپ کی کیا تیز روی ہو تحریر
ہاتھ سے کاتب اعمال کے چھٹتا ہے قلم
صورت کاغذ بادی وہ اسی دم اڑ جائے
کیجئے گر صفحہ قرطاس پہ نام اس کا رقم
خامہ کاغذ پہ نہ پہنچے کہ یہ مانند خیال
طے کرے آن میں صد دور محیط عالم
چاٹ لے خاک قدم کی اگر اس کے وہ کبھی
پشت ماہی پہ جمے گاو زمیں کا نہ قدم
جائے سکہ جو ترے اسپ کی صورت ہوتی
گنج قاروں میں ذرا نام کو تھمتا نہ درم

تعریف فیل

فیل وہ فیل جسے کوہ جواہر کہئے
رود الماس ہیں دانت اور بدن ہے نیلم

وقت رفتار دھلتا ہے دل گلو زمیں
مست ہو کر جو چھٹے وہ تو ہو عالم برہم

چلتے چلتے جو ٹھہر جائے پڑے بوجھ ایسا
ماہی زیر زمیں کا بھی تو دھس جائے شکم

سرمہ چشم ہے رنگ اس کا مگر صانع نے
جبل طور تراشا ہے ز سر تا بقدم

مدحت خسرو آفاق ہو کیوں کر پوری
اتنی طاقت نہ زباں میں ہے نہ یارائے قلم

سایہ عاطفت شاہ دکن ہے جب سے
کھاتے ہیں قیصر و فغفور مرے سر کی قسم

باب عالی کی حضوری سے وہ حاصل ہے شرف
جی میں آتا ہے کہ خود چوم لوں میں اپنے قدم

اے جبیں فرش رہ خسرو دوراں بن جا
اے سر عجز چل اس راہ میں تو بن کے قدم

اے زباں ہو تو ثنا ساز و ستائش پیرا
اے دھن تو بھی ہو مداح خدیو عالم

اے جگہ تجھ کو میسر رہے انوار جمال
اے مژہ دست دعا بن کے دعا کر پیہم

حوصلہ میری دعا کا تو یہی کہتا ہے
اور اونچا ہو کسی طرح سے عرش اعظم

وہ دعا جس سے ہوئی زینت گفتار و کلام
وہ دعا جس سے مشرف ہوئے قرطاس و قلم

وہ دعا جس کو فرشتے کہیں سن کر آمین
وہ دعا حرز دل و قوت جان آدم
وہ دعا جس کے شجر سے ہیں حجر تک مشتق
وہ دعا جس کا اثر آج ہے عالم عالم
وہ دعا یہ ہے خدا تجھ کو سلامت رکھے
تخت شاہی پہ رہے شاہ بصد ناز و نعم
تجھ کو اے ظل خدا عیش خدائی کا ملے
تیرا حامی و مددگار رہے شاہ امم
خضر و الیاس و مسیحا سے بھی ہو عمر دراز
قیصر و خسرو و جم سے ہو سوا جاہ و حشم
زیر فرماں حکومت رہے ربع مسکوں
اور منقاد رہیں اہل عرب، اہل عجم
اس دعا گو کی دعائیں ہوں الٰہی مقبول
داغ مداح رہے مورد الطاف و کرم

قصیدہ در تہنیت عید الفطر و مدح اعلیٰ حضرت بندگان تعالی متعالی حضور پرنور رستم دوراں افلاطون زماں سپہ سالار مظفر الممالک فتح جنگ السلطان ابن السلطان میر محبوب علی خان بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

ہے عید کے دن دل کشا، صحن زمیں سطح فلک
اے حبذا صل علیٰ، صحن زمیں سطح فلک

پاک ابر رحمت نے کیا، صحن زمیں سطح فلک
ہے شامل اہل صفا، صحن زمیں سطح فلک

رخصت سے ماہ صوم کی، بدلے یہ تحت و فوق بھی
عید آتے ہی کچھ اور تھا، صحن زمیں سطح فلک

ہے عید کا ساماں دو چند، آئینہ ہوں پست و بلند
کر صاف اے باد صبا، صحن زمیں سطح فلک

ہر ذرہ اک خورشید ہے، خورشید کو بھی عید ہے
ہے کس قدر رونق فزا، صحن زمیں سطح فلک

خوش جیسے آدم زاد ہیں، قدسی بھی سب دل شاد ہیں
ہے عید سے کیا پر فزا، صحن زمیں سطح فلک

یہ سبز سبزے سے پری، رنگ آسماں کا اخضری
تختہ زمرد کا بنا، صحن زمیں سطح فلک

یہ سبزے کی روئیدگی، اللہ رے بالیدگی
ہر برگ بڑھ کر ہو گیا، صحن زمیں سطح فلک

اس میں کھلے گلہائے تر، اس میں ستارے جلوہ گر
ہے اک بساط خوشنما، صحن زمیں سطح فلک

ہم رنگ مئے گل کا ورق، تو زعفرانی ہے شفق
عشرت فزا فرحت فزا، صحن زمیں سطح فلک

ہے خوشہ گندم یہاں، ہے خوشہ پرویں وہاں
ساماں کیا کیا رزق کا، صحن زمیں سطح فلک

دربار آصف جاہ ہے، روشن جمال شاہ ہے
جلوے سے جس کے بھر گیا، صحن زمیں سطح فلک

فرش مقیش سے عیاں، اک چاندنی کا سا سماں
ہے آج کیا کیا خوش نما، صحن زمیں سطح فلک

روشن ہیں فرشی جھاڑ ادھر، عقد ثریا ہے ادھر
پرنور اک سے ہوا، صحن زمیں سطح فلک

مسند نشیں ہے بادشا شہر، ہے شامیانہ رشک مہ
کیونکر نہ اترائیں بھلا صحن زمیں سطح فلک

وہ شاہ کا نور نظر، پرتو سے جس کے سربسر
شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ، صحن زمیں سطح فلک

بحر کرم ہے موج پر، سلطاں کا طالع اوج پر
کرتے ہیں فخر اس کا بجا، صحن زمیں سطح فلک

اس کو ہو تمکیں تخت سے، اس کو تعلی بخت سے
تھے درحقیقت ورنہ کیا، صحن زمیں سطح فلک

محبوب سلطان دکن، ہے ظل رب ذوالمنن
پرتو سے جس کے پرضیا، صحن زمیں سطح فلک

مطلع بہ مضمون وسیع، اک لکھوں باشان رفیع
جس پر ہوں شیدا و فدا، صحن زمیں سطح فلک

مطلع ثانی

چمکا فروغ شہہ سے کیا، صحن زمیں سطح فلک
اب ہے جبین مہ لقا، صحن زمیں سطح فلک

اول تو تیرا مرتبہ، پھر اس پہ تیرا حوصلہ
اتنا بڑا جتنا بڑا، صحن زمیں سطح فلک

اس پر ترا نقش قدم، اس پر ترا خط علم
کیسا نگاریں بن گیا، صحن زمیں سطح فلک

یہ تیرے گوہر کے لئے، وہ تیرے اختر کے لئے
اس واسطے پیدا کیا، صحن زمیں سطح فلک

گوہر کی اس میں آب ہے، اختر کی اس میں تاب ہے
روشن ہیں اپنی جاہ، صحن زمیں سطح فلک

بدخواہ کی ہیں تاک میں، مل کر ملائیں خاک میں
ہیں گرچہ ظاہر میں جدا، صحن زمیں سطح فلک

قہر عدو ہو اس میں گر، سر پر گرے وہ ٹوٹ کر
پاتے نہ کیوں نشوونما، صحن زمیں سطح فلک

منظور ہو گر شاہ کو، پیسیں سر بدخواہ کو
مل کر برنگ آسیا، صحن زمیں سطح فلک

شاہ دکن کی نیکیاں، لکھی نہ جائیں بے گماں
گر صفحہ ہو قرطاس کا، صحن زمین سطح فلک

یوں شہہ کا قلب صاف ہے، یوں پاک یوں شفاف ہے
جیسے پس ابر و ہوا، صحن زمیں سطح فلک

وسعت سے قلب شاہ کی، کوئی کرے کیا رو کشی
چھوٹے ہیں ذرے سے سوا، صحن زمین سطح فلک

کیسے پلنگ و شیر نر، لے نسر طائر کی خبر
دو صیدگہ ہیں جابجا، صحن زمیں سطح فلک

دست کرم ہے زرفشاں، بخت رسا اختر نشاں
ان دولتوں نے بھر دیا، صحن زمیں سطح فلک

گم ہو گئی ہے مفلسی، محتاج بھی ہیں اب غنی
کیوں کر ہوں بے برگ و نوا، صحن زمیں سطح فلک

دست سخاوت دیکھ کر، پھیلا ہوا ہے کس قدر
ہے دامن حرص و ہوا، صحن زمیں سطح فلک

اس دور میں علت کہاں، ہے جابجا امن و اماں
رکھتے ہیں تاثیر سفا، صحن زمیں سطح فلک

آب و ہوا کا ہے اثر، پھیلی ہے حکمت کس قدر
خود ہیں اشارات و شفا، صحن زمیں سطح فلک

عالم میں تیری خوبیاں، آخر سماں گی کہاں
کیا بڑھ کے ہو گا چوگنا، صحن زمیں سطح فلک

تعریف اسپ

وہ اسپ شہہ چالاک ہے، بجلی سی جس کی دھاک ہے
اک آن میں طے کر گیا، صحن زمیں سطح فلک

جب گرم ہو تیرا سمند، اڑ جائے سب پشت و بلند
ہے اس کے آگے چیز کیا، صحن زمیں سطح فلک

گشت سمند باد پا، گر ہو نہ دم میں جابجا
بے کار ہے کس کام کا، صحن زمیں سطح فلک

نعل سم توسن یہاں، ظاہر مہ نو ہے وہاں
روکش ہی کیا کیا دیکھنا، صحن زمیں سطح فلک

در تعریف فیل

ہاتھی بھی ایسا زور مند، اس پر عماری بھی بلند
نیچا ہوا اونچا ہوا، صحن زمیں سطح فلک

یہ سرخ وردی فوج کی، جس وقت عکس افگن ہوئی
مانند لالہ کھل گیا، صحن زمیں سطح فلک

مشق قواعد جب ہوئی، لشکر سے ایسی گرد اڑی
آپس میں اکثر مل گیا، صحن زمیں سطح فلک

خاک غبار مدعی ہے چرخ تک پھیلی ہوئی
چوڑا ہو یارب تا کجا، صحن زمیں سطح فلک

فوارۂ خون عدو، کیا جوش زن ہے چار سو
مثل شفق رنگیں ہوا، صحن زمیں سطح فلک

دے کر دعا اے داغ اب، تاثیر کر حق سے طلب
باندھا کرے گا تاکجا، صحن زمیں سطح فلک

اے بادشہہ سر پر ترے، اس نور کا سایہ رہے
جس نور سے پیدا ہوا، صحن زمیں سطح فلک

ہو ربع مسکوں پر عمل، آئے نہ تا گردوں خلل
تیرے ہوں اے ظل خدا، صحن زمیں سطح فلک

زر کے یہاں انبار ہوں، حاصل وہاں انوار ہوں
پھیلا کے دامن دیں دعا، صحن زمیں سطح فلک

سر پر ترے بدخواہ کے، انگارے برسیں چرخ سے
اس کو ہو دوزخ سے سوا، صحن زمیں سطح فلک

خاک تن بد خواہ سے، دشمن کے دود آہ سے
بن جائے یا رب دوسرا، صحن زمیں سطح فلک

اس شش جہت میں یا خدا، ہو دور دورا شاہ کا
ہو زیر حکم بادشاہ، صحن زمیں سطح فلک

یہ بادشا دائم رہے، یہ سلطنت قائم رہے
جب تک رہیں حاجت روا، صحن زمیں سطح فلک

قصیدۂ در تہنیت عید اضحیٰ بنام اعلیٰ حضرت بندگان

عالی متعالی حضور پر نور رستم دوراں افلاطون زماں سپہ

سالار مظفر الممالک فتح جنگ السطان ابن السلطان میر محبوب

علی خاں بہادر نظام الملک آصف جاہ خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ

شب کو میں فکر میں تھا خلوتی خلوت گاہ
جلوۂ شاہد معنی نظر آیا ناگاہ

بارک اللہ زہے حسن کہ دل ہو بے تاب
لوحش اللہ خہے جلوہ کہ ٹھہرے نہ نگاہ

رنگ وہ رنگ نہ پائیں گل و ریحاں جس کو
نور وہ نور کہ پہنچے نہ جسے مہر نہ ماہ

اس پری چہرہ خوش انداز کا وہ حسن و جمال
حور بھی جس کو کہے دیکھ کے ماشاء اللہ

غمزہ وہ تیر کہ نخچیر ہوں ترکاں ختن
عشوہ وہ سحر کہ تسخیر ہوں گردان ہراہ

عشوہ وہ ناوک دل دوز نہیں جس سے اماں
غمزہ وہ تیغ جہاں سوز نہیں جس کی پناہ

شوخ گفتار کہ بلبل بھی کہے صلی علیٰ
تیز رفتار کہ محشر بھی کہے بسم اللہ

بانکے انداز سے کیا ترچھی ادائیں روکش
ہو گیا گوشہ ابرو سے طرف کلاہ
سرو و شمشاد و صنوبر سے بھی زیبا قامت
سرخ تر لالہ گل سے بھی قبا اور کلاہ
تن نازک کو گراں ہو جو چھوئے باد صبا
چہرۂ صاف ہو میلا جو پڑے گرد نگاہ
نوک منقار سے لے فصد رگ گل بلبل
اک نزاکت کا ہو سودا اگر اس کو ناگاہ
رخ پرنور وہ روشن ہے کہ جس کے آگے
مہر تاباں ہو توا ماہ مبیں خال سیاہ
اللہ اللہ وہ تجلی ہے رخ روشن کی
دیکھ کر سورۂ والشمس پڑھیں اہل اللہ
دولت حسن کی کرتی ہیں حفاظت زلفیں
اس خزانے کے نگہبان ہیں یہ دو مار سیاہ
اس کے عشق رخ پرنور کا دل شاہد ہے
اس کے حسن نظر افروز کی آنکھیں ہیں گواہ
اس کی خوشبو سے معطر ہے دماغ و دل و جان
اس کے رنگ گل رخسار سے رنگیں ہے نگاہ
شوخیوں میں وہ شرارت کہ الٰہی توبہ
چتونوں میں وہ قیامت کہ عیاذاً باللہ
ترک چشم ایک جفا ساز ہے یا ترک فلک
فوج مژگاں ہے کہ چنگیز کی خوں ریز سپاہ

نرگس چشم کی تسخیر بعینہ جادو
خط عارض میں سراسر اثر مہر گیاہ

ساتھ لاکھے کے وہ مسی کی دھڑی اس لب پر
شفق شام و شب وصل بہم سرخ و سیاہ

رخ پرنور ہے خورشید' تو ابرو ہیں ہلال
جوہر فرد دھن ہے تو کمر تار نگاہ

دل کو اس چاہ زنخداں سے وہی اندیشہ
پہلے گرنے سے جو یوسف کو خطر تھا لب چاہ

سامعہ اس کی حکایت سے بشارت اندوز
باصرہ اس کے نظارے سے منور دل خواہ

نہ وہ بے رحم' نہ بے درد' نہ بے مہر و دغل
صاف چہرے سے ٹپکتے تھے وفا اور نباہ

ہوش افزا' طرب افزا' خرد افزا کیا کیا
حیلہ و مکر و دغا تھے یہ جفائے جانکاہ

لطف و اخلاص و محبت سے نہایت رغبت
کینہ و بغض و عداوت سے بغایت اکراہ

مہربانی سے وہ دے. اس کو دلاسا کیا کیا
حال دیکھے کسی مشتاق کا اپنے جو تباہ

اپنے ہاتھوں سے بڑھائے اسی جانب دامن
دست مشتاق پڑے گر کسی صورت کوتاہ

حور جنت یہ مگر عالم اسباب میں ہے
وصل اس کا ہے ثواب اور فراق اس کا گناہ
اس کی شوخی وہ قیامت کہ جسے دیکھتے ہی
لوٹ جائے دل مشتاق' تڑپ جائے نگاہ
میں نے دیکھا جو یہ جلوہ نہ رہے ہوش بجا
لب سے نالہ' دل بیتاب سے نکلی اک آہ
متحیر و متعجب متفکر ہو کر
اڑ گئے ہوش کہ یہ کون ہے یا رب اللہ
دل ربائی کے سب انداز ادائیں دل کش
اس سے پوچھا کہ ترا نام ہے کیا کر آگاہ
زہرہ ہے یا ہے قمر برق ہے یا ہے خورشید
حور ہے یا ہے پری جلد بتا دے للہ
زیر لب ناز و ادا سے متبسم ہو کر
اس نے یہ مجھ سے کہا میں ہوں نوید دل خواہ
بے خبر تجھ کو خبر بھی ہے کہ عید آئی ہے
عید حج کہتی ہے اس عید کو سب خلق اللہ
حج ہے کیا چیز یہ وہ چیز ہے وہ نعمت ہے
مدت العمر کے ہو جاتے ہیں سب عفو گناہ
نہیں عالم میں خوشی حج کی خوشی سے بڑھ کر
کہ مسلمانوں کو دیتا ہے یہ دولت اللہ
آئے ہیں مکے میں باہر سے مسافر لاکھوں
اہل اسلام کا کیا جوش ہے اللہ اللہ

حق تعالیٰ کو ہوا جامہ احرام پسند
ایک ہی وضع ہے درویش سے تا شاہنشاہ

نیت عمرہ سے احرام کسی نے باندھا
اور یہ شوق کہ طے جلد ہو تنعیم کی راہ

شور لبیک کہیں ہے تو کہیں شغل درود
بانگ تکبیر کہیں ہے تو کہیں بانگ صلوہ

سنگ آسود کا کبھی بوسہ کبھی لب پہ دعا
ہے طواف اور کبھی داخلی بیت اللہ

گشت کرتا ہے کوئی تن کے صفا مروہ کا
کسی مشتاق زیارت کی حرم پر ہے نگاہ

رہتے ہیں چاروں اماموں کے مصلے آباد
ہوتے ہیں ورد و صلوۃ آٹھ پہر شام و پگاہ

کوئی ہے دولت عقبیٰ کا خدا سے طالب
کوئی کہتا ہے مرے بخش دے اللہ گناہ

ظلمت پردۂ کعبہ ہے مگر سرمہ چشم
ہوتی ہے اہل زیارت کی منور جو نگاہ

چل کے کعبے سے ٹھہرتے ہیں منا میں شب کو
اور سوئے عرفات آتے ہیں پھر وقت پگاہ

فاصلے کعبے سے نو کوس کا ہے تا عرفات
اس میں نو لاکھ سے ہوتی ہے سوا خلق اللہ

ظہر کے بعد سے ہوتا ہے وہاں خطبہ شروع
عصر کے بعد سے لد جاتے ہیں خیمے خرگاہ

مسجد مزدلفہ میں بین منا و عرفات
بہر حجاج ہے اک رات کی وہ طاعت گاہ
پڑھتے ہیں ساتھ وہاں آکے عشا و مغرب
اہل حج کرتے ہیں تحمید و مناجات الہ
جب چلے مزدلفہ سے تو منا میں پھر آئے
تین دن کے لئے ہوتی ہے وہی منزل گاہ
رجم شیطان لعیں کے لئے کنکر مارے
پڑھ کے لا حول ولا قوۃ الا باللہ
شتر و دنبہ و بز ذبح ہوئے ہیں اتنے
آسمان شفقی رنگ بنی قرباں گاہ
قابل دید ہے بازار منا کی خوبی
اسلحہ اقمشہ اشیائے فراواں دل خواہ
ہفت اقلیم کے ہیں اطلاس و دیبا موجود
ہے یہ بازار کہ گلزار ہے رنگیں سر راہ
حج کے ارکان و مناسک کی یہی ہے تکمیل
کرتی ہے طوف حرم جا کے جو پھر خلق اللہ
یوں چلا قافلہ بطحی سے بسوئے یثرب
نغمہ پیرا و خوش الحان ہیں حدی خواں ہمراہ
دل مشتاق کو یہ شوق کہ اڑ کر پہنچوں
مجھ سے پیچھے ہی رہے بڑھ نہ سکے پیک نگاہ
آمد آمد کی خبر سنتے ہی مہمانوں کی
رہتے ہیں لوگ مدینے کے سبھی چشم براہ

غل ہوا صلی علیٰ صل علیٰ کا پیہم
دور سے قبہ انور کو جو دیکھا ناگاہ

چاہئی روضہ اطہر کی زیارت کے لئے
پاک ہو اشک ندامت سے وضو کرکے نگاہ

چرخ اخضر ہے کہاں قبہ اخضر کا نظیر
ہفت افلاک نہیں جس کے مثال و اشباہ

کعبہ کرتا ہے طواف اس کا یہ ایسا ہے مقام
اس کے قدسی بھی مجاور ہیں یہ ہے وہ درگاہ

یہ مقام متبرک وہ ادب کی ہے جگہ
دل لرزتا ہے جہاں کانپتے ہیں پائے نگاہ

پہلے حمام کیا پھر وہیں بدلی پوشاک
سب بسے عطر میں یوں جیسے عروس و نوشاہ

مسجد احمد مرسل میں ہوئے سب حاضر
خاک اس مسجد انور کی ہوئی زیب جباہ

وہ نبی صلی علیٰ اس کا مزار اقدس
چادریں نور کی پڑتی ہیں جہاں شام و پگاہ

واسطے نعت نبی کے متقاضی ہو کر
دل نے جب مجھ سے کہا میں نے کہا بسم اللہ

شان حضرت میں پڑھوں مطلع مقبول ایسا
سنتے ہی انس و ملک سب کہیں سبحان اللہ

فخر انسان و ملائک شہہ کونین پناہ
سیدی احمدؐ محبوب و حبیب اللہ

ملک ہو ملک ہو یا کوئی ملک ہو کہ ملک
زیر فرمان محمدؐ ہیں وہ ہے شاہنشاہ

ہے رخ و موئے مبارک ہی کے پرتو کا اثر
تا قیامت جو رہے گا یہ سفید اور سیاہ

قاب قوسین کا پایا ہے مقام عالی
اللہ اللہ رے یہ مرتبہ و رفعت و جاہ

آپ کی ذات ہے وہ ہادیٔ دین و ایماں
آگئے راہ پر اسلام کے لاکھوں گم راہ

آپ سا کون ہے عالم میں شفیق امت
کہ سوا رہتی ہے ماں باپ سے شفقت کی نگاہ

شافع روز جزا ہے وہی ذات اقدس
بخشوائیں گے وہی امت عاصی کے گناہ

آپ کی وجہ سے ہے دولت عقبیٰ حاصل
آپ کی وجہ سے فردوس بنا نعمت گاہ

ناتوانوں کو قوی دل جو کرے آپ کا لطف
لے اڑے کوہ کو بھی اپنی ہوا میں پرکاہ

صاحب علم لدن واقف اقرار خفی
حال کونین سے ہے قلب مطہر آگاہ

آپ ہی تو ہیں مددگار ملوک و ملکوت
آپ ہی شاہ دکن کے بھی تو ہیں پشت پناہ

شاہ وہ شاہ سکندر حشم و قیصر بخت
شاہ وہ شاہ فلک منزلت و کیواں جاہ

شاہ وہ شاہ حسن تن و برز و بازو
شاہ وہ شاہ جہاں پرور و آفاق پناہ

شاہ وہ شاہ عطا پاش و خطا پوش و شفیق
شاہ وہ شاہ جہاں پرور و آفاق پناہ

آج دربار درر بار میں سب حاضر ہیں
شاہ زادے امرا اہل قلم اہل سپاہ

مدح سلطان میں پڑھوں مطلع روشن ایسا
رشک خورشید جہانتاب ہو جو غیرت ماہ

مطلع

خسرو ملک دکن پادشہ ظل اللہ
میر محبوب علی خان نظام آصف جاہ

مشتری جاہ و عطارد رقم و ماہ خدم
شاہ خورشید علم خسرو سیارہ سپاہ

شان وہ شان کہ بے قصد جھکے فرق نیاز
نام و نام کہ قربان ہو دل خواہ مخواہ

عدل وہ عدل نہیں جس میں رعایت مطلق
بذل وہ بذل کہ لاکھوں ہوں عطا بحر رفاہ

لطف وہ لطف کہ ہوں رام رمیدہ خاطر
خلق وہ خلق کہ بدخواہ بھی ہوں نیکی خواہ

عزم وہ عزم کہ لے آن میں ربع مسکوں
نظم وہ نظم کہ عاشق کا بھی دل ہو نہ تباہ

جاہ و اقبال کو ہے ظل سعادت سے شرف
دست امید کو ہے دامن دولت میں پناہ

جس قدر بخت بلند اس قدر اقبال بلند
دل بھی اتنا ہی بڑا جتنا بڑا دامن جاہ

یہ فلاطون زماں ہے تو ارسطوئے زمن
حال روشن ہو اسے دیکھتے ہی نبض نگاہ

روبرو اس کے ہے بسلطان سکندر ایسا
مختصر جیسے ہو درویش کا رخت بنگاہ

چشم ہر نقش قدم شوق میں وا رہتی ہے
جب گذرتی ہے سواری بہ تجمل سر راہ

نیزہ برداروں میں خورشید سے ہے تا مریخ　چتر برداروں میں برجیس سے لے کر تا ماہ
یہ وقار اور یہ تمکین یہ جمل اور یہ حسن　روکشی اس سے کرے کب ہے مجال بدخواہ
مہر پرنور کہاں اور کہاں ذرۂ خاک　کوہ البرز کہاں اور کہاں بشہ گاہ
ڈھونڈ کر تیرگی بخت مٹا دیتا ہے　اس لئے روز جلاتا ہے فلک مشعل ماہ
خیر خیرات ہے انعام میں جاگیریں ہیں　چشم بددور یہ سرکار ہے کیا عالی جاہ
صرف خاص اور ملازم ہیں جو دیوانی کے　سب کو اتیسویں دن ملتی ہے پوری تنخواہ
قید ہر امر زبوں کی ہے یہاں تک منظور　اڑنے پائے نہ کبھی ملک میں جھوٹی افواہ

مدح حاضر میں پڑھوں مطلع ثانی ایسا
سب کہیں اہل زباں سنتے ہی اک مرتبہ واہ

مطلع ثانی

خون اعدا جو بہائے تیری خوں ریز سپاہ
وہ اٹھے موج کہ طوفاں زدہ ہو کشتی ماہ
جنگ اسکندر و دارا میں قواعد یہ کہاں
ایک بازی گہ اطفال تھی وہ معرکہ گاہ
مانتے ہیں اسے سب روم سے تا انگلستان
یہ جری اور یہ باقاعدہ ایسی ہے سپاہ
چاند ماری نہ سمجھ جائیں اسے اہل تفنگ
چرخ ڈرتا ہے جو پڑتا ہے کبھی ہالہ ماہ
تیغ سے فوج ظفر موج کے کانپ اٹھے برق
تتق گرد سے لشکر کے ہو گرد ابر سیاہ

پھل ہے شمشیر سیہ تاب کا یا بال پری
حلقہ جوہر کا ہے یا حور کی ہے چشم سیاہ

گر دم معرکہ ہو تیغ شہنشاہ علم
اسد و ثور فلک کو نہ ملے جائے پناہ

ضرب شمشیر سے ہر وقت لب اعدا پر
نالہ با نالہ ہر دم ساز اگر آہ بہ آہ

کہیں رکتی ہی نہیں کرتی ہے اک وار میں دو
آہن و سنگ بھی مانگتے ہیں اس سے پناہ

اس کے جوہر کو وہ دیکھے نظر بد سے اگر
چشم اختر میں اتر آئے وہیں آب سیاہ

خوف سے عجز سے لے دانتوں میں تنکا سنجر
رکھ دے فغفور سر معرکہ قدموں پہ کلاہ

نگہ کرم سے ہو جاتے ہیں دشمن فی النار
اڑتے ہیں مثل شرر فرق شریر و بدخواہ

دیکھ کر صورت بدخواہ خود ابلیس لعیں
کہے لا حول ولا قوۃ الا باللہ

فیل وہ شام برن اور وہ شب رنگ ہے اسپ
سایہ پڑ جائے جو ان کا رخ کافر ہو سیاہ

کان تک اس کے جو پہنچے ترک اشتر کی صہیل
بھاگ جائے اسد چرخ بھی مثل روباہ

اثر اپنا جو کرے شاہ کی نیت کا پھل
کیا تعجب ہے جو ثمر ہو ہر اک برگ گیاہ

ملتی زیر زمیں بھی جو لگائے غوطہ
نہ ملے اس کو ترے بحر سخاوت کی تھاہ

کیوں نہ مخلص ہو رعایا کہ دلوں پر ان کے
لکھ دے جب سورۂ اخلاص ترا کلک نگاہ

نور ایماں کے لئے قلب ترا ظرف وسیع
فیض یزداں کے لئے سینہ ترا منزل گاہ

تجھ کو مسعود و مبارک ہو شہا عید سعید
مدعی خوار رہیں شاد رہیں دولت خواہ

قلزم فکر میں اب غرق ہوا جاتا ہوں
ڈال دے مجھ کو کنارے پہ تری موج نگاہ

کس طرح اس سے ادا ہوں تیرے پورے اوصاف
ہے زباں خامے کی میری بھی زباں سے کوتاہ

داغ کی ہے یہ دعا تیرے مساعد ہوں مدام
بخت و اقبال و حشم سلطنت و دولت و جاہ

قصیدہ در مدح نواب سکندر جنگ اقبال الدولہ

اقتدار الملک وقار الامرا بہادر دام اقبالہم

نواب ہے تو نشان اقبال اقبال جہان، جہان اقبال
اقبال الدولہ نام اور ہے روح و روان و جان اقبال
ہے زینت خاندان شوکت ہے رونق خانمان اقبال

تیرے ہی نصیب کی قسم کھائے بخشا تجھے ارمغان اقبال
وہ دیکھ لیں تیرا مصحف رخ لیں فال جو نکتہ دان اقبال
پیشانی اگر ہے آسماں قدر خط اس پہ ہے کہکشان اقبال
دیدار امیر ہے فرح بخش سرمست ہیں مے کشان اقبال
ہاتھ آئے نہ کیوں گل تمنا گلزار ہے بوستان اقبال
اسکندر و جم کا سر جھکا دے سرور ترا آستان اقبال
چٹکی میں تری خدنگ نصرت مٹھی میں تری کمان اقبال
تو گوہر کان سروری ہے تو اختر آسمان اقبال
دیکھا تجھے جس نے بول اٹھا کہتے ہیں اسی کو شان اقبال
کہتے ہیں اسے قران سعدین تجھ سے جو ہو اقتران اقبال
القاب ترا جو ہم عدد ہے خوش حال ہیں ترجمان اقبال
دارا ہے کہاں کہاں سکندر ہو جائے اب امتحان اقبال

آنکھوں سے یہ کلتیان اعمال ہیں تیرے نگاہبان اقبال
کرتا ہے مطیع سرکشوں کو سرکار کا قہرمان اقبال
چرچا ہے ترا زباں زباں پر ہر لب پہ ہے داستان اقبال
گر جلمہ زر ہے تو ہے بے کار جب تک نہ ہو طیلسان اقبال
جب سے ہے گراں وقار کے پاس قیمت میں گراں ہے کان اقبال
کیوں دور نہ بھاگے اس سے ادبار ہشیار ہے پاسبان اقبال
لاکھوں میں تری ہی بندگی کا اقبال کرے زبان اقبال
اکسیر ہو خاک کو جو چھو لے اللہ رے امتحان اقبال
بدخواہ جو ہو ترے مقابل نخچیر کرے سنان اقبال

ایوان و رفیع و سعد و فرخ گویا ہے اک آسمان اقبال
کہتے ہیں فلک نما اسی کو کس اوج پہ ہے مکان اقبال
اس کوہ پر اس قدر عمارت معمور ہے اصفہان اقبال
ہر ایک ستوں ستون ثروت ہر صحن مکاں جہان اقبال
اے شاہ سوار اشہب جاہ قابو میں رہے عنان اقبال
اقبال ہے لازوال تیرا ہے فضل خدا ضمان اقبال
اقبال کی دیکھ کر ترقی کچھ کہتے ہیں رازدان اقبال
کونین کی نعمتیں ہوں موجود آراستہ ہو جو خوان اقبال
تا دور فلک رہے میسر یہ نعمت جاودان اقبال
اللہ کرے کہ تاقیامت دیکھے نہ کبھی خزاں اقبال
اقبال ترا ہو روز افزوں ہر آن سوا ہو شان اقبال
یاور ہو فروغ مثل اختر شوکت ہو معیں بسان اقبال
ہمت رہے ہم عنان دولت دولت رہے تو امان اقبال
سو پشت بہ پشت ہو امارت یوں طول کرے زمان اقبال
ہے باغ جہاں کا تازگی بخش تیرا ہی تو باغبان اقبال
دنیا میں ترے ہی دم قدم سے آباد ہے خانمان اقبال
محتاج بیاں نہیں ترے وصف میں کیا جو کروں بیان اقبال
گر زیر قدم ہے فرش دولت تو سر پہ ہے سائبان اقبال
گر زیر قدم ہے فرش دولت تو سر پہ ہے سائبان اقبال
برسوں کی مٹا دے کلفتوں کو مل جائے جو ایک آن اقبال
ساحل پہ لگا دے میری کشتی نواب کا بادبان ● اقبال

زیبا ہے اگر تجھے کہوں میں یکسان و خدایگان اقبال
اولاد کی تو بہار دیکھے پھولا رہے گلستان اقبال
روشن مہ و مہر سے فزوں تر دن رات ہو دود ومان اقبال
حاصل ہو اسے بھی دولت عیش
یہ داغ ہے مدح خوان اقبال

ردیف الف

۱

ان آنکھوں نے کیا کیا تماشا نہ دیکھا
حقیقت میں جو دیکھنا تھا، نہ دیکھا

تجھے دیکھ کر وہ دوئی اٹھ گئی ہے
کہ اپنا بھی ثانی نہ دیکھا، نہ دیکھا

ان آنکھوں کے قربان جاؤں جنھوں نے
ہزاروں حجابوں میں پروانہ دیکھا

نہ ہمت، نہ قسمت، نہ دل ہے، نہ آنکھیں
نہ ڈھونڈا، نہ پایا، نہ سمجھا، نہ دیکھا

مریضان الفت کی کیا بے کسی ہے
مسیحا کو بھی چارہ فرما نہ دیکھا

بہت درد مندوں کو دیکھا ہے تو نے
یہ سینہ، یہ دل، یہ کلیجا نہ دیکھا

وہ کب دیکھ سکتا ہے اس کی تجلی
جس انسان نے اپنا جلوا نہ دیکھا

بہت شور سنتے تھے اس انجمن کا
یہاں آکے جو کچھ سنا تھا، نہ دیکھا

صفائی ہے باغ محبت میں ایسی
کہ باد صبا نے بھی تنکا نہ دیکھا

اسے دیکھ کر اور کو پھر جو دیکھے
کوئی دیکھنے والا ایسا نہ دیکھا

وہ تھا جلوہ آرا مگر تو نے موسیٰ
نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا، نہ دیکھا

گیا کارواں چھوڑ کر مجھ کو تنہا
ذرا میرے آنے کا رستا نہ دیکھا

کہاں نقش اول، کہاں نقش ثانی
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا

تری یاد ہے یا ہے تیرا تصور
کبھی داغ کو ہم نے تنہا نہ دیکھا

۲

وہ جلوہ تو ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا
آنکھوں کو مگر دید کا لپکا نہیں جاتا

کیا خاک کروں ان سے تغافل کی شکایت
یہ حال ہی ایسا ہے کہ دیکھا نہیں جاتا

آغوش میں لوں، پاؤں پڑوں، کھینچ لوں دامن
ہاتھ آئے جو تجھ سا، اسے چھوڑا نہیں جاتا

کیا جانے کوئی اور وہ کیا ہے، وہی جانے
سمجھا نہیں جاتا اسے، جانا نہیں جاتا

یہ داغ مٹائے نہیں مٹتا، نہیں مٹتا
یہ درد محبت نہیں جاتا، نہیں جاتا

یہ بھی ہے نئی ان کو نزاکت کی شکایت
کہتے ہیں ترے دل کو ستایا نہیں جاتا

وہ حال ہے میرا کہ مرے کاتب اعمال
لکھتے ہیں، مگر ان سے بھی لکھا نہیں جاتا

دل بستگی اس کوچے میں ایسی ہے بشر کی
دیوانہ بھی پھر جانب صحرا نہیں جاتا

کہتا ہوں تو رکتی ہے زباں سامنے اس کے
لکھتا ہوں اگر حال تو لکھا نہیں جاتا

کیا قاصد نافہم کو میں باندھ کے بھیجوں
وہ تو نہیں جاتا، نہیں جاتا، نہیں جاتا

میں وضع کا پابند ہوں گو جان بھی جائے
جب کوئی بلانے نہیں آتا، نہیں جاتا

عاشق سے کسی بات میں قائل نہیں ہوتے
معشوقوں کا ہر حال میں دعوا نہیں جاتا

دل اک نہیں چھوڑا ہے، دہائی ہے خدا کی
پھر مانگنے والوں کا تقاضا نہیں جاتا

ہم جان سے جاتے ہیں محبت میں کسی کی
اپنا ہے ضرر، کچھ بھی کسی کا نہیں جاتا

اس کے تو نگہبان مزے لوٹ رہے ہیں
تنہا نہیں آتا کبھی، تنہا نہیں جاتا

وہ کہتے ہیں کیا جور اٹھاؤ گے تم اے داغ
تم سے تو مرا ناز اٹھایا نہیں جاتا

۳

سرسبز کبھی برگ خزاں ہو نہیں سکتا
جو پیر ہوا، پھر وہ جواں ہو نہیں سکتا

آنکھیں ہوں تو وہ جلوہ نہاں ہو نہیں سکتا
پھر عرش بھی پردے کا مکاں ہو نہیں سکتا

رونے سے نہ مرجاؤں گا میں، آپ نہ ہنسیے
یہ اشک رواں، عمر رواں ہو نہیں سکتا

کیونکر نہ کہوں غیرت جنت ہے ترا گھر
دنیا کا کوئی کام یہاں ہو نہیں سکتا

سیدھی نگہ ناز جھکے گی نہ حیا سے
یہ تیر کسی طرح کماں ہو نہیں سکتا

معشوق بدل جاتے ہیں قسمت کی طرح سے
کیا راحت جاں آفت جاں ہو نہیں سکتا

وہ کوچہ اسی فتنہ محشر کا ہے قاصد
قابو دل مضطر پہ جہاں ہو نہیں سکتا

اب لطف شب وصل کہاں اے دل ناداں
ہر روز وہ ساماں، وہ سماں ہو نہیں سکتا

افسانہ مرا تم نے سنا، میں نے سنایا
اک حرف رہا ہے، وہ بیاں ہو نہیں سکتا

کس وجہ سے گھبرانے لگا دل یہ نہ پوچھو
کیا بیٹھے بٹھائے خفقان ہو نہیں سکتا

تاکید وفا کیجئے محشر میں تو جانیں
جاری یہ کبھی حکم وہاں ہو نہیں سکتا

افسانے میں میرے ہیں بہت خار تمنا
یہ یاد کبھی نوک زباں ہو نہیں سکتا

وہ چاہتے ہیں غیر کو پھر یہ بھی یقیں ہے
معشوق پہ عاشق کا گماں ہو نہیں سکتا

دل مائل و شیدا ہے بس اب اور نہ پوچھو
کس پر ہے، کہاں ہے، یہ بیاں ہو نہیں سکتا

فتنے تری چتون سے کہاں اٹھ نہیں سکتے
جادو تری آنکھوں سے کہاں ہو نہیں سکتا

اس چشم سخن گو پہ تعجب ہو نہ کیونکر
جو تار نظر ہے وہ زباں ہو نہیں سکتا

یا پرسش بیداد ہو اے داور محشر
یا کہہ دے کہ انصاف یہاں ہو نہیں سکتا

فرماتے ہیں وہ داغ کے مرقد کو مٹا کر
اس نام کا پیدا ابھی نشاں ہو نہیں سکتا

۴

یہ چھیڑ ہے کیا ضبط فغاں ہو نہیں سکتا
ہاں کہہ تو دیا آپ سے، ہاں ہو نہیں سکتا

مشتاق کو دیدار کہاں ہو نہیں سکتا
کیا ہو نہیں سکتا ہے، یہاں ہو نہیں سکتا

ہم کہتے ہیں دعوے سے ترا عشق ستم گر
ہاں کر نہیں سکتا کوئی، ہاں ہو نہیں سکتا

کچھ دیر نہیں لگتی ہے نیت کو بدلتے
کیا شیخ حرم پیر مغاں ہو نہیں سکتا

کیوں عرض تمنا پہ مرے ہونٹ سئے تھے
اب نام ترا ورد زباں ہو نہیں سکتا

رگ رگ میں چھپاتا ہوں ترا درد محبت
پھر بھی تو یہ کم بخت نہاں ہو نہیں سکتا

کافی ہے مجھے ایک سبق حضرت ناصح
میں ہفت قلم، ہفت زباں ہو نہیں سکتا

دھوکا مجھے دیتی ہے بھولی تری باتیں
بیداد کا ایسے پہ گماں ہو نہیں سکتا

کہنے کے لئے آپ ہیں، سننے کے لئے ہم
جو ہم نے سنا ہے وہ بیاں ہو نہیں سکتا

حال دل افسردہ کا کیوں ان کو یقیں ہو
زندے پہ تو مردے کا گماں ہو نہیں سکتا

جب دل سے نکالوں تو یہی کہتی ہے حسرت
مہمان سے خالی یہ مکاں ہو نہیں سکتا

جو دل میں تمہارے ہے وہی ہے مرے دل میں
میں کہہ دوں اگر تم سے بیاں ہو نہیں سکتا

دل مانگ کے شرمندہ عبث کرتے ہو مجھ کو
کیا اس کے نہ ہونے کا گماں ہو نہیں سکتا

کیوں ہاتھ پہ تم ہاتھ دھرے بیٹھے ہو خاموش
کیا تھک گئے اب قتل جہاں ہو نہیں سکتا

کیا جانئے کس شے کی محبت میں کمی ہے
پورا اثر آہ و فغاں ہو نہیں سکتا

جو تم پہ یقیں ہے وہ یقیں ہٹ نہیں سکتا
جو تم پہ گماں ہے وہ گماں ہو نہیں سکتا

گو دفتر غم روز سناتا ہوں انہیں میں
پھر بھی یہ کہوں گا کہ بیاں ہو نہیں سکتا

اے داغ تمہیں وصل کی تدبیر بتا دی
تقدیر کا ذمہ تو یہاں ہو نہیں سکتا

۵

کیا دوں اسے کچھ پاس دکھائی نہیں دیتا
کیوں مجھ کو خدا ساری خدائی نہیں دیتا

جس شخص کو تو درد جدائی نہیں دیتا
ایسا کوئی دنیا میں دکھائی نہیں دیتا

کیا پاس در یار دکھائی نہیں دیتا
تقدیر کو اللہ رسائی نہیں دیتا

ہو معرکہ عشق میں ہو میرے مقابل
ایسا تو کوئی مجھ کو دکھائی نہیں دیتا

صیاد کو گر رحم بھی آیا تو کروں کیا
یہ شوق اسیری تو رہائی نہیں دیتا

کیا غیر چھپائے گا ترا راز محبت
اوچھے کو خدا اتنی سمائی نہیں دیتا

فریاد مری سن کے یہ کہتا ہے وہ کافر
اللہ کے گھر جا کے دہائی نہیں دیتا

وہ غیر کے پھندے میں ہیں میں دام میں ان کے
ایک ایک کو دونوں میں رہائی نہیں دیتا

میں پاؤں پر ان کے جو گرا ڈر کے وہ بولے
اندھا ہے ارے تجھ کو دکھائی نہیں دیتا؟

دل لے کے کسے دینے لگے مجھ سے تو پوچھو
خیرات کوئی چیز پرائی نہیں دیتا

کس طرح سنوں عذر ستم اس کی زباں سے
کچھ شور قیامت میں سنائی نہیں دیتا

آتا تو نہ ہو وصل کا پیغام ادھر سے
کچھ آج مزا درد جدائی نہیں دیتا

قسمت ہی میں زاہد کے ہیں دن رات کے فاقے
کیا پیر مغاں روزہ کشائی نہیں دیتا

بخشے گئے محشر میں گنہ گار محبت
زاہد تجھے کیا دن کو دکھائی نہیں دیتا

گر آج قیامت ہے تو میں داد طلب ہوں
دھوکا تو مجھے روز جدائی نہیں دیتا

تعریف عدو کرکے عبث داد طلب ہو
کوئی صلہ ہرزہ درائی نہیں دیتا

جب خوب بھرا پھوٹ بہا آبلہ دل
تسکین یہ بے چشم نمائی نہیں دیتا

کہتا ہے زمانے سے برا مجھ کو وہ ظالم
کس کس کو مری لکھ کے برائی نہیں دیتا

چبھتی ہوئی کہتا ہوں تو ہو جاتے ہو خاموش
معلوم ہوا تم کو سنائی نہیں دیتا

میں آتش دل عشق میں کیا خاک بجھاؤں
فرصت ہی ترا دست حنائی نہیں دیتا

کس طرح سے ہو مور سلیماں کے برابر
چھوٹوں کو خدا اتنی بڑائی نہیں دیتا

تم اس سے طلب کرتے ہو اے داغ دل اپنا
جو لے کے کبھی چیز پرائی نہیں دیتا

۶

لے کے دل وہ چھیڑ سے کچھ کہہ گیا دیکھتے کا دیکھتا میں رہ گیا
میں نہ کہتا تھا کہ دل لے لو مرا عاقبت وہ خون ہو کر بہہ گیا
چاند سے چہرے پہ کیوں ڈالی نقاب چاند یہ کیسا گہن میں گہہ گیا
اس قدر گردش میں تھا میرا غبار ساتھ پھر کر آسماں رہ رہ گیا
گالیاں بھی جھڑکیاں بھی تم نے دیں اور دینے کے لئے کیا رہ گیا
مجھ کو جو سننا تھا میں نے سن لیا اس کو جو کہنا تھا منہ پر کہہ گیا
ہائے میری خستگی و ماندگی چل دیا سب قافلہ میں رہ گیا
اور ناصح کو کڑی میں نے کہی ایک جب چبھتی ہوئی وہ سہہ گیا
جب سے وہ رہنے لگے ہیں بے نقاب روز و شب کا نور مہر و مہ گیا
عاشقوں سے عشق چھپتا ہے کہیں پھوٹ کر جب روئے، دریا بہہ گیا
داغ سے اٹھا نہ اک رشک رقیب
جو ستم سہنے کے تھے وہ سہہ گیا

۷

محفل سے تیری خوش نہ گیا آ کے جو گیا ہر نامراد اپنے نصیبوں کو رو گیا
صبر و قرار و ہوش گئے دل بھی کھو گیا جو کچھ مرے نصیب کا ہونا تھا ہو گیا
دل نامراد یاس سے ویرانہ ہو گیا اب ولولہ جو شوق کا تھا وہ بھی لو گیا
برپا اگرچہ نوح کا طوفان ہو گیا افسوس ہے کہ داغ محبت نہ دھو گیا

کمبخت یہ بھی دے نہ سکا رات بھر کا ساتھ — میں جاگتا رہا شب غم، بخت سو گیا

کی گفتگو یار بڑی آب و تاب سے — قاصد تو بات بات میں موتی پرو گیا

عاشق کا درد پوچھئے معشوق سے ذرا — جب مل گئے تو دونوں کا دل ایک ہو گیا

اتنا گناہ گار ہے افشائے عشق میں — آنسو نکل کے دامن مژگاں بھگو گیا

اس انجمن کی سیر سے بھرتا ہے دل کہیں — حسرت نصیب وہ ہے یہاں آ کے جو گیا

درد غم فراق سے رہتی تھی دل لگی — کتنا بڑا رفیق جدا مجھ سے ہو گیا

دل کو محیط عشق سے چاہا نکالنا — ہم کو بھی ساتھ ڈوبنے والا ڈبو گیا

مجھ سے ہوا تمام نہ افسانہ عشق کا — وہ جاگتے رہے، مجھے نیند آئی، سو گیا

آ کر شب فراق مری موت ہو گئی — روز وصال جا کے گیا وقت ہو گیا

آتا تھا کوئی نشہ صہبا میں ڈوب کر — ملتے ہی آنکھ رنگ میں اپنے ڈبو گیا

ہم مٹ گئے مگر خلش دل نہ مٹ سکی — کانٹے ہمارے حق میں ترا عشق بو گیا

اس رخ کے پاس حسن کی دولت کہاں رہی — اتنے دیئے ہیں بوسے کہ محتاج ہو گیا

کن حسرتوں کا کشتہ ہوں اللہ رے بے کسی — آ کر مرے جنازے پہ دشمن بھی رو گیا

یہ بھی نزول رحمت باری کی شان ہے — وہ دشمن وفا مری میت پہ رو گیا

اے اہل بزم اتنی مدد چاہتا ہوں میں — جب وہ خفا ہو مجھ کو چھپا کر کہو، گیا

جب یہ سنا کہ ہو گیا اچھا مریض عشق — بولے وہ ہاتھ مار کے زانو پہ سو گیا

سودا و میر و ذوق ہوں یا سوز و درد ہوں — اس کا کہاں جواب ہے ان میں سے جو گیا

اے داغ عشق آفت جاں ہے ذرا سنبھل کر
دو دن میں کیا سے کیا یہ ترا حال ہو گیا

۸

لب عشق بیمار پہ کھولا نہیں جاتا — دم بند مسیحا کا ہے بولا نہیں جاتا

تدبیر اگر لاکھ کرے عقدہ کشائی
تقدیر کا عقدہ کبھی کھولا نہیں جاتا

مقدار میں ہے کوہ گراں بار محبت
یہ بوجھ کسی طرح سے تولا نہیں جاتا

پھولوں میں کبھی تلتے تھے وہ اف ری نزاکت
اب ان کو نگاہوں میں بھی تولا نہیں جاتا

دروازے کی زنجیر تو کھلتی نہیں تم سے
کیا روزن دیوار بھی کھولا نہیں جاتا

یوسف کی بھی تصویر ہے' اس بت کی بھی تصویر
سچ یہ ہے کہ ایمان سے بولا نہیں جاتا

اس شوخ دغا باز کا کھلتا نہیں کچھ بھید
جب تک اسے باتوں میں ٹٹولا نہیں جاتا

گھل مل کے پلاتے ہو رقیبوں کو تو ساغر
کیا میرے لئے زہر بھی گھولا نہیں جاتا

مے خانے سے نکلا ہے خم دختر رز کیوں
زاہد کے تو گھر آج یہ ڈولا نہیں جاتا

جب دیکھئے دل کوچہ قاتل میں ہے موجود
کس روز یہ نادان یہ بھولا نہیں جاتا

رکھ دے مرے سینے پہ کوئی دست حنائی
مرہم سے تو اس دل کا پھپھولا نہیں جاتا

ساقی نہ مرے دل کو جلا آتش تر سے
شورے میں صراحی کو جھکولا نہیں جاتا

اس زور اس شور سے قاصد تو چلا ہے
یوں جلد کبھی توپ کا گولا نہیں جاتا

گرتے ہیں جو اے داغ زمیں پر گہر اشک
ان موتیوں کو خاک میں رولا نہیں جاتا

۹

کر گیا تاثیر نالہ بلبل ناشاد کا
ہاتھ لینا' پاؤں اب جمتا نہیں صیاد کا

سب نے دیکھا کچھ اثر اس آخری فریاد کا
وہ ذرا سا منہ نکل آیا مرے جلاد کا

سنتے ہیں گلچیں سے جھگڑا ہو گیا صیاد کا
ہم صفیر آج موقع ہے مبارک باد کا

یہ کہاں نقشہ جو دیکھا عاشق ناشاد کا
درد کا یہ دل نہیں' یہ منہ نہیں فریاد کا

پاس اپنے کا ہے اپنے کو ریاض دہر میں
سبھو کو ہے سرو کا' شمشاد کو شمشاد کا

اشک لے تحت الثریٰ کو نالہ پہنچے عرش تک
کیا زمیں تانبے کی ہے' کیا آسماں فولاد کا

کیوں اجازت کے لئے دیکھا ادھر ہنگامِ قتل
بس چلے تو خون پی جاؤں ابھی جلاد کا

چرخ ہے یا وہ ستم گر اور کس کا نام لوں
اس ستم ایجاد کا یا اس ستم ایجاد کا

ہم تو وحشت میں چلے دیوار زنداں پھاند کر
جس کو رہنا ہو رہے وہ منتظر میعاد کا

کار تیشہ بے ستوں کے واسطے اک کھیل تھا
کام وہ تھا کام آخر کر دیا فرہاد کا

چلتے چلتے یہ خزاں سے کہہ گئی باد بہار
خاک میں ملنا نہ دیکھا جائے گا اولاد کا

رحم کے قابل ہوئی ایسی مری دیوانگی
موم کی زنجیر ہو کہتا ہے دل حداد کا

گر پڑا میں حشر میں اس فتنہ گر کے پاؤں پر
یہ عجب افتاد ہے' قائل ہوں اس افتاد کا

بھول کر پوچھا اگر مجھ کو تو وہ پھر بھول تھی
یاد سے پوچھو تو پھر کیا پوچھنا اس یاد کا

چوکتا ہے دل کوئی جب بے تعلق ہو گیا
لاکھ میں منہ بند ہوتا ہے کہیں آزاد کا

باد صرصر نے بچا لیا آشیان عندلیب
ایک جھوکے میں ادھر منہ پھر گیا صیاد کا

عاشقوں کی خانہ ویرانی سے تھی اس کو غرض
پہلے پتھر جس نے رکھا عشق کی بنیاد کا

دل اگر چاہے کہ روکوں کب رکے طفل سرشک
آج کل کرتے ہیں لڑکے سامنا استاد کا

داور محشر کے آگے اس نے گھبرا کر کہا
داغ کوتاہی نہ کر یہ وقت ہے امداد کا

۱۰

پر نہ باندھے' پاؤں باندھا بلبل ناشاد کا
کھیل کے دن ہیں' لڑکپن ہے ابھی صیاد کا

خاتمہ جو آج کے دن تھا تری بیداد کا
شور محشر کو بھی غل سمجھا مبارک باد کا

بس ٹھہرا اے بے قراری دم نہیں فریاد کا
درد بھی آرام کرتا ہے دل ناشاد کا

غیر کے مرنے سے بھی اندیشہ مجھ کو ہو گیا
فیصلہ کر دے نہ یہ فتنہ عدم آباد کا

یا سروہی دست قاتل میں نہیں یا سر نہیں — یا ہمارا دم گیا یا خنجر فولاد کا

خون ناحق رنگ لایا ہے دم مشق ستم — ہاتھ جھوٹا پڑ گیا آخر مرے جلاد کا

جیتے جی اہل سخن سے داد لی اشعار کی — زندگی میں میں نے سب حق دے دیا اولاد کا

تم کو میری جان کی، ایمان کی اپنے قسم — حوصلہ باقی نہ رہ جائے کسی بیداد کا

مجھ کو دیوانہ سمجھ کر ڈالتا تھا بیڑیاں — ہاتھ میں میرے گریباں آگیا حداد کا

بے بلائے جا کے اس محفل میں نہ پوچھیں گے ہم — وہ کہاں ہے بھولنے والا ہماری یاد کا

ہو گیا تھا کس قدر بے آب جوئے شیر سے — خون میں فرہاد کے تیشہ بجھا فرہاد کا

اہل زنداں کو بھی رحم آتا ہے میرے حال پر — روز اک اک روز گنتے ہیں مری میعاد کا

کیا تغافل کیا جفا یہ بھی سہی وہ بھی سہی — پڑ گیا دل کو مزا ظالم تری بیداد کا

اس سے بڑھ کر اور ہو گی خانہ ویرانی بھی کیا — ہے ہوا پر سایہ میرے خانہ برباد کا

برگ گل کی قدر کچھ عاشق کی نظروں میں نہیں — اس سے پر ملتا کہاں ہے بلبل ناشاد کا

پرورش اتنے اسیروں کی کوئی آسان ہے — ایک دن جی چھوٹ جائے گا مرے صیاد کا

سنگ مقناطیس بھی ہر چند ہے آہن ربا — جذب دل سے دیکھ کھنچنا خنجر فولاد کا

ہاتھ دل پر، آہ لب پر، آنکھ سے آنسو رواں — اب تو یہ نقشہ ہے تیرے عاشق ناشاد کا

ذبح کر ڈالا ہے اک اک سخت جاں کو ڈھونڈ کر — آج کل ہے تیز لوہا خنجر فولاد کا

خار خار ناامیدی نے دکھایا ہے مجھے — دھجیاں ہو ہو کے اڑتا دامن فولاد کا

خود مصور لوٹ جائے شوخ صورت ہے وہی — اس کی شوخی کھینچ لے یہ منہ نہیں بہزاد کا

شاہ آصف جاہ نے کی داغ اک عالم کی قدر

حیدر آباد اب نمونہ ہے جہاں آباد کا

١١

ہو اثر اتنا سوز نالہ فریاد کا — ہم تماشا دیکھ لیں گھر پھونک کر صیاد کا

اس کے قامت سے ہوا ہے سامنا شمشاد کا
یہ نیا ہے معرکہ آزاد سے آزاد کا

کون سا صدمہ بتاؤں اس دل ناشاد کا
درد کا، ارمان کا، آزار کا، بیداد کا

کوہ میں جب شور ہو تو گونج اٹھتا ہے پہاڑ
یہ اثر باقی ہے اب تک ماتم فرہاد کا

رحم آتا ہے ہجوم اہل محشر پر مجھے
ایک ہی نالہ کا ہے یہ ایک ہی فریاد کا

پوچھنا جو کچھ ہو جلدی پوچھ لے روز حساب
مجھ کو دھڑکا ہے الٰہی اس ستم ایجاد کا

سایہ بھی میرا الٰہی کوئے قاتل میں نہیں
رشک ہے کیوں خون میرے ساتھ ہو ہمزاد کا

آدمی کے واسطے قید علائق ہے ضرور
حضرت آدم کو لایا سلسلہ اولاد کا

اور کچھ تم سے نہیں میں چاہتا روز جزا
اتنا کہہ دینا یہ عاشق تھا مری بیداد کا

کوندتی ہے آشیاں پر آج بجلی بے طرح
ہم وہیں ہوتے جو ہوتا پاس گھر صیاد کا

مجھ سے نفرت کس قدر ہے اس بت بے مہر کو
گنجفے میں بھی ورق رکھا نہ میری یاد کا

زہر کھا کر سو رہوں یا وصل کا طالب رہوں
حکم کیا ہوتا ہے، میں ہوں منتظر ارشاد کا

گل رخوں کا عشق بعد مرگ بھی چھپتا نہیں
روح عاشق میں ہے عالم نکہت برباد کا

مجھ سے ظالم نے کہا انگلی اٹھا کر سوئے چرخ
اس سے کہئے سننے والا ہے وہی فریاد کا

نوحہ گر ہے آنکھ پر دل، آنکھ دل پر اشکبار
پڑ گیا ہے پیٹنا ناشاد کو ناشاد کا

آسماں بے مہر، وہ بت سنگ دل، تو بے نیاز
کون پرساں ہے الٰہی عاشق ناشاد کا

جب کسی ناصح نے بات اگلے ہی وقتوں کی کہی
آدمی دیکھا نہیں اس عمر میں اس یاد کا

ایک شیریں اور دو عاشق پھر اتنا ان میں فرق
جبر کیا خسرو کا تھا، کیا صبر تھا فرہاد کا

وقت نظارہ ہوئے ہیں پار سب تیر نگاہ
دیکھ چھلنی ہو گیا ہے آئینہ فولاد کا

ذکر میرا اس بہانے سے نہ ظالم نے سنا
بزم میں ہے بدشگونی تذکرہ ناشاد کا

بات پیدا کر نئی، انداز پیدا کر نیا
اے ستم ایجاد اس میں لطف ہے ایجاد کا

اب اثر آئے دعا میں غیر کی ممکن نہیں
کچھ مرے نالے کا حصہ کچھ مری فریاد کا

وعدہ جھوٹا کر لیا' چلیے تسلی ہو گئی
ہے ذرا سی بات خوش کرنا دل ناشاد کا

دونوں لب دو کام دیں جب عاشق کا لطف ہے
ایک خاموشی کا حصہ' ایک ہو فریاد کا

کہہ گئے وہ پھر ملیں گے' کب ملیں گے کیا خبر
اس کی کیا میعاد ہے' وعدہ ہے کس میعاد کا

دفن سے پہلے ہی سی دیں منہ مرا میرے عزیز
بے مروت دل سے کل اندیشہ ہے فریاد کا

یہ بہار داغ ہے گلزار ابراہیم کی
ذوق کہتے ہیں جسے ہے فیض اس استاد کا

۱۲

عاشق ہوا ہوں ایک بت رشک ماہ کا
اللہ تو ہے بخشنے والا گناہ کا

ڈنکا بجا ہے چار طرف واہ واہ کا
ملک سخن ہے آصف عالم پناہ کا

یہ طور دل چرانے کا، ادا اس نگاہ کا
جیسے قسم کے وقت ہو جھوٹے گواہ کا

دونوں طرف لگی ہو مزہ جب ہے آہ کا
دونوں طرف ہو لاگ مزہ جب ہے چاہ کا

کیا کر سکے کوئی ستم و لطف کی تمیز
بجلی کا کوندنا ہے وہ پھرنا نگاہ کا

سرتاج بانک پن کی اداؤں کا ہو گیا
تھوڑی کجی کے ساتھ وہ گوشہ کلاہ کا

دو دن ہی میں مزاج تمہارا بدل گیا
کیوں جی! یہی قرار ہوا تھا نباہ کا؟

دل مضطرب ہے پھیر دے سفاک تو چھری
چین جبیں کا واسطہ' صدقہ نگاہ کا

کوچے میں تیرے عرصہ محشر کو ڈھونڈتا
بہتا پھرا ہے خون کسی بے گناہ کا

وہ تم کہ بھاگتے تھے لڑائی کے نام سے
کس طرح آگیا یہ لڑانا نگاہ کا

یہ چال بھی نئی ہے خود بن کے باوفا
اقرار نامہ لیتے ہیں مجھ سے نباہ کا

کہتے ہیں جس کو تخم محبت جہان میں
اک دانہ میرے دل کی ہے کشت تباہ کا

سوتا نہیں یہ دیدۂ بیدار ذا کے جر — اے کاش پاسباں ہو تری ڈلیب کر کے

بے درد کو نصیب ہے سوز و گداز کب — بے درد کو مزا ہی نہیں دل کی چاہ کا

آتا ہے اب تو ضعف میں آنسو بھی اس طرح — جیسے مسافر آئے تھکا ماندہ راہ کا

لے لوں بلائیں اپنے بھی بخت سیاہ کی — سایہ پڑے اگر تری زلف سیاہ کا

یہ بات تیر لگتی ہے ان کو اگر کبھی — کرتا ہے کوئی ذکر مری آہ او کا

تار نگاہ و سوزن مژگاں سے حشر میں — منہ سی دیا نہ تم نے کسی داد خواہ کا

دل دیں گے ہم تو حضرت ناصح ہزار بار — دینا نہیں ہے آپ کے کچھ قبلہ گلہ کا

جو راہ اختیار کرو، دل ہے راہ بر — معلوم اس کو حال ہے سب راہ راہ کا

اتنا مزا تو شعر میں ہو جس سے ہم سنیں — یا شور آہ آہ کا، یا واہ واہ کا

اے داغ داغ عشق کی تعریف کیا لکھوں
یہ آفتاب ہے مرے روز سیاہ کا

۱۳

ہمارا دل ہے جیسا ناصبور ایسا نہیں ہوتا — کوئی نزدیک ایسا ہو کے دور ایسا نہیں ہوتا

جھکی پڑتی ہیں آنکھیں رات بھر جاگے ہو تم بے شک — جوانی کے تو نشے کا سرور ایسا نہیں ہوتا

پری ہو، حور ہو، یوسف ہو، آخر کیا کہیں تم کو — کس کو حسن پر اپنے غرور ایسا نہیں ہوتا

حسینوں میں وہ اپنے حسن پر دعوے سے کہتے ہیں — نہیں ہوتا، نہیں ہوتا، ضرور ایسا نہیں ہوتا

کیا شکر جفا پر قتل مجھ کو اس ستم گر نے — سزا ایسی نہیں ہوتی، قصور ایسا نہیں ہوتا

کیا تھا ہم نے بھی جرم محبت بخشوانے کو — زمانے میں کسی سے کیا قصور ایسا نہیں ہوتا؟

جھلکتی ہے خط عارض پہ اس کے روشنی کیسی — نرالا حسن ہے سائے میں نور ایسا نہیں ہوتا

تمہیں اے ناصح مشفق فرشتہ ہم تو جانیں گے — کسی انسان کا فہم و شعور ایسا نہیں ہوتا

سوال وصل پر یوں اس نے ٹالا مجھ کو ہنس ہنس کر
یہاں ہے پاک محبت اب سے دور ایسا نہیں ہوتا

کسی کو اپنا کر رکھے، کسی کا ہو رہے کوئی
کہیں دنیا میں کیا اے رشک حور ایسا نہیں ہوتا

تجلی جلوہ گر لاکھوں حجابوں میں بھی ہوتی ہے
چھپائے سے چھپے رنگ ظہور ایسا نہیں ہوتا

وہ مست ناز پھر جوش شباب اس کا کوئی دیکھے
کہ ہے کش نشہ صہبا میں چور ایسا نہیں ہوتا

جمال یار کے دیکھے سے جو ہوتی ہے کیفیت
کبھی دل کو سرور، آنکھوں میں نور ایسا نہیں ہوتا

یہ کس نے کہہ دیا عاشق تمہیں بدنام کرتے ہیں
کبھی ایسے غلاموں سے قصور ایسا نہیں ہوتا

بشر وہ کام کرتا ہے، فرشتے کر نہیں سکتے
کہ جو ہوتا ہے اس بندے دور دور ایسا نہیں ہوتا

تری آنکھیں ہیں مست ناز ورنہ نشے کا
خمار ایسا نہیں ہوتا، سرور ایسا نہیں ہوتا

وہ دل میں داغ سے جلتے بھی ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں
کوئی انسان پیدا دور دور ایسا نہیں ہوتا

۱۴

یوں تو دنیا نے زمانے کا تماشا دیکھا
منصفی شرط ہے ہم نے تمہیں کیسا دیکھا

آگیا دیدۂ خوں بار میں دل کا ٹکڑا
مردم چشم میں بھی خال سویدا دیکھا

غیر کی شکل دکھائی نہ خدا نے مجھ کو
شکر ہے آج اسے خواب میں تنہا دیکھا

کمر یار کو دیکھا تو عدم دیکھ لیا
نظر آیا دہن یار تو عنقا دیکھا

سینکڑوں لوٹ گئے ایک اشارے میں ترے
آج ہم نے تری شوخی کا تماشا دیکھا

الاماں قہر الٰہی تھا وہ اس کا غصہ
آج قاتل نے نہ اپنا نہ پرایا دیکھا

طور پر جاؤں جو میں آئیں صدائیں پیہم
ہم نے ایسا نہ کوئی دیکھنے والا دیکھا

اپنے بیمار محبت کی نہ پوچھو حالت
پھر دکھائے نہ خدا حال کچھ ایسا دیکھا

آسماں یہ بھی ہے گویا ترے عاشق کے لئے
بخت واژوں کو نہ اس کے کبھی سیدھا دیکھا

دل بے تاب! کلیجے سے لگا لوں تجھ کو   دیر تک اس نے تڑپنے کا تماشا دیکھا
کچھ سمجھ ہی میں نہ آیا یہ طلسم دنیا   جو سنا ہم نے اور جو دیکھا دیکھا

داغ نے جب یہ کہا داغ جگر دیکھا بھی
جل کے وہ کہنے لگے تیرا کلیجا دیکھا

۱۵

عذر ان کی زبان سے نکلا   تیر گویا کمان سے نکلا
وہ. چھلاوا اس آن سے نکلا   الاماں ہر زبان سے نکلا
خار حسرت بیان سے نکلا   دل کا کانٹا زبان سے نکلا
فتنہ گر کیا مکان سے نکلا   آسماں آسمان سے نکلا
آگیا غش نگاہ دیکھتے ہی   مدعا کب زبان سے نکلا
کھا گئے تھے وفا کا دھوکا ہم   جھوٹ سچ امتحان سے نکلا
دل میں رہنے نہ دوں ترا شکوہ   دل میں آیا زبان سے نکلا
اک جہاں ہم نے دیکھ ڈالا   تو نرالا جہان سے نکلا
ہے تو یوں عاشقی کا نام برا   مر مٹوں کے نشان سے نکلا
وہم آتے ہیں دیکھیے کیا ہو   وہ اکیلا مکان سے نکلا
تم برستے رہے سر محفل   کچھ بھی میری زبان سے نکلا؟
سچ تو یہ ہے معاملہ دل کا   باہر اپنے گمان سے نکلا
اس کو آیت حدیث کیا سمجھیں   جو تمہاری زبان سے نکلا
پڑ گیا جو زباں سے تیری حرف   پھر نہ اپنے مکان سے نکلا
دیکھ کر روئے یار، صلی علیٰ   بے تحاشا زبان سے نکلا

لو قیامت اب آئی، وہ کافر بن بنا کر مکان سے نکلا
مر گئے ہم مگر ترا ارمان دل سے نکلا نہ جان سے نکلا
رہ رو راہ عشق تھے لاکھوں آگے میں کاروان سے نکلا
سمجھو پتھر کی تم لکیر اسے جو ہماری زبان سے نکلا
بزم سے تم کو لے کے جائیں گے کام کب پھول پان سے نکلا
کیا مروت ہے ناوک دل دوز پہلے ہرگز نہ جان سے نکلا
تیرے دیوانوں کا بھی لشکر آج کس تجمل سے، شان سے نکلا
مڑ کے دیکھا تو میں نے کب دیکھا دور جب پاسبان سے نکلا
وہ ہلے لب، تمہارے وعدے پر وہ تمہاری زبان سے نکلا
اس کی بانکی ادا نے جب مارا دم مرا آن تان سے نکلا
میرے آنسو کی اس نے کی تعریف خوب موتی یہ کان سے نکلا
ہم کھڑے تم سے باتیں کرتے تھے غیر کیوں درمیان سے نکلا
ذکر اہل وفا کا جب آیا
داغ ان کی زبان سے نکلا

۱۶

میرے بخت سیہ نے کام کیا صبح محشر کو بھی جو شام کیا
بے گنہ تونے قتل عام کیا واہ! شاباش! خوب کام کیا
قبر پر اس نے جب خرام کیا بے نشانی نے میرا نام کیا
ہوکے مایوس شاد کام ہے دل اس نکمے نے خوب کام کیا
حور کے نام سے ہے رشک تمہیں ہم نے جنت ہی کو سلام کیا

پھر وہی ذکر غیر ہوتا ہے پھر وہی آپ نے کلام کیا
دل پریشان ہو کے نکلا تھا کیا خبر کس جگہ قیام کیا
میرے شکووں میں گزری وصل کی شب اس نے باتوں میں دن تمام کیا
آتے آتے یہاں نزاکت سے کہئے کس کس جگہ مقام کیا
کوئی عاشق نہ ہو کہ سنتے ہیں اس نے آزاد اک غلام کیا
رات دن تیری پردہ داری نے تجھ کو رسوائے خاص و عام کیا
پائمالوں کے دل سے پوچھ ذرا تو نے کیا کیا دم خرام کیا
یہ بھی اعجاز ہے کہ اس بت نے دہن تنگ سے کلام کیا
پینے والوں سے قرض کب اترا کب ادا ہم نے وام دام کیا
مے کدے میں وظیفہ پڑھ پڑھ کر ختم ہم نے مہ صیام کیا
رہنے بھی دے یقین ہے مجھ کو تو نے قاصد ادا پیام کیا
آج کیوں باغ باغ ہے صیاد کس کو اس نے اسیر دام کیا
ہم نہ کہتے تھے سب کہیں گے حال نہ کیا ہم نے یا تمام کیا
مسکراہٹ لبوں کی کہتی ہے غیر سے آپ نے کلام کیا
آنے پاتا نہیں کوئی عاشق خوب محفل کا انتظام کیا
یاد تھی اس کے مصحف رخ کی ہم نے قرآن یوں تمام کیا

حق تعالیٰ کی یہ عنایت ہے
داغ کو خادم نظام کیا

۱۷

زلف نے دل اسیر دام کیا بال باندھا مجھے غلام کیا

عشق بازی میں دل نے کام کیا لاکھوں کاموں کا ایک کام کیا
ابھی حجت تمام بھی نہ ہوئی تو نے قصہ مرا تمام کیا
ہوش آتے ہی بن گیا سفاک یہی اس نے شروع کام کیا
زلف موئے کمر میں الجھی ہے خوب عنقا اسیر دام کیا
بندہ پرور ہی جب نہ تو ٹھہرا بندگی کو تری سلام کیا
بخشئے بخشئے کہ میں نے قصور جو نہ کرنا تھا، لا کلام کیا
سب نے جانا کہ ہم سے کہتا ہے اس نے جب ایک سے کلام کیا
اس سے کیا فائدہ دکھا کے جھلک حشر برپا جو زیر بام کیا
مٹتے مٹتے مٹانے والوں میں تیرے نقش قدم نے نام کیا
تیری تصویر تھی تصور میں آج آنکھوں کا دل نے کام کیا
جور نے، ظلم نے، تغافل نے تم کو کس کس نے نیک نام کیا
بات تجھ سے کرے تو ہم جانیں جس نے اللہ سے کلام کیا
کسی بے درد کا مقام ہے یہ درد نے دل میں کیوں مقام کیا
آگئے اور بھی حسیں دل میں تم نے گھر کا نہ انتظام کیا
بھیج کر خط یہ مجھ کو آیا رشک اس نے قاصد سے کیوں کلام کیا
تو نے صیاد غم کھلا کے مجھے آب و دانہ مرا حرام کیا
داغ نے تم سے کی وفاداری
اور دشمن کا تم نے نام کیا

۱۸

بدمستی شباب میں فکر مآل کیا ایسے میں سوجھتا ہے حرام و حلال کیا

مل جائے مفت، ہے یہ تمہارا خیال کیا
دل کو سمجھ لیا کسی مردے کا مال کیا؟

آتا نہیں زباں پہ حرف سوال کیا
اتنی سی بات کا تمہیں اتنا ملال کیا

سکتہ نہ جس کو دیکھ کے ہو وہ جمال کیا
آئینے کو تو دیکھئے ہے اس کا حال کیا

آکر یہاں بندھا ہے تمہیں یہ خیال کیا
ہو گا غم فراق میں دشمن کا حال کیا

بعد فنا بھی چین مجھے دو گے یا نہیں
تم نے بنا لیا مرے ماتم میں حال کیا

وہ چپکے چپکے کہتے ہیں وقت خرام ناز
آجائے گی ہر ایک کو یہ چال ڈھال کیا

یہ ہے کوئی بات کہ محشر اٹھایئے
آتا ہے تم کو بیٹھے بٹھائے خیال کیا

دشنام دے رہے ہیں وہ عرض وصال پر
ان کا جواب کیا ہے، ہمارا سوال کیا

گو ہاتھ ٹوٹ جائیں، زبان قطع ہو، مگر
ہو گی ادا نہ آنکھ سے طرز سوال کیا

پیر مغاں سے آپ ملے تھے جناب شیخ
فرمایئے تو ہے مرے مرشد کا حال کیا؟

ہو آیئے تو حضرت واعظ یہ جانئے
جنت کا حال کیا ہے، جہنم کا حال کیا

مدت کے بعد آئے تو دو چار دن رہو
جاتا رہے گا چار گھڑی میں ملال کیا

کچھ جھائیاں ہمیں نظر آتی ہیں خیر ہے
رکھا تھا تم نے غیر کے زانو پہ گال کیا؟

دو چار سوچ لیجئے پہلو جواب کے
کچھ آپ سہل سمجھے ہیں میرا سوال کیا

دل مانگتے نہیں مجھے محتاج جان کر
سچ ہے کرے فقیر سے کوئی سوال کیا

دیکھیں، مہ صیام میں یہ چاند عید کا
ساقی کے ناخنوں میں نہیں ہے ہلال کیا

اکھڑا ہے دم مرا تو یہ حکمت ہے چارہ گر
دل پر سے اڑ نہ جائے گی گرد ملال کیا

اک آن میں بدلتی ہے اس کا رہے خیال
کیا جانیں آپ، ہے مری نیت کا حال کیا

انسان آرزو ترے ملنے کی کیا کرے
امکان میں نہ ہو تو نہیں ہے محال کیا

کچھ کچھ نگاہ شرم میں تیزی بھی چاہئے
دل ہو گا ایسی کند چھری سے حلال کیا

یہ کیا کہا کہ تجھ کو تو ناحق کا رشک ہے
میرے رقیب کر گئے سب انتقال کیا

تھم تھم کے چلئے تیزی رفتار ہے بری — کوئی ہوا کی چال سے ہو پائمال کیا

پتھر کے بت کو لاکھ بنائے کوئی حسیں — جب جان ہی نہیں تو وہ حسن و جمال کیا

کھولا جو خط مرا تو سیاہی چپک گئی — گھبرا کے لکھ دیا انھیں حرف وصال کیا

کھٹکا ہوا ہوں روز کا برتاؤ دیکھ کر — یہ ڈھنگ ہیں تمہارے تو لطف وصال کیا

مدت کے بعد ہم سے ملے ہو، کہو تو کچھ — پیدا کیا ہے اتنے دنوں میں کمال کیا

انسان کیا فرشتہ تو پہچان لے مجھے — جاتی رہے گی حشر میں تغیر حال کیا

کہنے لگے وہ داغ کی وحشت کو دیکھ کر
دیکھے تو کوئی اس نے بنایا ہے حال کیا

۱۹

اشارہ اس نگہ کا روح افزا ہو نہیں سکتا
کہ جادوگر سے اعجاز مسیحا ہو نہیں سکتا

وہ دنیا تھی کہ ہم کو دیکھ کر تم منہ چھپاتے تھے
یہ محشر ہے یہاں عاشق سے پردا ہو نہیں سکتا

عوض دل کے وہی دینا پڑے گا ان کو جو مانگوں
وہ جھگڑا کر نہیں سکتے، یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

شکایت دوست کر سکتے ہیں تیری، کر نہیں سکتے
کہیں ایسا بھی ہو سکتا ہے، ایسا ہو نہیں سکتا

الٰہی کیا قیامت میں بنے گی داد خواہوں پر
وہ فرماتے ہیں کیا دعوے پہ دعوا ہو نہیں سکتا

جوانی کے ہیں دن کر لو وفا لے لو دعا ہم سے
موافق ہر زمانے میں زمانا ہو نہیں سکتا

زہے قسمت کہ اس نے وصل کی شب مہرباں ہو کر
کیا احسان ایسا جس کا بدلا ہو نہیں سکتا

پڑا تھا غیر کی گردن میں کیا کچھ ہم سے تو کہئے
یہ کیسا درد ہے' کیوں ہاتھ سیدھا ہو نہیں سکتا

بگڑ جاتی ہے عادت' بے وفائی آہی جاتی ہے
تمہارا ہو کے پھر یہ دل ہمارا ہو نہیں سکتا

گئے وہ اٹھ کے پہلو سے تو یہ کہتے گئے مجھ سے
ذرا سا صبر کر لو' تم سے اتنا ہو نہیں سکتا

ہمیں بھی نامہ بر کے ساتھ جانا تھا بہت چوکے
نہ سمجھے ہم کہ ایسا کام تنہا ہو نہیں سکتا

محبت آدمی سے آدمی کو ہو ہی جاتی ہے
جو کر رکھے تو کیا کوئی کسی کا ہو نہیں سکتا

عجب حیرت میں ہوں کیوں کر بتاؤں میں زمانے میں
کہ ہو سکتا ہے تجھ سا اور تجھ سا ہو نہیں سکتا

الٰہی کیوں غم فرقت میں ہم مرمر کے جیتے ہیں
کہ دنیا میں تو کوئی مر کے زندہ ہو نہیں سکتا

لیا تھا دیکھنے کو دل انہوں نے' اب نہیں دیتے
مرا یہ حال ہے مجھ سے تقاضا ہو نہیں سکتا

مرے پاس وفا کی کاش تم مقدار ٹھہرا لو
کہ اتنا مجھ سے ہو سکتا ہے' اتنا ہو نہیں سکتا

بگاڑے سے تو بن جاتے ہیں سب اپنے بھی بیگانے
بنا لینے سے کیا بیگانہ اپنا ہو نہیں سکتا

ہوئے ناآشنا ایسے کہ تم سے اب مرے حق میں
برا بھی ہو نہیں سکتا جو اچھا ہو نہیں سکتا

ادا تیری ادا کیا کر سکے گا خوب رو کوئی
ستم بھی تو زمانے سے نرالا ہو نہیں سکتا

محبت میں پڑے ہیں ایسے ایسے پیچ آ آ کر
کہ اپنی زندگی میں طے یہ جھگڑا ہو نہیں سکتا

ہم ان کی آتش فرقت میں جل جائیں کہ مر جائیں
کسی صورت کلیجا ان کا ٹھنڈا ہو نہیں سکتا

سوال وصل پر اے داغ دل کی رہ گئی دل میں
کہا منہ پھیر کر ظالم نے "ایسا ہو نہیں سکتا"

۲۰

وصل میں جھوٹی تسلی کے سوا کیا ہو گا
بہت اچھا' بہت اچھا' بہت اچھا ہو گا

دل افسردہ کا جب حال بیاں ان سے کیا
پھول کومل کے کہا ہاتھ میں "ایسا ہو گا"

نگہ شوق کی خواہش کو سمجھ لو دل میں
ورنہ دو چار گھڑی بعد تقاضا ہو گا

تم کسی کے نہ ہوئے ہو' نہ کسی کے ہو گے
دل کسی کا نہ ہوا ہے' نہ کسی کا ہو گا

خوبیاں داغ کی جب اس نے سنیں سن کے کہا
کیا غرض ہم کو' وہ اپنے لئے اچھا ہو گا

چلے گی داور محشر کے آگے دو بدو کیا کیا
کہوں گا تجھ کو میں کیا کیا، کہے گا مجھ کو تو کیا کیا

ہوئے ہیں عشق میں عشاق رسوا چار سو کیا کیا
مٹی ہے آبرو والوں کی اس میں آبرو کیا کیا

یہ ہے شوق شہادت دیکھتے ہی شکل قاتل کی
مری رگ رگ سے دیکھو پھوٹ نکلا ہے لہو کیا کیا

کسی کے ناز نے مارا ہے مجھ کو یہ علامت ہے
رہے گی قبر پر میری بہار ناز بو کیا کیا

نہ کہتے ہی بن آتی ہے نہ رکھتے ہی بن آتی ہے
ہمارے دل ہی دل میں پھر رہی ہے آرزو کیا کیا

وہ مے کش ہوں چلا جب پی پلا کر بزم ساقی سے
مرا دامن پکڑنے کو بڑھا دست سبو کیا کیا

کوئی جلسہ نہیں چھٹتا، کوئی محفل نہیں چھٹتی
کیا کرتے ہیں ہم پھر پھر کے اس کی جستجو کیا کیا

جو تو ہو مہرباں سب مہرباں ہوں یہ مثل سچ ہے
ہمارے دوست بنتے ہیں کئی دن سے عدو کیا کیا

دم رخصت جگایا مجھ کو دامن کی ہوا دے کر
بجھا ہے صبح ہوتے ہی چراغ آرزو کیا کیا

جفا بھی کرتے جاتے ہیں وہ ڈر کر پوچھتے بھی ہیں
مرے شکوے کرے گا داور محشر سے تو کیا کیا

وہ کہتے ہیں کہ اس میں خون کی دو چار بوندیں ہیں
کھلائے گا ہمیں مہمان رکھ کر دل میں تو کیا کیا

کبھی گر مل گئی ہے تشنگی میں ایک چلو بھی
بڑھا ہے چلوؤں میرے بدن میں پھر لہو کیا کیا

نمازیں عالم مستی میں ہم نے ساتھ زاہد کے
ادا کیں باوضو کیا کیا' پڑھی ہیں بے وضو کیا کیا

شہیدوں کے لئے زیبا ہیں اے قاتل یہی زیور
ترے شمشیر و خنجر ہوتے ہیں زیب گلو کیا کیا

تپش سے' درد سے' نالوں سے فرقت میں نہیں فرصت
مزے لیتا ہے دل کیا کیا' جگر کیا کیا' گلو کیا کیا

الٰہی عاشقی میں ہم بڑے تقدیر والے ہیں
سنے ہیں خوش گلو کیا کیا' چنے ہیں خوبرو کیا کیا

در اندازوں کے کہنے پر نہ جاؤ تم' وہ کہتے ہیں
ہمارے روبرو کیا کیا' تمہارے روبرو کیا کیا

کوئی جانے تو کیا جانے کہ یہ ہیں راز کی باتیں
رہی ہے دل ہی دل میں میری ان کی گفتگو کیا کیا

رہی ہے داغ پر کیسی عنایت شاہ آصف کی
نکلی آرزو کیا کیا' بڑھائی آبرو کیا کیا

ردیف بائے فارسی

۲۲

[illegible] دوسرا ہے بخدا کون؟ کہ آپ
شافع روز جزا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

ہادیِ راہ خدا ہے بخدا کون؟ کہ آپ
کعبے کا قبلہ نما ہے بخدا کون؟ کہ آپ

یا نبیؐ آپ پہ اللہ نے بھیجی ہے درود
لائقِ صلِ علا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

انبیاء جتنے ہوئے صاحبِ رتبہ ہی ہوئے
سب سے رتبے میں سوا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

آپ کے نام کا لینا ہے شفا کا باعث
دردمندوں کی دوا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

صبرِ ایوبؑ بھی تھا گریہ یعقوبؑ بھی تھا
کلِ تسلیم و رضا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

اللہ رے کیا شان ہے محبوبی کی
اور محبوبِ خدا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

آپ کے دم ہی سے تھی بات قمِ عیسیٰ کی
خضر کا راہ نما ہے بخدا کون؟ کہ آپ

یا محمدؐ مری کشتی کو لگا دیجئے پار
ناخدا بہر خدا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

سببِ کن فیکوں آپ ہی کی ذات ہوئی
باعثِ ارض و سما ہے بخدا کون؟ کہ آپ

آپ کے ہاتھ میں ہے عقدہ کشائی اس کی
داغ کا عقدہ کشا ہے بخدا کون؟ کہ آپ

ردیف تائے قرشت

۲۳

نظر میں چبھ گئی اس گل عذار کی صورت
یہ پھول بھی تو کھٹکتا ہے خار کی صورت

دکھائی غیر کو اس پردہ دار کی صورت
یہ تونے کیا مرے پرودگار کی صورت

یوں ہی جو سینے پہ ہو گی ابھار کی صورت
یہ سیب پھٹ نہ پڑیں گے انار کی صورت

طبیعت ان کی لڑکپن سے تھی جفا کی طرف
الف بھی لکھتے تھے مکتب میں دار کی صورت

خوشی سے کہتے ہیں یہ بھی مرا ہی عاشق تھا
وہ دیکھتے ہیں نئی جس مزار کی صورت

وہ آنکھ غیرتِ نرگس، وہ پھول سے رخسار
وہ کس بہار کا نقشہ بہار کی صورت

کئے ہیں حضرت زاہد نے خم کے خم خالی
بنا کے آئے ہیں اب روزہ دار کی صورت

اشارہ ہے مری جانب سے اب تو (کذا)
بنا کے بھیجی ہے خط میں مزار کی صورت

ستم شریک ہوا کون ایک لطف کے ساتھ
بدل گئی ستم روزگار کی صورت

تمہارے حسن کی لیتی ہے داد آئینے سے
کہ اس نے دیکھی ہے اچھی ہزار کی صورت

وہ میں ہوں سوختہ قسمت کہ میرے گلشن میں
چلی نسیم دم شعلہ بار کی صورت

کہا جو میں نے انہیں بدگماں تو کہتے ہیں
نکالیں آپ مرے اعتبار کی صورت

جھٹک جھٹک کے وہ دامن کو اپنے دیکھتے ہیں
مٹی مٹی مرے مشت غبار کی صورت

پسند کیوں نہ ہو بجلی کا کوندنا ان کو
تڑپ رہی ہے دل بے قرار کی صورت

ہمارے ساتھ تم آئینہ دیکھو خلوت میں
جو چاہتے ہو نظر آئے چار کی صورت

نکل رہے ہیں مرے دل کے شعلے مرقد سے
مزار بھی ہے چراغ مزار کی صورت

یہ کس قدر مرے صیاد کو ہے استغنا
شکار کر کے نہ دیکھی شکار کی صورت

مجھے نہ حشر میں پہچانا' جو برسوں تک
نہ بھولے دیکھی ہوئی ایک بار کی صورت

جناب داغ کی توبہ کا پھر ٹھکانا کیا
نظر جب آئے بت بادہ خوار کی صورت

ردیف رائے مہملہ

۲۴

بیان کس سے کروں ماجرائے درد جگر
جگر کو تھام کے کہتا ہوں ہائے درد جگر

وہ بیٹھیں کاش میرے دہنے پہلو میں
اسی علاج سے تسکین پائے درد جگر

مرے طبیب کو مشکل پہ سخت مشکل ہے
دوائے سوزش دل' پھر دوائے درد جگر

کیسے دماغ کے احسان چارہ گر کے اٹھائے — یہی تو! موت ہے بس انتہائے دردِ جگر
تمہارے دستِ تسلی سے دردِ دل جو مٹے — تمہارے قدموں پہ مجھ کو لٹائے دردِ جگر
اس انجمن میں اگر جم کے بیٹھ بھی جاؤں — ہزار مرتبہ اٹھ کر اٹھائے دردِ جگر
جو دردِ دل میں گرفتار تھا ترا بیمار — وہ رفتہ رفتہ ہوا مبتلائے دردِ جگر
ہمارے منہ کو کلیجا اسی دم آتا ہے — اسے سناتے ہیں جب ماجرائے دردِ جگر
کسے نصیب ہو ایسا مقام رہنے کو — مرے جگر پہ نہ کیوں لوٹ جائے دردِ جگر

زمیں غزل کی یہ ہے داغ! یا شفا خانہ
سنا نہ کان سے ہم نے 'سوائے دردِ جگر

۲۵

مضطرب ہوں کبھی گھر میں کبھی مضطر باہر — اندر اندر کبھی پھرنا کبھی باہر باہر
فتنہ گر سینے میں دل اور وہ دلبر باہر — یہ قیامت ہے مری جان پہ اندر باہر
دلِ بے تاب پہ تم دستِ تسلی رکھ دو — مجھ کو ڈر ہے نہ نکل جائے تڑپ کر باہر
بھر گیا ان کا ملال روز کی تحریروں سے — بے پڑھے پھینک دیا شوق کا دفتر باہر
داغِ دل، زخمِ جگر دیکھ لیں وہ ساتھ کے ساتھ — کاش دونوں ہی نکل آئیں برابر برابر
بے قراری کے ہیں مضمون بہت اے قاصد — خط لفافے سے نہ اڑ جائے نکل کر باہر
اہلِ جنت پہ کرے عشق قیامت برپا — آئے دوزخ سے جو اک دن کو وہ کافر باہر
جلوہ بے تاب جو ہوتا ہے تو کب چھپتا ہے — بجلیاں کوندتی ہیں پردے کے اندر باہر
غیر نے اس کا یہاں بھی نہیں پیچھا چھوڑا — کردے محشر سے اسے داورِ محشر! باہر
خون سینے کا مرے دل پہ جھلک آتا ہے — عشق کی چوٹ ابھر آتی ہے اکثر باہر

صدمہ ہجر قیامت ہے الٰہی توبہ! روح پھرتی ہے مری قبر سے باہر باہر
صبح سے شام اس امید میں ہو جاتی ہے منہ نکالیں گے وہ غرفے سے مقرر باہر
مدعا یہ ہے کہ مشتاق سر اپنا پھوڑیں گھر سے وہ پھینک دیا کرتے ہیں پتھر باہر
گل کو کیا رتبہ ہے نازک بدنی سے اس کی جو کبھی اوس میں بیٹھے نہ گھڑی بھر باہر
شکوۂ غیر پر اس نے جو کئے عذر بہت نہ ہوا جیب خجالت سے مرا سر باہر
دیکھتے ہی مجھے محفل میں انھیں تاب کہاں خود کھڑے ہو گئے کہتے ہوئے باہر باہر
مژۂ یار سے حیرت نہ ہو کیوں کر مجھ کو کہ یہی دل میں مرے ہے یہی خنجر باہر

دل لگی ہو تو کہیں داغ کا دل بھی بہلے
اس کو یکساں ہے جدائی میں تری گھر باہر

۲۶

بے قراری سے کہاں تک پھروں اندر باہر تو ہی پہلو سے نکل جا دل مضطر باہر
پہرے بیٹھے ہیں وہاں غیروں کے اندر باہر روز ہم پھر کے چلے آتے ہیں باہر باہر
دل تو کیا مال ہے سر دینے کو حاضر ہو جائے حکم سے تیرے نہیں عاشق مضطر باہر
عشق کا حکم ہے دل ہی میں رہے فوج الم چھاؤنی چھائے نہ اس طرح کا لشکر باہر
آج دیکھا جو صنم خانے کو زاہد نے کہا نہ گیا ہند سے اس کا کوئی پتھر باہر
نہیں ملتا مرے پہلو میں ٹھکانا دل کا ڈھونڈ مارا نگہ یار نے اندر باہر
ہم اسیروں کو خبر کیا ہے کدھر آئی بہار نکہت گل بھی پھرا کرتی ہے باہر باہر
اب تو در تک بھی نہیں ضعف سے ہم جا سکتے وہ گئے دن جو لگا آتے تھے چکر باہر
اعتبار ان کو نہیں اپنے بھی دربانوں کا خود ٹہلتے ہوئے دیکھا انہیں اکثر باہر
اس نے ٹھکرا کر مری قبر کو جھنجلا کے کہا حشر کے روز نکل آئے گا کیوں کر باہر

آئینہ رویوں کو دیکھے ترے کوچے میں اگر
نہ ہو اس آئینہ خانے سے سکندر باہر

تشنہ آب شہادت مجھے تو رکھتا ہے
اپنے دم سے ہے نہ تلوار، نہ خنجر باہر

غیر پر غصہ دلاتا نہیں اس وجہ سے میں
اپنے جامے سے نہ ہو جائے وہ دلبر باہر

آج کیا ہے جو نکلوائے گئے گھر سے رقیب
اور دربانوں سے پھکوا دیئے بستر باہر

میں سراپا ہوں خجالت پس مردن یارو
پاؤں باہر ہیں کفن سے، نہ مرا سر باہر

آخر انسان ہیں گھبرا گئے مشتاقوں سے
اب رہا کرتے ہیں وہ شہر سے اکثر باہر

تاک کر خط وہ لئے تیر و کماں بیٹھے ہیں
مارا مارا مرا پھرتا ہے کبوتر باہر

بے وفا سارے حسینان وطن ہیں اے داغ
آزمائیں گے کہیں اپنا مقدر باہر

۲۷

پھر شب غم نے مجھے شکل دکھائی کیوں کر
یہ بلا گھر سے نکلی ہوئی آئی کیوں کر

کٹ سکے سختی ایام جدائی کیوں کر
غیر کو آئے الٰہی مری آئی کیوں کر

تونے کی غیر سے کل میری برائی کیوں کر
گر نہ تھی دل میں تو لب پر ترے آئی کیوں کر

نہ کہوں گا، نہ کہوں گا، نہ کہوں گا ہرگز
جا کے اس بزم میں شامت مری آئی کیوں کر

کھل گئی بات جب ان کی تو وہ یہ پوچھتے ہیں
منہ سے نکلی ہوئی ہوتی ہے پرائی کیوں کر

دادخواہوں سے وہ کہتے ہیں کہ ہم بھی تو سنیں
دو گے تم حشر میں سب مل کے دہائی کیوں کر

تم دل آزار و ستم گر نہیں میں نے مانا
مان جائے گی اسے ساری خدائی کیوں کر

ناگہاں شکوۂ بیداد تو کر بیٹھے ہم
اب یہ ہے فکر کریں ان سے صفائی کیوں کر

آب میں بھی تو رہی آتش تر کی تیزی
آگ پانی میں یہ ساقی نے لگائی کیوں کر

اللہ اللہ بتوں کو ہے یہ دست قدرت
ان کی مٹھی میں رہی ساری خدائی کیوں کر

وہ یہاں آئیں، وہاں غیر کا گھر ہو برباد
اس طرح سے ہو صفائی میں صفائی کیوں کر

مجلس وعظ کو دیکھا تو کہا رندوں نے
ہو گی اس بھیڑ کی جنت میں سمائی کیوں کر

آئینہ دیکھ کر وہ کہنے لگے آپ ہی آپ
ایسے اچھے کی کرے کوئی برائی کیوں کر

کثرت رنج و الم سن کے یہ الزام ملا
اتنے سے دل میں ہے اتنوں کی سمائی کیوں کر

اس نے صدقے میں کئے آج ہزاروں آزاد
دیکھئے ہوتی ہے عاشق کی رہائی کیوں کر

داغ کو مہر کہا اشک کو دریا ہم نے
اور پھر کرتے ہیں چھوٹوں کی بڑائی کیوں کر

داغ کل تک تو دعا آپ کی مقبول نہ تھی
آج منہ مانگی مراد آپ نے پائی کیوں کر

۲۸

سکتہ ہے مجھ کو کوچہ دل دار دیکھ کر
دیوار بن گیا در و دیوار دیکھ کر

دیکھا نہ اور کچھ رخ دلدار دیکھ کر
آنکھیں سفید ہو گئیں رخسار دیکھ کر

لگتی ہے آگ جوش خریدار دیکھ کر
جلتا ہوں تیری گرمی بازار دیکھ کر

آنکھیں چرا رہے ہیں وہ ہر بار دیکھ کر
ہشیار ہو گئے مجھے ہشیار دیکھ کر

ٹھوکر بھی راہ عشق میں کھانی ضرور ہے
چلتا نہیں ہوں راہ کو ہموار دیکھ کر

آئیں نہ کاش میری عیادت کے واسطے
ڈر جائیں گے وہ صورت بیمار دیکھ کر

آئندہ حسن یار خدا جانے کیا کرے
دو چار سن کے مر گئے، دو چار دیکھ کر

تم بھی دکھا کے تابش رخسار خوش ہوئے
یا میں ہی غش ہوں جلوۂ دیدار دیکھ کر

ہر دل عزیز ہونے کی گھاتیں یہی تو ہیں
دیکھا مجھے بھی جانب اغیار دیکھ کر

مجھ بادہ کش کے واسطے کوثر میں کیا بچا
جی بجھ گیا ہے مجمع مے خوار دیکھ کر

جی چاہتا ہے جس کو کہوں خاک چارہ گر
دیتا ہے کون خواہش بیمار دیکھ کر

جب ہاتھ کو ہو مشق تو سر ناکتا ہے کون
مشتاق کب لگاتے ہیں تلوار دیکھ کر

دم کھچ کے آگیا ہے مری چشم شوق میں
قاتل کھچی ہوئی تری تلوار دیکھ کر

کس بانکپن سے کوئے حسیناں میں ہے گزر
چل نکلے ہم بھی آپ کی رفتار دیکھ کر

افسوس جنس دل کی نہ کچھ ہم نے قدر کی
کرنا تھا مول چشم خریدار دیکھ کر

ہو گی ہماری کثرت عصیاں ہی سے نجات
آئے گا اس کو رحم گنہ گار دیکھ کر

دے دو فلک کو رکھ لو قیامت کے واسطے
تقسیم کر دو فتنہ' رفتار دیکھ کر

دل میں نہیں ہے کینہ الٰہی تو وجہ کیا
کیوں دیکھتے ہیں مجھ کو وہ تلوار دیکھ کر

اب تاک جھانک کا بھی مزا ضعف سے گیا
آنسو بھر آئے روزن دیوار دیکھ کر

اب گردش فلک کا طریقہ ہی اور ہے
آنکھ کھلیں زمانے کی رفتار دیکھ کر

کٹتی ہے ہجر یار میں اوقات اس طرح
کوئی کتاب یا کوئی اخبار دیکھ کر

معشوق کا اگرچہ ہے شیوہ ستم گری
لیکن برے بھلے کو مرے یار دیکھ کر

احباب کوئے یار سے کیا لائیں داغ کو
وہ تو پھسل پڑا در و دیوار دیکھ کر

۲۹

ہمہ تن داغ ہیں عشاق پر ارماں دو چار
ان کی محفل میں یہ ہیں سرو چراغاں دو چار

نظر آتے نہیں دس بیس میں انساں دو چار
تو دکھا دے ہمیں اے گردش دوراں دو چار

ایک دل' اس میں کھٹکتے ہوئے ارماں دو چار
لاکھ تیروں کے بر . ہیں یہ پیکاں دو چار

جانے پائے گا نہ کوئی تمہیں ہو گا یہ ثواب
تم بٹھانا در دوزخ پہ بھی درباں دو چار

سخت جاں کیسے وہ عاشق تھے الٰہی توبہ
کہ گزاری ہیں جنھوں نے شب ہجراں دو چار

عشق کھلنے ہی لگا، دیکھیے کیا ہوتا ہے
اشک آنے ہی لگے تا سر مژگاں دو چار

بد نصیبوں کی جراحت کے یہ کام آئیں گے
شور بختی سے مری بھر لو نمک داں دو چار

دشت وحشت سے ہے اک معرکہ ہونے والا
باندھ لوں گوشہ دامن میں گریباں دو چار

خوب رویوں کے دہن خضر نے کب دیکھے ہیں
روز ملتے ہیں ہمیں چشمہ حیواں دو چار

دل لگے گا ترے دیوانوں کا جنت میں کہاں
مول لے لیں جو ملیں ان کو بیاباں دو چار

اس سے کیا بڑھ کے نتیجہ ہے وفاداری کا
میرے دس بیس ہیں ہیں خواہاں ترے خواہاں دو چار

چشم کو ناز ہوا گل یہ کھلائے میں نے
اشک پرخوں جو ہوئے زیب گریباں دو چار

ایک عاشق کو وہ الزام اگر دیتے ہیں
خود بخود ہوتے ہیں سن سن کے پشیماں دو چار

دل آشفتہ کا مذکور ہے یا قصہ زلف
جمع ہو جاتے ہیں جس وقت پریشاں دو چار

آتے آتے وہ رقیبوں سے نہ الجھے ہوں کہیں
کہ لے آتے ہیں مٹھی میں گریباں دو چار

آپ کے گھر میں فرشتے تو نہیں نازل ہوتے
بھیس بدلے ہوئے بیٹھے تھے جو مہماں دو چار

ذرے ذرے سے عیاں ایک پریشانی ہے
کیا تری راہ سے گزرے ہیں پریشاں دو چار

سینکڑوں طالب دیدار وہاں جائیں تو کیا
روک لیتے ہیں ہزاروں کو بھی درباں دو چار

ان کو اندیشہ ہے پھر جی نہ اٹھیں میرے شہید
پھیرے کر لیتے ہیں تا گور غریباں دو چار

لڑ ہی جاتی ہے کہیں آنکھ، برا لپکا ہے
ساتھ میرے بھی رہیں ان کے نگہباں دو چار

ہو گئی دیکھیے کیسی مری میت ہلکی
دل سے نکلے ہیں دم مرگ جو ارماں دو چار

حضرت داغ سے چھٹتا ہی نہیں بت خانہ
چل کے سمجھائیں انہیں آج مسلماں دو چار

۳۰

وہ ہوئے مہرباں دشمن پر
پھٹ پڑے آسمان دشمن پر

جان اس بے وفا کو ہم نے دی　　جس کی جاتی ہے جان دشمن پر
اپنی پہچان کو قیامت میں　　کیجئے کچھ نشان دشمن پر
بہت اچھی ہے آپ کی تلوار　　کیجئے امتحان دشمن پر
لوگ کہتے ہیں کیا؟ سنو تو سہی　　جھک پڑا اک جہان دشمن پر
کس کی محفل میں یہ ہوئی عزت　　کیا برستی ہے شان دشمن پر
تم نے بھی کچھ سنا؟ کہ ہے چرچا　　غش ہے اک نوجوان دشمن پر
اب برسنے لگے وہ ہم پر بھی　　کھل گئی ہے زبان دشمن پر؟

داغ تم دل کو دوست سمجھے ہو
دوستی کا گمان دشمن پر؟

۳۱

ہر بات شب ہجر رہی ذہن نشیں .اور　　وہم اور، خیال اور، گمان اور، یقیں اور
میت بھی ہماری نہ رہی کوچے میں ان کے　　وہ کہتے ہیں رکھو اسے لے جا کے کہیں اور
ہم ایک کے پابند محبت نہیں ہوتے　　ہے رنگ طبیعت کا کہیں اور، کہیں اور
تلوار تھا دل کے لئے ابرو کا اشارہ　　ہے تیز چھری اس پہ تری چین جبیں اور
آرام تہہ خاک مجھے خاک نہ ہو گا　　پیدا جو نہ ہو گی مرے مدفن کی زمیں اور
دنیا کو کئے دیتے ہیں دونوں تہ و بالا　　اللہ! بنا ایک فلک، ایک زمیں اور
وہ کون سی خوبی ہے جو دنیا میں نہیں ہے　　کیا کون و مکاں کے ہے سوا خلد بریں اور؟
وحشت نہ ہو جا کر کہیں جنت میں الٰہی　　ہے آب و ہوا اور، مکاں اور، مکیں اور
مشکل ہے کہ میں منزل مقصود کو پہنچوں　　بڑھ جاتی ہے تاثیر سے قدموں کی زمیں اور

انساں فرشتہ نہ بنے گا کبھی واعظ — یہ فرش میں اور کہیے وہ عرش نشیں اور

قبضہ کیے بیٹھے ہیں مرے گھر پہ یہ کہہ کر — مل جائے گی بدلے میں زمیں تجھ کو کہیں اور

کچھ حسرت دیدار پہ موقوف نہیں تھا — ارماں رہا مجھ کو دم باز پسیں اور

دل دوسرا دینے کے لئے لاؤں کہاں سے

اے داغ وہ کہتے ہیں یہ درکار نہیں، اور

۳۲

یارب ہوں بہت تنگ، بدل چرخ و زمیں اور — یا پھینک دے، دنیا سے نکلوا کے کہیں اور

صورت کو تری دیکھ کے یاد آتی ہے اس کی — آنکھوں میں مری پھرتی ہے اک شکل حسیں اور

مسجد سے ہیں بت خانے کے انداز نرالے — در اور ہے، سر اور ہے، سنگ اور، جبیں اور

زخم دل مجروح میں زلفوں نے بھرا مشک — چھڑکے گا نمک اس پہ وہ حسن نمکیں اور

اللہ کا گھر کعبے کو سب کہتے ہیں لیکن — دیتا ہے پتا اور، وہ ملتا ہے کہیں اور

حوروں کی تمنا نہیں اے حضرت واعظ — ہم تاک میں جس کی ہیں وہ ہے پردہ نشیں اور

امید شفاعت ہے مجھے روز قیامت — ارمان نہیں اس کے سوا اے شہہ دیں اور

یہ در ہے یہ سر ہے یہیں ہم جان بھی دیں گے — کیا جائیں گے مرنے کے لئے اٹھ کے کہیں اور

وہ آج بدلتے ہیں نیا سنگ در اپنا — سجدے کے لئے چاہیئے مجھ کو بھی جبیں اور

ہوتے ہیں بہت دفن گراں بار محبت — اک شاخ نکالے گی نئی گلو زمیں اور

غصہ ہے بری چیز، برا کہنے سے اس کو — روکا اگر اک بات پہ، سو اس نے کہیں اور

مجھ کو نہیں ملتا، نہیں ملتا، نہیں ملتا — بہتر ہے تمہیں ڈھونڈ دو اپنا سا حسیں اور

خوش ہیں کہ وہاں خاک میں ملنے کے نہیں ہم — دنیا کی زمیں اور ہے، محشر کی زمیں اور

اس وہم سے وہ داغ کو مرنے نہیں دیتے
معشوق نہ مل جائے اسے زیر زمیں اور

۳۳

نازکی سے قدم اپنا وہ اٹھائیں کیوں کر
میرے دل میں اگر آئیں بھی تو آئیں کیوں کر

دیکھ کر مجمع عشاق وہ بولے ڈر کر
مجھ کو چھوڑیں گی الٰہی یہ بلائیں کیونکر

نہ ہیں ناوک نہ ہیں برچھی نہ کٹاری نہ چھری
دل میں چبھتی ہیں وہ نظریں، وہ ادائیں کیونکر

ہم کو آتے ہیں جو انداز وفا، کیا حاصل
وہ نہیں سیکھتے ہم ان کو سکھائیں کیوں کر

مست، کے ہاتھ لگے چیز تو کب چھٹتی ہے
دل کو چھوڑیں تری مستانہ ادائیں کیوں کر

دل ہی پہلو میں نہیں بوسے کی قیمت کیا دیں
مال جب پاس نہ ہو، مول لگائیں کیوں کر

غیر بھی ساتھ ہی سائے کی طرح رہتے ہیں
اپنی آنکھیں ترے قدموں میں بچھائیں کیوں کر

جور کے واسطے ہے تاب و تواں بھی درکار
ہو کے نازک وہ مرے دل کو ستائیں کیوں کر

شام سے فکر ہمیں صبح شب وصل کی ہے
وہ اگر جائیں تو ہم آپ میں آئیں کیوں کر

عمر کا اپنی گھٹانا تو بہت آساں ہے
غصہ بڑھ جائے تمہارا تو گھٹائیں کیوں کر

کچھ ٹھکانا بھی ہے اس بے سرو سامانی کا
کس طرح کون سے دن ان کو بلائیں کیوں کر

چھیڑ سے وہ تو خفا ہو گئے اب فکر یہ ہے
کہ منا کر انہیں ہم عید منائیں کیوں کر

وعدہ سچا ہی سہی یہ تو بتا دو ہم کو
ہم تمہیں حشر کے دن ڈھونڈ کے پائیں کیوں کر

تجھ کو دنیا کی نہیں فکر، سمجھ اے واعظ
دل لگی کی ہے جگہ دل نہ لگائیں کیوں کر

کیفیت خواب پریشاں کی نہ پوچھو ہم سے
کس کو دیکھا ہے کہاں، نام بتائیں کیوں کر

بعد میرے وہ رقیبوں میں بہل جائیں گے
یاد آئیں گی انہیں میری وفائیں کیوں کر

مہربانی تو کرو، پھر یہ تماشا دیکھو　　جو وفادار ہیں کرتے ہیں وفائیں کیوں کر
راز دل گر نہ کہیں اپنی زباں سے نہ کہیں　　مہر ہم چشم سخن گو یہ لگائیں کیوں کر
مہرباں ہو کے ستمگر وہ ہوئے جاتے ہیں　　پھیرلیں عرش سے ہم اپنی دعائیں کیوں کر
اک نظر دیکھتے ہی ان کے گئے ہوش و حواس　　کھوئے جاتے ہوں جو ایسے انہیں پائیں کیوں کر

توبہ کرتے ہیں کہیں ایسی طبیعت والے
حضرت داغ قسم عشق کی کھائیں کیوں کر

ردیف فا

۳۴

ذرا سی دیر کرو امتحان کی تکلیف　　اٹھاؤ میرے لئے اک آن کی تکلیف
بیان کیسے کریں اپنی جان کی تکلیف　　ہماری جان پہ ہے اک جہان کی تکلیف
تمہاری بزم میں بھولے سے میں چلا آیا　　کرو نہ میرے لئے پھول پان کی تکلیف
وہ ماجرائے شب ہجر سن کے روئے بہت　　ذرا سی میں نے جو اپنی بیان کی تکلیف
تری نگہ نے دل تنگ میں جگہ کی ہے　　نہ دیکھی جائے گی اس مہمان کی تکلیف
تمام رات اسے کس لئے جگاتے ہو　　تمہیں ہے مد نظر پاسبان کی تکلیف

حضور دیں گے تمہیں چند روز میں اے داغ
اٹھاؤ اور کوئی دن مکان کی تکلیف

ردیف لام

۳۵

جب تری دل سے اتر جاتا ہے دل　　جیتے جی کم بخت مر جاتا ہے دل

یاس ہوتی ہے تو مر جاتا ہے دل — میں سمجھتا ہوں ٹھہر جاتا ہے دل

کون سا آرام پایا آج تک — کیا کروں، جائے اگر جاتا ہے دل

ان پری رویوں کی صورت دیکھ کر — آدمیت سے گزر جاتا ہے دل

جب سماتا ہے ترا اس میں غرور — اپنے آپے سے گزر جاتا ہے دل

راہ میں کعبہ بھی ہے، بت خانہ بھی — دیکھئے لے کر کدھر جاتا ہے دل

غیر پر پڑنے لگی آنکھ آپ کی — لیجئے جلدی خبر، جاتا ہے دل

کیا بتاؤں جستجوئے یار میں — چھوڑ کر مجھ کو کدھر جاتا ہے دل

برچھیاں کھا کر ادا و ناز کی — سینکڑوں میں نام کر جاتا ہے دل

کھینچتے ہیں وہ تو چشم یاس سے — دیکھتا مجھ کو ادھر جاتا ہے دل

کس کی نبھتی ہے ہمیشہ رسم و راہ
چار دن میں داغ بھر جاتا ہے دل

۳۶

گلگشت میں جو دیکھے ہیں گل پیرہن کے پھول — پھولے نہیں سماتے خوشی سے چمن کے پھول

گل چیں کے ہاتھ آئے عروس چمن کے پھول — یارب کسے نصیب ہوئے اس دلہن کے پھول

کھل جائیں آنکھیں دیکھتے ہی اس چمن کے پھول — رضواں کو ہم دکھائیں جو باغ دکن کے پھول

وہ خوش ہوئے جو کانوں میں اپنے پہن کے پھول — اترا رہے ہیں یاسمن و نسترن کے پھول

جھڑتے ہیں پھول منہ سے تری بات بات میں — ان کو سخن کے پھول کہوں یا چمن کے پھول

کہسار میں بہار جو ہے لالہ زار کی — یہ بن گئے ہیں خون سر کوہ کن کے پھول

حسرت ہے یہ نہ کیوں دل افسردہ جا ملا — دیکھے جو باسی ہار میں اس گل بدن کے پھول

اس گل بدن کی یاد دلانے کے واسطے — شب کو ستارے بن گئے چرخ کہن کے پھول

جھونکا تھا ہائے باد خزاں کا کہ قہر تھا — نکہت کے ساتھ اڑ گئے سارے چمن کے پھول

حوروں کو میں سنگھاؤں کا باغ بہشت میں — رکھنا مرے کفن میں کچھ اس انجمن کے پھول

نظروں میں تولتے ہیں اسی وجہ سے انہیں — ہوتے ہیں عضو ہر بت نازک بدن کے پھول

کیا گل کھلائے ہیں تری تیغ نگاہ نے — زخم جگر بہار دکھاتے ہیں بن کے پھول

تلوے فگار دیکھ کے کانٹوں سے بارہا — غربت میں یاد آئے ہیں باغ وطن کے پھول

گل گشت کو جو باغ میں جائے وہ رشک گل — بلبل بھی اس پہ صدقے کرے سب چمن کے پھول

انسان خوبرو ہوں تو حوروں سے کم نہیں — یہ اس چمن کے پھول ہیں وہ اس چمن کے پھول

دامن بھریں گے ان سے فرشتے بھی واعظو — طوبیٰ کے کیا کریں، جو ہوئے لاکھ من کے پھول

اے عندلیب گل یہ خوشی ہے، نہ یہ بہار — غافل نہ آج رنگ یہ رنگیں چمن کے پھول

سیب ذقن حسینوں کے، پھر اس پہ گل سے گال — کس روپ کے ثمر ہیں یہ، کیسی پھبن کے پھول

دنیا سے لے گیا ہوں بہت داغ آرزو — بڑھ کر ہیں میری قبر سے اندر کفن کے پھول

گل ہائے نخل طور کی تعریف اس قدر — ہاں ہوں گے جیسے ہوتے ہیں نخل کہن کے پھول

میرے سرشک خوں کی نہ کیوں کر بہار ہو — یہ دل کی لاگ کے ہیں، یہ دل کی لگن کے پھول

کیسی سدا بہار حسینوں کی ہے بہار — کس باغ کے نہال ہیں یہ کس چمن کے پھول

گلبن بنا دیا تن مجروح کو مرے — سوفار لال لال ہیں نلوک فگن کے پھول

وہ رند پاک مشرب و صافی نہاد ہوں — آتی ہے درد بھی مرے ساغر میں بن کے پھول

اس رشک گل کو دیکھ کے ایسا اڑا ہے رنگ — گویا ہوئے ہیں لالہ و گل یاسمن کے پھول

روشن ستارے چادر شب میں ہیں نقرئی — تیرے دوپٹے میں یہ سنہری کرن کے پھول

مسجد میں آ رہی ہے یہ خوشبو جو دل فریب — لایا ہے کوئی بت کدۂ برہمن کے پھول

اے داغ روشنی ہے خدا داد طبع میں
بجھتے نہیں، ہیں میرے چراغ سخن کے پھول

وہ ہم نہیں تو رہا کون سے حسلب میں دل
کہاں سے لائیں جو تھا عالم شباب میں دل

ازل کے روز سے کم بخت ہے عذاب میں دل
خدا نے مجھ کو دیا تھا بڑے عتاب میں دل

پڑا ہے برق تجلی سے اضطراب میں دل
قصور آنکھ کا تھا، آگیا عذاب میں دل

ہمارے شوق شہادت کی یوں کھچے تصویر
ادھر جواب میں خنجر ادھر جواب میں دل

اٹھے جو صبح کو سینے پہ ہاتھ رکھے تم
تڑپتا لوٹتا دیکھا ہے کوئی خواب میں دل

یکایک آتے ہی آتے جو رک گئے آنسو
نہ آگیا ہو کہیں دیدۂ پر آب میں دل

وہ دل لگی بھی کوئی دل لگی ہے جس میں رہے
نہ اضطراب میں دلبر، نہ اضطراب میں دل

پلا دی مل کے کسی چشم مست نے ایسی
ہمیشہ چور رہا نشہ شراب میں دل

کہا مرا دل پر داغ دیکھ کر اس نے
یہ آفتاب ہے دل میں کہ آفتاب میں دل

ہزار وہم بندھے ایک ان کے وعدے سے
عجیب طرح کا ہے آج پیچ و تاب میں دل

وہ آنکھ چور ہے ایسی، چرا کے لے جائے
چھپا ہوا ہو اگر سیکڑوں حجاب میں دل

مزا تو جب ہے کہ یوں سامنے کی چوٹیں ہوں
نہ ہو حجاب میں دلبر، نہ ہو حجاب میں دل

تجھے خبر نہیں دل چیز کیا ہے اے ناصح
ترے فرشتوں نے دیکھا نہ ہوگا خواب میں دل

ستم اٹھائے، مصیبت اٹھائی، غم کھائے
خراب حال رہا ہستی خراب میں دل

خدا کے واسطے پہلو میں میرے آ بیٹھو
نکل نہ جائے کہیں جوش اضطراب میں دل

کسی کی شوخ طبیعت جو یاد آتی ہے
تو دیکھ لیتے ہیں ہم فرط اضطراب میں دل

لگی ہوئی ہے کچھ ایسی کہ بجھ نہیں سکتی
نہیں عذاب جہنم سے کم عذاب میں دل

اسے وہیں وہ دل آزار چاک کرتا ہے
جو دیکھ لیتا ہے رکھا کسی کتاب میں دل

گھرا ہے دود جگر یا ہے ابر روز فراق
تڑپ رہی ہے یہ بجلی کہ ہے سحاب میں دل

وہ بزم ناز ہے، جانا وہاں سنبھل کر داغ
وگرنہ ہاتھ سے جائے گا اضطراب میں دل

ردیف م

۳۸

غم سے کہیں نجات ملے چین پائیں ہم
دل خون میں نہائے تو گنگا نہائیں ہم

جنت میں جائیں ہم کہ جہنم میں جائیں ہم
مل جائے تو کہیں نہ کہیں تجھ کو پائیں ہم

جوف فلک میں خاک بھی لذت نہیں رہی
جی چاہتا ہے تیری جفائیں اٹھائیں ہم

ڈر ہے نہ بھول جائے وہ سفاک روز حشر
دنیا میں لکھتے جاتے ہیں اپنی خطائیں ہم

ممکن ہے یہ کہ وعدے پر اپنے وہ آبھی جائے
مشکل یہ ہے کہ آپ میں اس وقت آئیں ہم

ناراض ہو خدا تو کریں بندگی سے خوش
معشوق روٹھ جائے تو کیوں کر منائیں ہم

سر دوستوں کے کاٹ کے رکھتے ہیں سامنے
غیروں سے پوچھتے ہیں قسم کس کی کھائیں ہم

کتنا ترا مزاج خوشامد پسند ہے
کب تک کریں خدا کے لئے التجائیں ہم

یہ اور کوئے یار کا چکر زہے نصیب
لیتے ہیں اپنے پاؤں کی اکثر بلائیں ہم

لالچ عبث ہے دل کا تمہیں وقت واپسیں
یہ مال وہ نہیں کہ جسے چھوڑ جائیں ہم

تاثیر کو سلام کریں دونوں ہاتھ سے
جس وقت اپنے ہاتھ دعا کو اٹھائیں ہم

سونپا تمہیں خدا کو چلے ہم تو نامراد
کچھ پڑھ کے بخشنا جو کبھی یاد آئیں ہم

سوز دروں سے اپنے شرر بن گئے ہیں اشک
کیوں آہ سرد کو نہ پتنگے لگائیں ہم

یہ جان تم نہ لوگے اگر آپ جائے گی
اس بے وفا کی خیر کہاں تک منائیں ہم

ہمسائے جاگتے رہے نالوں سے رات بھر
سوئے ہوئے نصیب کو کیوں کر جگائیں ہم

جلوہ دکھا رہا ہے وہ آئینہ جمال — آتی ہے ہم کو شرم کہ کیا منہ دکھائیں ہم
مانو کہا جفا نہ کرو تم وفا کے بعد — ایسا نہ ہو کہ پھیر لیں الٹی دعائیں ہم
دشمن سے ملتے جلتے ہیں خاطر سے دوست کی — کیا فائدہ جو دوست کو دشمن بنائیں ہم
تو بھولنے کی چیز نہیں خوب یاد رکھ
اے داغ کس طرح تجھے دل سے بھلائیں ہم

۳۹

جس وقت آئے ہوش میں کچھ بے خودی سے ہم — کرتے رہے خیال میں باتیں اسی سے ہم
ناچار تم ہو دل سے تو مجبور جی سے ہم — رکھتے ہو تم کسی سے محبت، کسی سے ہم
پوچھے نہ کوئی ہم کو نہ بولیں کسی سے ہم — کنج لحد میں جاتے ہیں کس بے کسی سے ہم
نقش قدم پہ آنکھیں ملیں مل کے چل دیئے — کیا اور خاک لے گئے تیری گلی سے ہم
یوسف کہا جو ان کو تو ناراض ہو گئے — تشبیہ اب نہ دیں گے کسی کو کسی سے ہم
ہوتا ہے پر ضرور خوشی کا مآل رنج — رونے لگے اخیر زیادہ خوشی سے ہم
کہتے ہیں آنسوؤں سے بجھائیں گے ہم تجھے — یہ دل لگی بھی کرتے ہیں دل کی لگی سے ہم
کے دن ہوئے ہیں ہاتھ میں ساغر لئے ہوئے — کس طرح توبہ کر لیں الٰہی ابھی سے ہم
ہم سے چھپے گا عشق یہ کہنے کی بات ہے — کیا کچھ بری بھلی نہ کہیں گے کسی سے ہم
معشوق کی خطا نہیں عاشق کا ہے قصور — جب غور کر کے دیکھتے ہیں منصفی سے ہم
دشمن کی دوستی سے کیا قتل دوست نے — دعوئی کریں گے خون کا اب مدعی سے ہم
واعظ خطا معاف کہ انسان ہم تو ہیں — بن جائیں گے فرشتہ نہ کچھ آدمی سے ہم
جس کو نہیں نصیب، بڑا بدنصیب ہے — کھاتے ہیں تیرے عشق کا غم کس خوشی سے ہم

خلوت گزیں رہے ہیں تصور میں اس قدر
معلوم ہوں گے حشر میں بھی اجنبی سے ہم

اس کا گواہ کون ہے یا رب ترے سوا
مرتے ہیں ہجر یار میں کس بے کسی سے ہم

غیروں سے التفات پہ ٹوکا تو یہ کہا
دنیا میں بات بھی نہ کریں کیا کسی سے ہم

مانوس ہو نشاط و سرور و خوشی سے تم
حسرت سے ہم ملال سے ہم بے کسی سے ہم

کرتے ہیں ایسی بات کہ کہہ دے وہ دل کی بات
یوں مدعا نکالتے ہیں مدعی سے ہم

دل کچھ اچاٹ سا ہے ترے طور دیکھ کر
وہ بات کر کہ پیار کریں تجھ کو جی سے ہم

علوت بری بلا ہے یہ چھٹتی نہیں کبھی
دنیا کے غم اٹھاتے ہیں کس کس خوشی سے ہم

وعدہ کیا ہے اس نے قیامت میں وصل کا
اپنا وصال چاہتے ہیں لو ابھی سے ہم

کرتے ہیں اک غرض کے لئے اس کی بندگی
بن جائیں گے غلام نہ کچھ بندگی سے ہم

ان بن ہوئی ہو غیر سے اس کی خدا کرے
سنتے ہیں لاگ ڈانٹ کسی کی کسی سے ہم

دل گیر اس قدر ہیں کہ جا جا کے باغ میں
دل کو ملا کے دیکھتے ہیں ہر کلی سے ہم

کہتے ہیں وہ ستم میں ہمارے ہے خاص لطف
یہ دشمنی بھی کرتے ہیں اک دوستی سے ہم

واقف رموز عشق و محبت سے داغ ہے
ملتا اگر تو پوچھتے کچھ اس ولی سے ہم

کم بخت دل نے داغ کیا ہے ہمیں تباہ
عاشق مزاج ہو گئے آخر اسی سے ہم

۳۷۰

ملے شباب میں ہر ایک گل بہار سے ہم
لٹے بہار کے موسم میں کس بہار سے ہم

کہا جو تم نے ملیں گے وفا شعار سے ہم
وفا شعار فقط ہیں اس اعتبار سے ہم

نہ چھیڑو ہم کو نہیں آج کل قرار سے ہم
کہ باہر آپ ہیں اپنے بھی اختیار سے ہم

بہت ہیں دل پہ گل داغ عشق دنیا کے
خدا کے سامنے جائیں گے اس بہار سے ہم

خدا کرے کہ نہ اٹھیں وہ فاتحہ پڑھنے
تڑپ تڑپ کے نکل اٹھیں گے مزار سے ہم

وہ جاں نثار ہیں محشر میں بھی تمہارے لئے
لڑیں ہزار سے کیا بلکہ سو ہزار سے ہم

ہزار حشر ہوں برپا تو کیا کہ قصد یہ ہے
نہ آئیں وہ تو نہ اٹھیں کبھی مزار سے ہم

فرشتے داغ گنہ پر ہنسیں گے روز جزا
نہ دھوئیں گے جو یہاں چشم اشکبار سے ہم

وہ یاد ہم کو ہے اب تک شراب کی تعریف
کبھی ملے تھے کسی رند بادہ خوار سے ہم

وہ بات ہے کہ نہ ہو جس میں کوئی مجبوری
وہ کام ہے جو کریں اپنے اختیار سے ہم

کئے جو ضبط بھی آنسو، بجھی نہ دل کی لگی
جلے ہوئے ہیں بہت چشم اشک بار سے ہم

لگا کے ماتھے پہ چمکائیں گے نصیب اپنا
چنیں گے ذرے بہت خاک کوئے یار سے ہم

رقیب اور وفادار پھر یقین اس کا
مٹے ہوئے ہیں ترے رنگ اعتبار سے ہم

وہ بدگماں ہے کہ ہوتا ہے ناگوار اسے
شبیہہ اس کی بھی گر دیکھتے ہیں پیار سے ہم

کچھ اور وجہ نہیں ترک عشق کی اے داغ
کریں گے توبہ مگر شرم روزگار سے ہم

۴۱

دماغ کیوں نہ کریں نکہت بہار سے ہم
بسے ہوئے ہیں کسی زلف مشک بار سے ہم

یہ ناز عشق ہے، کہتے ہیں افتخار سے ہم
جو تم ہزار سے اچھے تو سو ہزار سے ہم

نہ ہو جو قدر وفا پھر کہاں کا استقلال
ملے تو لے لیں تلون مزاج یار سے ہم

کسی کا صدمہ دل اپنا اٹھا نہیں سکتا
لپٹ کے روتے ہیں دشمن کے بھی مزار سے ہم

زباں کھلے جو شکایت پہ ایک تم کیا ہو
ہزار میں بھی نہ چوکیں کبھی ہزار سے ہم

تمہارے لطف کا کیا لطف جب ستم ہو شریک
یہی ہے پیار تو باز آئے ایسے پیار سے ہم

یہ بلت بزم عدو میں ہمیں ہوئی حاصل
کہ دور بیٹھے رہے چپ گناہ گار سے ہم

خدا کے قہر سے اتنا کوئی نہیں ڈرتا
ہوئے ہیں خوف زدہ جتنے تیرے پیار سے ہم

نہیں ہے پیش نظر جب سے شعلہ رو کوئی
تو آنکھیں سکتے میں ہیں آہ شعلہ بار سے ہم

گیا بھی اڑ کے تو کوئے رقیب کی جانب
غبار رکھتے تھے اس راہ کے غبار سے ہم

چمن کو بلبل بے تاب نے نہ یوں چھوڑا
وطن کو چھوڑ کر آئے جس اضطرار سے ہم

ہمیں تھے وہ کہ بٹھاتے تھے لوگ آنکھوں پر
گرے ہیں عشق میں اب چشم اشک بار سے ہم

گھرا ہوا تھا حسینوں کی بزم میں شب کو
بچا کے لائے ہیں دل سخت لوٹ مار سے ہم

رقیب تم کو مبارک رہے، حبیب ہمیں
ادھر قرار سے تم ہو، ادھر قرار سے ہم

عجب ترنگ میں تھا، ہائے رے لٹک اس کی
ملے تھے راہ میں کل داغ بادہ خوار سے ہم

ردیف نون

۴۲

دھمکیاں وہ تو ہمیں روز جزا دیتے ہیں
ہم دہائی تری یا بار خدا دیتے ہیں

لب سے دشنام تو وہ دل سے دعا دیتے ہیں
گھول کر زہر مجھے آب بقا دیتے ہیں

وہ یہ عشاق پہ الزام لگا دیتے ہیں
دل ہمیں دے کے یہ کس دل سے دعا دیتے ہیں

دیکھیے بعد فنا یاد رہوں یا نہ رہوں
فاتحہ میری وہ دلواتے ہیں یا دیتے ہیں

قصد کرتے ہیں جو وہ غیر کے گھر جانے کا
پڑھ کے کچھ پاؤں کو ہم ہاتھ لگا دیتے ہیں

مجھ سیہ کار کو لے جاتے ہیں کیوں دوزخ میں
کس خطا پر یہ جہنم کو سزا دیتے ہیں

دیکھ اے چشم گہربار ذرا اپنی طرف
دینے والے کہیں کیا گھر کو لٹا دیتے ہیں

دل لگانے میں ذرا لاگ کسی سے تو رہے — ہم تو دشمن کو بھی جینے کی دعا دیتے ہیں

مر گیا غیر مگر ان کو گماں ہے غش کا — نفس سرد سے اپنے وہ ہوا دیتے ہیں

طول دینا نہ شب وصل عدو میں مل کر — تجھ کو اے عمر رواں ہم یہ جتا دیتے ہیں

ناگوارا اتنی جدائی ہے کہ دل کے دو حرف — لکھ کے ہم خط شکستہ میں ملا دیتے

ایسے پامالوں کے مر مٹنے پہ رشک آتا ہے — جن کو مٹی ترے نقش کف پا دیتے ہیں

دم چراتے ہیں کہیں جان کے دینے والے — آنکھ لڑتے ہی یہاں جان لڑا دیتے ہیں

بات کرتے ہیں خوشی کی بھی تو اک رنج کے ساتھ — وہ ہنساتے بھی ہیں ایسا کہ رلا دیتے ہیں

میں نے مانگا جو کبھی دور سے دل ڈر ڈر کر — اس نے دھمکا کے کہا "پاس تو آ" دیتے ہیں"

آکے بازار محبت میں ذرا سیر کرو — لوگ کیا کرتے ہیں کیا لیتے ہیں کیا دیتے ہیں

لے چلے مجھ کو وہ یہ کہہ کے سوئے گورستاں — چل تجھے آج ٹھکانے سے لگا دیتے ہیں

نامہ شوق کا اس پیچ سے دیتے ہیں جواب — خط وہ میرے خط قسمت میں ملا دیتے ہیں

ہم پشیماں ہوں جا کر تو یہ قسمت اپنی — وہ وہیں ملتے ہیں جس گھر کا پتا دیتے ہیں

پاسبانوں کو ترے طالع خفتہ دے دوں — جانتا ہوں کہ وہ سوتوں کو جگا دیتے ہیں

اس کو کہتے ہیں یہی بادِ ہوائی ہے جواب — خط کے پرزے مری جانب وہ اڑا دیتے ہیں

پھول سے گال عبث رکھتے ہو تم زیر نقاب — تازگی کے لئے پھولوں کو ہوا دیتے ہیں

یہ تبرک کا بہانہ ہے کہ لے لے کے رقیب — چٹکیوں ہی میں مری خاک اڑا دیتے ہیں

کعبے والوں نے تو اے داغ دیا صاف جواب
اہل بت خانہ ہمیں دیکھئے کیا دیتے ہیں

۴۳

آدم سے بڑھ کے رتبہ کروبیاں نہیں — مجبور اس سے ہے کہ زمین آسماں نہیں

تم حسرت بسمل سے ہمیں بدگماں نہیں
میں اس سرپ دل کے بھی ہدف ہاں نہیں

نکلا نہ حوصلہ ہے تو لطف فغاں نہیں
افسوس ایک وقت میں سو آسماں نہیں

دنیا میں آدمی کو مصیبت کہاں نہیں
وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

کس طرح جان دینے کے اقرار سے پھروں
میری زبان ہے یہ تمہاری زباں نہیں

اے موت تونے دیر لگائی ہے کس لئے
عاشق کا امتحاں ہے ترا امتحان نہیں

ہاں شکوۂ فراق کا موقع ہے وصل میں
اس وقت پر رکی تو ہماری زباں نہیں

گستاخ اس کی چشم سخن گو ہے کس طرح
یا رب کسی کی آنکھ کے اندر زباں نہیں

فرقت میں مجھ کو خانہ تاریک قبر ہے
منکر نکیر آئیں اگر قصہ خواں نہیں

تنہا بھی جب رہے تو وہ رہتے ہیں ہوشیار
خود اپنے پاسباں ہیں اگر پاسباں نہیں

محشر میں ہو گا داور محشر سا داد گر
اندھیر جو یہاں ہے وہ ہرگز وہاں نہیں

ایسا خط ان کو راہ میں ملتا ہے روز ایک
جس میں کسی کا نام کسی کا نشاں نہیں

دل کو جو دیکھیے گا نظر آہی جائے گا
چاہ ذقن کچھ آپ کا اندھا کنواں نہیں

غیروں کا اختراع و تصرف غلط ہے داغ
اردو ہی وہ نہیں جو ہماری زباں نہیں

۴۴

موت زندہ چھوڑنے والی نہیں
اس بلا سے کوئی گھر خالی نہیں

رنج سے کوئی گھڑی خالی نہیں
دل کو حاصل فارغ البالی نہیں

بات تیری پیچ سے خالی نہیں
عمر بھر ہم نے مگر ٹالی نہیں

ہم نے دیکھی چشم نرگس بھی مگر
یوں نشیلی ایسی متوالی نہیں

دل کی تھی فریاد ضرب عشق سے ۔۔۔ کیا بجے گھڑیال گھڑیالی نہیں
چلتے ہو نخوت سے تم پنجوں کے بل ۔۔۔ یہ تو پوری طرز پامالی نہیں
کیوں شب غم میں نہ میں دیکھوں عذاب ۔۔۔ اس کی زلفوں کی طرح کالی نہیں
کیوں خفا ہوتے ہو پوری سن تو لو ۔۔۔ عرض حاجت ہے کوئی گالی نہیں
جاؤ دل دے کر بھی دیتا ہوں دعا ۔۔۔ پست میری ہمت عالی نہیں
زلف کیوں رخ پر رہے بن کر نقاب ۔۔۔ مہرباں یہ جال ہے' جالی نہیں
اے دعائے صبح گاہی المدد ۔۔۔ عرش ایسی منزل عالی نہیں
بعد بخشش بھی رہا آزار عشق ۔۔۔ کوئی جنت حور سے خالی نہیں
تم ستا کر اس کو خوش ہوتے رہے ۔۔۔ کیا یہ عاشق کی خوش اقبالی نہیں
کیا سمجھتے ہو تم اپنے آپ کو ۔۔۔ خوب رویوں سے جہاں خالی نہیں
ہو گیا خود بیں ہر اک آئینہ گر ۔۔۔ یہ ہنر بھی عیب سے خالی نہیں
دے کے ڈالی اس سنگ دل بے مہر کو ۔۔۔ ہم نے آفت جان پر کیا لی نہیں
سکتہ حالی سے ہے لطف دکن ۔۔۔ گر نہیں حالی تو خوش حالی نہیں
سیدھے سادھے ہیں ابھی پیغام شوق ۔۔۔ وصل کی ہم نے بنا ڈالی نہیں
جب کہوں پیتا ہوں میں خون جگر ۔۔۔ وہ کہیں لب پر ترے لالی نہیں

تم نے جادوگر اسے کیوں کہہ دیا
دہلوی ہے داغ' بنگالی نہیں

۴۵

لوگ دکھ درد بھرتے جاتے ہیں ۔۔۔ اپنی کرنی وہ کرتے جاتے ہیں

عمر کے دن گزرتے جاتے ہیں
جیتے جی ہم تو مرتے جاتے ہیں

وہم ان کو گزرتے جاتے ہیں
ہٹتے جاتے ہیں ڈرتے جاتے ہیں

لڑتی جاتی ہے غیر سے بھی آنکھ
مجھ سے بھی بات کرتے جاتے ہیں

مشک بھر دے خیال زلف اے کاش
دل کے کچھ زخم بھرتے جاتے ہیں

کیا ڈھٹائی ہے وہ شکایت پر
الٹے الزام دھرتے جاتے ہیں

تم سلامت رہو تمہیں غم کیا
مریں عاشق جو مرتے جاتے ہیں

کام بگڑے ہوئے تھے سب اپنے
بارے اب کچھ سنورتے جاتے ہیں

عشق پنہاں کا اب خدا حافظ
اشک آنکھوں میں بھرتے جاتے ہیں

ہوتی جاتی ہے حسن کی تعریف
عشق کا نام دھرتے جاتے ہیں

مجھ سے ہے بزم میں تغافل بھی
کچھ اشارہ بھی کرتے جاتے ہیں

کہتے جاتے ہیں آپ سب کو برا
اور کہہ کر مکرتے جاتے ہیں

کرتے جاتے ہیں مے کشی بھی داغ
پھر خدا سے بھی ڈرتے جاتے ہیں

۴۶

دل ربا جانتے دل لینے کے فن لاکھوں ہیں
ان کے انداز ہزاروں ہیں، چلن لاکھوں ہیں

تازہ زخموں کی ہے گنتی، نہ کہن داغوں کی
عاشقی میں انہیں پھولوں کے چمن لاکھوں ہیں

عشق کا کام ہے مشکل، نہ بنا ہے نہ بنے
گرچہ مصروف ہمیشہ ہمہ تن لاکھوں ہیں

چار آنسو مری میت پہ کسی کے نہ گرے
مسکرانے کے لئے غنچہ دہن لاکھوں ہیں

بات وہ بات ہے جو دل میں اثر کر جائے
یوں تو کہنے کے لئے اہل سخن لاکھوں ہیں

سرخ رو دیکھئے کس کس کو کرے گا قاتل
سر سے باندھے ہوئے مقتل میں کفن لاکھوں ہیں

کیا خرابی ہے ترے کوچے میں ان کشتوں کی
جو پڑے خاک میں بے گور و کفن لاکھوں ہیں

یہ ہیں آثار مری دل شکنی کے قاصد
نامہ یار کے کاغذ میں شکن لاکھوں ہیں

ناوک ناز نے کس کس کو نشانہ نہ کیا
تیرے مارے ہوئے اے تیر فگن لاکھوں ہیں

ایک بھی بات کا پورا نہیں دیکھا معشوق
دل شکن سینکڑوں ہیں، عہد شکن لاکھوں ہیں

خواہش وصل کا انجام برا ہوتا ہے
اس میں ہے ایک خوشی، رنج و محن لاکھوں ہیں

کیا دکھاتا ہے فلک! چاند کو تو چمکا کر
اس سے بہتر تو یہاں سیم بدن لاکھوں ہیں

داغ دلی سے نکل رہے سب کے دل میں
اس غریب الوطنی میں بھی وطن لاکھوں ہیں

۷۴

گزریں نظروں سے ہزاروں گوری کالی صورتیں
اس مرقع کی ہیں اکثر دیکھی بھالی صورتیں

دیکھنا دیکھے مری آنکھوں سے کوئی حسن کا
اچھی اچھی دیکھ ڈالیں حسن والی صورتیں

ناز ہو، انداز ہو، خوش خو ہو، خوش اخلاق ہو
کیا کریں ہم لے کے معشوقوں کی خالی صورتیں

ہائے اک اک خوب صورت عالم تصویر تھا
پھر نہ پیدا ہوں گی ایسی مٹنے والی صورتیں

بدگمانی کیا بری شے ہے کہ وعدے پر ترے
رات بھر پھرتی ہیں آنکھوں میں خیالی صورتیں

کیا کرے کیا ہو سکے کیوں آدمی گھبرا نہ جائے
پیش آتی ہیں محبت میں نرالی صورتیں

یہ یقیں ہم کو نہیں، ہو گی وہاں تیری مثل
عالم برزخ میں سنتے ہیں مثالی صورتیں

ہم نے بھر کر سیر دیکھی خوب رویوں کی بہت
وہ جنوبی ہیں کہاں جو ہیں شمالی صورتیں

کیا یہ سوریں بنی ہیں قتل عالم کے لئے
تیرے رخ پر کیوں بنائیں دو ہلالی صورتیں

گردش افلاک سے اہل زمیں کی ہے یہ شکل
ہوتی ہیں دن رات وقف پامالی صورتیں

ان حسینوں کی جدا ہے اپنی اپنی شان حسن
کچھ جمالی صورتیں ہیں، کچھ جلالی صورتیں
ایک دن کیا کیا دکھائیں گی یہ اپنا بانک پن
کم سنی میں جن کی اب ہیں بھولی بھالی صورتیں
عالم ہستی نہیں ہے دل لگانے کی جگہ
آنے والی ہوتی ہیں سب جانے والی صورتیں
دیکھتے ہی دیکھتے گزرا طلسمات جہاں
دیکھئے ہیں اور کیا پیش آنے والی صورتیں
عشق بازی میں نئے حاصل ہوئے ہیں تجربے
داغ نے دیکھی ہیں دنیا سے نرالی صورتیں

۴۸

جائے گا عذر آپ کا کہ نہیں
اس نہیں کی بھی ہے دوا کہ نہیں
تونے مجھ کو برا کہا کہ نہیں
اور کہہ کر مکر گیا کہ نہیں
غیر یوں میرے سامنے بیٹھے
پاس تھا مجھ کو آپ کا کہ نہیں
جب غضب ناک تم کو دیکھیں ہم
ہے قیامت کا سامنا کہ نہیں
کیسی پیاری ہیں وصل کی راتیں
ایسی راتوں میں ہے مزا کہ نہیں
غیر آنے نہ پائے در پہ مرے
تم نے درباں سے کہہ دیا کہ نہیں
بول کر جھوٹ مجھ سے پوچھتے ہیں
جھوٹ میں بھی ہے کچھ مزا کہ نہیں
منتظر ہے ہماری خاک یہاں
اس طرف کی چلی ہوا کہ نہیں
دم نکلتا ہے جان جاتی ہے
بخش دو گے کہا سنا کہ نہیں
نہ گیا جیتے جی ترا عاشق
تیرے قدموں میں دم دیا کہ نہیں
عشق تاثیر کر ہی جاتا ہے
آنکھ ملتے ہی دل ملا کہ نہیں
عالم بے خودی میں کیا معلوم
کچھ کہا اس سے مدعا کہ نہیں

غیر کو تم نے جب کیا رخصت ہاتھ سے ہاتھ بھی ملا کہ نہیں
اک خدائی کو تم نے گھیر لیا وہ ہمارا بھی ہے خدا کہ نہیں
یا خدا غم اٹھاؤں میں کب تک رنج کی بھی ہے انتہا کہ نہیں
حشر کے دن ہم ان سے پوچھیں گے آگیا سامنے کیا کہ نہیں

داغ کو دیکھ کر وہ کہتے ہیں
یہ مرے گا بھی بے حیا کہ نہیں

۴۹

پھر اسے کوئی لائے گا کہ نہیں یہ گیا وقت آئے گا کہ نہیں
گر نہ جائے گا وہ بت کافر کوئی جنت میں جائے گا کہ نہیں
منتظر روز حشر کے ہیں بہت کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ نہیں
میں جو ڈرتا ہوں کہتی ہے تقدیر تو غم عشق کھائے گا کہ نہیں
بزم اعدا میں دیکھئے کوئی آنکھ ہم سے ملائے گا کہ نہیں
جام پر جام بھر کے اے ساقی آج لگا لگائے گا کہ نہیں
فرق عشق و ہوس میں ہوتا ہے جھوٹ سچ آزمائے گا کہ نہیں
اے غم عشق ہو کے تو مہماں تین دن بعد جائے گا کہ نہیں
میں جو بیٹھوں گا اس کی محفل میں درد اٹھ کر اٹھائے گا کہ نہیں
دم کے جانے پہ حسرت آتی ہے پھر بھی جا کر یہ آئے گا کہ نہیں
جیتے جی یہ بتا دل ناکام تو کسی کام آئے گا کہ نہیں
اس تغافل شعار سے پوچھو میری میت پہ آئے گا کہ نہیں

رشک دشمن کا کیا گلہ اے داغ
جلنے والا جلائے گا کہ نہیں

۵۰

عجب عشق دونوں کے پیارے ہوئے ہیں
کہ شہرے ہمارے تمہارے ہوئے ہیں
کہیں آج گھرے تمہارے ہوئے ہیں
ہوئے ہیں بڑے وارے نیارے ہوئے ہیں
خفا ہو کہ راضی مگر ہم تو عاشق
تمہارے ہوئے ہیں، تمہارے ہوئے ہیں
پیا خون دل یا غم عشق کھایا
یونہی عاشقوں کے گزارے ہوئے ہیں
کہے دیتی ہے تیری آنکھوں کی شوخی
کسی چلبلے سے اشارے ہوئے ہیں
کہاں کے رہے وہ محبت میں یا رب
سہارے سے جو بے سہارے ہوئے ہیں
نہیں قتل عشاق سے فائدہ کچھ
وہ آپی مصیبت کے مارے ہوئے ہیں
دن اچھے تھے جب تک مرے آشنا تھے
برے وقت میں سب کنارے ہوئے ہیں
مری بات جمتی نہیں ان کے دل میں
وہ بے شک کسی کے ابھارے ہوئے ہیں
خبر ہے ہمیں جس سے محفل میں شب کو
نگاہیں لڑی ہیں اشارے ہوئے ہیں
بگاڑے بگڑتے نہیں حسن والے
یہ بندے خدا کے سنوارے ہوئے ہیں
دل اپنا تجھے دے کے دیں دار و کافر
پشیمان سارے کے سارے ہوئے ہیں
کہا مجھ سے درباں نے ان کی خبر لو
بڑی دیر سے وہ سدھارے ہوئے ہیں
یقیں ہے وہ آخر کو کچھ نہ لے رہیں گے
ترے ہاتھ پر دل جو ہارے ہوئے ہیں

کہا داغ سے آنکھ اس نے ملا کر
اجی آپ عاشق ہمارے ہوئے ہیں

۵۱

اپنے ہی ہاتھ سے سر اپنا قلم کرتے ہیں
تم سے جو ہو نہیں سکتا ہے وہ ہم کرتے ہیں

سیکڑوں گرچہ ستم پر وہ ستم کرتے ہیں
لذت جور یہی کہتی ہے کم کرتے ہیں

کیا ہمیں شکوۂ بیداد و ستم کرتے ہیں
جو زمانے نے کیا ہے وہی ہم کرتے ہیں

گر نہ سائل ہوں تو کیونکر ہو سخاوت مشہور
تم پر احسان وہ اے اہل کرم کرتے ہیں

خوب صورت وہ مسیحا ہے ہمارا ایسا
جس پہ ہم صل علیٰ پیار سے دم کرتے ہیں

کوچہ غیر میں بھی مجھ کو دکھا کر آنکھیں
شوخیاں مجھ سے ترے نقش قدم کرتے ہیں

یا صنم بھی کوئی چپکے سے وہاں کہتا ہے
شور لبیک جہاں اہل حرم کرتے ہیں

شکوۂ رنجش معشوق بھی کرتے ہیں کبھی
اپنے ہی دل میں پھر انصاف بھی ہم کرتے ہیں

مجھ کو دھڑکا ہے کہیں قطع تعلق نہ کریں
اب جو ہر بات پہ تکرار وہ کم کرتے ہیں

جب سے لکھا ہے ترا عشق مری قسمت میں
ناز لکھنے پہ مرے لوح و قلم کرتے ہیں

کیا کہوں کس کو دکھاؤں یہ ادائیں ان کی
عذر کس شکل سے وہ وقت قسم کرتے ہیں

خوش ہوں میں جب سے سنا ہے وہ ہوئے ہرجائی
میرے گھر دیکھئے کس روز کرم کرتے ہیں

بدگمانی ہے یہاں تک کہ مرے قاصد کا
سر قلم کرکے بھی وہ پاؤں قلم کرتے ہیں

یاد آتے ہیں وہ دن رات کے جلسے ہم کو
اب اسی عیش کا بیٹھے ہوئے غم کرتے ہیں

حضرت داغ کی بھی بات ہے دنیا سے نئی
آپ ہی دیتے ہیں دل، آپ ہی غم کرتے ہیں

۵۲

روز کرتے ہو بہانے تمہیں ہم جانتے ہیں
کوئی جانے کہ نہ جانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

جھوٹی قسموں کے کہاں تک کوئی دھوکے کھائے
نہیں ایمان ٹھکانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

بھولی باتوں میں بھی کرتے ہو ہزاروں گھاتیں
کم سنی میں ہو سیانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

کر کے انکار جلایا ہے ہمارے دل کو
آئے تھے آگ لگانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

حسن وہ حور و ملک کا ہے ہے نہ یوسف کا جمال
جو بنایا ہے خدا نے تمہیں ہم جانتے ہیں

طالب وصل ہوں کیا جان کا اندیشہ ہے
تیغ رکھی ہے سرہانے تمہیں ہم جانتے ہیں

کرتے ہو بیٹھے بٹھائے بھی قیامت برپا
آتے ہیں فتنے اٹھانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

پہلے تو دل کو چرایا ہے بھری محفل میں
پھر لگے آنکھ چرانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

عشق حصہ ہے ہمارا اسے تم جانتے ہو
حسن بخشا ہے خدا نے تمہیں ہم جانتے ہیں

کہیں آنکھ میں بسے ہو، کہیں دل کے اندر
کر لئے خوب ٹھکانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

داغ کا قصہ، غم سن کے یہ ظالم نے کہا
یاد ہیں جھوٹے فسانے، تمہیں ہم جانتے ہیں

۵۳

دوسرے کی جو تم کو تاب نہیں
آئینے میں بھی کیا جواب نہیں

تجھ سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں
اے محبت تیرا جواب نہیں

ساقیا! تشنگی کی تاب نہیں
زہر دے دے اگر شراب نہیں

کب تری بات انتخاب نہیں
اس نہیں کا مگر جواب نہیں

ہے طبیعت سے آدمی مجبور
دل لگانا کوئی ثواب نہیں

کوئی مرشد وہاں نہ پہنچے ہوں
آج مے خانے میں شراب نہیں

بیٹھے منہ پھیر کر وہ محفل میں
اس سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں

تم برا جان کر ہی مجھ کو کاش — یہ تو کہہ دو ترا جواب نہیں
روز مرتا ہوں روز جیتا ہوں — زندگی کا کوئی حساب نہیں
پڑ گیا صبر کیا رقیبوں کا — آج کیوں دل کو اضطراب نہیں
غیر کے گھر وہ کیوں ہوئے ہیں مقیم — کیا جہنم میں بھی عذاب نہیں
آئینہ دیکھ کر کہا اس نے — آکے جائے یہ وہ شباب نہیں
روئے کیوں پھوٹ کر فقط اک بار — آبلہ دیدۂ پر آب نہیں
آکے مہماں، رہو بسو برسوں — تین دن کا کوئی حساب نہیں
کیوں یہ چندھیائی جاتی ہیں آنکھیں — آئینہ ہے کچھ آفتاب نہیں
بات کرنے کا مجھ کو لپکا ہے — بات سننے کی ان کو تاب نہیں
اپنے دامن کو کیوں بچا کے چلے — ایسی مٹی مری خراب نہیں
مجھ کو ہے طفل اشک کا رونا — اس کی تقدیر میں شباب نہیں
جزو میں کل کو دیکھتے ہیں ہم — کون سا ذرہ آفتاب نہیں
ہوکے تو لاجواب آیا ہے — واہ قاصد! ترا جواب نہیں

بزم دشمن میں داغ کیوں نہ ہوا
آج وہ خانماں خراب نہیں

۵۴

یہ ہو گا روز جدائی تمام بھی کہ نہیں — دکھائی دے گی کبھی اس کی شام بھی کہ نہیں
مری طرح سے کرے گا کلام بھی کہ نہیں — پیام بر انہیں دے گا پیام بھی کہ نہیں
طریق عشق میں رہ بر کی ہے تلاش مجھے — چلیں گے خضر علیہ السلام بھی کہ نہیں

جواب ہم نہیں سنتے، بتا یہ اے قاصد
ہوا قبول ہمارا سلام بھی کہ نہیں

چلے تو آئے ہیں بھولے سے دیکھئے کیا ہو
وہ تھوڑی دیر کریں گے قیام بھی کہ نہیں

یہ کہہ کے مجھ کو کیا قائل ان کے درباں نے
وہ اپنے گھر کا کریں انتظام بھی کہ نہیں

مرا نشان زمانہ مٹائے دیتا ہے
جہاں میں دیکھئے رہتا ہے نام بھی کہ نہیں

ہزار خم تو پلا آج مجھ کو پیر مغاں
کوئی وصول کرے اپنے دام بھی کہ نہیں

جئے جو لاکھ برس بھی کوئی تو کیا حاصل
مریں گے خضر علیہ السلام بھی کہ نہیں

ہمارے صبر پہ کیوں آپ طعنے دیتے ہیں
ہم اپنے دل کی کریں روک تھام بھی کہ نہیں

وہ روز ہجر میں تکلیف کیوں نہ دیں مجھ کو
شب وصال کا لیں انتقام بھی کہ نہیں

بیان کرو نہ لیاقت رقیب کی ہم سے
لیا ہے اس سے کوئی تم نے کام بھی کہ نہیں

یگانہ ہو کے نہ بیگانہ مجھ سے ہو اے دل
کسی دن آئے گا تو میرے کام بھی کہ نہیں

فسانہ کہنے کو بیٹھا ہوں ان سے ڈرتا ہوں
تمام رات میں ہو گا تمام بھی کہ نہیں

نہیں ہے کھیل زمانے کی پائمالی کچھ
بڑھائی آپ نے مشق خرام بھی کہ نہیں

چلا ہوں اب کے برس بت کدے سے کعبے کو
سنے گا میری کوئی رام رام بھی کہ نہیں

رہے گی تیغ کہاں تک ہماری گردن پر
یہ ہو گی قتل کی حجت تمام بھی کہ نہیں

یہ داغ قیصر و خاقاں کی کیوں کرے پروا
ہنر شناس ہے شاہ نظام بھی کہ نہیں

۵۵

طبیعت کو عاشق کہیں روکتے ہیں
مگر کیا کروں ہم نشیں روکتے ہیں

بساؤ نہ غیروں کو یہ رفتہ رفتہ
تمہاری گلی کی زمیں روکتے ہیں

تری سن کے آمد مریض محبت
دم اپنا دم واپسیں روکتے ہیں

جو ہوتا ہوں میں جبہہ سا ان کے در پر
وہ ہو ہو کے چیں بر جبیں روکتے ہیں

ذرا آنکھ ملتے ہی کس کس ادا سے
نظر اپنی یہ نازنیں روکتے ہیں

نہیں کچھ گنہ کافر عشق ہونا
مجھے اس سے کیوں اہل دیں روکتے ہیں

ترا گھر رقیبوں کا گھر ہو گیا ہے
انہیں تیرے درباں نہیں روکتے ہیں

جنوں سے مرے کیا ہے یاروں کو سودا
پکڑ کر مری آستیں روکتے ہیں

نہیں بات سنتے وہ لگتی لگاتی
بگڑ کر وہیں کی وہیں روکتے ہیں

جو آنسو نہ رکتے تو آتا ہی طوفاں
یہ ندی یہ نالے ہمیں روکتے ہیں

سپر کرکے سینوں کو اے چرخ کیا کیا
ترے وار اہل زمیں روکتے ہیں

تمہیں داغ غیروں سے کیوں ملنے دیتا
بری بات سے کیا نہیں روکتے ہیں؟

۵۶

اس کے عاشق یہی کہہ کہہ کے فدا ہوتے ہیں
ایسے انسان بھی یا بار خدا ہوتے ہیں

ہائے دو دل جو کبھی مل کے جدا ہوتے ہیں
نہیں معلوم وہ کیا کرتے ہیں کیا ہوتے ہیں

شب غم کچھ نہ ہو تاثیر یہ ممکن ہی نہیں
کہ مصیبت میں تو نالے بھی دعا ہوتے ہیں

اس کی تصویر شوخی یہ کہے دیتی ہے
کہیں بے باک بھی پابند حیا ہوتے ہیں

کس طرح جائیں گے یہ درد و الم یا اللہ
جس قدر ان کو گھٹاتا ہوں سوا ہوتے ہیں

جی میں آئے تو کبھی فاتحہ دلوا دینا
آخری وقت ہے ہم تم سے جدا ہوتے ہیں

قتل عاشق سے جہاں عید منا کرتی تھی
اب وہاں ماتم ارباب وفا ہوتے ہیں

غیر کے نقش قدم بھی تو ترے کوچے میں
دور سے دیکھتے ہی مجھ کو ہوا ہوتے ہیں

عاجزی کو بھی مری جانتے ہیں دام فریب
التجا کرنے سے وہ اور خفا ہوتے ہیں

دیکھیں مسجد ہو کہ مے خانہ ہو پہلے آباد
دونوں دیوار بہ دیوار بنا ہوتے ہیں

یہی تقدیر جو ٹھہری تو چلے کیا تدبیر
ہم بھی لو آج سے راضی بہ رضا ہوتے ہیں

دوست دشمن ہیں سبھی بزم میں دیکھیں کیا ہو
کس سے خوش ہوتے ہیں وہ کس سے خفا ہوتے ہیں

آشناؤں کا ترے حال ہے مانند حباب
بحر ہستی میں ابھرتے ہی فنا ہوتے ہیں

یہی ہوتے ہیں دل آزار و ستم گر معشوق
یہی بیمار محبت کی دوا ہوتے ہیں

پار ہوتی ہیں کلیجے سے نگاہیں ان کی
قدر انداز کے کب تیر خطا ہوتے ہیں

حضرت داغ کا یہ حال ہے معشوقوں پر
مل کرتے ہیں فدا جی سے فدا ہوتے ہیں

۵۷

مجھ کو ندائیں آتی ہیں کچھ مانگتا نہیں
اللہ کا ہے گھر، کسی محتاج کا نہیں

بے وصل یار لطف کسی بات کا نہیں
دنیا میں سب مزے ہیں ہمارا مزا نہیں

خالی شرارتوں سے یہ طرز حیا نہیں
کیا جانے کوئی دل میں ترے کیا ہے کیا نہیں

ہے آشکار راز تمہارا جہان میں
اس پر نہ جاؤ تم کہ کوئی جانتا نہیں

ناصح نے اونچ نیچ تو سمجھائی ہے بہت
میں اس کو کیا کروں کہ یہ دل مانتا نہیں

کوئی امیدوار کرم ہم سا ہو تو لے
مقبول جو نہ ہو وہ ہماری دعا نہیں

آئی بھی گو بہار کھلائے بھی گل ہزار
ہم جس ہوا کو دیکھتے ہیں وہ ہوا نہیں

کیوں جی یہ کیا فراق ہے کیسا وصال ہے
تم مجھ سے ہو جدا مرے دل سے جدا نہیں

کرتے ہو بات بات میں تعریف غیر کی
کہتے ہو مجھ سے تجھ کو مزا بات کا نہیں

کیا مجھ سے پوچھتے ہو مرے دل کا حال تم
اللہ جانتا ہے کہ میں جانتا نہیں

پہلے تو پوچھتا تھا زمانہ ہماری بات
اب ہے یہ حال کوئی ہمیں پوچھتا نہیں

پائے تلاش توڑ کے بیٹھے ہیں اس لئے
اس کا پتہ ملا تو ہمارا پتا نہیں

آنکھیں مری سفید ہوئیں انتظار میں
ان کو نصیب سایہ زلف رسا نہیں

ہے گرچہ سب کی آنکھ ترے حسن کی طرف
جلوہ یہ کہہ رہا ہے کوئی دیکھتا نہیں

خلوت میں غیر کا ہے تصور مجھے تمہیں
کیوں کر یہ ہو یقین کوئی دوسرا نہیں

کیا رشک قصر خلد نہیں ہے ترا مکاں
کیا مثل چشم حور ترا نقش پا نہیں

قرباں اس ادا کے خطائیں نہ کیوں کروں
دھمکا کے پھر کہو مجھے تو جانتا نہیں

مٹ جائے راہ دوست میں کس طرح داغ دل
تمغائے عشق یار ہے یہ نقش پا نہیں

قاتل سے کہہ رہا ہے مرا ہر دہان زخم
اے بندۂ خدا تجھے خوف خدا نہیں؟

تم لاکھ امتحان کرو اس سے فائدہ
ہاں ہاں تمہارے ہاتھ سے میری قضا نہیں

کیا الٹے پاؤں آپ گئے کوئے غیر میں
دیکھا تو اس طرف کا کوئی نقش پا نہیں

اک داغ رہ گیا ہے سو وہ بھی مٹا مٹا
دل میں بہار عشق کی اب وہ فضا نہیں

تاثیر سے یہ دست و گریباں ہو کس طرح
دست جنوں کی مثل تو دست دعا نہیں

چاہا تجھ کو داغ نے ایسا ہے کیا قصور
انصاف کر یہ کوئی خطا میں خطا نہیں

۵۸

وہ دور بھی ہیں جب بھی تصور میں قریں ہیں
ہم بے خود و وارفتہ جو ہیں بھی تو نہیں ہیں

اب شرم سے نظریں تری ملنے کی نہیں ہیں
یہ خانہ نشیں، گوشہ نشیں، پردہ نشیں ہیں

آئے بھی ہیں بیٹھے بھی ہیں جاتے بھی نہیں ہیں
مجھ پر یہ کرم ان کے دم باز پسیں ہیں

کیوں کیجئے تحقیق کہ وہ بر سر کیں ہیں
گر ہیں تو بلا سے ہیں، نہیں ہیں تو نہیں ہیں

محفل کو تری دیکھ کے کھوئے گئے کب کے
ڈھونڈے تو کوئی ہم کو یہاں ہم بھی کہیں ہیں

اچھا ہے اگر ان کی صفائی تمہیں کر دو
کچھ وہم کی باتیں جو مرے ذہن نشیں ہیں

پہلے تو سمجھتا ہوں کہ ہیں درپئے آزار
پھر دل میں یہ آتا ہے وہ ایسے تو نہیں ہیں

تم ہم سے کھٹکتے ہو تو ہم تم سے خطرناک
آرام سے الفت میں تمہیں ہو نہ ہمیں ہیں

ایسا ہے ترے مصحف رخسار کا اعجاز
ایمان وہ لاتے ہیں جو غارت گر دیں ہیں

دنیا میں نشیب اور فراز اپنے لئے ہیں
ہم فرش زمیں ہیں تو کبھی عرش بریں ہیں

درباں کو ملا کر جو پکارا انہیں میں نے
خود کہنے لگے کون ہے، وہ گھر میں نہیں ہیں

رضواں سے یہ پوچھیں گے در خلد میں جا کر
ہم جن کے لئے آئے یہاں وہ بھی کہیں ہیں؟

صیاد بنے بیٹھے ہیں محفل میں وہ گویا
جو خوف سے چھپتے ہیں وہی زیر کمیں ہیں

اوروں کو مرے دل میں وہ رہنے نہیں دیتے
آباد وہی گھر ہے جہاں چار مکیں ہیں

سجدے سے در یار کے چمکی ہے یہ قسمت
کچھ خاک کے ذرے جو مرے زیب جبیں ہیں

ہم شکل ترا کوئی بھی دیکھا نہیں جاتا
ہم تو تری تصویر سے بھی چیں بہ جبیں ہیں

اب فکر میں ان کی وہ ستم گر ہے الٰہی
آسودہ جو کچھ اہل عدم زیر زمیں ہیں

غیروں کا وہ مذکور اڑاتے ہیں یہ کہہ کر
کیا پوچھتے ہو ان کو ابھی وہ تو یونہیں ہیں

ہم پر نہ گماں کیجئے غیروں کی دغا کا
وہ اور ہی مخلوق ہے، ہم ان میں نہیں ہیں

اے بے خودی شوق ہماری ہے یہ ہستی
دنیا میں ہیں اس طرح کہ دنیا میں نہیں ہیں

تکلیف محبت کی چھپائے نہیں چھپتی
صدمے ترے دل پر بہت اے داغ حزیں ہیں

۵۹

دیکھوں نکلتے ہیں کہ نکلوائے جاتے ہیں
ارمان میرے سینے میں گھبرائے جاتے ہیں

شرما کے ذکر غیر پہ گھبرائے جاتے ہیں
پھر آپ میرے سر کی قسم کھائے جاتے ہیں

ہم کو شکایتوں کے مزے آئے جاتے ہیں
سن سن کے دل ہی دل میں وہ شرمائے جاتے ہیں

وقت دعا یہ حال ہے خوف گناہ سے
دل کانپتا ہے، ہاتھ بھی تھرائے جاتے ہیں

باتیں بنا کے صبح کو وہ اس طرح گئے
جانا یہ میں نے جا کے ابھی آئے جاتے ہیں

بعد فنا بھی آتش فرقت کا ہے اثر
سب پھول میری قبر کے مرجھائے جاتے ہیں

قیمت کا فیصلہ نہیں ہوتا کسی طرح
وہ دل کو دیکھ دیکھ کے للچائے جاتے ہیں

جاتے نہیں خطا کے مزے اس کو کیا کریں
ہرچند ہم سزا پہ سزا پائے جاتے ہیں

مجھ میں شب فراق سحر تک رہے گا کیا
یہ درد و رنج و غم تو مجھے کھائے جاتے ہیں

شوخی کا بھی لگاؤ ہے شرم و حیا کے ساتھ
آنکھیں ملا ملا کے وہ شرمائے جاتے ہیں

جن میں ہوا ہے وصل کسی کا کسی کے ساتھ
اب ان کے حکم سے وہ مکاں ڈھائے جاتے ہیں

بیٹھے ہیں بام پر بھی تو چلمن کو چھوڑ کر
ترسانے والے دور سے ترسائے جاتے ہیں

دل کا لگاؤ غیر سے کچھ دل لگی نہیں
دم لو تمہیں بھی اس کے مزے آئے جاتے ہیں

سنتا ہے کون ان کی بھلا شوق وصل میں
آتا ہے جو زبان پہ فرمائے جاتے ہیں

دیں گے جواب ہم تو نہ سن کر برا بھلا
فرمائے جائیں آپ جو فرمائے جاتے ہیں

سمجھے نہ وہ بلا سے ہمیں اس پہ ناز ہے
عاشق برائے نام تو کہلائے جاتے ہیں

اے داغ تھی پسند ہمیں جن کی سادگی
زیور اب ان کے واسطے بنوائے جاتے ہیں

قیامت کی مری آہیں، غضب کے میرے نالے ہیں
کلیجا دیکھئے ان کا جو ان کے سننے والے ہیں

وفاداروں میں غیروں کے حوالے پر حوالے ہیں
ہمارے جانے بوجھے ہیں ہمارے دیکھے بھالے ہیں

نہ ان کے لب پہ آہیں ہیں نہ ان کے لب نالے ہیں
جنہیں سمجھے ہو تم عاشق وہ دنیا سے نرالے ہیں

وہ ظالم پھوٹ کر رویا ہے کب عاشق کی میت پر
بڑی مشکل سے، آنکھیں مل کے چار آنسو نکالے ہیں

وہاں ہے آنکھ میں سرمہ یہاں ہے خاک میں ملنا
وہاں لاکھا لبوں پر ہے، یہاں جینے کے لالے ہیں

یہ عقدے ناخن تدبیر سے کھولے نہ جائیں گے
نکالے گا وہی قسمت میں جس نے پیچ ڈالے ہیں

خبر عاشق کی سن کر یہ کہا اس نے رقیبوں سے
تعجب کیا ہے اس کا ایک دن سب مرنے والے ہیں

بلا نوش محبت سیر ہوتے ہیں کہیں ان سے
غم دنیا و دیں ان کے لئے بس دو نوالے ہیں

اڑا کر ساتھ غیروں کے بلایا مجھ کو محفل میں
ادھر ہیں بوتلیں خالی، ادھر جھوٹے پیالے ہیں

جتاتے ہو عبث احسان اپنے، میں تو قائل ہوں
مرے ارمان سب تم نے نکالے ہیں نکالے ہیں

شریک لطف ہوتی ہیں جفائیں واہ کیا کہنا
ستم گر جور بھی تیرے زمانے سے نرالے ہیں

اثر میری سیہ بختی کا ایسا ہے شب فرقت
شرارے آہ سوزاں کے بھی مثل خال کالے ہیں

سرشک گرم نے ایسا اثر اپنا دکھایا ہے
پپوٹے میری آنکھوں کے نہیں ابھرے یہ چھالے ہیں

محبت میں کرے جو صبر اس کو داد ملتی ہے
جسے عادت ہے خاموشی کی اس کے بول بالے ہیں

کہاں دل کا سا ویرانہ کہاں دل کی سی ہے وحشت
ہزاروں ہم نے جنگل دیکھ ڈالے چھان ڈالے ہیں

یہاں برسات کا رہتا ہے موسم ہجر جاناں میں
برستے ہیں مرے آنسو گرجتے میرے نالے ہیں

مزار اولیا سے فیض حاصل کر کہ اے غافل
ہمیشہ زندہ رہتے ہیں کہیں یہ مرنے والے ہیں

یہ تنہا ہجر میں خون جگر کھاتا ہی رہتا ہے
میسر عاشق مجبور کو بھی تر نوالے ہیں

چلی آتی ہے بھینی بھینی خوش بو زیر مرقد بھی
ہماری قبر پر کس نازنیں نے پھول ڈالے ہیں

تری چشم فسوں گر نے کیا کیا جانے کیا جادو
ترا کلمہ وہی پڑھتے ہیں جو اللہ والے ہیں

"کراما" کاتبین کے اشک ٹپکے ان کی حالت پر
عمل نامے سیہ کاروں کے اس صورت سے کالے ہیں

چلا ہے نامہ بر کے ساتھ دل بھی جانب دلبر
یہ بے چارے مسافر یا خدا تیرے حوالے ہیں

یہ عیاری نہیں چلنے کی طرز دل ربائی میں
جناب داغ کو تم جانتے ہو دلی والے ہیں

۶۱

یہ طرفہ تماشا ہے نہیں چین سے گھر میں
بیٹھتے ہوئے پھرتے ہو زمانے کی نظر میں

جو تجھ میں ہے وہ روپ کہاں ہے گل تر میں
جوبن بھی وہ جوبن ہے جو کھب جائے نظر میں

اللہ ری نزاکت کہ بل آتے ہیں کمر میں
گر تولئے ان کو کبھی میزان نظر میں

وہ بھی تو بڑی دیر میں آتی ہے یہاں تک
ہے تیری نزاکت کا اثر تیری خبر میں

دنیا میں کہیں اس نے ٹھکانا جو نہ پایا
آباد ہوئی خانہ خرابی مرے گھر میں

گو خضر جہاں گرد سہی مجھ کو یقیں ہے
جم جائیں قدم ان کے بھی اس راہ گزر میں

اے آہ رسا جا کے مسافر کی خبر لے
نالے نے بہت دیر لگائی ہے اثر میں

آزاد رہا جب تو رہی خانہ بدوشی
میں ہوں وہ مسافر مری منزل ہے سفر میں

فریاد سنے کون جہاں ہو یہ نزاکت
آواز سے اپنی بھی دھمک ہوتی ہے سر میں

یہ شوخی رفتار نہیں بیٹھنے دیتی
فتنے بھی ہیں بے چین تری راہ گزر میں

کس جلوے کی مشتاق ہیں یہ مردمک چشم
کرتی ہیں جو اشکوں سے وضو دیدۂ تر میں

میں جلوے سے بے ہوش وہ فرماتے ہیں ڈر کر
لایا کوئی جادو کا یہ پتلا مرے گھر میں

عاشق کو نہ اچھے سے غرض ہے نہ برے سے
جو آنکھ میں کھب جائے سما جائے نظر میں

دل چاک کرے کیوں نہ تری نیم نگاہی
یہ نیچہ وہ ہے کہ اتر جائے سپر میں
تم جانتے ہو داغ نظر باز ہے کیسا
کیا تاڑ لیا اس نے تمہیں ایک نظر میں

۶۴

بے پردہ اگر جلوہ نما وہ نہیں گھر میں
بجلی سی چمک جاتی ہے کیوں روزن در میں
قدرت ہے یہ اس کی قدر انداز نظر میں
ہر تیر مرے دل میں ہے ہر تیر جگر میں
اڑتی سی خبر آج مرے کان میں آئی
تم اڑ کے پہنچتے ہو کبھی غیر کے گھر میں

گردش میں شب وعدہ ہیں مانند نفس ہم
یہ حال ہے اپنا کبھی باہر کبھی گھر میں
شیریں کے لئے تیشہ زنی اس نے نہیں کی
فرماتے ہیں وہ درد تھا فرہاد کے سر میں
ٹھہرا ہوں گنہگار جو دو اشک بہا کر
کیا دامن تر کا ہے اثر دیدۂ تر میں
کہئے تو کہاں رات کو مہمان رہے تھے
کل تک تو نہ تھا آج ہے تعویذ کمر میں
آتے ہیں عیادت کے لئے دوست ہزاروں
بازار لگا ہے ترے بیمار کے گھر میں
ہم جانتے ہیں خوب وفا اور دغا کو
یہ دل ترے دل میں ہے نظر تیری نظر میں
ابرو کا اشارہ تھا جنہیں بار نزاکت
تلوار وہ باندھے ہوئے پھرتے ہیں کمر میں
کہتے ہیں مجھے دیکھ کے وہ بے سرو ساماں
اللہ نہ لائے کسی محتاج کے گھر میں
گریہ ہے کہ طوفان ہے، آنسو ہیں کہ دریا
کیا بلبلوں پانی ہے مرے دیدۂ تر میں
وہ سیر کو نکلیں گے یہ اندیشہ ہے مجھ کو
دل بیچنے والے ہیں بہت راہ گزر میں
اتنا تو بتا دے ہمیں اے گردش گردوں
کوئی بھی گھڑی چین کی ہے آٹھ پہر میں
نازک تو ہیں دونوں ہی مگر فرق ہے اتنا
جو بات دہن میں ہے، نہیں تیری کمر میں

اب داغ کا یہ حال ہے دم جیسے ہو بالی
خورشید لب بام میں یا شمع سحر میں

۶۳

کیا ہو گی شکل بعد فنا ہجر یار میں
آئینہ رکھ دے کوئی ہمارے مزار میں

غصے کے طور میں، گہہ شرمسار میں
کیا جانے کہہ دیا انہیں کیا ہم نے پیار میں

ہل چل میں ہو مکاں تو مکیں کس طرح رہے
کیونکر بٹھاؤں اس کو دل بے قرار میں

داغ جگر کہ اشک رواں سب ہیں بے اثر
یہ کس شمار میں ہیں، وہ ہیں کس قطار میں

پھر حشر تک خلاف. یہ گردش نہ کر سکے
دو دن بھی گر فلک ہو مرے اختیار میں

دل کی رگیں لہو سے بجھاتی ہیں آگ کیا
سرخی کی ہے جھلک نفس شعلہ بار میں

وحشت یہ ہے کہ دامن محشر کے واسطے
کرتا ہوں امتحان جنوں خار زار میں

بعد فنا بھی ہے دل گم گشتہ کی تلاش
میں اس مزار میں ہوں کبھی اس مزار میں

سانس پڑے ہیں حلق میں کانٹے یہ خوف ہے
الجھے نفس کا تار نہ اس خار زار میں

گو قتل کا ارادہ ہو مجھ کو یہ ناز ہے
بیٹھے رہے وہ آج مرے انتظار میں

پاؤں نہ آسماں سے کبھی شاہد مراد
گزریں ہزار سال اگر انتظار میں

مے خوار کی نگاہ نے ہنگام مے کشی
نشتر چبھو دیا رگ ابر بہار میں

بے کار میرے اشک جنوں میں نہ جا سکے
موتی پرو رہا ہوں گریباں کے تار میں

گو مے کشی گنہ ہے طبیعت کو کیا کروں
توبہ کسی نے کی بھی ہے فصل بہار میں؟

اے داغ بذل و عدل و شجاعت سخا و زہد
تھے وصف کس قدر شہ دلدل سوار میں

۶۴

عاشق کی قدر کیا چمن روزگار میں
گل نے ہزار عیب نکالے ہزار میں

رکھ دوں گا داغ دار جگر لالہ زار میں
اب کے نیا شگوفہ کھلے گا بہار میں

یہ کیا کہا کہ داغ ہے تو کس شمار میں
یکتا ہوں میں ہزار میں کیا سو ہزار میں

قابو میں تم نہیں ہو تو قابو میں دل نہیں
تم اختیار میں تو جہاں اختیار میں

پھر آئی فصل گل وہی گلزار ہے چمن
یا رب کھلے گی دل کی کلی کس بہار میں

اے زندگی اجل بھی تو امیدوار ہے
گزری ہے ایک عمر اسے انتظار میں

میں یاد کر سکوں نہ فرشتے ہی لکھ سکیں
وہ کیوں کمی کرے ستم بے شمار میں

آخر تھکی زباں، گھسیں اپنی انگلیاں
اک اک گھڑی گنی جو ترے انتظار میں

برپا قیامت اس کی جو ٹھوکر سے ہو گئی
کیا فتنہ سو رہا تھا ہمارے مزار میں

دوزخ ہوا نصیب پس مرگ غیر کو
چنگاریاں سی اڑتی ہیں اس کے غبار میں

سفاک غمزہ، چور نگہ، آنکھ راہ زن
پھر آپ بھی شریک ہیں اس لوٹ مار میں

وعدے پر آدھی رات کو وہ آئے، ساری رات
باتوں میں کچھ گزر گئی کچھ انتظار میں

پہنا تھا کیا رقیب کے ہاتھوں سے رات کو
بوباس غیر ہے ترے پھولوں کے ہار میں

انسان کیا وہ جبر جو دل بر نہ کر سکے
بے اختیار یاں ہیں مرے اختیار میں

اے داغ جبر و صبر کا دعویٰ غلط غلط
عاشق کا دل رہا ہے کہیں اختیار میں

۶۵

خبر ضعیفوں کی شاہ نظام لیتے ہیں
سنبھل لیتے ہیں گرتوں کو تھام لیتے ہیں

بدل بدل کے رقیبوں کے نام لیتے ہیں ۔۔۔ وہ اپنے آپ ہی لطف کلام لیتے ہیں

زبان کا وہ نگاہوں سے کام لیتے ہیں ۔۔۔ انھیں سلام ہے جو یوں سلام لیتے ہیں

جو بانکپن کی یہ محشر خرام لیتے ہیں ۔۔۔ تو فتنے اٹھ کے بلائیں مدام لیتے ہیں

وہ چھیڑ چھاڑ کی مجھ سے مدام لیتے ہیں ۔۔۔ کہ دونوں ہاتھوں سے میرا سلام لیتے ہیں

پہنچ نہ جائے کہیں صدمہ دست نازک کو ۔۔۔ وہ آتے جاتے ہزاروں سلام لیتے ہیں

یہ پوچھتا ہے زمانے سے وہ بت کافر ۔۔۔ خدا کے بندے خدا کا بھی نام لیتے ہیں

طریق عشق میں رہ رو کی پیروی کے لئے ۔۔۔ سراغ خضر علیہ السلام لیتے ہیں

مجال کیا جو کہیں ان سے بات مطلب کی ۔۔۔ ہم آہ کرکے کلیجے کو تھام لیتے ہیں

خدا ہو دوست تو دشمن بھی دوست ہوتا ہے ۔۔۔ رقیب ان سے مرا انتقام لیتے ہیں

قدم قدم ترے کوچے میں ضعف سے ہے یہ حال ۔۔۔ جگہ جگہ در و دیوار تھام لیتے ہیں

غرض تو یہ ہے کہ جیتے ہیں کتنے مر مر کر ۔۔۔ وہ اہل عشق کی گنتی مدام لیتے ہیں

تمہاری نیم نگہ پر نہ دیں گے ہم دل کو ۔۔۔ کہ لینے والے تو پورے ہی دام لیتے ہیں

ہماری قیمت دل دیجئے کہ ہم تو کبھی ۔۔۔ ادھار لیتے ہیں سو دانہ دام لیتے ہیں

وہ گھر کہ خانہ خرابی کی ہے بنا جس سے ۔۔۔ جناب عشق ہمارے ہی نام لیتے ہیں

تلاش رہتی ہے صبح امید کی شب غم ۔۔۔ چراغ ہاتھ میں ہم وقت شام لیتے ہیں

شہید پیاسوں کو قاتل مرا نہیں کرتا ۔۔۔ وہ بدگماں ہے کہ حوروں سے جام لیتے ہیں

کروں جفا پر وفا اور جبر پر میں صبر ۔۔۔ وہ مجھ سے بس یہی دو چار کام لیتے ہیں

کیا ہے ناک میں دم واعظوں نے کیا کیجئے ۔۔۔ غضب ہے دین کا دنیا میں کام لیتے ہیں

دل اب اچاٹ ہے کچھ ہم سے ہو نہیں سکتا ۔۔۔ نہ کام کرتے ہیں کوئی نہ کام لیتے ہیں

فروغ و منصب و جاگیر و مال دے دے کر
دعائیں داغ سے شاہ نظام لیتے ہیں

۶۶

سیر فصل بہار کرتے ہیں | چھپ کے بادہ خوار کرتے ہیں
ہم انہیں جی سے پیار کرتے ہیں | وہ کہاں اعتبار کرتے ہیں
دل ہمارا نہ لیں بت کافر | نذر پروردگار کرتے ہیں
منتظر ہیں مرے جنازے کے | وہ مرا انتظار کرتے ہیں
غیر کی بات اور جھوٹی بات | آپ ہی اعتبار کرتے ہیں
دلربا بھی ہے دل بھی ہے معشوق | ہم تو دونوں کو پیار کرتے ہیں
کر گزرتے ہیں عاشق جاں باز | کام جو اختیار کرتے ہیں
نہیں ساقی تو بادہ کش جل کر | بط مے کا شکار کرتے ہیں
کیا مٹائیں گے وہ نشاں میرا | کیوں تلاش مزار کرتے ہیں
جان چھینی، کسی کا دل لوٹا | وہ یوں ہی لوٹ مار کرتے ہیں
ہے یہی بات اپنی ان کے ساتھ | شکوے دو تین چار کرتے ہیں
ان سے وہ حشر تک نہیں ملتے | جن کو امیدوار کرتے ہیں
دل کی بالیدگی سے دل خوش ہے | ایک کو ہم ہزار کرتے ہیں
ناوک ناز سے سر بازار | وہ دلوں کا شکار کرتے ہیں
پہلے مجھ کو انہوں نے قتل کیا | اب طواف مزار کرتے ہیں
حال جب پوچھتا ہے ہم سے کوئی | نالہ بے اختیار کرتے ہیں
میرے مطلب ہی کی نہیں کہتے | یوں وہ باتیں ہزار کرتے ہیں
چھینٹے دے کر نشیلی آنکھ پہ وہ | مست کو ہوشیار کرتے ہیں

داغ ہے خوش نصیب جس کی قدر
آصف نام دار کرتے ہیں

۶۷

عشق میں دل کہیں حواس کہیں
ایسے رہتے ہیں اپنے پاس کہیں

چھپ کے بیٹھا ہے کیا کوئی مے کش
بھر کے جاتا ہے کیوں گلاس کہیں

مجھ کو اس سے ہے احتمالِ وفا
نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں

زہر کھاتے ہیں تنگ آکر ہم
یہ دوا آئے دل کو راس کہیں

کعبے جاتے ہیں، یہ دھڑکا ہے
ہم نہ پہنچیں خدا کے پاس کہیں

ستیاناس محتسب کا ہو
شیشہ پھینکا کہیں، گلاس کہیں

دل کے گوشوں میں دونوں مہماں ہیں
آرزو ہے کہیں تو یاس کہیں

آئیں گے پانچ دن میں کہتے ہو
پانچ دن کے نہ ہوں پچاس کہیں

دل کی مردانگی پہ بھولا ہوں
عاشقی میں نہ ہو ہراس کہیں

اس کو کہتے ہیں لوگ عہد شکن
ٹوٹ جائے نہ اپنی آس کہیں

جو نہ کہتی تھیں مجھ کو، وہ باتیں
غیر سے ہو کے بدحواس کہیں

شہر در شہر ہیں ترے عاشق
کہیں دس بیس، سو پچاس کہیں

جامہ عاشقی ملا ہے مجھے
تنگ تر ہو نہ یہ لباس کہیں

قطرہ قطرہ پلا نہ اے ساقی
اوس سے بھی بجھی ہے پیاس کہیں؟

بزم میں داغ گر نہیں تو نہ ہو
یہیں ہو گا وہ آس پاس کہیں

ردیف واؤ

۶۸

غیر کے ساتھ مرے قتل کا ساماں کیوں ہو
جو اٹھائے نہ اٹھے مجھ سے وہ احساں کیوں ہو

تجھ سے بے درد مرے درد کا درماں کیوں ہو
چاہنے والے کی مشکل کبھی آساں کیوں ہو

کچھ تو ہے بات، کسی کی تو ہے آمد آمد
ورنہ یوں گھر میں ترے عید کا ساماں کیوں ہو

اکھڑی اکھڑی یہ لگاوٹ ہی ستم کرتی ہے
پاس کیوں ہو کسی کم بخت کو ارماں کیوں ہو

اف ری آفت کی، قیامت کی، غضب کی چتون
پھر یہ کہتے ہو کہ مجھ پر کوئی قرباں کیوں ہو

میری بالیں سے نہ جا کہہ کے خدا حافظ تو
تیرے بیمار کا اللہ نگہباں کیوں ہو

واقعی آپ ادھر بھولے سے آنکلے تھے
جس کو رہنا نہ ہو منظور وہ مہماں کیوں ہو

چھوڑ دے ان کی خوشی پر تو رہے گا اچھا
کوئی ان شوخ مزاجوں کا نگہ باں کیوں ہو

اس کے سمجھائے سے آئے ہو عیادت کے لئے
جیتے جی سر پہ مرے غیر کا احساں کیوں ہو

کیا اسی کے لئے انسان ہوا ہے پیدا
نکلے جب ایک تو پھر دوسرا ارماں کیوں ہو

ہم کو اس واسطے پیارا ہے ستم بھی ان کا
اپنا معشوق جفا کر کے پشیماں کیوں ہو

یہ بھی منظور نہیں اس کو ہو چاہت میری
آرزو مجھ کو جو ہے وہ اسے ارماں کیوں ہو

داغ کو تم سے مری جان یہ امید نہ تھی
جھوٹے منہ بھی تو نہ پوچھا کہ پریشاں کیوں ہو

۷۹

ہم باوفا ہیں یہ کسی نادان سے کہو
ایمان کی جو بات ہے ایمان سے کہو

آنا اگر ہے مدنظر خواب میں تو آؤ
درباں سے کہو، نہ نگہ باں سے کہو

یہ کیا کہا کہ ہم نہیں کہتے تجھے برا
کس کس سے کہہ چکے ہو تم ایمان سے کہو

رہنے دو پاس حضرت دل اس کے درد کو
رخصت کے واسطے تو نہ مہمان سے کہو

تن تن کے آئینے سے کہی ہے جو تم نے بات
مجھ سے بھی اس ادا سے اسی شان سے کہو

کیوں اس نے رکھ لیا یہ مزا دل سے پوچھ لو
کیوں دل میں رہ گیا ہے یہ پیکان سے کہو

کہتا ہوں حال دل تو وہ کہتے ہیں بار بار　　کچھ ہوش سے حواس سے اوسان سے کہو
جس آرزو سے ہم نے کہا حرف مدعا　　تم بھی خدا کرے اسے ارمان سے کہو
مرتا ہوں تم نے بخش دیا بھی کہا سنا　　گر بندۂ خدا ہو تو ایمان سے کہو

مشرب تمہارا عشق ہے ہم جانتے ہیں داغ
کافر سے تم کہو، نہ مسلمان سے کہو

۷۰

اسی کے ساتھ میں بھی ہوں، یہ لے جائے جہاں مجھ کو
نہ چھوڑوں آسماں کو میں، نہ چھوڑے آسماں مجھ کو

ادھر جاؤں، ادھر جاؤں، کدھر جاؤں، یہ حالت تھی
جب اپنے در پہ اس نے دیکھ پایا ناگہاں مجھ کو

کیا ہے یاد ظالم نے مجھے کب! وائے رے قسمت
کہ وقت واپسیں دو چار آئیں ہچکیاں مجھ کو

پس توبہ اگر مڈبھیڑ ہو جاتی ہے رستے میں
سلام اک جھک کے کرتا ہے وہیں پیر مغاں مجھ کو

چھٹے جب ساتھ ایسے شخص کا کیوں کر نہ حیرت ہو
بہت مڑ مڑ کے دیکھا کی مری عمر رواں مجھ کو

گئے وہ دن کہ دریا خون کے آنکھوں سے جاری تھے
مگر دیتی ہے چھینٹے اب تو چشم خوں فشاں مجھ کو

کہاں مجھ سا زمانے میں جفائیں جھیلنے والا
قیامت تک کرے گا یاد تو اے آسماں مجھ کو

زباں پر داغ کی کس ناز سے آتا ہے یہ مصرع
ملا ہے شاہ آصف جاہ میرا قدر داں مجھ کو

۱۷

جہاں الٹا اثر ہو زندگی عاشق کی پھر کیا ہو
محبت ترک کر دیں ہم تو دل میں درد پیدا ہو
کہوں کیونکر کہ دنیا میں تم ہی بے مثل و یکتا ہو
زمانہ دیکھ ڈالا ہے مری آنکھوں نے تم کیا ہو
تماشا دید کے قابل ہے بسمل کا کہ اے قاتل
تعجب کیا جو چشم جوہر شمشیر بینا ہو
تمہیں ہم دوست کیا جانے تمہیں ہم دوست کیا مانے
زمانہ ہی نہیں اس کا کہ اب کوئی کسی کا ہو
کرے تو دفن اے خورشید رو گر تفتہ جانوں کو
تو سبزے کی جگہ تار شعاع مہر پیدا ہو
کہا جب شعلہ رو ان کو !! الزام یہ مجھ کو
عجب اس کا نہیں گر تو مری صورت سے جلتا ہو
یہ کیا کہتے ہو میرا بھید کھلنے کا نہیں تجھ پر
بتا دیں حال ہم دل کا اگر بند قبا وا ہو
شکن تیری جبیں پر ہو کہ بل تیری طبیعت میں
ہمیں پروا نہیں اس کی مقدر اپنا سیدھا ہو

یہیں ہو جائے طے آپس میں جھگڑا کل خدا جانے
تمہارے واسطے کیا ہو، ہمارے واسطے کیا ہو

بلانے سے نہ آپ آئیں، نہ مجھ کو آپ بلوائیں
نہ ایسا ہو نہ ویسا ہو تو پھر فرمایئے کیا ہو

زمانے کو پلٹتے دیر کیا لگتی ہے یہ سمجھو
بھروسا ہم کریں تم پر جو دنیا کا بھروسا ہو

تمہاری آنکھ ہے بیمار، دل بیمار ہے اپنا
کسی کے ہم مسیحا ہیں کسی کے تم مسیحا ہو

کدورت دل کی کیوں نکلے اگر آنسو نکلتے ہیں
جو صحرا ہو تو صحرا ہو جو دریا ہو تو دریا ہو

محبت کی نہ دیں گے داد وہ خط کو مرے پڑھ کر
وہاں انصاف پھر کیا ہو جہاں اندھیر کھاتا ہو

نہ مٹ جائے قیامت کیا نہ پس جائیں فرشتے کیا
زمین حشر پر جب آپ کا نقش کف پا ہو

ہمارے قتل کرنے کو تری آنکھوں سے اے ظالم
نگاہیں خود یہ کہتی ہیں ذرا ہم کو اشارا ہو

ہوا ہے دشمن جانی وہ ظالم میری صحت کا
برا ہو اس دعاگو کا کہا تھا جس نے اچھا ہو

عیادت کو مری آکر وہ یہ تاکید کرتے ہیں
تجھے ہم مار ڈالیں گے نہیں تو جلد اچھا ہو

اگر عذر جفا کر لو زباں کچھ تھک نہ جائے گی
شکایت کس طرح مٹ جائے جب تم سے نہ اتنا ہو

برائی غیر کی کرتے ہو تم، اچھا نہیں کرتے
برا وہ مان جائیں داغ یہ سن کر تو اچھا ہو

۲۷

تری چاہت ہے زہریلی خدا جانے اثر کیا ہو
ابھی سے زندگی ہے تلخ آگے کیا خبر کیا ہو
ہماری آہ سے اس سنگ دل کے دل میں گھر کیا ہو
کسی نے سچ کہا ہے یہ کہ پتھر کو اثر کیا ہو
خبر بھی ہے تمہیں شوخی سے تم ہر گام پر کیا ہو
یہاں کیا ہو وہاں کیا ہو ادھر کیا ہو ادھر کیا ہو
تمہیں ہے درد سر کا شکوہ حرف مدعا سن کر
بیان شوق اس سے بھی زیادہ مختصر کیا ہو
کسی کو بھی نہ دیکھا میں نے اپنے حال پر روتے
تجھے جو دیکھ کر خوش ہو وہ میرا نوحہ گر کیا ہو
زمانہ ہے فلک ہے مدعی ہے ان کے شکوے ہیں
تم ہی اک فتنہ گر کیا ہو، تم ہی بیداد گر کیا ہو
قیامت کا ہے کیا یہ روز وعدہ دن نہیں ڈھلتا
نہ ہو جب شام ہی پیدا تو آئندہ سحر کیا ہو
ہوا سے مثل گل وہ نازنیں کملائے جاتا ہے
نزاکت جس کی ایسی ہو تو اس کے دل میں گھر کیا ہو

بہت سے لکھ کے خط اپنے سرہانے رکھ لیے میں نے
سبھی کو خوف جاں ہے کوئی میرا نامہ بر کیا ہو

یہ پہلو ہو کہ وہ پہلو ہدف دونوں ہیں تیروں کے
جگر سے دل الگ کیا ہو، الگ دل سے جگر کیا ہو

ہر اک سے پوچھتے ہیں میری نسبت وہ قیامت میں
ہوا سارا جہاں اس کی طرف، تم بھی ادھر کیا ہو

عبث دیتے ہو تم الزام مجھ کو سخت جانی کا
نہ ہو جب ہاتھ میں طاقت تو خنجر کارگر کیا ہو

نہیں سود و زیاں سے کچھ غرض عاشق کو اے ناصح
نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر نفع و ضرر کیا ہو

مرض کی ہو گئی تشخیص بیمار محبت کو
مگر مشکل تو یہ ہے امتحان چارہ گر کیا ہو

فروغ حسن سے کس کو رہی ہے تاب نظارہ
ترا کیا عیب دیکھیں اور خوبی پر نظر کیا ہو

ہم اپنے حال پر روتے مگر اب کس طرح روئیں
نہ ہو جب خون کا قطرہ بھی دل میں چشم تر کیا ہو

وہ ہرجائی اگر ہے داغ، ہو تم بھی تو آوارہ
تمہیں کب صبر سے بیٹھے ہوئے تم ایک پر کیا ہو

۷۳

ہماری قبر پر دو پھول ڈالتے جاؤ کسی غریب کی حسرت نکالتے جاؤ

ادا ادا سے چھری پھیرتے رہو مجھ پر — ہنسی ہنسی میں مرا دم نکالتے جاؤ
برا بھلا وہ رقیبوں سے مجھ کو سنوائیں — پھر اس پہ یہ بھی ہو تاکید ٹالتے جاؤ
متاعِ دل کا ہے بازار غور کے قابل — برے بھلے پہ نظر بھی تو ڈالتے جاؤ
تمہاری بزم میں یہ عاشقوں کی عزت ہے — وہ آتے جائیں، انہیں تم نکالتے جاؤ
پتے پتے کی سنو مجھ سے اب ذرا سچ سچ — تمہیں خدا کی قسم تم بھٹالتے جاؤ
عجیب لطف ہے اس گفتگو کا کیا کہنا — برا عدو کو کہو، مجھ پہ ڈھالتے جاؤ
وہ دل کو لیتے ہیں احسان رکھ کے یہ کر کر — بغل میں اپنی نہ دشمن کو پالتے جاؤ
برے ہیں حضرتِ دل چشم و خال و خط کے خیال — جو ٹل سکیں یہ بلائیں تو ٹالتے جاؤ
وہ ان کے خط میں ہیں مضموں کہ جب کبھی دیکھو — ہزار طرح کے پہلو نکالتے جاؤ
ادھر کو بھولے سے مدت میں اب تو آنکلے — مریضِ عشق کی حالت سنبھالتے جاؤ
مجھے نکالنے آئے ہو اپنے کوچے سے — نکلنے والے کو دوزخ میں ڈالتے جاؤ
کہا کرے جو کوئی تم سے دوستی کی کبھی — تم اپنے کان میں وہ بات ڈالتے جاؤ
بھرے ہوئے ہیں مرے دل میں سینکڑوں ارماں — نکلتے جائیں جہاں تک نکالتے جاؤ
دکھائی دے گا کسی دن وہ دل کے آئینے میں — مگر یہ شرط ہے اس کو اجالتے جاؤ

علاج کرتے ہو اب دردِ عشق کا اے داغ
کہا تھا کس نے کہ یہ روگ پالتے جاؤ

ردیف ہائے ہوز

۷۴

نہ ہوا یوں گنہ ثواب کے ساتھ — آبِ زمزم نہ تھا شراب کے ساتھ

دن گزرتے ہیں کس عذاب کے ساتھ
وہ زمانہ گیا شباب کے ساتھ

رہ گئی دل کی آرزو دل میں
موت ہی آگئی جواب کے ساتھ

غیر کو دے کے جام مجھ کو دیا
خون دل بھی پیا شراب کے ساتھ

غیر اٹھ جائے کاش دنیا سے
سر محفل ترے حجاب کے ساتھ

وصل میں کشمکش سے ان کی قبا
دھجیاں ہو گئی نقاب کے ساتھ

مہر وہ رخ ہے اور ماہ جبیں
چاند نکلا ہے آفتاب کے ساتھ

آہ سوزاں ہے اور درد جگر
یہی بجلی ہے اس سحاب کے ساتھ

وعدۂ وصل پر پلائی مجھے
خوب چھینٹا دیا شراب کے ساتھ

یاد آتی ہے جب تری شوخی
لوٹ جاتا ہوں اضطراب کے ساتھ

پہلے وہ نام اپنا لیتے ہیں
سب حسینوں میں انتخاب کے ساتھ

موت کا انتظار آٹھ پہر
زندگی اور اس عذاب کے ساتھ

صبر سے اس کو چین کب آئے
نبھ گئی جس کی اضطراب کے ساتھ

نیند اچٹی تو وہ جمال نہ تھا
نہ گئی چشم شوق خواب کے ساتھ

کیا کہیں ہم جناب داغ کو وہ
یاد کرتے ہیں کس خطاب کے ساتھ

۷۵

دل میں رکھتا ہے تجھے اے ماہ پیکر آئینہ
ہے تری تصویر اندر اور باہر آئینہ

حسن کی دولت سے تیری ہے تونگر آئینہ
ہو گیا اپنے نصیبے کا سکندر آئینہ

یہ کشش ہے حسن کی تیرے عجب اس کا نہیں
وقت نظارہ جو نکلے چھوڑ کر گھر آئینہ

ہے رخِ پرنور گویا اس کا ایک دریائے نور
پانی پانی شرم سے ہوتا ہے اکثر آئینہ

خود نمائی اور خود بینی اسی سے ہو گئی
دیکھنے کے واسطے رہتا ہے گھر گھر آئینہ

عکس افگن دونوں گ؟ د آئینے میں ہو گئے
دیکھئے گا اڑ نہ جائے پر لگا کر آئینہ

دل کے یوں ٹکڑے ہوئے اس کے خرامِ ناز سے
چور ہو جس طرح کھا کر کوئی ٹھوکر آئینہ

دیکھ کر بت کو نظر آتی ہے اپنی شکل بھی
بتکدے کا صاف ہے ایک ایک پتھر آئینہ

ہم کو اس حیرت کدے میں کیوں نہ حیرانی رہے
آپ ہی آئینہ خانے میں ہے ششدر آئینہ

کام آجائے گی اس دل کی صفائی ایک دن
یہ دکھائیں گے تمہیں ہم روزِ محشر آئینہ

جان نکلی ہے مری اک سادہ رو کے عشق میں
قبر میں جاؤں گا اپنے ساتھ لے کر آئینہ

بزم میں سب کی نظر تھی آج روئے صاف پر
دیجئے صدقے میں آپ اے بندہ پرور آئینہ

دیکھیں کب تک منہ چھپاتے ہو کہیں گے لب سے ہم
تم ہو آئینے سے بدتر، تم سے بہتر آئینہ

پہلے تو یہ ایک تھا اب سو مقابل ہو گئے
رشک سے ٹکڑے کیا کیوں تم نے جل کر آئینہ

ان کے رخ کو غور سے دیکھا تو وہ کہنے لگے
دیکھتے ہیں آپ بھی اللہ اکبر آئینہ

سنبل پیچاں کو کر دیتی ہے سیدھا تیری زلف
منہ کی کھاتا ہے ترے رخ سے مقرر آئینہ

زندگی کے ساتھ ہیں اے داغ سب آرائشیں
قبر میں لے جا کے کیا کرتا سکندر آئینہ

۷۶

دیکھنا اچھا نہیں زانو پہ رکھ کر آئینہ
دونوں نازک ہیں نہ رکھ تو آئینے پر آئینہ

ہو نہیں سکتا ترے رخ کے برابر آئینہ
رشک سے اپنا کہاں پھوڑے مقدر آئینہ

جب ہوا محفل میں اس کا روئے انور آئینہ
ہو گیا حیران منہ اپنا سا لے کر آئینہ

جب نگاہ شوخ پڑ جاتی ہے چشم شوخ کی — ہاتھ سے نکلا ہی جاتا ہے تڑپ کر آئینہ
شوق آرائش سے اپنے ہو گئے آخر وہ تنگ — ہو گیا دشوار شانہ اور دوبھر آئینہ
منہ نہ دیکھا تم نے غصے میں بہت اچھا کیا — دیکھ سکتا کیا یہ چتون کیا یہ تیور آئینہ
موت کی صورت نظر آتی ہے اپنی شکل میں — چشم بسمل کے لئے ہے تاب خنجر آئینہ
لن ترانی دیکھنا' کہتے ہیں وہ کس ناز سے — آج آئے تو مقابل میں چمک کر آئینہ
چاہتے ہیں وہ رہے مد مقابل سے سلوک — دیکھتے ہیں سورۂ اخلاص پڑھ کر آئینہ
وقت تزئیں دیکھ کر گردش نگاہ شوخ کی — دست مشاطہ میں کھا جاتا ہے چکر آئینہ
دل کٹا جاتا ہے جب میں دیکھتا ہوں اپنی شکل — بن گیا میرے لئے شیشہ و خنجر آئینہ
سرخ ڈورے نشے کی آنکھوں میں دیتے ہیں بہار — جب ہے کیفیت کہ دیکھو پی کے ساغر آئینہ
کم سنی کی یاد آتی ہے تمہاری سادگی — اب سرکتا ہی نہیں زانو سے دم بھر آئینہ
وصل میں یوں سو رہے پھر صبح کو وہ جاگ کر — میرے منہ پر ان کا منہ تھا ان کے منہ پر آئینہ
روشنی دیکھی نہیں جاتی کسی صورت سے بھی — گھٹ کے منہ رہتا ہے تیرا اور بڑھ کر آئینہ
وقت دیدار اپنی صورت دیکھنی ہو گی تمہیں — دیکھو اپنے پاس رکھنا روز محشر آئینہ
آئینہ ہی ان کا سینہ اس پہ کچھ کچھ سخت سخت — حسن کے اعجاز سے رکھتا ہے پتھر آئینہ
میرے مرقد پر صفائے قلب کی تاثیر سے — کیا عجب بن جائے لوح سنگ مرمر آئینہ

وہ جو خود بیں ہیں تو ہوں اے داغ تو جلتا ہے کیوں
سامنے ان کے رہے گا آئینے پر آئینہ

۷۷

عکس کاکل سے معنبر ہے سراسر آئینہ — روح اسکندر کو کرتا ہے معطر آئینہ
اس تن شفاف سے کیوں کر ہو ہم سر آئینہ — جس کا سایہ بھی بنے قد کے برابر آئینہ

یہ کمال حورانِ جنت کو میسر آئینہ
چشمہ کوثر کو وہ دیکھیں سمجھ کر آئینہ

جس سے جو کچھ بن پڑا ہے جام اس کاس کے ساتھ
جام باجمشید ناز و با سکندر آئینہ

جب سے وہ خود بیں ہوئے ہیں قتل کرنے کو مرے
آب میں تلوار ہے جوہر میں خنجر آئینہ

ذکر یوسف سنتے ہی کیا جانے کیا آیا خیال
ہاتھ میں اس نے اٹھایا مسکرا کر آئینہ

ایک صورت سے جو بن جائے تو یہ اچھی ہے فال
آؤ دیکھیں ہم بھی تم بھی آج مل کر آئینہ

آگے اس خورشید رو کے آئے تو قلعی کھلے
قلعی سیماب سے گو ہے منور آئینہ

اب تو یہ ٹھہری ہے دیکھیں کون ہو حسرت زدہ
رات بھر ہم ان کا منہ دیکھیں وہ دن بھر آئینہ

دونوں اپنے وقت پر آنکھیں دکھاتے ہیں مجھے
اہل جوہر تیغ اپنی اہل جوہر آئینہ

آج اس کو شکل میری دیکھ کر حیرت ہوئی
آنکھیں پھوٹیں میں نے دیکھا ہو جو دن بھر آئینہ

ذکرِ مے سے کس قدر آتی ہے سرخی رنگ پر
حضرت واعظ رکھیں بالائے منبر آئینہ

دیکھنا بھی ہے دکھانا بھی حسینوں کو ہے شرط
اس میں بازی لے گیا اے بندہ پرور آئینہ

اس میں کیا دیکھی رقیب روسیہ نے اپنی شکل
آج اندھا ہو گیا' کل تھا منور آئینہ

پرتو رخسار سے چمکی تھی بجلی ایک بار
دیکھتے ہی وہ نہیں اس دن سے ڈر کر آئینہ

شکل اپنی دیکھتا ہے ناز سے ایک اک حسیں
اپنے گھر میں بن گیا ہے حسن کا گھر آئینہ

لاؤ مجھ کو دو کہ خود سینے سے اپنے میں ملوں
ایسی صیقل ہو گی بن جائے گا خنجر آئینہ

یہ دل نازک گداز غم سے پانی ہو گیا
گھر ہی گھر میں گھل گیا اندر ہی اندر آئینہ

داغ یہ بزم سخن کیا عالم تصویر ہے
ہاتھ میں رکھتا ہے گویا ہر سخن ور آئینہ

ردیف یائے تحتانی

۷۸

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی　　بڑا تیر مارا اگر آہ کی

وہی ایک ہے خاک دیر و حرم　　دل اس راہ کی لے کہ اس راہ کی

خدا جانے کیا بن گئی دل پر آج　　صدا ہے جو اللہ اللہ کی

اڑاتے ہو بے پر کی تعریف میں　　بندھی ہے ہوا کس ہوا خواہ کی

وہ پیغام الفت کا منہ پھیر کر　　وہ شرمیلی آنکھیں سحرگہ کی

اجاڑے ہیں گھر تو نے کافر بہت　　کہاں جائے مخلوق اللہ کی

تم آنا ہمارے جنازے کے ساتھ　　یہ تکلیف کرنا خدا راہ کی

کبھی دو کبھی سو ملیں گالیاں　　مقرر ہماری نہ تنخواہ کی

فلک سا بھی ظالم کوئی اور ہے　　مگر عمر اس کی نہ کوتہ کی

اسے ہم نے دیکھا جسے دیکھ کر　　نگہ نے تری شرم ناگہ کی

گیا دل ترے پاس اک آن میں　　مسافت بہت کم ہے اس راہ کی

کہا بوسہ آستاں پر بہ طنز　　نہیں ہے یہ دلجیز درگہ کی

نہیں بے سبب ان بتوں کو غرور　　کچھ اس میں بھی حکمت ہے اللہ کی

نہ لیتے گئے بے وفا جان کر　　اگر جان بھی ان کے ہمراہ کی

مرے دل میں برچھی چبھو کر کہا　　خبردار تو نے اگر آہ کی

یکایک ڈسا تیری کاکل نے دل　　اس افعی نے کیا چوٹ ناگاہ کی

یہ سمجھائے دیتے ہیں اے داغ ہم
اطاعت کئے جاؤ تم شاہ کی

۷۹

یہ کیا کہا کہ میری بلا بھی نہ آئے گی
کیا تم نہ آؤ گے تو قضا بھی نہ آئے گی

قاصد کا انتظار عبث یہ یقین ہے
مجھ تک تو اس طرف کی ہوا بھی نہ آئے گی

اے شوخ اگر یہی ہیں تلون مزاجیاں
پوری تجھے تو طرز جفا بھی نہ آئے گی

آنکھیں خدا نے دی ہیں مروت کے واسطے
یہ کیا خبر تھی تجھ کو حیا بھی نہ آئے گی

گر یوں ہی ضعف قلب دکھائے گا اپنا زور
لب تک اخیر وقت دعا بھی نہ آئے گی

زاہد سے کہہ دو رنج و مصیبت کی کر دعا
اس کے بغیر یاد خدا بھی نہ آئے گی

خوش ہوں کہ وہ خیال میں لاتے نہیں مجھے
ان کی سمجھ میں میری خطا بھی نہ آئے گی

کہنے گئے تھے حال مگر یہ خبر نہ تھی
مطلب کی بات لب پہ ذرا بھی نہ آئے گی

تم جاؤ گے اگر نہ عیادت کے واسطے
بیمار غم کو راس دوا بھی نہ آئے گی

عاشق تمہیں سکھاتے ہیں انداز دلبری
گر دل نہ آئے گا تو ادا بھی نہ آئے گی

کیا جانیں کیا کریں گی تری شوخ چتونیں
تجھ کو تو شرم روز جزا بھی نہ آئے گی

جو مر گئے ہیں تیری محبت میں درد مند
راحت انہیں تو بعد فنا بھی نہ آئے گی

بے تابی فراق گئی ہے نہ جائے گی
مجھ کو عدم میں نیند ذرا بھی نہ آئے گی

وعدے کی رات کیوں نہ بہانہ کریں گے وہ
جب تک نہ ہو بہانہ قضا بھی نہ آئے گی

تم جانتے ہو آئے گی پھر یہ شب وصال
اے داغ مان جاؤ کہا بھی نہ آئے گی

۸۰

نہیں نہیں وہ قلق آہ نارسا کے مجھے
اثر اثر کے ہیں لالے دعا دعا کے مجھے

ادا سے دیکھ لیا پہلے مسکرا کے مجھے
پھر اور تیر لگایا نظر ملا کے مجھے

عدو کے غم میں منایا لبھا لبھا کے مجھے
تسلیاں بھی تو کر دیں الگ بٹھا کے مجھے

قلق سبھی نے کیا دردمند پا کے مجھے
خیال یار بھی اب رو گیا ہے آ کے مجھے

ادھر ملامت احباب کی ہے اک بوچھاڑ
ادھر وہ چلتے ہوئے سیدھیاں سنا کے مجھے

اثر نہ کیوں ہو وہ ہے اپنے بائیں ہاتھ کا داؤ
کہ ہو گئے ہیں رواں ہتکنڈے دعا کے مجھے

دبا کے خاک میں جاتے کہاں ہو' سنتے جاؤ
بٹھا دیا ہی نکرین نے اٹھا کے مجھے

متاع دل جو ہو بے کار کیوں نہ ہو وقت
کہ دام اٹھانے پڑے جنس ناروا کے مجھے

یہ تیرے تیر کے پر کی صدا سنی میں نے
رکھ اپنے پاس کلیجے سے تو لگا کے مجھے

کہاں ندیم شب ہجر میں رفیق کہاں
سدھارے اپنے گھروں کو وہ رو رلا کے مجھے

بنا ہوں عشق میں ان گل رخوں کے گلدستہ
بٹھائیں بزم میں بھی سامنے ہوا کے مجھے

نہیں ہے بزم میں بے وجہ دیکھنا ان کا
وہ آنکھیں سینکتے ہیں رشک سے جلا کے مجھے

نکالے اپنے تلوؤں سے خار گھڑیوں میں
ابھی تو پاؤں دبانے ہیں رہ نما کے مجھے

نہ کوہسار نہ صحرا نہ آسماں نہ زمیں
ہوائے شوق کہاں لے گئی اڑا کے مجھے

قیامت آئی یہ خط کا جواب آیا ہے
پرائے بس میں ہوں لے جائے کوئی آ کے مجھے

بہار دیدۂ خوں بار کے سوا دل نے
دکھائے رنگ بہت خون مدعا کے مجھے

ہزار پردہ کروں عشق کوئی چھپتا ہے
وہ دیکھ لیں گے کسی طرح آزما کے مجھے

یہ خط کے پرزے ہی بازو پہ باندھ دے قاصد
ہوائے شوق میں اڑنا ہے پر لگا کے مجھے

نگاہ شوخ بھی گردش میں ہے فلک بھی ہے
ستانے والے نہیں چین سے ستا کے مجھے

تماشا ڈالوں گا میں ٹھوکروں میں اس کی طرح
چلا ہے فتنہ محشر کہاں جگا کے مجھے

کہیں گے سب تمہیں نادان اور کیا ہو گا
یہی نا؟ اپنے پہ ہنسواؤ گے رلا کے مجھے

ملے گی داد ستم کس طرح کہاں کیونکر
اسی کے ان کو بھروسے ہیں جس خدا کے مجھے

نہیں ہے قیصر و فغفور سے طمع اے داغ
بہت ہیں لطف و کرم اپنے بادشاہ کے مجھے ،

۸۱

قتلِ پیغام بر نہ ہو جائے
آخری یہ سفر نہ ہو جائے

خوش بہت ان کے گھر نہ ہو جائے
پھول کر دل جگر نہ ہو جائے

لاگ اے چارہ گر نہ ہو جائے
تیرے سر دردِ سر نہ ہو جائے

ہو صفائی اگر تو کیا ممکن
دل کی دل کو خبر نہ ہو جائے

اپنی آنکھیں نکال ڈالوں گا
تجھ کو میری نظر نہ ہو جائے

لڑ رہا ہے مرض طبیعت سے
خون اے چارہ گر نہ ہو جائے

عرضِ مطلب پہ لگ گئی ہچکی
قصہ ہی مختصر نہ ہو جائے

آتی جاتی حیا میں شوخی ہے
پردگی پردہ در نہ ہو جائے

آنے جانے نہ دو رقیبوں کو
کہیں بازار گھر نہ ہو جائے

خستگی دل کی دیکھتا کیا ہے
ٹکڑے ٹکڑے جگر نہ ہو جائے

اک زمانہ ہے آج میری طرف
کل ادھر سے ادھر نہ ہو جائے

نقشِ پائے رقیب جھک کے نہ دیکھ
کہیں دہری کمر نہ ہو جائے

نامہ بر ہے بنی بنائی بات
چوک تجھ سے اگر نہ ہو جائے

سب ہے سامانِ وصل و عیش و نشاط
آسماں رخنہ گر نہ ہو جائے

دل ہے خواہانِ لذتِ بے داد
کیوں وہ بے داد گر نہ ہو جائے

ذکر سے غیر ہی کے دل بہلاؤں
منفعل تو مگر نہ ہو جائے

مرگِ دشمن کی کیا دعا مانگوں
کہیں الٹا اثر نہ ہو جائے

یہ تو آثار ہیں قیامت کے عشوہ گر فتنہ گر نہ ہو جائے
ہے پس مرگ مجھ کو خوف عذاب قبر دشمن کا گھر نہ ہو جائے
میرے ہی حال دل میں روز حساب صبح سے دوپہر نہ ہو جائے
دیکھنے والوں کو نہ دیکھا کر اس نظر کو نظر نہ ہو جائے
اس کو تعلیم ناز خوب نہیں بے خبر باخبر نہ ہو جائے
ہیں قیامت کے خواستگار بہت وقت سے پیشتر نہ ہو جائے
زلف رکھنے لگی ہے بل مجھ سے یہ بلا میرے سر نہ ہو جائے
شب کو چوری سے ہم وہاں پہنچے تھا یہ کھٹکا سحر نہ ہو جائے
ہم تو دشمن نہیں ہیں قاصد کے خوف اس کو اگر نہ ہو جائے

کیوں جگہ دیں وہ اپنے پہلو میں
داغ داغ جگر نہ ہو جائے

۸۴

وہاں عاشقوں کو سزا مل رہی ہے محبت کو لو داد کیا مل رہی ہے
وفا پر مجھے بددعا مل رہی ہے خطا کی تھی اس کی سزا مل رہی ہے
بدلتا نہیں حال بیمار غم کا بدل کر دوا پر دوا مل رہی ہے
تری آنکھ تو ہے بڑی لڑنے والی یہ غیروں سے کیوں بے حیا مل رہی ہے
بہت منزل عشق میں راہ زن ہیں خبر مجھ کو یہ جابجا مل رہی ہے
یہ ڈر ہے انہیں بیچ میں نہ آجاؤں کمر سے جو زلف رسا مل رہی ہے
کوئی دن کے ہیں یہ جدائی کے صدمے اثر سے ہماری دعا مل رہی ہے
کس کو غش آیا وہ دامن سے اپنے ہوا دے رہے ہیں ہوا مل رہی ہے

علاج اور بیمار الفت کا کیا ہو
دوا مل رہی ہے دعا مل رہی ہے

مجھے داد دیتے ہیں بے داد کر کے
سزا مل چکی تھی جزا مل رہی ہے

رخ صاف آئینے سے مل رہا ہے
پھر اس پر ادا سے ادا مل رہی ہے

چبانے لگے ہونٹ وہ بوسہ دے کر
یہ جھوٹے کو اچھی سزا مل رہی ہے

مرے واسطے بزم دشمن میں ساقی
مئے ناب میں سنکھیا مل رہی ہے

عدو کا ہے نام اس لب جاں فزا پر
مسیحا سے گویا قضا مل رہی ہے

ہمارے لئے ہے مزا دل لگی کا
خطا کر رہے ہیں سزا مل رہی ہے

رقیبوں سے کر لی ہے سازش جو میں نے
مجھے آفریں' مرحبا مل رہی ہے

وصال دل و جاں پہ حیرت ہے مجھ کو
وفادار سے بے وفا مل رہی ہے

غنی کر رہی ہے محبت کی دولت
مرے حوصلے سے سوا مل رہی ہے

خبر آئی کیا غیر کی وقت زینت
یہ مٹی میں کیسی حنا مل رہی ہے

سنی ہے جو ظالم نے تاثیر الٹی
ہماری دعا کو دعا مل رہی ہے

الگ شور محشر سے سنئے گا نالے
ابھی تو صدا میں صدا مل رہی ہے

بہت ہجر میں بے کسی کا ہے احساں
یہی اک شریک اور شامل رہی ہے

ملو داغ سے تم بھی ہے عید کا دن
گلے آج خلق خدا مل رہی ہے

۸۳

زمانہ بتوں پر فدا ہو رہا ہے
خدا کی خدائی میں کیا ہو رہا ہے

ستم جو ہو کے عذر جفا ہو رہا ہے
وہ کیا ہو رہا تھا یہ کیا ہو رہا ہے

وہ معروف ناز و ادا ہو رہا ہے بڑی دیر سے یہ مزا ہو رہا ہے
اگر قطع ہوتا تو بہتر تھا اس سے کہ دست ہوس نارسا ہو رہا ہے
دھڑکتا ہے دل، کانپتا ہے کلیجا ادا اس طرح مدعا ہو رہا ہے
مداوا ترے کشتگاں ستم کا خدا جانے عقبیٰ میں کیا ہو رہا ہے
یہ آکر کہا مجھ سے پیغام بر نے وہاں دشمنوں کا کہا ہو رہا ہے
گھلی جاتی ہے ہجر میں جان اپنی قضا کا جو حق تھا ادا ہو رہا ہے
مری بدگمانی کا اب کیا ٹھکانا قسم کھا کے عہد وفا ہو رہا ہے
مجھی کو محبت ہے غیروں سے گویا مجھی سے اب الٹا گلا ہو رہا ہے
تڑپنے کو میرے نیا کھیل سمجھے کہا دور ہی سے یہ کیا ہو رہا ہے
نہ رکھ میرے سینے پہ تو دست نازک ابھی درد دل میں سوا ہو رہا ہے
خدا شرم رکھ لے مری عاشقی کی وہاں امتحان وفا ہو رہا ہے
ستم جو کم کم تو ہم سہتے جائیں مگر وہ تو بے انتہا ہو رہا ہے
ادھر غیر دشمن ادھر دوست بدظن ستم یہ جدا، وہ جدا ہو رہا ہے
کہوں تجھ سے کیا اپنے دل کی حقیقت برا حال اے دل ربا ہو رہا ہے
تغافل سے اس کے اچٹنے لگا دل برائی میں میرا بھلا ہو رہا ہے
تری خفگیوں کی کروں کیا شکایت مرا دل بھی تجھ سے خفا ہو رہا ہے

جگت آشنا داغ ملتا تھا سب سے
مگر اب تو وہ آپ کا ہو رہا ہے

۸۴

یہ پیشتر زمیں سے ہے یا آسماں سے ہے کیا جانے ابتدائے محبت کہاں سے ہے

قربان جاؤں صبر دل بے قرار کے	پیغام جو یہاں سے نہ تھا وہ وہاں سے ہے
کیا لطف زندگی ہے کہ اپنی زندگی کا لطف	آگے بڑھا ہوا مری عمر رواں سے ہے
برسوں وہ مہربان ہیں دم بھر میں کچھ نہیں	مجھ کو تو ہول دل ستم ناگہاں سے ہے
قاصد کے منہ میں مہر لگی اس کے سامنے	اظہار مدعائے زبانی زباں سے ہے
جاتا ہے کون کوئی وہاں جا کے کیا کرے	اک چھیڑ ہم کو مد نظر پاسباں سے ہے
باہم ہو جب نفاق بڑھے کیوں نہ گفتگو	دل کو ہے دل سے لاگ زباں کو زباں سے ہے
کھولے ہیں میرے بھید رقیبوں کے سامنے	وہ شکوہ غیر سے نہیں جو راز داں سے ہے
اس گھر سے ہم نکلتے ہی مر جائیں گے ضرور	جنت بھی دو قدم پہ تمہارے مکاں سے ہے

پیری میں داغ جوش مضامیں ہے رنگ پر
اس باغ کی بہار ہماری خزاں سے ہے

۸۵

دن گزارے عمر کے انسان ہنستے بولتے	جان بھی نکلے تو میری جان ہنستے بولتے
تم مرے گھر میں رہو مہمان ہنستے بولتے	خوب نکلیں وصل کے ارمان ہنستے بولتے
مجھ کو مجبوری نہ تھی اس کی زبردستی نہ تھی	لے گیا کافر مرا ایمان ہنستے بولتے
اس نے میرے شعر میں وصف صنم سن کر کہا	ہم نہیں اب تجھ سے بے ایمان ہنستے بولتے
یہ تو ان کی دل لگی ہے یہ تو ان کی بات ہے	وعدہ اٹھتے بیٹھتے' پیمان ہنستے بولتے
پھر تو ساری رات ہو گا مجھ کو رونا پیٹنا	دن تو گزرے' میں ترے قربان ہنستے بولتے
میں ہنسا بولا اگر تم سے تو کیوں برہم ہوئے	کیا نہیں انسان سے انسان ہنستے بولتے
عار آتی ہے انہیں اب زہر بھی دیتے نہیں	پہلے دیتے تھے بنا کر پان ہنستے بولتے
شوخی تقریر اس کی لے گئی دل لوٹ کر	باتوں باتوں میں ہوا نقصان ہنستے بولتے

چپ کھڑی روتی ہے تو اے شمع محفل رات بھر
کاش ہو مشکل تری آسان ہنستے بولتے

وہ بلاتے بزم دشمن میں تو چپ رہتے نہ ہم
اوپری دل سے ہی تا امکان ہنستے بولتے

نکتہ چیں ہے غیر اے دل اور وہ نازک مزاج
ایسے موقع پر نہیں نادان ہنستے بولتے

جور سے کیا ان کو مطلب ظلم سے کیا فائدہ
وہ تو لیتے ہیں پرائی جان ہنستے بولتے

قہقہوں کا چہچہوں کا لطف ہے گلگشت میں
کچھ گل و بلبل سے بھی اک آن ہنستے بولتے

آسماں برسوں رلاتا ہے' لگا دیتا ہے چپ
دیکھ لیتا ہے اگر اک آن ہنستے بولتے

غیر کے گھر شب کو وہ مہمان ہمسائے میں تھے
سن رہے تھے ہم لگا کر کان ہنستے بولتے

انقلاب دہر سے باقی نہیں ایسا مقام
چار مل کر جس جگہ انسان ہنستے بولتے

غیر کا مذکور خلوت میں یکایک آگیا
ناگہاں آفت میں آئی جان ہنستے بولتے

ہو رہے خاموش کیوں مجھ کو تو یہ امید تھی
دیکھ کر تم داغ کا دیوان ہنستے بولتے

۸۶

اپنے دل کا مکان اور ہی ہے
اس میں اک مہمان اور ہی ہے

ملک الموت اس کو کیا لے گا
دل میں عاشق کے جان اور ہی ہے

عشق کے ہیں جدا نشیب و فراز
یہ زمیں آسمان اور ہی ہے

سیر جس کی ہمیں ہے مد نظر
تیرا وہ جہان اور ہی ہے

گرچہ ہے وہ کریم بندہ نواز
بے نیازی کی شان اور ہی ہے

یاد ہے تیری' ذکر ہے تیرے
اور ہے دل' زبان اور ہی ہے

تو مٹائے گی اے قیامت کیا
مر مٹوں کا نشان اور ہی ہے

دل مرا کہہ رہا ہے اور ہی کچھ
واعظوں کا بیان اور ہی ہے

اے فلک تیری مہربانی لیا
داغ کا مہربان اور ہی ہے

۸۷

گر ہو سلوک کرنا انسان کر کے بھولے
احسان کا مزا ہے احسان کر کے بھولے

نشتر سے کم نہیں ہے کچھ چھیڑ آرزو کی
عاشق مزاج کیونکر ارمان کر کے بھولے

وعدہ کیا پھر اس پر تم نے قسم بھی کھائی
کیا بھول ہے کہ ایسا پیمان کر کے بھولے

وعدے کی شب رہا ہے کیا انتظار مجھ کو
آنے کا وہ یہاں تک سامان کر کے بھولے

اپنے کئے پہ نازاں ہو آدمی نہ ہرگز
طاعت ہو یا اطاعت انسان کر کے بھولے

خود ہی مجھے بلایا، پھر بات بھی نہ پوچھی
وہ انجمن میں اپنی مہمان کر کے بھولے

یہ بھول بھی ہماری ہے یادگار دیکھو
دل دے کے مفت اپنا نقصان کر کے بھولے

تم سے وفا جو کی ہے، ہم سے خطا ہوئی ہے
ایسا قصور کیونکر انسان کر کے بھولے

آخر تو آدمی تھے نسیان کیوں نہ ہوتا
میری شناخت شب کو دربان کر کے بھولے

اب یاد ہے اسی کی، فریاد ہے اسی کی
سارے جہاں کو جس کا ہم دھیان کر کے بھولے

اب عشق کا صحیفہ یوں دل سے مٹ گیا ہے
جس طرح یاد کوئی قرآن کر کے بھولے

اے داغ اپنا احساں رکھے گا یاد قاتل
وہ اور میری مشکل آسان کر کے بھولے

۸۸

کس کی طاقت ہے کرے کوئی برائی آپ کی
ساری دنیا آپ کی، ساری خدائی آپ کی

کم نہیں تلوار سے یہ کج ادائی آپ کی
مار ڈالا آپ نے ہم کو، دہائی آپ کی

حلقہ آغوش ہے یہ حلقہ گیسو نہیں
کسمسا کر ہو نہ جائے گی رہائی آپ کی

بزم دشمن میں مجھے وہ دیکھ کر کہنے لگے
آپ کیوں آئے یہاں کیا موت آئی آپ کی

پاسباں سب سو گئے کیا سارے درباں مر گئے
حضرت ناصح ہوئی کیوں کر رسائی آپ کی

آستیں میں سے بھی ظاہر انگلیوں کے ہیں نشاں
کس نے پکڑی زور سے نازک کلائی آپ کی

دل نہ ٹھہرائے ٹھہرتا تھا کسی تدبیر سے
پھر نہ تڑپا جب قسم ہم نے دلائی آپ کی

ہم تو دنیا سے چلے حسرت لئے حسرت بھرے
یاد رہ جائے گی لیکن بے وفائی آپ کی

رات بھر بے وجہ ہم سے وہ مکدر ہی رہے
وقت رخصت ہار کر ہم نے صفائی آپ کی

کیا کہوں جو نزع کی حالت میں دل کا حال ہے
ایک تو عقبیٰ کا غم، اس پر جدائی آپ کی

ہم نے پہچانا گئے تھے رات کو چھپ کر جہاں
بس جناب داغ دیکھی پارسائی آپ کی

۸۹

نکالوں کس طرح خار تمنا سخت مشکل ہے
وہ اس ڈر سے نہیں چھوتے کہ یہ کانٹوں بھرا دل ہے

جب ان کا امتحاں کیجئے تو مٹھی میں نیا دل ہے
الٰہی کیا حسینوں کو بھی دست غیب حاصل ہے

وہ کافر مجھ کو سمجھے بلوفا یہ زعم باطل ہے
خدا کا جو نہیں قائل وہ کب بندے کا قائل ہے

بھلا دیکھیں تو بازی کون لے جائے محبت میں
تم اپنے نام کے دلبر، یہ اپنے نام کا دل ہے

قدم رکھو جو آنکھوں پر تو ان کا وصل ہو جائے
ہماری آنکھ میں تل ہے تمہارے پاؤں میں تل ہے

کبھی بیگانہ ہے سب سے کبھی وہ آشنا سب کا
کبھی محفل میں خلوت ہے کبھی خلوت میں محفل ہے

سنی جب آہ مجنوں کی تو دی آواز لیلیٰ نے
تجھے ہم سے غرض کیا ہے یہ ناقہ یہ محمل ہے

گریزاں ہے مقام امن سائے سے مرے کوسوں
کہ پیچھے پیچھے میں ہوں میرے آگے آگے منزل ہے

بھروسا ہے خدا پر، ناخدا سے التجا کیسی
مری کشتی ہی ساحل ہے مری کشتی میں ساحل ہے

مسافر بھی مسافر ناتواں راہیں بھی سخت ایسی
جہاں ہم کھاکے ٹھوکر گر پڑے اپنی وہ منزل ہے

بڑھا رہتا ہے کیا کیا طالب دیدار ہو ہو کر
مرے پائے نگہ پر بھی گمان دست سائل ہے

اٹھایا شوق نے اٹھے، بٹھایا ضعف نے بیٹھے
یہی رستے کا رستہ ہے، یہی منزل کی منزل ہے

کیا ہے غم نے ایسا ناتواں اے نازنیں دل کو
ترا دست تسلی بھی مرے سینے پہ اک سل ہے

خدا سے بھی دعا مانگو تو یہ کہتا ہے وہ کافر
ذرا غیرت نہیں، کیا بے حیا بے صبر سائل ہے

یہ اے صیاد اک پہلو نکل آیا رہائی کا
اسیروں میں ترے جو چھوٹ جائے وہ مرا دل ہے
نہ گھبرا عقدۂ دشوار سے اے داغ تو ہرگز
قسم مشکل کشا کی یہ کوئی مشکل میں مشکل ہے

۹۰

قرینے سے عجب آراستہ قاتل کی محفل ہے
جہاں سر چاہیے سر ہے جہاں دل چاہیے دل ہے
ہر اک کے واسطے کب عشق کی دشوار منزل ہے
جسے آساں ہے آساں ہے جسے مشکل ہے مشکل ہے
زہے تقدیر کس آرام و راحت سے وہ بسمل ہے
کہ جس کے سر کا تکیہ دیر سے زانوئے قاتل ہے
طریق عشق کچھ آسان ہے کچھ ہم کو مشکل ہے
ادھر رہبر ادھر رہزن یہی منزل بہ منزل ہے
مجھے تجھ سے رکاوٹ اور تو غیروں پہ مائل ہے
مرا دل اب ترا دل ہے ترا دل اب مرا دل ہے
بڑھا دل اس قدر فرط خوشی سے وصل کی شب کو
مجھے یہ وہم تھا پہلو میں یہ تکیہ ہے یا دل ہے
تری تلوار کے قربان اے سفاک کیا کہنا
ادھر کشتے پہ کشتہ ہے ادھر بسمل پہ بسمل ہے

7

عدم میں لے چلا ہے رہ نمائے عشق کیا مجھ کو
یہی کہتا ہے آپہنچے ہیں تھوڑی دور منزل ہے

انہیں جب مہرباں پاکر سوال وصل کر بیٹھا
دبی آواز سے شرما کے وہ بولے یہ مشکل ہے

ستم بھی ہو تو مجھ پر ہو جفا بھی ہو تو مجھ پر ہو
مجھے اس رشک نے مارا وہ کیوں عالم کا قاتل ہے

مسیحا نے ترے بیمار کو دیکھا تو فرمایا
نہ یہ جینے کے قابل ہے نہ یہ مرنے کے قابل ہے

زبردستی تو دیکھو ہاتھ رکھ کر میرے سینے پر
وہ کس دعوے سے کہتے ہیں ہمارا ہی تو یہ دل ہے

ہمارے دل میں آکر سیر دیکھو خوب رویوں کی
کہ اندر کا اکھاڑا ہے' پری زادوں کی محفل ہے

مدارج عشق کے طے ہو سکیں یہ ہو نہیں سکتا
زمیں سے عرش تک اے بے خبر منزل بہ منزل ہے

جھڑکتے ہو مجھے کیوں دور ہی سے پاس آنے دو
بڑھا کر ہاتھ دل دیتا ہوں تم سمجھے ہو سائل ہے

سنا بھی تونے اے دل کیا صدا آتی ہے محشر میں
یہی دن امتحاں کا ہے ہمارے کون شامل ہے

اڑاتے ہیں مزے دنیا کے ہم اے داغ گھر بیٹھے
دکن میں اب تو افضل گنج اپنی عیش منزل ہے

اسے کیوں چھینتے ہو اے بتو کیا اس سے حاصل ہے
خدا کے واسطے چھوڑو، خدا کے نام کا دل ہے

مرے سینے میں تیغ عشق سے کیا رقص لبسمل ہے
پھڑکنے کے لئے دم ہے، تڑپنے کے لئے دل ہے

یہ کیوں تیغ ادا سے مضطرب مانند لبسمل ہے
الٰہی کیا کلیجے کے بھی اندر دوسرا دل ہے؟

شمار اس کی جفاؤں کا ہی روز حشر مشکل ہے
حساب صدمہ عشاق کس گنتی میں داخل ہے

شہادت میری فریادوں کی اس سے بڑھ کے کیا ہو گی
فرشتے لکھتے ہیں بیٹھے ہوئے آواز سائل ہے

وہ جودت طبع میں ہے پاؤں کی آہٹ کو پہچانے
پس پشت اس کے جو آتا ہے وہ گویا مقابل ہے

کبھی کہتا ہے اس کی سی کبھی کہتا ہے میری سی
یہ اس کا ہے مرے پہلو میں یا رب یا مرا دل ہے

شناور ہو تو کیا اندیشہ گرداب محبت میں
لگائے ہاتھ جب دو چار پھر بالائے ساحل ہے

ستم دیکھو وہ مشکیں باندھتے ہیں اپنے لبسمل کی
کہ اپنا دم چرانا بھی وہاں چوری میں داخل ہے

کیا دیوانگی میں قید جب سے چارہ سازوں نے
مجھے یہ دھن بندھی ہے میرے پھندے میں سلاسل ہے

تری صورت مری الفت تری گھاتیں مری باتیں
یہ مشہور زمانہ ہیں' زمانہ ان کا قائل ہے

عدو کو بھی عدو میں پیٹھ پیچھے کہہ نہیں سکتا
وہ فرماتے ہیں توبہ کر کہ یہ غیبت میں داخل ہے

تجھے کیا دوست جانوں کیا مسیحا تجھ کو مانوں میں
نہیں ہے تو بھی دشمن ہے نہیں ہے تو بھی قاتل ہے

مری تصویر سے یوں چھیڑ کی باتیں وہ کرتے ہیں
ذرا کم بخت منہ سے بول تو کس بت پہ مائل ہے

مرے شوق شہادت پر ذرا تو رحم کر قاتل
تری تلوار میں دم ہے' ترے پیکان میں دل ہے

ہمیں پاس محبت سے طرح دے جاتے ہیں اکثر
وگرنہ کیا تمہارے ہتکنڈوں سے کوئی غافل ہے

الٰہی آتش رخسار جاناں ہی بھڑک اٹھے
الٰہی آگ لگ جائے اسے جو پردہ حائل ہے

خدا رکھے سلامت شاہ آصف کو قیامت تک
عجب سلطان باذل ہے' عجب سلطان عادل ہے

مٹا دیتے ہیں لفظ داغ میں سے بھی وہ نقطے کو
سمجھتے ہیں کہ اس مشتاق کی یہ آنکھ کا تل ہے

طبع بگڑی ہوئی ظالم کی سنبھالی نہ گئی
جو گرہ دل میں پڑی پھر وہ نکالی نہ گئی

کب مجھے دیکھ کے تلوار نکالی نہ گئی
جب نکالی تو نزاکت سے سنبھالی نہ گئی

وار پورا ہی پڑا اس کا دل عاشق پر
چوٹ تیغ نگہ یار کی خالی نہ گئی(؟)

کام اے چرخ ہزاروں کے نکالے تو نے
ایک حسرت دل عاشق کی نکالی نہ گئی

بے حیا ہم نے شب ہجر سی دیکھی نہ سنی
کون سے روز یہ آئی کہ نکالی نہ گئی

یاد آتے رہے دنیا کے حسیں شوخ و شریر
خلد میں بھی مری آشفتہ خیالی نہ گئی

ایسے عاشق کو نہیں درد محبت کا مزا
جس سے بیماری غم عشق میں پالی نہ گئی

غیر کے سامنے بے پردہ ہوئے تھے اک بار
پھر نقاب ان سے کبھی چہرے پہ ڈالی نہ گئی

تو بھی بے چین ہوا دل کے ستانے والے
درد مندوں کی دعا دیکھ لے خالی نہ گئی

خاک کیا ڈالتے وہ تذکرۂ دشمن پر
نیچی گردن بھی کبھی شرم سے ڈالی نہ گئی

اس کے بوسے جو تصور میں لئے تھے میں نے
لب سے مسی نہ چھٹی، پان کی لالی نہ گئی

اس سے بڑھ کر نہیں میخوار پہ دوزخ میں عذاب
باغ جنت سے جو انگور کی ڈالی نہ گئی

شکر کو شکوۂ بے داد سمجھ کر بگڑے
میں نے دی تم کو دعا تم سے دعا لی نہ گئی

صورت آئینہ تھا سامنے وہ آئینہ رو
آنکھ میں آنکھ مگر خوف سے ڈالی نہ گئی

فیض کیا پیر مغاں کا ہے کہ اس کے در پر
جتنی مخلوق خدا آئی وہ خالی نہ گئی

زلف میں رکھ کی مرے دل کو گرا آئے کہاں
یہ رقم بیش بہا جیب میں ڈالی نہ گئی

ناتوانی میں ہوا سے مرے پر اڑتے ہیں
چھوٹ کر دام سے بھی بے پر و بالی نہ گئی

نور منہ پر مری میت کے جو دیکھا تو کہا
قبر میں بھی ترے چہرے کی بحالی نہ گئی

نامہ بر خط میں مری آنکھ بھی رکھ کر لے جا
کیا گیا تو جو یہی دیکھنے والی نہ گئی

پاؤں میں پڑنے لگے زلف دوتا کے پھندے
یہ اٹھائی نہ گئی ہم سے سبھالی نہ گئی

بات مطلب کی رہی دل ہی میں اس کے آگے
لب تک آئی تو سہی منہ سے نکالی نہ گئی

خاک بھی اپنی رہی دوش ہوا پر ہی سوار
کبھی پستی کی طرف ہمت عالی نہ گئی

ساقیا تو نے سبو بھر کے دیئے رندوں کو
شیخ صاحب کی طرف ایک پیالی نہ گئی

خوب دنیا ہی میں ارمان نکلتے اپنے
حور جنت سے مگر کوئی نکالی نہ گئی

دن قیامت کا گزاروں گا الٰہی کیوں کر
ہجر کی سخت گھڑی ایک بھی ٹالی نہ گئی

تادم مرگ ہے بے مہر سے امید وفا
داغ افسوس تری خام خیالی نہ گئی

۹۳

مرے جاتے ہیں تیری بے وفائی دیکھنے والے
چراغ صبح ہیں شام جدائی دیکھنے والے

ہم ہی ٹھہرے ترے اک اک برائی دیکھنے والے
رکھائی، بے وفائی، کج ادائی دیکھنے والے

رہے حیرت میں تیری آشنائی دیکھنے والے
برائی دیکھنے والے، بھلائی دیکھنے والے

ید بیضا جو چمکا کر دکھائیں حضرت موسیٰ
نہ دیکھیں ہم ترا دست حنائی دیکھنے والے

سنیں کیوں لن ترانی طور پر کیوں جائیں کیا اصل
کہ مستغنی ہیں تیری خود نمائی دیکھنے والے

ہماری جان کی پروا ہے کس کو دیکھ اے قاتل
بہت ہیں ہاتھ کی تری صفائی دیکھنے والے

کہاں ہے اب ترا ثانی ذرا انصاف سے دیکھیں
مری آنکھوں سے تیری دل ربائی دیکھنے والے

اس آئینے کا جوہر اور ہی جلوہ دکھاتا ہے
مرا دل دیکھ عارض کی صفائی دیکھنے والے

ہوا کیوں نبض مرے دیکھ کر اے چارہ گر سکتہ
غضب ہے کیا تجھے بھی موت آئی دیکھنے والے

بلائیں شاخ گل کی باغ میں جا جا کے لیتے ہیں
تصور میں تری نازک کلائی دیکھنے والے

ہوا سے اڑ گئی ہو گی کہ ایسا ہو ہی جاتا ہے
بجا ہے تو نے کب چلمن اٹھائی دیکھنے والے

کیا ہے تو نے قتل عام اے سفاک کچھ ایسا
پھرا کرتے ہیں گلیوں میں صفائی دیکھنے والے

بھلائی سے تری ہم کو غرض ہے وہ عدو ہوں گے
برائی سننے والے یا برائی دیکھنے والے

ترے تیر نگہ کی کیا دلوں پر چوٹ پڑتی ہے
یکایک دینے لگتے ہیں دہائی، دیکھنے والے

مرے سینے میں چشم جنگجو نے کچھ نہیں چھوڑا
صفائی ہو گئی دیکھیں لڑائی دیکھنے والے

ذرا اپنی گریباں میں تو وہ منہ ڈال کر دیکھیں
ہوئے ہیں دوسروں کی جو برائی دیکھنے والے

جھجکتا کیوں ہے میرے قتل سے کیا سخت جاں ہوں میں
لگا تو ہاتھ اے نازک کلائی دیکھنے والے

جناب شیخ کی حالت تو اب ہے دید کے قابل
ذرا رندی بھی دیکھیں پارسائی دیکھنے والے

ملی تھی آنکھ میری روزن در سے کہ وہ بولے
بھلا دیکھا ہے تیری شامت آئی دیکھنے والے

وہ سو پردوں میں بھی بیٹھیں تو ہرگز چھپ نہیں سکتے
وہاں تک کر ہی لیتے ہیں رسائی دیکھنے والے

حسد سے نکتہ چیں یا عیب ہیں غیروں کے ہوتے ہیں
بہت کم دیکھے آپ اپنی برائی دیکھنے والے

کسی کا نقد دل ہو وہ بھی گویا مال ان کا ہے
نہیں معشوق چیز اپنی پرائی دیکھنے والے

یہ مظہر ہے اسی کا داغ جو کچھ تو نے دیکھا ہے
خدا پر رکھ نظر شان خدائی دیکھنے والے

۹۴

ہوش آتے ہی حسینوں کو قیامت آئی
آنکھ میں فتنہ گری دل میں شرارت آئی

کیا تصور ہے نہایت مجھے حیرت آئی
آئینے میں بھی نظر تیری ہی صورت آئی

اس ادا سے دم رفتار قیامت آئی
ایسے ہم کیوں نہ ہوئے ان کو یہ حسرت آئی

روز محشر جو مری داد کی نوبت آئی
یہ گئی وہ گئی کب ہاتھ قیامت آئی

اب اسی پر تو ہے تاکید وفاداری کی
جب گیا جان سے میں غیر کی شامت آئی

روز محشر جو گھٹا درد جگر، میں سمجھا
دن دہاڑے مرے آگے شب فرقت آئی

کہہ گئے طعن سے وہ آکے مرے مرقد پر
سونے والے تجھے کس طرح سے راحت آئی

بن سنور کر جو وہ آئے تو یہ میں جان گیا
اب گئی جان، گئی آئی طبیعت آئی

رکھ دیا منہ پہ مرے ہاتھ شب وصل اس نے
بے حجابی کے لئے کام شکایت آئی

جب یہ کھاتا ہے مرا خون جگر کھاتا ہے
دل بیمار کو کس چیز پہ رغبت آئی

گرچہ از حد ہوں گنہگار مسلمان تو ہوں
پیچھے پیچھے مرے دوزخ میں بھی جنت آئی

میں ہوا شیفتہ ان پر، وہ عدو بر شیدا
ساتھ کے ساتھ ہی دونوں کی طبیعت آئی

عمر بھر اس کو کلیجے سے لگائے رکھا
تیرے بیمار کو جس درد میں لذت آئی

ہجر میں جان نکلتی نہیں کیا آفت ہے
مار کر آج اجل کو شب فرقت آئی

اپنے دیوانوں کو دیکھا تو کہا گھبرا کر
یہ نئی وضع کی کس ملک سے خلقت آئی

جذب دل کھینچ ہی لایا انہیں میرے در تک
پاؤں پڑتی ہوئی ہر چند نزاکت آئی

روٹھنا بھی تو ادا ہے وہ بناوٹ ہی سہی
پیار پر پیار، محبت پہ محبت آئی

یوں تو پامال ہوئے سیکڑوں مٹنے والے
پہلے گنتی میں جو آئی مری تربت آئی

حشر کا وعدہ بھی کرتے نہیں وہ کہتے ہیں
فرض کر لو جو کئی بار قیامت آئی

دختر رز نے تو دل چھین لیا زاہد کا
خود بدولت یہی سمجھے تھے کہ دولت آئی

داغ گھبراؤ نہیں اب کوئی دم کے دم میں
لو مبارک ہو ترقی کی بھی ساعت آئی

۹۵

الٰہی راہ سیدھی کب تری الفت کی لیتا ہے
کوئی دوزخ کی لیتا ہے، کوئی جنت کی لیتا ہے

لگاوٹ میں بھی اکھڑی ان سے اک آفت کی لیتا ہے
اچک لیتا ہے جب یہ دل نئی صورت کی لیتا ہے

ستم گر کو ہمیشہ پیار آتا ہے ستم گر پر
بلائیں بخت بد کیا کیا شب فرقت کی لیتا ہے

حنائی فندق اس کی یاد آتی ہے جو فرقت میں
ہمارے دل میں چٹکی درد کس آفت کی لیتا ہے

یہاں تک خود پرستی اور خود بینی ہے اس بت کو
مصور سے بھی تصویر اپنی ہی صورت کی لیتا ہے

کسی کی ٹھوکریں کھا کر بڑھا ہے اس قدر رتبہ
کہ جو آتا ہے وہ مٹی مری تربت کی لیتا ہے

جناب واعظ اکثر دون کی لیتے ہیں منبر پر
مگر اب کوئی رند آکر خبر حضرت کی لیتا ہے

نہ کیوں افسوس آئے کوہ کن کی بد نصیبی پر
ہر اک مزدور اجرت کام کی محنت لیتا ہے

شراب ناب ہو ہر قسم کی اے پیر مے خانہ
پلا کر مجھ کو پھر یہ پوچھ کس قیمت کی لیتا ہے

سمجھتا ہوں کہ اس کو دیر ہو جاتی ہے برسوں کی
مرا قاصد جو مہلت ایک ہی ساعت کی لیتا ہے

مقابل میں پری رویوں کے کوئی داغ کو دیکھے
یہ بن جاتا ہے دیوانہ عجب وحشت کی لیتا ہے

۹۶

وہ مجھ کو دیتے ہیں گالی سلام سے پہلے
سلام کرتی ہے دنیا کلام سے پہلے

اگرچہ تھا وہ برائی سے' رشک اس کا ہے
عدو کا نام لیا میرے نام سے پہلے

سرور مجھ کو رہے روز عید تک ساقی
پلا دے اتنی تو ماہ صیام سے پہلے

جو کوستے بھی ہیں اہل وفا کو نام بنام
شروع کرتے ہیں وہ میرے نام سے پہلے

خط ان کے ہاتھ میں قاصد نہ یک بیک دے دے
کرے خوش ان کو زبانی پیام سے پہلے

لیا ہے بوسہ خطا کی ہے بدلہ کیا ہو گا
بتا دیں آپ مجھے انتقام سے پہلے

یہی زبان ہے کیا وہ یہی ہے طرز سخن
لیا تھا آپ نے دل جس کلام سے پہلے

سوال جانے کا جلدی نہ ہو یہ دھڑکا ہے — وہ آج وعدے پر آئے ہیں شام سے پہلے
کہیں گے ہم تو نہ شمشاد و سرو کو آزاد — زمانہ چھوٹ تو لے تیرے دام سے پہلے
کریں وہ کس لئے تکلف پائمالی کا — مٹائے دیتی ہیں نظریں خرام سے پہلے
وہ دفن کرکے مجھے پھر کریں گے حشر بپا — انہیں فراغ تو ہو ایک کام سے پہلے
پھر اپنی روئے منور کو آئینہ کہئے — ملا تو لیجئے ماہ تمام سے پہلے
جو گھونٹ گھونٹ کے رکھا تو دل کو کیا رکھا — مصیبت اتنی نہ تھی روک تھام سے پہلے
طریق عشق میں رکھیں گے ہم تو بعد قدم — ملیں گے خضر علیہ السلام سے پہلے
سنی ہے خوش خبری شب کو ان کے آنے کی — چراغ گھی کے جلاتا ہوں شام سے پہلے
یہ کیا کہ بزم میں غیروں کے گرد پھرتے ہو — یہ دور تازہ ہوا دور جام سے پہلے

نہیں سنا شہ محبوب سا کوئی اے داغ
بہت نظام ہوئے اس نظام سے پہلے

۹۷

ہوا جب سامنا اس خوب رو سے — اڑا ہے رنگ گل کا پہلے بو سے
یہ آنکھیں تر جو رہتی ہیں لہو سے — وہ گزرے عشق کے دن آبرو سے
اسے کہئے شہادت نامہ عشق — اسے لکھا ہے خط اپنے لہو سے
دھواں بن کر اڑی مسی کی رنگت — یہ کس نے جل کے تیرے ہونٹ چوسے
رقیبوں کو تمنا ہے تو باشد — تمہیں مطلب پرائی آرزو سے
وہ گل تکیہ مرے مرقد میں رکھنا — معطر ہو جو زلف مشک بو سے
نئی ضد ہے کہ دل ہم مفت لیں گے — بھلا کیا فائدہ اس گفتگو سے

عدو بھی تم کو چاہے اے تری شان
لڑاتے ہیں ہم اپنی آرزو سے

ہوا ہے تو تو شاہد باز اے دل
بچاؤں تجھ کو کس کس خوب رو سے

لگا رکھی ہے خاک اس رہ گزر کی
تیمم اپنا بڑھ کر ہے وضو سے

ہمارا دل اسے اب ڈھونڈتا ہے
تھکے ہیں پاؤں جس کی جستجو سے

خدا جانے چھلاوا تھا کہ بجلی
ابھی نکلا ہے کوئی روبرو سے

ہوا ہے داغؔ آصف کا نمک خوار
گزر جائے الٰہی آبرو سے

۹۸

اک وار جگر پر نگہ یار سے ہو جائے
تلوار کا جو کام ہے تلوار سے ہو جائے

پھر کون سی امید رہی لطف و کرم کی
جب فیصلہ ہی آپ کے انکار سے ہو جائے

دل لے ہی چکے بوسے کے دینے میں ہے کیا عذر
ایسا نہ ہو تکرار خریدار سے ہو جائے

منہ غیر کا دیکھے نہ تری نرگس بیمار
اچھا ہے یہ پرہیز جو بیمار سے ہو جائے

یہ پاؤں جلیں میں جو قدم طور پر رکھوں
نظارہ جو اس روزن دیوار سے ہو جائے

تم نیم اشارے پہ تو آنکھیں نہ نکالو
اک آدھ خطا کیا جو خطاوار سے ہو جائے

پھر دیکھے کوئی آئینہ دل کی صفائی
یہ صاف جو عکس رخ دلدار سے ہو جائے

رستے میں بھی تھمتا نہیں زاہد کا وظیفہ
مٹھ بھیڑ الٰہی کسی میخوار سے ہو جائے

تم لطف کرو جان دیئے دیتے ہیں عاشق
جو قہر سے ہو کام وہی پیار سے ہو جائے

کوثر کو بھی دیکھوں نہ کبھی آنکھ اٹھا کر
سیری جو ترے شربت دیدار سے ہو جائے

اللہ کرے محتسب شہر کی ان بن
ہو جائے کسی رند قدح خوار سے ہو جائے

اس بات پہ جیتے نہیں کیوں حضرت واعظ
بخشش کی یہاں شرط گنہ گار سے ہو جائے

اے داغ اسے لطف و عنایت کا مزا کیا
جس دل کو محبت ستم یار ہو جائے

۹۹

افسوس ہے جو چاہئے آنی نہیں آتی
جا کر یہ دغا باز جوانی نہیں آتی

افسانہ مرا سن کے وہ بولے تو یہ بولے
کچھ اپنی سمجھ میں یہ کہانی نہیں آتی

دل فکر کے دریا میں یہ جب تک نہ ڈبوئے
شاعر کی طبیعت میں روانی نہیں آتی

مانا کہ وہ قاصد کو نہ دیں ہاتھ کا چھلا
خط میں بھی تو ملفوف نشانی نہیں آتی

وعدے کے لئے چاہئے تحریر ہو مری
کچھ کام یہ تقریر زبانی نہیں آتی

کیا قتل کرے وہ جسے گھات نہ آئے
تجھ کو ابھی اے دشمن جانی نہیں آتی

تاثیر مئے ناب کی کیا روح فزا ہے
کچھ اس سے طبیعت پہ گرانی نہیں آتی

اس پردے کی ہم وجہ جو سمجھے تو یہ سمجھے
تم کو ابھی صورت ہی دکھانی نہیں آتی

یہ سچ ہے مجھے دل کا لگانا نہیں آتا
تلوار تمہیں بھی تو لگانی نہیں آتی

ہے مختصر اتنا ہی سخن عشق ہے تم سے
جھوٹی تو مجھے رام کہانی نہیں آتی

وہ شمع کی تعریف کریں بزم میں صد حیف
اے آہ تجھے شعلہ فشانی نہیں آتی

طول شب ہجراں سے نہ گھبرا دل بے تاب
اللہ کو کیا رات گھٹانی نہیں آتی؟

گریے پہ مرے برق تبسم بھی تو چمکے
پانی میں تمہیں آگ لگانی نہیں آتی

اغیار کو ہے ورد زباں سورۂ یوسف
غیرت، تجھے اے یوسف ثانی نہیں آتی

اس درد سے رونا تھا کہ وہ پونچھتے آنسو
آنکھوں کو مری اشک فشانی نہیں آتی

اٹھ سکتی نہیں نرگس بیمار تمہاری
بیمار کی تم کو نگرانی نہیں آتی

اس داغ کو مرجھائے ہوئے پھول سے پوچھو — پیری میں کسے یاد جوانی نہیں آتی
قاصد نے کہا سن کے مرا حال پریشاں — بندے کو تو یہ مرثیہ خوانی نہیں آتی

اے داغ ڈور اس لب اعجاز نما سے
کچھ کام وہاں سحر بیانی نہیں آتی

۱۰۰

ہاتھ نکلے اپنے دونوں کام کے — دل کو تھاما ان کا دامن تھام کے
گھونٹ پی کر بادۂ گل فام کے — بوسے لے لیتا ہوں خالی جام کے
رات دن پھرتا ہے کیوں اے چرخ پیر — تیرے دن ہیں راحت و آرام کے
اس نزاکت کا برا ہو بزم سے — اٹھتے ہیں وہ دست دشمن تھام کے
چشم مست یار کی اک دھوم ہے — آج کل ہیں دور دورے جام کے
یا جگر میں یا رہے گا دل میں تیر — یہ ہی دو گوشے تو ہیں آرام کے
وہ کریں عذر وفا اچھی کہی — مجھ پہ ردے رکھتے ہیں الزام کے
جب قدم کعبے سے رکھا سوئے دیر — تار الجھے جامہ احرام کے
خوش ہیں وہ دور فلک سے آج کل — دن پھرے ہیں گردش ایام کے
آگیا ہے بھول کر خط اس طرف — وہ تو عاشق ہیں مرے ہم نام کے
ہاتھ سے صیاد کے گر کر چھری — کٹ گئے حلقے ہمارے دام کے
قاصدوں کے منتظر رہنے لگے — پڑ گئے ان کو مزے پیغام کے
کیا کسی درگاہ میں جانا ہے آج — صبح سے سامان ہیں حمام کے
پوچھتے ہیں حضرت زاہد سے رند — دام کیا ہیں جامہ احرام کے

اب اتر آئے ہیں وہ تعریف
ہم جو عادی ہو گئے دشنام کے

دعویٰ عشق و وفا پر یہ کہا
سب بجا لیکن مرے کس کام کے

بن سنور کر کب بگڑتا ہے بناؤ
صبح تک رہتے ہیں جلوے شام کے

جور سے یا لطف سے پورا کیا
آپ پیچھے پڑ گئے جس کام کے

ہے گدائے مے کدہ بھی کیا حریص
بھر لئے جھولی میں ٹکڑے جام کے

نالہ و فریاد کی طاقت کہاں
بات کرتا ہوں کلیجا تھام کے

خوگر بیداد کو راحت ہے موت
بھاگتا ہوں نام سے آرام کے

داغ کے سب حرف لکھتے ہیں جدا
ٹکڑے کر ڈالے ہمارے نام کے

۱۰۱

ہجر جاناں میں گئی جان بڑی مشکل سے
میری مشکل ہوئی آسان بڑی مشکل سے

ضعف تھا مانع آرائش وحشت کیا کیا
ہاتھ آیا ہے گریبان بڑی مشکل سے

بھولے بھالے ہیں فرشتوں کو کوئی پھسلادے
مانتا ہے مگر انسان بڑی مشکل سے

دل ہی مجبور جو کر دے تو کرے کیا کوئی
اٹھتے ہیں غیر کے احسان بڑی مشکل سے

پہلے تکرار پھر انکار الٰہی توبہ
وصل کے نکلے ہیں ارمان بڑی مشکل سے

کیا کرے دیکھنے کل وہ نگہ غارت گر
بچ گیا آج تو ایمان بڑی مشکل سے

خون دل دیدۂ گریاں نے بہایا سیروں
یہ بھرا جائے گا نقصان بڑی مشکل سے

مجھ کو محفل سے اٹھایا تو رقیبوں سے کہا
ایسے ہوتے ہیں پشیمان بڑی مشکل سے

جب کسی زلف پریشاں کا خیال آتا ہے
جمع پھر ہوتے ہیں اوسان بڑی مشکل سے

گھر سے جاتے ہیں ہمارے بڑی آسانی سے
اور آتے ہیں وہ مہمان بڑی مشکل سے

دشت الفت نہیں بازی گہ طفلاں اے دل
ہاتھ آتا ہے یہ میدان بڑی مشکل سے

مجھ کو مشتاق وصال اس نے جو پایا تو کہا
اب کوئی آئے گا مہمان بڑی مشکل سے

دم میں دم ہے جو مرے دل کے تو اے تیر فگن
ٹوٹ کر نکلیں گے پیکان بڑی مشکل سے

ہر گرہ میں جو گرفتار رہا ایک اک دل
زلف پھر ہو گی پریشان بڑی مشکل سے

ان کے دروازے کی زنجیر لگی ہو نہ کہیں
کچھ پسیجا تو ہے دربان بڑی مشکل سے

جاں نثاروں میں ہم ہی ہیں یہ تمہیں یاد رہے
ورنہ دیتا ہے کوئی جان بڑی مشکل سے

اس سے بہتر ہے وہ دن رات تصور میں رہیں
بیٹھے پہلو میں تو اک آن بڑی مشکل سے

کیا ہر اک مرحلہ عشق ہے دشوار گزار
طے ہو آسان سا آسان بڑی مشکل سے

لے گئے کھینچ کے بت خانے سے ہم مسجد میں
کل ہوا داغ مسلمان بڑی مشکل سے

۱۰۲

چل سکے گا کیا نہ جس میں دم رہے
تم چلے اے جانے والو ہم رہے

وہ رہیں خوشیاں' نہ ویسے غم رہے
یاد کرنے کے لئے اب ہم رہے

آتے آتے وہ ادھر کو تھم رہے
دم الٰہی اور کوئی دم رہے

کیوں نہ تیری یاد تیرا غم رہے
جب ذرا سے دل میں اک عالم رہے

بے نیازی کی کچھ آخر حد بھی ہے
گردن تسلیم کب تک خم رہے

اس کو کھو کر پائی ہے راحت بہت
دل رہا جب تک ہزاروں غم رہے

شکر ہو ہر حال میں غم ہو کہ عیش
جس طرح رکھا خدا نے ہم رہے

شوق میں جنت کے ہے مٹی خراب
چین سے دنیا میں کیا آدم رہے

مر کے چھوٹے، مل گئی ہم کو نجات
خوش رہو تم خوش تمہارا غم رہے

شرط تھی دیکھیں وفا کرتا ہے کون
اس میں ہٹے تم رہے یا ہم رہے

یوں محبت میں بسر اوقات کی
دشمنوں سے بھی تو مل کر ہم رہے

زندگی کا لطف ہے اس شخص کو
رات دن جس کا بجھی میں دم رہے

ہو چکا چہلم بھی عاشق کا، مگر
حکم ہے برسوں یوں ہی ماتم رہے

شوق میں، ارمان میں، آزار میں
ہم نہ دنیا میں کسی سے کم رہے

چاہتا ہے شوق بسمل وقت ذبح
دم رہے خنجر میں جب تک دم رہے

دیکھ کر دن بھر کسی کو حشر میں
دیکھئے عالم کا کیا عالم رہے

ایسے رہنے سے نہ رہنا ٹھیک تھا
جب نہ رہنے کو جہاں میں ہم رہے

کیا دکھاؤں اشک اے خورشید رو
دھوپ میں کس طرح سے شبنم رہے

اس کے لانے کو گئے تھے ہم نشیں
کیا غضب ہے وہ بھی جا کر جم رہے

ہاتھ جوڑے، پاؤں پر ان کے گرا
پھر بھی وہ برہم ہی کے برہم رہے

دل رہا آگے نگاہ شوق سے
اور کوسوں دل سے آگے ہم رہے

لطف کیا اس وصل کا جب رات بھر
خندۂ گل گریہ شبنم رہے

اس کی راہ شوق میں ثابت قدم
کوئی رہ سکتا ہے جیسے ہم رہے

جب ہے کیفیت رہوں یوں اس کے ساتھ
نشہ و مے جس طرح تو ام رہے

پھر ہمیں ہم تھے ہمارا پاس تھا
سامنے آنکھوں کے جب تک ہم رہے

اشک حسرت ہو کہ اشک طرب
آنکھ میں عاشق کے کچھ کچھ نم رہے

کوستے تھے پیشتر تم داغ کو
اب دعا دیتے ہو تیرا دم رہے

۱۰۳

برپا ہو نہ کیوں فتنہ ہر اک شوخ حسیں سے
ان پتلوں کی خلقت ہے قیامت کی زمیں سے

دنیا ہو کہ عقبیٰ ہو، جہنم ہو کہ جنت
دلوائے خدا اک بت طناز کہیں سے

تو دور نہ کھینچ آپ کو بس اے فلک اتنا
سب کام زمانے کے نکلتے ہیں زمیں سے

یہ رشک ہے مجھ کو کہ تری راہ گزر میں
نقش قدم اپنا بھی مٹاتا ہوں زمیں سے

وہ دل میں ہے کچھ دل سے تو ہو جاتی ہیں باتیں
کس طرح کروں بات بت پردہ نشیں سے

وہ شوق، وہ ارمان، وہ حسرت، وہ تمنا
اک آن میں سب خاک ہوئے تیری نہیں سے

برپا ہے ترے دل کی کدورت سے قیامت
یہ خاک مگر آئی ہے محشر کی زمیں سے

کیوں جھوٹی قسم کھا کے مجھے دیکھ رہے ہیں
آئے کہ نہ آئے تمہیں کیا میرے یقیں سے

ہوتا ہے مجھے نشہ صہبا میں عجب وصل
گرتا ہوں زمیں پر وہ اٹھاتے ہیں زمیں سے

تاثیر خدا دے تو مری آہ میں آئے
کیا کھینچ کے لے آؤں اسے عرش بریں سے

سر کاٹ کے رکھ دوں گا رہ دوست میں اپنا
سجدہ مجھے کرنا نہیں آتا ہے جبیں سے

اپنا دل گم گشتہ بھی کیا تیری کمر ہے
مل جائے گا وہ ڈھونڈ ہی لائیں گے کہیں سے

کرتا ہے غم عشق مرے دل کی خرابی
برباد یہ ہوتا ہے مکاں ایسے مکیں سے

کھل جائے ابھی عالم بالا کی حقیقت
اس راز کو پوچھو جو کسی خاک نشیں سے

اس وجہ سے آپس کا یہ جھگڑا نہیں چکتا
رہتی ہے کوئی بات ہمیں سے کہ تمہیں سے

گر نام سے ہے داغ کے نفرت تو مٹا دو
عاشق کے دل گرم سے، زاہد کی جبیں سے

یہ پوچھو دل سے شرمیلی نگار یار کیسی ہے
کرے جو میان ہی میں کام وہ تلوار کیسی ہے

نزاکت سے حیا سے نشے سے جھک کر نہیں اٹھتی
وہ سو اچھوں کی اچھی آنکھ ہے بیمار کیسی ہے

تمہاری چال کی ہم مٹنے والے داد کیا دیں گے
قیامت سے ذرا پوچھو مری رفتار کیسی ہے

نگاہ تیز میں اس کی چمک جاتی ہے بجلی سی
الٰہی خیر یہ تلوار میں تلوار کیسی ہے

مرے سینے پہ رکھ کر ہاتھ دل سے پوچھتے ہیں وہ
بتا تیری طبیعت اے مرے بیمار کیسی ہے

جب اس کوچے میں جاتا ہوں اچھلتا ہے یہی سودا
ذرا سر پھوڑ کر دیکھوں تو یہ دیوار کیسی ہے

مقابل ہوں نگاہ و آہ تو اس دم کھلیں جوہر
تری تلوار کیسی ہے، مری تلوار کیسی ہے

ترستی تھیں کسی دیدار کو یہ ایک مدت سے
اب ان آنکھوں سے پوچھو لذت دیدار کیسی ہے

دکھا کر تیغ و ابرو ناز سے کہتے ہیں وہ دیکھو
یہ کیسی ہے یہ کیسی ہے مری تلوار کیسی ہے

کدورت پر کدورت جم گئی ہے میرے سینے میں
چنی یہ عشق نے دیوار پر دیوار کیسی ہے

مجھے تم دیکھتے ہی گالیوں پر کیوں اتر آئے
بھرے بیٹھے تھے کیا محفل میں یہ بھرمار کیسی ہے
دکھایا ہی نہیں تو نے تو اے پردہ نشیں جلوہ
دہائی پر دہائی پھر پس دیوار کیسی ہے
ہوا ہے اس قدر مغرور اپنے زہد پر زاہد
یہ توبہ توبہ کیسی ہے، یہ استغفار کیسی ہے
لئے جاتے ہیں بار عشق ہم مجبور دنیا سے
ارے یارو زبردستی کی یہ بیگار کیسی ہے

الٰہی کیوں نہ چاہوں دولت دارین میں تجھ سے
بڑی فیاض یہ لکھ لٹ تری سرکار کیسی ہے
رہا جاتا ہے دل سے حرف مطلب لب تک آ آکر
ذرا سی بات ہے لیکن مجھے دشوار کیسی ہے
ابھی سے دل کا میں سودا کروں سودا نہیں مجھ کو
خریداروں کے دم سے گرمی بازار کیسی ہے
کوئی کرتا ہے باتیں یاس کی بیمار کے منہ پر
ارے ظالم یہ تسکین دل بیمار کیسی ہے
ترے ہاتھوں کے صدقے اے جنوں ہر تار دامن سے
سر ہر خار باندھی لٹ پٹی دستار کیسی ہے
سماتے ہی نظر میں صاف اتری ہے مرے دل میں
تری تصویر کی بھی شوخی رفتار کیسی ہے

تغافل سے نہ ہو پرسش تو پھر اے داغ کیا کہئے
بتاؤں حالت ایسی ہے جو پوچھے یار کیسی ہے

۱۰۵

مرے کلام سے پیدا ہیں شوخیاں کیسی
ترے دہن میں ہے موزوں مری زباں کیسی

رسا ہوئی مری آہ شرر فشاں کیسی
لگی ہے اب ترے تلووں سے آسماں کیسی

مرے کلیجے میں لیتے ہیں چٹکیاں کیسی
وفا کے نام پہ کہتے ہیں وہ کہاں کیسی

تری کدورت خاطر ہوئی عیاں کیسی
بنی یہ اور زمیں زیر آسماں کیسی

ہزاروں سجدے کئے خلق نے تو کیا پروا
ہوئی ہے صرف تری خاک آستاں کیسی

کسی حسیں کو اگر دیکھتے تو مر جاتے
جناب خضرؑ کی پھر عمر جاوداں کیسی

شباب آنے نہ پایا کہ عشق نے مارا
یہاں بہار کے لالے پڑے خزاں کیسی

تمہارے گھر سے کوئی شخص کیا بگڑ کے گیا
لٹی لٹی ہے یہ آرائش مکاں کیسی

سنی نہ ہم نے کوئی بانک پن سے خالی بات
ہمیشہ نوک کی لیتی ہے وہ زباں کیسی

ہوا جو پیر بھی تھک کر نہ بیٹھنے پایا
ترے نصیب میں گردش ہے آسماں کیسی

وہ دیکھنا دل بے تاب کے مقابل میں
تڑپ رہی ہیں نگاہوں کی بجلیاں کیسی

ہوا ہوں ذبح نزاکت بھرے جو ہاتھوں سے
وہ نرم نرم اٹھائی ہیں سختیاں کیسی

بھرا ہوا ہے مرے دل میں اور کیا کیا کچھ
فغاں کو آپ لئے پھرتے ہیں فغاں کیسی

بلا رہی ہیں فلک؟ عاشقوں کی فریادیں
یہ تو نے دھوم مچائی ہے دل ستاں کیسی

وہ چھیڑ چھاڑ سے کیا باز آنے والا ہے
یہ آپ داغ کو دیتے ہیں دھمکیاں کیسی

۱۰۶

صبر میں بھی دل بے تاب کی ہمت دیکھی
کر لیا کام وہی جس کی ضرورت دیکھی

عشق میں تیرے مصیبت سی مصیبت دیکھی
جو دکھائی ہمیں اللہ نے حالت دیکھی

کب تری طرح میسر ہوئے دنیا کے مزے
کھول کر آنکھ فقط حور نے جنت دیکھی

حسن کی فتنہ گری سے نہیں خالی کوئی
ہم نے مٹی کے بھی پتلے میں شرارت دیکھی

منہ دکھانے کی جگہ اب مجھے باقی نہ رہی
آئینہ دیکھ کے اس نے مری صورت دیکھی

سب حسیں ایک ہی سیرت کے ہوا کرتے ہیں
سو کو دیکھا اگر اک آدھ کی خصلت دیکھی

کبھی کعبے میں نظر شان خدائی آئی
کبھی بت خانے میں اللہ کی قدرت دیکھی

اور بھی تم نے سنا غیر نے کیا کام کیا
اس کے پہلو میں نئی آج تو صورت دیکھی

پڑ گئے تیر کلیجے پہ تہ مرقد بھی
کن نگاہوں سے کسی نے مری تربت دیکھی

عاشقوں میں کوئی بدبخت نہ دیکھا ایسا
جیسی فرہاد کی پھوٹی ہوئی قسمت دیکھی

غیر کی کرتے ہیں تعریف وہ یہ کہہ کہہ کر
کس پر آئی ہے مری تم نے طبیعت دیکھی

بدگماں کو یہ گماں تھا کہیں زندہ تو نہ ہو
اس لئے کھول کے اس نے مری تربت دیکھی

ہو گئی دل سے عزیز ان کو شبیہ یوسف
ملتی جلتی جو ذرا اپنی شباہت دیکھی

دیکھنے والوں سے یہ پوچھتے ہیں وہ بتبسم
تم نے کیسی مرے بیمار کی حالت دیکھی

داغ سا کون نظرِ باز نہ دیکھا نہ سنا
جس نے پردے میں محبت کے عداوت دیکھی

۱۰۷

فائدہ کیا ان بتوں کی چاہ سے
خیر مانگو تم داغ اللہ سے

نفع کیا نقصان کیا ہے چاہ سے
اس کو پوچھو بندۂ درگاہ سے
شب کو کیوں جاگے تھے کیا تھا خیر ہے
آنکھیں ملتے نکلے خلوت گاہ سے
ہائے اس کے پائمالوں کے نصیب
بھاگتے ہوں فتنے جس کی راہ سے
پہنچے کیا منزل پہ ایسا ناتواں
جو دبا جاتا ہو گرد راہ سے
ان کا میرا کس طرح جھگڑا چکے
واسطہ ہے ایک ہی اللہ سے
گالیاں بھی جب مجھے دیتے ہیں وہ
کرتے ہیں آغاز بسم اللہ سے
بے وفائی اس قدر اچھی نہیں
چاہنے والے ڈریں گے چاہ سے
یہ ہے بجلی بھی یہ ہے تلوار بھی
بچتے رہنا تم ہماری آہ سے
ہیں مجازی سے حقیقت آشنا
پہنچے ہیں اس راہ میں اس راہ سے
عشق میں آنے لگا کچھ کچھ مزا
زندگی کی ہے دعا اللہ سے
بچ سکے ایمان کیوں کر عشق میں
اس کو پوچھیں کس خدا آگاہ سے
داغ سے کہتے ہیں سب دے دو مجھے
جو ملا ہے تم کو آصف جاہ سے

۱۰۸

دل رکھ تو دیا ہے نگہ یار کے آگے
اف کر نہیں سکتا ہوں خریدار کے آگے
آتی نہیں اب تک اسی باعث سے قیامت
کیا پیش چلے گی تری رفتار کے آگے
میں حسن سے سکتے میں وہ ہے عشق سے حیراں
دیوار کھڑی ہو گئی دیوار کے آگے
بجلی کی طرح کانپنے لگتی ہے اجل بھی
ٹھہرا نہیں جاتا تری تلوار کے آگے
اس ضعف میں بھی راہ محبت میں ہے یہ حال
دو چار کے پیچھے ہوں تو دو چار کے آگے
گلزار میں نرگس سے نہ تم آنکھ ملانا
بیمار کو لاتے نہیں بیمار کے آگے

میں موسیٰ عمراں' نہ خدا تو بت کافر
باتیں نہ بنا طالب دیدار کے آگے

یا کھانے دے گلشن کی ہوا تو اسے صیاد
یا زہر ہی رکھ مرغ گرفتار کے آگے

خورشید قیامت کی بہت دھوم سنی ہے
آئے تو سہی میری شب تار کے آگے

گھر میں تو رسائی نہیں لیکن مری تصویر
دیوار پہ چسپاں ہے در یار کے آگے

ان تک بھی پہنچ جائے گا جو حال ہے میرا
ہر روز یہی ذکر ہے دو چار کے آگے

سو بار کئے تم نے ستم تھک گئے آخر
اک بار تو ہو اور بھی سو بار کے آگے

کعبے میں ٹھکانا ہے نہ بت خانے میں اپنا
مر جائیں گے جاکر در دلدار کے آگے

سر کٹ کے عاشق کا نہ اترایئے اتنا
اک دن یہ کیا آئے گا سرکار کے آگے

فرقت میں بیاں کس سے کروں اپنی مصیبت
کیا حال کہوں میں در و دیوار کے آگے

پہلے یہ دعا مانگ لی اس کو نہ ہو صدمہ
جب درد کہا داغ نے غم خوار کے آگے

۱۰۹

یہ بات بات میں کیا نازکی نکلتی ہے
دبی دبی ترے لب سے ہنسی نکلتی ہے

ٹھہر ٹھہر کے جلا دل کو' ایک بار نہ پھونک
کہ اس میں بوئے محبت ابھی نکلتی ہے

بجائے شکوہ بھی دیتا ہوں میں دعا اس کو
مری زباں سے کروں کیا یہی نکلتی ہے

خوشی میں ہم نے یہ شوخی کبھی نہیں دیکھی
دم عتاب جو رنگت تری نکلتی ہے

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل
دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

ادا سے تیری مگر کھنچ رہی ہیں تلواریں
نگہ نگہ سے چھری پر چھری نکلتی ہے

محیط عشق میں ہے کیا امید و بیم مجھے
کہ ڈوب ڈوب کے کشتی مری نکلتی ہے

جھلک رہی ہے سر شاخ مژہ خون کی بوند
شجر میں پہلے ثمر سے کلی نکلتی ہے

شب فراق جو کھولے ہیں ہم نے زخم جگر
یہ انتظار ہے کب چاندنی نکلتی ہے

سمجھ تو لیجئے کہنے تو دیجئے مطلب
بیاں سے پہلے ہی مجھ پر چھری نکلتی ہے

یہ دل کی آگ ہے یا دل کے نور کا ہے ظہور
نفس نفس میں مرے روشنی نکلتی ہے

کہا جو میں نے کہ مر جاؤں گا تو کہتے ہیں
ہمارے زائچے میں زندگی نکلتی ہے

سمجھنے والے سمجھتے ہیں پیچ کی تقریر
کہ کچھ نہ کچھ تری باتوں میں فی نکلتی ہے

دم اخیر تصور ہے کس پری وش کا
کہ میری روح بھی بن کر پری نکلتی ہے

صنم کدے میں بھی ہے حسن اک خدائی کا
کہ جو نکلتی ہے صورت پری نکلتی ہے

مرے نکالے نہ نکلے گی آرزو میری
جو تم نکالنا چاہو' ابھی نکلتی ہے

غم فراق میں ہو داغ اس قدر بے تاب
ذرا سے رنج میں جاں آپ کی نکلتی ہے

۱۱۰

مذکور داغ ہی کا ہر اک انجمن میں ہے
اس پھول کی بہار ہزاروں چمن میں ہے

غربت کا سامنا مجھے یوں بھی وطن میں ہے
میں اپنے گھر میں اور دل اس انجمن میں

وہ چال چال ہے جو تمہارے چلن میں ہے
وہ بات بات ہے جو تمہارے سخن میں ہے

سب جانتے ہیں داغ کو جیسا دکن میں ہے
وہ شمع انجمن میں ہے وہ گل چمن میں ہے

لپٹی ہوئی ہے خاک در یار جسم پر
خاکی یہ پیرہن بھی ہمارے کفن میں ہے

اب بھی تو آفتاب قیامت سے کم نہیں
ہر چند تیرگی مرے داغ کہن میں ہے

پھرتا ہوں پھول پھول کو گلشن میں سونگھتا
یا رب گل مراد مرا کس چمن میں ہے

جس طرح دل میں رہ کے ستاتے رہے ہو تم
اب درد اس طرح مرے ہر عضو تن میں ہے

کیا ہو گیا کہ جی نہیں لگتا کسی جگہ
غربت میں شام صبح ہمارے وطن میں ہے

یہ لعل ہو تو لعل لگیں اور حسن کو
دل کا نگیں بھی کوئی ترے نورتن میں ہے

ہر اختر فلک کو یہ جانا شب فراق
سوراخ تیر آہ سے سقف کہن میں ہے

حسن ملیح کا ہے مزا یاد خلد میں
تھوڑا ابھی نمک مرے داغ کہن میں ہے

محفل کا تیری دل میں سمایا ہے سب سماں
دل میں ہے انجمن کہ یہ دل انجمن میں ہے

دیکھو تو میرے عقدۂ تقدیر کو ذرا
ایسی گرہ بھی زلف شکن در شکن میں ہے

اقرار تھا ابھی، ابھی انکار ہو گیا
کیا دوسری زباں بھی تمہارے دہن میں ہے

وہ رہ گزر وہ کوچہ وہ در مجھ سے کب چھٹا
کچھ ہوش کا لگاؤ بھی دیوانہ پن میں ہے

روشن ہے زیر آبلہ دل سوز عشق سے
کیا جلوہ گر یہ نور کا پتلا کفن میں ہے

پڑھتے ہیں شعر داغ کے وہ بات بات پر
کیا جانے بات کون سی اس کے سخن میں ہے

۱۱۱

کہاں اب مرے حال پر رونے والے
کہ خود مٹ گئے داغ دل دھونے والے

محبت کے آثار یہ کہہ رہے ہیں
بہت غم ہوئے اور ہیں ہونے والے

یہ کون آگیا میرے اہل عزا میں
یکایک جو یوں ہنس پڑے رونے والے

رقیب ان کو میری طرح دل نہ دیں گے
وہ اپنی گرہ کا نہیں کھونے والے

شریک غم و عیش ہیں دیدہ و دل
یہی ہنسنے والے، یہی رونے والے

محبت کی سرکار میں ہم نے دیکھا
سزا پاتے ہیں جان و دل کھونے والے

تمہارا ہی تخم محبت ہے دل میں
تم ہی اس کے پیدا ہوئے بونے والے

جوانی سے اچھے تھے دن کم سنی کے — کہ اب چھپتے ہیں سامنے ہونے والے

عدم کو چلے دل میں رکھ کر بتوں کو — یہ پتھر ہیں دنیا سے ہم ڈھونے والے

خدا جانے کیا پیش ہو روز محشر — کسی سے وہ قائل نہیں ہونے والے

وہ کیا جانیں بے تاب کی بے قراری — شب وصل میں شام سے سونے والے

وضو کر چکا شیخ رندوں کی سن لے — ادھر دیکھ او ہاتھ منہ دھونے والے

بڑھا کر گھٹانا نہیں اپنا شیوہ — یہ آواز ہیں کوئی کم ہونے والے

بنائیں تمہیں کون ہیں داغؔ صاحب

کسی کی ادا پر فدا ہونے والے

۱۱۴

بہت ہیں تجھے بے وفا کہنے والے — کہیں چوکتے ہیں برا کہنے والے

گئے ہیں مرا مدعا کہنے والے — کہیں ان سے کیا جانے کیا کہنے والے

کہا عرض طلب پہ اس نے بگڑ کر — بڑے آئے یہ مدعا کہنے والے

مری سن کے اس نے کہا دے کے گالی — جواب اس کا تو نے سنا کہنے والے؟

وہ بت ہو کے بے پردہ یہ کہہ نہ بیٹھے — کہاں ہیں خدا کو خدا کہنے والے

مرے دیدہ و دل بھی لے جائے قاصد — کہ اچھے ہیں یہ مدعا کہنے والے

یہ کہہ کر کیا اس نے شرمندہ مجھ کو — سلامت رہیں بے وفا کہنے والے

خدا زندہ رکھے تجھے میرے قاتل — مجھے صبر پر مرحبا کہنے والے

کہا بت جو ان کو خفا ہو کے بولے — ذرا پھر تو کہہ کیا کہا کہنے والے

یہ کیا منصفی ہے جواب اس کا پا کر — برا مانتے ہیں برا کہنے والے

کہا داغ سے شب کو درباں نے ان کے
جناب آپ ہی ہیں صدا کہنے والے

۱۱۳

مثال تار گیسو ہے کمر بھی
نہیں ہے فرق اس میں بال بھر بھی
چلے مایوس ہم محفل سے تیری
کبھی تو دیکھ لینا تھا ادھر بھی
سنی جاتی نہیں عاشق کی حالت
نہ آیا رحم تجھ کو دیکھ کر بھی
ستم کرتا ہے جیسا تو ستم گر
کبھی ایسا ہوا ہے پیشتر بھی
دل بے تاب نے باندھی تو ہے شرط
بہت چلتی ہوئی ہے وہ نظر بھی
مرض پیدا کئے لاکھوں دوا سے
مسیحا ہے ہمارا چارہ گر بھی
نہیں رہتے ہیں اچھے خوبصورت
کہ ان کو ہو ہی جاتی ہے نظر بھی
نظر میں کس۔کے ہو تم دل میں کس کے
تمہیں ہے ان دنوں اپنی خبر بھی
مزا اے داغ پایا دل لگی کا
کبھی یہ دکھ سہا تھا عمر بھر بھی

۱۱۴

یہ اب کی باغ عالم کی فضا کچھ اور کہتی ہے
خوشی سے عندلیب خوش نوا کچھ اور کہتی ہے
زمانے میں ترقی ہے نشاط و عیش و عشرت کی
مغنی کی صدائے جاں فزا کچھ اور کہتی ہے

سرود و نغمہ مطرب کی آوازیں تو دل کش ہیں
مگر میری زباں اس کے سوا کچھ اور کہتی ہے

پھلا پھولا ہے کیا ملک دکن اقبال آصف سے
کہ اس گلشن کی اب نشوونما کچھ اور کہتی ہے

گرہ ہے سال کی تینتیسویں جو شاہ آصف کی
پے تشریح دل یہ دل کشا کچھ اور کہتی ہے

خوشا تدبیر تدبیر شہنشہ خوب رہتی ہے
خوشا تقدیر تقدیر رسا کچھ اور کہتی ہے

شہہ ظل خدا کو حق تعالیٰ حکم راں رکھے
حکومت اس کی اب نام خدا کچھ اور کہتی ہے

یہ کیسا جلسہ ہے کیسی خوشی چھائی ہے عالم میں
کہ اس دن رونق ارض و سما کچھ اور کہتی ہے

عدو کا کیا ہے منہ جو شاہ آصف کے مقابل ہو
کہ تائید جناب کبریا کچھ اور کہتی ہے

نظام الملک آصف جاہ ہے مہر جہاں افروز
کہ اس کے روئے روشن کی ضیا کچھ اور کہتی ہے

مبارک باد معمولی ہے بات اس سے بھی اب بڑھ کر
نوید تہنیت یہ جابجا کچھ اور کہتی ہے

نسیم صبح دیتی ہے مبارک باد گلشن کو
گلوں کے کان میں باد صبا کچھ اور کہتی ہے

دعا دیتا ہوں طول عمر کی میں شاہ آصف کو
خوشی سے جان ہمراہ دعا کچھ اور کہتی ہے

غزل بھی اس زمیں میں اب سنا دے داغ تو کہہ کر
مگر ان دونوں تری طبع رسا کچھ اور کہتی ہے

۱۵

یہ خاموشی تری اے دلربا کچھ اور کہتی ہے
نگہ کچھ اور کہتی ہے، ادا کچھ اور کہتی ہے

خطا بھی اس کی کچھ کیوں قطع کرتے ہو زباں میری
جو کہنے کی ہے کہتی ہے یہ کیا کچھ اور کہتی ہے

برا کیوں کر کہیں اس کو جسے ہم کہہ چکے اچھا
مگر سن تو تمہیں خلق خدا کچھ اور کہتی ہے

سنوں کس کس کی میں یا رب یقیں کس کس کا ہو مجھ کو
کہ قاصد کا بیاں کچھ ہے، صبا کچھ اور کہتی ہے

وہی تم تھے کہ چلتے تھے کہے پر دوست داروں کے
مگر ہاں اب زمانے کی ہوا کچھ اور کہتی ہے

یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کی وہ نہیں سنتے
مگر مشاطہ ان سے ماجرا کچھ اور کہتی ہے

پریشانی مری ہے گرچہ ظاہر مو بمو اس پر
تمہارے کان میں زلف دوتا کچھ اور کہتی ہے

زباں سے تو کہے جا میں نہ تھا مہماں کہیں شب کو
یہ تیری آنکھ تو اے بے حیا کچھ اور کہتی ہے

وہ کہتے ہیں برا کیوں مانیں ہم بے مہر کہنے کا
یہی کہتی ہے دنیا ہم کو یا کچھ اور کہتی ہے

وہ پہنچی آسماں پر، وہ گئی عرش معلیٰ پر
الٰہی خیر اب آہ رسا کچھ اور کہتی ہے

شکایت جان کر سنتے نہیں تم کیوں دم آخر
تمہارے حق میں یہ میری دعا کچھ اور کہتی ہے

طبیعت ہو گئی بے چین، لا ساغر پلا ساقی
کہاں کی توبہ، ساون کی گھٹا کچھ اور کہتی ہے

کلیجا تھام لو اپنا جو بھولے سے کبھی سن لو
تمہارے درد مندوں کی صدا کچھ اور کہتی ہے

لب معجز نما سے چشم جادوگر کی ہے چشمک
یہ اپنی کہتے ہیں، وہ فتنہ زا کچھ اور کہتی ہے

رہا دست تسلی سینہ افگار پر کس کے
کہ تیری شوخی رنگ حنا کچھ اور کہتی ہے

مے و معشوق سے توبہ کرے گا داغ تو، توبہ!
تری نیت تو اے مرد خدا کچھ اور کہتی ہے

۱۱۶

کچھ آپ کو بھی قدر ہماری وفا کی ہے
ہم آپ کے ہیں ساری خدائی خدا کی ہے

دھمکی ہمارے واسطے روز جزا کی ہے
کوئی نہ کوئی اس میں بھی حکمت خدا کی ہے

حیرت سے دیکھتا ہوں جو میں سوئے آسماں ۔۔۔ کہتے ہیں وہ تلاش کسی مہ لقا کی ہے
ایک آنکھ میں حیا تو شرارت ہے ایک میں ۔۔۔ یہ شرم ہے غضب کی وہ شوخی بلا کی ہے
بعد فنا بھی چین نہیں مشت خاک کو ۔۔۔ گویا بنی ہوئی مری مٹی ہوا کی ہے
کوئی یقین کیوں نہ کرے ان کے قول کا ۔۔۔ ہر بات میں قسم ہے قسم بھی خدا کی ہے
اے پیر مے کدہ نہیں نشہ شراب میں ۔۔۔ کھینچی ہوئی مگر یہ کسی پارسا کی ہے
جب تک ہے دم میں دم یہ نباہیں گے ہر طرح ۔۔۔ مٹی خراب عشق میں اہل وفا کی ہے
دیکھو نگاہ ناز کی بے اعتدالیاں ۔۔۔ انکی ہوئی غرض جو کسی مبتلا کی ہے
وہ وقت نزع دیکھ کے مجھ کو یہ کہہ گئے ۔۔۔ اچھا ہے یہ تو' کیا اسے حاجت دوا کی ہے
اس نے نظر چرائی جو ہم سے تو کیا ہوا ۔۔۔ وہ کیوں ڈرے یہ کیا کوئی چوری خدا کی ہے
شوخی سمائی جاتی ہے عہد شباب میں ۔۔۔ دشوار روک تھام اب ان کو حیا کی ہے
کرتا یہ کارخانہ دنیا میں کچھ کا کچھ ۔۔۔ انسان کو پڑی ہوئی روز جزا کی ہے
ایسا نہ ہو کہ اس کی سیاہی کا ہو شریک ۔۔۔ بخت رسا کو حرص تو زلف دوتا کی ہے
ظاہر میں اور رنگ ہے باطن میں اور رنگ ۔۔۔ خصلت مزاج یار میں برگ حنا کی ہے
دو حصے میری جان کے ہیں تیرے عشق میں ۔۔۔ آدھی ادا کی نذر ہے' آدھی قضا کی ہے
مرتا ہوں اور روز ہے مرنے کی آرزو ۔۔۔ اس عاشقی میں روح بھی عاشق قضا کی ہے
دل پیچ و تاب عشق سے کیوں کر نکل سکے ۔۔۔ یہ گل چھڑی پڑی ہوئی زلف دوتا کی ہے
یہ دیکھتے ہی دیکھتے کس کس سے پھر گئی ۔۔۔ گردش نصیب آنکھ بھی تیری بلا کی ہے

اے داغ بزم اہل سخن گرم ہو گئی
گرمی ترے کلام میں بھی انتہا کی ہے

۱۱۷

زہر بن کر دوا نہیں آتی ۔۔۔ مر رہا ہوں قضا نہیں آتی

خبر دل ربا نہیں آتی اس طرف کی ہوا نہیں آتی
اب بھی سنبھلو بری ہے بے باکی گئی گزری حیا نہیں آتی
غمزے آتے ہیں' ناز آتے ہیں ایک تم کو وفا نہیں آتی
شکوہ بے جا ہے خیر یوں ہی سہی تم کو ہرگز جفا نہیں آتی
وہ جھکے ہیں سنبھالنے کے لئے ہاتھ زلف رسا نہیں آتی
وہ یہ کہتے ہیں تم سکھاؤ ہمیں ہم کو طرز وفا نہیں آتی
کوئی مر جائے ہجر میں کیوں کر زندگی بھر قضا نہیں آتی
اس گلی میں صبا کو بھیجا ہے یا تو آتی ہے یا نہیں آتی
ان سے کرنا پڑا سوال جنہیں بات نام خدا نہیں آتی
حور پر یہ طبیعت اے واعظ تجھ سے کہہ تو دیا نہیں آتی
ہے عدم میں بھی دل لگی کیسی پھر کے خلق خدا نہیں آتی
سادگی نے کیا ہے کام تمام ابھی ان کو ادا نہیں آتی
ہم نہیں سونگھتے کبھی وہ پھول جس میں بوئے وفا نہیں آتی
نہیں آسان جان سے جانا مرتے مرتے قضا نہیں آتی
دل سے آتی تھی آہ کی آواز اب تو وہ بھی صدا نہیں آتی
کب سمجھتے ہیں ان کو وہ معشوق جس کو طرز جفا نہیں آتی
کس نے تسخیر کی دم آخر میرے لب پر دعا نہیں آتی
تیرے عاشق کا ہائے عہد شباب موت بے وقت کیا نہیں آتی
حرف مطلب کہا تو کیوں بگڑے بات کہنے میں کیا نہیں آتی
تم وفادار کس کو سمجھے ہو ہر کسی کو وفا نہیں آتی
غنچہ دل کھلے تو خاک کھلے اس کلی تک ہوا نہیں آتی

قصد بت خانہ کیوں کیا اے داغ
شرم مرد خدا نہیں آتی

۱۱۸

دیکھ کر جوبن ترا کس کس کو حیرانی ہوئی
اس جوانی پر جوانی آپ دیوانی ہوئی

پردے پردے میں محبت دشمن جانی ہوئی
یہ خدا کی مار کیا اے شوق پنہانی ہوئی

دل کا سودا کرکے ان سے کیا پشیمانی ہوئی
قدر اس کی پھر کہاں جس شے کی ارزانی ہوئی

میرے گھر اس شوخ کی دو دن سے مہمانی ہوئی
بے کسی کی آج کل کیا خانہ ویرانی ہوئی

ترک رسم و راہ پر افسوس ہے دونوں طرف
ہم سے نادانی ہوئی یا تم سے نادانی ہوئی

ابتدا سے انتہا تک حال ان سے کہہ تو دوں
فکر یہ ہے اور جو کہہ کر پشیمانی ہوئی؟

غم قیامت کا نہیں واعظ مجھے یہ فکر ہے
دین کب باقی رہا دنیا اگر فانی ہوئی

تم نہ شب کو آؤ گے یہ ہے یقیں آیا ہو
تم نہ مانو گے مری یہ بات ہے مانی ہوئی

مجھ میں دم جب تک رہا مشکل میں تھے تیماردار
میری آسانی سے سب یاروں کی آسانی ہوئی

اس کو کیا کہتے ہیں اتنا ہی بڑھا شوق وصال
جس قدر مشہور ان کی پاک دامانی ہوئی

بزم سے اٹھنے کی غیرت بیٹھنے سے دل کو رشک
دیکھ کر غیروں کا مجمع کیا پریشانی ہوئی

دعویٰ تسخیر پر یہ اس پری وش نے کہا
آپ کا دل کیا ہوا، مہر سلیمانی ہوئی

کھل گئیں زلفیں مگر اس شوخ مست ناز کی
جھومتی باد صبا پھرتی ہے مستانی ہوئی

میں سراپا سجدے کرتا اس کی در پر شوق سے
سر سے پا تک کیوں نہ پیشانی ہی پیشانی ہوئی

دل کی قلب ماہیت کا ہو اسے کیوں کر یقیں
کب ہوا مٹی ہوئی ہے، آگ کب پانی ہوئی

آتے ہی کہتے ہو اب گھر جائیں گے اچھی کہی
یہ مثل پوری یہاں من مانی گھر جانی ہوئی

عرصۂ محشر میں تجھ کو ڈھونڈ لاؤں تو سہی — کوئی چھپ سکتی ہے، جو صورت ہو پہچانی ہوئی

دیکھ کر قاتل کا خالی ہاتھ بھی جی ڈر گیا — اس کی چین آستیں بھی چین پیشانی ہوئی

کھا کے دھوکا اس بت کم سن نے دامن میں لئے — اشک افشانی بھی میری گوہر افشانی ہوئی

بے کسی پر میری اپنی تیغ کی حسرت تو دیکھ — چشم جوہر بھی بشکل چشم حیرانی ہوئی

بے کسی پر داغ کی افسوس آتا ہے ہمیں
کس جگہ کس وقت اس کی خانہ ویرانی ہوئی

۱۱۹

ہمیں کیا غم قیامت میں جو پرستش ہونے والی ہے
کہ جب وہ فتنہ گر آیا تو پھر میدان خالی ہے

کدورت دل کی جو فریاد کرنے سے نکالی ہے
وہ کہتے ہیں محبت پر ہماری خاک ڈالی ہے

ابھی ہیں بھولی بھولی ان کی باتیں خرد سالی ہے
مگر چتون یہ کہتی ہے قیامت ہونے والی ہے

ہماری توبہ زاہد کی جوانی دونوں بے کس ہیں
نہ کوئی اس کا وارث ہے نہ کوئی اس کا والی ہے

الٰہی کیوں فلک مجھ کو غم فرقت کھلاتا ہے
کہ میں نے ہجر جاناں میں قسم کھانے کی کھائی ہے

دعائیں دے رہا ہوں زیر مرقد اپنے قاتل کو
خدا رکھے اسے جس نے مری حسرت نکالی ہے

ملے تو نے کف افسوس پہروں مرگ دشمن پر
یہ سرخی اس کی ہے ہاتھوں میں یا مہندی کی لالی ہے

شباب ایسا جو ہو اس سے بہار گل کو کیا نسبت
تری اٹھتی جوانی اور اس کی ڈھلنے والی ہے

بیاں کی بے وفائی جب زمانے کی تو وہ بولے
اجی ہم خوب سمجھے صاف تم نے ہم پہ ڈھالی ہے

ہماری چشم گوہر بار کا حلقہ نہ کیوں ڈالا
تمہارے کان میں کب خوش نما موتی کی بالی ہے

دل مضطر کو تھامے پھر رہا ہوں میں شب فرقت
نہ میرے پاؤں خالی ہیں' نہ میرا ہاتھ خالی ہے

ذرا دیکھو تو مشتاقوں کا مجمع روزن در سے
ہوئی ہے بھیڑ بھاڑ ایسی کہ پھرتی سر پہ تھالی ہے

ہوا ہے چار سجدوں پر یہ دعویٰ زاہدو تم کو
خدا نے کیا تمہارے ہاتھ جنت بیچ ڈالی ہے

رقیبوں سے اشارے کرکے تم ہم کو مٹاتے ہو
تمہارے دست مژگاں سے ہماری پائمالی ہے

اٹھا لیں لطف کوئی دن کہاں پھر ہم کہاں پھر تم
برا وقت آنے والا ہے' جدائی ہونے والی ہے

وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب اے داغ کیا کہنا
یہ تونے خواب دیکھا ہے کہ مضمون خیالی ہے

۱۲۰

یہاں شکوے پہ شکوہ ہے وہاں گالی پہ گالی ہے
بہت کچھ ہوتی رہتی ہے بہت کچھ ہونے والی ہے

جوانی کی امنگیں ہیں، طبیعت لا ابالی ہے
نہ تم دنیا میں خالی ہو، نہ دنیا تم سے خالی ہے

تری تصویر کی شوخی بھی دنیا سے نرالی ہے
کہ اس شوخی پہ یہ تمکیں نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے

مجھے گھر کاٹے کھاتا ہے تو بستر پھاڑے کھاتا ہے
شب فرقت میں کیا شیر نیستاں شیر قالی ہے

کہاں قسمت کہاں ہمت کہاں طاقت جو میں پہنچوں
کہ منزل عشق کی کچھ عرش اعلیٰ سے بھی عالی ہے

سمندر کیوں نہ پی جائے وہ مے آشام اے ساقی
خم گردوں کو جو سمجھے کہ چھوٹی سی پیالی ہے

ترا کینہ نہ کھلتا تھا ذرا انصاف کر ظالم
تری باتوں سے دل کی بات چن کر ہم نے کیا لی ہے

بھری ہیں حسرتیں سی حسرتیں اس خانہ دل میں
مگر دیکھو تو پھر یہ گھر کا گھر خالی کا خالی ہے

یہ چالیں آسماں کی کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتیں
کسی کی سرفرازی ہی کسی کی پائمالی ہے

لب معجز نما سے گالیاں دی ہیں جو ہنس ہنس کر
مری تصویر میں بھی تم نے گویا جان ڈالی ہے

کبھی ہے اس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اس کے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے

بچا تھا برق و صرصر سے بمشکل آشیاں اپنا
نظر صیاد کی اب پتے پتے ڈالی ڈالی ہے
خدا جانے کہا کس کو ستم گر راہ چلتوں نے
خفا کیوں ہو کوئی بازار کی گلی بھی گالی ہے
جہاں دیکھو حسینوں کا ہے مجمع عاقبت میں بھی
نہ جنت ان سے خالی ہے نہ دوزخ ان سے خالی ہے
دکن کی سلطنت سے فیض ہے سارے زمانے کو
خدا رکھے بڑی فیاض یہ سرکار عالی ہے
بھری محفل میں تیری داغ کو ہم نے نہیں دیکھا
بھرے ہیں غیر آآکر جگہ اس کی ہی خالی ہے

۱۳۱

غضب کے بانک پن سے تیغ ناز اس نے نکالی ہے
جفا پیاروں کی پیاری ہے' نرالوں کی نرالی ہے
نہ چھوڑی خاک تک مجھ کو وہ شوق پائمالی ہے
ترے قدموں میں جو آئی وہ اپنے سر پہ ڈالی ہے
ترے وزد حنا کے پاس دل ہے' تھا گماں مجھ کو
ادھر یہ ہاتھ خالی ہے' ادھر وہ ہاتھ خالی ہے
مری شاخ تمنا کس طرح سرسبز رہ جاتی
تری تیغ تغافل نے وہ ڈالی کاٹ ڈالی ہے

یہ دو آنکھیں دو رنگی دیکھتی ہیں اس کے جلوے کی
کہیں شان جلالی ہے، کہیں شان جمالی ہے

لباس ماتمی پہنے ہوئے ہے میرے ماتم میں
اسے میں جانتا ہوں یہ شب فرقت جو کالی ہے

نہیں چھپتی ہے کوئی بات پھر بھی وہ مرے دل کی
ادھر پہنچی ہے کوسوں تک ادھر منہ سے نکالی ہے

بہت دن چاہئیں پہچان کو راہ حقیقت کی
جناب خضر کیا جانیں کہ ان کی خرد سالی ہے

بقا کب مال و دولت کو رہی، قارون کو دیکھو
کہ اس گنج فراواں پر بھی اس کا ہاتھ خالی ہے

تجاہل کہہ رہا ہے جانتے ہیں مجھ کو وہ عاشق
تغافل کہہ رہا ہے آنکھ مجھ سے ملنے والی ہے

نگاہ شرم آگیں میں ہیں کچھ آثار شوخی کے
یہ ناوک چلنے والا ہے یہ برچھی چلنے والی ہے

مہینے بھر کا وعدہ تھا وہ کرتے تیس دن پورے
مگر انتیسویں کا اب کی یہ ماہ ہلالی ہے

سنا ہے محتسب سامان مے خانہ لٹائے گا
مسلمانو! چلو لوٹو کہ جنت لٹنے والی ہے

ذرا سا ہوش آجائے ذرا سا دیکھ لیں جلوہ
سنبھلنے کے لئے ہم نے طبیعت کب سنبھالی ہے

کہاں کا خوف درباں کوئی عاشق باز آتے ہیں
جہاں اک روزن در تھا وہاں دیکھو تو جالی ہے
کسی پر حصر بھی ہو گا یہ آخر قتل ہے کس کا
ابھی خنجر سنبھالا تھا ابھی برچھی نکالی ہے
نئے انداز کا خط ہم نے لکھا دیکھئے کیا ہو
بھرے ہیں سیکڑوں مضموں جگہ مطلب کی خالی ہے
لڑتے مرتے ہیں آپس میں تمہارے چاہنے والے
یہ محفل ہے تمہاری یا کوئی مرغوں کی پالی ہے
نظام الملک نے اے داغ اس فن کو کیا زندہ
کہ اس کی قدر دانی نے سخن میں جان ڈالی ہے

۱۲۲

قیامت کب اس قد کی ثانی نہیں ہے — جوانی جوانی نہیں ہے
بہاتا ہے بے خوف تو اس کو قاتل — لہو ہے یہ عاشق کا پانی نہیں ہے
گھڑی بھر میں کرتے ہو تعریف میری — گھڑی بھر میں وہ مہربانی نہیں ہے
قفس ہی میں جائیں گے ہم گلستاں سے — ہمارا یہاں دانہ پانی نہیں ہے
کہو تو ابھی چیر کر دل دکھا دیں — محبت ہماری زبانی نہیں ہے
مرے مرمٹے دل کو کیا پوچھتے ہو — نشانی کو یہ بے نشانی نہیں ہے
نہ جانو اسے جھوٹ جو کہہ رہا ہوں — مرا حال قصہ کہانی نہیں ہے
سمجھ کر مرا حال پھر پوچھتے ہو — یہ کیا ہے، اگر آنا کانی نہیں ہے

ہوئے قتل عشاق پر مستعد تم
محبت میں چنگیز خانی نہیں ہے

بظاہر مٹائے بہت داغ دل کے
مداوائے درد نہانی نہیں ہے

ہوئیں خشک جذب محبت سے آنکھیں
یہ دریا وہ ہیں جن میں پانی نہیں ہے

سمجھ سوچ کر دل دیا ہم نے ان کو
کوئی آفت ناگہانی نہیں ہے

مزے کیوں نہ لیں خضر عمر ابد کے
کہ ان کو غم جاودانی نہیں ہے

سر بام جلوہ دکھاتے ہو سب کو
عجب بات ہے لن ترانی نہیں ہے

کبھی داغ اس پر بھروسا نہ کرنا
کسی کی یہ دنیائے فانی نہیں ہے

۱۲۳

کوئی تو محبت میں مجھے صبر ذرا دے
تیری تو مثل وہ ہے نہ میں دوں نہ خدا دے

بے جرم کرے قتل وہ قاتل ہے ہمارا
یہ شیوہ ہے اس کا کہ خطا پر نہ سزا دے

دولت جو خدائی کی ملے کچھ نہیں پروا
بچھڑے ہوئے معشوق کو اللہ ملا دے

کرتا ہے رقیب ان کی شکایت مرے آگے
ڈرتا ہوں کہ مل کر نہ کہیں مجھ کو دغا دے

پھٹ جائے اگر دل تو کبھی مل نہیں سکتا
یہ چاک نہیں وہ جو کوئی سی کے ملا دے

اقرار کیا ہے لب شیریں سے کسی نے
جو بات مزے کی ہو وہ کیونکر نہ مزا دے

تیرے تو برسنے سے ترستا ہے مرا دل
اے ابر کبھی میری لگی کو بھی بجھا دے

تھم تھم کے جلاتا ہے مجھے سوز محبت
گر آگ لگانی ہے تو اک بار لگا دے

یہ دل کا لگانا تو نہیں جس سے ہو نفرت
تو بھی تو جنازے کو مرے ہاتھ لگا دے

ان جلوہ فروشوں سے تو سودا نہیں بنتا
جب مول نہ ٹھہرے کوئی کیا لے کوئی کیا دے

ملتا ہی نہیں جس کا پتا اے دل بے تاب
میں تجھ کو بتا دوں' تو بتا تو مجھے کیا دے

کیا کیا نہ کیا عشق میں اپنی سی بہت کی
تدبیر سے کیا ہو جسے تقدیر مٹا دے

یا رب خبر مرگ عدو جھوٹ نہ نکلے
جو میں نے سنا ہے اسے آنکھوں سے دکھا دے

میں وصل کا سائل ہوں' جھڑکنا نہیں اچھا
یا اور سے دلوا کسی محتاج کو یا دے

دل سے مہ کامل کے یہ کاہش کوئی پوچھے
اللہ کسی کو بھی بڑھا کر نہ گھٹا دے

عنقا نظر آتے ہیں ہمیں اہل کرامت
درویش وہ کامل ہے جو اپنا سا بنا دے

وہ لطف وہ احسان کر اے چرخ مرے ساتھ
دوں میں بھی دعا تجھ کو مرا دل بھی دعا دے

اے بے خودی شوق یہ احسان ہو تیرا
وہ جان کے غش میں مجھے دامن کی ہوا دے

پیمانے کی حاجت نہیں مجھ تشنہ مے کو
اے پیر مغاں تو مجھے انگل سے پلا دے

اللہ کی کیا شان کریمی ہے اے داغ
جو اس سے طلب کیجئے وہ اس سے سوا دے

۱۲۴

مژدہ اے شوق کہ کچھ خوش خبری آتی ہے
جھومتی آج نسیم سحری آتی ہے

جب صراحی سے گل گوں سے بھری آتی ہے
میں سمجھتا ہوں کہ یہ لال پری آتی ہے

تازگی اس گل رخسار کی کیا پوچھتے ہو
جس کے دیدار سے آنکھوں میں تری آتی ہے

جب سے آنکھوں میں سمایا ہے کسی کا جلوہ
حور آتی ہے سمجھ میں نہ پری آتی ہے

کس بھروسے پہ کرے داغ کچھ اظہار کمال
اس کو کیا بات بجز بے ہنری آتی ہے

۱۲۵

شکایت اس کی چھپاؤں مگر نہیں چھپتی
ادھر نکل ہے منہ سے ادھر نہیں چھپتی

ترے چھپائے دغا کی نظر نہیں چھپتی — یہ چور آنکھ تو اے فتنہ گر نہیں چھپتی

یہ سیر ہے کہ دوپٹا اڑا رہی ہے صبا — وہ جب چھپاتے ہیں سینہ، کمر نہیں چھپتی

تمہاری بات زمانے میں کھل ہی جاتی ہے — یہ بات کیا ہے کہ اس کی خبر نہیں چھپتی

گھڑی ہے دل سے جو تو نے وہ بات تیری ہے — کہ اس کے منہ کی تو اے نامہ بر نہیں چھپتی

جو تڑپے دل تری محفل میں تھام نوں دل کو — مگر چھپائے سے یہ چشم تر نہیں چھپتی

چھپائے سے تہ دامن چھپے چراغ کی لو — لگی ہوئی مرے دل کی مگر نہیں چھپتی

یہ صبح ہجر قیامت کی صبح ہے یا رب — کہ میرے بخت سیہ سے سحر نہیں چھپتی

نگاہ شوخ ہے بجلی کی طرح زیر نقاب — ہزار اس کو چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

نفس کے ساتھ ہی پڑتے ہیں لب پہ تبخالے — ہماری سوزش داغ جگر نہیں چھپتی

سحاب میں تو مہ و آفتاب چھپتے ہیں — نقاب میں تری صورت مگر نہیں چھپتی

بدل بدل کے وہ آواز گو بنے سائل — صدائے عاشق شوریدہ سر نہیں چھپتی

بشر نہیں تو فرشتے اڑائے پھرتے ہیں — بری بھلی ترے گھر کی خبر نہیں چھپتی

چھپائیں کیا تری چاہت کو چاہنے والے — جب ایک بار کھلی، عمر بھر نہیں چھپتی

ملے ترانہ بلبل سے کیا مرا نالہ — صدائے نغمہ زن و نوحہ گر نہیں چھپتی

زباں پہ آتے ہی کھلتے ہیں نیک و بد آثار — دعائے باثر و بے اثر نہیں چھپتی

تری طبیعت روشن اک آفتاب ہے داغ
کبھی چھپائے سے یہ جلوہ گر نہیں چھپتی

۱۳۶

وعدہ نہ کیا تھا یہ کسی اور سے کہئے — پھر ہم سے نہ کہنا یہ کسی اور سے کہئے

جو دل کی حقیقت ہے وہ سننی ہی پڑے گی — کہئے تو سہی کیا یہ کسی اور سے کہئے

پتھر کا کلیجا نہیں لوہے کا نہیں دل — فرقت میں نہ گھبرا یہ کسی اور سے کہئے

میں داد طلب اور خدا منصف و عادل — تیری نہ سنے گا یہ کسی اور سے کہئے

دنیا کی زبانوں پہ ہے دشمن کی برائی — اچھوں سے ہے اچھا یہ کسی اور سے کہئے

نالہ پس دیوار کسی رات کسی دن — میں نے نہ سنا تھا یہ کسی اور سے کہئے

اچھی کہی تڑپا کے تجھے غیر کے آگے — دیکھیں گے تماشا یہ کسی اور سے کہئے

دھمکا کے مرا حال عبث پوچھتے ہیں آپ — کہنا ہی پڑے گا یہ کسی اور سے کہئے

ملنا نہیں منظور جو مجھ سے تو نہ ملئے — ہے خوف کسی کا یہ کسی اور سے کہئے

ہم آپ کے ہیں، آپ نہیں جانتے ہم کو — کوئی نہیں اپنا یہ کسی اور سے کہئے

دشمن کو برا کہہ کے بھلا کہنے لگے آپ — وہ ہم سے کہا تھا یہ کسی اور سے کہئے

دل دیں گے تو سو طرح کے دعوے بھی کریں گے — کس کا ہے اجارا یہ کسی اور سے کہئے

ہم سا تو وفادار ملا ہے، نہ ملے گا — خالی نہیں دنیا یہ کسی اور سے کہئے

سنتا ہوں زمانے سے برے آپ کے اطوار — جھوٹا ہے زمانا یہ کسی اور سے کہئے

ملتا ہے کہیں داغ سا دنیا میں وفادار
ہم کو نہیں پروا یہ کسی اور سے کہئے

۱۲۷

جور ہم پر یار جو چاہے کرے — دل سے ہیں ناچار جو چاہے کرے

اک زمانہ ہو گیا ہم سے خلاف — چرخ ناہنجار جو چاہے کرے

اب دل آزاری کہ دل داری مری — وہ بت عیار جو چاہے کرے

کرکے توبہ پھر ہوا توبہ شکن — سچ تو یہ مے خوار جو چاہے کرے

کیا نہیں ممکن کہ اٹھ جائے حجاب — آپ کا دیدار جو چاہے کرے

ہم کو کیا مطلب کریں کیوں آرزو
حسرت دیدار جو چاہے کرے
مجھ پہ چالیں ان پہ جادو رات دن
مجمع اغیار جو چاہے کرے
دردمند اچھے ہوں اچھے دردمند
نرگس بیمار جو چاہے کرے
طور پر موسیٰ نے باتیں کر ہی لیں
طالب دیدار جو چاہے کرے
پہلے شاہد باز ہو پھر آدمی
توبہ استغفار جو چاہے کرے
شوخی رفتار نے پیسا ہے دل
خوبی گفتار جو چاہے کرے
آنکھ بھی عاشق ہے دل بھی مبتلا
اس حسیں کو پیار جو چاہے کرے
آدمی کا ہے خدا پر زور کیا
ہے بڑی سرکار جو چاہے کرے
عرش پر ہے اب رقیبوں کا دماغ
طالع بیدار جو چاہے کرے
جو نہ چاہے کیوں کرے وہ التجا
التجا یار جو چاہے کرے
کھچ گئے ابرو، ہوئی ترچھی نگاہ
میرے دل پر وار جو چاہے کرے
کوئی ہے پامال، کوئی سرفراز
حسن کی سرکار جو چاہے کرے
کیا صف محشر نہ ہو جائے گی صاف
آپ کی تلوار جو چاہے کرے
عیب بیں سے پردہ رکھے آدمی
یوں پس دیوار جو چاہے کرے
دل نکما ہو گیا ہے عشق میں
پھر بھی یہ بے کار جو چاہے کرے
سچ ہے مرتا کیا نہ کرتا ہجر میں
جان سے بیزار جو چاہے کرے
رہ چکے ہم عشق میں پابند وضع
دل ذلیل و خوار جو چاہے کرے
داغ جب آزاد ٹھہرا کیا گلا
ہے وہ خود مختار جو چاہے کرے

۱۲۸

مزے فرقت میں تھے خون جگر کے
پیا ہم نے خدا کا شکر کر کے

کئے خنجر سے دو ٹکڑے جگر کے
بنائے تم نے دو گھر ایک گھر کے

مژہ پر آ جمے ٹکڑے جگر کے
مسافر رک گئے دریا اتر کے

کیا اس چشم نے زاہد کو بدمست
پچھے آنسو مرے دامان تر کے

جمی ہے خاک کوئے یار ان پر
پیوں گا پاؤں دھو کر نامہ بر کے

وہ کیسا دن قیامت کا کٹے گا
وہ کیسی رات ہو گی دن گزر کے

شب غم ہائے مجبوری ہماری
بہت روئے خدا کو یاد کرکے

پڑا ہو گا تھکا ماندا سر راہ
بنیں گے نامہ بر ہم نامہ بر کے

چلیں کیونکر نہ وہ اب ٹیڑھ کی چال
قدم تک آگئے ہیں بل کمر کے

وہی پھر ولولے ہیں اور ہم ہیں
کہیں مٹتی ہیں یہ چوٹیں ابھر کے

نہیں معلوم کیا کہتی ہے خلقت
یہ ہیں چرچے ادھر کے یا ادھر کے

جدائی ہو گئی دو دن میں ان سے
یہ جانا تھا کہ ہم چھوٹیں گے مر کے

جناب داغ اب سنبھلیں گے کیا خاک
کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں عمر بھر کے

جھوٹی پیوں رقیب کی مجھ کو حرام ہے
ساقی کے ہاتھ میں تو فقط ایک جام ہے

وہ چشم مست سامنے میرے مدام ہے
ایسے شراب خوار کو توبہ حرام ہے

ہر مرتبہ زبان پہ دشمن کا نام ہے
کیا یہ کلام آپ کا تکیہ کلام ہے

ہم کیا کریں جو سلطنت روم و شام ہے
بے مثل بادشاہ ہمارا نظام ہے

کیا دل وہی کے ساتھ جواب پیام ہے
اے نامہ بر! تجھے تو ہمارا سلام ہے

محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے
یہ طول مدعا ہے تو بس دن تمام ہے

تم اس پہ شیفتہ ہو تو میں بھی فریفتہ
تم سے غرض نہیں مجھے دشمن سے کام ہے

میں عمر بھر سناؤں تمہیں اپنی داستاں
پوچھو اگر تو پھر یہ کہوں ناتمام ہے

صیاد نے رہا نہ کیا اب کے سال بھی
اب ہم کو آب و دانہ قفس میں حرام ہے

آتے ہی کیوں پیام ہے جانے کا' جایئے
گر آپ کو ہے کام تو مجھ کو بھی کام ہے

قاصد نہ کہہ دے غیر سے لب پر لگادیں مہر
افشا نہ ہو کہ شوخ ہمارا پیام ہے

پروانہ ہو کہ شمع برا ہے مآل کار
اس کی حرام موت وہ صورت حرام ہے

کہتے ہیں کس کو داغ یہ کیا آپ نے کہا
لے دل میں چٹکیاں یہ اسی کا کلام ہے

۱۳۰

حسن کی تم پر حکومت ہو گئی
ضبط آنکھوں کی مروت ہو گئی

یہ نہ پوچھو کیوں یہ حالت ہو گئی
خود بدولت کی بدولت ہو گئی

لے گئی آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ دل
ہوشیاری اپنی غفلت ہو گئی

وہ جو تجھ سے دوستی کرنے لگا
مجھ کو دشمن سے محبت ہو گئی

اس قدر بھی سادگی اچھی نہیں
عاشقوں کی پاک نیت ہو گئی

داغ تمغائے محبت بن گیا
چشم تر مہر شہادت ہو گئی

مان کر دل کا کہا پچھتائے ہم
عمر بھر کو اب نصیحت ہو گئی

کیا عجب ہے گر ترا ثانی نہیں
اچھی صورت ایک صورت ہو گئی

میرے حق میں تیری چشم قہر و لطف
ایک دوزخ' ایک جنت ہو گئی

میری توبہ اس ہوا و ابر میں
باعث کفران نعمت ہو گئی

غیر بھی روتے ہیں تیرے عشق میں ... کیا مری قسمت کی قسمت ہو گئی
سن کے حال دل تغافل دیکھنا ... کوئی یہ جانے ندامت ہو گئی
پھول ہنستے ہیں ہماری قبر پر ... کیوں رنگی شمع تربت ہو گئی
طالب بخشش ابھی سے کیوں ہے دل ... کیا گنہ کرنے سے فرصت ہو گئی
اس کی مژگاں پر ہوا قربان دل ... تیر تکوں پر قناعت ہو گئی
جب ریاست اپنی آبائی مٹی ... نوکری کی ہم کو حاجت ہو گئی
شاعروں کی بھی طبیعت ہے ولی ... جو نئی سوجھی، کرامت ہو گئی
آئینے سے شیشہ دل صاف تھا ... تم کو منہ دیکھے کی الفت ہو گئی
تیری زلفوں کا اثر تجھ پر نہیں ... دیکھتے ہی مجھ کو وحشت ہو گئی
کھیل سمجھے تھے لڑکپن کو ترے ... بیٹھتے اٹھتے قیامت ہو گئی
مفت کی پیتے ہیں وہ ہر قسم کی ... جن کو مے خانے کی خدمت ہو گی
میرے دل سے غم ترا کیوں دور ہو ... پاس رہنے کی محبت ہو گئی
کہتے ہیں کب تک کوئی گھبرا نہ جائے ... دل میں رہتے رہتے مدت ہو گئی
نقشہ بگڑا رہتے رہتے غصہ ناک ... کٹ کھنی قاتل کی صورت ہو گئی
صبح فرقت ایک دم میں کچھ نہ تھا ... زندگی کیا بے مروت ہو گئی

داغ کا دم ہے غنیمت بزم میں
دو گھڑی کو گرم صحبت ہو گئی

۱۳۱

صلح میں تکرار باقی رہ گئی ... کچھ کسر ہر بار باقی رہ گئی

جلوۂ دیدار نے بے خود کیا حسرت دیدار باقی رہ گئی
خط کتابت سے تو کچھ نکلا نہ کام نوبت گفتار باقی رہ گئی
بارہا اس نے صفائی ہم سے کی کچھ خلش ہر بار باقی رہ گئی
اس کو بھی اچھا کر اے رشک مسیح نرگس بیمار باقی رہ گئی
مرحلے طے عشق کے اکثر ہوئے منزل دشوار باقی رہ گئی
شوق نظارہ وہاں لے تو گیا چھاندنی دیوار باقی رہ گئی
حلق میں تھا نالہ آہن گداز کیا تری تلوار باقی رہ گئی
عشق کے زیر حکومت سب رہے کون سی سرکار باقی رہ گئی
دل میں کیا چھوڑا ہے اب غم نے ترے کچھ ہوس اے یار باقی رہ گئی

داغ کا دل ہو گیا دنیا سے سرد
گرمی اشعار باقی رہ گئی

۱۳۲

کر چکے آہ سحر بھی، نالہ شب گیر بھی
ہم نے دیکھا جو چوکتے یہ تیر بھی وہ تیر بھی

بادۂ غفلت سے اک عالم کو بے خود کر دیا
پیر مے خانہ ہے گویا آسمان پیر بھی

اس نگاہ شوخ و ابرو کے اشارے دیکھنا
تیر بھی اڑتا ہوا چلتی ہوئی شمشیر بھی

ڈھونڈ لے پہلو میں یا سینے میں اے ناوک فگن
کھا گیا زخم جگر کے ساتھ کیا میں تیر بھی

آپ آئے جھٹپٹے میں صبح کو گھبرا کے کیا
رہ گیا در بھی کھلا، ہلتی رہی زنجیر بھی

کیا کہوں کس وقت میں کیا دل سے مانگی ہے دعا
جس کو سنتے ہی دعا دینے لگی تاثیر بھی

اوٹ میں دیوار سے باتیں کیا کرتے ہو تم
سامنے آؤ تو آئے لذت تقریر بھی

اس لئے وحشت میں ہم نے کر دیا ترک لباس
ہو گا جب دامن تو ہو گا کوئی دامن گیر بھی

مل گیا غیروں سے قاصد وہم آتا ہے مجھے
نامہ بر بدلا گیا، بدلی گئی تحریر بھی

یہ نزاکت کیوں اسی برتے پہ دعویٰ قتل کا
کھول دو خنجر کمر سے پھینک دو شمشیر بھی

جو دکھانے کی نہ ہوں چیزیں دکھائے کس طرح
اس نے چہرے ہی کی کھچوائی فقط تصویر بھی

تو نے دیکھا کچھ تماشا دیکھ کر اپنی شبیہ
مٹ گئی ہے تیری شوخی پر تری تصویر بھی

دیکھ کر وہ داغ کی تصویر یہ کہنے لگے
آدمی اچھا ہے اچھی ہو اگر تقدیر بھی

۱۳۳

چل دیئے شکل دکھا کر وہ کوئی کیا دیکھے   دیکھنے کا یہ مزا ہے کہ سراپا دیکھے

عرصۂ محشر میں تجھ کو ڈھونڈ لاؤں تو سہی — کوئی چھپ سکتی ہے،جو صورت ہو پہچانی ہوئی
دیکھ کر قاتل کا خالی ہاتھ بھی جی ڈر گیا — اس کی چین آستیں بھی چین پیشانی ہوئی
کھا کے دھوکا اس بت کم سن نے دامن میں لئے — اشک افشانی بھی میری گوہر افشانی ہوئی
بے کسی پر میری اپنی تیغ کی حسرت تو دیکھ — چشم جوہر بھی بشکل چشم حیرانی ہوئی

بے کسی پر داغ کی افسوس آتا ہے ہمیں
کس جگہ کس وقت اس کی خانہ ویرانی ہوئی

۱۱۹

ہمیں کیا غم قیامت میں جو پرسش ہونے والی ہے
کہ جب وہ فتنہ گر آیا تو پھر میدان خالی ہے

کدورت دل کی جو فریاد کرنے سے نکالی ہے
وہ کہتے ہیں محبت پر ہماری خاک ڈالی ہے

ابھی ہیں بھولی بھولی ان کی باتیں خرد سالی ہے
مگر چتون یہ کہتی ہے قیامت ہونے والی ہے

ہماری توبہ زاہد کی جوانی دونوں بے کس ہیں
نہ کوئی اس کا وارث ہے نہ کوئی اس کا والی ہے

الٰہی کیوں فلک مجھ کو غم فرقت کھلاتا ہے
کہ میں نے ہجر جاناں میں قسم کھانے کی کھالی ہے

دعائیں دے رہا ہوں زیر مرقد اپنے قاتل کو
خدا رکھے اسے جس نے مری حسرت نکالی ہے

ملے تو نے کف افسوس پہروں مرگ دشمن پر
یہ سرخی اس کی ہے ہاتھوں میں یا مہندی کی لالی ہے

شباب ایسا جو ہو اس سے بہار گل کو کیا نسبت
تری اٹھتی جوانی اور اس کی ڈھلنے والی ہے

بیاں کی بے وفائی جب زمانے کی تو وہ بولے
اجی ہم خوب سمجھے صاف تم نے ہم پہ ڈھالی ہے

ہماری چشم گوہر بار کا حلقہ نہ کیوں ڈالا
تمہارے کان میں کب خوش نما موتی کی بالی ہے

دل مضطر کو تھامے پھر رہا ہوں میں شب فرقت
نہ میرے پاؤں خالی ہیں، نہ میرا ہاتھ خالی ہے

ذرا دیکھو تو مشتاقوں کا مجمع روزن در سے
ہوئی ہے بھیڑ بھاڑ ایسی کہ پھرتی سر پہ تھالی ہے

ہوا ہے چار سجدوں پر یہ دعویٰ زاہدو تم کو
خدا نے کیا تمہارے ہاتھ جنت بیچ ڈالی ہے

رقیبوں سے اشارے کرکے تم ہم کو مٹاتے ہو
تمہارے دست مژگاں سے ہماری پائمالی ہے

اٹھا لیں لطف کوئی دن کہاں پھر ہم کہاں پھر تم
برا وقت آنے والا ہے، جدائی ہونے والی ہے

وہ لکھیں گے تجھے خط کا جواب اے داغ کیا کہنا
یہ تونے خواب دیکھا ہے کہ مضمون خیالی ہے

۱۲۰

یہاں شکوے پہ شکوہ ہے وہاں گالی پہ گالی ہے
بہت کچھ ہوتی رہتی ہے بہت کچھ ہونے والی ہے

جوانی کی امنگیں ہیں، طبیعت لا ابالی ہے
نہ تم دنیا میں خالی ہو، نہ دنیا تم سے خالی ہے

تری تصویر کی شوخی بھی دنیا سے نرالی ہے
کہ اس شوخی پہ یہ تمکیں نہ جھڑکی ہے نہ گالی ہے

مجھے گھر کاٹے کھاتا ہے تو بستر پھاڑے کھاتا ہے
شب فرقت میں کیا شیر نیستاں شیر قالی ہے

کہاں قسمت کہاں ہمت کہاں طاقت جو میں پہنچوں
کہ منزل عشق کی کچھ عرش اعلیٰ سے بھی عالی ہے

سمندر کیوں نہ پی جائے وہ مے آشام اے ساقی
خم گردوں کو جو سمجھے کہ چھوٹی سی پیالی ہے

ترا کینہ نہ کھلتا تھا ذرا انصاف کر ظالم
تری باتوں سے دل کی بات چن کر ہم نے کیا لی ہے

بھری ہیں حسرتیں ہی حسرتیں اس خانہ دل میں
مگر دیکھو تو پھر یہ گھر کا گھر خالی کا خالی ہے

یہ چالیں آسماں کی کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتیں
کسی کی سرفرازی ہی کسی کی پائمالی ہے

لب معجز نما سے گالیاں دی ہیں جو ہنس ہنس کر
مری تصویر میں بھی تم نے گویا جان ڈالی ہے

کبھی ہے اس کی چوکھٹ پر کبھی ہے اس کے قدموں پر
ازل سے میری پیشانی بڑی تقدیر والی ہے

بچا تھا برق و صرصر سے بمشکل آشیاں اپنا
نظر صیاد کی اب پتے پتے ڈالی ڈالی ہے
خدا جانے کہا کس کو ستم گر راہ چلتوں نے
خفا کیوں ہو کوئی بازار کی گالی بھی گالی ہے
جہاں دیکھو حسینوں کا ہے مجمع عاقبت میں بھی
نہ جنت ان سے خالی ہے نہ دوزخ ان سے خالی ہے
دکن کی سلطنت سے فیض ہے سارے زمانے کو
خدا رکھے بڑی فیاض یہ سرکار عالی ہے
بھری محفل میں تیری داغ کو ہم نے نہیں دیکھا
بھرے ہیں غیر آآکر جگہ اس کی ہی خالی ہے

۱۲۱

غضب کے بانک پن سے تیغ ناز اس نے نکالی ہے
جفا پیاروں کی پیاری ہے' نرالوں کی نرالی ہے
نہ چھوڑی خاک تک مجھ کو وہ شوق پائمالی ہے
ترے قدموں میں جو آئی وہ اپنے سر پہ ڈالی ہے
ترے وزدِ حنا کے پاس دل ہے' تھا گماں مجھ کو
ادھر یہ ہاتھ خالی ہے' ادھر وہ ہاتھ خالی ہے
مری شاخِ تمنا کس طرح سرسبز رہ جاتی
تری تیغِ تغافل نے وہ ڈالی کاٹ ڈالی ہے

یہ دو آنکھیں دو رنگی دیکھتی ہیں اس کے جلوے کی
کہیں شان جلالی ہے، کہیں شان جمالی ہے

لباس ماتمی پہنے ہوئے ہے میرے ماتم میں
اسے میں جانتا ہوں یہ شب فرقت جو کالی ہے

نہیں چھپتی ہے کوئی بات پھر بھی وہ مرے دل کی
ادھر پہنچی ہے کوسوں تک ادھر منہ سے نکالی ہے

بہت دن چاہئیں پہچان کو راہ حقیقت کی
جناب خضر کیا جانیں کہ ان کی خرد سالی ہے

بقا کب مال و دولت کو رہی، قارون کو دیکھو
کہ اس گنج فراواں پر بھی اس کا ہاتھ خالی ہے

تجاہل کہہ رہا ہے جانتے ہیں مجھ کو وہ عاشق
تغافل کہہ رہا ہے آنکھ مجھ سے ملنے والی ہے

نگاہ شرم آگیں میں ہیں کچھ آثار شوخی کے
یہ ناوک چلنے والا ہے یہ برچھی چلنے والی ہے

مہینے بھر کا وعدہ تھا وہ کرتے تیس دن پورے
مگر اتیسویں کا اب کی یہ ماہ ہلالی ہے

سنا ہے محتسب سامان مے خانہ لٹائے گا
مسلمانو! چلو لوٹو کہ جنت لٹنے والی ہے

ذرا سا ہوش آجائے ذرا سا دیکھ لیں جلوہ
سنبھلنے کے لئے ہم نے طبیعت کب سنبھالی ہے

کہاں کا خوف درباں کوئی عاشق باز آتے ہیں
جہاں اک روزن در تھا وہاں دیکھو تو جالی ہے

کسی پر حسر بھی ہو گا یہ آخر قتل ہے کس کا
ابھی خنجر سنبھالا تھا ابھی برچھی نکالی ہے

نئے انداز کا خط ہم نے لکھا دیکھئے کیا ہو
بھرے ہیں سیکڑوں مضموں جگہ مطلب کی خالی ہے

لڑتے مرتے ہیں آپس میں تمہارے چاہنے والے
یہ محفل ہے تمہاری یا کوئی مرغوں کی پالی ہے

نظام الملک نے اے داغ اس فن کو کیا زندہ
کہ اس کی قدر دانی نے سخن میں جان ڈالی ہے

۱۲۲

قیامت کب اس قد کی ثانی نہیں ہے — جوانی جوانی نہیں ہے
بہاتا ہے بے خوف تو اس کو قاتل — لہو ہے یہ عاشق کا پانی نہیں ہے
گھڑی بھر میں کرتے ہو تعریف میری — گھڑی بھر میں وہ مہربانی نہیں ہے
قفس ہی میں جائیں گے ہم گلستاں سے — ہمارا یہاں دانہ پانی نہیں ہے
کہو تو ابھی چیر کر دل دکھا دیں — محبت ہماری زبانی نہیں ہے
مرے مرمٹے دل کو کیا پوچھتے ہو — نشانی کو یہ بے نشانی نہیں ہے
نہ جانو اسے جھوٹ جو کہہ رہا ہوں — مرا حال قصہ کہانی نہیں ہے
سمجھ کر مرا حال پھر پوچھتے ہو — یہ کیا ہے، اگر آہ! کافی نہیں ہے

ہوئے قتل عشاق پر مستعد تم یہ محبت میں چنگیز خانی نہیں ہے
بظاہر مٹائے بہت داغ دل کے مداوائے درد نہانی نہیں ہے
ہوئیں خشک جذب محبت سے آنکھیں یہ دریا وہ ہیں جن میں پانی نہیں ہے
سمجھ سوچ کر دل دیا ہم نے ان کو کوئی آفت ناگہانی نہیں ہے
مزے کیوں نہ لیں خضر عمر ابد کے کہ ان کو غم جاودانی نہیں ہے
سر بام جلوہ دکھاتے ہو سب کو عجب بات ہے لن ترانی نہیں ہے
کبھی داغ اس پر بھروسا نہ کرنا
کسی کی یہ دنیائے فانی نہیں ہے

۱۲۳

کوئی تو محبت میں مجھے صبر ذرا دے
تیری تو مثل وہ ہے نہ میں دوں نہ خدا دے
بے جرم کرے قتل وہ قاتل ہے ہمارا
یہ شیوہ ہے اس کا کہ خطا پر نہ سزا دے
دولت جو خدائی کی ملے کچھ نہیں پروا
بچھڑے ہوئے معشوق کو اللہ ملا دے
کرتا ہے رقیب ان کی شکایت مرے آگے
ڈرتا ہوں کہ مل کر نہ کہیں مجھ کو دغا دے
پھٹ جائے اگر دل تو کبھی مل نہیں سکتا
یہ چاک نہیں وہ جو کوئی سی کے ملا دے
اقرار کیا ہے لب شیریں سے کسی نے
جو بات مزے کی ہو وہ کیونکر نہ مزا دے
تیرے تو برسنے سے ترستا ہے مرا دل
اے ابر کبھی میری لگی کو بھی بجھا دے
تھم تھم کے جلاتا ہے مجھے سوز محبت
گر آگ لگانی ہے تو اک بار لگا دے
یہ دل کا لگانا تو نہیں جس سے ہو نفرت
تو بھی تو جنازے کو مرے ہاتھ لگا دے
ان جلوہ فروشوں سے تو سودا نہیں بنتا
جب مول نہ ٹھہرے کوئی کیا لے کوئی کیا دے

ملتا ہی نہیں جس کا پتا اے دل بے تاب
میں تجھ کو بتا دوں، تو بتا تو مجھے کیا دے

کیا کیا نہ کیا عشق میں اپنی سی ہمت کی
تدبیر سے کیا ہو جسے تقدیر مٹا دے

یا رب خبر مرگ عدو جھوٹ نہ نکلے
جو میں نے سنا ہے اسے آنکھوں سے دکھا دے

میں وصل کا سائل ہوں، جھڑکنا نہیں اچھا
یا اور سے دلوا کسی محتاج کو یا دے

دل سے مہ کامل کے یہ کاہش کوئی پوچھے
اللہ کسی کو بھی بڑھا کر نہ گھٹا دے

عنقا نظر آتے ہیں ہمیں اہل کرامت
درویش وہ کامل ہے جو اپنا سا بنا دے

وہ لطف وہ احسان کرائے چرخ مرے ساتھ
دوں میں بھی دعا تجھ کو مرا دل بھی دعا دے

اے بے خودی شوق یہ احسان ہو تیرا
وہ جان کے غش میں مجھے دامن کی ہوا دے

پیمانے کی حاجت نہیں مجھ تشنہ مے کو
اے پیر مغاں تو مجھے انگل سے پلا دے

اللہ کی کیا شان کریمی ہے اے داغ
جو اس سے طلب کیجئے وہ اس سے سوا دے

۱۲۴

مژدہ اے شوق کہ کچھ خوش خبری آتی ہے
جھومتی آج نسیم سحری آتی ہے

جب صراحی مے گل گوں سے بھری آتی ہے
میں سمجھتا ہوں کہ یہ لال پری آتی ہے

تازگی اس گل رخسار کی کیا پوچھتے ہو
جس کے دیدار سے آنکھوں میں تری آتی ہے

جب سے آنکھوں میں سمایا ہے کسی کا جلوہ
حور آتی ہے سمجھ میں نہ پری آتی ہے

کس بھروسے پہ کرے داغ کچھ اظہار کمال
اس کو کیا بات بجز بے ہنری آتی ہے

۱۲۵

شکایت اس کی چھپاؤں مگر نہیں چھپتی
ادھر نکل ہے منہ سے ادھر نہیں چھپتی

ترے چھپائے دغا کی نظر نہیں چھپتی
یہ چور آنکھ تو اے فتنہ گر نہیں چھپتی

یہ سیر ہے کہ دوپٹا اڑا رہی ہے صبا
وہ جب چھپاتے ہیں سینہ، کمر نہیں چھپتی

تمہاری بات زمانے میں کھل ہی جاتی ہے
یہ بات کیا ہے کہ اس کی خبر نہیں چھپتی

گھڑی ہے دل سے جو تو نے وہ بات تیری ہے
کہ اس کے منہ کی تو اے نامہ بر نہیں چھپتی

جو تڑپے دل تری محفل میں تھام لوں دل کو
مگر چھپائے سے یہ چشم تر نہیں چھپتی

چھپائے سے تہ دامن چھپے چراغ کی لو
لگی ہوئی مرے دل کی مگر نہیں چھپتی

یہ صبح ہجر قیامت کی صبح ہے یا رب
کہ میرے بخت سیہ سے سحر نہیں چھپتی

نگاہ شوخ ہے بجلی کی طرح زیر نقاب
ہزار اس کو چھپاؤ مگر نہیں چھپتی

نفس کے ساتھ ہی پڑتے ہیں لب پہ تبخالے
ہماری سوزش داغ جگر نہیں چھپتی

سحاب میں تو مہ و آفتاب چھپتے ہیں
نقاب میں تری صورت مگر نہیں چھپتی

بدل بدل کے وہ آواز گو بنے سائل
صدائے عاشق شوریدہ سر نہیں چھپتی

بشر نہیں تو فرشتے اڑائے پھرتے ہیں
بری بھلی ترے گھر کی خبر نہیں چھپتی

چھپائیں کیا تری چاہت کو چاہنے والے
جب ایک بار کھلی، عمر بھر نہیں چھپتی

ملے ترانہ بلبل سے کیا مرا نالہ
صدائے نغمہ زن و نوحہ گر نہیں چھپتی

زباں پہ آتے ہی کھلتے ہیں نیک و بد آثار
دعائے بااثر و بے اثر نہیں چھپتی

تری طبیعت روشن اک آفتاب ہے داغ
کبھی چھپائے سے یہ جلوہ گر نہیں چھپتی

۱۳۶

وعدہ نہ کیا تھا یہ کسی اور سے کہئے
پھر ہم سے نہ کہنا یہ کسی اور سے کہئے

جو دل کی حقیقت ہے وہ سننی ہی پڑے گی
کہئے تو سہی کیا یہ کسی اور سے کہئے

۱۳۷

پتھر کا کلیجا نہیں لوہے کا نہیں دل
فرقت میں نہ گھبرا یہ کسی اور سے کہئے

میں داد طلب اور خدا منصف و عادل
تیری نہ سنے گا یہ کسی اور سے کہئے

دنیا کی زبانوں پہ ہے دشمن کی برائی
اچھوں سے ہے اچھا یہ کسی اور سے کہئے

نالہ پس دیوار کسی رات کسی دن
میں نے نہ سنا تھا یہ کسی اور سے کہئے

اچھی کہی تڑپا کے تجھے غیر کے آگے
دیکھیں گے تماشا یہ کسی اور سے کہئے

دھمکا کے مرا حال عبث پوچھتے ہیں آپ
کہنا ہی پڑے گا یہ کسی اور سے کہئے

ملنا نہیں منظور جو مجھ سے تو نہ ملئے
ہے خوف کسی کا یہ کسی اور سے کہئے

ہم آپ کے ہیں، آپ نہیں جانتے ہم کو
کوئی نہیں اپنا یہ کسی اور سے کہئے

دشمن کو برا کہہ کے بھلا کہنے لگے آپ
وہ ہم سے کہا تھا یہ کسی اور سے کہئے

دل دیں گے تو سو طرح کے دعوے بھی کریں گے
کس کا ہے اجارا یہ کسی اور سے کہئے

ہم سا تو وفادار ملا ہے، نہ ملے گا
خالی نہیں دنیا یہ کسی اور سے کہئے

سنتا ہوں زمانے سے برے آپ کے اطوار
جھوٹا ہے زمانا یہ کسی اور سے کہئے

ملتا ہے کہیں داغ سا دنیا میں وفادار
ہم کو نہیں پروا یہ کسی اور سے کہئے

۱۲۷

جور ہم پر یار جو چاہے کرے
دل سے ہیں ناچار جو چاہے کرے

اک زمانہ ہو گیا ہم سے خلاف
چرخ نانہجار جو چاہے کرے

اب دل آزاری کہ دل داری مری
وہ بت عیار جو چاہے کرے

کرکے توبہ پھر ہوا توبہ شکن
سچ تو یہ ہے مے خوار جو چاہے کرے

کیا نہیں ممکن کہ اٹھ جائے حجاب
آپ کا دیدار جو چاہے کرے

ہم کو کیا مطلب کریں کیوں آرزو حسرت دیدار جو چاہے کرے
مجھ پہ چالیں ان پہ جادو رات دن مجمع اغیار جو چاہے کرے
دردمند اچھے ہوں اچھے دردمند نرگس بیمار جو چاہے کرے
طور پر موسیٰ نے باتیں کر ہی لیں طالب دیدار جو چاہے کرے
پہلے شاہد باز ہو پھر آدمی توبہ استغفار جو چاہے کرے
شوخی رفتار نے پیسا ہے دل خوبی گفتار جو چاہے کرے
آنکھ بھی عاشق ہے دل بھی مبتلا اس حسیں کو پیار جو چاہے کرے
آدمی کا ہے خدا پر زور کیا ہے بڑی سرکار جو چاہے کرے
عرش پر ہے اب رقیبوں کا دماغ طالع بیدار جو چاہے کرے
جو نہ چاہے کیوں کرے وہ التجا التجا یار جو چاہے کرے
کھچ گئے ابرو، ہوئی ترچھی نگاہ میرے دل پر وار جو چاہے کرے
کوئی ہے پامال، کوئی سرفراز حسن کی سرکار جو چاہے کرے
کیا صف محشر نہ ہو جائے گی صاف آپ کی تلوار جو چاہے کرے
عیب بیں سے پردہ رکھے آدمی یوں پس دیوار جو چاہے کرے
دل نکما ہو گیا ہے عشق میں پھر بھی یہ بے کار جو چاہے کرے
سچ ہے مرتا کیا نہ کرتا ہجر میں جان سے بیزار جو چاہے کرے
رہ چکے ہم عشق میں پابند وضع دل ذلیل و خوار جو چاہے کرے

داغ جب آزاد ٹھہرا کیا گلا
ہے وہ خود مختار جو چاہے کرے

۱۲۸

مزے فرقت میں تھے خون جگر کے پیا ہم نے خدا کا شکر کرکے

کیئے خنجر سے دو ٹکڑے جگر کے — بنائے تم نے دو گھر ایک گھر کے

مژہ پر آ جمے ٹکڑے جگر کے — مسافر رک گئے دریا اتر کے

کیا اس چشم نے زاہد کو بدمست — پچھے آنسو مرے دامان تر کے

جمی ہے خاک کوئے یار ان پر — پیوں گا پاؤں دھو کر نامہ بر کے

وہ کیسا دن قیامت کا کٹے گا — وہ کیسی رات ہو گی دن گزر کے

شب غم ہائے مجبوری ہماری — بہت روئے خدا کو یاد کرکے

پڑا ہو گا تھکا ماندا سر راہ — بنیں گے نامہ بر ہم نامہ بر کے

چلیں کیونکر نہ وہ اب ٹیڑھ کی چال — قدم تک آ گئے ہیں بل کمر کے

وہی پھر ولولے ہیں اور ہم ہیں — کہیں مٹتی ہیں یہ چوٹیں ابھر کے

نہیں معلوم کیا کہتی ہے خلقت — یہ ہیں چرچے ادھر کے یا ادھر کے

جدائی ہو گئی دو دن میں ان سے — یہ جانا تھا کہ ہم چھوٹیں گے مر کے

جناب داغ اب سنبھلیں گے کیا خاک
کہ یہ بگڑے ہوئے ہیں عمر بھر کے

جھوٹی پیوں رقیب کی مجھ کو حرام ہے — ساقی کے ہاتھ میں تو فقط ایک جام ہے

وہ چشم مست سامنے میرے مدام ہے — ایسے شراب خوار کو توبہ حرام ہے

ہر مرتبہ زبان پہ دشمن کا نام ہے — کیا یہ کلام آپ کا تکیہ کلام ہے

ہم کیا کریں جو سلطنت روم و شام ہے — بے مثل بادشاہ ہمارا نظام ہے

کیا دل وہی کے ساتھ جواب پیام ہے — اے نامہ بر! تجھے تو ہمارا سلام ہے

محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے — یہ طول مدعا ہے تو بس دن تمام ہے

تم اس پہ شیفتہ ہو تو میں بھی فریفتہ
تم سے غرض نہیں مجھے دشمن سے کام ہے
میں عمر بھر سناؤں تمہیں اپنی داستاں
پوچھو اگر تو پھر یہ کہوں ناتمام ہے
صیاد نے رہا نہ کیا اب کے سال بھی
اب ہم کو آب و دانہ قفس میں حرام ہے
آتے ہی کیوں پیام ہے جانے کا" جایئے
گر آپ کو ہے کام تو مجھ کو بھی کام ہے
قاصد نہ کہہ دے غیر سے لب پر لگادیں مہر
افشا نہ ہو کہ شوخ ہمارا پیام ہے
پروانہ ہو کہ شمع برا ہے مال کار
اس کی حرام موت وہ صورت حرام ہے

کہتے ہیں کس کو داغ یہ کیا آپ نے کہا
لے دل میں چٹکیاں یہ اسی کا کلام ہے

۱۳۰

حسن کی تم پر حکومت ہو گئی
ضبط آنکھوں کی مروت ہو گئی
یہ نہ پوچھو کیوں یہ حالت ہو گئی
خود بدولت کی بدولت ہو گئی
لے گئی آنکھوں ہی آنکھوں میں وہ دل
ہوشیاری اپنی غفلت ہو گئی
وہ جو تجھ سے دوستی کرنے لگا
مجھ کو دشمن سے محبت ہو گئی
اس قدر بھی سادگی اچھی نہیں
عاشقوں کی پاک نیت ہو گئی
داغ تمغائے محبت بن گیا
چشم تر مہر شہادت ہو گئی
مان کر دل کا کہا پچھتائے ہم
عمر بھر کو اب نصیحت ہو گئی
کیا عجب ہے گر ترا ثانی نہیں
اچھی صورت ایک صورت ہو گئی
میرے حق میں تیری چشم قہر و لطف
ایک دوزخ' ایک جنت ہو گئی
میری توبہ اس ہوا و ابر میں
باعث کفران نعمت ہو گئی

غیر بھی روتے ہیں تیرے عشق میں — کیا مری قسمت کی قسمت ہو گئی
سن کے حال دل تغافل دیکھنا — کوئی یہ جانے ندامت ہو گئی
پھول ہنستے ہیں ہماری قبر پر — کیوں رنگی شمع تربت ہو گئی
طالب بخشش ابھی سے کیوں ہے دل — کیا گنہ کرنے سے فرصت ہو گئی
اس کی مژگاں پر ہوا قربان دل — تیر تکوں پر قناعت ہو گئی
جب ریاست اپنی آبائی مٹی — نوکری کی ہم کو حاجت ہو گئی
شاعروں کی بھی طبیعت ہے ولی — جو نئی سوجھی' کرامت ہو گئی
آئینے سے شیشہ دل صاف تھا — تم کو منہ دیکھے کی الفت ہو گئی
تیری زلفوں کا اثر تجھ پر نہیں — دیکھتے ہی مجھ کو وحشت ہو گئی
کھیل سمجھے تھے لڑکپن کو ترے — بیٹھتے اٹھتے قیامت ہو گئی
مفت کی پیتے ہیں وہ ہر قسم کی — جن کو مے خانے کی خدمت ہو گی
میرے دل سے غم ترا کیوں دور ہو — پاس رہنے کی محبت ہو گئی
کہتے ہیں کب تک کوئی گھبرا نہ جائے — دل میں رہتے رہتے مدت ہو گئی
نقشہ بگڑا رہتے رہتے غصہ ناک — کٹ کھنی قاتل کی صورت ہو گئی
صبح فرقت ایک دم میں کچھ نہ تھا — زندگی کیا بے مروت ہو گئی

داغ کا دم ہے غنیمت بزم میں
دو گھڑی کو گرم صحبت ہو گئی

۱۳۱

ملح میں تکرار باقی رہ گئی — کچھ کسر ہر بار باقی رہ گئی

جلوۂ دیدار نے بے خود کیا حسرت دیدار باقی رہ گئی
خط کتابت سے تو کچھ نکلا نہ کام نوبت گفتار باقی رہ گئی
بارہا اس نے صفائی ہم سے کی کچھ خلش ہر بار باقی رہ گئی
اس کو بھی اچھا کر اے رشک مسیح نرگس بیمار باقی رہ گئی
مرحلے طے عشق کے اکثر ہوئے منزل دشوار باقی رہ گئی
شوق نظارہ وہاں لے تو گیا چاندنی دیوار باقی رہ گئی
حلق میں تھا نالہ آہن گداز کیا تری تلوار باقی رہ گئی
عشق کے زیر حکومت سب رہے کون سی سرکار باقی رہ گئی
دل میں کیا چھوڑا ہے اب غم نے ترے کچھ ہوس اے یار باقی رہ گئی

داغ کا دل ہو گیا دنیا سے سرد
گرمی اشعار باقی رہ گئی

۱۳۲

کر چکے آہ سحر بھی، نالہ شب گیر بھی
ہم نے دیکھا جو چوکتے یہ تیر بھی وہ تیر بھی

بادۂ غفلت سے اک عالم کو بے خود کر دیا
پیر مے خانہ ہے گویا آسمان پیر بھی

اس نگاہ شوخ و ابرو کے اشارے دیکھنا
تیر بھی اڑتا ہوا چلتی ہوئی شمشیر بھی

ڈھونڈ لے پہلو میں یا سینے میں اے ناوک فگن
کھا گیا زخم جگر کے ساتھ کیا میں تیر بھی

آپ آئے جھٹپٹے میں صبح کو گھبرا کے کیا
رہ گیا در بھی کھلا، ہلتی رہی زنجیر بھی

کیا کہوں کس وقت میں کیا دل سے مانگی ہے دعا
جس کو سنتے ہی دعا دینے لگی تاثیر بھی

اوٹ میں دیوار سے باتیں کیا کرتے ہو تم
سامنے آؤ تو آئے لذت تقریر بھی

اس لئے وحشت میں ہم نے کر دیا ترک لباس
ہو گا جب دامن تو ہو گا کوئی دامن گیر بھی

مل گیا غیروں سے قاصد وہم آتا ہے مجھے
نامہ بر بدلا گیا، بدلی گئی تحریر بھی

یہ نزاکت کیوں اسی برتے پہ دعویٰ قتل کا
کھول دو خنجر کمر سے پھینک دو شمشیر بھی

جو دکھانے کی نہ ہوں چیزیں دکھائے کس طرح
اس نے چہرے ہی کی کھچوائی فقط تصویر بھی

تونے دیکھا کچھ تماشا دیکھ کر اپنی شبیہ
مٹ گئی ہے تیری شوخی پر تری تصویر بھی

دیکھ کر وہ داغ کی تصویر یہ کہنے لگے
آدمی اچھا ہے اچھی ہو اگر تقدیر بھی

۱۴۳

چل دیئے شکل دکھا کر وہ کوئی کیا دیکھے   دیکھنے کا یہ مزا ہے کہ سراپا دیکھے

مشہور راز عشق ہے کس کے بیان سے — میری زبان سے کہ تمہاری زبان سے
فتنہ بنا زمین پہ ہر ذرہ خاک کا — نکلے ہیں بہر سیر وہ جس دم مکان سے
اس دن سے مجھ کو نیند نہ آئی تمام عمر — اک شب ملی تھی آنکھ ترے پاسبان سے
یہ خاک میں ملائے تو وہ ہو ستم شریک — مجھ کو زمیں سے لاگ انہیں آسمان سے
لینا سنبھالنا کہ مرے ہوش اڑ چلے — آتا ہے کوئی مست قیامت کی شان سے
مجھ سے نظر ملا کے تم ابرو میں بل نہ دو — سیدھا چلے گا تیر نہ ٹیڑھی کمان سے
بازار عشق میں ہیں بہت دل جگہ جگہ — دیکھیں وہ مول لیتے ہیں کس کی دکان سے
شوریدہ سر وہ ہوں کہ اسے سر سے توڑ دوں — گر سنگ حادثہ بھی گرے آسمان سے
ازراں کرے فروخت اگرے فروش عشق — لینے لگیں فرشتے بھی اس کی دکان سے
گزری ہے آزمائش مہر و وفا میں عمر — فرصت مجھے ملی نہ کبھی امتحان سے
دل بھی بچا، جگر بھی بچا، خیر ہو گئی — تیر نگاہ پار ہوا درمیان سے
میں تم کو ناگوار ہوں، دل مجھ کو ناگوار — تم مجھ سے تنگ اور ہوں میں تنگ جان سے
ہاں ہاں ترا رقیب سے بے شک ہے ربط ضبط — رتبہ یقین کا ہے زیادہ گمان سے
مہر و وفا کا نام ہے اب بات بات پر — یہ سن لیا ہے آپ نے کس کی زبان سے
کیسا کھلا ہے پھول جب آیا بہار پر — پوچھے تو کوئی لطف جوانی جوان سے
دانستہ آتے جاتوں سے لڑتا ہے رات دن — پھر ہو پڑی تھی آج ترے پہنان سے
اس خوبرو کو بزم حسیناں میں دیکھئے — کرتا ہے آن بان بڑی آن تان سے

اے داغ اس کی خیر مناتا ہے آدمی
کوئی عزیز بڑھ کے نہیں اپنی جان سے

۱۴۹

یہ دل لگی بھی قیامت کی دل لگی ہو گی — خدا کے سامنے جب میری آپ کی ہو گی

ترے شہید تبسم کی وہ خوشی ہو گی ۔ دہان گور پہ بے ساختہ ہنسی ہو گی

تمام عمر بسر یوں ہی زندگی ہو گی ۔ خوشی میں رنج، کہیں رنج میں خوشی ہو گی

خطائے عشق کی توبہ نہ جیتے جی ہو گی ۔ ہزار بار ہوئی اور پھر وہی ہو گی

جفائے تازہ کی دھمکی نہ دیجئے ہم کو ۔ ہمیشہ ہوتی ہے، کیا آج ہی نئی ہو گی

وہاں بھی تجھ کو جلائیں گے، تم جو کہتے ہو ۔ خبر نہ تھی مجھے جنت میں آگ بھی ہو گی

تری نگاہ کا لڑنا مجھے مبارک ہو ۔ یہ جنگ وہ ہے کہ آخر کو دوستی ہو گی

سلیقہ چاہئے عادت ہے شرط اس کے لئے ۔ اناڑیوں سے نہ جنت میں مے کشی ہو گی

غم فراق ہمیں کھا نہ جائے گا ظالم ۔ ہزار سال جئیں گے جو زندگی ہو گی

مئے طور کا بھی وصف سن نہیں سکتے ۔ ہماری طرح سے توبہ کسی نے کی ہو گی؟

مزا ہے ان کو بھی مجھ کو بھی ایسی باتوں کا ۔ جلی کٹی یوں ہی باہم کٹی چھنی ہو گی

غم فراق میں آثار ہیں ردی اپنے ۔ جو بچ گئے تو نئے سر سے زندگی ہو گی

جمے گا رنگ نرالا شب وصال رقیب ۔ لب عدو پہ لب یار کی مسی ہو گی

ہمارے غم کدۂ دل سے یہ برستا ہے ۔ کسی زمانے میں شادی یہاں رچی ہو گی

رہیں گے کیا یوں ہی اے نامہ پیام و سلام ۔ ہماری ان کی ملاقات بھی کبھی ہو گی

کسی کی لائے ہیں تصویر حضرت ناصح ۔ لگائے دیتے ہیں یہ حکم ہم بری ہو گی

وہاں بھی وعدۂ فردا کرو گے کیا مجھ سے ۔ قیامت ایک کے بعد اور دوسری ہو گی

قلم نہ ہو کہیں روز حساب اے ناصح ۔ وہاں بھی تیری زباں چار ہاتھ کی ہو گی

ہمارے کان لگے ہیں تری خبر کی طرف ۔ پہنچ ہی جائے گی جو کچھ بری بھلی ہو گی

مجھے ہے وہم یہ شوخی کا رنگ کل تو نہ تھا ۔ رقیب سے تری تصویر بھی ہنسی ہو گی

ملیں گے پھر کبھی اے زندگی خدا حافظ ۔ خبر نہ تھی یہ ملاقات آخری ہو گی

دعائے وصل بتاں مانگتا ہوں کعبے میں ۔ خدا کے گھر میں کسی شے کی کیا کمی ہو گی

رقیب اور وفادار ہو خدا کی شان!
بجا ہے اس نے جفا پر وفا ہی کی ہو گی

یہ مدعا دل بے مدعا سے ہے ہم کو
نہ دوستی کبھی ہو گی، نہ دشمنی ہو گی

نصیب لذت آزار عشق ہو تو سہی
یہ جانتا ہوں کہ مر مر کے زندگی ہو گی

نہ دیکھے نفع و ضرر کو تو کیا ہے وہ انسان
ہماری آنکھ کی پتلی نہ آدمی ہو گی

نگاہ شوخ ہی کچھ دے جواب چل پھر کر
تمہاری چال کی کس سے برابری ہو گی

بہت جلائے گا حوروں کو داغ جنت میں
بغل میں اس کی وہاں ہند کی پری ہو گی

۱۵۰

انہیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے
نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے

ترے ہاتھوں غبار کشتگاں سے
زمیں ٹکرا رہی ہے آسماں سے

کھلا کب مدعا ان کے بیاں سے
زبانی خرچ تھا خالی زباں سے

پریشاں وہ اٹھے خواب گراں سے
مری فریاد ہے آہ و فغاں سے

ملا تھا یا نہیں اس دل ستاں سے
ترا آنا ہوا قاصد کہاں سے

وہ توڑیں عہد لیکن فکر یہ ہے
خدا نکلے گا کیوں کر درمیاں سے

تمہاری بات لگتی ہے مجھے تیر
نگہ کا کام لیتے ہو زباں سے

ذرا نرمی بھی کر اے سخت جانی
تھکا جاتا ہے قاتل امتحاں سے

کہوں کیونکر تری باتیں ہیں جھوٹی
زباں پکڑی نہیں جاتی زباں سے

خبر ادنیٰ کی ہے اعلیٰ کو معلوم
زمیں کی پوچھتا ہوں آسماں سے

لگا ہے سنگ مقناطیس گویا
جبیں اٹھتی نہیں اس آستاں سے

سوال وصل پر چپ ہو گئے کیوں
زباں کا کام لیتے ہیں زباں سے

جہاں کے ہو رہے بس ہو رہے ہم قفس بھی کم نہیں ہے آشیاں سے
وہ کوہ طور تھا موسیٰ کا حصہ الٰہی میں تجھے دیکھوں کہاں سے
عدو بھی اب تو مجھ پر رحم کھا کر سفارش کر رہے ہیں آسماں سے
تم آئے مہماں کیوں غیر کے ساتھ لگا لائے یہ پنچھلا کہاں سے
نظر پر کیوں چڑھا کر مجھ کو پٹکا گرایا کیوں زمیں پر آسماں سے
اگر ہو آنکھ لو سرمہ بنائیں خضر بھی میری گرد کارواں سے
بنا دے کوئی مسجد بت کدے پر کہ دہرا فیض ہو دہرے مکاں سے
مزا ہے ان سے ہو گی گفتگو تیز زباں کے لیں گے چٹخارے زباں سے
دم آخر جو دوں دم توڑ کر جاں نہ ہو گا یہ کبھی مجھ ناتواں سے
وہی کہتا ہوں میں سنتا ہوں جو کچھ ملی ہے یوں زباں ان کی زباں سے
تری محفل سے یہ میں جا کے لایا کہ چل کارے ملے مجھ کو وہاں سے
گئی بے کار سازش اپنی افسوس کہ خدمت چھن گئی اس پاسباں سے
انہیں جس بات سے تھی سخت نفرت وہی بے ساختہ نکلی زباں سے
گیا ہوں پہلی منزل تک تو مر کر اب آگے جاؤں گا کیونکر وہاں سے
ہجوم آرزو نے دل کو چھوڑا جدا ہے میر منزل کارواں سے
نظر آتی نہیں کچھ موت کی راہ یہ آجاتی ہے کیا جانے کہاں سے

ترے در پر جگہ ہے داغ کی گرم
گیا ہے وہ ابھی اٹھ کر یہاں سے

۱۵۱

ازل میں شرح لکھ کر میرے غم کی بری حالت ہوئی لوح و قلم کی

نہیں فرصت جنوں سے ایک دم کی　ہمارے سر میں گردش ہے قدم کی
چلیں گے سر کے بل اس رہ گزر میں　نہ ہو گی ہم سے پابندی قدم کی
خدا جانے اسے کیا لکھ دیا حال　زباں پکڑی نہیں جاتی قلم کی
تری آنکھوں سے کیا نرگس کو نسبت　کہ وہ کم بخت اندھی ہے جنم کی
شب وعدہ رہا یہ شغل اپنا　گئی گنتی ترے قول و قسم کی
نہیں ہوتے ہمارے ہاتھ سیدھے　بلائیں لی تھیں زلف خم بخم کی
ترے کوچے سے روتا کون گزرا　کہ مٹی جم گئی نقش قدم کی
پڑے ہیں نیم جاں عاشق ہزاروں　نہ کرنی تھی جفا اس نے نہ کم کی
حیا آمیز ہے طرز تغافل　ستم میں بھی ادا ہے کس ستم کی
غنیمت ہو گئی صبح شب وصل　ہوا خوابی نسیم صبح دم کی
کبھی ہوں اس گلی میں نقش دیوار　کبھی اس بزم میں تصویر غم کی
ان آنکھوں کی ذرا مستی تو دیکھو　نگاہوں میں بھی لغزش ہے قدم کی
مرے دل میں حسینوں کا ہے مجمع　یہی جنت تو روکش ہے ارم کی
یہاں آئے ہیں جانے کے لئے ہم　یہ ہستی پہلی منزل ہے عدم کی
دم رخصت وہ جانے کا اشارہ　وہ انگڑائی جمائی صبح دم کی
جو یہ نکلا تو گویا جان نکلی　بڑی دولت ہے دنیا میں بھرم کی
دبا دو خاک میں مجھ کو کہ مجھ پر　نشانی ہو کسی نقش قدم کی
مری مشکل ابھی ہوتی ہے آساں　الٰہی دیر ہے تیرے کرم کی
تم ہی اپنی جفا پر غور کر لو　مجھے حاجت نہیں اظہار غم کی

عدو پڑھتے ہیں سیفی حضرت داغ
پڑھو اب فاتحہ تم اپنے دم کی

نہ لکھی جائے جب بھی شرح غم کی
زباں گر ہاتھ بھر کی ہو قلم کی

بڑی حجت سے ٹھہری تھی قسم کی
جو وقت آیا تو اب دیتے ہیں دھمکی

یہی ہے مختصر حال شب وصل
خدا نے دن بڑھایا رات کم کی

کیا کیوں سجدہ اس کی رہ گزر میں
لکیریں مٹ گئیں نقش قدم کی

کرے کس کس سے کوئی بدگمانی
وہاں ہیں سیکڑوں قسمیں قسم کی

حنائی فندق اس کی لائے گی رنگ
یہ چنگاری اگر چمکی تو چمکی

فغاں بھی دے رہی ہے شادیانے
مچی ہے دل میں شادی کس کے غم کی

ہم اس در کے گدا ہیں جس کی چوکھٹ
زیارت گاہ ہے دیر و حرم کی

شکست دل میں بھی طرز و ادا ہے
تمہارے عہد و پیمان و قسم کی

شمیم کاکل مشکیں نے مل کر
ہوا باندھی نسیم صبح دم کی

ہمارے ساتھ کھانے کی نہ کھاتا
قسم میں صاف آمیزش ہے سم کی

مجھی پر لطف ہے تیرے غضب کا
مجھی پر مہربانی ہے ستم کی

لگایا تم نے بٹا نقد دل کو
پرکھ سیکھو کھری کھوٹی رقم کی

مزا کیا زندگی کا عاشقوں کو
کہ ہستی میں ہے کیفیت عدم کی

ہوا جنت میں بھی نعمت کا خواہاں
کہیں پوری نہیں پڑتی شکم کی

ملے گر اس کے ملنے کی مجھے راہ
کروں طے اک قدم میں سو قدم کی

تمنائے دلی کی انتہا کیا
بہت کچھ آرزو کی پھر بھی کم کی

مرے ہر لفظ خط میں دو ہیں پہلو
نہ کیوں ہوں دو زبانیں ہیں قلم کی

وہ آتش پا ہیں راہ شوق میں ہم
کہ بجلی ہے زمیں نقش قدم کی

جناب داغ پھر عاشق ہوئے ہیں مناٸیں خیر حضرت اپنے دم کی
الٰہی دے محبت داغ کو تو
شفیع المذنبیں شاہ امم کی

۱۵۳

کئی دن سے خوشامد کر رہا ہے آسماں میری
الٰہی دل ہی دل میں گھٹ کے رہ جائے فغاں میری

زبانی حال دل کہہ دوں جو یاری دے زباں میری
کہ دفتر لکھتے لکھتے گھس گئی ہیں انگلیاں میری

تم آگے داور محشر کے سننا داستاں میری
وہاں کب چوکتا ہوں' پیش چلتی ہے جہاں میری

وہ ابرو تان کر بیٹھے تھے' جب میں نے سبب پوچھا
تو جھنجلا کر کہا "کیا تیر ہو جائے کماں میری"

تمہیں کیا قدر ہے دنبالہ چشم سخن گو کی
بدلتا ہوں بدل لو اس زباں سے تم زباں میری

بھرم اس کا رہا دل میں' رہی ضبط محبت سے
وگرنہ توڑتی کیا عرش کے تارے فغاں میری

تمہیں دل دینے والا کون ہر پھر کر وہی اک میں
یہ شامت اور کس کی آئی ہے اے مہرباں میری

یہ نذرانہ عجب شے ہے کہ دشمن دوست بنتے ہیں
سفارش ان سے اب کرنے لگا ہے پاسباں میری

وہ جس دن وصل کی شب بن سنور کر پاس بیٹھے ہیں
بلائیں لیتے لیتے تھک گئی ہیں انگلیاں میری

پکڑتی ہے زمیں میرے قدم کیوں کوئے قاتل میں
الٰہی خیر ہو تربت بنے گی کیا یہاں میری؟

عدو سے ان سے ان بن ہے وہ آپس میں لڑیں جھگڑیں
مری تقصیر کیا' کیوں آئی شامت ناگہاں میری

تری بیداد کی جب میں خدا سے داد چاہوں گا
طرف داری قیامت میں کرے گا پاسباں میری

جو تم روکو نہ مجھ کو تو کہوں چبھتی ہوئی ایسی
کلیجے میں عدو کے نیل ڈالیں چٹکیاں میری

وہ کہتے ہیں کہ میں ہوں تلخ گو بوسہ نہ مانگو تم
نہ شیریں ہے' دہن میرا' نہ میٹھی ہے زباں میری

تجھے فرصت کہاں ہے اے اجل عالم کے چکر سے
برا کیا تھا جو ہوتی ہجر کی شب میہماں میری

بھلا ایذا طلب مجھ سے کہیں پیدا بھی ہوتے ہیں
بجا ہے گر بلائیں لے بلائے آسماں میری

کہا جب وصل کے وعدے کو تو مجبور ہو ہو کر
وہ کہتے ہیں اٹھتی ہی نہیں اس پر زباں میری

جب اپنا ہاتھ رکھا سینہ پر داغ پر میں نے
بنی ہیں پنج شاخہ جل کے پانچوں انگلیاں میری

فقط اک خوب روئی سے بنا کرتا ہے کیا انساں
تمہیں سانچے میں ڈھالا' ہیں یہ ساری خوبیاں میری

خدا بھی یاد کرتا ہے وہ بت بھی یاد کرتا ہے
گواہی دے رہی ہیں دو طرح کی ہچکیاں میری

گئے تھے سیر کو گلشن کی، دونوں لٹ کے آئے ہیں
ادا ان کی اڑائی گل نے، بلبل نے فغاں میری

قدم رکھا تھا یہ کس نے کہ ہر شیخ و برہمن کو
تبرک ہو گئی اس دن سے خاک آستاں میری

نظام الملک آصف جاہ محبوب علی خاں نے
زمانہ جانتا ہے قدر جیسی کی یہاں میری

سناؤں کس کو جو کچھ عمر بھر آنکھوں سے دیکھا ہے
کہ طولانی بہت اے داغ ہے یہ داستاں میری

۱۵۴

ہائے وہ بانکی ادائیں اس بت مے خوار کی
شوخیاں گفتار کی، اٹکھیلیاں رفتار کی

کیا مزا دیتی ہے وحشت میں خلش آزار کی
توڑ کر دل میں چبھو لیتا ہوں نوکیں خار کی

تاب نظارہ کسے کیا شکل دیکھوں یار کی
کوندتی رہتی ہے بجلی آتش رخسار کی

آگئی تجھ پر طبیعت کافر و دیں دار کی
رشتہ داری ہو گئی تسبیح سے زنار کی

حضرت موسیٰ نے دیکھا آ کے اس دنیا میں کیا
ہو رہیں ان کی تو آنکھیں ایک ہی دیدار کی

صبح مسجد کو گئے ہم شام کو مے خانے میں
رات کو ہم نے اڑائی، صبح استغفار کی

کان سننے کے لئے ہوں، دل سمجھنے کے لئے
قلقل مینا میں ہے آواز استغفار کی

آپڑی ہے بحث میرے قطرہ ہائے اشک سے
آج بوندیں گن رہا ہوں ابر گوہر بار کی

اس کو کھلتے ہی نہ دیکھا بارہا آئی بہار
میرے دل کی ہے کلی کیا جانے کس گلزار کی

جو نگاہ سرمہ گیں تھی ہو گئی وہ شرم گیں
باڑ چڑھ کر آب اتری ہے تری تلوار کی

یوسف مصری کے بکنے پر عبث ہے اعتراض
ہم سمجھتے ہیں مٹھائی تم کو بھی بازار کی

آہی جاتی ہے طبیعت لوٹ ہی جاتا ہے دل
کیوں بنا دی ہے خدا نے تیری صورت پیار کی

تیرے دل میں بل ترے دل میں گرہ اے کینہ جو
ابروے خم دار کا ہے، کاکل خم دار کی

یا الٰہی کوئی محشر میں نہ ہو میرا رقیب
ورنہ لٹ جائے گی دولت سب ترے دیدار کی

موت بھی سو بار آئی اور الٹی پھر گئی
شکل پہچانی نہیں جاتی ترے بیمار کی

تم نے کچھ جانا بھی ہے اپنی نگاہ ناز کو
تم کو بھی پہچان ہے اچھی بری تلوار کی

جو ہیں عالی رتبہ ان کو کیا سہارا چاہیئے
سقف گردوں کے لئے حاجت نہیں دیوار کی

اس کی ناکامی کو یا میں جانتا ہوں یا خدا
وہ دعائے وصل جو میں نے ہزاروں بار کی

نیند آئے گی نہ تم کو پہلوئے دشمن میں بھی
مان لو منت ہمارے دیدۂ بیدار کی

دو قدم چل چل کے گرتے ہیں طریق عشق میں
ٹھوکریں ہیں منزلیں اس راہ ناہموار کی

کیا کروں اے اہل جنت کچھ نظر آتا نہیں
میری آنکھوں میں بھری ہے خاک کوئے یار کی

ہم نشیں سے بدگمانی نامہ بر ہے لالچی
کس سے پوچھوں کیا ہے کیفیت مزاج یار کی

چاک کرکے دل مرا قاتل نے سو ٹکڑے کیئے
دھجیاں کیا کیا اڑائیں زخم دامن یار کی

حسرت عمر ابد نے مار رکھا ہے مجھے
زندگی میری جناب خضر نے دشوار کی

اس کی صورت دیکھ کر کر لیں گے وہ مجھ پر قیاس
اپنے بدلے بھیج دوں تصویر میں غم خوار کی

فرقت دلدار میں گھر کاٹے کھاتا ہے مجھے
کیا بھیانک ہو گئی صورت در و دیوار کی

کیوں نہ جاتی آسماں پر آسماں سے عرش پر
کیا مری آہ رسا بھی آہ تھی بیمار کی

اس زمیں میں اور بھی اے داغ تم لکھو غزل
جب طبیعت راہ دے، پھر کیا کمی اشعار کی

۱۵۵

یہ نئی صورت نکالی آپ نے تکرار کی
صلح میں بھی آنکھ لڑنے کے لئے تیار کی

نازکی نے ان کی آسانی مری دشوار کی
دہرے ہو جاتے ہیں اکثر جھوک سے تلوار کی

کیوں نہ ہوتی آزمائش طالب دیدار کی
لن ترانی اک ادائے خاص تھی گفتار کی

سیر سے جاتی ہے کب دیوانگی بیمار کی
میرے دل کو تیر لگتی ہے ہوا گلزار کی

حرف مطلب سنتے ہی تکرار سی تکرار کی
واہ کیا کہنا ترا کیا بات اس گفتار کی

گر کرے توقیر اپنے طالب دیدار کی
لوٹے قدموں پر تجلی شعلہ رخسار کی

دیکھ لیں وہ بھی بہاریں اس نئے گلزار کی
نامہ بر تصویر لے جا سینہ افگار کی

ہر نگہ میں فتنہ ہے، ہر فتنے سے محشر بپا
شوخیاں چھین لیں تری آنکھوں نے بھی رفتار کی

دور ہو درد محبت اور دل چاہے شفا
کیا مجال آزار کی، کیا جان ہے بیمار کی

چین جب دل کو نہیں آتا تو کب آتی ہے نیند
کب پلک جھپکی ہمارے دیدۂ بیدار کی

سخت جانوں کا کیا ہے فیصلہ ہر وار میں
نوک اچھی رہ گئی قاتل تری تلوار کی

سینہ پر داغ میرا دیکھ کر اس نے کہا
رنگ ہے گلشن کا اس میں بو نہیں گلزار کی

کیا مرض اپنا مریض عشق ہو کر چھپ سکے
وہ بتا دیتے ہیں صورت دیکھ کر بیمار کی

کوئی کہہ دے ان سے جا کر اب نہ غفلت چاہئے
مرنے والی کو ہے حسرت آخری دیدار کی

سر میں سودا بھر گیا جب زلف اس کی دیکھ لی — دل میں برچھی گڑ گئی جب آنکھ اس سے چار کی

خشت قبر محتسب اس میں لگا پیر مغاں — پاک ہو جائے عمارت خانہ خمار کی

چوگنی ہو عمر یا رب، چوگنی ہو سلطنت — میرے آقا کی، مرے شہ کی، مرے سرکار کی

عشق کے ہاتھوں ہوئی ہیں داغ کی بربادیاں
کیا حقیقت پوچھتے ہو اس خدائی خوار کی

۱۵۶

اس چوٹ کو پوچھے کوئی اس خستہ جگر سے — اترا جو ترے دل سے، گرا تیری نظر سے

اس طرح گزرتے ہیں تری راہ گزر سے — جو پاؤں کا ہے کام وہ ہم لیتے ہیں سر سے

دو چار بہے اشک تو کیا دیدۂ تر سے — بارش کا مزا یہ ہے کہ جو ٹوٹ کے برسے

پروانوں نے گھیرا ہے شب غم مجھے آکر — لو شمع کی اٹھتی ہے مرے داغ جگر سے

محفل میں رقیبوں کی بلایا تو ہے اس نے — جائیں گے وہاں ہم بھی کفن باندھ کے سر سے

دم لے کے چلا جاؤں گا مے خانہ ہے نزدیک — اے شیخ بہت دور ہے مسجد مرے گھر سے

کیوں خون برستا ہے تری آنکھ سے ظالم — کیا رنگ اڑایا ہے مرے دیدۂ تر سے؟

معشوق پہ ہر حال میں عشاق ہیں قربان — پروانوں کی الفت نہ گئی شمع سحر سے

کیا ان کی حقیقت ہے کہ تشبیہ انہیں دوں — غنچے کو ترے لب سے، رگ گل کو کمر سے

وہ کوئی گھڑی دید کے قابل تھی لڑائی — جب چھوٹ لڑی، ان کی نظر میری نظر سے

میری نہ بجھی پیاس تو جھنجلا کے سر بزم — ساقی نے سبو کھینچ کے مارا مرے سر سے

یوسف کی محبت کو زلیخا سے تو پوچھو — گو حضرت یعقوب کو تھا عشق پسر سے

دیکھا کہ سوا کس میں ہے نرمی و نزاکت — رخسار ملے آج انہوں نے گل تر سے

آلودہ ہم ہی کرتے ہیں یوں قتل پر اپنے   تلوار ہم ہی باندھتے ہیں ان کی کمر سے

اے داغ مصیبت ہے حیات ابدی بھی
اس رنج کو پوچھے کوئی الیاس و خضر سے

۱۵۷

آگاہ جو ہوتے ہیں مرے زخم جگر سے   اب آنکھ چراتے ہیں وہ اپنی بھی نظر سے
کیوں قبر عدو بارش رحمت کو نہ ترسے   وہ دوزخی ایسا تھا کہ انگارے ہی برسے
راہیں تھیں سبھی بند مرے درد جگر سے   کیا جانے اجل آئی شب ہجر کدھر سے
نقش قدم یار کی مٹی نہ ہو برباد   تر رکھتے ہیں اس واسطے ہم دیدۂ تر سے
اپنے ہی پہ قربان کیا آپ نے اس کو   دشمن کا اتارا نہ اتارا مرے سر سے
اس انجمن ناز سے آیا ہوں بہت خوش   اللہ بچائے مجھے اپنی بھی نظر سے
یہ عاشق و معشوق کی رخصت بھی غضب ہے   پروانے گلے مل کے جلے شمع سحر سے
دیتا ہے وہی کافر و دیں دار کو روزی   خالی نہیں پھرتا کوئی اللہ کے گھر سے
انداز اڑاتے ہیں' لگاتے ہیں نظر بھی   وہ اس لئے چھپتے ہیں حسینوں کی نظر سے
کیا حشر کے دن دولت دیدار ملے گی   دینا نہ پڑے نفع کی امید میں گھر سے
بھولا نہ کبھی قافلہ ملک عدم راہ   جاتا ہے ادھر ہی کو یہ آتا ہے جدھر سے
بت خانے سے گو ہم کو برہمن نے نکالا   بت بھی تو نکالے گئے اللہ کے گھر سے
معشوق جلے دھوپ میں عاشق اسے دیکھے   بلبل نے کیا گل پہ نہ سایہ کبھی پر سے
کعبے سے نکل کر رہے بت دل میں کسی کے   اللہ کے گھر میں گئے اللہ کے گھر سے
اس کے لب جاں بخش و خط سبز کو دیکھو   باہم ہے ملاقات مسیحا و خضر سے

جانا کہ جلائے گا رقیبوں سے یہ مل کر
وہ بزم میں جا بیٹھے الگ داغ کے ڈر سے

۱۵۸

پرائے واسطے جو اپنی جان کھوتا ہے
وہ جاں نثار ہزاروں میں ایک ہوتا ہے

نصیب سوئے تو بیدار کوئی ہوتا ہے
کہ شرط باندھ کے مردے سے وہ تو سوتا ہے

جگر کے داغ پہ دل زار زار روتا ہے
اسی کو ہوتا ہے غم جس کا کوئی ہوتا ہے

کسے نہیں مرے پائے فگار کا صدمہ
کہ پھوٹ پھوٹ کے ہر آبلہ بھی روتا ہے

ہمارے دامن تر کا وہ قطرہ ہے دیکھو
کہ جس میں شیخ بھی دستار کو بھگوتا ہے

تمہیں نکالو گے چن چن کے تم سے ہے امید
ہمارے حق میں جو کانٹے رقیب بوتا ہے

پھنسا دیا ہے مجھے دل نے ورطہ غم میں
یہ ناخدا مری کشتی کو خود ڈبوتا ہے

کہاں ہے زندے کو مردے کی طرح سے آرام
لحد میں چین سے وہ اپنی نیند سوتا ہے

مجھے وہ سوز دروں ہے جو دیکھتا ہے نبض
تو چارہ ساز کا برسوں علاج ہوتا ہے

چراغ شام کا ہوتا ہے صبح کو خاموش
تمام رات کا جاگا سحر کو سوتا ہے

کہا جو غیر کو خارج ہے آدمیت سے
کہا انہوں نے کہ آدم کا وہ بھی پوتا ہے

عجیب عشق کی دیکھیں دو رنگیاں ہم نے
یہی تو داغ لگاتا ہے، یہ ہی دھوتا ہے

شب فراق کی تکلیف سے یقین آیا
مقابل اس کے جنہم میں عیش ہوتا ہے

خدا کا مال ہے جان اور دل ہے دلبر کا
دھرا ہی کیا ہے جو عاشق گرہ سے کھوتا ہے

ہمیشہ ہم نے یہ دیکھا ہے بادہ خواروں میں
کہ چاند عید کا انیسویں کو ہوتا ہے

کسی کی سعی سے ملتا ہے پھل کسی کو کبھی
کوئی نصیب سے کھاتا ہے، کوئی بوتا ہے

کسی کو نفع ہے اس سے کسی کو ہے نقصان
متاع دل کوئی پاتا ہے، کوئی کھوتا ہے

وہ میرے نام کو اس طرح سے ڈبوتا ہے
وہ کھولتا ہے مجھ کو لکھ کے پانی میں
اگر پہاڑ کے پتھر بھی کوئی ڈھوتا ہے
نہیں مجال اٹھائے جو عشق کی سختی
وہ پوچھتے ہیں مرا حال کس تجاہل سے
یہ داغ کون ہے' یہ کس کا ذکر ہوتا ہے

۱۵۹

بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے
عاشق متحمل نہ ہوئے قہر و غضب کے
رہ جاتی ہے پلکوں میں نگہ ضعف سے دب کے
نقشے ہیں یہ اب دیدۂ دیدار طلب کے
یاد آتے ہیں جلسے وہ ہمیں چودھویں شب کے
کس دھوم کے کس لطف کے کس عیش و طرب کے
وہ ہیں مرے مطلب کے وہی ہیں مرے ڈھب کے
جو بھید کی باتیں ہیں رقیبوں سے ملیں گی
تیسرے دن پھول ہوئے بنت عنب کے
یا تیسرے فاقے سے بچے حضرت زاہد
ان پھولوں کی اے داغ بہار آئی ہے اب کے
داغوں سے محبت کے ہے دل صورت گلشن
گلزار کی صورت ہے مگر رنگ نہ خوشبو
ہمراہ خزاں داغ بہار آئی ہے اب کے

۱۶۰

دونوں طرح کا رنگ طبیعت میں چاہیے
کچھ لاگ کچھ لگاؤ محبت میں چاہیے
کچھ بے تکلفی بھی تو خلوت میں چاہیے
یہ کیا کہ بت بنے ہوئے بیٹھے ہو بزم میں
جو بات انتہائے محبت میں چاہیے
وہ ابتدائے عشق میں حاصل ہوئی مجھے
میدان حشر غیر کی تربت میں چاہیے
آئیں گے بے شمار فرشتے عذاب کے
پارا بھرا ہوا مری تربت میں چاہیے
کچھ تو پڑے دباؤ دل بے قرار پر
معشوق کے کہے کا برا مانتے ہو داغ
برداشت آدمی کی طبیعت میں چاہیے

متفرقات
الف

خاکساری آدمی کو چاہئے ہے یہ پتلا اور پیکر خاک کا

کیا ہوا صرف اگر یثرب و بطحا دیکھا دیکھنے والے سے پوچھے کوئی کیا کیا دیکھا
وہ وہ ہے نور کہ پروانہ بنی شمع حرم وہ وہ ہے حسن کہ یوسف کو زلیخا دیکھا
قلب ایوب میں اس صبر کی دیکھی تاثیر چشم یعقوب کو اس نور سے بینا دیکھا
پانی پانی ہیں بہت خجلت نادانی سے
جوش زن ہے یہ نئی طرح کا دریا دیکھا

ایہاالناس! گزرتا ہے زمانہ کیسا اہل اسلام کو آزار ہے کیسا کیسا
ہاتھ سے کھوئی ہوئی چیز کا ملنا ہے محال یوسف زر کے لئے خواب زلیخا کیسا
نقد ہمت کا جو ہو کوئی پرکھنے والا دیکھے ہے کیسا کھرا اور ہے کھوٹا کیسا
چشم پر مردم بیمار کی چھائی غفلت سات طبقوں سے بڑھا آٹھواں پردا کیسا
خون دل پیتے ہیں یہ خون جگر کھاتے ہیں
ان کی قسمت میں بھلا جرعہ صہبا کیسا

کسی کو پنچن کیا اے بندہ پرور ہو نہیں سکتا
جو تم چاہو تو ہو سکتا ہے، کیونکر ہو نہیں سکتا

تمہارا دل مرے دل کے برابر ہو نہیں سکتا
وہ شیشہ ہو نہیں سکتا، یہ پتھر ہو نہیں سکتا

مہینہ، سال، ہفتہ، عشرہ، روز و شب، گھڑی، لحظہ
کوئی کیا وقت آنے کا مقرر ہو نہیں سکتا

یہ ہے بالیدگی آہن کو بھی خون شہیداں سے
نکل کر میاں میں پھر ان کا خنجر ہو نہیں سکتا

مرا قاتل نے سر کاٹا تو میں ممنون ہوں اس کا
زمانے کا کوئی احسان سر پر ہو نہیں سکتا

بے ستوں کاٹنے کی خاک نہ پائی اجرت　　پیشگی کچھ بھی نہ فرہاد نے شیریں سے لیا

ہے مری تحریر پر الزام اس کافر کا یہ　　خط کی پیشانی پہ. کیوں اللہ تو نے لکھ دیا

ہمیں دل لگی ہے کہ ہر نامہ بر کو　　پھراتے پھراتے پریشان کرنا

بادل کبھی پھٹتا ہے تو پھٹ جاتا ہے دل بھی　　گھنگھور گھٹا میں ہے مزا بادہ کشی کا

دلبر سے جدا ہونا یا دل کو جدا کرنا　　اس فکر میں بیٹھا ہوں آخر مجھے کیا کرنا
مرقد پہ مرے آکر بخشش کی دعا کرنا　　اتنا کہے جاتا ہوں اتنی تو وفا کرنا
روٹھے کو مناتے ہیں وہ پیار سے یہ کہہ کر　　تیری تو یہ عادت ہے ناحق کا گلا کرنا
یہ کام تو آساں ہے گر اس پہ کمر باندھو　　میرا بھی بھلا کرنا اپنا بھی بھلا کرنا

معشوق زمانے میں کیا کام نہیں کرتے　　یہ کام تمہارا ہے اچھوں کو برا کرنا

یہ کام نہیں آساں انسان کو مشکل ہے
دنیا میں بھلا ہونا دنیا کا بھلا کرنا

اچھا نہیں اچھا نہیں برتاؤ تمہارا　　دیکھو نہ اتر جائے کہیں بھاؤ تمہارا
اک دم میں پہنچ جاتے ہو اے اہل عدم تم　　رستے میں کہیں بھی نہیں اٹکاؤ تمہارا

کوئی دن رات کو نہیں ملتا　　آدمی بات کو نہیں ملتا

نامہ برا ان سے پخت و پز بھی کی　　یا کہے پر ہی اعتبار کیا

ساتھ ہیں آہ و نالہ و فریاد　　کیا یہ لشکر پرا جما کے چلا

مجھ کو وحشی سمجھ کے یاروں نے　　میرے در پر پڑاؤ ڈال دیا

بوالہوس جان پہ کھیلے تھے مری طرح مگر　　میں نے ہی عشق کے میدان میں پالا جیتا

غیر کی فرقت میں وہ رونے لگے جب زار زار　　میری کشت آرزو پر ہائے پانی پھر گیا

سینہ کہاں جو دل ہی نہیں دونوں لٹ گئے　　یہ بادشاہ عشق تو وہ پائے تخت تھا

غیر پر بھاری ستارے ہیں کئی　　تم اتارا دو کٹورا پھول کا

نہ ہوئی ان سے رہبری میری　　خضر نے اپنا پاؤں کھینچ لیا

نامہ بر میں غضب کی پھرتی ہے　　ایک دم میں جواب لے آیا

بھٹی شراب کی تو چڑھائی ہے مے فروش!　　ہلکا ہوا جو دیگ کا پیندا غضب ہوا

جاگا ہوا تھا رات کا زاہد تھا معتکف　　جب صبح ہو گئی تو وہ پینک میں آگیا

اس نے سب کھول دیا راز مرا　　راز داں پینڈے کا ہلکا نکلا

دیکھئے ہوتا بھی ہے کوئی قبول　　سجدہ کرتے کرتے ماتھا چھل گیا

کچھ کدورت جس سے تجھ کو ہو گئی　　کر دیا پیوند اس کو خاک کا

اپنے مطلب کی لوگ کہتے ہیں　　ان کی باتوں میں تم نہ آجانا

بیمار ہجر آنکھ ذرا کھولتا نہیں　　غفلت کا پردہ اس پہ ہے کیسا پڑا ہوا

گلشن میں مزا بادہ کشی کا نہیں ملتا　　ہے ایسی ہوا بند کہ پتا نہیں ہلتا

تیغ قاتل کی کہوں کیا آب و تاب　　جس کے قبضے میں ہے پتلا نور کا

جلی جو شمع تو دم بھر نہ اس کو تاب آئی　　پتنگ تھا کہ پتنگا تھا اڑ کے جل ہی گیا

وہ شوخ تند جو ہے کیا سخت گفتگو ہے　　جب بات کی تو گویا پتھر سا پھینک مارا

رات دن صدمے دیئے جائے فلک　　ہم نے بھی چھاتی پہ پتھر دھر لیا

اس شوخ نے پردے سے جھلک جس کو دکھادی　　اس تشنہ دیدار نے پانی بھی نہ مانگا

جھتی بھی ہے یہ فسادی بھی　　دل بڑا ہی بکھیڑیا نکلا

طفل سرشک اپنا گرتا نہ چشم تر سے　　قسمت میں اُس کی ہوتا گر پاؤں پاؤں چلنا

خواب میں بھی تو کسی طرح نہ چھوٹا پردہ　　جب مرے سامنے وہ آئے تو پردا چھوڑا

آکے مہماں سب وہ ساماں لے گئے　　میرے سارے گھر کو پٹرا کر دیا

مچلنا طفل دل کا ہے اک آفت　　بہت دی ہم نے پچکاری نہ سنبھلا

پٹیاں جمتی ہیں مسی کی دھڑی جمتی ہے　　آج سامان کدھر کا ہے، کہاں جائے گا

سینے میں آتش غم ہے تو جگر ہے پر داغ　　نہ پڑوس اچھا ہے دل کا نہ پڑوسی اچھا

کیا جانے کیا پڑھ منت پڑھی نامہ بر نے آج　　اس بت کو دو ہی باتوں میں تسخیر کر لیا

حسینوں کا مجمع مری جان دیکھا　　تری بزم دیکھی، پرستان دیکھا

مرے نالہ و آہ سے چرخ ڈر تو　　یہ لشکر کبھی بڑھ کے پسپا نہ ہو گا

عرق شرم میں ہم ڈوب گئے روز جزا　　ہر بن مو سے ہمارے یہ پسینا چھوٹا

گفتگو میں غیر مجھ سے جیت سکتا تھا کہیں　　آپ نے پچر لگائی بھی تو آخر کیا ہوا

چلے تھے بے خود اس کی دھن میں ہم کیا جانے کس جانب
وہ اتر تھا کہ دکھن تھا وہ پورب تھا کہ پچھم تھا

جو عریضہ لکھتے تھے لکھتے ہیں پروانہ وہ اب　　انقلاب دہر نے ادنیٰ کو اعلیٰ کر دیا

قیس تھا اک اجاڑ کا وحشی　　کوہ کن آدمی پہاڑی تھا

اب ہو گیا سرسبز نخل آرزو　　یہ تو کھکل خشک پولا ہو گیا

پڑا ہے کس پری کا سایہ اس پر　　ہمارا دل تو دیوانہ نہیں تھا

اترا جو یہ اتر گئی گٹھری گناہ کی سر تن سے کٹ گیا تو بڑا پاپ کٹ گیا

اس کے دینے کی انتہا کیا ہے جس نے قاروں کو دے کے پاٹ دیا

خوب کی واہ میری دل داری لے کے دل تم نے پاش پاش کیا

کیوں نہ ہو مجھ کو غم طفل سرشک مل گیا خاک میں پالا پوسا

کہتے ہیں عاشق یہ تیری سرد مہری دیکھ کر اب کے بے موسم بڑا جاڑا پڑا، پالا پڑا

بزم دشمن میں جو آنسو گر گیا آبرو پر اپنی پانی پھر گیا

تیغ سفاک ہو گئی بے آب زخم پانی چھڑا گیا دل کا

اس قدر غم نے گھلایا ہے مجھے خون بھی پانی سے پتلا ہو گیا

ہیں ساتھ اشک گرم کے کچھ اشک سرد بھی آنکھوں نے میری خوب یہ پانی سمو دیا

ٹھہرا نہ چاند اس رخ انور کے سامنے مہتاب کا جو نور تھا وہ بھک سے اڑ گیا

ٹھہرا ہمارے آگے نہ شیطان بزم میں لاحول پڑھ کے ہم نے عدو کو بھگا دیا

توسن عمر کی یہ تیز روی کون ہے اس کا بھگانے والا

غیر کیوں بھید سے واقف ہوتا میرے ہم راز نے بھانڈا پھوڑا

سستی نہیں جنس دل یہ سن لو اب بھاؤ چڑھا ہوا ہے اس کا

اس رشک مسیحا پہ یہ بہتان اٹھایا وہ قاتل ارباب وفا ہو نہیں سکتا

دل ظاہری عتاب سے کیا خوف کھا گیا بھبکی میں آگیا تری دھمکی میں آگیا

کون کن سے نہ کٹا غم کا پہاڑ بے ستوں کاٹ کے چیں بول گیا

کیوں نہ لے جاتا وہ خط شوق دم بھر میں وہاں تیز پر اپنا کبوتر کوئی بھنگا تو نہ تھا

توسن عمر ہے رواں سرپٹ یہ فرس پویا نہیں جاتا

غیر سے مڈ بھیڑ ناصح کی ہوئی اس نے حضرت کا بڑا پیچھا کیا

نامہ بر تو سوار جاتا ہے اس طرف تیز پوئیوں جاتا

نظر بازیوں میں ٹپا اس نے کھیلا وہ دنبالہ چشم تھا یا ٹپا تھا

جس وقت ملا دل تری الفت نظر آئی　　آنکھیں ہوئیں بیدا تو مجھے تو نظر آیا

ناصحا خاموش بس بک بک نہ کر　　سر مرا چکرا گیا' بھنا گیا

یہ نہ پوچھو تجھے غم کس کا ہے　　بھید لیتے ہو پرائے دل کا

گل نے جو ہمسری ترے عارض سے کی کبھی　　بلو صبا نے مار کر اس کو بچھا دیا

کیڑے پڑ جائیں زباں میں یا خدا　　ناصح بدمغز بھیجا کھا گیا

بات ان کی ہے جو ہیں پختہ مزاج　　لطف دیتا ہے ثمر پکا ہوا

تیرے بسمل کے تڑپنے میں ہے لطف　　دل کو پکا کرکے قاتل دیکھنا

چھیڑ دو نشتر مژگاں سے اسے　　کھوتا دل کا ہے پکا پھوڑا

اس طرح اس نے کیا پیمان وصل　　ہم یہ سمجھے وعدہ پکا ہو گیا

سینے کے زخم خام ہیں کیا کھائیں خون دل　　اچھا نہ ہو پکاؤ تو لطف طعام کیا

جب بند ہو حقہ تو خفا ہوتا ہے دم بھی　　پینا ہمیں آتا ہے پلانا نہیں آتا

بچ گیا تیر نگہ سے جب دل — اس کے دنبالے نے بلم مارا

عاشق بے تاب تیرے جس جگہ مدفوں ہوئے — اس زمیں میں رات دن بھونچال ہی آتا رہا

کیا بھیڑ بھڑکا ہے قیامت کا الٰہی — اس بزم میں اپنا بھی پتا کچھ نہیں ملتا

آتے ہی چہرے پر نہ وہ ثابت رہے ذرا — بودا ہو کاش رشتہ تمہاری نقاب کا

بھرے بھرے ترے بازو بھرے بھرے ترے گال — جو دیکھے کوئی تو پھر کیوں نہ دم بھرے تیرا

لے کے دل یہ مفت کا احسان مجھ پر دھر دیا — بوسہ دے کر کہتے ہیں نقصان تیرا بھر دیا

بوسہ نہ دیا اس نے مجھے قیمت دل میں — دشنام دیا کہہ کے یہ بیعانہ ہے اس کا

ہم نشینوں نے ان کے ساتھ مرا — بیچ میں پڑ کے فیصلہ نہ کیا

تلوار اٹھانے سے لچکتی ہے کلائی — بیٹھے بھی رہو تم سے مرا کام نہ ہو گا

ہوئے لڑکے تو مے خانے میں داخل — میاں ملا رہے پٹھیل تنہا

ہم نے پھٹکار دیا ناصح کو — کلن کھانے کے لئے آتا تھا

زیور کی نہیں حاجت ہرگز بھی حسینوں کو　　معشوق وہ ہے جس میں بے ساختہ پن ہو گا

آدمی کے لئے لازم ہے کہ موزوں ہو لباس　　قطع بے ڈول ہو انساں کی تو انسان وہ کیا

سنتے ہیں اک جناب مرشد کا　　دختر رز سے آج بیاہ ہوا

بے دھڑک غیر چلے آتے ہیں　　مر گئے آپ کے دربان بھی کیا

دل کو ہم نے اپنے بس میں کر لیا　　کوئی اب چلتا ہے قابو آپ کا

اس کے کوچے میں حشر برپا تھا　　سخت ہنگامہ سخت بلوا تھا

اونچی بن کے وہ قاتل آج نکلا سیر کو
خود تھا سر پر، زرہ بھی تن پہ تھی، بکتر بھی تھا

دکھا کر شکل کھینچا ہے کسی کے حسن نے اس کو
گیا ہے دل ابھی اے ہم دمو! جا کر پکڑ لاتا

اس کا رنگ سبزۂ رخسار گہرا ہو گیا　　جو زبرجد تھا زمرد کا نمونا ہو گیا

سفیدی سے کہاں زردی کو نسبت　　نہیں الماس سے پکھراج اچھا

میرے پیغام بر سے اس نے کہا جھوٹ کا خوب تو نے پل باندھا

دلی کے غدر میں بھی کیا انقلاب دیکھا
آنکھوں کے دیکھتے ہی پل بھر میں کچھ کا کچھ تھا

پھر تو اس بانی بے دو کی بن آئے گی میرے پلے میں اگر داور محشر نہ ہوا

امتحاں میں دل کا بودا تھا عدو گڑگڑا کر پاؤں پر سر رکھ دیا

آگئی دل کی حرارت جوش پر سینہ اپنا آبلوں سے پھل گیا

پورا مہ صیام کریں گے نہ شیخ جی حضرت کا چار دن میں پلیتھن نکل گیا

گر دیکھئے تو فتح و شکست اس میں ہے ضرور شطرنج کی بساط کی ورنہ بساط کیا

اب تو جو کرنا ہے وہ کر لو ستم بعد کو انصاف دیکھا جائے گا

غیر کا ہے رتبہ میرے بعد میں مرتبہ ادنیٰ کا اعلیٰ کب ہوا

ہم تو نالے بھی کیا کرتے ہیں آہوں کے سوا آپ کے پاس نہیں تیر نگاہوں کے سوا

بسیرا لیا طائر روح نے کوئی دن رہا تن میں پھر اڑ گیا

درباں تو آگے در پہ ہیں کیا اس کا بندوبست پیچھا بہت برا. ہے تمہارے مکان کا

پدم سے بھی آگے ہے گنتی میں یہ دن قیامت کا وعدہ ہے وعدہ تمہارا

آگیا جب سے رسول اللہ کے زیر قدم عرش اعلیٰ کا جبھی سے بول بالا ہو گیا

بل کرے گی اب بھی کیا زلف آپ کی جب دل صد چاک شانہ ہو گیا

آخر کو ٹھیک بن گئے وہ مجھ سے بھڑکے آج اتنے پڑے رقیب کہ بھرکس نکل گیا

اشک خوں کا رنگ پھیکا پڑ گیا زخم بھر آئے دل بسمل کے کیا

وہاں دولت مہر و الفت کہاں رقیبوں کا آخر بھرم کھل گیا

ایک طوفان ہوا طفل سرشک چھوٹے لڑکے نے بڑا نام کیا

کون دیکھے جاکے جلوہ طور کا چہرۂ مہ وش ہے بکا نور کا

شعلہ رویوں کا گرم ہے بازار ہے خریدار اک جہاں ان کا

پروا نہیں اس کی جو رسائی نہیں ہوتی — کچھ عرش معلیٰ تو نہیں بام تمہارا

کینہ ور چرخ بھی ہے تم بھی ہو دشمن بھی ہے — پاک طینت ہے وہی جس کا ہو باطن اچھا

دامن سے رشک گل کے اڑی باغ میں جو خاک — بٹنا وہ بن گئی ہے عروس بہار کا

قیامت کرے گی جوانی تمہاری — کہ فتنہ ابھی سے ہے بچپن تمہارا

کانپتی ہے فلک پہ کیوں بجلی — کیا مری آہ سے بخار آیا

مریض عشق کا لرزا جو دل تو کہتے ہیں — یہ اضطراب نہیں ہے اسے بخار آیا

کیوں خال کا اس کے ہے خیال اب مرے دل میں — ہندو کو تو اللہ کے گھر میں نہیں دیکھا

مجھ کو یہ آیا یقیں آتے ہیں وہ — ایسا قاصد نے مجھے بھرا دیا

غیر کی قسمت سے ہوں میں کم نصیب — بانٹ کیسی تھی یہ تھی تقسیم کیا

لو لگائے خدا سے بیٹھے تھے — آگیا بیچ میں خیال ترا

یہ ترک راہ و رسم وفا کا سبب ہوا — ناصح کی بات پر جو گئے ہم غضب ہوا

سمند ناز کی جب باگ اٹھی ہوا پامال کیا لشکر دلوں کا

شمار دیکھئے روز شمار کیوں کر ہو گناہ گار ہے دنیا میں بال بال اپنا

کیوں پھیرتے ہیں اس کو خریدار دیکھ کر کیا جنس دل کا بھاؤ الٰہی اتر گیا

وہ اوپر ہی اوپر ملا غیر سے بڑا پیچ پیغام بر نے کیا

ثمر کیا لائے کیا جانے یہ بڑھ کر اگا ہے دل میں پودا آرزو کا

نہیں سوزش غم سے دل کا نشاں جلا اور جل کر بھسم ہو گیا

شیشہ ہے تری بغل میں زاہد اب تو یاروں نے اسے بھانپ لیا

صوفی سے کہا وجد میں یہ پیر مغاں نے واللہ ہمیں بھاؤ بتانا نہیں آتا

اس قدر گستاخ ہوتا ہے کوئی خوب مجھ پر آپ کا بہرا کھلا

جلا کر اپنے عاشق کو نہ سنبھلی بدن بگڑا ہے کیا شمع لگن کا

خدا پر ہے بھروسہ ناخدا کیا لگا دے گا وہ بیڑا پار میرا

برا کہہ کے کب مول دل کا لگایا   کھرے مال کو تم نے بٹا لگایا

جینا نظر اپنا ہمیں اے دل نہیں آتا   بپھرا ہوا شیر آتا ہے قاتل نہیں آتا

سوزن عیسیٰ کا بخیہ ادھڑتا ہے یہاں   اپنے وحشی کا ذرا چاک گریباں دیکھنا

ناصح تو بات بات میں بڑ مارتا ہے اب   دیوانہ ہو گیا کہ یہ مجذوب ہو گیا

محتسب نے جو نکالا مجھے مے خانے سے   ہاتھ میں جام لیا شیشہ بغل میں مارا

دل ہمارا اب وطن سے اٹھ گیا   آب و دانہ اس چمن سے اٹھ گیا

باقی نہیں نشان کسی کے مزار کا   آسن جما ہوا ہے مرے شہسوار کا

بے ستوں تیشہ فرہاد نے کاٹا تو کیا   کاٹتا جڑ کو قضا کی بھی وہ آلہ ہوتا

بچائے جان کیوں کر تجھ سے تیرا چاہنے والا   نگہ الفت کا پر کلا تو رخ آتش کا پر کلا

یاروں نے پیشتر تو نہ لی کچھ مری خبر   اب پوچھتے ہیں مجھ کو مرے یار کیا ہوا

اتنے کوڑے دل پہ مارے زلف نے   ہائے بے چارے کو الو کر دیا

مقابل اس کے جو ابروئے یار نکل آیا　　ہلال چرخ کا اتنا سا منہ نکل آیا

ہم تو کہتے ہیں وہ تھی کوہ کنی کی علت　　تیشہ فرہاد نے سر پر جو اٹھا مارا تھا

وہ زیادہ یہ کم، الٰہی خیر　　غم تو اتنا ہے دل مرا اتنا

عشق کی عقل سے رہی کشتی　　آخر اس نے اسے اٹھا مارا

کہہ دیا مجھ سے دوست ہے دشمن　　خوب ناصح نے اشغلا چھوڑا

اب تک نہیں ملایا کیوں خاک میں فلک کو　　کیا رہ گیا ادھر میں اڑ کر غبار اپنا

لاکھوں بندھے ہیں وہم اک آفت میں آگیا　　میں تیرے دل کا محرم اسرار کیا ہوا

ہاتھ کب قاتل کا پورا پڑ گیا　　نیم جاں پر ادھورا پڑ گیا

کوئے جاناں کی ہمیشہ ہے بہار　　وہ ارم ہی تھا جو بن کر مٹ گیا

افسانہ مرا سن کے بھلا دیتے ہو یہ کیا　　اس کان سے اس کان اڑا دیتے ہو یہ کیا

اے طائران باغ مبارک ہو زندگی　　صیاد کی غلیل کا ٹوٹا ہے پھٹکنا

واعظ کی بزم وعظ میں کیا بھیڑ بھاڑ تھی — اتنے میں رند آئے تو میدان صاف تھا

زلف نے اس کی مار کر کوڑے — دل عشاق کو ادھیڑ دیا

میں کہوں کچھ تم اور کچھ سمجھو — ایسی الٹی سمجھ کا کیا کہنا

نگہ دوست کا جب ہم نے اشارا پایا — بزم دشمن میں ٹھہرنے کا سہارا پایا

سمجھیں اسے ہم تو لال و یاقوت — مل جائے اگر اگال تیرا

کبھی دیکھے نہ مرا زائچہ کوئی رمال — پڑ نہ جائے مری تقدیر کا پانسا الٹا

جھوٹا جو ہم نے کھا کے تو کھلیا عدو نے غم — تھوڑا سا وہ ہمارا الش تھا بچا ہوا

تجھ سے یہ التماس ہے میرا — غیر کا ہے کہ پاس ہے میرا

اللہ رے پروانے ترا ضبط محبت — جلتا ہے مگر منہ سے کبھی اف نہیں کرتا

نہ انشا ہے صحیح اس کی نہ املا ہے صحیح اس کا
مرا خط غیر سے لکھوا کے بھیجا نامہ بر یہ کیا

سامنا زلف سیہ سے کل جو میرا ہو گیا
کیا مری آنکھوں کے آگے گھپ اندھیرا ہو گیا

وہ جو سرگرم • اختلاط ہوا کس قدر دل کو انبساط ہوا

رنج فرقت میں تری ہم نے اٹھایا کیسا تجھ سے آئندہ ملے گا کوئی ایسا تیسا

دنیا کے کام پورے انسان سے ہوں کیونکر یہ تو وہی مثل ہے "اک سر ہزار سودا"

پھر تیری تیغ ناز نے تڑپا دیا ہے دل پھر میرے دل کے زخم کا انگور پھٹ گیا

لیلتہ القدر میں جاگے ہیں جناب زاہد اونگھتے گزرے گا دن بھر تو تماشا ہو گا

لطف جب ہے کہ غم فرقت میں ایک سا حال ہو میرا ان کا

ساقی کہاں خم اور کہاں شیشہ خیر ہے جو دل میں آگیا وہی اندازہ کر لیا

روکے نہ رکیں جوش پہ آکر مرے آنسو پانی نہ کھڑا ہو کبھی اس سیل رواں کا

نہ کی معاملے کی بات زلف نے تیری سمجھ کے مفت کا مال اس نے دل کو اینٹھ لیا

بات کا میری نہیں دیتا جواب وہ بت کافر تو پتھر ہو گیا

پھس گئے اس کے داؤں میں آخر غیر کا پیچ ان پہ چل ہی گیا

اس کو عیار کہو تم یہ یقیں ہے کس کو غیر کے نام سے آوازہ یہ مجھ پر پھینکا

عدم سے آئے، جائیں گے عدم کو ہماری ابتدا کیا، انتہا کیا

کام سب بن گئے تھے میرے داغ میری قسمت نے پیچ ڈال دیا

ب

بوندا باندی ہو رہی ہے، چلتی ہے ٹھنڈی ہوا ہے کہاں ساقی ادھر آئے چلے دور شراب

تو نے پھکوایا ہے بجلی سے ہمارا آشیاں آتش گل سے یہی کہتی ہے جل کر عندلیب

چھاتیاں اس کی سخت پتھر ہیں ان میں ہمیں نہیں ہے کوئی سیب

پ

روٹھنے کا بھی سبب کوئی ہوا کرتا ہے آپ ہو جاتے ہیں باتوں میں خفا آپ ہی آپ

ٹ

ہوئی ہے مردمک مانند ماہی	پپوٹے آنکھ کے پانی کی ہیں پوٹ

ت

انکار ہے فرض بعد اقرار	یہ تو ہے تری بندھی ٹکی بات

کرتے ہو شکوے تم سہاگ کے وقت	بھیرویں گاتے ہو بہاگ کے وقت

ہاتھ میں ہاتھ لیا ہم نے یہ کہہ کر ان کا	ہے بڑی دیکھیں ہماری کہ تمہاری بالشت

آپ کے منتظر تھے ہم دم نزع	تھا برا وقت آئے اچھے وقت

ہم سے سنتے ہیں کب وہ ساری بات	کہ الٹتے ہیں وہ ہماری بات
بات آئے نہ ہم پر اے قاصد	یوں ادا کیجیو ہماری بات
بات بڑھ جائے گی جو چپ نہ رہوں	خیر اچھی سہی تمہاری بات
بیوفا کہہ کے بے وفا نہ کہو	کیوں بدلتے ہو ایسی پیاری بات
تیغ ان کی زباں ہے وقت سوال	کاٹ دیتے ہیں وہ ہماری بات
کہتے ہو کیوں چبا چبا کر تم	ایسی شیریں ہے کیا تمہاری بات
بات بگڑے نہ تیری اے قاصد	اس سے کرنا بہ ہوشیاری بات

بات دل کی نہ پھوٹ جائے کہیں   رکھ لے میری یہ رازداری بات
بات پر بات یاد پھر آئی   لکھ چکا تھا اگرچہ ساری بات

ایک دن ہم نہ ہوں گے دنیا میں
اور رہ جائے گی ہماری بات

جواب کیوں نہ دیں کچھ اس کا ہم کو دینا ہے
کہ تیر لگتی ہے دشمن کی ہم کو آدھی بات

واہ رے ان کی نازکی کی بات   ان سے اٹھتی نہیں کسی کی بات
اپنے مطلب کی بھی نہیں سنتے   زہر لگتی ہے ان کو میری بات

ج

قبر کیا اچھا مکاں ہے ہم غریبوں کے لئے
فرش کی حاجت نہ جس میں سائباں کی احتیاج

یا الٰہی کچھ خوشی کی ہو خبر   نامہ بر آتا ہے بھاگا بھاگ آج

سب باتوں سے کی توبہ نہیں کچھ غم پرسش   بے باق کیا' پاک کیا ہم نے حساب آج

چرخ اطلس پر بنا دیں بوٹیاں   اس مری آہ شرر افشاں نے آج

غیر سے ہم سے پیچ لڑتے تھے   کیا کٹا ہے جو ہم نے کاٹا پیچ

ح

نامہ بر کو نہیں کچھ عقل تو ذاتی لیکن
جو پڑھاتے ہیں وہ پڑھتا ہے یہ طوطے کی طرح

شیخ جی کے ہاتھ میں پکڑا دی لکڑی رند نے
نشہ بھی تھا اور پیری بھی تھی چلتے کس طرح

لگ گئی آگ ایسی دولت کو کہ روپے بھنتے ہیں چنوں کی طرح

آج باندھی تھی جو اس بت نے مرہٹی ساڑی پنڈلیاں صاف چمکتی رہیں کندن کی طرح

خ

کیسی چھل بل ہے کس بلا کا شوخ وہ پری وش ہے انتہا کا شوخ

د

بہا کرتا ہے چشم تر سے پانی یہ پرنالا کبھی ہوتا نہیں بند

وہ ملیں عید کے جو دوسرے دن عید سے بڑھ کے ہو یہ باسی عید

ر

مانوں گا میں نہ تجھ کو ستم گر کیے بغیر　محشر میں چین آئے گا کیوں کر کیے بغیر
بھولے ہو تم نہ سمجھو گے بات ایک بار کی　مجھ کو نہ بن پڑے گا مکرر کیے بغیر
مجھ کو مزا ہے چھیڑ کا دل مانتا نہیں　گالی سنے بغیر، ستم کیے بغیر

اپنا پیٹا ہم نے مارا دوست کی خاطر سے آج　غصہ آیا تھا بہت دشمن کی صورت دیکھ کر

نالہ سوزاں میں بلبل کے اگر ہو کچھ اثر　بھاگ جائے باغباں بھی دور پتا توڑ کر

باغ جہاں سے نکہت گل کی طرح چلے　مانند سرو ہم نہ رہے پاؤں گاڑ کر

بوسہ مانگا تو یہ جواب ملا　منہ تو دیکھو تم آئینہ لے کر

کوہ کن سر پھوڑ کر مر ہی گیا　اے فلک پتھر پڑیں اس چاہ پر

وہ نازک ہیں نہ ہوں گے اس کے پرزے ان کے ہاتھوں سے
نہیں بے وجہ لکھا ہم نے خط کاغذ کے پٹھے پر

وصل کی شب ہے کرو آرام کچھ　ہو گیا تکرار میں پچھلا پہر

چھٹنے نہ پائے پر جو نکل کر گریز سے صیاد باغ باغ ہے بلبل تو دیکھ کر

جوش گریہ وہ ہے طوفاں گر نہ روکیں اس کو ہم
پار ہو سد سکندر کو یہ پانی توڑ کر

چل سکے پیغام بر کی کیا وہاں غیر بھانجی مارتا ہے بول کر

غیر کو قتل گہ عام میں لے جاتے ہو امتحاں گلہ میں ٹھہرے گا بھگوڑا کیونکر

شب فرقت تو کھا جائے گی ہم کو چڑھائیں بھیٹ کس کو اس بلا پر

جس نے مے پی نہ ہو پی کر ہو یہ اس کی حالت
سب کہیں دیکھ کے کیا بھوت چڑھا ہے اس پر

ہو گئے گم راہ جو بے رہ نما ایسے بھٹکے پھر نہ آئے راہ پر

کوہ کن ہم تو نہیں ہیں جو سر اپنا پھوڑیں
چوم کر چھوڑ دیا کرتے ہیں بھاری پتھر

خوش پیر مغاں کی کیا کہوں میں جو بیعت میں نے کی دست سبو پر

برسا وہ بدمزاج جو کل مجھ غریب پر میں نے بھڑاس اپنی نکالی رقیب پر

وہ ہو گئے ہیں طرف دار کیوں نہ اترائیں　　غرور کرتے ہیں دشمن پرائے برتے پر

ناتوانی قیس کی لیلیٰ کو تھی دل سے پسند　　کیوں نہ بھناتی وہ بھدا اور بھونڈا دیکھ کر

چرکے دے دے کے تیغ قاتل نے　　بیل بوٹے کھلائے ہیں تن پر

آڑے زخموں کی جو قاتل نے پنھائی بدھی　　آج مقتل میں شہید آئے ہیں دولہا بن کر

ملا ہے نامہ بر بھی ہم کو ایسا　　کہ اتو کرتا چلتا ہے زمیں پر

شراب ناب سے ابکائی جس کو آتی ہو　　وہ کیا کرے گا الٰہی مئے طہور کی قدر

دنیا کو تیرے عہد میں ملتا نہیں ہے امن　　فریاد و الاماں ہے ہر اک کی زبان پر

ہر طرح پر اس کی خاطر چاہئے　　دل کو چھوڑا ہے ترے ایمان پر

جا پڑی ہے نگہ شوخ رخ قاتل پر　　باڑھ مارے صف مژگاں نہ ہمارے دل پر

مریض عشق کو گھن لگ گیا ہے　　پنپتا ہی نہیں بیمار پڑ کر

تیری تلوار بجھی تھی کس میں　　سڑ گیا زخم جگر پپیا کر

ایسی جلدی ہوئی عاشق کے سوم میں آکر — پنج آیت نہ سنی اٹھ گئے وہ گھبرا کر

نہ ملا غدر میں کفن بھی انہیں — تھے جو دلی میں پوتڑوں کے امیر

خط مرا دیکھ کے قاصد سے کہا اس نے یہ کیا — حرف مطلب پہ مرے دیر تک انگلی رکھ کر

غم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا میری جان پر — آیا مگر نہ حرف شکایت زبان پر

قضا سے کون کر سکتا ہے کشتی — کہ چلتا داؤ پیچ اس کا ہے سب پر

وہ پھول والوں کا میلہ وہ لطف جھرنے کا — شناوروں کے وہ جھرنے پہ جمگھٹے اکثر

وہ جھولا ڈال کے امریوں میں بڑھانی پینگ — وہ اور چڑھ کے پھسلنا پھسلنے پتھر پر

بے ستوں کٹ کے فرہاد ہوا ہے ناحق — ہم نے کیوں چھوڑ دیا چوم کے بھاری پتھر

س

قاتل لگا کے ہاتھ کہیں فیصلہ بھی کر — پھرتی ہے موت دیر سے بسمل کے آس پاس
آباد ہے کدہ ہو کہ مسجد ہو دیکھئے — تعمیر ساتھ ساتھ ہوئے دونوں پاس پاس

ک

آسیا چرخ کی بے کار گئی پیس کر اس نے اٹھایا کیا خاک

پوپلے ہو گئے جناب شیخ دختر رز پہ دانت ہے اب تک
ہے یہ باد خزاں وہ بلای چور نہیں چھوڑا چمن میں تنکا تک

نہ چھوڑا کوئی زندہ تا قیامت کیا ہے موت نے پیچھا کہاں تک
بھگایا شوق نے ہم کو بہت کچھ نہ پہنچے ہائے گرد کارواں تک

دم آخر تو صورت دیکھ لوں میں بلا لاؤ کوئی ان کو یہاں تک

ہم نے اس آستاں کو بوسہ دیا نہ گزر ہو فرشتے کا جس تک

اف رے اف پھونک دیا آتش فرقت نے مجھے
کیا ہے آفت کی بھبک' کیا ہے قیامت کی بھڑک

پرانا دھرانا ہوا رخت ہستی چلے گا جناب خضر یہ کہاں تک

توسن عمر رواں کا کوئی پیچھا نہ کرے
پھر سنبھلنے کا نہیں اس نے جو ماری چھٹک

گ

اب نئی روشنی ہے دنیا میں ہائے کیا ہو گئے پرانے لوگ

ل

چھیڑ اس برق وش سے کرتا ہے ہے تو یہ ایک ہی شریر ہے دل
اہل محفل کو اس نے لوٹ لیا لے لئے ایک ایک کرکے دل

ایک آفت تھی نگاہ فتنہ گر ناگہانی پیچ میں آیا ہے دل
نقش پی لیتا ہوں تیرے نام کا جب کبھی فرقت میں گھبرایا ہے دل

م

محو قد یار ہو گئے ہم سولی پہ چڑھے تو سو گئے ہم
ہوش آتے ہی محو ہو گئے ہم جب آنکھ کھلی تو سو گئے ہم
بے خود شب ہجر ہو گئے ہم قسمت کو سلا کے سو گئے ہم
مست مئے حسن ہو گئے ہم زانو پہ کسی کے سو گئے ہم
پیری میں جوان ہو گئے ہم جب صبح ہوئی تو سو گئے ہم
راحت سے عدم میں ہو گئے ہم منزل پہ پہنچ کے سو گئے ہم
جاگے تھے بہت شب جدائی جنت میں بھی جاکے سو گئے ہم

اس بزم میں دل نے ساتھ چھوڑا ایک آئے وہاں سے دو گئے ہم

وصل سے محروم ہیں دنیا میں ہم مل چکے بس تجھ سے پھر عقبا میں ہم

گریہ بے سود پر ہنستے ہیں غیر ڈوب مرتے کاش اس دریا میں ہم
آدمی پر اور ایسی سخت قید دین کے پابند ہیں دنیا میں ہم
جام کے خسرو سے کیفیت سوا دیکھتے ہیں ساغر صہبا میں ہم
کیا تسلی کے لئے رکھتے ہیں ہاتھ بے وفا دل کو کہاں تک تھامیں ہم
مانع خلد اس کو ہو گا رشک حور گرد نامہ باندھیں گے طوبا میں ہم

دل نے تڑپایا بہت روز فراق تھک کے آخر پڑ گئے بستر پہ ہم

پھر رموز عاشقی سے ہو گی آگہی تجھے عشق کے مکتب میں ناصح تجھ کو پڑھوائیں گے ہم

جو بے صبر مشہور کرتے ہو تم مرے ذمے بہتان دھرتے ہو تم

یوں پاس نہ آتے وہ صورت نہ دکھاتے وہ امید عیادت میں بیمار پڑے ہیں ہم

دل کے ہاتھوں پیش کچھ چلتی نہیں کیسے بے بس ہو گئے اللہ ہم

دل نے ہم کو پھنسا دیا آخر پڑ گئے ہیں پرائے بس میں ہم

چڑ گئے ذکر ملاقات سے تم بدمزہ ہو گئے اس بات سے تم

دل جو لیتے ہو تو آدھوں آدھ دو حصے کرو ایک میرے پاس رکھو، ایک اپنے پاس تم

گیلے ہیں بال آئے کہیں سے نہا کے تم
آنکھوں میں خاک ڈالتے ہو خاک اڑا کے تم

ن

بعد مدت جو ادھر آتے ہیں دل میں کیا کیا وہ لئے جاتے ہیں

چلئے خلوت ہی میں کچھ باتیں ہوں آپ محفل میں تو شرماتے ہیں

کیا زانوئے رقیب بسا ہے نگاہ میں تکیہ نہیں ہے آج تری خواب گاہ میں
آتے ہیں اس روش سے تری جلوہ گاہ میں ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں راہ میں
اتنا ملا ہمیں دل پر داغ کا نشاں کچھ روشنی سی ہے تری زلف سیاہ میں

پہنچے نہ ہائے منزل مقصود تک کبھی ہم پاؤں پیٹتے ہی رہے اس کی راہ میں

لے چلے کوچہ دل دار سے میت میری دیکھئے لوگ اسے جا کے کہاں رکھتے ہیں

کیا ترا بھید چار میں کہہ دوں جو ہے کہنا ہزار میں کہہ دوں

مہماں وہ ہوئے ہیں ڈرتا ہوں   راز دل کا نہ پیار میں کہہ دوں
پوچھتے کیا ہو کون رہتا ہے   اس دل بے قرار میں' کہہ دوں
کبھی کہتا ہوں دل کی کچھ نہ کہوں   کبھی کہتا ہوں پیار میں کہہ دوں
مجھ سے کہتے ہیں وہ یہ روز شمار   آپ ہیں جس شمار میں کہہ دوں
غیر کو راز دار کون کرے   راز دل گوش یار میں کہہ دوں

بات چبھتی ہوئی ترے منہ پر
دل ہو گر اختیار میں' کہہ دوں

پائمال خرام یار نہیں   عرصہ حشر میں مزار نہیں
وعدہ کرنے کی تم کو عادت ہے   مجھ کو وعدے کا اعتبار نہیں
گو ہے عاشق، مزاج و شاہد باز   داغ لیکن شراب خوار نہیں

اپنے مطلب کے لئے کیا نہیں کرتے عاشق
ہاتھ بھی جوڑتے ہیں پاؤں پہ سر رکھتے ہیں

دل مرا رات سے نہیں ملتا   تم کو بھی کچھ پتا لگا کہ نہیں

دل کا سودا ہوا تھا بوسے پر   تم نے لی میری جان پھوکٹ میں

شب کو میں کرتا جو آہ پر شرر   پھول پڑتے چادر مہتاب میں

چھیل کر میرے زخم دل کو وہ پیاز کے سے پرت اتارتے ہیں

منزل عشق میں ثابت قدمی مشکل ہے اچھے اچھوں کے وہاں پاؤں اکھڑ جاتے ہیں

عیادت کو ہماری آشنا کیوں آئے بیٹھے ہیں
کہ ہم تو پاؤں اپنے گور میں لٹکائے بیٹھے ہیں

سادگی اس نازنیں کی دیکھنا بالیاں ہیں کان میں پتے نہیں

ہنگام ذبح وہ ہے مری سختی گلو گویا وہ اپنی تیغ کو پتھر چٹاتے ہیں

توبہ کیا دھوکا ہوا ہے شیخ صاحب آپ ہیں
میں سمجھتا تھا کہ یہ پیر مغاں کے باپ ہیں

توڑ کر کس کس کو نالہ جا سکے تہہ بہ تہہ سات آسماں ہیں کیا کروں

جب مری راہ سے گزرتے ہیں اپنی پرچھائیں سے وہ ڈرتے ہیں

میرے نالے سنے تو وہ بولے کان کے پردے پھوٹے جاتے ہیں

دل کا پردہ فاش آنکھوں نے کیا پیار کی نظریں کبھی چھپتی نہیں

توسن عمر رواں پر کس طرح پنہڑی جمے تیز رو ایسا ہے دم بھر یہ ٹھہرتا ہی نہیں

میرے رونے سے ماتم دل میں سخت پٹس پڑی ہے محفل میں

مدعی پر نہ چلے گا کبھی فقرا میرا وہ پڑھا جن ہے نہ آئے گا مرے قابو میں

اس سنگ دل کو میری زباں کیا اثر کرے پتھر کو جونک لگتے کسی نے سنی نہیں

منزل عشق میں وہ سختی ہے خضر بھی پچھلے پاؤں ہٹتے ہیں

کیونکر انساں کا اس رشک پری تک ہو گزر آدمی کیا کہ فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں

قفس تنگ سے ہے ہمت پرواز کہاں ٹوٹ کر بلبل ناشاد کے پر جھڑتے ہیں

باغ عالم کی وہ بہار گئی اب نئی پود ہے زمانے میں

یوں ہی پاپڑ بیلتے گزرے گی عمر وہ سخن گوئی سخن دانی کہاں

بحر الفت میں بہت ڈوب کے مرجاتے ہیں جو شناور ہیں وہی پار اتر جاتے ہیں

پنج تن کا مرتبہ بھی کم سوا آپس میں ہے ہو نہیں سکتیں برابر سچ ہے پانچوں انگلیاں

میں جو رویا اس کے کوچے میں تو جھنجلا کر کہا
دور بھی ہو، پانی مرتا ہے در و دیوار میں

دے دیا ہے آپ نے غیروں کو گھر کا انتظام
اب تو پانچوں انگلیاں ہیں گھی میں جو چاہیں کریں

کم اٹھاتے ہیں وضو میں بھی تو زاہد پانی ایسی خست ہے کہاں ساقی دریا دل میں

وہ فیاض حاتم زمانے کے ہیں اللے تللے خزانے کے ہیں

دیکھئے پھنستے ہیں اس جال میں دل کس کس کے دوش پر بال بکھیرے وہ چلے آتے ہیں

ادھر اڑتی ہے مے، گھلتی ہے افیوں، بھنگ گھٹتی ہے
ادھر پینے کی شرطیں ہو رہی ہیں نشہ بازوں میں

کبھی آتی ہے کلام آزادی دل کی کہتا ہوں بولی ٹھولی میں

زلفیں ہیں تیری ناگن آتا ہے اس کو منتر منہ پر بھبوت مل کر جوگی بنا ہے دشمن

میں اور دشمنوں سے شکوہ کروں تمہارا بہتان جوڑتے ہیں بہتان باندھتے ہیں

خانقاہوں میں جو اٹھتا ہے مناجات کا شور برہمن بت کدے میں ضد سے بھجن گاتے ہیں

رہی وہ زلف یوں دشمن کے دل میں　　کہ جیسے سانپ ہو چوہے کی بل میں

تو کرے گا علاج کیا جراح　　دل کا پھوڑا ہے بل توڑ میں

صور محشر کو بھی تو اس کے مست　　بانسری کی بھنک سمجھتے ہیں

پار ہو کشتی ہماری کس طرح　　جب بھنور پڑتا ہو بیچوں بیچ میں

چمن آرائے دہر میں یہ حسیں　　یہی بوٹے تو گل کھلاتے ہیں

دل عاشق کو راحت تھی رہے جب تک وہ پردے میں
نگہ ملتے ہی برچھی بھونک دی میرے کلیجے میں

تنگ ہو ہو کے دل میں گھٹتے ہیں　　غیر کے ذکر پر وہ بھچتے ہیں

لکہ ابر گہربار چلے آتے ہیں　　بھیگتے بھاگتے میخوار چلے آتے ہیں

فرہاد سے پوچھیں ہجر میں ہم　　کس طرح کٹے پہاڑ سا دن

ہمارے قتل کا ہے مشورہ یا اور جھگڑا ہے
سنا ہے مدعی آپس میں کچھ کھچڑی پکاتے ہیں

خدا سے بھی نہیں ڈرتے وہ بے ایمان ایسے ہیں
فرشتوں کو پکڑ رکھیں ترے دربان ایسے ہیں

ہیں پیچ رہ عشق میں ایسے کہ نہ پوچھو یہ بھول بھلیاں تو سمجھ میں نہیں آتیں

کوئی کرتا نہیں خدا کو یاد پڑ گئی بھول اک خدائی میں

غیر کو سمجھے تم بھلے مانس یہ بھلے آدمی کی باتیں ہیں

رقیبوں کا کب ہم برا چاہتے ہیں بروں کا بھی ہم تو بھلا چاہتے ہیں

حرف سوال وصل کی برداشت ہی نہیں اس بات سے بھڑکتے ہیں وہ اس کو کیا کریں

قتل کرکے بھی اپنے عاشق کا وہ جدا بند بند کرتے ہیں

عشق کی راہ ہے بہت دشوار چلتے چلتے بچل گئے لاکھوں

تم خفا ہو کر چلے ہو، لے چلے سامان بھی
بھولی بسری کوئی شے دیکھو نہ رہ جائے کہیں

بے جوڑ تیری باتیں ہیں ساری پیام بر تو ٹھیپیاں لگانے لگا بات بات میں

سن کے افسانہ میرا کہتے ہیں
نہیں اچھی ہے یہ تری بک بک

اپنے کوچے میں وہ پل باندھتے ہیں
میرے اشکوں کا بہا ہے دریا

اس کو ہم پلپلا کے کھاتے ہیں
آم تخمی پسند ہے ہم کو

لے گیا دل پلک جھپکنے میں
اس نے جب آنکھ سے ملائی آنکھ

ہر طرف پاسبان ہوتے ہیں
روز وہ بدگمان ہوتے ہیں

گرہ دے لیجئے بند قبا میں
نہ بھولیں وعدہ کرکے آپ کل تک

باٹنا حصہ تمہیں آتا نہیں
غیر کو دو پان مجھ کو ایک دو

بڑھ گئی بحث باتوں میں
نوبت جنگ پہنچی ناصح سے

بہم ہوتا نہیں کیا جانب ملک عدم پہنچیں
بہم پہنچے اگر سامان جانے کا تو ہم پہنچیں

گریباں پھاڑتا ہوں فصل گل میں
نہیں رہتا ہے نچلا دست وحشت

بزم میں ان کی خطلوار بہت ہیں عاشق
دیکھیں کس کس کو وہ محفل سے بدر کرتے ہیں

زمانہ ہم نے دیکھا ہے زمانہ ہم نے برتا ہے
ہمیں دیتے ہیں وہ دھوکے ہمیں بالا بتاتے ہیں

مضمون کمر میں تیرے شاعر کیا بال کی کھال کھینچتے ہیں

بجلی چمک رہی ہے بادل گرج رہا ہے فرط خوشی میں ے کش بانسوں اچھل رہے ہیں

کبھی وہ محفل عشاق میں جو آتے ہیں نیاز مند تواضع میں بچھے جاتے ہیں

ہم بچھے جاتے ہیں تواضع میں کبھی مہمان وہ جو آتے ہیں

دیئے ناصح نے گو اتار چڑھاؤ اس کی باتوں میں ہم کب آتے ہیں

میں نے پتے کی کہہ کر لی ہے جو دل میں چٹکی
غصے میں بھر کے کیا کیا وہ بڑبڑا رہے ہیں

خدا کی شان ہے محفل میں تیری عدو بھی ہم پہ باتیں چھانٹتے ہیں

ہمراہ غیر تھے وہ درختوں کی باڑ میں ہم دیکھتے رہے دم گل گشت آڑ میں

بوسہ لے کر اور کچھ خواہش جو کی کہنے لگے
بھک منگا تجھ سا زمانے میں کہیں دیکھا نہیں

پڑے تیر نگہ دل پر ہزاروں پڑی بھاگڑ نہ اک دن فوج غم میں

نہ ترک عشق ہے ممکن نہ شرط عشق آساں دل خراب نے ڈالا ہے کس بکھیڑے میں

پند گو یہ مجھے سمجھاتے ہیں یا یونہیں خواب میں براتے ہیں

کب انجمن میں وہ بے کار آکے بیٹھے ہیں ہمارے قتل کا بیڑا اٹھا کے بیٹھے ہیں

چکی تھی قیمت دل ایک بوسہ وہ نہ ملی یہ مال ڈال دیا ہم نے بٹے کھاتے ہیں

رنگت تپ دروں سے مری ہو گئی ہے زرد ان کو مگر بسنت کی اب تک خبر نہیں

وہ قہر کی نگہ سے جب ہم کو گھورتے ہیں لے لے کے ہچکیاں ہم کیا کیا بسورتے ہیں

دل کا بدلہ دل ہے مجھ سے لو تو اپنا دو مجھے
آپا دھاپی اس قدر اے مہرباں اچھی نہیں

بے سبب کیا آپ پر مرتا ہوں میں کوئی کیا جانے کہ کیا کرتا ہوں میں

دوستی دشمن جتاتا ہے مجھے آستیں کے سانپ سے ڈرتا ہوں میں

یہ تو کہئے اس خطا کی کیا سزا میں جو کہہ دوں آپ پر مرتا ہوں میں

تیر کو تیرے کلیجے سے لگایا ہم نے اپنے مہمان کی یوں آؤ بھگت کرتے ہیں

وہ نشاں میرا مٹائے یا نصیب آج جس کے نام پر مرتا ہوں میں
جو سنا ہے میں نے چرچا آپ کا آپ سے کہتے ہوئے ڈرتا ہوں میں
جو نہیں ڈرتے ڈراتا ہوں انہیں ڈرنے والوں سے بہت ڈرتا ہوں میں

گردن دل میں تری زلف کی پھانسی جو پڑی
بے خطا جان دی بے چارے نے اس رسّی میں

ہمارا ہی وہ روز وصل ہو کاش نصارا میں جو ہوتا ہے بڑا دن

عیادت کو مریض غم کی اب آئے اسے گزرے ہوئے ہے تیسرا دن

نالوں پہ میرے گوش بر آواز تھے وہ آج آواز میری بیٹھ گئی اس کو کیا کروں

کس قیامت کی ہے اٹھان تری یہ قیامت اٹھائے گی اک دن

دے کے دل ایک فتنہ قامت کو جان آئی ہے اپنی آفت میں

وہ جو مہمان بن کے آتے ہیں اک نیا اشغا اٹھاتے ہیں

مجھ سے برہم ہوئے ہیں وہ اس پر اشتعالک رقیب دیتے ہیں

اے صبا تو پیغام پہنچا دے ایلچی کو کوئی زوال نہیں

خدا کے گھر سے پھرا ہے مریض غم تیرا تجھے کچھ اے بت کافر خبر بھی ہے کہ نہیں

رقیب اپنا ہے آٹھوں گانٹھ کمیت نہ آجانا کہیں تم اس کے دم میں

مری قسمت کا لکھا پڑھ کے لکھتے کراما" کاتبین ان پڑھ نہیں ہیں

گالیاں غیر کو دیں تو نے انجاس' یہ کیا
کل میں کیوں ایک ہو کم پوری ہی صلواتیں ہوں

عشق کی سرکار میں ہے کیا اندھا دھند ان دنوں
دل لٹے جاتے ہیں ان کا کوئی بھی پرسان نہیں

کیوں نہ یوسف کو چاہتے یعقوب اندھا کیا چاہتا ہے دو آنکھیں

دیکھتا ہے نبض کیا مردے کی تو اے چارہ گر
دم کہاں ہے مجھ میں اولا ہو گیا ہے تن بدن

نام ناصح کا لیا تھا میں نے اے لو حضرت وہ چلے آتے ہیں

دل کو لے کر دیکھتے ہو کیا ہمیں واہ جی کیا اس کی ہے پروا ہمیں

نہ کھلے گی عدو کے دل کی گرہ آپ کیوں پیچ و تاب کھاتے ہیں

غیر نے کھولے ترے بند قبا کیوں نہ اپنا چاک پیراہن کروں

دل کا پردہ فاش آنکھوں نے کیا پیار کی نظریں کبھی چھپتی نہیں

نہ رہ نما ہے نہ منزل کا ہے پتا کوسوں طریق عشق میں ہم ایڑیاں رگڑتے ہیں

اس طرح ہم سے ملاقات کیا کرتے ہیں اوٹ میں بیٹھ کے وہ بات کیا کرتے ہیں

ایمان کانپتا ہے ان کی شہادتوں سے جو کوڑیوں پر اپنا ایمان بیچتے ہیں

وہ اسے سمجھیں نہ سمجھیں دیکھئے ڈال دی ہے بات ان کے کان میں

کتنے وعدے وفا کس دن یہ دھوکے ہیں یہ گھاتیں ہیں
جو تم کہتے ہو وہ کرتے نہیں باتیں ہی باتیں ہیں

دیکھ ناصح تجھ کو سمجھاتے ہیں ہم عاشقوں سے بکنا اچھا نہیں

دم رخصت تم آنچل میں مرا دل باندھ لے جانا
ابھی تو رات باقی ہی چلے جانا دھندلکے میں

پناہ دیتے ہیں ان کو بھی وہ دم رفتار پناہ لیتے ہیں فتنے بھی ان کے دامن میں

اس کے شہ باز نظر نے پنجہ مارا ہے غضب پھڑپھڑا کر طائر دل چھوٹنے پاتا نہیں

مقدر میں نہیں کیا وصل؟ جب پوچھا تو کہتے ہیں
بلاؤ تم کسی پنڈت کو یہ دکھلاؤ پوتھی میں

بانکپن اپنا وہ دکھاتے ہیں اینڈی بینڈی مجھے سناتے ہیں

منہ لگایا تم نے غیروں کو بہت کیوں نہ اچلے کھلے اترائے پھریں

لشکر غم نے کیا کعبہ دل کو برباد   اینٹ سے اینٹ بجادی ہے خدا کے گھر میں

دل بھی شاکی ہے تیرا میرے ساتھ   ایک منہ اک زبان ہیں دونوں

نہیں ہے پیچ سے خالی تمہاری کوئی بات   یہ ایچ پیچ کی باتیں سمجھ میں کیا آئیں

ایسے ویسوں سے کیا ملے کوئی   ارے غیرے ہیں تیری محفل میں

کی یہ پوجا اس صنم کو دیکھ کر   پوج آئے دل پرستش گاہ میں

آہ جو کھینچتا ہے محفل میں   پوست اس کا وہ کھینچ لیتے ہیں

رہا کم ہو کے ان کا غصہ مجھ پر   گلابی سے ہوئیں اب لال آنکھیں

دل چڑھا آسان کوہ عشق پر   اب اتار اس کا ہے مشکل کیا کریں

پروانہ شمع کعبہ کے پھرتا ہے اردگرد   ایسی لگی ہو جس کو تو پاس ادب کہاں

حضرت شیخ اپنی ریش دراز   چھاج کی طرح سے پھٹکتے ہیں

وہ اس ٹھاٹ سے آتے ہیں رہگزر میں　　تمنچے کی پیچک ہے نازک کمر میں

میں وہاں پہنچوں نہ پہنچوں یہ تو پہنچے گا ضرور
ناتوانوں کا تصور ناتواں ہوتا نہیں

اب وہ انجان بنے جاتے ہیں　　ننھے نادان بنے جاتے ہیں

دیکھئے ان سے ملاتا ہے خدا کون سے دن　　کون سی رات ہو مقبول دعا کون سے دن

و

جاگے ہیں اعتکاف میں جو بہت　　پینک آتی ہے شیخ صاحب کو

خالی نہیں پیچ سے کوئی بات　　ہر بات میں پخ نکالتے ہو

جان کے جانے کا غم ہے تو فقط اتنا ہے　　مشکلیں ہوتی ہیں پردیس میں پردیسی کو

خط میں کچھ لکھ دے تو کیا اس کا علاج　　نامہ بر کوئی پڑھا لکھا نہ ہو

در دلدار پہ کیا کیا نہ پچھاڑیں کھائیں　　دل بے تاب نے کیا کیا نہ لٹایا ہم کو

محض پانی پہ اس کی ہے بنیاد　　بے ثباتی حباب کی دیکھو

کدھر سے کدھر لے گیا وائے قسمت بھلاوا دیا راہ بر نے بھی ہم کو

نہ رکھنا پاؤں تم تربت پہ میری مبادا سنگ مرقد بھربھرا ہو

تو نے ہلکی شراب دی ساقی بھربھری چاہیئے گزک مجھ کو

نام سے اپنے تمہیں غیر نے خط بھیجا ہے نہ پڑھو پرزے کرو نامے کے لعنت بھیجو

وہ تو شیطان ہے بہکاتا ہے غیر کے نام پہ لعنت بھیجو

شرم آئی انہیں پاس بلاتے ہو مجھ کو پٹ بھیڑ دیئے دیکھ کر آتے ہوئے مجھ کو

ہولی کھیلی ہے تم نے کس سے آج رنگ میں شور بور آئے ہو

داغ کیوں دل کو راز دار کیا بھید دیتا ہے کوئی دشمن کو

بغل گرم کرتا وہ کیا شمع سے کہ اتنی کہاں تب پروانے کو

بات مطلب کی کیا اڑاتے ہو تم تو بھولے نہیں ہو بچے ہو

شرماؤ گے وہ سن کے جو گزری ہے رات کو
کہہ دوں گا میں پکار کے پردے کی بات کو

گرفتار محبت ہم کریں کے ان کو یہ ضد ہے
پکڑ ہے آج آزادوں کی یا رب دیکھئے کیا ہو

ناصح نے کہی جو میرے دل کی وہ بات بھلی لگی ہے جی کو

عشق کرتا ہے زبردستوں کو زیر دل کا بودا ہو اگر رستم بھی ہو

تیغ نگاہ یار نے میدان کر دیا پل مارنے میں مار لیا ہے ہزار کو

کرو میری مٹی نہ برباد یوں دوپٹے کا آنچل اٹھا کر چلو

وہ صبح شب وصل نہ ٹھہری یہی کہہ کر جانے دو ہمیں جلد' بڑا کام ہے ہم کو

عہد کرنے سے وہ گھبراتے ہیں ان سے پیمان ہوا اور نہ ہو

نہ کر ناصحا ایسی دیوانی باتیں یہ کیا کھینچ مارا جو پتھر کسی کو

مطلب میں ہمارے کچھ مطلب ہے تمہارا بھی سمجھو تو سہی تم تو باتوں میں اڑاتے ہو

تڑپتا ہے' جلن دل میں بڑی ہے' دیکھتے جاؤ نگاہ شوخ کی بجلی پڑی ہے' دیکھتے جاؤ

قارون کے مزاج میں کس درجہ بخل تھا   دولت سے فائدہ نہیں ہوتا بخیل کو

ملا رو ہم نے کیوں کہا ان کو   کہتے ہیں بے نقط سناتے ہو

اے نجومی آسماں پر بھی تو بارہ برج ہیں
کیوں نہ سودا اپنی قسمت کا بھی بارہ باٹ ہو

متاع دل کا ہے بیوپار دیکھتے جاؤ   کھلا ہوا ہے یہ بازار دیکھتے جاؤ

تھے ہم بغل عدو سے اس وقت یہ نہ سوجھی
سن کر پتے کی ہم سے اب بغلیں جھانکتے ہو

آپ کی بزم میں تماشا ہے   غیر دیتا ہے بھبکیاں مجھ کو

بڑھ بڑھ کے بولتے ہیں سب سے جناب واعظ   حضرت کی خیر بھی ہو ممبر کی خیر بھی ہو

چیستاں سمجھے وہ دہن کا وصف   کہتے ہیں کچھ اتا پتا تو کہو

آنے کا وعدہ کرتے ہو کیا اس کا اعتبار   بلوا دو اپنی اول میں میرے رقیب کو

حضرت دل نہیں قرار تمہیں   نکلو پہلو سے' اور گھر دیکھو

چھوڑ کر گیسو نہ پھرنا رات کو تم گرہ میں باندھ لو اس بات کو

اور تمنا نہیں بس ہے یہی آرزو آ کے مرا حال تم ایک نظر دیکھ لو

حال دل کہہ کے بنے ہم نادان وہ یہ کہتے ہیں انہیں بھی لکھو

نہیں کوڑی یہاں کفن کو بھی اس سے لو جو بڑی اسامی ہو

رگ جاں سے نزدیک ہے میری جاں تو مگر پھر جو دیکھا کہاں میں کہاں تو

حقیقت میں ہے ماسوا چیز ہی کیا ادھر تو ادھر تو' یہاں تو وہاں تو
نہ تو مجھ کو چھوڑے نہ میں تجھ کو چھوڑوں وہیں تو جہاں میں' وہیں میں جہاں تو

۵

تھا سیدھا سادا ان کا چلن کل کی بات ہے
اب اینٹھتے وہ پھرتے ہیں کس بانکپن کے ساتھ

اک نظر سے اک جہاں کو دیکھتا ہے آئینہ ورنہ چندھی کس قدر ہے حلقہ جوہر کی آنکھ

کون منہ دھوئے اٹھ کے صبح فراق غم بھی کھاتے ہیں ہم تو باسی منہ

بندہ عاجز ہے اور وہ ہے قدیر پیش چلتی نہیں خدا سے کچھ

بڑا پتنگ اڑاتے ہیں وہ، مجھے ڈر ہے
ہوا میں بھر کے نہ اڑ جائیں وہ پتنگ کے ساتھ

پہنچوں در قبول پہ میں بھی یہ شوق ہے
اٹھتے ہیں میرے پاؤں بھی دست دعا کے ساتھ

عاشقوں کو غلام سمجھے ہو بک گئے ہیں وہ کیا تمہارے ہاتھ؟

مجھے وحشت ہے کیا میں جان لوں ناصح کو فرزانہ
وہ پشتینی ہے سودائی، وہ موروثی ہے دیوانہ

نہ چھوڑا تیر مژگاں نے مرا دل اڑایا بال باندھا یہ نشانہ

ریش مفید شیخ تر آب وضو سے ہے رندوں کو ہے گماں کہ پھپھوندی لگی ہے یہ

ی

دل جو ناکام ہوا جاتا ہے شوق کا کام ہوا جاتا ہے
نہ مٹاؤ کسی عاشق کا نشاں نام بدنام ہوا جاتا ہے
لطف ایذا طلبی کیا کہئے درد آرام ہوا جاتا ہے
دل بیمار میں چٹکی لے لو ابھی آرام ہوا جاتا ہے

رنگ لایا ہے ترا رنگ عتاب چہرہ گل فام ہوا جاتا ہے
آج کل کثرت عشاق سے عشق شیوۂ عام ہوا جاتا ہے
دیکھ کر مست وہ کافر آنکھیں خون اسلام ہوا جاتا ہے
گلہ مہر و وفا مجھ سے نہ کر شکوہ دشنام ہوا جاتا ہے

ہونے کو تو کیا ان سے ملاقات نہ ہو گی
جس بات کی خواہش ہے وہی بات نہ ہو گی

دل صاف نہ ہو گا تو کوئی بات نہ ہو گی
جھگڑے کی ملاقات، ملاقات نہ ہو گی

کیا حور سے جنت میں ملاقات نہ ہو گی
یہ روپ یہ سج دھج یہ پری گت نہ ہو گی

پیتا بھی ہوں کہتا بھی ہوں ناصح سے یہ ہر بار
پھر ایسی خطا قبلہ حاجات! نہ ہو گی

اس بات کو ذرا دیکھ ہی لیں حضرت صوفی
دیکھے سے تو کچھ سلب کرامات نہ ہو گی

لکھا ہے مرے خط کا جواب اس نے بہت کچھ
آخر میں یہ فقرہ ہے "ملاقات نہ ہو گی"

عاشق کو بھی واعظ تو بتاتا ہے نمازی
دیوانے سے پابندی اوقات نہ ہو گی

سو بار بلا کر مجھے محفل سے نکالا
مہمان کی ایسی بھی مدارات نہ ہو گی

فریاد قیامت سے ڈرایا تو وہ بولے
اللہ سے ایسوں کی ملاقات نہ ہو گی
خالی ہی سہی، شیشے میں تو گھول دے پانی
اک بوند بھی کیا پیر خرابات نہ ہو گی؟
ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں شب وصل وہ مجھ سے
چھیڑو گے تو پھر ہم سے ملاقات نہ ہو گی

میرے قاتل کے وہ ہے دست حنائی میں اثر دہن زخم سے بھی بوئے حنا آتی ہے
وقت معلوم اگر ہو تو سنبھل جائے کوئی کیا قیامت ہے کہ چپکے سے قضا آتی ہے

پچکارنے سے گر یہ ٹھہرتا تو خوب تھا ممکن نہیں کہ توسن عمر رواں تھے

ہاتھ سے دوستوں کو کھو بیٹھے ہنسنے والوں کو ہم تو رو بیٹھے

ابھی آئے ابھی تم آ کے چلے اور میری نظر بچا کے چلے
الاماں الاماں کہے گا فلک تیر جس دم مری دعا کے چلے

خاک اس سے عشق نے چھنوائی تھی دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی

چلے آتے ہیں ایسے بے قرار آئے تو کیا آئے
کہ گھوڑے پر ہوا کے تم سوار آئے تو کیا آئے

کسی میں کچھ بہانہ ہے کسی میں کوئی حیلہ ہے
لگاتار آج میرے نام تار آئے تو کیا آئے

عشق کی بازی میں دل جیتا مرا
اب تو پوبارے تمہارے ہو گئے

مرے دشمن سے تم کو دوستی ہے
مگر کم بخت وہ تو پوستی ہے

ساقی بھی تنگ دل ہے یہ مفلس بھی فاقہ مست
مے خوار پوست پیتے ہیں بدلے شراب کے

ہم کو پتا ملا ہے کراے محنت تلاش
زاہد کی پوٹلی میں ہے بوتل شراب کی

عدم کو لے کے یہ بار گراں چلا ہوں میں
کہ میرے سر پہ گناہوں کی پوٹ بھاری ہے

فلک دیتا ہے ہم کو درہم داغ
یہ پنشن ہو گئی ہے عمر بھر کی

ٹھہرے تھے کبھی عالم اسباب میں اپنے
وہ جوش کہاں اب دل بے تاب میں اپنے
نکلیں گے نہ ہم ڈوب کے اے بحر محبت
رہنے دے ہمیں حلقہ گرداب میں اپنے
مہمان سے کیا کہتے کہ دل تم نے چرایا
وہ باندھ کے چلتے ہوئے اسباب میں اپنے

ساقی کا دل نہ توڑیں گے ترک شراب سے
حاصل کسی طرح ہو غرض ہے ثواب سے

عاشق بچائے جان کو کس کس عذاب سے | تیرے عتاب سے کہ خدا کے عتاب سے

آتی ہے کیا ہنسی مجھے تیرے حجاب سے | میری نگاہ شوق رکے گی نقاب سے؟

مے خوار مفلسی میں مناتے ہیں خواہشیں | ٹوٹے ہوئے پیالے سے' جھوٹی شراب سے

مشکل سے اختیار کیا جبر عشق میں | دل کو دیا ہے صبر بڑے اضطراب سے

سب پوچھتے ہیں کس پہ دل آیا وہ کون ہے | آتی ہے مجھ کو شرم تمہارے حجاب سے

کافی ہو آئینے میں جو دیکھے وہ چشم مست | اس نازنیں کو شوق ہے ہلکی شراب سے

اہل نظر کے واسطے ہیں سب خرابیاں | نرگس کی آنکھ خیرہ ہو کب آفتاب سے

اے خضر مے کشوں کو بھی ہو لطف زندگی | بھر جائے کاش چشمہ حیواں شراب سے

داغ جگر سے آگ لگی دل کی آہ میں | روشن یہی چراغ ہوا آفتاب سے

تیغ نگاہ مست کے چرکے میں ہے مزا | دھوتا ہوں اپنے زخم جگر کو شراب سے

عاجز جو طبیب آگیا ہے | اب وقت قریب آگیا ہے

کیوں منگائی ہے یہ پنڈول' تمہیں | لیپنا پوتنا بھی آتا ہے؟

ہم اسی سے پوچھتے ہیں درد مے | صافی مے اب تو پوچھن ہو گئی

یہاں رنگ بدرنگ سب رہ گیا | وہاں ان کی بازی میں پو رہ گئی

روح گھٹتی ہے مری' رات جہاں گھٹتی ہے | کہیں وہ یہ نہ کہیں جانے دو پو پھٹتی ہے

جو کہا میں نے سمجھو سوچ کے وہ مان گئے
شکر ہے آج مری بات اکارت نہ گئی

بیمار میں تیرے کیا دھرا ہے
اوپر کے دم وہ بھر رہا ہے

قاصد مری بات کچھ نہ سمجھا
کیا اول جلول آدمی ہے

گھاس کے پولے کی صورت خشک ہیں سب ہڈیاں
ناتوانوں کا تمہارے عشق میں یہ حال ہے

اپنے کوچے میں رکھ سنبھل کے قدم
میرے اشکوں سے زمیں پولی ہے

ہم نے دیکھا ہی نہیں ناصح سا کوئی بے وقوف
اوندھی پیشانی کا، اوندھی کھوپڑی کا آدمی

اب متاع دل پرانی ہو گئی
اونے پونے بیچ ڈالیں گے اسے

محتسب کا ہو برا پیر مغاں کہتا ہے
اینٹ سے اینٹ بجا دی مرے میخانے کی

دل کو وہ مول لے کر کہتے ہیں فکر کیا ہے
یہ چیز آئی کر لی قیمت بھی مل رہے گی

کیا مری جان اعتبار اس کا
دولت حسن آنی جانی ہے

بل انہوں نے بھی بعد مرگ بھرا میرے مرقد کے تختے اینٹھ گئے

درد سر مجھ کو ہوا بگڑا مزاج حضرت ناصح تمہاری پسند سے

دل کے مقدمے میں بنے گا نہ کوئی پنچ پنچایت ایسے جھگڑے کی کس کی بلا کرے

دل بچے کیونکر تمہارے ہاتھ سے تم تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑے

اس نزاکت پر جو وہ پنجہ کرے پنجہ مرجاں کا پنجا پھیر دے

جس کو ہو شوق اسیری اڑ کے وہ جائے کہاں تو مرے پنجرے کی اے صیاد کھڑکی کھول دے

بوڑھے جناب شیخ ہیں کیونکر چبائیں پان پنکٹی ان کے واسطے لوہے کی چاہیے

سائل سے خفایوں میرے پیارے نہیں ہوتے کیا مانگنے والوں کے گزارے نہیں ہوتے

اب تو نبھتی نظر آتی نہیں پیارے تم سے ہم سے بیزار ہمارے ہیں، تمہارے تم سے

سوز دل بعد جراحت بھی رہا زخم پر باندھا نہ پن کپڑا کبھی

گرجتا ہے. جو بادل کہتے ہیں مست یہ چلتی ہے فلک پر باڑ کیسی

جب شب وصل ان سے بات چلی بات کی بات ہی میں رات چلی

حشر پر تم نے ملاقات اٹھا رکھی ہے آج کی کل پہ عبث بات اٹھا رکھی ہے

آپ نے میرے ستانے کے لئے کون سی بات اٹھا رکھی ہے

مرض عشق کی دنیا میں دوا تھی کہ نہ تھی
اس سے محفوظ کبھی خلق خدا تھی کہ نہ تھی

ہم اپنے کاتب اعمال کو ملا لیں گے گناہ سہل، ثبوت گناہ مشکل ہے

بگٹ مرے مزار پہ آیا وہ شہسوار توسن کو اتنی دیر میں سو بار ایڑ کی

بہت ہے شیشہ و خم میں کم و بیش یہ اندازہ ترا ساقی غلط ہے

دود آہ آتشیں کا ابر پر ہے احتمال میں نے جانا برسے انگارے اگر اولے پڑے

نہیں معلوم شب غم رہی کتنی باقی آج کیا ٹوٹ گئے سارے گھڑی کے پرزے

پڑے ہیں چھید فلک میں نہیں ہیں یہ اختر پڑی ہے باڑ کوئی دل جلوں کے نالوں کی

ہجر میں دیکھنے بچے نہ بچے دل نے ایذا بہت اٹھائی ہے

کہیں گے ہم تو نہ مصحف رخ کتابی کو یہ سچ مثل ہے کہ ایمان ہے تو سب کچھ ہے

بوسے پہ نہیں مہنگا کچھ جان کا سودا ہے ایمان سے تم کہہ دو ایمان کا سودا ہے

اک کھیل ہے ان کو وعدہ کرنا اک بات ہے جھوٹ بولنا بھی

شور محشر نے اٹھایا مجھ کو کچی نیند اگر
اونگ پر اونگ آئے گی صبح قیامت بھی مجھے

مجھ بادہ کش کے سینے پہ زاہد نے بعد مرگ انگور رکھ دیا ہے نشانی کے واسطے

چھائی ہیں زلفیں رخ پہ تیرے اک بلا برسائیں گی
کیا یہ گھٹائیں نیچی نیچی اوپر اوپر جائیں گی

تم تو امید توڑ دیتے ہو تم سے امید کوئی کیا رکھے

تم حرف دل شکن نہ نکالو زبان سے امید ٹوٹ جائے گی امیدوار کی

رات مصیبت کی بسر ہو گئی آنکھوں ہی آنکھوں میں سحر ہو گئی

بلایا جب مری آہ و فغاں نے زمیں پکڑی ہے گیا گیا آسماں نے

اب مشق جفا اس نے بڑھائی ہے غضب کی امید بر آئی دل آزار طلب کی
وہ حسن وہ اندازہ وہ پھر بانکپن اس کا چھل بل ہے قیامت کی تو انوٹ ہے غضب کی

دل کا نقصان جس میں ہوتا ہے کام کرتا ہوں اوبدا کے وہی

اس کی قسمت میں ہے واڑونی ازل کے روز سے عقل اوندھی کیوں نہ ہوتی آسمان پیر کی

کچھ طبیعت ٹھہر ہی جائے گی اور یوں بھی گزر ہی جائے گی

بیٹھے ہیں بام پر وہ ہر ایک مشتری ہے لیتے ہیں نفع کیا کیا اونچی دکان والے

دیدار یار سے مجھے صحت نہیں ہوئی انیس بیس بھی تپ فرقت نہیں ہوئی

مے کے دینے میں جو صرفہ ہے پلا دے پانی دیکھ خالی نہ رہے اوک ہماری ساقی

اس کے دروازے پہ کیونکر ہو رسائی میری کر دیا بند محلے ہی کا پھاٹک اس نے

بہار گلشن عالم تھی جن سے انہی پھولوں کو توڑا باغباں نے

دے چکا مال تو سب دل ہی رہا ہے باقی   مہرباں اس کے علاوہ مری پونجی کیا ہے

ہمیں بھی رات دن اس تاک میں گزرتی ہے   کبھی اندھیرے اجالے وہ مل ہی جائیں گے

ایک دل کہتا ہے کیجئے ان سے رسم و راہ ترک
ایک دل کہتا ہے کچھ دن اور دیکھا چاہیے

کھائے جاتا ہے غم اناپ شناپ   بڑھ گئی دل کی اشتہا کیسی

ہانکتا ہے یوں ہی اناپ شناپ   کوئی ناصح کی بات کیا سمجھے

تجھ سے یہ اہل زمیں اے آسماں مانگے کئے   الحذر مانگا کئے سب الاماں مانگا کئے

کیا ملاقات اس جفا پر نبھ سکے   ہم نے القسط کی اب القسط ہو گئی

قد رعنا سے اس کے ہوں روکش   اصل ہی کیا ہے سرو و طوبیٰ کی

کیا نکیرین میرا عذر سنیں   ان کو اونچا سنائی دیتا ہے

میرے اشک و آہ کی تاثیر سے   ابر رویا برق نے فریاد کی

کہاں جوانوں کو دنیا سے دل لگی کا مزا　　یہ پیر زال بلا سے ادھیڑ ہی ہوتی

جراح میرے زخم کے ٹانکے نہ کاٹ ڈال　　رہ رہ کے کچھ ادھیڑ کہ ایذا بھی کم رہے

حیا و شرم سے چپ چاپ کب وہ آ کے چلے　　اگر چلے تو مجھے سیدھیاں سنا کے چلے
ہمارے دود جگر میں کہاں ہے یہ طاقت　　یہ ابر تر ہے کہ گھوڑے پہ جو ہوا کے چلے

اتراتی ہوئی آتی ہے تو کوئے صنم سے　　اے باد صبا اڑ کے کہاں جائے گی ہم سے

مسیحا کو اتاریں گے فلک سے　　پڑے گی پھر بھی حاجت نزدہاں کی

دل نہ رکھ زلف میں اچکا ہے　　گانٹھ کترا، اٹھائی گیرا ہے

غیر سے کیا گلہ محبت میں　　اپنے ہاتھوں خراب ہم تو ہوئے

حضرت خضر اپاج تو نہیں ہیں یا رب　　دو قدم بھی نہ رہ عشق میں ہمراہ چلے

عجیب صانع قدرت نے کی تراش خراش　　یہ کاٹ چھانٹ تجھے باغباں نہیں آتی

صافی مے کو کیا پیر مغاں نے تقسیم　　شیخ جی کعبے کے جامے کی جو اترن لائے

قبر سے اٹھیں گے جس وقت ترے فریادی　　صور محشر کی بھی آواز دب گی ان سے

دید کے قابل ہیں یہ موتی کی لڑیاں دیکھئے　　آنسوؤں کا تار باندھا چشم گوہربار نے

ہوئے بزم میں جب سے اغیار داخل　　برستی ہے پھٹکار محفل پہ تیری

ٹھہر ٹھہر کے پھڑکتی ہے دہنی بائیں آنکھ　　شگون کون سا اچھا برا ہے کیا کہئے

موت کس کے ہاتھ سے تھی عاشق ناشاد کی　　دھوم ہے اہل عدم میں بھی مبارک باد کی

قبر دشمن میں بہت چنگاریاں دوزخ کی تھیں　　کیوں نہ ٹھہرے کیا فرشتے آگ لینے آئے تھے

قبر دشمن میں نہ ٹھہرے ایک دم　　کیا فرشتے آگ لینے آئے تھے

آکر کھڑے ہوئے ہو تم اوجھل کواڑ کی　　جب تم نے بات کی تو عبث ہم سے آڑ کی

میں کروں پوری شکایت ان سے کیا　　جب بری لگتی ہو آدھی بات بھی

کیوں نہ اے پیمان شکن جی چھوٹ جائے　　کیا کروں جب آس بندھ کر ٹوٹ جائے

اس سے ملنے کی آس ٹوٹی ہے　　اب مصیبت سے جان چھوٹی ہے

سوندھے سوندھے آب خوروں میں مزا آجائے گا تو جما دے برف اے ساقی مئے انگور کی

آدمی وہ ہے جو ڈھونڈے نہ سہارا کوئی کہ برے وقت میں آڑے نہیں آتا کوئی

نرگس باغ کو بھی ہم نے نہ دیکھا بیمار حیدر آباد کی کیا آب و ہوا اچھی ہے

نور سویدا کی تاب دیکھئے کب تک رہے ذرے میں یہ آفتاب دیکھئے کب تک رہے

صاف دیکھی نہ بادہ خوار کی آنکھ کچھ نہ کچھ رنگ آہی جاتا ہے

جس پہ قربان ہو بلبل وہ سخن کس کا ہے غنچہ منہ پھوڑ کے مانگے وہ دہن کس کا ہے

آئینے میں لیتے ہو جو زلفوں کی بلائیں آسیب نہ پہنچے کہیں ہاتھوں کو تمہارے

کریں نہ قدر جو دل کی تو اور کس کی کریں اڑے تھڑے میں ہمارے یہ کام آتا ہے

بے ستوں کے واسطے تیشہ لیا فرہاد نے کوہ غم جس سے کٹے ہم کو وہ آلا چاہیئے

فرش سے تا عرش ڈھونڈا ہے اسے اور بس آگے خدا کا نام ہے

وعدے پر جب مکاں سے آئے وہ بڑی آن بان سے آئے

غیر کی محفل میں مجھ کو مثل شمع　　آٹھ آٹھ آنسو رلایا آپ نے

تیرے بیمار میں رہا کیا ہے　　اب تو آئی گئی کا سودا ہے

لطف جب شعر کا ہے لطف سے خالی نہ رہے　　اس میں بھرتی ہو تو آخور کی بھرتی نہ رہے

مر کے اٹھیں گے اگر اٹھیں گے ہم　　بیٹھے ہیں اس در پہ آسن مار کے

آئینہ رکھ کے یہی بات ہوا کرتی ہے　　آمنے سامنے دن رات ہوا کرتی ہے

قد جاناں کے تصور میں سحر ہوتی ہے　　شب فرقت مری سولی پہ بسر ہوتی ہے

دست بسمل سے چھٹ گیا دامن　　بانہہ پکڑی نہ اس نے قاتل کی

وہ ہم نشیں ہوں اس کے یہ بھی نصیب میرے　　بغلیں بجا رہے ہیں کیا کیا رقیب میرے

دعوئی الفت پہ میرے اس ستم گر نے کہا　　چاہنے والے ملیں گے تجھ سے بہتیرے مجھے

کیسی بک بک لگائی ناصح نے　　بھر گئے کان اس کی بک بک سے

باغ طیبہ میں کیسا عجب آکر　　طائر سدرہ بھی بسیرا لے

دیکھ کر آئینہ اونچی تری گردن نہ ہوئی سچ کہا ہے کہ بڑے بول کا سر نیچا ہے

ساقی جو نہیں ہے تو ہمیں گھول دے افیون انگڑائیاں آتی ہیں' بدن ٹوٹ رہا ہے

لڑتی ہیں کیا چھری کٹاری سے بانک دیکھو تو ان نگاہوں کی

مار رکھتی دل کو اس کی گانٹھ ہے زلف کی بھی گانٹھ کیسی گانٹھ ہے

ہمارے پاس جو بیٹھے تو کسمسا کے اٹھے چرا کے آنکھ وہ اپنا بدن چرا کے اٹھے

ہم نے دیکھا نہ محبت میں اثر دیکھیں گے
ہائے نالہ بھی کیا آہ بھی کر دیکھیں گے
ہم سے بیزار اگر ہو تو خدا حافظ
تم سلامت رہو' ہم اور ہی گھر دیکھیں گے

ضبط ایسا ہے ہزاروں سن کے پی جاتے ہیں وہ
حضرت ناصح سے کم ہیں بھاری بھر کم آدمی

دل ہمارا مورد آفات ہے رنج کی بہتات سی بہتات ہے

سن چکے ٹراوس تیری اٹھ ہمارے پاس سے درد سر ہونے لگا ناصح تری بکواس سے

داغ کی دیوانگی وہ دیکھ کر کہنے لگے　　ایسے بگڑے دل سے ڈر ہے دیکھئے کیونکر بنے

پاس مسجد کے ہے مے خانہ بھی' ہنگام نماز
مست بنکارتے ہیں' دیکھئے کیا ہوتا ہے

کھینچی ہیں سرد آہیں کس نے شب جدائی　　یہ اوس پڑ رہی ہے یا برف پڑ رہی ہے

پھونک دیں گے ایک دم میں یہ شرارے آہ کے
آسماں رہتا ہے کیا گنبد میں بسم اللہ کے

اس کا قامت دیکھ کر سب کٹ گئے　　بڑھ چلے تھے سرو بھی شمشاد بھی

قامت موزوں قیامت ہے ترا　　کیا ہے گر سرو و صنوبر بڑھ چلے

جنازہ اپنے عاشق کا اٹھا تو　　بہت ہلکا ہے یہ' بوجھل نہیں ہے

کھیلے وہ قافہ مست لنگوٹی میں کیوں نہ پھاگ
ہولی میں پھاگ کھیلتی ہو تم رقیب سے

ڈال کر پردہ گئے سیر کو تم پردے میں　　خوب بہلی کی سواری میں طبیعت بہلی

وہ شہسوار ادھر کو جب باگ موڑتا ہے پامال کرکے مرقد گیا خاک چھوڑتا ہے

ان سے وفا میں دیکھئے کیا ہار جیت ہو بازی بدی ہوئی ہے یہ بازی لگی ہوئی

جیت کر بازی سر مقتل بھی بازی لے گئے ۔ ہم نہ تھے ایسے کہ جاں بازی کی بازی ہارتے

پتھر سے مرا گلا بھی قاتل تلوار کی باڑھ کر نہ ہو جائے

چھٹ گئی بدلی فلک پر اڑ گئی باد بہار توبہ کرتے ہی ہمارے یہ نحوست چھا گئی

سن کے افسانہ مرا یہ داد دی واہ باتونی تری کیا بات ہے

راز میرا عدو سے کہتے ہو بات پچتی نہیں ذرا تم سے

میں نے ان پر ڈھال دی جب بے وفا مجھ کو کہا
اک مزا ہے اس محل پر بات دہرانے میں بھی

سر محفل مرے پہلو میں جو بیٹھا ہے رقیب ایسی تکلیف ہے، گویا بغلی گھونسا ہے

ہاتھ سے دوستوں کو کھو بیٹھے ہنسنے والوں کو ہم تو رو بیٹھے

رقیبوں سے بس ٹیڑھ کی لیجئے چلا میں، مری بندگی کیجئے

دل کی سوزش ہوتے ہوتے ہو گی کم آبلہ کیا بلبلا پانی کا ہے

بے لطف کریں ان کی ملاقات تو یہ ہے منظور نہیں بات کوئی بات تو یہ ہے

راز ہے پردہ نشیں کا مرے منہ کو سی دو بات جب پھوٹ گئی پھر نہیں چھپتے دیکھی

پیغام انھیں دے کر کیا ریشہ دوانی ہو یہ بیل منڈھے چڑھتی معلوم نہیں ہوتی

یہ جوش داغ محبت سے پک رہا ہے دل نفس کے ساتھ نکلتی ہے بھاپ سینے سے

سوال وصل ان سے کیا کروں میں دل دھڑکتا ہے
وہ سن کر کہہ نہ بیٹھیں مجھ سے کیا بیہودہ بکتا ہے

مسلسل اشک ہیں پلکوں پہ دیکھو یہ موتی سوزن مژگاں نے بیندھے

پارسا کے جو پڑ گئی پلے دختر رز کے خوب بھاگ کھلے

اس نے مانی نہ کوئی میری بات منتیں کر کے بات بھی کھوئی

دنیا میں آبرو سے گزر جائے کوئی دن   سب کچھ رہا بشر کی اگر بات رہ گئی

نہ رہ جائے الٰہی کوئی خامی   پیامی بات پکی کرکے آئے

جانتا ہوں مری نہ مانیں گے   آ گئے ہیں وہ بات پر اپنی

ہم تو اشارہ فہم بھی ہیں زود فہم بھی   ملتے ہی آنکھ بات ترے دل کی پا گئے

چہرے ہوئے ہیں زرد مریضان عشق کے   پھولی ہے کیا بسنت تماشا تو دیکھئے

بھونڈی بے ہنگم عجب بے ڈول زاہد کی ہے قطع   رند اس کو دیکھ کر کیا سخت بھوچکے ہوئے

آپ کیجئے نہ اس میں بیچ بچاؤ   ہونے دیجئے رقیب سے میری

دل نہ تھا پاک یہی وجہ تو ہے اے قاتل   دہن زخم سے دشمن کے جو بدبو آئی

دل کو ہے خوف زلف کا تیری   اس بلا سے بخار آتا ہے

جس کی موقوفی ہوئی ہوتا نہیں پھر وہ بحال   عشق کی سرکار میں قانون جاری ہے یہی

خرابی میں ہیں کیا کیا اس کے عاشق   کہ برطرفی بحالی روز کی ہے

عشق میں ہم نے کی تھی سربازی   بچ گئی جان، خوب بچ کھیلے

سودے میں جنس دل کے دوالا نکل گیا   بیوپار وہ کیا تھا کہ جس میں بچت نہ تھی

اس سے عاجز ہوا افلاطوں بھی   موت سے کب بچاؤ ہوتا ہے

ہے یہ بیمار محبت کو میسر پانی   کہ وہ تلوار کا دیتے ہیں بجھا کر پانی

دل کو پھنسا کے بل بھی دیئے ہیں کہ چھٹ نہ جائے   رسی بٹی ہے آپ نے زلف دراز کی

فرقت میں چشم تر سے دریا نکل رہا ہے   وہ جوش ہے کہ پانی بانسوں اچھل رہا ہے

ہم بھی کچھ کہتے وہ بھی کچھ کہتے   بات چیت ان سے اب نہیں ہوتی

جگر پر داغ سینے پر نشاں ہیں ان کے چھلے کے   یہی عاشق کا تمغہ ہے، یہی بانکے کا بانا ہے

کچھ اور میرے پاس بجز دل تو نہیں ہے   یہ چیز مگر آپ کے قابل تو نہیں ہے

دوزخ جگہ عذاب کی جنت ثواب کی   بھرتی کہاں کروں دل خانہ خراب کی

آج مے خانے میں اس کی ہے خوشی   محتسب شہر بدر ہوتا ہے

امید میں وصال کی اپنا وصال ہے   خوش حال ہیں وہ ان کی طبیعت بحال ہے

غیر کی لاش کیوں اٹھاتے ہو   بار عصیاں سے بھاری بجھر ہے

مرغ بسمل ہے یا یہ ہے سیماب   دل بے تاب ہے کہ بجلی ہے

آم کی بجلی نہیں جس سے نہ پہنچے کچھ گزند   جان پر بجلی گرائے گی یہ بجلی کان کی

بجرا سجا ہے بنارس میں سیر کو   چل کر ہمارے ساتھ تماشا تو دیکھیے

غیر کہتا ہے رشک قیس ہوں میں   باولا ہے' سڑی ہے' پاگل ہے

اے پیرِ مے فروش لگائیں گے دام پھر   تو بانگی دکھا ہمیں پہلے شراب کی

کھیل سمجھے وہ اسے بھی جان پر کھیلے جو ہم   ہو گئی کم زور بازی چڑھ کے یہ کیا بار ہے

کہتے ہیں دشمن کو مار آستیں   آستیں ہے یا کہ بانبی سانپ کی

وہ بگڑ کر مجھ سے بولے تم بناتے ہو ہمیں   کیا کمر نازک ہماری بال سے باریک ہے؟

آنکھ میں سرمہ لگا کر باڑھ رکھی آپ نے   اب نگاہ ناز کی تلوار چلتی ہو گئی

سلسلہ بات کا بگڑتا ہے   نامہ بر بات جی سے گھڑتا ہے

ترے موئے میاں کی اور کیا تعریف ہو مجھ سے   یہ باریکی کمر کی ہے کہ باریکی نظر کی ہے

بے خطا برسے وہ ہم پر ہم نے ہی برداشت کی   غیر کا مذکور کیا آیا' قیامت آگئی

بعد حجت کے وہ آئے تو ملاقات ہوئی   مختصر قصہ ہوا آج بڑی بات ہوئی

وہ بھچکا جو دیکھی بری دل کی حالت   بڑھاوا دیا اپنے قاتل کو ہم نے

کھا کے ٹھوکر کہیں یہ گر نہ پڑے   فلک پیر کا بڑھاپا ہے

چرا لیا ہے مرے دل کو اور کہتے ہیں   یہ مفت مال ملا' خوب برد ہات لگی

غیر سے کھیلتے تھے ہم شطرنج   اس طرف وہ تھے برد لی ہم نے

برقع اٹھا جو ان کے رخ تاب ناک سے
آنکھیں بلائیں لینے لگیں، کس تپاک سے

گریہ عاشق بے تاب پہ ہنس کر بولے اب تو بے فصل بھی برسات ہوا کرتی ہے

بہت پچھتائے اے دل کیا کریں ہم دعائیں مانگ کر تیری بقا کی

آپ نے کس کو بنایا راز دار غیر بھڑ بھڑیا بھی ہے، غماز بھی

کیوں کر ارمان نکالوں دل سے عشق کا اس سے بھرم جاتا ہے

میری وحشت کی داد اس نے یہ دی خوب بہروپ تونے بدلا ہے

شیخ ہیں پہروں وظیفا بھانتے کام آجاتا جو ڈورا بھانتے

کھپتا ہے اپنی آنکھ میں وہ خوش جمال بھی
تیری سی بول چال بھی ہو چال ڈھال بھی

داغ فرقت سے مرے دل میں جلن پڑتی ہے
جوش گریہ ہے کہ ساون کی بھرن پڑتی ہے

ٹھہرو دم لو چاہئے اس وقت میں کچھ آڑ بھی
تیز چلتی ہے ہوا بھی' مینہ کی ہے بوچھاڑ بھی

ہوئے ہم تارک دنیا' یہ دنیا ہی نہیں اچھی   نیا ہے آسماں اپنا' نرالی ہے زمیں اپنی

وصل کی رات اور یہ حجت   بدمزہ ہو نہ بے مزہ کر کے

دل خانہ خراب کا ہو برا   اس نے بنیاد عشق کی ڈالی

احسان زمانے کے بہت تھے مرے سر پر   قاتل نے بڑا بوجھ اتارا مرے سر سے

دل جگر برق نگہ سے تلملا کر رہ گئے   طفل اشک آنکھوں میں اپنی بلبلا کر رہ گئے

چبھتی کہی تو سنتے ہی وہ تلملا گئے   چٹکی جو میں نے لی تو عدو بلبلا گئے

معشوق سے شکایت بے داد جرم ہے   اس کو بری لگی تو خدا کو بری لگی

کیوں بگڑ کر برا بنوں ان سے   تو تو ناصح مرے بگاڑ میں ہے

کون جیتے' کون ہارے عشق میں   بد گئی ہے شرط میری آپ کی

دے کے ے زاہد کو بدلے میں یہ ہم لیں گے ثواب		آب زمزم سے بدلوانے کی نیت ہو گئی

آئے شیطان کے دھوکے میں جناب آدم		وہ بشر تھے، بشریت تھی یہی، کیا کرتے

وہ آئے اور اب آئے یہ آئے		بشارت دی مجھے باد صبا نے

داو خواہوں میں مرا ساتھ نہ دے گا کوئی		کہ جھجکتے ہیں ابھی سے یہ برابر والے

غیر کے گھر میں تم براج رہے		منتظر صبح سے ہم آج رہے

ان سے رستے میں جو مطلب کی کہی		پھٹے سے منہ کو کہہ کر چل دیئے

جو کوہ عشق کروں طے تو ہو مجھے معراج		کہ ہے بلند بہت اس پہاڑ کی چوٹی

آپ نہ چھوٹیں نہ دامن ان سے چھوٹے گا مرا		خار صحرائے جنوں پلے بندھے پلے پڑے

وہ کیوں ان کو روکے وہ کیوں ان کو ٹوکے		رقیبوں سے درباں کی پلول ملی ہے

سڑتے ہیں گلتے ہیں کوچے میں پڑے		عاشقوں کی پال ڈالی آپ نے

نہ رہی اب ثمر عشق میں وہ کیفیت		بے مزہ ہوتا ہے وہ میوہ جو پل جاتا ہے

دل پہ دھلوا کرے گی یہ بے شک لیس پلٹن ہے تیری مژگاں کی

محبت غیر کی، میری کبھی تم تول کر دیکھو
کہ میزان خرد میں آج پلہ کس کا بھاری ہے

باتوں باتوں میں کہوں کیا میری شامت آگئی
بے دھڑک بے ساختہ لب پر شکایت آگئی

دیئے میرے ناصح کو اس نے خطاب وہ پگلا، وہ پاگل، وہ دیوانہ ہے

باد صبا کے جھوکے نے بے آبرو کیا غنچے کی ایک دھول میں پگڑی اتر گئی

بیاباں کو مری وحشت سے حاصل سرفرازی ہے
سر پر خار پر باندھی ہے پگڑی تار داماں سے

خم کے خم پی گئے ہیں اک حضرت پیٹ ہے یا پکھال چمڑے کی

ہمراہ ان کے باغ میں کیا کیا مزے رہے پکوان بھی تھا آج شراب و کباب بھی

لے گیا دل چرا کے دزد نگہ کوئی اس چور کو پکڑوا دے

کرے جو مدح کوئی ان کی کیا نہیں سنتے کسی کی آہ، کسی کی بکا نہیں سنتے

پہنچے کہاں یہ نالہ، کیا کوئی اس کو جانے جاتا ہے یہ مسافر بے ٹھور بے ٹھکانے

کوئی پل ایسا نہیں کٹتا کہ جس میں چین ہو
دل لگاتے ہی یہ ہم پر کیا قیامت آگئی

دیوان کو داغ کے تو دیکھو ہر بیت ہے انتخاب اس کی

کہتا ہے یہ کیا اپنی سمجھ میں نہیں آتا ۔ ناصح کی بھی جو بات ہے مجذوب کی بڑ ہے

قد ہی چھوٹا، رقیب بونا ہے آدمی کیا ہے، اک کھلونا ہے

ہوئے ہیں دخت زر پر شیخ عاشق مثل سچ ہے کہ بوڑھے منہ مہاسے

پاسباں لیتا ہے تنخواہ بھی رشوت بھی بہت
دو یہ خدمت ہمیں دیں مفت میں پہرا چوکی

ہم نے شیطان کی پھبتی جو کسی دشمن پر پھب گئی اور پھبی ایسی کچھ اٹھ ہی نہ سکی

نعمت حق کی جس نے قدر نہ کی لات ماری بہشت میں اس نے

قلزم عشق میں ہم تیرتے جاتے ہیں وہیں جس جگہ جان کا خطرہ ہے بھنور پڑتا ہے

کیا تلون ہے طبیعت میں تری دوست بن بن کے بگڑ جاتا ہے

کیسی جناب داغ کی تھی مے کشی میں دھوم دو چلوؤں میں آج وہ حضرت بہک چلے

شمع پروانے کو جلاتی ہے بھور اس کا کہیں نہ ہو جائے

ہو ہی جاتی ہے بشر سے بھول چوک ہم نے بھولے سے تمہاری یاد کی

صیاد کی چھری بھی ہے کیا تیز ان دنوں سر طائران باغ کے بھٹا سے اڑ گئے

وہ جانتے ہیں نظر باز راہ گیروں کو پکڑ دھکڑ ہے وہاں آج کل غریبوں کی

پکاؤ بات ابھی داغ دل ہی دل میں تم کھلے گا راز محبت تو غیر کھنکیں گے

کبھی معتکف شیخ صاحب نہ ہوں جو ان کو نہ پکا پکایا ملے

دختر رز سے نبھے گی کس طرح یہ جواں ہے، شیخ پکا پان ہے

وہ ہے مجرم وہ ہے ملزم میں سرا سر بے خطا
آپ پشتی غیر کی لیتے ہیں کیا انصاف ہے

گئی کچھ آسماں سے اور آگے لگایا بھید یہ آہ رسا نے

بھیک بھی مانگے نہیں ملتی جو اڑ جاتا ہے رزق
غم میسر ہو جو کھانے کو، غنیمت جانئے

یہ علامت ہے فقط قہر خدا کی آج تک جھنبھنائیں کیوں نہ مچھر قبر پر نمرود کی
کہتا ہوں چاند، دیکھ کے ابروئے یار کو انیس بیس اس سے نہیں بلکہ بیس ہے

شب معراج میں شادی منائی تھی فرشتوں نے
نہ سمجھو کہکشاں اس کو یہ بندھنو اور باندھا ہے

صبح کو وہ زلف مشکیں کی بہار اور وہ بوباس باسی ہار کی

کھینچے ہوئے تیغ پھر رہے ہو کیا بھوت سوار ہو گیا ہے

شوخ چنچل شریر ہے بے چین بوٹی بوٹی پھڑک رہی ہے تری

یا بستر دشمن سے بہت گرم تم آئے یا راہ کی گرمی سے پسینے میں نہائے

سحر کیا چشم فسوں ساز کیا کرتی ہے　　دل سے وہ زلف گرہ گیر بھی بل بھرتی ہے

یہ حالت ہوئی داغ کا نام سن کر　　پسینے پسینے وہ نازک بدن ہے

تڑپ کر نہ اپنا نکل جائے دل　　بغل بھینچ لیتے ہیں ہم زور سے

جھکنے سے کبھی ہوتا نہیں بند　　قفس میں بھی تو بلبل بولتا ہے

سرمایہ دلوں کا تری مژگاں نے ہے لوٹا　　قزاقوں کی اس قافلے پر بھیڑ پڑی ہے

کچھ پس و پیش سوجھتا ہی نہیں　　بھیڑیا چال ہے زمانے کی

کان رکھ کر نہ سنی گل نے صدائے بلبل　　چیختے چیختے بھرا گئی آواز تری

کون مفلس سے بات کرتا ہے　　کہ زمانہ بھرے کو بھرتا ہے

خدا جانے ہمارا حال صورت دیکھ کر کیا ہو
کہ اس کا حسن سن سن کر طبیعت بھربھراتی ہے

سرگوشیاں رقیب سے کیں تم نے بزم میں　　پہنچی تھی میرے کان میں کچھ کچھ بھنک سی

بزم میں گھیرے ہوئے آج ان کو بیٹھے تھے رقیب
بھڑ کا چھتا چھیڑ کر شامت ہماری آگئی

تیری گلی کو دیکھ کے یہ یاد آگیا
اپنی بھی اس زمیں میں کبھی بود و باش تھی

بار عصیاں سے یہ تھا میت دشمن کا حال چیخ اٹھے' بول گئے لاش اٹھانے والے

نہ ہو کیوں جلسہ ہستی سے حیرت نہ بنواتا نہ بنتا اس کا آئے

ضبط کرتا ہوں تپ غم میں جو میں گرم آنسو دل بیمار کو دیتا ہوں بھپارا اس سے

بوٹیاں لاکھ کرے جمع صوس لیکن بے مقدر کہیں اکسیر بنا کرتی ہے؟

مجھ سے کہتے ہو ترے خواب میں حور آئی تھی
تم سلامت رہو بہتان لگانے والے

دل مفت نذر کرتے ہیں' قیمت نہ پوچھیے
اس کا نہ بھاؤ' تاؤ' نہ کچھ مول تول ہے

تم کو لیلیٰ سے ہے جو یک جہتی اپنا مجنوں سے بھائی چارہ ہے

غضب کی بھڑک تیری افشاں میں ہے
ہوئے چاند سورج ستاروں سے ماند

بے دھڑک راہ فنا میں یہ چلا جاتا ہے
توسن عمر نہ بھڑکا نہ بھڑک اس کی سنی

بیچ میں سے تو لی نہیں جاتی
بات پوری کرو، تمہاری بات

جب طبیعت پہ بوجھ پڑتا ہے
دیکھئے پھر نزاکت مضمون

بارہا پروا چلی، پچھوا چلی
کوئے جاناں تک نہ پہنچی اپنی خاک

کوئے جاناں سے پڑاپڑ کی صدا آتی ہے
گت بنی غیر کی دربان کے ہاتھوں بیشک

میں نے سر روک کے پالٹ ماری
غیر سے چھوٹ ہو گئی تھی آج

اے باغبان پھول نہیں پنکھڑی سہی
گلشن سے ہم تو لیں گے نشانی بہار کی

غیر کے سر کا اتارا دیجئے
درد سر کی ہے شکایت آپ کو

پھر بھی تو عندلیب نہ صیاد سے بچے
طوبیٰ کی بھی پھننگ پہ باندھے جو آشیاں

کہ پھوٹی ہے سیاہی ان کے خط کی
علامت پھوٹ کی ہے یہ بھی قاصد

زلف پیچاں میں مرے دل کی صدا کم نہیں ہے سانپ کی پھنکار سے

ان کی علوت میں جھوٹ ہے سچ ہے وہ ہٹیلے ہیں بات کی پچ ہے

آمد آمد دیکھ کر اس ترک کی پاؤں اٹھ جائیں صف محشر کے بھی

اگر لائے جواب یار دل خواہ تو پھر میں پاؤں پوجوں نامہ بر کے

ہاتھ سے دامن ہمارا چھوڑیئے پاؤں پوجے نبھ چکی بس آپ سے

منزل مقصود کتنی دور ہے چلتے چلتے پاؤں اپنے رہ گئے

ہم سے کیا چل سکے گا قاصد تیز پاؤں سے پاؤں باندھ کر تو چلے

غیر ہوتا نہیں جدا اس سے پاؤں سے پاؤں اس نے باندھا ہے

لیں گے پھرے فروش سے ہم قرض گو چکایا ہے آنا پائی سے

بھاری تھی نعش غیر کی بار گناہ سے
تابوت اٹھانے والوں کے بھی پاؤں بھر گئے

باغ میں پت جھڑ ہوئی' موسم خزاں کا آگیا
مے کشو! مژدہ کہ بعد اس کے بہار آنے کو ہے

پہلے ہی روزے میں طاقت گھٹ گئی شیخ جی کا آج پتلا حال ہے

اہل دنیا کو جو دیکھا غور سے یہ تماشا پتلیوں کا سانگ ہے

اچھے برے کی ان کو کہاں غصے میں تمیز تقصیر تھی رقیب کی' مجھ پر بچھر پڑے

سادگی میں کیوں. کیا تم نے بناؤ زینت روئے نکو جاتی رہی

دل توڑنے کے واسطے طاقت نہیں رہی کچھ کلام کی بھی ان کی نزاکت نہیں رہی

ایسی شب فراق میں حالت بدل گئی میری شبیہ کی بھی وہ صورت نہیں رہی

منتظر ہی رہے دیدار کے ہم وقت اخیر پتلیاں پھر گئیں آنکھوں کی وہ آکر نہ پھرے

سنتے ہیں غیروں میں کشتی ہو پڑی یہ نہیں معلوم کیا چٹ پٹ ہوئی

یہ تو ہے اس بت سفاک پہ مرنے کے لئے ایک دل اور ہو اللہ سے ڈرنے کے لئے
ضعف سے اپنے اسی واسطے خوش ہوں کہ مجھے برسوں گزریں گے ترے جی سے اترنے کے لئے

ایسی بارش میں کہاں جاؤ گے بیٹھے بھی رہو ایک طوفان ہے، پڑتے ہیں ٹپا ٹپ اولے

قیمتی ہو حسن قمری کا جب اے سرو چمن طوق کے بدلے اسے پٹا طلائی چاہیے

توبہ کے بعد اپنا کیا دل ترس رہا ہے بادل گرج رہا ہے، پانی برس رہا ہے

وصل کے ذکر نے رنجیدہ کیا کیا ہم سے
اکھڑے اکھڑے وہ رہا کرتے ہیں کیا کیا ہم سے

منزل دوست نہیں ایسی دور نامہ بر پاؤں اٹھا کر تو چلے

مجھ سے وہ برہم بھی ہیں بیزار بھی اور پرچک دیتے ہیں اغیار بھی

اس کا سایہ ہے بلا، کرتی ہے یہ سودائی آپ بھی بچتے رہیں زلف کے پرچھانویں سے

بے وفا ہونے میں گو آرام ہے مجھ پہ کیوں دشمن کا پرچھانواں پڑے

ان بے حجابیوں کی کوئی حد نہیں رہی پردے پہ ہاتھ رکھتے نہیں وہ ستار کے

ہم نے دلی سے سوا پائی دکن میں راحت کون کہتا ہے کہ پردیس برا ہوتا ہے

غنچے چٹک رہے ہیں پٹاخوں کی طرح سے	شادی ہے کیا چمن میں عروس بہار کی

میں سر جھکا کے آگے بڑھا بھی تو کیا ہوا	تلوار پٹ پڑی مرے قاتل کے ہاتھ سے

یہ سر ٹپکنے کی در پر ترے نشانی ہے	ہمارے ماتھے کا کوئی ورم ٹپکتا ہے

ٹکرا کے پھر ادھر کو نہ آجائے تیر آہ	مضبوط چھت بٹی ہے بہت آسمان کی

سچ تو یہ ہے قرض دے مجھ کو کہاں تک مے فروش
دام پٹ جائیں اگر اگلے تو پھر لگا لگے

آشیاں پورے بناتے نہ طیور	سر مجنوں پہ جو پٹے ہوتے

دیو غم سے لڑا ہے دل کشتی	یہ بھی پٹھا بلا کا نکلا ہے

ہے سمندر ناز کی شوخی غضب	کب یہ ٹھہرا آپ کی پچکار

سمند بادپا بھی زیر راں ہے	سوار اس پر وہ پھرتیلا جواں ہے

دنیا کا مال و زر نہیں کچھ نام کے لئے	کرتا ہے جمع آدمی آرام کے لئے

ہے سادگی غضب کی قیامت کا بناؤ وہ صبح کے لئے ہے تو یہ شام کے لئے
استاد مے کدہ' شاگرد رند ہیں اس مدرسے کی واہ پڑھائی کچھ اور ہے

دشنام سخت بام سے دیتے رہے مجھے لڑھکائے پتھر آپ نے گویا پہاڑ سے

بات مطلب کی وہ پڑھتا ہی نہیں خط مرا غیر سے پڑھواتا ہے

دل مرحوم کا اس بے کسی میں دیا پرسا "کراما" کاتبیں نے
خط سے روئے یار پر پرواز کی دست قدرت میں بھی کیا پرکار تھی
دلائی نہ کیونکر ہو بار نزاکت کہ اس نازنیں کا اکہرا بدن ہے
اس سہی قد نے کر دیا سیدھا سرو کی پھر اکڑ نہیں جاتی
پہلے پرداخت تھی مری منظور اب تو پرخاش ان کو رہتی ہے
تم پچا بیٹھے ہو پرایا مال دل کی نالش کریں گے حاکم سے
تو پچکتا ہے کیوں جو کوئی کہے سیب پستاں ترے پچکنے لگے
مکاں منحوس بے ڈھنگا ہے دشمن کا نہ تم لینا نہ اگواڑا ہی اچھا ہے' نہ پچھواڑا ہی اچھا ہے
دیکھو رندو شیخ صاحب کے نہیں ہیں منہ میں دانت پھیکے ہوں نرم چاول ان کی دعوت کے لئے
عبادت ہے یہ زاہدو! انتہا کی پرستش کرو بت کدے میں خدا کی
دل ہے تنہا' یہ لڑائی کیسی فوج مژگاں نے پرا باندھا ہے
ناصح میسر ہے پرانا گھاگ اگلے وقتوں کی باتیں کرتا ہے
کہتے ہیں آئیں گے عدو کے ساتھ یہ بر تم نے بیخ لگائی ہے
کہکشاں ہے پر تلا اس کا ہلال اس کی ہے تیغ یہ علامت کہہ رہی ہے آسماں خون ریز ہے
وہ ہے خلوت سرائے ناز اے دل' کیا خبر تجھ کو پرندہ پر نہ مارے جس جگہ' انسان کیا پہنچے

پڑ گئے لینے کے دینے دل کو واپس مانگ کر اور لیجئے ہم کو الٹی بات دینی آگئی

اے ہم صغیر میری فغاں کا ہے اور رنگ آواز پاٹ دار کہاں عندلیب کی

دل میں کیا مہرباں نہیں آتی بات کہنے میں ہاں نہیں آتی

وہ اشاروں میں کام لیتے ہیں گفتگو درمیاں نہیں آتی

جل کے دل خاک ہو گیا شاید
بوئے سوز نہاں نہیں آتی

کیا جانئے دوسرا ہے کنارہ کدھر کہاں دریائے عشق کا بھی سمندر کا پاٹ ہے

دل کو پتھر بنا دیا ہم نے اس کو پارا پلا دیا ہم نے

شب غم مر گیا موذن کیسا آج بانگ اذان نہیں آتی

دل مرا چھین کے آنکھوں نے تری حلقہ زلف میں بندھوایا ہے

فتنہ برپا کر رہی ہے آپ کی رفتار بھی پھر قیامت خیز ہے پازیب کی جھنکار بھی

عشاق کے دل راہ میں پامال کرو گے آواز یہی دیتی ہے پازیب تمہاری

اچھا نہیں ہے پاس پڑوس اس کی فکر ہے ہمسائے میں عدو کو بسایا ہے آپ نے

بارہا اس پہ گری برق تجلی اس کی   طور سینا نہیں پاسنگ بھی میرے دل کے

مجھ پہ رکھتے ہیں غیر کا الزام   الٹی گنگا بہائی جاتی ہے

بزم میں وعظ کی رندوں کو کہاں پاس ادب   پالتی مار کے بیٹھے، نہ دو زانو بیٹھے

جو ملتی مول ہم کو بہر مرقد کوئے جاناں میں
تو اشرفیاں بچھا کر پاٹ دیتے ہم زمیں اتنی

روز حساب کیا نہیں کرنے کا سات پانچ   عیاریوں میں وہ بت پر فن تو پانچ ہے

عرق شرم نے محشر میں ڈبویا مجھ کو   پڑ گئے مجھ پہ خجالت سے گھڑے پانی کے

پیتے ہیں اب جناب مشیخت مآب بھی   پانی کے مول بکنے لگی ہے شراب بھی

اس قدر روزے کی گرمی ہے مجھے   منہ کو لگتا نہیں ٹھنڈا پانی

بظاہر آدمی ہیں، آدمیت کب ہے غیروں میں
عجب خلقت ہے، ان کا باوا آدم ہی نرالا ہے

جاتے ہیں بے انتہا پیاسے وہاں   چاہ زمزم کا نہ پانی ٹوٹ جائے

پڑ گئے لینے کے دینے تشنہ دیدار کے
منہ میں اب پانی چواتے ہیں ترے بیمار کے

چشم پر آب میں عاشق کی بھرا ہے دریا ایسے تلاب کا طوفاں ہے جو پانی پھوٹے

گر اڑے سوختہ جانوں کا غبار جھلملا جائیں ستارے سارے

پی چکے سب' اب آئے زاہد آپ جائیے بس جناب برکت ہے

اٹھا ہے ابر کعبے کی طرف سے مے کشو مژدہ
نہیں رہنے کا بے برسے کہ یہ برساؤ بادل ہے

تان کر باد صبا نے جو تمانچا مارا بھربھراہٹ سی رخ گل پہ نظر آتی ہے

دل اس قدر ہے مرا ناتواں خدا کی پناہ تری کمر کے تصور سے بوجھ پڑتا ہے

میں اور بزم غیر پہ قسمت کی بات ہے آیا ہوں راہ بھول کے تیرے مکان کی

جب حسینوں میں ہوا شامل مرا یوسف جمال حسن کے بازار میں بکری بہت اچھی ہوئی

دور سے تیری گلی میں اجنبی کو دیکھ کر بھونکتے ہیں ساتھ کتوں کے ترے دربان بھی

مہکا ہوا ہے مے کدہ اے مے کشو نوید　　پیر مغاں نے کھول دی بھٹی شراب کی

واسطے افطار کے اے شیخ شربت چاہئے　　قند کے کوزے کے بدلے گڑ کی بھیلی ہی سہی

اڑتی پھرتی ہے گو ہماری خاک　　چھوڑ کر وہ گلی نہیں جاتی
دیکھ اس چشم مست کو زاہد　　تجھ سے اتنی بھی پی نہیں جاتی

آئے تھے کیا رقیب کے گھر سے لڑے ہوئے　　تم میرے پاس بیٹھتے ہی اٹھ کھڑے ہوئے

رہ گئی دل ہی کی دل میں حسرت　　کیا کہیں موت اچانک آئی

ناز ہے تیغ ادا' تیر نگہ ہے برچھی　　جان لے لے جو کسی کی تو اچنبا کیا ہے

میں تو مرتا ہوں وہ یہ کہتے ہیں　　اچھا خاصا ہے' بھلا چنگا ہے

اچھا ہے مے کشی میں جو اچھو ہوا مجھے　　اس وقت میں شراب کا پینا حلال ہے

کون روکش ہو محمدؐ کے تن پر نور سے　　اولا بدلا جس کے سائے کا ہو برق طور سے

ترس کھا ذرا دل کو ترسانے والے　　ادھر دیکھتا جا ادھر جانے والے
وہ جب آگ ہوتے ہیں غصے سے مجھ پر　　تو بھڑکاتے ہیں اور چمکانے والے

کام کر جائے گی یہ خاموشی ہم کو آہ و فغاں نہیں آتی

فارسی کی نہیں پرسش اے داغ اس زمانے میں ہے اردو اچھی

مدام سر پہ مصیبت پڑی نہیں رہتی ہمیشہ یار کسی کی اڑی نہیں رہتی

گر غلط سمجھا اسے ہم نے تو اس میں کیا گناہ
آپ کی تحریر کچھ آیہ نہیں قرآن کی

روز آنے لگی شب فرقت یہ برا آئے دن کا جھگڑا ہے

کیوں بہانہ ڈھونڈھتی ہے موت آنے کے لئے
مجھ میں طاقت ہی نہیں دنیا سے جانے کے لئے

یہ جوش داغ محبت سے پک رہا ہے دل نفس کے ساتھ نکلتی ہے بھاپ سینے سے

سب متاع دین و دنیا چاہئے اے ہوس تجھ کو بھی کیا کیا چاہئے
لینے والے کی تو کوئی حد بھی ہے دینے والے کو بہت سا چاہئے
دل مقابل اس صف مژگاں کے ہے لڑنے مرنے کو کلیجا چاہئے
اڑ چکا باد خزاں سے آشیاں مجھ کو تنکے کا سہارا چاہئے
گر فرشتہ ہو تو ہم کو کیا غرض آدمی اچھے سے اچھا چاہئے

مہماں سرائے دہر میں دس آئے دس گئے — اتنا مگر ہے فرق کہ کچھ پیش و پس گئے
جب میں نے توبہ کرنے کا سامان کر لیا — کچھ بادل آسماں پر آکر برس گئے

کون باد خزاں کے ساتھ چلے — پاؤں بھاری عروس باغ کا ہے

مرگ دشمن پہ روئے ہو کیا تم — ہیں پپوٹے جو آنکھ کے بھاری

سرمہ ضرور ہے نگہ یار کے لئے — یہ باڑ چاہئے اسی تلوار کے لئے
یہ جنس دل نہیں ہے خریدار کے لئے — رکھا ہے اس کو رونق بازار کے لئے
یہ بار ناز ہم سے اٹھایا نہ جائے گا — بیگاری کوئی ڈھونڈیئے بیگار کے لئے
بیٹھے ہیں راہ دوست میں ہم پاؤں توڑ کر — اب فکر کیا ہے منزل دشوار کے لئے
انکار کیجئے آپ، مگر شکل آپ کی — کہتی ہے میں بنی ہوں ترے پیار کے لئے

پیامی تو ہے کیا الو کا پٹھا — سمجھتا ہی نہیں کچھ بات میری

ان کو جب میں نے ہلال ابرو کہا — کھینچ کر تلوار مجھ پر پل پڑے

دل پر دھلوا کرے گی یہ بے شک — لیس پلٹن ہے تیری مژگاں کی

زمیں پر وہ سوتے ہیں غم میں عدو کے — پلنگ آج ان کا سونا پڑا ہے

بوڑھے جناب شیخ ہیں کیونکر چبائیں پان　　　پن کٹی ان کے واسطے لوہے کی چاہیے

دل بچے کیونکر تمہارے ہاتھ سے　　　تم تو پنجے جھاڑ کر پیچھے پڑے

سمند عمر رواں جب چلا تو تیز چلا　　　نہ کلوا ہے نہ ایڑن نہ ہے پھرت اس کی

ایک دم میں جواب لے آیا　　　نامہ بر میں غضب کی پھرتی ہے

بیٹھے تھے جم کے بزم میں اس حور وش کی غیر
دیکھا جو مجھ کو دیکھتے ہی پھر سے اڑ گئے

اشعار کچھ سنائے جو فریاد داغ کے　　　سنتے ہی یہ فسانہ وہ مجھ سے بدک گئے

پہلے تو داغ صاحب ان سے بگاڑ بیٹھے　　　اب جان جا رہی ہے اب دم نکل رہا ہے

کیا خوشی ہے کہ میرے پھولوں میں　　　دعوت خاص و عام ہوتی ہے

اللہ اللہ وہ جوانی اور پھر وہ بانکپن　　　خوشنما ہیں پیچ کیا اس لٹ پٹی دستار کے

نتیجہ محبت کا کیا پوچھتے ہو　　　بہت پیچ اس میں اٹھایا ہے ہم نے

پیرہن کے ٹکڑے مجھ وحشی کے جب بھی بچ رہیں
صرف ہوں گر ایک درجن پچکیں خیاط کی

لائے گی پیچ زلف پریشاں نئے نئے
یہ سادگی دکھائے گی ساماں نئے نئے

اس کی تقدیر میں پڑا ہے پیچ
دل بری طرح پیچ و تاب میں ہے

اے شہ سوار! خاک اڑا کر کہاں چلا
پیچھا چھٹے گا کب مرے مشت غبار سے

سلجھتا ہی نہیں مضمون گیسو
طبیعت میں عجب پیچیدگی ہے

خاکساری چاہئے انسان کو
اس کی پیدائش ہوئی ہے خاک سے

عشق میں عاشق کی ایسی اے فلک بے عزتی
ہو سوار ناقہ لیلیٰ قیس یوں پیدل چلے

وہ نہ پیغام بر سے ہوں ناراض
ایسے پیرائے میں کلام کرے

خوبی قد سے تری نسبت ہے کیا
تو ہے انساں اور طوبیٰ پیڑ ہے

بری اولاد کو بھی بھرتے ہیں
کھوٹا پیسہ بھی کام آتا ہے

تیری رفتار نے مرے دل کو راہ میں پیس پیس ڈالا ہے

آپ شب کو جو چھپ کے جائیں گے ہم بری طرح پیش آئیں گے

گر نہ دیتا ساقیا تو ہم کو مے پیش دستی کرکے ساغر چھینتے

میں نے جانا یہ ہر مسافر کو پیک دل بر جواب لاتا ہے

اس نے غیروں کو پلائی بزم میں رشک سے ہم غصہ پی کر رہ گئے

غم مجھے اس طرح دیتا ہے فشار تیل پیلے جس طرح تیلی کوئی

کیوں خضر زمیں ناپتے ہیں پیمائش طول عمر کرتے

کل تک تو سادگی تھی مگر آج کیا سبب پھبک لگائی ہے جو دلائی میں آپ نے

دل سے پیوستہ ہے خار عشق وہ نازنیں مجھ کو یہ کھٹکا ہے کھٹکے گا یہاں آتے ہوئے

وحشت سے اس قدر ہیں مرے پیرہن میں چاک پیوند بھی لگانے کی صورت نہیں رہی

اب ہمارے بخت نے پایا عروج اس کی پستی تھی بلندی کے لئے

قصیدہ در مدح آقائے ولی نعمت حضور پرنور رستم دوراں افلاطون زماں مظفر الممالک رستم جنگ نظام الملک آصف جاہ' فرماں فرمائے سلطنت حیدر آباد دکن' صانہ اللہ عنہ الشرور والفتن وخلد اللہ ملکہم

ہیں رخ آصف سے کم تر آفتاب و ماہتاب
لاکھ چمکیں آسماں پر آفتاب و ماہتاب

اس خداوند تعالیٰ نے دیا شہ کو فراغ
نور سے جس کے منور آفتاب و ماہتاب

روئے روشن سے نہ کرتے اقتباس نور گر
اس قدر ہوتے نہ انور آفتاب و ماہتاب

آب و تب گوہر تاج مرصع دیکھ کر
آب خجلت میں ہوئے تر آفتاب و ماہتاب

شاہ کا بخت بلند ان کو اگر نیچا دکھائے
فلس ماہی ہوں سراسر آفتاب و ماہتاب

شہ کے طالع میں جو ہے نجم سعادت کا فروغ
ایسے کب ہیں نیک اختر آفتاب و ماہتاب

آب و تاب حسن سے شہ کی ہوئے کیا کیا خجل
شمع و انجم، لعل و گوہر، آفتاب و ماہتاب

وصف طبع روشن آصف نہ ہوں جب بھی رقم
گر بنیں اوراق دفتر آفتاب و ماہتاب

جبہ و رخسار آصف جاہ ہیں بالذات ایک
ہیں دو گوہر، ہیں دو جوہر، آفتاب و ماہتاب

جلوہ افزائی کرے گر پرتو نور جمال
آسماں سے بھی ہوں بڑھ کر آفتاب و ماہتاب

شاہ کا بحر سخا جس وقت آئے جوش پر
ہوں حباب آسا شناور آفتاب و ماہتاب

رشک شوق دید ملنے ہی نہیں دیتا انہیں
روز و شب باہم ہوں کیونکر آفتاب و ماہتاب

جب لٹائے سیم و زر آصف تو پھیلائیں نہ کیوں
اپنا دامن، اپنی چادر آفتاب و ماہتاب

آج جشن عید ہے اس طرۂ دستار پر
آسماں کر دے نچھاور آفتاب و ماہتاب

آج وہ دربار ہے لائے بجائے اشرفی
نذر شہ کو چرخ اخضر آفتاب و ماہتاب

آج وہ دن ہے کہ دیور بن کے گردوں جائے گل
لائے ڈالی میں لگا کر آفتاب و ماہتاب

جلوہ گاہ شاہ کا ثانی نظر آتا نہیں
ڈھونڈھتے پھرتے ہیں گھر گھر آفتاب و ماہتاب

روز و شب ایوان شاہی پر سعادت بار ہیں
سعد اصغر سعد اکبر آفتاب و ماہتاب

قصر عالی ہے وہ روشن ترکہ جس کے فرش میں
تختہ ہائے سنگ مرمر آفتاب و ماہتاب

شمسہ و مہتابی ایوان شہ کے رشک سے
روز و شب کھاتے ہیں چکر آفتاب و ماہتاب

فرش قالیں دیکھ کر ایوان آصف جاہ میں
منفعل ہیں چرخ اخضر آفتاب و ماہتاب

خواب گاہ شاہ میں گل تکئے ہیں زر بفت کے
دو ہیں گویا زیب بستر آفتاب و ماہتاب

جشن و بزم جام مے ہے واعظان شہر بھی
کہتے ہیں بالائے ممبر آفتاب و ماہتاب

مدح حاضر میں پڑھوں وہ مطلع پر نور میں
جس کا ہر مصرع ہو یکسر آفتاب و ماہتاب

مطلع

اس در دولت سے لیں زر آفتاب و ماہتاب
کاسہ دریوزہ بن کر آفتاب و ماہتاب

اے نظام الملک آصف جاہ اے شاہ دکن
تیرے جلوے سے منور آفتاب و ماہتاب

جب ہوئے روکش تری چمکی ہوئی تقدیر سے
ہو گئے تانبے کا پتر آفتاب و ماہتاب

بخت روشن کے ترے ہیں زیر فرماں روز و شب
مثل خادم مثل چاکر آفتاب و ماہتاب

طالع فیروز تیرا ہے جواں روشن بلند
پیر ہے گردوں' معمر آفتاب و ماہتاب

جلتے جلتے ہیں ترے آئینہ رخسار سے
ہیں نصیبے کے سکندر آفتاب و ماہتاب

عینک چشم حقیقت بیں کو تیری دیکھ کر
گر پڑے نظروں سے یکسر آفتاب و ماہتاب

ہے یہ شایاں خامہ تار شعاعی سے لکھیں
وصف تیرے اپنے دل پر آفتاب و ماہتاب

یوں دل فیاض روشن ہے ترا جس طرح سے
فیض گستر' نور گستر آفتاب و ماہتاب

نور حق پر تو فگن یوں تیرے قلب صاف میں
جیسے آئینے کے اندر آفتاب و ماہتاب

تیرے نقش پا سے ہے فرق زمین و آسماں
پھرتے ہیں اوپر ہی اوپر آفتاب و ماہتاب

خاک تیری جلوہ گہ کی ان کو ہاتھ آئے اگر
مثل غازہ مل لیں رخ پر آفتاب و ماہتاب

تیری چشم نقش پا سے گر نہ پائیں فیض نور
ذرے ذرے سے ہوں احقر آفتاب و ماہتاب

یوں دل روشن ترا ہر ہر نفس کا رہ نما
جس طرح رہ روکے رہ بر آفتاب و ماہتاب

تیری خاک راہ کے ذرے ہیں روشن اس قدر
چمکے ہیں گویا زمیں پر آفتاب و ماہتاب

آرزو ہے مسند کمخواب کے بوٹے نہیں
پھرتے ہیں بے تاب و مضطر آفتاب و ماہتاب

تیری بزم عیش سے کیا رتبہ بزم جم کو ہو
ہے یہاں ہر جام و ساغر آفتاب و ماہتاب

قطرۂ بحر کرم تیرا گر ہو اوج گیر
اس کو سمجھیں شیر مادر آفتاب و ماہتاب

شعلہ جوالہ کے مانند ہونے کو نثار
گرد تیرے کھائیں چکر آفتاب و ماہتاب

گرم و سرد عالم اسباب سے واقف ہے شاہ
کیا دکھائیں اپنے جوہر آفتاب و ماہتاب

قرض مہر و ماہ کی کیا اصل، شہ کی تیغ تیز
گر پڑے ٹکڑے ہوں یکسر آفتاب و ماہتاب

کیا سپر سے رک سکے شمشیر آصف جاہ کی
مثل جواز ہوں دو پیکر آفتاب و ماہتاب

گرد لشکر جب اڑے سوئے فلک وقت مصاف
ہوں مکدر سے مکدر آفتاب و ماہتاب

فتح جنگ آصف کے لشکر کے جہاں چمکیں علم
ہوں وہاں لاکھوں منور آفتاب و ماہتاب

ہیں منور کس قدر شہ کی سپر کے چار پھول
چار ہیں گویا سمٹ کر آفتاب و ماہتاب

ایسے سر لشکر ہیں لشکر کے یہاں روشن دماغ
جیسے کل انجم کے افسر آفتاب و ماہتاب

شاہ آصف کی جو بے حد مثل انجم ہے سپاہ
ہیں علم بردار لشکر آفتاب و ماہتاب

شاہ آصف کی جو وقت جنگ ہو نیزہ بلند
برج سے نکلیں نہ باہر آفتاب و ماہتاب

نقرہ و شبذیر تیرے گر اڑیں سوئے فلک
کیا تعجب کھائیں ٹھوکر آفتاب و ماہتاب

ہیں ترے نقش سم توسن بھی یوں زیب زمیں
آسماں پر جیسے زیور آفتاب و ماہتاب

وقت جولاں گر سمند شاہ کی لے جائے خاک
مان لیں احسان صرصر آفتاب و ماہتاب

چاند سورج زیب پیشانی ہیں فیل شاہ کے
کیوں نہ شرمائیں فلک پر آفتاب و ماہتاب

تیری چشمِ قہر اٹھ جائے اگر سوئے فلک
خوف سے ہو جائیں پتھر آفتاب و ماہتاب

عکسِ اٹگن ہو اگر بدخواہ کا بختِ سیاہ
خال سے بھی ہوں سیہ تر آفتاب و ماہتاب

طالعِ دشمن میں ہے بے کار ایسی روشنی
جیسے کاغذ پر مصور آفتاب و ماہتاب

کب سیہ کاری عدو کی چھپ سکے روزِ جزا
مہر ہوں گے بہرِ محضر آفتاب و ماہتاب

کیا عجب ہے تیغ کھینچیں طالعِ بدخواہ پر
ترکِ گردوں کے برابر آفتاب و ماہتاب

داغِ دل داغِ جگر دشمن کے تیرے ہاتھ سے
آگئے یہ زیرِ خنجر آفتاب و ماہتاب

لائے گر عہدِ مبارک میں نحوست کی گھڑی
ہوں زحل پر حملہ آور آفتاب و ماہتاب

اس طرح فخرِ سلاطیں شاہ و شہزادہ ہیں آج
جیسے سیاروں میں انور آفتاب و ماہتاب

شاہِ آصف اور شہزادہ رہیں تا دورِ چرخ
ہیں یہ دو فرخندہ گوہر آفتاب و ماہتاب

ہے یہ زیبا آئینہ ان کو دکھائیں روز و شب
مثلِ خادم، مثلِ چاکر آفتاب و ماہتاب

ہے یہی زیبا کہ ہوں فرقِ مبارک پر نثار
بن بنا کر نقرہ و زر، آفتاب و ماہتاب

ہو دوبالا بخت روشن قلب روشن کا فروغ
چرخ پر جب تک ہیں انور آفتاب و ماہتاب

جلوہ گر ان کی محبت دل میں آصف کے رہے
تھے جو سبطین پیمبر آفتاب و ماہتاب

داغ یہ شاہ دکن کی مدح ہے کیونکر نہ ہوں
شعر تیرے اے ثنا گر! آفتاب و ماہتاب

آسماں نے دو دکھائے اور مدح شاہ میں
ہم نے چمکائے اکھتر آفتاب و ماہتاب

ولہ فی المدح

جود و سخا نظام کی ہمت کے ساتھ ہے
وابستہ خلق دامن دولت کے ساتھ ہے

دنیا میں نام آپ کا شہرت کے ساتھ ہے
شہرت بھی ہے اگر تو حکومت کے ساتھ ہے

دل میں جو حوصلہ ہے تو جرات کے ساتھ ہے
آنکھوں میں ہے حیا تو مروت کے ساتھ ہے

آصف کو الفت ایسی رعیت کے ساتھ ہے
جیسی رسول پاکؐ کو امت کے ساتھ ہے

چونتیسویں ہے سال گرہ اب حضور کی
ساعت یہ نیک یمن و سعادت کے ساتھ ہے

کیونکر خطاب میں نہ فلاطون عصر ہو
جو بات ہے وہ فہم و فراست کے ساتھ ہے

جو ہے خدا کا حکم وہی بادشاہ کا
طاعت کا لطف ہم کو اطاعت کے ساتھ ہے

کیا اتباع حکم شریعت ہے رات دن
کیا اعتقاد اہل طریقت کے ساتھ ہے

بدخواہ کا نظر سے کلیجا نکل پڑے
وہ دبدبہ حضور کا سطوت کے ساتھ ہے

اولاد سے زیادہ ہے منظور پرورش
کیسی رعایت اپنی رعیت کے ساتھ ہے

جو کام مقتضی ہے ریاست کے واسطے
سطوت کے ساتھ ہے وہ سیاست کے ساتھ ہے

کیونکر ہرا بھرا نہ رعیت کا باغ ہو
مثمر یہ بادشاہ کی نیت کے ساتھ ہے

مسکیں نواز بھی ہے، مسافر نواز بھی
کیا پرورش اہالی غربت کے ساتھ ہے

دنیا کی ہے زبان پہ شاہ دکن کا لطف
چرچا یہی تو حرف و حکایت کے ساتھ ہے

جرم و خطا کے واسطے تفتیش ہے بدیر
عفو خطا اگر ہے تو عجلت کے ساتھ ہے

یہ اتحاد چاہئے انسان کے لئے
سیرت کا حسن خوبی صورت کے ساتھ ہے

نوکر کی آبرو سے ہے آقا کی آبرو
کیا پرورش ہر ایک کی عزت کے ساتھ ہے

آصف دلیر و شیر فگن وہ ہے جس کی دھاک
سارے بہادروں میں شجاعت کے ساتھ ہے

آصف ہے وہ خلیق کہ باغ جہاں میں آج
خوشبوئے خلق جس کی لطافت کے ساتھ ہے

آصف کا ہے وہ طالع فیروز و ارجمند
جس کا عروج شوکت و حشمت کے ساتھ ہے

آصف کا حق تھا حق نے جو شاہ دکن کیا
جو کام ہے خدا کا وہ حکمت کے ساتھ ہے

کیا منصفی ہے طبع میں بدو شعور سے
کیا راستی مزاج میں خلقت کے ساتھ ہے

اہل زمیں کو فخر نہ کیوں ہو کہ واسطہ
اک آسمان جاہ و جلالت کے ساتھ ہے

دست نظام میں رہے یا رب عنان دیں
اسلام جب تک اسم شریعت کے ساتھ ہے

آصف رہے ہزار برس جس کی سلطنت
شان و شکوہ و شوکت و عظمت کے ساتھ ہے

یا رب! دعا ہو داغ گو کی مستجاب
اس کی دعا امید اجابت کے ساتھ ہے

قطعہ در تعریف انبہ دکن

شاہ نے دیں آم بھری کشتیاں
بحر عطا کیا ہی ہوا موج زن

کشتیوں میں آم جو ہیں رنگ رنگ
داغ کا گھر آج ہے رشک چمن

سرخ میں ہے لالہ رخوں کی بہار — سبز میں ہے سبز خطوں کی پھبن
زرد میں ہے رنگ گل زعفراں — کیسری پوشوں کی ہے اک انجمن
آم سے منہ پر ہے سیاہی کہ ہے — مردمک چشم بت سیم تن
الغرض و مرغوبہ الذا لثمر — ذائقے میں غیرت شہد عدن
ایسے کہاں پریوں کے پر سبز سبز — ایسے کہاں حوروں کے سیب ذقن
طوطا پری لال دیا دل پسند — کہتے ہیں نامی انہیں اہل دکن
آم ہرا جام زمرد کی شکل — لال دیا صورت لعل یمن
سونگھ کے ہو جائے معطر دماغ — منہ پہ مگر ان کے ہے مشک ختن
رنگ ہے وہ شوخ کہ جیسے پری — اور وہ خوش بو کہ معطر دلہن
گر کبھی ان آموں کا رس چوس لیں — ہونٹ ہی چاٹا کریں شیریں دہن
انبہ شیریں جو اسے ہو نصیب — نام بھی شیریں کا نہ لے کوہ کن
جنت دنیا کے یہی تو ہیں آم — ان کا ہی مصلح ہے بہشتی لبن
ایسے رسیلے ہیں وہ نازک ہیں پوست — جیسے کہ ہوں دل بر نازک بدن
سینکڑوں قسمیں اسی میوے کی ہیں — پھر ہے یہ افراط کہ لاکھوں ہی من
واقعی ان آموں کی تعریف میں — کم ہے جہاں تک کہیں اہل سخن
قاش بنے اس کی جو اپنی زباں — قند کا کوزہ بنے اپنا دہن
دیکھئے شیرینی گفتار پھر — نطق بھی چپکے دم عرض سخن
نام تو ہے گرچہ یہ معنی نہ ہوں — شرکت اسی ہے شیریں ہے دہن
مجھ کو یہ مصرع بہت آیا پسند — انبتہ اللہ نباتاً الحسن
پھولے پھلے شاہ کا باغ مراد — اور ثمریاب ہوں اہل زمن

فیض رساں داغ کو یارب رہے
خسرو محبوب نظام دکن

قطعہ بطور ہدایت نامہ کہ حسب استدعاے خاکسار احسن وقت تالیف جلوۂ داغ برائے فصیح اللغات ارشاد فرمودند فی البدیہہ

اپنے شاگردوں کو یہ عام ہدایت ہے مری ۔۔۔ کہ سمجھ لیں تہ دل سے وہ بجا و بے جا
شعر گوئی میں رہیں مد نظر یہ باتیں ۔۔۔ کہ بغیر ان کے فصاحت نہیں ہوتی پیدا
چست بندش ہو نہ ہو ست یہی خوبی ہے ۔۔۔ وہ فصاحت سے گرا شعر میں جو حرف دبا
عربی فارسی الفاظ جو اردو میں کہیں ۔۔۔ حرف علت کا برا ان میں ہے گرنا دبنا
الف وصل اگر آئے تو کچھ عیب نہیں ۔۔۔ لیکن الفاظ میں اردو کے یہ گرنا ہے روا
جس میں گنجلک نہ ہو تھوڑی بھی صراحت ہے وہی ۔۔۔ وہ کنایہ ہے جو تصریح سے بھی ہو اولیٰ
عیب و خوبی کا سمجھنا ہے اک امر نازک ۔۔۔ پہلے کچھ اور تھا' اب رنگ زباں اور ہوا
یہی اردو ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے ۔۔۔ اہل دہلی نے اسے اور سے اب اور کیا
مستند اہل زباں خاص ہیں دلی والے ۔۔۔ اس میں غیروں کا تصرف نہیں مانا جاتا
جوہری نقد سخن کے ہیں پرکھنے والے ۔۔۔ ہے وہ ٹکسال سے باہر جو کسوٹی نہ چڑھا
بعض الفاظ جو دو آئے ہیں اک معنی میں ۔۔۔ ایک کو ترک کیا' ایک کو قائم رکھا
ترک جو لفظ کیا اب وہ نہیں مستعمل ۔۔۔ اگلے لوگوں کی زباں پر وہی دیتا تھا مزا
گرچہ تعقید بری ہے مگر اچھی ہے کہیں ۔۔۔ ہو جو بندش میں مناسب تو نہیں عیب ذرا
شعر میں حشو و زواید بھی برے ہوتے ہیں ۔۔۔ ایسی بھرتی کو سمجھتے نہیں شاعر اچھا
گر کسی شعر میں ایطائے جلی آتا ہے ۔۔۔ وہ بڑا عیب ہے کہتے ہیں اسے بے معنی

استعارہ جو مزے کا ہو مزے کی تشبیہ
اس میں اک لطف ہے اس کہنے کا پھر کیا کہنا

اصطلاح اچھی، مثل اچھی، ہو بندش اچھی
روزمرہ بھی رہے صاف فصاحت سے بھرا

ہے اضافت بھی ضروری مگر ایسی تو نہ ہو
ایک مصرع میں جو ہو چار جگہ بل کہ سوا

عطف کا بھی ہے یہی حال یہی صورت ہے
وہ بھی آئے متوالی تو نہایت ہے برا

لف و نشر آئے مرتب وہ بہت اچھا ہے
اور ہو غیر مرتب تو نہیں کچھ بے جا

شعر میں آئے جو ایہام کسی موقع پر
کیفیت اس میں بھی ہے وہ بھی نہایت اچھا

جو نہ مرغوب طبیعت ہو بری ہے وہ ردیف
شعر بے لطف ہے گر قافیہ ہو بے ڈھنگا

ایک مصرع میں ہو تم دوسرے مصرع میں ہو تو
یہ شتر گربہ ہوا' میں نے اسے ترک کیا

چند بحریں متعارف ہیں فقط اردو میں
فارسی میں' عربی میں ہیں مگر ان سے سوا

شعر میں ہوتی ہے شاعر کو ضرورت اس کی
گر عروض اس نے پڑھا وہ ہے سخن ور دانا

مختصر یہ ہے کہ ہوتی ہے طبیعت استاد
دین اللہ کی ہے، جس کو یہ نعمت ہو عطا

بے اثر کے نہیں ہوتا کبھی مقبول کلام
اور تاثیر وہ شے ہے جسے دیتا ہے خدا

گرچہ دنیا میں ہوئے اور ہیں لاکھوں شاعر
کسب فن سے نہیں ہوتی ہے یہ خوبی پیدا

سید احسن جو مرے دوست بھی شاگرد بھی ہیں
جن کو اللہ نے دی فکر رسا طبع رسا

شعر کے حسن و قبائح جو انہوں نے پوچھے
ان کی درخواست سے اک قطعہ برجستہ کہا

پند نامہ جو کہا داغ نے بے کار نہیں
کام کا قطعہ ہے یہ وقت پہ کام آئے گا

سہرا بتقریب مسرت قریب کدخدائی حضور پرنور آصف جاہ سادس خلد اللہ ملکہ و ضاعف اجلالہ

یہ سجا آصف نوشاہ تجھی پر سہرا
عیش کا طرہ ہے' شادی کا ترے سر سہرا

ہے جو نوشاہ کی پرنور جبیں پر سہرا
اس سے چمکانے لگا اپنا مقدر سہرا

مردم دیدہ بھی یہ چاہتے ہیں پیش کریں
کشتی چشم میں مژگاں کا لگا کر سہرا

لاگ سے لڑتی ہے ایک ایک لڑی مل مل کر
گل و گوہر کا جو ہے سہرے کے اوپر سہرا

گل ہیں شاداب تو موتی ہیں نہایت خوش آب
تو لئے دونوں کا نظروں میں برابر سہرا

گرمی حسن سے بے چین ہیں ساری لڑیاں
رخ نوشہ پہ ہوا کھائے نہ کیونکر سہرا

اپنے ہاتھوں کی بھی لیتی ہے بلائیں مالن
کیسی اترائی ہے شاہانہ بنا کر سہرا

ایسے سہرے کے لئے چاہئے تقدیر بھی شرط
کب ہوا خسرو جم کو یہ میسر سہرا

کیا خوشی اس کو ہے پھولا یہ سماتا ہی نہیں
اپنے جامے سے ہوا جاتا ہے باہر سہرا

تیرے ہی فرق مبارک کے لئے زیبا ہے
یہ معنبر، یہ معطر، یہ منور سہرا

سر مو برق تجلی سے نہ پایا کچھ فرق
رخ سے سرکا جو ذرا بال برابر سہرا

دوش پر دونوں فرشتے بھی ہیں محو و بے خود
کیا فرح بخش ہے خوشبو سے معطر سہرا

آئینہ سکتے میں تھا آرسی مصحف کے وقت
اٹھ گیا دولہا دلہن کا جو برابر سہرا

جیسے دریا میں ہو سورج کی کرن جلوہ نما
یوں ہوا عکس فگن فرش صفا پر سہرا

آئینہ ہے رخ نوشاہ کا جو اس کے پاس
بن گیا اپنے نصیبے کا سکندر سہرا

یہی شہرہ ہے، یہی دھوم، یہی چرچا ہے
آدم و حور و پری گاتے ہیں گھر گھر سہرا

جاں نثاروں کو ترے شوق ہے یہ آج کے دن
لائیے اپنی رگ جاں کا بنا کر سہرا

یہ وہ نوشاہ ہے محبوب نظام آصف جاہ
ہو مبارک اسے یا خالق اکبر سہرا

مصحف روئے کتابی کی ہیں سطریں لڑیاں
رخ نوشہ کا محافظ ہے مقرر سہرا

یہ بنا اور بنی کے لئے زیبا ہے بناؤ
بیاہ کی رسم ہے، شادی کا ہے زیور سہرا

حق بجانب ہے اگر شاہ سے ہو داد طلب
تو نے اے داغ کہا سب سے بچا کر سہرا

جھولا جو شاہزادہ ولی عہد بہادر کے لئے تیار ہوا تھا

واہ کیا لاڈلے پیارے کا ہے پیارا جھولا
نہیں دیکھا نہیں دیکھا کہیں ایسا جھولا

بچ شاخوں کی نظر روشنی آئی جس وقت
انگلیاں اٹھنے لگیں سب کی وہ آیا جھولا

حرکت قلب کی جس طرح سے ہے روح فزا
استراحت کے لئے چاہئے ایسا جھولا

کل ہے یہ راحت و آرام و سکوں کی گویا
وہیں نیند آگئی جس وقت جھلایا جھولا

ہو گیا رات کا دن روشنی ایسی پھیلی
مثل خورشید جہاں تاب جو چمکا جھولا

لوریاں دینے لگیں گائنیں دھیمے سر میں
شاہزادے کو جو آہستہ جھلایا جھولا

مردم چشم کو تھا شوق کریں استقبال
بڑھ چلے آنکھوں سے جس دم نظر آیا جھولا

نفع دیتا ہے بصارت کو طلائے خالص
بڑھ گیا نور جب آنکھوں میں سمایا جھولا

موجیں کرتی ہے جو کھاتی ہوا اس کی نسیم
فرحت افزا ہے کہاں ایسی ہوا کا جھولا

سینکڑوں پلتے ہیں اس پائنے کے باعث سے
اہل خدمت کا یہ ہے پالنے والا جھولاؔ

اس کی جنبش بھی ہے مثل نفس جاں پرور
بڑھ گیا ہاتھ کا دم جس نے جھلایا جھولا

ایسی تصنیف کو زیبا ہے یہ موسم اے داغ
ہم نے ساون میں اسی واسطے لکھا جھولا

سلام

ہائے یوں پیاس میں مانگے علی اصغر پانی
آب پیکاں سے ملے بوند برابر پانی

رن میں جب پہنچے نہ تا آل پیمبر پانی
عرق شرم میں کیونکر نہ رہے تر پانی

قحط پانی کا ہوا آل نبیؐ پر ایسا
ہو گیا خشک عناصر میں بھی یکسر پانی

بولی تقدیر پلاؤ گے کسے لے جاکر | چلے مشکیزے میں عباسؓ جو بھر کر پانی
وائے تقدیر بہا خون کا دریا ان میں | مانگتے تھے جو بہتر کے بہتر پانی
وائے حسرت کہ پئیں اہل حرم خون جگر | اور اعدا کا پئے سامنے لشکر پانی
تیر باراں کریں اعدا یہ قیامت دیکھو | آسماں سے نہ گرے بوند برابر پانی
اتنی مدت رہے بے آب وہ بچے پیاسے | یاد ان کو نہ رہا پیتے ہیں کیونکر پانی
شاہ کی تشنہ لبی یاد جو آئی اس وقت | پھینکا عباسؓ نے چلو میں اٹھا کر پانی
ہائے وہ بحر کرم ابر عطا یوں ترسے | تیسرے دن بھی نہ ہو شہ کو میسر پانی
ڈوب جاتی عرق شرم میں تو بہتر تھا | اے زمیں تجھ میں رہا نام کو کیونکر پانی
خیمہ شاہ میں گم نام تھا پانی ایسا | نہ پھرا عابد بیمار کے منہ پر پانی
اشقیا سب ہوئے فی النار برس ہی دن میں | حشر سے پہلے سزائیں تھیں مقرر پانی
العطش سب کی زباں پر تھا کوئی دے نہ سکا | باپ بیٹے کو، برادر کو برادر پانی
خون کے گھونٹ بھی مشکل سے پئے جاتے تھے | مانگتے سبط نبی کیا تہ خنجر پانی
آبرو خاک ہو دنیا میں تری نہر فرات | آل احمدؐ کو دیا تو نے نہ بڑھ کر پانی
بچے رو رو کے کریں اپنا لہو پانی ایک | اور ترسائیں لعیں ان کو دکھا کر پانی
چشم نقش کف پا میں بھی تو آنسو بھر آئیں | خاک پر گر کے جو مانگے علی اکبر پانی
یہ بھی ہمراہ اگر آل نبی کے ہوتے | خضر و الیاس کو ہوتا نہ میسر پانی
موج سمجھو نہ اسے تشنہ لبی پر شہ کی | پھیرتا اپنے گلے پر ہے یہ خنجر پانی

یہ دعا داغ کی ہے میں نہ رہوں تشنہ دہن
مجھ کو دیں ساقی کوثر لب کوثر پانی

قطعات تاریخ

قطعہ تاریخ عطیہ گھڑیا زبار گاہ

سلطانی حضور نظام الملک خلد اللہ ملکہ

شجاعت سخاوت ہمیشہ ہے توام — وہ آصف میں پائی وہ آصف میں دیکھی
ادھر شیر مارے ادھر توڑے پنجے — خدا نے یہ جرات یہ ہمت عطا کی
عناں جب اٹھائی تو پھر کون روکے — نہ ندی نہ نالا نہ جنگل نہ جھاڑی
ہوا یہ کسے شوق صید افگنی کا — نہ برسات مانے، نہ گرمی نہ سردی
بہت سے مرے سامنے شیر مارے — لگی شیر کے سر میں یا دل پہ گولی
دل و دست جب تک نہ قبضے میں ہوں گے — لگے گی نہ ہر بار بندوق ایسی
اڑائے روپے پھینک کر آسماں پر — لگی ہر روپے کے نشانے پہ گولی
جو لی بائیں شانے پہ بندوق شہ نے — تو حیرت ہوئی چشم مردم پہ طاری
خصوصاً" مجھے تھا تحیر کا عالم — کہ حضرت لگاتے ہیں بندوق یوں بھی
اڑائے بہت اس طرح بھی نشانے — کسی میں سنی تھی نہ یہ بات دیکھی
کوئی کیوں پریشاں ہو جب پے بہ پے ہو — ترحم، تلطف، تسلی، تشفی
توجہ ہر اک پر خبر گیر سب کے — پھر اس پر خیالات ملی و ملکی
فراست میں رشک فلاطون و لقماں — طبیعت میں کان سخا جان معنی
مرے حال پر جو عنایت ہے اب تک — وہ مشہور عالم ہوئی ہے کہانی

سراسر کرم ہے یہ شاہ دکن کا بھلا کیا ہوں میں اور کیا میری ہستی
سلاطین عالم سے کیا مجھ کو مطلب کسی سے غرض ہے، نہ پروا کسی کی
نہیں ہفت اقلیم سے کچھ تمنا کہ اپنے لئے ہے یہ سرکار عالی
ہوئی ابتدا سے وطن ہی میں حاصل نمک خواری شاہ جم جاہ دہلی
پس غدر تھا رام پور اپنا مسکن مری قدر کی سب نے لیکن نہ ایسی
یہاں مجھ کو بخت رسا کیوں نہ لاتا اب وجد ہوئے سب رئیس و سپاہی
ملا بادشاہ قدر دان ہنرور بگڑ کر بنی ہے یہ قسمت کی خوبی
سعادت کا ہو اپنے طالع کو مژدہ مبارک ہو بخت رسا کو ترقی
یہی آرزو ہے، یہی ہے تمنا کوئی کام انجام ہو حسب مرضی
ادا ہو نہ حق نمک جب بھی ہرگز تصدق ہو سو جان سے گر یہ فدوی
کرم پر کرم ہے، عطا پر عطا ہے یوں ہی یا الٰہی! رہے لطف شاہی
نمک خوار کی پرورش ہر طرح ہے زہے دل نوازی، زہے سرفرازی
گھڑی جب ملی مجھ کو میں نے یہ جانا مرے بخت کی ساعت نیک آئی
ستاروں سے روشن وہ ہیرے جڑے ہیں کہ خورشید کی آنکھ بھی جن سے جھپکی
لکھو اس گھڑی داغ تاریخ زیبا مرصع منور گھڑی شاہ نے دی

۱۳۱۱ھ

تاریخ عطیہ توڑا طلائی از حضور پرنور دام اقبالہم

عطیات پیہم کا کیا شکر ہو کہ فدوی کو کیا کیا عنایت ہوا
بدیمہ کہو داغ تاریخ تم یہ سونے کا توڑا عنایت ہوا

۱۳۱۲ھ

تاریخ عطیہ تیغ آبدار از اعلیٰ حضرت دام اقبالہم

تیز ہیں تیز نگاہوں سے بھی ان کی دھاریں — یہ وہ تلواریں ہیں زخموں کا نہیں جن کے علاج
گھاٹ دونوں کے خوش اسلوب ہیں دونوں یکتا — جوہر و آب کی یہ شکل کہ بحر مواج
مغربی اور جنوبی ہیں یہ دونوں بے مثل — سربسر ہیں سر بدخواہ انھی کے محتاج

تیرے قبضے میں ہے تاریخ عطائے شاہی — لکھ دے اے داغ عنایت ہوئیں تلواریں آج

۱۳۰۴ھ

تاریخ اضافہ تنخواہ خود

ہو گیا میرا اضافہ آج دونے سے سوا — یہ کرم اللہ کا ہے، یہ عنایت شاہ کی
اس ترقی کی کہو اے داغ یہ تاریخ تم — ابتدا سے اپنی ساڑے پان سو نقدی پڑی

۱۳۰۴ھ

تاریخ شرف حضوری دربار حضور نظام دام ملکہم

قدم بوس حضرت کا حاصل ہوا — بڑے شوق سے اور ارمان سے
حضوری کی تاریخ پوچھیں اگر — یہ کہہ دو ملے داغ سلطان سے

۱۳۰۵ھ

قطعہ تاریخ طبع جلوۂ داغ یعنی سوانح عمری خود

زندگی کے مرے احسن نے سوانح لکھے عمر کے باغ کا یہ آنکھ سے جلوہ دیکھو
داغ نے مصرع تاریخ کہا برجستہ جلوۂ داغ کا یہ آنکھ سے جلوہ دیکھو

۱۳۱۰ھ

قطعہ تاریخ سال گرہ حضور نظام دکن (ناتمام)

بالیدگی نشاط کو ایسی ہے آج کل بارش میں جس طرح کہ زراعت کو ہو نمو
دن رات ہے یہ داغ نمک خوار کی دعا خوش حال خیر خواہ ہوں بدحال ہوں عدو
کیا شاندار مصرع تاریخ ہے یہ داغ بیتیسویں ہے سال گرہ جل شانہ

۱۳۱۸ھ

تاریخ شکار کردن اعلیٰ حضرت خلد اللہ ملکہ

بال باندھا ہے نشانہ شہ کا ایسی بندوق سے کیا بچ کر جائے
داغ نے سن کے کہی ہے تاریخ ایک زخمی سا گیا دو شیر

۱۳۱۱ھ

تاریخ طبع "تحقیقات ضیا" مولفہ مرزا حافظ منیر الدین صاحب ضیا دہلوی

کتاب اچھی لکھی جناب ضیا نے — زہے محنت بے حد وسعی موفور
جو پوچھے کوئی داغ تاریخ اتمام — یہ کہہ دو پسندیدہ صحیح دستور

۱۳۲۱ھ

تاریخ انتقال محبوب خاں صاحب مرحوم

در عہد برنائی کشیدہ رخت رحلت از جہاں — حلد تخلص داشت آں فرزانہ عالی خانداں
پرسید چوں سال وفات از ہاتف غیبی ہمیں — در گوش داغ آمد نداشد در جناں محبوب خاں

۱۳۲۱ھ

تاریخ طبع "خمکدۂ خیال" دیوان احسان شاہجہانپوری

کلک معنی جان مضمون حسن عشق و حسن عشق — ہے عجب دیوان کیا کہنا ہے اس دیوان کا
خوب لکھی داغ نے تاریخ سن کر یہ سلام — گوش اہل عشق پر احسان ہے یہ احسان کا

۱۳۱۰ھ

تاریخ وفات حسرت آیات یگانہ روزگار فرد فرید امیر الشعرا جناب منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی لکھنوی مرحوم

وائے ویلا چل بسا دنیا سے وہ — جو مرا ہم فن تھا میرا ہم صفیر
مصطفیٰ آباد سے آیا دکن — یہ سفر تھا اس مسافر کا اخیر
کیا کہوں کیا کیا ہوئیں بیماریاں — کیا لکھوں تفصیل امراض کثیر
مبتلائے حدت صفرا و تپ — مورد آزار اسہال و زحیر
گو بظاہر تھا امیر احمد لقب — در حقیقت باطناً پایا فقیر
شاہ مینا سے ہے نسلی سلسلہ — شاعری میں خاص تلمیذ اسیر

ہے دعا بھی داغ کی تاریخ بھی
قصر عالی پائے جنت میں امیر

۱۳۱۸ھ

ایضاً

چل بسے داغ کے بہت احباب — رات دن جن کے غم میں ہے دلگیر
آج اس غم کی یہ کہی تاریخ — اب ہوا آہ! دل پہ داغ امیر

۱۳۱۸ھ

ایضاً

کر گئے رحلت امیر احمد امیر　　اب نشاط زندگی جاتا رہا
مل گئی تاریخ، دل سے داغ کے　　آہ لطف شاعری جاتا رہا

۱۳۱۷ + ۱ = ۱۳۱۸ھ

تاریخ تالیف رسالہ مثلث مثلاً

مولفہ خاکسار احسن مارہروی

ایسی محنت کی داد دیتا ہوں　　مرحبا احسن خجستہ خصال
مثلیں خوب جمع کیں تم نے　　نظم ان کو کیا ہے حسب الحال
گرچہ ہے یہ مفید سب کو مگر　　پائیں گے منفعت سوا اطفال
لکھ دو اے داغ مصرع تاریخ　　یہ بنا ہے خزینۃ الامثال

۱۳۱۸ھ

تاریخ اجرائے اخبار پنجہ فولاد لاہور، حسب فرمائش

منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر

ہوا ہے پنچہ فولاد جاری　　خریدارو! نیا اخبار دیکھو

جناب فوق کی گل کاریوں سے ہوا اخبار یہ گلزار، دیکھو
نئی خبریں بہت اچھی ملیں گی جو ہو کر طالب دیدار دیکھو
نظر چڑھ جائے گر اہل نظر کی پھر اس کی گرمی بازار دیکھو
یہی پرچہ تو پرچاتا ہے دل کو نہ ہو گا اس سے دل بیزار دیکھو
اٹھاؤ رکھ کے سو سو بار اس کو اگر دیکھو تو سو سو بار دیکھو

سنا دو مصرع تاریخ اے داغ
یہ لو اخبار جوہر دار دیکھو

۱۳۱۹ھ

تاریخ انتقال بوٹا پہلوان پنجابی

حسب فرمائش ایڈیٹر پنجہ فولاد

وہ دلادر اور وہ شہ زور دنیا سے گیا جس کی شہ زوری سے تھا شیر نیستاں منفعل
داغ نے یہ مصرع تاریخ برجستہ کہا رستم ہند آہ بوٹا پہلوان دیو دل

۱۳۲۲ھ

تاریخ طبع دیوان اول جناب سید ظہیر الدین حسین صاحب ظہیر دہلوی

ہوئی شہرت کلام خوش بیاں کی سنی ہم نے نوید جاں فزا اب

لکھا ہے داغ نے یہ مصرع سال　　ظہیر الدین کا دیوان چھپا اب

۱۳۱۶ھ

تاریخ طبع دیوان جناب مولوی عبدالرحمٰن صاحب راسخ دہلوی

کہا دیوان اور اچھا کہا وہ　　غنیمت ہے غنیمت ہے یہ شاعر
کہی ہے داغ نے تاریخ اتمام　　کلام مولوی راسخ ہے نادر

۱۳۱۴ھ

تاریخ طبع دیوان سید محمد اختر صاحب اختر نگینوی شاگرد مصنف

کرشمہ طبع روشن نے دکھایا　　دیکھ کراں کو خوش ہوں خاص و عام
کہا ہے داغ نے یہ سال اس کا　　زہے جادو چھپا دیوان اختر

۱۳۱۹ھ

تاریخ طبع دیوان موج نسیم مصنفہ مولوی سید نذیر احسن صاحب نسیم ہلسوی عظیم آبادی شاگرد مصنف

چھپ گیا ہے نسیم کا دیوان　　دیکھ کر اس کو خوش ہوں خاص و عام

داغ سے سن کے مصرع تاریخ چاہو موج نسیم باغ کلام

۱۳۱۸ھ

تاریخ طبع دیوان جناب معلیٰ القاب بابو سید سعادت علی خان صاحب والی ریاست پیغمبر پور ضلع دربھنگا شاگرد مصنف

کلام ایسا چھپا ہے دیکھئے حضرت سعادت کا
سخن کے قدر دانوں پر یہ احسان سعادت ہے
یہ وہ جان سخن سب جس کو جان عشق کہتے ہیں
یہ وہ نشان سخن جس سے عیاں شان سعادت ہے
زباں نے گل فشانی کی ہے ہر ہر شعر میں کیا کیا
سخن سے یہ پھلا پھولا گلستان سعادت ہے
مبارک باد باہم پتلیاں آنکھوں کو دیتی ہیں
یہ وہ دیواں ہے جس میں جمع سامان سعادت ہے
کہا یہ مصرع تاریخ دیکھو داغ نے کیسا
مبارک انجمن افروز دیوان سعادت ہے۔

۱۳۲۳ھ

تاریخ طبع دیوان صنم خانہ عشق حضرت امیر مینائی مغفور

واہ کیا دیواں کہا ہے لاجواب
ابتدا سے انتہا تک بے نظیر
شوخیٔ الفاظ ہے یا برق شوخ
بارش مضموں ہے یا ابر مطیر
لفظ، مصرع، بیت سب جادو بھرے
دل فریب و دلستان و دل پذیر

ہر نکیلا شعر دل میں چبھ گیا ۔۔۔ اس سے بڑھ کر کوئی کیا مارے گا تیر
یہ سخن ہے لائق بزم سخن ۔۔۔ یہ سخن ہے قابل شاہ و وزیر
یہ کلام! ایسا کلام! اتنا کلام! ۔۔۔ ہے نشان مصحفی شان امیر
محو ہو جاتے جو اس کو دیکھتے ۔۔۔ ناسخ و آتش تو کیا مرزا و میر
فیض لیں اس سے فغانی و فغاں ۔۔۔ داد دیں اس کی ظہیرا و ظہیر
مستند کیونکر نہ ہو ایسا کلام ۔۔۔ جو کہا گویا ہے پتھر کی لکیر
بھاگنے کی راہ ڈھونڈیں عیب جو ۔۔۔ اپنا اپنا کان پکڑیں حرف گیر
آج ہے یہ طوطی معجز بیاں ۔۔۔ بلبل ہندوستاں کا ہم صفیر
ایسا استاد زمانہ پھر کہاں ۔۔۔ زندہ رکھ تو اس کو یا رب قدیر

ہے یہی اے داغ اس کا سال طبع
کہہ دے تو زیبا خیالات امیر

۱۳۱۴ھ

ایضاً

اس گنج سخن سے تاقیامت ۔۔۔ محروم نہ ہوں گے طالب فیض
یہ داغ نے سال طبع لکھا ۔۔۔ دیوان امیر صاحب فیض

۱۳۲۳ھ

قطعہ تاریخ سالگرہ حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ

اے شاہ دیں پناہ ترے عہد میں نہ کیوں ۔۔۔ حج و زکوۃ و کلمہ و روزہ نماز ہو
شاہا یہ تیری ذات نجستہ صفات ہے ۔۔۔ زیبا ہے اہل ملک کو جو فخر و ناز ہو

آباد کیوں نہ ملک ہو مخلوق کیوں نہ شاد جب تجھ سا بادشاہ رعیت نواز ہو
آصف کے عہد عدل میں ممکن نہیں کبھی آمادۂ فساد کوئی فتنہ ساز ہو
بدخواہ و نیک خواہ کی حالت یہی رہے یہ سرنگوں ہمیشہ ہو، وہ سرفراز ہو
گزرے تمام عمر نشاط و خوشی کے ساتھ دل پر ترے ہمیشہ در عیش باز ہو
دونوں جہاں میں کام بنیں حسب مدعا ہر دم معین کار ترا کارساز ہو
کیونکر نہ نیک و بد سے زمانے کے ہو خبر اچھے برے میں جبکہ تجھے امتیاز ہو

لکھی ہے یہ دعائیہ تاریخ داغ نے
سینتیسویں ہے سالگرہ سن دراز ہو

۱۳۲۰ھ

تاریخ انتقال محمد عبداللہ خاں مرحوم ساکن کرنال

ایزد غفار آمرزش کند مرد لائق شخص فائق بود آں
مصرع ۔تاریخ رحلت گفت داغ آہ شد از دہر عبداللہ خاں

۱۳۲۰ھ

تاریخ شکار حضور نظام

رستم دوراں نظام الملک سلطان دکن نام نامی فتح جنگ اس کا کیا اللہ نے
داغ نے اس شیرا فگنی کا مصرع تاریخ لکھ آپ مارا شیر اچھا شاہ آصف جاہ نے

۱۳۱۱ھ

تاریخ تسمیہ خوانی شاہزادۂ حضور نظام

تسمیہ خوانی ہوئی ہے شاہزادے کی جو آج　　بادشاہ کے ساتھ یا اللہ مبارک سب کو ہو
داغ نے یہ مصرع تاریخ برجستہ کہا　　چھوٹے شہزادے کی بسم اللہ مبارک سب کو ہو

۱۳۱۱ھ

تاریخ سالگرہ حضور نظام

حضرت کی جو ہے سالگرہ کی شادی　　عالم کو غم و رنج سے ہے آزادی
اے داغ چلو تم بھی پڑھو یہ تاریخ　　دو آج نظام کو مبارک بادی

۱۳۱۱ھ

تاریخ ختم سیپارہ شہزادۂ حضور نظام

یہ ہوئی ہدیہ سی پارہ کی شادی ایسی　　جس سے لوگوں کو ہزاروں کا بٹا ہے انعام
نذر کر مصرع تاریخ یہ کہہ کر اے داغ　　کیا شہزادہ فلک جاہ نے سی پارہ تمام

۱۳۱۱ھ

تاریخ ختنہ حضور ولی عہد حضور نظام

یہ شادی مبارک ہو مسعود ہو　　ادا ہو گئی سنت مصطفےٰ
یہ برجستہ لکھ داغ مصرع حال　　ولی عہد صاحب کا ختنہ ہوا

۱۳۱۱ھ

قطعہ تاریخ ناتمام تہنیت عید قرباں برائے حضور نظام

نہیں ہے آنکھ کی پتلی کو تاب نظارہ   اسی لحاظ سے چلمن بنی ہے مژگاں بھی
کہا ہے داغ نے کیا خوب مصرع تاریخ   نصیب شاہ کے قرباں ہے عید قرباں بھی

۱۳۱۰ھ

ناتمام تاریخ انتقال محمد حسن خاں مرحوم

سر لفظ جنت سے تاریخ سن لو   محمد حسن خاں نے فردوس دیکھا

۱۳۱۱ + ۳ = ۱۳۱۴ھ

ناتمام تاریخ طبع واسوخت نامعلوم

یہ لکھی داغ نے تاریخ اس کی   جلے دل کا بھی ہے دمساز واسوخت

۱۳۱۵ھ

اشعار متفرقات

قطعات تاریخی جو "فصیح اللغات" کی سند کے لئے اصل مسودہ یادگار داغ سے انتخاب کر لئے تھے

کیا آج کے دن ہے شہ محبوب کی بخشش
اس جود و سخاوت کا تو حاتم بھی ہے محتاج
دارا سے جو انکار کیا تھا تو بجا تھا
اس عہد میں دیتا ہے سکندر بھی اسے باج
یہ ملک دکن تا بہ قیامت رہے قائم
محبوب علی خان نظام اس میں کرے راج

شیروں کا بن تھا جنگل، جنگل میں اب ہے منگل
بھر دی شکار کرکے کیا صید گاہ دیکھو
شیر خدا ہے حامی سلطان شیر دل کا
کس کی پناہ میں ہے اس کی پناہ دیکھو
شاہ عادل شاہ باذل مہربان و قہرماں
بر محل ہے لطف اس کا بر محل ہے اس کا قہر
کیا دکن کیا ہند دونوں کی ہے خلقت فیض یاب
شاہ آصف جاہ کے دم سے ہے ہے ساری لہر بہر

یہ باغ سخن ہے وہ فرح بخش
پہنچی ہے مشام جاں میں نکہت
کیا کیا ہے ترقی مضامین
کہتے ہیں اسی کو بڑھتی دولت

پھولا رہے شاہی کا چمن عید مبارک
اے شاہ دکن شاہ زمن عید مبارک

اس وقت مسافر بھی پکاریں یہ دل امین جب دل سے ہیں اہل وطن عید مبارک

کہتا ہے عطارد بھی یہی اے شہ خلور بایمن و شرف شوکت نو روز مبارک
نو روز کا جو سرخ لباس اب کے برس ہے اس رنگ سے یہ زینت نو روز مبارک

اقتدار اس کا سبھی ملک پہ ہے غیر ملکی بھی ہے خوش دل خرم

برسے جو ترا سحاب بخشش لبریز ہوں کوہ اور ہاموں

تن بدخواہ کو بے شک ڈسے گا سوار مار ہے اس سال نو روز

وہ بہادر ہے رستم دوراں اسد چرخ جس سے کانپ اٹھا
سینے پر آتے ہی چلی بندوق کر لیا ہے شکار جلدی کیا

شیر افگن ہے شاہ آصف جاہ کیفیت اس شکار کی سن لو

شجاعت سی شجاعت ہے، دلیری سی دلیری ہے
وہ اب آصف میں دیکھا جو تہور تھا تہمتن میں

ہوئے جس دم سوار آصف جاہ نہ لگی صیدگاہ میں کچھ دیر

نظام دکن نے بہت تیر مارے		کہ اس بن میں آکر شکار آپ کھیلا
یہاں ایک تلاب پاکھال کا ہے		فقط نام سنتے تھے اب آکے دیکھا
چھپا اس کی شہرت سے آب بقا بھی		اسے دیکھ کر چشمہ مہر سوکھا

رہا کچھ اگر دور یہ آب شیریں		تو ساحل بھی لب اپنے چاٹا کرے گا
نہ جانے کوئی کوہ اس کو یہ جانے		جہاز اس میں ہے قدرتی آکے ٹھہرا
کنارے پہ تلاب کے کروفر سے		ہوئی نصب جب بارگاہ معلی
دو رویہ ستادہ ہوئے سب کے خیمے		شریک ان میں داغ نمکوار بھی تھا

ہر اک اس کا مصرع ہے تاریخ دیکھو
یہ مطلع زباں پر مرے دل سے آیا

شہ محبوب آصف جاہ کا عہد		غنیمت ہے نہیں حاجت بیاں کی

دامن ابر گہربار سے ہے ہم پلہ		دامن باغ سے ہے دست و گریباں سہرا
رحمت عام کا ہو دولہا دلہن کو یہ شگوں		گوندھا ہے پڑھ کے مگر سورۂ رحمان سہرا

ہو مبارک تجھے نوشاہ حمیداللہ خاں		یہ دل آویز سجاوٹ کا، پھبن کا سہرا
چار چاند اس کو لگائے ہیں اسی جلوے سے		رخ نوشاہ سے تھا ایسی پھبن کا سہرا
کیا مضامیں ہیں، کہ موتی کی گندھی ہیں لڑیاں		کیا مسلسل یہ بنا تار سخن کا سہرا

خوشی سے یہ کہتے ہیں سارے براتی		بنائیں ہم اپنی رگ جاں کا سہرا

وہ گانا بجانا رجھانا لبھانا سماں باندھتا ہے خوش الحاں کا سہرا
سعادت لگی ہے جو دامن سے شہ کے نہیں چھوڑتا گوشہ داماں کا سہرا

جھوک سے بار جواہر کے گرا پڑتا ہے کیوں نہ لیتا سر نوشہ سے سہارا سہرا

یہ شادیانہ دیتی ہے زہرہ بھی چرخ پر شہزادہ ہونہار مبارک ہو بادشاہ
ہردم عروس دہر کا دیکھا کرے بناؤ اس کا تجھے سنگھار مبارک ہو بادشاہ

یہ وہ کلام متیں ہے یہ وہ بیان فصیح نہ کیوں کر اس پہ جمے اعتقاد اہل ہند
سخن وران زمانہ ہیں متفق قائل بالاتفاق اسی پر ہے صاد اہل ہند

دریا کو گہر، لعل بدخشاں کو مبارک آصف کی عطا داغ ثنا خواں کو مبارک
اس رسم کا اس جشن کا یہ مژدہ ہے جاں بخش اب جان پڑی ہو، تن بے جاں کو مبارک
ہم دیکھتے ہیں شاہ کا اپنے رخ پرنور وہ چاندنی اپنی مہ تاباں کو مبارک
یہ مسند شاہی شہ آصف کو ہے فرخ وہ تخت سلیماں کا سلیماں کو مبارک
اللہ رے یہ اوج، یہ رفعت، یہ بلندی ہو عرش کا شمسہ ترے ایواں کو مبارک
گر اوج بھی پائے رہے بدیمن بداختر رفعت نہ ہوئی کوکب کیواں کو مبارک
اشعار مرے شاہ سخن داں کو ہیں مطبوع بلبل کا چہکنا گل خنداں کو مبارک

کماں بنائی وہ سید وزیر خادم نے کہ اس کماں کی قوس فلک جواب نہیں

زہے احمد حسین فاضل دہر　　فتویٰ جس نے لکھا ہے بہ تحت

اے داغ تو بھی نشہ صہبا میں ڈوب کر　　وہ شعر تر سنا جو رہیں یادگار عید
باہم ہوں جس طرح سے بغلگیر مسلمیں　　اس طرح ہیں نشاط و طرب ہم کنار عید
تیر قضا کا طائر غم بھی نشانہ ہے　　آیا ہے دام شوق دلی میں شکار عید
پرتو فگن ہے نیر اقبال بادشاہ　　چمکا ہی روزگار میں کیا روزگار عید

وزیر سلطنت آئے، امیر مملکت آئے　　ہر اک آداب گہ پر باادب مجرا بجا لایا
گورنر کا خریطہ جب دیا صاحب بہادر نے　　عماد الملک سے اس کو سنا لوروں کو سنوایا
مضامین محبت سے خوشی ایسی ہوئی ظاہر　　سرود عشرت و بہجت ہر اک کے قلب پر چھایا
ہوئی اقبال دولہ کو وزارت　　باستقلال، یہ ہے لطف سلطاں
اے سامعہ ہو تجھے مبارک　　یہ مژدۂ جاں نواز پہنچا
ہیں کوکب و مہر و ماہ سب ماند　　اس چاند کا ہے فروغ ایسا

قطعہ جو وقت ملاقات اڈیٹر اخبار البشیر وغیرہ برجستہ کہا گیا

مجھ کو مہ صیام میں ہے عید کی خوشی　　ملنے کو میرے آئے ہیں اصحاب باوقار
یہ داغ کی دعا ہے کہ چاروں مرے حبیب　　اپنی مراد پائیں بحق چہار یار

رباعیات

مجھ سے جو ملا آج وہ رشک خورشید چمکی مری تقدیر، بر آئی امید
میں خوش مرے احباب بھی خوش ہیں اے داغ سچ کہتے ہیں گھر عید تو باہر بھی عید

اچھے برے مل جاتے ہیں بازاری آم اب تو نظر آتے ہیں بہ دشواری آم
مرغوبہ و دل پسند و الفن اے داغ سنتا ہوں کہ باغوں میں ہیں سرکاری آم

کیا بات ہے کیا گھات ہے اللہ رے شریر سوجھی ہے نئی طرح کی تجھ کو تدبیر
کب دیکھنے والوں پہ کھلا دل کا حال کھچوائی ہے کیا سینہ چھپا کر تصویر

وہ ضعف ہے دم سے نہیں نکلا جاتا دنیا سے بھی اب تو نہیں اٹھا جاتا
گھر میں تو بہت طاق ہیں لیکن اے داغ روزہ کہیں ہم سے نہیں رکھا جاتا

اللہ کرے شاد رہے اپنا شاہ محبوب علی خان نظام آصف جاہ
ملتا ہے وظیفہ تو وظیفہ یہ ہے گھر بیٹھے کیا کرتا ہوں اللہ اللہ

اس پانچ برس میں ہوئی، ہر فصل تمام لیکن نہ ہوا داغ کبھی شیریں کام
کونین میں بے مثل یہ دو میوے ہیں فردوس کے سیب، حیدر آباد کے آم

روکی ہے مددگار نے میری تنخواہ گزرے ہیں سہ ماہی کی طرح یہ سہ ماہ
حضرت کا ہو یہ حکم بھلا کس کو یقیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ

چند فارسی اشعار

مصنفہ حضرت استاذی مغفور

کہ از مسودۂ پارینہ نقلش برداشتم

یافت ایں رتبہ وفائے من و تو　　کہ رقیب اند فدائے من و تو
شہرہ در عاشقی و معشوقی　　در جہاں کیست سوائے من و تو
آفریدند چو از عشق و جمال　　حصہ گردید برائے من و تو
دیگر آرم ز کجا داد گرے　　کہ یکے ہست خدائے من و تو
بہر تمثیل محبت بنگر　　لب تراشید بجائے من و تو

عجب انداز وقت مرگ من آں رشک مہ دارد　　تبسم زیر لب دارد' تاسف در نگہ دارد

بامن شریک حال بشادی و غم شوی　　تنہا نہ خندہ خوب' نہ تنہا گرستن

شرارت خانہ زاد ستش' تغافل زیر دستش　　بکار خویشتن ہشیار یارب چشم مستش

ترا بایں ستم و کینہ و دل آزاری　　چوباک نیست ز روز جزا' جزاک اللہ!
اگر، سزائیست سزاوار چنیں جرم خفیف　　محتسب بر سر ے کش خم صہبا دارد

در فراقت دل اگر بیگانہ باشد باک نیست　　صورت من از ہیولا می شود اکثر جدا

وہم دارد کایں مبادا با کسے شوخی کند　　زود تر تصویر خود بنماید و تخلی کند

نہ قسم بادہ نہ مقدار نشہ می دانم　　مئے طہور برائے فرشتگاں باشد

من و بزم حریفاں جائے رشک است　　تواضع ہائے دشمن دل نشیں شد

دل پرداغ می آرم ز کعبہ　　چراغ راہ بت خانہ نباشد

لذت عشق می دہی یارب　　فرصت زندگی نمی بخشی

دوست از داغ وفادار چہ نفرت دارد　　خانہ داغ بفہمید و دل دشمن سوخت

قطعات تاریخ طبع دیوان ہذا

از نتیجہ فکر سخن ور بے نظیر صدر نشین شعرائے مشاہیر عالی جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر' تعلقہ دار مچھلی شہر' تلمیذ رشید و یادگار حضرت منیر

فقرۂ تاریخی

دیوان یادگار داغ چھپا

۱۳۲۳ھ

قطعہ

حاجی نواب مرزا خان داغ دہلوی
وہ جہاں استاد' شاگردوں میں جس کے بادشاہ

شاعر نامی دبیر الدولہ ناظم یار جنگ
بلبل ہند و فصیح الملک تھے بے اشتباہ

ہم صفیر مرغ سدرہ ہو گئے فردوس میں
ان سے خالی ہے زمانہ وہ نہیں ہیں آہ آہ!

تین دیواں ان کے پہلے چھپ کے شائع ہو چکے
شاہد مضموں کا جن میں سے ہے ہر اک جلوہ گاہ

دیکھئے گلزار میں لطف بہار بے خزاں
سیر ہوتی ہی نہیں ہے سیر سے جس کی نگاہ

نور معنی سے بھرے ہیں آفتاب و ماہتاب
ہیں سپہر و آسمان شاعری کے مہر و ماہ

اور باقی رہ گیا تھا اس طرف کا جو کلام
اس کی بھی تدوین اب احسن نے کی شکر اللہ

جو جہاں استاد کے شاگردوں میں ممتاز ہیں
خاندانی جن کو حاصل ہے وقر و عز و جاہ

خرد وہ میرے ہیں میں تعریف ان کی کیا کروں
جوہر قابل ہے خود ان کی لیاقت کا گواہ

بہرسال طبع حال واقعی کہہ دو شہیر
داغ کا دیوان اب چھپوا دیا احسن نے واہ

۱۳۲۳ھ

ایضاً" در سنہ عیسوی

سعی احسن کیوں نہ ہو مشکور باوجہ حسن   اس طرح کا منطبع ہو جب کلام جاں فزا

فضل خالق سے بر آئی آرزوئے اہل دید　　شائقان منتظر کا مدعا پورا ہوا
حبذا اے احسن شیریں زباں فرخندہ خو　　حق شاگردی کیا استاد کا اپنے ادا
عیسوی تاریخ چھپنے کی کہی میں نے شہیر　　شکر ہے یہ داغ کا دیوان چارم اب چھپا

۱۹۰۵

ایضاً" در فارسی

گلزار و آفتاب و مہتاب داغ　　مطبوع شدند قبل ازیں دیوان سہ
تدوین باقیات احسن بنمود　　ممنون او شدند از کہ تا مہہ
تحریر شہیر کرد سال طبعش　　نقشے ست چہار میں ایں زیبا و بہ

۱۳۲۳ھ

از جناب امام المورخین حضرت مولوی حافظ سید عبدالجلیل صاحب جلیل مارہروی لازالت شموس افضالہم

کرد دیوان داغ احسن جمع　　ہر غزل در شگفتگی ست چو باغ
عاجلانہ جلیل تاریخش　　گفت "دیوان دلربائے داغ"

۱۳۲۳ھ

از نتیجہ فکر شاعر بامذاق، سخن ور ذی ہنر منشی سید انور علی صاحب انور متوسل ریاست بھوپال تلمیذ حضرت مصنف رحمتہ اللہ علیہ

دیکھیے تو سہی حضرت استاد کا دیوان
کھل جائے یہ اس پر بھی کہ وہ ہے جو پیمبر
لاریب! کہ یکتا ہے یہ ہستی و عدم میں
وہ سعدی اعجاز بیاں آج کہاں ہے
دنیائے سخن کا یہ خداوند جہاں ہے
ہاں داغ کا ثانی نہ یہاں تھا نہ وہاں ہے

دیوان ہے یا محمل لیلائے فصاحت
دیوان ہے یا جلوہ گہ شاہد مضمون
آرام یہ دل کا ہے تو یہ جان کا ہے چین
کہیئے جسے اعجاز سخن ور، یہ سخن ہے
دیوان ہے یا یوسف معنی کا مکاں ہے
دیوان ہے یا مسکن دلدار زباں ہے
جان و دل عشاق ہے جان دل و جاں ہے
کہیئے جسے اک سحر موثر یہ بیاں ہے

رنگینی مضموں سے ہر اک صفحہ دیواں
کیا بیتوں کی موجیں بھی دکھاتی ہیں تماشا
ہر مصرع دل کش ہے قد یار سے بڑھ کر
ہر حرف صفائی میں ہے رشک در دنداں
غیرت دہ صد تختہ گلزار جناں ہے
اک صاف مضامین کا دریائے رواں ہے
جو لفظ ہے وہ رشک بنا گوش بتاں ہے
اور خال رخ حور کا نقطے پہ گماں ہے

دیوان چہارم کا سن طبع تم انور
لکھ دو "یہ گل باغ معانی و بیاں ہے"

۱۳۲۳ھ

از نتیجہ افکار گہربار جناب نواب سید سعادت علی خاں صاحب والی ریاست پیغمبر پور ضلع دربھنگا تلمیذ حضرت مصنف مغفور

حضرت داغ وہ تھے جن سے ہوئی — محکم ایوان سخن کی تاسیس
ہے کلام ان کا فصیح اور بلیغ — ان کے اشعار ہیں دلچسپ و سلیس
درد آمیز وہ ہیں داغ کے شعر — دل میں اٹھتی ہے جنہیں سنتے ہی ٹیس
ان سا پیدا نہ ہوا اور نہ ہو گا — ہے کسی کو عبث استاد کی ریس
سعی احسن سے چھپا وہ دیوان — جس کے شائق تھے تلامیذ و انیس
سال تاریخ سعادت نے کہا — یہ چھپا داغ کا دیوان نفیس

۱۳۲۳ھ

از نتیجہ فکر وقاد سخنور باکمال جناب مرزا وقار الاعظم صاجزادہ مشرف یار خاں صاحب شرف، سب جج ریاست جاورہ شاگرد قدیم حضرت مصنف رح

لکھا ہے یہ احسن نے تاریخ بھیجو — کہ آیا ہے دور ایاغ چہارم
خدائے سخن کا یہ آخر سخن ہے — شرف کہہ دو "دیوان باغ چہارم"

ایضاً"

حضرت داغ کا کلام فصیح گوہر آبدار ہے گویا
نظم رنگیں کہاں نصیب ایسی شاعری کی بہار ہے گویا
جس کا ہر شعر جس کا ہر مصرع قد موزون یار ہے گویا
علم اردو کی ہو گئی عزت داغ سے افتخار ہے گویا
سن و تاریخ یادگار داغ
داغ کی یادگار ہے گویا

۱۳۲۳ھ

از نتیجہ طبع سلیم جناب مولوی سید نذیر احسن صاحب نسیم ہلسوی پرائیویٹ سیکرٹری والی ریاست پیغمبر پور، شاگرد حضرت مصنف رح

مرے بھائی احسن نے لاہور سے یہ لکھا ہے چھپتا ہے دیوان داغ
کہوں کیا زمانے کے افکار سے نہیں مجھ کو ہرچند حاصل فراغ
مگر یہ خبر اور ایسی خبر کہ سنتے ہی دل ہو گیا باغ باغ
یہ دفتر ہے روشن خیالات کا یہ دیواں ہے بزم سخن کا چراغ
سر جوش سے سال لکھا نسیم ہوا طبع دیوان عالی دماغ

۱۳۲۰ + ۳ = ۱۳۲۳ھ

از نتیجہ فکر سخنور ذی لیاقت منشی وجاہت حسین

صاحب وجاہت صدیقی جھنجھانوی شاگرد حضرت مصنف رح

داغ سے بڑھ کر ہوا دلی میں کون — یادگار حضرت ذوق و نصیر
مطلع دیواں ہے ایسا پر ضیا — مہر و مہ ہوتے ہیں جس سے مستنیر
اس پہ شاعر ہیں فدا سو جان سے — یادگار داغ ہے کیا دل پذیر
ہے سخن میں واہ بھی اور آہ بھی — جلوہ گر ہے طرز مرزا رنگ میر
داغ تھا شاہنشہ ملک سخن — زیب دیتا تھا اسے تاج و سریر
یہ فصاحت یہ سلاست یہ زباں — اب نظر آتی نہیں اس کی نظیر
بلبل ہندوستاں کا کون تھا — ہم زبان و ہم نوا و ہم صفیر

اس کی دلچسپی میں فرق آتا نہیں — دیکھ لو، پڑھ لو از اول تا اخیر
داغ کا ثانی نہ ہو گا اب کوئی — لاکھ سر مارا کرے یہ چرخ پیر
کر گئی مجروح اس کی گفتگو — اس نے مارے ہیں زباں سے دل پہ تیر
معترض ہو کر کلام داغ پر — الٹے شرمندہ ہوئے سب حرف گیر
نیچری وہ خود نہ تھا ہرگز، مگر — نیچرل ہیں اس کے اشعار کثیر
کھینچ کر اس نے مناظر کی شبیہ — کی ہے ظاہر قدرت رب قدیر
وہ کلام داغ کو دیکھیں ذرا — شاعری کو جو سمجھتے ہیں حقیر
داغ ہرگز تھا نہ شمسی کاشتکار — تھی زمین شاعری میں اس کی سیر
خوب برسایا ہے مضمونوں کا مینہ — تھی طبیعت اس کی یا ابر مطیر

کیا حقیقت رکھتی ہے اب جوئے شیر　　ہو گئی پانی جو تھی پتھر زمیں
شاعروں میں اب نہیں کوئی فقیر　　کی ہے ایسی درفشانی داغ نے
جانتے ہیں خوب اسے روشن ضمیر　　جو کہا ہے سچ کہا ہے داغ نے
مٹ نہیں سکتی ہے ہے پتھر کی لکیر　　بات اس کی ٹل نہیں سکتی کبھی

اے وجاہت مصرع تاریخ لکھ
ہے یہ دیواں واہ وا کیا بے نظیر

۱۳۲۳ھ

ایضاً

چوگنا اس سے ہوا دہر میں نام استاد　　چھپ گیا کوشس احسن سے یہ چوتھا دیوان
حیف و صد حیف ہوا ختم کلام استاد　　جب ہوا طبع وجاہت نے کہا سال مسیح

۱۹۰۵ء

از نتیجہ فکر رشک فردوسی و انوری جناب مولانا سید امجد علی صاحب اشہری

ناز کرتی ان کے انداز سخن پر ہے زباں　　تھے فصیح الملک داغ دہلوی فخر زماں
ان کو زیبا تھا خطاب بلبل ہندوستاں　　زمزموں سے ان کے گلزار سخن فردوس تھا
ایسے تلمیذ گرامی کس کو ملتے ہیں کہاں　　شہریار حیدر آباد دکن شاگرد ہیں
جاں فزا ہے دل ربائی میں عجب حسن بیاں　　دلربا ہے داغ کا ہر ایک طرز جاں فزا

ہیں تغزل سے عیاں معنی موضوع غزل ہیں تکلم میں نہاں جو ہیں رموز این و اں
داغ کا نظم سخن میں روزمرہ صاف تھا دخل کیا تعقید کا آئے سخن کے درمیاں
بحث میں اہل زباں کی آپ فرماتے ہیں وہ یعنی اردو ہی نہیں وہ جو نہیں اپنی زباں
سادگی ان کے تغزل کی ہے سہل ممتنع ہو گئیں مشق سخن میں مشکلیں آسانیاں
میں دکن میں سن چکا ہوں ان کے نغمے چند بار آفریں حسن تکلم، مرحبا لطف بیاں
ملک میں تھے ہم نوا ان کے امیر لکھنوی آہ دونوں چل بسے، سونا ہوا ہندوستاں
ایک تکئے پر دھرے سر سوتے ہیں داغ و امیر اب نہیں باقی کوئی اردو میں ایسا نکتہ داں
داغ کا مرنے پہ ان کے بعد جو ماتم ہوا یہ قبول عام کی حجت ہے ان کے بے گماں
سینکڑوں شاگرد ان کے سوگوار غم بنے ہم نوا ان کے جنازے پر ہوئے سب نوحہ خواں
عید کا دن موت نے تھا ان کی رحلت کو دیا عید میں جلوہ محرم کا ہوا سب پر عیاں
نام کے ہیں سینکڑوں شاگرد ان کے ملک میں کام کے نکلے ہیں احسن حسن افزائے بیاں
غنچہ باغ محبت ان کا جلوہ دیکھئے جلوۂ داغ مودت تذکرے سے ہے عیاں
داغ کے اشعار جواب تک نہیں شائع ہوئے ان کو احسن نے کیا شہرت دہ ہندوستاں
بات کہنا ہے بہت آسان گو دشوار ہو کر دکھانا سہل مشکل ہے سخن میں بے گماں
تذکرے بھی دوستوں نے ان کے لکھے تین چار جس سے حب قلب کا ہر اک کے ملتا ہے نشاں
کام یہ احسن کا ہوں میں سب سے اچھا جانتا اس سے آئینہ رہیں گے داغ روشن بے گماں

اشہری، احسن کما احسن ہے اس سے آشکار
ملک کو کان جواہر ہے یہ گنج شائگاں

احقر التلامذہ خاکسار احسن مارہروی

ہے یوں تو عام طور سے ہر دوست غم زدہ مخصوص شاعروں میں ہیں سب سوگوار داغ

برسوں جنھوں نے لذت دیدار پائی ہے — افسوس دیکھتی ہیں وہ آنکھیں مزار داغ
آغاز کی خبر ہے کسے، کیا تھا وہ مگر — ہے لائق افتخار کے انجام کار داغ
موجودہ شاعری کا ہوا ہے چراغ گل — اردو زبان حال سے ہے سوگوار داغ
ان کی بہار کیا ہے؟ بہار سخن ہے وہ — مہکا ہوا ہے جس کے سبب مرغزار داغ
چوتھا چمن یہی اسی باغ سخن کا ہے — افسردہ جس کے بعد ہوئی نوبہار داغ
گلزار و آفتاب کہ فریاد و ماہتاب — ہر ایک اپنے رنگ میں ہے لالہ زار داغ
لیکن ہے یادگار ہر اک سے علاحدہ — ہے یہ بہار خاتمہ روزگار داغ
کس ذائقے سے پڑھتے ہیں شیریں دہن اسے — کیا بامزہ ہے ہر غزل خوش گوار داغ
اس کا ہر ایک شعر ہے دیوان کا جواب — تفصیل سے زیادہ ہے ہر اختصار داغ
شہباز فکر صید مضامین پست سے — کیا کام رکھے جبکہ ہو عنقا شکار داغ
اب تک چھپا نہ تھا جو یہ دیواں کسی جگہ — مشتاق و منتظر تھے سبھی دوستدار داغ

احسن صلائے عام ہے تاریخ لکھ کے تم
کہہ دو کہ آؤ دیکھو یہ ہے "یادگار داغ"

۱۳۲۳ھ

ایضاً" فارسی

غفراں ماب حضرت داغ آں فصیح ملک — خود در جہاں نماند مگر قصہ نکو
اعقاب اگرچہ نیست ز اولاد ملیش — لیکن ز بکر فکر بود یادگار او
باقی ست تا بعالم فانی نشان شعر — دارد بہار گلشن معنیش رنگ و بو
دیوان چار میں کہ بود آخری کلام — چوں انطباع یافتہ باسعی و جستجو
احسن بصد ملال و الم سال فصلیش — بنگاشتہ "ہمیں شدہ آخر کلام او"

۱۳۲۳ھ فصلی

ان من الشعر لحکمہ وان من البیان لسحرا
الحمدللہ کلام معجز نظام اعنی کلام فصاحت التیام

المسمی
ضمیمہ یادگار داغ

از تصنیف

جہاں استاد بلبل ہزار داستاں مقرب الخاقان زمن استاد السلطان دکن
فصیح الملک دبیر الدولہ ناظم یار جنگ نواب میرزا خاں صاحب
داغ دہلوی

حسب فرمائش

سخن سنج والا نظر قدر دان علم و ہنر لالہ سری رام صاحب ایم۔اے
مولف تذکرۂ ہزار داستان المعروف بہ خمخانہ جاوید' خلف الرشید
آنریبل رائے بہادر مدن گوپال صاحب ایم اے بیرسٹر ایٹ لا
رئیس دہلی و لاہور

باہتمام لالہ موتی رام مینجر
طبع مفید عالا لاہور میں طبع ہوا

قیمت: ۸ آنے

غزلیات

ردیف الف

۱

ہر شکل میں تیرا رخ نیکو نظر آیا — آئینہ بھی دیکھا تو مجھے تو نظر آیا

تسخیر کیا دل لب گویا نے تمہارے — کیا بات ہے اعجاز میں جادو نظر آیا

دل میرا بنا جب تو محبت تری آئی — آنکھیں ہوئیں پیدا تو مجھے تو نظر آیا

یہ حسن پرستی بھی عجب شے ہے الٰہی — دل ٹوٹ گیا جب کوئی خوش رو نظر آیا

جو عاشق و معشوق کے ہیں دیکھنے والے — یا میں نظر آیا انہیں یا تو نظر آیا

جس بات میں پہلو ہو وہی بات کریں ہم — پہلو میں وہ بیٹھے تو یہ پہلو نظر آیا

وہ گھر کو سدھارے تو قیامت ہوئی برپا — جب صبح کو خالی ہمیں پہلو نظر آیا

وہ محفل عشرت تھی کہ تھی مجلس ماتم — ہر آنکھ میں عشاق کی آنسو نظر آیا

قربان ہوئی جان مری قتل سے پہلے — ابھرا ہوا قاتل کا جو بازو نظر آیا

کیا ضبط نے گریے کے جڑے دل میں نگینے — ہیرے کا کنول بن کے ہر آنسو نظر آیا

کس وہم میں ڈالا دل گم گشتہ نے مجھ کو — خالی جو ترا حلقہ گیسو نظر آیا

فرقت میں نہ تھا مجھ کو مہ عید کا ارماں — میں نے تو یہ جانا کہ وہ ابرو نظر آیا

ہے دید کے قابل دل بسمل کا تماشا — کھینچے ہوئے تلوار وہ ابرو نظر آیا

وہ دیکھ کے کہتے ہیں مرے داغ جگر کو — خوش رنگ نہ یہ پھول، نہ خوشبو نظر آیا

اس گوہر نایاب کو تھا خاک میں ملنا
ٹپکا جو زمیں پر تو نہ آنسو نظر آیا

کیا کیا غم پنہاں نے نچوڑا ہے الٰہی
جب خون بدن میں کوئی چلو نظر آیا

ابرو میں جو بل ہے وہی گیسو میں شکن ہے
ہم کو تو نہ کچھ فرق سر مو نظر آیا

اس شست کے قربان ہوں میں اے قدر انداز
جب تیر چھٹا دل میں ترازو نظر آیا

تھی قافلے والوں کی خوشی دید کے قابل
جس دم چہ کنعاں میں وہ مہو نظر آیا

وہ غیر کے دامن کو جو بیٹھے تھے دبا کر
وہ بزم میں مجھ کو نہ زانو نظر آیا

بت خانہ ہو یا کعبہ ہو چھٹتا نہیں کوئی
دیکھا تجھے اے داغ جہاں تو نظر آیا

۲

یہ عشق کب دل خانہ خراب سے چھوٹا
بہشت میں بھی نہ میں اس عذاب سے چھوٹا

دل اس کے گیسوے پر پیچ و تاب سے چھوٹا
بڑی بلا سے یہ نکلا، عذاب سے چھوٹا

نگاہ مست نے سرشار کر دیا مجھ کو
شراب مجھ سے چھٹی میں شراب سے چھوٹا

وہ تاک جھانک کا اول سے تھا مجھے لپکا
کہ آج تک بھی نہ عہد شباب سے چھوٹا

شمار میں نے کیا جب تری جفاؤں کا
عدو نہ ایک بھی میرے حساب سے چھوٹا

مٹی جھلک نہ ذرا، خون دل کی گریے سے
یہ رنگ کب مری چشم پر آب سے چھوٹا

زہے نصیب وہ عاشق نصیب والا ہے
جو تیرے قہر سے، تیرے عتاب سے چھوٹا

عدو کی قبر پر کیوں فاتحہ پڑھی تم نے
غضب ہوا کہ وہ کافر عذاب سے چھوٹا

ہمیشہ ساتھ رہا ہے اس آب و آتش کا
کبھی نہ برق کا دامن سحاب سے چھوٹا

مجھے ہو قسمت برگشتہ کی شکایت کیا
زمانہ کون سے دن انقلاب سے چھوٹا

مجھے یہ ضد کہ نہ لکھوں گا اور کوئی خط
وہ دل میں شاد کہ فکر جواب سے چھوٹا

انہوں نے غور سے دیکھا جو میرے دیواں کو
نہ کوئی شعر مرا انتخاب سے چھوٹا

رہا نظارہ کسی چہرۂ کتابی کا
مطالعہ نہ مرا اس کتاب سے چھوٹا

نہ کیوں ہو رشک مجھے ایسے ملنے والوں پر
نہ رنگ گل سے' نہ نشہ شراب سے چھوٹا

ہمیں نے وصل میں مجبور پیش دستی کی
جب ان کا ہاتھ نہ بند نقاب سے چھوٹا

نصیب میں ہو جو چکر تو کوئی چھٹتا ہے
یہ رات دن نہ مہ و آفتاب سے چھوٹا

اگرچہ سینکڑوں بیڈھب سوال میں نے کئے
نہ مدعا مرے حاضر جواب سے چھوٹا

کھلی جب آنکھ نہ دیکھا جمال یوسف کو
مگر خیال زلیخا نہ خواب سے چھوٹا

مرے حساب سے دن زندگی کے تھوڑے ہیں
حساب کرکے غم بے حساب سے چھوٹا

یہ جی میں ہے کہ کروں سیر بت کدہ جاکر
خدا کا گھر دل خانہ خراب سے چھوٹا

قرار دل کو نہ آیا تو مجھ کو موت آئی
چھٹا وہ صبر سے' میں اضطراب سے چھوٹا

بیان ان کے ہوں اوصاف داغ سے کیا کیا
کوئی نہ وصف شہ بوتراب سے چھوٹا

۳

حال دل کا آشکارا ہو گیا
یہ ہمارا تھا' تمہارا ہو گیا

راہ سے لیلیٰ کی جو ذرہ اڑا
آنکھ کا مجنوں کی تارا ہو گیا

آتے آتے پھر گئے وہ راہ سے
بخت برگشتہ ہمارا ہو گیا

مل گئی کوچے میں اس کے کچھ جگہ
بیٹھ رہنے کا سہارا ہو گیا

اشک پی کر' رنج کھا کر ہجر میں
ہو گیا جوں توں گذارا ہو گیا

باعث شہرت ہمارا عشق ہے
نام دنیا میں تمہارا ہو گیا

جب ستم اس نے کیا انداز سے	وہ ستم گر مجھ کو پیارا ہو گیا
ہجر میں ہے یہ شراب خوش گوار	زہر کھانا ہی گوارا ہو گیا
چھپ سکے راز محبت کس طرح	چھپتے چھپتے آشکارا ہو گیا
پہلے ناصح کا سخن - تھا ناگوار	رفتہ رفتہ پھر گوارا ہو گیا
گرچہ وہ جھوٹی تسلی دے گئے	مجھ کو جینے کا سہارا ہو گیا
آئے کیا دنیا میں ہم، کیا سیر کی	چلتے پھرتے اک نظارا ہو گیا
منتظر تھے اک نگاہ مست کے	پھر کہاں ہم جب اشارا ہو گیا
داغ اترائے ہوئے پھرتے ہو تم	کیا ملاپ ان کا تمہارا ہو گیا

۴

خرید کر دل عاشق کو یار لیتا جا	نہ ہوں جو دام گرہ میں ادھار لیتا جا
نہ چھوڑ طائر دل کو ہمارے اے صیاد	یہ اپنے ساتھ ہی اپنا شکار لیتا جا
نکل کے جلد نہ جا اس قدر توقف کر	دعائے خیر دل بے قرار لیتا جا
عدم کو جانے لگا میں تو بولی یہ تقدیر	کہ داغ عشق پہ یادگار لیتا جا
فلک سے کی ہوس عشق جب کبھی میں نے	ندائیں آئیں غم بے شمار لیتا جا
مزے وصال کے اے دل خیال یار میں ہیں	خوشی کے ساتھ شب انتظار لیتا جا
چلا تھا زخمی تیغ نگاہ میں ہو کر	کہا ادا نے کہ میرا بھی وار لیتا جا
ہوا کے جھوکے سے کہتا ہوں میں جب آتا ہوں	کسی کے دل سے اڑا کر غبار لیتا جا
وہ جان لیں مری افسردگی کو اے قاصد	بجھی ہوئی کوئی شمع مزار لیتا جا
وہ مجھ سے کہتے ہیں جب بن سنور کے بیٹھتے ہیں	بلائیں ہاتھوں سے تو بار بار لیتا جا
بھی کھیل سمجھ تو کہ ہر ادا کے ساتھ	[illegible] دل سے شکیب و قرار لیتا جا

نہ اٹھ سکے گا یہ کل پیش داورِ محشر
نہ بے گناہوں کا گردن پہ بار لیتا جا
مرے مزار کو تو اس طرح سے کر پامال
کہ بانکپن کی بھی اے شہسوار لیتا جا
مزہ جبھی ہے کہ بھر بھر کے داغ جام شراب
وہ دیتے جائیں تو اے بادہ خوار لیتا جا

۵

یہ علاج اچھا ہے اے قاتل ترے بیمار کا
دم بدم تو حلق میں پانی چوا تلوار کا
کیوں ارادہ ہے ترا مجھ سخت جاں پر وار کا
دم نکل جائے گا اے قاتل تری تلوار کا
آہ سے سامنا ہو کیوں کر نگاہ یار کا
روکنا دشوار ہے تلوار سے تلوار کا
سخت جاں پر شرم سے منہ پھر گیا تلوار کا
یہ پسینہ ہے کہ پانی ہے تری تلوار کا
گرچہ بسمل ہوں مگر دیکھا نہیں جاتا ذرا
آنسوؤں سے خون کے رونا تری تلوار کا
کیا محبت زخم دل کو ہے کہ ہر اک وار پر
پیار سے منہ چوم لیتا ہے تری تلوار کا
خون کتنوں کا پیا ہے تیغ خوں آشام نے
وزن بیروں بڑھ گیا قاتل تری تلوار کا
کیا رگ بسمل میں تھا سوز محبت کا اثر
آگ پانی ہو گیا قاتل تری تلوار کا
غسل کر لے دل ہمارا، جان بھی کر لے وضو
اس قدر قاتل بڑھے پانی تری تلوار کا
بزم بھی مقتل نہ ہو جائے الٰہی خیر ہو
کھول کر بیٹھے ہیں بیڑا آج وہ تلوار کا
لذت زخم جگر میں رہ گئی تھوڑی کسر
وار کچھ اوچھا پڑا قاتل تری تلوار کا
جان دی مقتول نے تیرے بڑی تلخی کے ساتھ
زہر پانی ہو گیا قاتل تری تلوار کا
یہ اثر دیکھا زباں کے ساتھ کٹ جاتے ہیں حرف
ذکر آجاتا ہے جب قاتل تری تلوار کا
داورِ محشر کو اے قاتل دکھاتا ہے مجھے
زخم ہے یہ تیر کا، یہ گھاؤ ہے تلوار کا
ہے گریباں کی یہ صورت دیدۂ خوں بار سے
رنگ دیکھا خون میں ڈوبی ہوئی تلوار کا

کتنا مشکل ہے میرے ہی گلوئے سخت کا　　مانتا ہے کوہ بھی لوہا تری تلوار کا

دیکھ اے قاتل مرے سوز و گداز عشق سے　　گھل کے پانی ہو گیا لوہا تری تلوار کا

اور اے قاتل زمانے میں کہاں تیرا جواب　　ترک گردوں نام لیوا ہے تری تلوار کا

زندگی کے ساتھ ہی رہتا ہے شوق وصل بھی　　تجھ سے بہتر ہے گلے ملنا تری تلوار کا

داغ گنجائش ابھی اس قافیے میں ہے بہت
گرچہ ہر مضمون اچھا بندھ گیا تلوار کا

۶

ہم تو نالے بھی کیا کرتے ہیں آہوں کے سوا
آپ کے پاس ہے کیا تیز نگاہوں کے سوا

معذرت چاہئے کیا جرم وفا کی اس سے
کہ گنہ عذر بھی ہے اور گناہوں کے سوا

میں نہیں کاتب اعمال کا قائل یا رب
اور بھی کوئی ہے ان دونوں گواہوں کے سوا

حضرت خضر کریں دشت نوردی بے کار
ہم تو چلتے ہی نہیں عشق کی راہوں کے سوا

خانہ عشق ہے منزل انہیں مہمانوں کی
اور اس گھر میں دھرا کیا ہے تباہوں کے سوا

ان کے آنے کی خوشی ایسی ہوئی محفل میں
پگڑیاں بھی تو اچھلتی تھیں کلاہوں کے سوا

وہ کریں ملک پہ قبضہ' یہ کریں دل تسخیر
ان حسینوں کی حکومت تو ہے شاہوں کے سوا

ظلمت بخت مری' تیرگی زلف تری
کوئی بڑھ کر نہیں ان دونوں سیاہوں کے سوا

نہ سنے داور محشر تو کروں کیا اے داغ
سب سے اظہار ہوئے میرے گواہوں کے سوا

ے

اس دل کو کہا اس نے یہ خوش حال نہ نکلا
ہم جس کے خریدار تھے وہ مال نہ نکلا

اٹھ کر جو اسے فتنہ محشر بھی اٹھائے
ایسا تو کوئی آپ کا پامال نہ نکلا

اک آن میں خم زلف کا شانے نے نکالا
قسمت کا مری پیچ کئی سال نہ نکلا

بے کار نہیں حسن کے دریا میں تری زلف
بے صید لئے بحر سے یہ جال نہ نکلا

آئے تھے عیادت کے لئے غیر کو لے کر
پچھتائے وہ میرا جو برا حال نہ نکلا

ہم اختر تاباں سے شب وصل ملاتے
اس روئے منور پہ کوئی خال نہ نکلا

ہم عشق کو سمجھے تھے کہ لڑکوں کا ہے اک کھیل
یہ: کھیل تو بازیچہ اطفال نہ نکلا

دل چوٹ جو کھاتا ہے تو رہتا نہیں ثابت
اس شیشے میں جس وقت پڑا بال نہ نکلا

جو پیچ ازل کے ہوں نکلتے نہیں ہرگز
سیدھا تری زلفوں کا کوئی بال نہ نکلا

میں داور محشر سے یہ پوچھوں گا الٰہی
کیا کچھ بھی غلط نامہ اعمال نہ نکلا

درپردہ عتاب آٹھ پہر ہم پہ ہوئے ہیں
پردے سے ترا چہرہ کبھی لال نہ نکلا

پہنچا ہوں مجازی سے حقیقت کو بھی لیکن
کب عشق مری جان کا جنجال نہ نکلا

وہ اس لئے آئے تھے کہ ہم داغ کو لوٹیں
ہرچند ٹٹولا کئے، کچھ مال نہ نکلا

۸

صحت سے ہائے درد دل زار کیا ہوا
بیمار کو یہ غم ہے وہ آزار کیا ہوا

کیوں پھر گئی تجھے نگہ یار کیا ہوا
مجھ پر اگر ہوا بھی تو اک وار کیا ہوا

ہم بیچتے تھے دل کو جس انداز کے لئے
کیا جانئے وہ ناز خریدار کیا ہوا

وہ دل کہاں وہ قید تعلق کہاں رہی
وہ دام کیا ہوا، وہ گرفتار کیا ہوا

یاروں نے پیشتر تو نہ کی میری روک تھام
اب پوچھتے ہیں تجھ کو مرے یار کیا ہوا

لاکھوں بندھے ہیں وہم اک آفت میں آگیا
میں تیرے دل کا محرم اسرار کیا ہوا

اچھا ہے اور جلوہ دکھاؤ نہ کوئی دن
پھر یہ کہو گے طالب دیدار کیا ہوا

نکلے جو سیر کو تو قیامت بپا ہوئی
تم کو خبر بھی ہے دم رفتار کیا ہوا

کس کی خبر گئی جو پریشان ہو گئے
گھبرا کے پوچھتے ہیں وہ ہر بار کیا ہوا؟

آغاز عشق ہی میں ہو انجام کا لحاظ
پچتا کے گو ہوا تو خبردار کیا ہوا

وہ ساتھ غیر کے مرے ہمسائے میں رہے
اے آسماں بتا پس دیوار کیا ہوا

اے انقلاب دہر وہ جلسے کہاں گئے
وہ بزم عیش اور وہ دربار کیا ہوا

لے جائیں گے مجھے جو فرشتے عذاب کے
رحمت کہے گی لاؤ گنہ گار کیا ہوا

اس کے ہی دم کے ساتھ یہ ناز و نیاز ہے
پھر یہ کہو گے داغ وفادار کیا ہوا

۹

فتنہ حشر اور کیا نکلا
وہ تمہارے ہی ساتھ کا نکلا

کون دنیا میں باوفا نکلا
یہ تمہاری زباں سے کیا نکلا

وہ ادھر بھول کر جو آنکلا
میں نے جانا کہ مدعا نکلا

بت کدہ دیکھ کر ہوئی عزت
میرے منہ سے خدا خدا نکلا

درہم داغ دل میں ہیں موجود
یہ خزانہ بھرا پرا نکلا

اس نے کی مجھ پر انتہا کی جفا
جور کرنے کا حوصلا نکلا

جان نکلی مریض فرقت کی
اب تو ارمان آپ کا نکلا

غیر کے دل میں تھا وہ ہرجائی
بعد مدت کے یہ پتا نکلا

اب دماغ ان کا آسماں پر ہے
کیوں مرے منہ سے مدعا نکلا

غیر سے ان سے عشق باہم ہے
درمیاں . سے قدم مرا نکلا

ستیاناس ہو ترا اے دل
تو ہمارے نہ کام کا نکلا

پھر بھی اچھا کہو گے غیر کو تم
امتحاں میں اگر برا نکلا

میں نے چھوڑا نہ جب انہیں تو کہا
یہ تو ظالم بری بلا نکلا

داغ کو لوگ رند کہتے ہیں
وہ حقیقت میں پارسا نکلا

ردیف بائے موحدہ

۱۰

نہ کیا تم نے امتحان رقیب
ورنہ بچتی کبھی نہ جان رقیب

چار چاند آپ نے لگائے اسے
چوگنی اب نہ کیوں ہو شان رقیب

اس کی تعریف نے کیا بدظن　　دوست پر ہے مجھے کمان رقیب
تم نے گھر میں کہاں چھپا رکھا　　نہیں ملتا کہیں نشان رقیب
کلٹ کرتا ہے وہ مری تم سے　　کلٹ ڈالوں گا میں زبان رقیب
کس کے کہنے پر آپ جاتے ہیں　　ہے غلط سربسر بیان رقیب
ڈھونڈتے ہو گلی گلی کس کو　　میں بتا دوں تمہیں مکان رقیب
تم سے کیا بات کی سر محفل　　میں نہ سمجھا یہ چیستان رقیب
ان کے لب پر ہیں سیکڑوں دشنام　　میرے لب پر ہے داستان رقیب
اس کی خوبی سے میں نہیں واقف　　آپ ہی ہیں مزاج دان رقیب
جھوٹ کیوں بولتا ہے تو مجھ سے　　کیا ترے منہ میں ہے زبان رقیب
نالہ میرا ہے تیر دشمن کو　　آہ میری' بلائے جان رقیب
اپنی غیرت کو دیکھ اس کو دیکھ　　تو ہو راتوں کو مہمان رقیب
تم بلاؤ' وہ آئے' کیوں آئے　　اس میں ہوتی ہے کسر شان رقیب

داغ اس نام سے ہیں وہ مشہور
ان کو کہتے ہیں مہربان رقیب

۱۱

بے اثر ٹھہریں دعائیں سب کی سب　　عمر بھر کی وہ وفائیں سب کی سب
رہ نہ جائے ہجر میں کوئی بلا　　کس نے روکا ان کو' آئیں سب کی سب
عشوہ ہو' یا غمزہ ہو' یا ناز ہو　　تیر ہیں تیری ادائیں سب کی سب
کیا کروں میں' ان کی یہ تاکید ہے　　تو اٹھا میری جفائیں سب کی سب

چھین کر دل اس سراپا ناز کی
ناز کرتی ہیں ادائیں سب کی سب

گو نہ دیں اے نامہ بر کوئی جواب
سن تو لیں وہ التجائیں سب کی سب

میں کروں تیری جفاؤں کا شمار
حشر میں گر یاد آئیں سب کی سب

میری ناکامی کے درپے ہے فلک
آرزوئیں لٹ نہ جائیں سب کی سب

جائے حوروں میں اگر تیرا شہید
ہم مرادیں اپنی پائیں سب کی سب

یا خدا آئے گا وہ دن بھی کبھی
ہم مرادیں اپنی پائیں سب کی سب

داغ کو ہے اس کی رحمت سے امید
بخش دے گا وہ خطائیں سب کی سب

۱۴

اس بحر میں ہوں جس میں نہیں آشنا نصیب
اس دشت میں ہوں جس میں نہیں رہنما نصیب

اٹھے ہیں بزم یار سے ہم کہہ کے یا نصیب
آئندہ دیکھنا ہے دکھاتا ہے کیا نصیب

مجھ پر وہ مہرباں اگر ہوں خوشا نصیب
دشمن کہیں حسد سے کہ اس کا ہے کیا نصیب

رنج فراق ان سے جو میں نے بیاں کیا
اتنا ہی کہہ کے چپ وہ ہوئے یہ ترا نصیب

پابند زلف یار ہوں، بیمار چشم یار
مجھ سا نہیں جہان میں کوئی بلا نصیب

صورت ہی تم دکھاؤ تو ہو جائے گی شفا
بیمار ہجر کو نہیں ہوتی دوا نصیب

فرہاد پیر زن کے فریبوں میں آ گیا
سر پھوڑنے کے ساتھ ہی پھوٹا ہے کیا نصیب

بدلے مرا نوشتہ تقدیر کس طرح
لاؤں نیا کہاں سے مقدر، نیا نصیب

اس میں اجارہ کیا ہے یہ قسمت کی بات ہے
ملتا جو دوسرے سے نہیں ایک کا نصیب

قسمت سے غیر کی، مری تقدیر کیا ملے
اس کا جدا نصیب ہے، میرا جدا نصیب

پہلی ہی پلٹ میں بولے ہیں سلامت — عرض جواب [illegible] طاقت

جو نزاکت سے نہ خود کھول سکے بند قبا — وہ مرے قتل پہ باندھے گا کمر کیا طاقت

ناتوانی جو یہی ہے تو نہیں مرنے کے — ہم کریں منزل عقبیٰ کا سفر کیا طاقت

بزم میں غیر کو تاکیں وہ نہیں مجھ کو خبر — اٹھ سکے بار نزاکت سے نظر کیا طاقت

لاکھ پردوں میں ہے اے پردہ نشیں تو مخفی — جھانک لیں تجھ کو بھلا شمس و قمر کیا طاقت

عشق گو آفت جاں ہے مگر اس دل کے سبب — میں کروں ایسی مصیبت سے حذر کیا طاقت

حلق میں نالے اٹکتے ہیں شب غم اٹھ کر — سلب ہو جاتی ہے تا وقت سحر کیا طاقت؟

توڑ ڈالے ہیں ہزاروں کے دل اس کافر نے — عہد توڑے وہ رقیبوں سے مگر کیا طاقت

الاماں کاٹ تری تیغ نظر کا قاتل — تیرے آگے ہو کوئی سینہ سپر کیا طاقت

اے جنوں زور سہی، جوش سہی تجھ میں مگر — سر پہ لے جاتے اٹھا کر کوئی گھر کیا طاقت

کوہ غم ہم نے اٹھایا ہے محبت میں تری — گر دکھائے گا سوا اس سے بشر کیا طاقت

داغ سے تجھ کو گماں بدنظری کا ہے عبث
گیا مجال اس کی وہ ڈالے تو نظر کیا طاقت

۱۴

دعویٰ پیامبر کا ہے دیوانے پن کی بات — اس سے ادا نہ ہو گی ہمارے دہن کی بات

دلکش ہے پرمذاق ہے اس انجمن کی بات — اہل سخن سے پوچھئے بزم سخن کی بات

شیریں ہے کس قدر مرے شیریں سخن کی بات — اس کے دہن سے چھین لوں اس کے دہن کی بات

پوچھے کوئی سفر میں گھر سے عدن کی بات — غربت میں یاد آتی ہے کیا کیا وطن کی بات

گویا زبان شمع کی اس وجہ سے نہیں — پروانے سے یہ کرتی ہمیشہ جلن کی بات

کیوں صبر آئے گا دل بیتاب کو مرے
کیوں تیری چشم شوق، کو ہو گی حیا نصیب

ہنستا ہے میرے گریے پہ فرقت میں آسمان
روتا ہے میرے حال پہ مجھ کو مرا نصیب

جو بیٹھتے تھے تخت جواہر نگار پر
افسوس بوریا بھی نہ ان کو ہوا نصیب

بوتل کھلی ہوئی ہے جو قاضی کے سامنے
ہم جانتے ہیں دختر رز کا کھلا نصیب

پایا ہے مہر و ماہ نے کیا طالع بلند
ہوتا ہے، سچ تو یہ ہے، بڑوں کا بڑا نصیب

قاصد پہ اعتراض جو میں نے بہت کیے
سر پیٹ کر وہ کہنے لگا یہ مرا نصیب

دنیا میں اس کا کوئی خریدار ہی نہیں
میں بیچتا ضرور جو بکتا مرا نصیب

نالے کیے ہزار، نہ جاگا کسی طرح
ایسا شب فراق میں سوتا رہا نصیب

گزری تمام عمر بڑی خوبیوں کے ساتھ
فضل خدا سے ہم نے نہ پایا برا نصیب

وہ آج بزم غیر میں یہ صاف کہہ اٹھے
ملتا بھی ہے کسی کو کہیں داغ سا نصیب

ردیف تائے فوقانی

۱۳

کر سکوں اس پہ محبت کی نظر کیا طاقت
بزم میں پیار سے دیکھوں جو ادھر کیا طاقت

ہمسری فتنہ گری سے جو کرے تو اس کی
تیری ہی آئے فلک شعبدہ گر کیا طاقت

آتش عشق سے دل آپ جلاتے ہیں ہم
داغ کھائے جو یہ ستم کا جگر کیا طاقت

وہ کرے جور تو احسان ہے اس کا یہ بھی
کر سکے شکوۂ بیداد بشر، کیا طاقت

ہجر کی ایک گھڑی بھی ہے قیامت کی گھڑی
ہم کریں شام سے مر مر کے سحر کیا طاقت

غصے میں جو ہو بات بگڑی کس سے اٹھ سکے — گویا تمہاری بات وہ ہے لاکھ من کی بات

تڑپا دیا کسی کو، کسی کو لٹا دیا — ادنیٰ ہے یہ تو اس نگہ سحر فن کی بات

کل وعدۂ وصال کیا، آج پھر گئے — کیا دل شکن ہے اس بت پیماں شکن کی بات

تم نے کہا نہیں سر محفل برا مجھے — چھپتی چھپائے سے ہے کہیں انجمن کی بات؟

اس نے دیا جواب یہ عرض وصال پر — لگتی ہے مجھ کو تیر تمہارے دہن کی بات

سر پھوڑے لاکھ عشق میں کوئی تو کیا ہوا — وہ کوہ کن کے ہاتھ رہی، کون کن کی بات

انکار آج وصل سے میں نے بھی کر لیا — میرے دہن میں آئی، تمہارے دہن کی بات

کہتے ہیں اس کو لازم و ملزوم واقعی — منصور ہی کے ساتھ ہے دار و رسن کی بات

باد خزاں نے خاک اڑا دی ہے باغ میں — وہ تھی چمن کے ساتھ، بہار چمن کی بات

کیا نامہ بر وصال کا اقرار کر لیا — یہ ہے اسی کے لب کی، اسی کے دہن کی بات

تیرے مریض غم کو خدا نے بچا لیا — یاروں کی تھی زبان پہ گور و کفن کی بات

پروانے کا ہو ذکر کہ مذکور عندلیب — یہ انجمن کی بات ہے، وہ ہے چمن کی بات

موقع ملے تو کان میں واعظ کے ڈال دوں — جو کان میں پڑی ہے مرے برہمن کی بات

جس ملک، جس دیار میں، جس شہر میں گئے — یاد آئی بات بات پہ اہل وطن کی بات

وہ عشق، عشق ہے کہ جو آل نبی کا ہے — وہ بات بات ہے کہ جو ہے پنجتن کی بات

یا رب یہ تجھ سے داغ دعاگو کی ہے دعا
دونوں جہاں میں رکھ مرے شاہ دکن کی بات

ردیف ٹ

۱۵

الزم عشق کا ملتا نہ کنارا جھٹ پٹ — کشتی ہجر نے کیا پار اتارا جھٹ پٹ

دم نظارہ کریں، تیغ نظر سے جو شہید — آپ کا نام تو ہو کام ہمارا جھٹ پٹ

قلزم عشق مژہ میں جو مرا دل ڈوبا — مل گیا کیا اسے تنکے کا سہارا جھٹ پٹ

آتش ہجر سے کیونکر دل بے تاب بچے — آگ پر آتے ہی اڑ جاتا ہے پارا جھٹ پٹ

غم دنیا میں پھنسا داغ کا دل شلہ ام
لیجئے اس کی خبر آپ خدارا جھٹ پٹ

ردیف ثائے مثلثہ

۱۶

بلبل چمن میں پھنس گئی یاد چمن عبث — جب دانہ پانی اٹھ گیا، حب وطن عبث

اس کو ضرور ہے مری بربادیوں کی فکر — گردش میں رات دن نہیں، چرخ کہن عبث

پامال کرکے خاک اڑا دو ہوا میں تم — ناحق ہے فکر گور، تلاش کفن عبث

دیتے نہیں جواب، سوال وصال پر — کیوں دے دیا خدا نے بتوں کو دہن عبث

مژگان یار نوک کی لیتی ہے رات دن — ہے دل سے چھیڑ چھاڑ، نہیں بانکپن عبث

نکلے گا شانہ بے تاب سے یہ بل — ہے پیچ و تاب زلف شکن در شکن عبث

مٹی میں میری لاش دبانے چلے عزیز — پھر غسل دے کے مجھ کو پنہایا کفن عبث

تو لیوے گا خدا سے جو انجام ہو بخیر — زاہد نہ یاد حور میں دیوانہ پن عبث

یہ بوالہوس رقیب تو دو دن کے یار ہیں — تو رائیگاں شباب نہ کر سیم تن عبث

شیریں کو راہ پر نہ لگا لایا بدنصیب — لایا ہے جوئے شیر یہ تو کوہ کن عبث

ہر وقت ہے سفر میں ہمارا سمند عمر — دو دن کے واسطے ہے یہ حب وطن عبث

پیری میں کیا شباب کا ہو گا مزا نصیب — اے خضر تم لئے پھرو سقف کہن عبث

اے داغ بیوفا نہ کریں گے وفا کبھی
ناداں ان کو دیکھ کے للچا زمن عبث

ردیف حائے مہملہ

ان کو پہنچا ہے پیام اچھی طرح
اب نکل آئے گا کام اچھی طرح

کٹ گیا ماہ صیام اچھی طرح
کیجئے شرب مدام اچھی طرح

ساقیا دے بھر کے جام اچھی طرح
سیر ہو یہ تشنہ کام اچھی طرح

جا چکا اب زلف کا دل سے خیال
پک گیا سودائے خام اچھی طرح

ان برے ڈھنگوں پہ تم کو ناز ہے
کیا ہے بدوضعی کا نام اچھی طرح

تم بلاتے ہو ہم آئیں گے مگر
بزم کا ہو اہتمام اچھی طرح

کاش سینے تک ہی آئے ان کا ہاتھ
وہ نہیں لیتے سلام اچھی طرح

منہ ہی منہ میں گالیاں دیجئے نہ آپ
کیجئے ہم سے کلام اچھی طرح

موت کیونکر آگئی روز فراق
کر لیا تھا انتظام اچھی طرح

داغ دل بھی ہے عجب روشن چراغ
جل رہا ہے صبح و شام اچھی طرح

دل بہت کرنے پڑیں گے پائمال
کیجئے مشق خرام اچھی طرح

ہم کو ملتا ہی نہیں اس کا پتا
ڈھونڈ ڈالا ہر مقام اچھی طرح

ردیف رائے مہملہ

مانوں گا میں نہ تجھ کو ستمگر کہے بغیر
محشر میں چین آئے گا کیونکر کہے بغیر

بھولے ہو تم نہ سمجھو گے بات ایک بار کی
مجھ کو نہ بن پڑے گی مکرر لیے بغیر

مجھ کو مزا ہے چھیڑ کا دل مانتا نہیں
گالی سنے بغیر' ستم گر کہے بغیر

روز جزا چھپاؤں محبت کا راز کیا
سب جانتا ہے داور محشر' کہے بغیر

وہ جان جائیں میں نہ کہوں حال دل مگر
ان پر ہو آشکارا یہ کیوں کر کہے بغیر

میری جڑی ہے غیر نے تم سے تو سات بار
کب چوکتا ہوں سات کی ستر کہے بغیر

تونے نہیں کہا ہے تو بیٹھا ہے کیوں رقیب
دھنا دیئے ہوئے ترے در پر کہے بغیر

اچھی کہی کہ مجھ کو برا کہہ کے چھوٹ جاؤ
کب مانتا ہوں میں بھی برابر کہے بغیر

بے جا ہوا یہ دخل اجازت ضرور تھی
کیوں تم نے میرے دل میں کیا گھر کہے بغیر

تیری مژہ کو خار کہوں میں تو کیا مزا
دل مانتا نہیں اسے خنجر کہے بغیر

جو ہیں اشارہ فہم سمجھتے ہیں بے کہے
نکلا ہے کام داغ کا اکثر کہے بغیر

ردیف شین معجمہ

۱۹

دل کی ہے مفت ہی تجھے اے مفت بر تلاش
یہ ہتھکنڈے ہیں تو کر اور گھر تلاش

دیوانے بیٹھتے ہیں کہیں پاؤں توڑ کر
ناصح کریں گے یار کو ہم دربدر تلاش

دیکھا نہ چشم شوق سے افسوس اک نظر
کی میں نے نام سن کے تری عمر بھر تلاش

پھرتا ہے لے کے مشعل مہتاب رات بھر
کس کی ہے اے فلک یہ تجھے رات بھر تلاش

پہلو میں میرے تیر نظر تاک کر لگا
ظالم تجھے جو دل کی ہے مد نظر تلاش

تھک جائیں پاؤں دل نہ تھکے راہ عشق میں
میں سر کے بل چلوں گا، کروں گا مگر تلاش
عیسیٰ سے بھی شفا ہو نہ بیمار عشق کو
اے چارہ گر دوا کی ہے کیوں اس قدر تلاش
کرتا ہے سجدے حور کی حسرت میں شیخ تو
اللہ کی نہیں تجھے اے بے خبر تلاش
بیٹھیں نہ مل کے عاشق و معشوق ہائے داغ
دن بھر ہے اس فلک کو یہی عمر بھر تلاش

ردیف میم

۲۰

محو قد یار ہو گئے ہم
سولی پہ چڑھے تو سو گئے ہم
ہوش آتے ہی محو ہو گئے ہم
جب آنکھ کھلی تو سو گئے ہم
بیخود شب ہجر ہو گے ہم
قسمت کو سلا کے سو گئے ہم
مست مئے حسن ہو گئے ہم
زانو پہ کسی کے سو گئے ہم
پیری میں جواں ہو گئے ہم
جب صبح ہوئی تو سو گئے ہم
راحت سے عدم میں ہو گئے ہم
منزل پہ پہنچ کے سو گئے ہم
جاگے تھے بہت شب جدائی
جنت میں بھی جاکے سو گئے ہم
اس بزم میں دل نے ساتھ چھوڑا
اک آئے وہاں سے دو گئے ہم
بعد اپنے لڑے رقیب سے وہ
یہ تخم فساد بو گئے ہم
کافر کہیں ہم کو یا مسلماں
اب ہو گئے جس کے ہو گئے ہم
جب زلف کی بو سنگھائی تم نے
دیوانے تمہارے ہو گئے ہم

اب روئے گا ہم کو اک زمانہ	اگلوں کو جہاں میں رو گئے ہم
محفل سے تری ملا یہ ہم کو	دل اپنی گرہ سے کھو گئے ہم
چوری کا ہے مال کہتے ہیں وہ	دل دے کے بھی چور ہو گئے ہم
دل لینے کی تم کو آرزو تھی	اب جان سے اپنی لو گئے ہم
دنیا ہی میں کیوں یہ فرد اعمال	اشکوں سے نہ اپنے دھو گئے ہم
تھی عشق کی آبرو ہمیں سے	وہ بعد فنا ڈبو گئے ہم

کل آئے جو وہ کہیں سے اے داغ
آج ان کے سلام کو گئے ہم

ردیف نون

۲۱

موجود ہر جگہ ہے، نہیں بے نشاں کہیں	وہ ہر جگہ ہے ڈھونڈئے اس کو جہاں کہیں
زاہد خدا ملے گا نہ تجھ کو یہاں کہیں	کون و مکاں کہیں ہے تو ہے لامکاں کہیں
بیداد کر رہا ہے وہ عہد شباب میں	اے آسمان پیر ہو تو بھی جواں کہیں
ایجلو اب ستم نہیں ہوتے یہ کیا ہوا	یارب بدل گیا تو نہ ہو آسماں کہیں
وہ تند خو ہے اور ہے کمسن پیامبر	ڈرتا ہوں لڑکھڑے نہ اس کی زباں کہیں
کیا جھوٹ بولتے ہو کہ ہے غیر باوفا	اس جھوٹ سے گرے نہ یہ سقف مکاں کہیں
میں غیر کی نگاہ میں، تم میرے دل میں ہو	میرا مکاں کہیں ہے، تمہارا مکاں کہیں
سامان عیش سب ہیں مہیا وصال کے	ایسے میں آ نہ جائے اجل ناگہاں کہیں

جتنے تھے راہ عشق میں ارمان، مٹ گئے منزل کہیں ہے، دل ہے کہیں، کارواں کہیں
دل گھر ہے داغ عشق کا اس پر ہے آبلہ ایسا نہیں مکان کے اوپر مکاں کہیں
بخشش نہ ہو رقیب کا منحوس ہے قدم جنت میں آ نہ جائے الٰہی خزاں کہیں
ٹھکرا کے اس نے قبر کو ہشیار کر دیا مجھ کو خبر نہ تھی کہ مرا ہے نشاں کہیں
تم نام پر رقیب کے بگڑے ہو داغ سے
باتیں جو بھید کی تھیں وہ اس نے کہاں کہیں

۲۲

بہت ہی مختصر تھا وصل کا دن خدا جانے کب آیا، کب گیا دن
عیادت کو مریض غم کی اب آئے اسے گزرے ہوئے ہے تیسرا دن
ہمارا ہی وہ روز وصل ہو کاش نصاریٰ میں جو ہوتا ہے بڑا دن
یہ کیا خورشید کو ضد ہے شب وصل نکل کر دوپہر پہلے چڑھا دن
نہ ہو گا کیا مرا افسانہ پورا نہ ہو گا کیا قیامت کا بڑا دن
کرے کس وقت کوئی عرض مطلب وہاں ہے رات دن کی رات کا دن
قیامت اس نے کی غصے سے برپا الٰہی آج کا تھا کیا برا دن
نہیں کٹتی شب غم تو کہاں ہے ارے او بے مروت، بے وفا دن
وہی دن ہے مبارک جب ملے وہ نہیں ہم جانتے اچھا برا دن
نہیں ٹلتا، نہیں آتی شب وصل ہمارے گھر پہ عاشق ہو گیا دن
مجھے ہے بے خودی کوئی سنا دے وہ آئی وصل کی شب، وہ گیا دن
ترے گھر داغ ہو ہر روز نو روز
دکھائے تجھ کو بھی ایسے خدا دن

۲۳

مانند سرو باغ ہم آزاد جب سے ہیں
سب کی قطار میں ہیں مگر دور سب سے ہیں

قابو میں وہ رقیب کے مجبور کب سے ہیں
جادو کیا ہے اس نے مگر اس سبب سے ہیں

آنکھوں ہی کے اشارے میں سمجھو سوال وصل
کیونکر کہیں یہ بات کہ واقف ادب سے ہیں

اٹھے ہیں آج صبح کو منہ کس کا دیکھ کر
توڑا ہے آئینے کو وہ بیزار سب سے ہیں

کیفیت ان کو بزم جہاں کی نہیں ملی
جو نامراد بادۂ عیش و طرب سے ہیں

یہ کہہ رہا ہے تم کو زمانہ خبر نہیں
جتنے رقیب ہیں وہ گرفتار سب سے ہیں

پہلی خطائیں میں نہ کروں گا کبھی معاف
دھوکا نہ دو یہ کہہ کے ترے دوست اب سے ہیں

بسمل ہوئی ہے خلق تری تیغ ناز سے
کچھ نیم جاں سے اسمیں ہیں کچھ جاں بلب سے ہیں

جو پارسا ہیں خوف انہیں اس قدر کہاں
ڈرتے گناہ گار خدا کے غضب سے ہیں

ایسا شب فراق میں گھبرا رہا ہے دل
دن کے امیدوار ہم اول ہی شب سے ہیں

تکلیف ہجر کی اسے برداشت ہی نہیں
ہم تنگ کس قدر دل راحت طلب سے ہیں

کیا بے خودی ہے شوق کی اتنی خبر نہیں
ہم کس پہ مبتلا ہیں خدا جانے کب سے ہیں

بیباک و بے حیا نہیں اغیار کی طرح
ہم دور ان کی بزم میں پاس ادب سے ہیں

یہ گھر بھرا بھرا نظر آتا ہے کیا مجھے
مہمان میرے دل میں وہ اے داغ جب سے ہیں

۲۴

دیکھئے ان سے ملاقات ہے خدا کون سے دن
کون سی رات ہو مقبول دعا کون سے دن

اب جدائی کی مصیبت نہیں اٹھتی مجھ سے
سر مرا تن سے کریں گے وہ جدا کون سے دن

اس بہانے سے نہ آیا وہ مری میت پر ۔۔۔ اس ستم گر نے لگائی ہے حنا کون سے دن
غمزہ و ناز جوانی میں کیوں کر نہ کریں ۔۔۔ اور پھر آئیں گے انداز و ادا کون سے دن
اے نجومی تجھے دعویٰ ہے تو یہ حکم لگا ۔۔۔ کون سے وقت ملیں گے وہ بتا کون سے دن
تم ہی منصف ہو کوئی راہ کہاں تک دیکھے ۔۔۔ وعدۂ وصل کیا' یہ نہ کھلا کون سے دن
ان کے آتے ہی ہوا وعدہ ہمارا پورا ۔۔۔ وائے تقدیر کہ آئی ہے قضا کون سے دن
مست ہیں جوش جوانی کی وہ کیفیت میں ۔۔۔ اب نہ آنا تو پھر آنا یہ مزا کون سے دن
میری کشتی کو کیا باد مخالف نے تباہ ۔۔۔ منتظر ہوں کہ بدلتی ہے ہوا کون سے دن
کوئی ہفتہ نہیں ایسا کہ نہ ہو غم جس میں ۔۔۔ عیش و عشرت کے ہیں یا بار خدا کون سے دن
طلب وصل پہ کھینچی ہے چھری روز وصال ۔۔۔ اس خطا پر مجھے دیتے ہو سزا کون سے دن
ان کا برتاؤ نرالا ہے یہ کھلتا ہی نہیں ۔۔۔ مہرباں کون سے دن ہیں وہ خفا کون سے دن
بعد مدت کے جو ٹوکا تو کہا ظالم نے ۔۔۔ آپ سے ہم نے کیا عہد وفا کون سے دن
حشر کے روز تو یارب ہو نزول رحمت ۔۔۔ ہم گنہگاروں کو ملتی ہے سزا کون سے دن
دیکھئے کب مری قسمت کا ستارا چمکے ۔۔۔ سامنے آئے وہ خورشید لقا کون سے دن
خواہش وصل پہ وہ پوچھتے ہیں یہ مجھ سے ۔۔۔ کہ برس دن میں مبارک ہو بتا کون سے دن
نو گرفتار تری زلف میں ہیں طائر دل ۔۔۔ تو کرے گا انہیں صدقے میں رہا کون سے دن
دیکھئے دیکھتے ہیں کب وہ اٹھا کر چلمن ۔۔۔ دیکھئے اٹھتی ہے کمبخت حیا کون سے دن
برسوں گزرے ہیں کہ بیمار محبت میں ہوں ۔۔۔ ہو گی اے چارہ گرو مجھ کو شفا کون سے دن
ہم سے اب تک تو تری آنکھ بہت سیدھی تھی ۔۔۔ دیکھئے کرتی ہے یہ مل کے دغا کون سے دن

داغ سے عید کے دن بھی نہ ملے وہ آکر
یہ گیا وقت پھر آئے گا بھلا کون سے دن

۲۵

عشق میں دل کہیں، حواس کہیں ایسے رہتے ہیں اپنے پاس کہیں
چھپ کے بیٹھا ہے کیا کوئی مے کش بھر کے جاتا ہے کیوں گلاس کہیں
مجھ کو ہے اس سے احتمال بلوفا نہ غلط ہو مرا قیاس کہیں
زہر کھاتے ہیں تنگ آکر ہم یہ دوا آئے دل کو راس کہیں
کعبے جاتے تو ہیں یہ دھڑکا ہے ہم نہ پہنچیں خدا کے پاس کہیں
ستیاناس محتسب کا ہو شیشہ پھینکا کہیں، گلاس کہیں
دل کے گوشے میں دونوں مہماں ہیں آرزو ہے کہیں تو یاس کہیں
آئیں گے پانچ دن میں، کہتے ہو پانچ دن کے نہ ہوں پچاس کہیں
دل کی مردانگی پہ بھولا ہوں عاشقی میں نہ ہو ہراس کہیں
اس کو کہتے ہیں لوگ عہد شکن ٹوٹ جائے نہ اپنی آس کہیں
جو نہ کہنی تھیں مجھ کو وہ باتیں غیر سے ہوکے بدحواس کہیں
شہر در شہر ہیں ترے عاشق کہیں دس بیس، سو پچاس کہیں
جامہ عاشقی ملا ہے مجھے تنگ تر ہو نہ یہ لباس کہیں
قطرۂ قطرہ پلا نہ اے ساقی اوس سے بجھتی ہے پیاس کہیں

بزم میں داغ گر نہیں تو نہ ہو
یہیں ہو گا وہ آس پاس کہیں

۲۶

کیا زانوے رقیب بسا ہے نگاہ میں
تکیہ نہیں ہے آج تری خواب گاہ میں

آتے ہیں اس روش سے تری جلوہ گاہ میں
ہم پاؤں پھونک پھونک کے رکھتے ہیں راہ میں

تم لاکھ مجھ سے پردہ کرو جلوہ گاہ میں
صورت یہ کہہ رہی ہے کہ میں ہوں نگاہ میں

آمیزش ثواب ہے میرے گناہ میں
دل بتکدے میں اور قدم خانقاہ میں

سچ ہے یہاں کہاں ہو جو دو بات کا جواب
تم ہو کسی کے دل میں، کسی کی نگاہ میں

خالی نہیں مزے سے کوئی پارسا و رند
لذت اسے ثواب میں، اس کو گناہ میں

پہنچے نہ ہائے منزل مقصود تک کبھی
ہم پاؤں پیٹتے ہی رہے اس کی راہ میں

چاہ ذقن میں اس کے پسینے سے ہے تری
پانی اگر نہیں ہے تو ہے خاک چاہ میں

وہ تجھ سے مل کے حشر میں پوری نہ ہو کہیں
تھوڑی سی ہے کمی جو ہمارے گناہ میں

یوسف کا حال دیکھ کے آنکھیں ہوئیں ہمیں
ڈوبا جو اس کی چاہ میں، ڈوبا نہ چاہ میں

دشوار ہیں طریق طریقت کی منزلیں
دوزخ بھی ساتھ ساتھ ہے جنت کی راہ میں

ہم کو پتا ملا ہے دل داغ دار کا
کچھ روشنی سی ہے تری زلف سیاہ میں

ظالم خدا سے ڈر کہ جہنم کی آگ ہے
نالے میں بیکسوں کے' غریبوں کی آہ میں

اک دوستی کی' ایک نظر دشمنی کی ہے
تم بھی نگاہ میں ہو' عدو بھی نگاہ میں

آشفتگی سے زلف کی' جس کی ہو برہمی
دیکھے وہ کس طرح مجھے حال تباہ میں

سمجھا دے اس کو جا کے یہ اک بات اے صبا
قاصد ابھی گیا ہے' ابھی ہو گا راہ میں

دیکھا جو شب کو خواب میں اس چشم مست کو
لغزش ہے صبح سے مرے پائے نگاہ میں

یہ رنگ کہہ رہا ہے' کیا خون بے گناہ
ڈورے ہیں سرخ سرخ جو چشم سیاہ میں

وہ غیر سے ملے ہیں گلے میرے سامنے
ماتم ہے زندگی کا مجھے عید گاہ میں

حاصل ہیں میری قبر سے بھی سرفرازیاں
رکھتے ہیں پھول چن کے عدو بھی کلاہ میں

دانستہ اس نے قتل کیا' میں یہ کیوں کہوں
شاید ہوا ہو خون مرا اشتباہ میں

جاتا ہے داغ کعبے کو بت خانہ چھوڑ کر
ٹھوکر ضرور کھائے گا پتھر سے راہ میں

۲۷

رنج پر رنج دیے جاتے ہیں ۔ اپنی کرنی وہ کیے جاتے ہیں
ہم جو الزام دیے جاتے ہیں ۔ اپنے دل میں وہ لئے جاتے ہیں
مرگ عاشق کا تمہیں کیوں غم ہو ۔ جینے والے تو جیے جاتے ہیں
زخم اس تیغ کے ہیں دامن دار ۔ کس سے یہ چاک سیے جاتے ہیں
ہم تری بزم میں تنہا بیٹھے ۔ خون کے گھونٹ پیے جاتے ہیں
ان کو حیرت ہے کہ عاشق کیونکر ۔ ہم پہ مر مر کے جیے جاتے ہیں
ہاتھ کب اہل سخاوت کا رکا ۔ بے طلب بھی وہ دیئے جاتے ہیں
وہ جواب اس کا ہمیں دیں کہ نہ دیں ۔ ان سے ہم بات کئے جاتے ہیں
داغ سے مل کے یہ پوچھا اس نے
کس لئے آپ جیے جاتے ہیں

۲۸

طور بے طور ہوئے جاتے ہیں ۔ وہ تو کچھ اور ہوئے جاتے ہیں
یہ عنایت پہ عنایت ہے ستم ۔ لطف بھی جور ہوئے جاتے ہیں
اب تو بیمار محبت تیرے ۔ قابل غور ہوئے جاتے ہیں
نشہ ہوتا ہی نہیں اے ساقی ۔ بے مزہ دور ہوئے جاتے ہیں
دیر ہے حکم کی، ہم تم پہ فدا ۔ ابھی فی الفور ہوئے جاتے ہیں
التجا بھی ہے شکایت گویا ۔ وہ خفا اور ہوئے جاتے ہیں

انتہا کینا ہے کہ تجھ سے برپا جور پر جور ہوئے جاتے ہیں
اہل کلکتہ سے لائق فائق اہل لاہور ہوئے جاتے ہیں
گھڑیوں بڑھتا ہے حسینوں کا جمال اور سے اور ہوئے جاتے ہیں
تیر پھینکو نہ فلک پر کہ شکار اسد و ثور ہوئے جاتے ہیں
کچھ خبر بھی ہے محبت میں داغ کیا ترے طور ہوئے جاتے ہیں

۲۹

نہ چھوڑا دل کو اے کافر، ترے پیکان ایسے ہیں
خدا کا گھر اڑا لے جائیں، یہ مہمان ایسے ہیں
کرے گا بے وفائی مجھ سے تو، سامان ایسے ہیں
تری جانب سے مجھ کو وہم میری جان ایسے ہیں
فرشتے کو پکڑ رکھیں، ترے دربان ایسے ہیں
خدا سے بھی نہیں ڈرتے یہ بے ایمان ایسے ہیں
اگر تو بھی نکالے گا نہ نکلیں گے، نہ نکلیں گے
مرے ارمان اتنے ہیں، مرے ارمان ایسے ہیں
رقیبوں کو محبت کا ہے دعویٰ، اے تری قدرت
یقیں ہے تم کو لو وہ بھی خدا کی شان ایسے ہیں
شرارت، فتنہ اک اک بات میں ہے ان کی اے قاصد
وہ بھولے بھالے کم سن ایسے ہیں نادان ایسے ہیں
یہ سر کے ساتھ جائیں گے، یہ دم کے ساتھ جائیں گے
ہمارے سر پہ آصف جاہ کے احسان ایسے ہیں

بنائیں اور باتیں آپ ان سے کیا غرض مطلب
یہ چن لیتے ہیں مطلب کی' ہمارے کان ایسے ہیں

وہ جلوہ دیکھتے ہی آگیا غش' مجھ کو دعویٰ تھا
خطا ہوتی نہیں ہرگز مرے اوسان ایسے ہیں

یقیں ہم کو لاتے ہیں وہ یوں جھوٹی قسم کھا کر
نہ ٹوٹیں حشر تک یہ عہد' یہ پیمان ایسے ہیں

رقیبوں کو بٹھا کر بزم میں کہتے ہیں وہ مجھ سے
جواب اُن کا نہیں' دیکھو مرے مہمان ایسے ہیں

تمہارا ساتھ دیں گے حشر میں یہ بھی یقیں جانو
تمہارے جاں نثاروں میں بہت انسان ایسے ہیں

کہیں لٹوا دیا جوبن' کہیں چھروا دیا دل کو
بھرے جائیں نہ تجھ سے بھی ترے نقصان ایسے ہیں

تری تصویر بھی' آئینہ بھی' عاشق کی آنکھیں بھی
کسی میں دم نہیں' محفل میں یہ حیران ایسے ہیں

بہار باغ عالم ہم نے لوٹی' داغ مدت تک
کوئی دن کی ہوا کھاتے ہیں اب سامان ایسے ہیں

ردیف واؤ

۳۰

رگ جاں سے نزدیک۔ ہے میری جاں تو مگر پھر جو دیکھا کہاں میں کہاں تو

حقیقت میں ہے ماسوا چیز ہی کیا ادھر تو، ادھر تو، یہاں تو، وہاں تو

نہ تو مجھ کو چھوڑے نہ میں تجھ کو چھوڑوں وہیں تو جہاں میں، وہیں میں جہاں تو

حفیظ اور حافظ بھی ہے نام تیرا نگہبان ہے اور ہے پاسباں تو

وظیفہ جو تجھ کو نہیں نام اس کا دہن میں ہے کس کام کی، اے زباں تو

جہاں پائیں گے تجھ کو ہی پائیں گے ہم نہیں بے نشاں تو، نہیں بے نشاں تو

یہ گھر وہ بنے، جس پہ قرباں ہو جنت اگر خانہ دل میں ہو مہماں تو

کہاں چشم بینا ہے ایسی جو دیکھے کہاں ہے عیاں تو، کہاں ہے نہاں تو

یہاں پست و بالا دکھاتا ہے تجھ کو بتاتا نہ کیوں یہ زمیں، آسماں تو

نکلتے ہی کہتا ہے غنچہ زباں سے کہ اس باغ عالم کا ہے باغباں تو

نہ ہو دین و دنیا میں کچھ رنج اس کو
الٰہی رہے داغ پر مہرباں تو

ردیف یائے معروف و مجہول

۳۱

یہ سنتے ہیں ان سے یہاں آنے والے جہنم میں جائیں وہاں جانے والے

ترس کھا ذرا دل کو ترسانے والے ادھر دیکھتا جا ادھر جانے والے

وہ جب آگ ہوتے ہیں غصے سے مجھ پر تو بھڑکاتے ہیں اور چمکانے والے

مرا دل، مرے اشک، غصہ تمہارا نہیں رکے روکے سے یہ آنے والے

وہ جاگے سحر کو، تو لڑتے ہیں مجھ سے کہ تھے کون تم خواب میں آنے والے

وہ میرا کہا کس طرح مان جاتے		بہت سے ہیں شیطان بہکانے والے
ادھر آؤ، اس بات پر بوسہ لے لوں		مرے سر کی جھوٹی قسم کھانے والے
ہمیں پر اترتا ہے غصہ تمہارا		ہمیں بے خطا ہیں سزا پانے والے
وہ محفل تمہاری، مبارک ہو تم کو		سلامت رہیں بے طلب آنے والے
تری بزم سے میں نہ جاؤں گا تنہا		مجھے ساتھ لے جائیں گے لانے والے
جو واعظ کے کہنے سے بھی توبہ کر لوں		نہ کوسیں گے کیا مجھ کو میخانے والے
اٹھائیں گے کیا غیر الفت کے صدمے		ذرا سی مصیبت میں گھبرانے والے
تمہیں نے چرایا ہے، دل وہ تمہیں ہو		پرائی رقم لے کے اترانے والے
نہیں مانتا ایک کی بھی مرا دل		نئے روز آتے ہیں سمجھانے والے
مجھے کھائے جاتے ہیں اب طعنہ دے کر		مرے حال پر تھے جو غم کھانے والے
برستا نہیں مینہ الٰہی کہاں تک		پئیں خون کے گھونٹ میخانے والے
جہاں دیدہ ہیں ہم نے دیکھی ہے دنیا		نہیں آپ کے دم میں ہم آنے والے
زباں سے تو کہہ کیا ارادہ ہے تیرا		اشاروں، اشاروں میں دھمکانے والے

سلامی ہیں اے داغ اس کے ہی در کے
نہ ہم کعبے والے، نہ بت خانے والے

۳۲

دنیا کا مال اور ہے کس کام کے لئے		کرتا ہے خرچ آدمی آرام کے لئے
ہے سادگی غضب کی، قیامت کا ہے بناؤ		وہ صبح کے لئے ہے، تو یہ شام کے لئے
آنے دے کچھ تو ہوش جہان خراب میں		اے بیخودی ہم آئے ہیں کس کام کے لئے

اس بت کا دل ملے گا مرے دل سے کس طرح
وہ کفر کے لئے ہے، یہ اسلام کے لئے

وعدہ کرے وہ رات کا اپنا یہ حال ہو
مانگیں دعائیں صبح سے ہم شام کے لئے

دو گے جو بوسہ پاؤ گے نام خدا ثواب
دنیا یہ وہ نہیں ہے جو ہو نام کے لئے

میں خوش ہوا کہ ہے وہی قاصد جو یہ سنا
حاضر ہے کوئی آدمی انعام کے لئے

جانے دو اہل کعبہ کو ہے اس میں مصلحت
جاتا ہوں بتکدے کو بڑے کام کے لئے

تعریف میں کسی کی نہ آیا کبھی وہ لطف
عاشق نے جو مزے تری دشنام کے لئے

سن کر کہا ہر اک نے ہمیں جان ہے عزیز
یارب فرشتہ دے مرے پیغام کے لئے

کس طرح آگئی شب دیجور ہجر میں
یہ تیرگی تھی زلف سیہ فام کے لئے

دل سا نہیں ہے کوئی بھی ہرکارہ اپنے پاس
موجود و مستعد ہے یہ ہر کام کے لئے

اچھا ہو یا برا ہو انہیں اس سے بحث کیا
احوال پوچھتے ہیں وہ الزام کے لئے

جب مل گئی تو اوک سے چلو سے پی ہی لی
ہم منتظر کبھی نہ رہے جام کے لئے

مجھ کو پلادی بزم میں اس چشم مست نے
ترسے مری بلا مئے گلفام کے لئے

اس فتنہ گر کی بزم ہو کیونکر نہ فتنہ خیز
یہ کام تھا فلک کو سرانجام کے لئے

آیا وہاں سے بیخود و بے ہوش بن کے تو
بھیجا تھا ہم نشیں تجھے کس کام کے لئے

عقبیٰ کی فکر کر کہ یہ غفلت بری ہے داغ
دنیا نہیں ہے راحت و آرام کے لئے

۳۴

حیا و شرم سے چپ چاپ کیا وہ آکے چلے
اگر چلے تو مجھے سیدھیاں سنا کے چلے

وہ شاد شاد دم صبح مسکرا کے چلے
ستم تو یہ ہے کہ مجھ کو گلے لگا کے چلے

یہ چال ہے کہ قیامت ہے اے بت کافر
خدا کرے کہ یونہی سامنے خدا کے چلے

ہمارے دود جگر میں ذرا نہیں طاقت
یہ ابر تر ہے کہ گھوڑے پہ جو ہوا کے چلے

مرے بجھائے بجھے گی نہ یہ لگی دل کی
بجھاتے جاؤ، کہاں آگ تم لگا کے چلے

تمہیں ہو چور بھری بزم میں، ادھر آؤ
نظر چرائے ہوئے دل کہاں چرا کے چلے

ہوئے ہیں شادی و غم اختیار میں ان کے
کبھی ہنسا کے چلے وہ، کبھی رلا کے چلے

ہماری خاک کی ڈھیری تمہارے کوچے میں
ذرا لگی تھی کہ جھوکے وہیں ہوا کے چلے

وہ مہماں نہیں ایسے کہ جائیں خالی ہاتھ
کہ جب چلے تو مرے دل کو لے لوا کے چلے

طریق عشق میں سوجھا کسے نشیب و فراز
وہ کیا چلے جو سہارے پہ رہنما کے چلے

نہیں ہے دل کو مرے صرصر فنا سے خطر
یہ کشتی ایسی ہے جو سامنے ہوا کے چلے

بچائیں دل کو کہاں تک ہم ایسے تیروں سے
نگہ نگہ کے چلے ہیں ادا ادا کے چلے

دکھائی دی ہمیں راہ عدم جو تیرہ و تار
ہم اپنی مشعل داغ جگر جلا کے چلے

پڑی جو اس کی نظر دل تڑپ کے یوں نکلا
کہ جس طرح کوئی نخچیر تیر کھا کے چلے

خبر نہیں کہ کوئی تاک میں بھی بیٹھا ہے
یہ جھٹپٹے میں کہاں آپ منہ چھپا کے چلے

ادھر تو آؤ مجھے دو دو باتیں کرنی ہیں
یہ کیا کہ دور سے صورت فقط دکھا کے چلے

وہ رحم کھائیں گے کیا داغ ہوش میں آؤ
تم ان کے آگے برا حال کیوں بنا کے چلے

۳۴

ہلایا جب مری آہ و فغاں نے
زمیں پکڑی ہے کیا کیا آسماں نے

تعجب ہے کہ اس بیداد پر بھی
تجھے اچھا کہا سارے جہاں نے

لیا جب نام اس شیریں دہن کا
لئے ہیں کیا مزے میری زباں نے

کھلے وہ کھل گیا جب بھید ان پر — انہیں کھولا مرے راز نہاں نے
ملی یہ داد میرا قصہ سن کر — اڑائی نیند تیری داستاں نے
وہ یہ سمجھے سبھی عاشق ہیں سچے — بچایا سب کو میرے امتحاں نے
وہ جب تربت پہ آئے میں نہ اٹھا — سبک مجھ کو کیا خواب گراں نے
نہ گڑنے دی مری میت کئی دن — نہ چھوڑی بدگمانی بدگماں نے
رہی جن سے بہار باغ عالم — انہی پھولوں کو توڑا باغباں نے
ترے ہاتھوں کو مہندی نے کیا لال — مرے چہرے کو چشم خوں فشاں نے
خیال زلف شبگوں شب کو آیا — مجھے مارا بلائے ناگہاں نے
مرا رونا کہا اس بدگماں سے — ڈبویا مجھ کو میرے رازداں نے
لباس غیر میں دی مجھ کو خوشبو — تمہارے گیسوئے عنبر فشاں نے
اکڑنا دیکھ کر سرو چمن کا — بھرا بل کیا مرے بانکے جواں نے

حقیقت میں تو اس قابل نہ تھا داغ
بہت کی قدر شاہ قدر داں نے

۳۵

آپ کی شان ہے کیا شان رسول عربی — آپ پر جان ہے قربان رسول عربی
کس نے یہ مرتبہ پایا ہے، ہوا کس کو عروج — ہوئے اللہ کے مہمان رسول عربی
ہے قیامت میں اسے کون بچانے والا — تم ہو امت کے نگہبان رسول عربی
ہے وہی حکم خداوند تعالیٰ بے شک — جو ہوا آپ کا فرمان رسول عربی
آپ کا مرتبہ ہے حضرت آدم سے بلند — کوئی ایسا نہیں انسان رسول عربی
آپ کے نام کا کلمہ ہے مسلمان کی جان — ہے یہ دین دار کا ارمان رسول عربی

خانہ ویران بھی ہوں بے سرو سامان بھی ہوں — کوئی بنتا نہیں سامان رسول عربی
میں گنہ گار ہوں ایسا کہ دعا کرتے بھی — دل میں ہوتا ہوں پشیمان رسول عربی
اپنی امت کے نگہبان ہیں کونین میں آپ — آپ کا حق ہے نگہبان رسول عربی
مجھ کو انجام کی ہے فکر کہ کیا ہونا ہے — گم ہیں اس خوف سے اوسان رسول عربی
آئینہ خانے کی صورت ہے یہ حیرت خانہ — آدمی کیوں نہ ہو حیران رسول عربی
میں گرفتار غم و رنج رہوں گا کب تک — میری مشکل کرو آسان رسول عربی
نیک کاموں میں شب و روز بسر ہو میری — رات دن ہے یہی ارمان رسول عربی
آپ کا رتبہ ہے ایسا کہ جناب جبریل — آپ کے در کے ہیں دربان رسول عربی

میر محبوب علی خاں کو ملے عمر دراز
ہے دعا داغ کی ہر آن رسول عربی

۳۶

فتنہ گر آنکھ تھی وہ زلف دوتا اور ہوئی — وہ وبال دل و جاں ایک بلا اور ہوئی
چارہ گر سے مجھے تکلیف سوا اور ہوئی — دل کو تھا اور مرض، اس کی دوا اور ہوئی
راہ پر آئے تو ہیں گھر میں بھی آجائیں گے — ایک مقبول اگر میری دعا اور ہوئی
خواہش وصل میں بر آئی تمنائے وصال — وہ تو پوری نہ ہوئی اس کی سوا اور ہوئی
آدمی کے لئے جنت بھی نہ دوزخ ہو جائے — راس کب آئی اگر آب و ہوا اور ہوئی
جرم پر جرم کروں دیں گے سزا کس کس کی — تھک نہ جائیں گے خطا پر جو خطا اور ہوئی
وہ یہ کہتے ہیں نئی بات نہیں رسم جفا — ہوتی آتی ہے ہمیشہ سے یہ کیا اور ہوئی
اب جو ہے مجھ پہ جفا اس کی شکایت کرلوں — یا تو بالکل نہ ہوئی جبر سے یا اور ہوئی

ظہر کا وقت تو یا داور محشر گزرا — کیا کریں گے جو نماز اپنی قضا اور ہوئی
پیشتر ہی ترے لاکھے نے رلایا تھا لہو — خون کرنے کو مرے دل کے حنا اور ہوئی
عاشقوں کا بھی وہ انداز طبیعت نہ رہا — پہلے کچھ اور تھی اب رسم وفا اور ہوئی
دل میں کچھ خار محبت کی ابھی سے ہے خلش — ہم کہاں اس کی اگر نشو و نما اور ہوئی

داغ میخانے سے بت خانے کو تو جا پہنچا
تیری تعریف یہ اے مرد خدا اور ہوئی

۳۷

کرو غم سے آزاد یا مصطفیٰ — تم ہی سے ہے فریاد یا مصطفیٰ
نہ پامال مجھ کو زمانہ کرے — نہ مٹی ہو برباد یا مصطفیٰ
زباں پر ترا نام جاری رہے — کرے دل تری یاد یا مصطفیٰ
نہ چھوٹے کبھی مجھ سے راہ صواب — نہ ہو ظلم و بیداد یا مصطفیٰ
عطا مجھ کو اللہ ہمت کرے — بجا لاؤں ارشاد یا مصطفیٰ
مجھے گھیر رکھا ہے امراض نے — مٹے ان کی بنیاد یا مصطفیٰ
مجھے رات دن فکر ہے قرض کی — اسی سے ہوں ناشاد یا مصطفیٰ
رہوں حشر میں آپ کی ذات سے — طلب گار امداد یا مصطفیٰ

عنایت کی ہو جائے اس پر نظر
رہے داغ دل شاد یا مصطفیٰ

۳۸

نہ تھی تاب اے دل تو کیوں چاہ کی — بڑا تیر مارا اگر آہ کی

وہی ایک ہے خاک دیر و حرم　　دل اس راہ کی لے کہ اس راہ کی
خدا جانے کیا بن گئی دل پر آج　　صدا ہے جو اللہ اللہ کی
اڑاتے ہو بے پر کی تعریف میں　　بندھی ہے ہوا کس ہوا خواہ کی
وہ پیغامِ رخصت کا منہ پھیر کر　　وہ شرمیلی آنکھیں سحر گاہ کی
اجاڑے ہیں گھر تو نے کافر بہت　　کہاں جائے مخلوق اللہ کی
تم آنا ہمارے جنازے کے ساتھ　　یہ تکلیف کرنا خدا راہ کی
کبھی دو، کبھی سو ملیں گالیاں　　مقرر ہماری نہ تنخواہ کی
فلک سا بھی ظالم کوئی اور ہے؟　　مگر عمر اس کی نہ کوتاہ کی
اسے ہم نے دیکھا جسے دیکھ کر　　نگہ نے تری شرمِ ناگاہ کی
گیا دل ترے پاس اک آن میں　　مسافت بہت کم ہے اس راہ کی
کہا بوسہ آستاں پر بہ طنز　　نہیں ہے یہ دہلیز درگاہ کی
نہیں بے سبب ان بتوں کا غرور　　کچھ اس میں بھی حکمت ہے اللہ کی
نہ لیتے گئے بے وفا جان کر　　اگر جان بھی ان کے ہمراہ کی
مرے دل میں برچھی چبھو کر کہا　　خبردار تو نے اگر آہ کی
یکایک ڈسا تیری کاکل نے دل　　اس افعی نے کیا چوٹ ناگاہ کی

یہ سمجھائے دیتے ہیں اے داغؔ ہم
اطاعت کئے جاؤ تم شاہ کی

۳۹

اللہ ہی اللہ ہے صنم خانے میں کیا ہے　　لو برہمنو جاتے ہیں اپنا بھی خدا ہے

بگڑی ہوئی کچھ ایسی زمانے کی ہوا ہے — دل زلف پریشاں سے پریشاں ہوا ہے
یہ جرم وفا پر مجھے ارشاد ہوا ہے — بخشے تو تجھے بخشنے والے کی خطا ہے
اب داغ کے احوال سے مطلب تمہیں کیا ہے — اچھا ہے تو اچھا ہے برا ہے تو برا ہے
کس بات پر ہم رشک مسیحا تمہیں جانا — دمباز تمہارا لب اعجاز نما ہے
کھولے ہیں اسیری میں تری زلف کے پھندے — میرا دل آزاد بھی کیا عقدہ کشا ہے
تو ہاتھ ذرا کھول کہ میں آنکھ سے دیکھوں — دل ہے کہ ستم گر تری مٹھی میں قضا ہے
میخانے کو جاتا تھا چھپے چوری سے زاہد — للکار کے میں نے یہ کہا "دیکھ لیا ہے"
مختار ہے تو اپنا تو خم ہے سر تسلیم — مرضی وہی عاشق کی ہے جو تیری رضا ہے
کیوں درد کو دل کے نہ کلیجے سے لگا لوں — اس نے ہی پس مرگ مرا ساتھ دیا ہے
یہ مجھ سے کہا شکوۂ بیداد پر اس نے — تجھ کو کسی معشوق سے پالا بھی پڑا ہے
سب عیش کے سامان بگڑ جاتے ہیں بن کر — کیا خانہ خرابی نے یہ گھر دیکھ لیا ہے
گھرے ہیں رقیبوں کے تو کچھ غم نہیں ہم کو — نکلیں گے سبک ہو کے کوئی دم کی ہوا ہے
نسبت تری ابرو سے ہو کیوں کر مہ نو کو — یہ حسن میں مشہور' وہ انگشت نما ہے
فرصت ہے کہاں فکر سخن کی ہمیں دم بھر — مجبور ہیں اس سے کہ تقاضائے وفا ہے
میخانے میں فتویٰ ہے یہی پیر مغاں کا — سب عہد جوانی میں جوانوں کو روا ہے
محشر میں اگر جائے ہماری شب فرقت — خورشید قیامت کہے یہ کون بلا ہے

آرام سا آرام دیا' داغ کون دن رات
آباد رہیں حضرت آصف یہ دعا ہے

۴۰

انہیں نفرت ہوئی سارے جہاں سے — نئی دنیا کوئی لائے کہاں سے

ترے ہاتھوں غبار کشتگاں سے — زمیں ٹکرا رہی ہے آسماں سے

کھلا کب مدعا ان کے بیاں سے — زبانی خرچ تھا، خالی زباں سے

پریشاں وہ اٹھے خواب گراں سے — مری فریاد ہے آہ و فغاں سے

نہیں وہ صاف اپنے راز داں سے — خدا پالا نہ ڈالے بدگماں سے

وہ توڑیں عہد لیکن فکر یہ ہے — خدا نکلے گا کیوں کر درمیاں سے

تمہاری بات لگتی ہے مجھے تیر — نگہ کا کام لیتے ہو زباں سے

گئے کیوں توبہ کرکے اس طرف ہم — کہ شرمانا پڑا پیر مغاں سے

ذرا نرمی بھی کر اے سخت جانی — تھکا جاتا ہے قاتل امتحاں سے

مجھے مہماں تو کر لو ہم صفیرو! — جو ٹوٹی شاخ بار آشیاں سے

سگ لیلیٰ بھی مجنوں کو پیارا — لگاوٹ کر رہا ہوں پاسباں سے

کہوں کیونکر تری باتیں ہیں جھوٹی — زباں پکڑی نہیں جاتی زباں سے

تسلی کو دل افسردہ کی ہم — گل پژمردہ لائے بوستاں سے

چھپا لوں میں اے باد بہاری — مجھے کھٹکا ہے خار آشیاں سے

خبر ادنیٰ کی ہے اعلیٰ کو معلوم — زمیں کو پوچھتے ہو آسماں سے

لگا ہے سنگ مقناطیس گویا — جبیں اٹھتی نہیں اس آستاں سے

سوال وصل پر چپ ہو رہے کیوں — زباں کا کام لیتے ہیں زباں سے

فرشتے دفتر عصیاں نہ لکھیں — نہ اٹھے گا یہ دوش ناتواں سے

انہیں جس بات سے تھی سخت نفرت — وہی بے ساختہ نکلی زباں سے

عدو بھی اب تو مجھ پر رحم کھا کر — سفارش کر رہے ہیں آسماں سے

لگا رکھے گا دم جھانسوں میں دو چار — کہ پھر مشتاق آئیں گے کہاں سے

نظر پر کیوں چڑھا کر مجھ کو پٹکا — گرایا کیوں زمیں پر آسماں سے

اگر ہو آنکھ تو سرمہ بنائیں — خضر بھی میری گرد کارواں سے

بشر کیوں بر نہ دیکھیں حسن تیرا — فرشتے جھانکتے ہیں آسماں سے
جہاں کے ہو رہے بس ہو رہے ہم — قفس بھی کم نہیں ہے آشیاں سے
لڑائیں گے زباں امید یہ تھی — مگر لڑنے لگے وہ تو زباں سے
بنا دے کوئی مسجد بت کدے پر — کہ دہرا فیض ہو دہرے مکاں سے
لکھے دیتے ہیں تیور نامہ بر کے — کہ یہ خالی نہیں آیا وہاں سے
مزا ہے ان سے ہو گی گفتگو ترش — زباں کے لیں گے چٹخارے زباں سے
پھرے وحشت میں مثل گرد صحرا — نہ بیٹھے ہم وہاں اٹھے جہاں سے
وہ کوہ طور تھا موسیٰ کا حصہ — الٰہی میں تجھے دیکھوں کہاں سے
رسائی کی اگر قسمت نے اپنی — ملیں گے خلد میں خلد آشیاں سے
دل بے تاب سے ہے ناک میں دم — الٰہی صبر میں لاؤں کہاں سے

ترے در پر جگہ ہے داغ کی گرم
ابھی اٹھ کر گیا ہے وہ یہاں سے

۴۱

ایذائے درد و غم تری قسمت میں مل گئی — ملنی تھی جو سزا وہ محبت میں مل گئی
یہ شکل اتحاد کی صورت میں مل گئی — تصویر آپ کی مری حیرت میں مل گئی
آنکھوں کو تیرگی شب فرقت میں مل گئی — اس سے جو کچھ بچی مجھے تربت میں مل گئی
دل آتش فراق صنم نے جلا دیا — دوزخ سے جو بچی مجھے جنت میں مل گئی
پورا دیا جواب نہ قاصد نے جب مجھے — آدھی امید یاس میں حسرت میں مل گئی
آرام بعد مرگ ملا درد عشق سے — خاک شفا نصیب سے تربت میں مل گئی

بیداد گر کو آئے گا بیداد کا مزا
گر داد عاشقوں کو قیامت میں مل گئی

دل کو ہے اضطراب، نہ وحشت مزاج میں
آسائش ایسی کنج قناعت میں مل گئی

برگشتہ اس سے دل جو ہوا، اور غم ہوا
برگشتگی وہی مری قسمت میں مل گئی

دنیا میں جانتا ہوں کہ جنت ملی مجھے
راحت اگر ذرا سی مصیبت میں مل گئی

وقت اخیر آہی گیا موت کا مزا
یہ لذت اور درد کی لذت میں مل گئی

اس پر بھی ہم کو ناز ہے مشہور تو ہوئے
رسوائی اپنی آپ کی شہرت میں مل گئی

بلبل کا نالہ کیوں مری فریاد میں ملا
کیوں گل کی رنگت آپ کی رنگت میں مل گئی

اے داغ شکر کر کہ شرف یاب تو ہوا
دل کی مراد حج و زیارت میں مل گئی

۴۴

سب متاع دین و دنیا چاہئے
اے ہوس تجھ کو بھی کیا کیا چاہئے

دین و دل یا مال دنیا چاہئے
آپ کو کیا چاہئے کیا چاہئے

عقل کہتی ہے نہ ہو آزار عشق
شوق کہتا ہے کہ ہونا چاہئے

دل مقابل اس صف مژگاں کے ہے
لڑنے مرنے کو کلیجا چاہئے

اڑ گیا باد خزاں سے آشیاں
مجھ کو تنکے کا سہارا چاہئے

لینے والے کی تو کوئی حد بھی ہے
دینے والے کو بہت سا چاہئے

اب تو دیکھی ہے بری حالت مری
پھر بھی دیکھیں گے وہ دیکھا چاہئے

عاشقی میں جو نہ کرنا تھا کیا
اب ہمیں کیا کام کرنا چاہئے

مر نہ جاؤں کرکے ارمان وصال
موت کو کوئی بہانا چاہئے

اس کو مل جائے اگر چاہت کی داد چاہنے والے کو پھر کیا چاہیے
لکھ رہے ہیں کیا کراما" کاتبین میرے دل کا حال لکھنا چاہیے

داغ کو حور و پری سے کیا غرض
آدمی اچھے سے اچھا چاہیے

۴۳

دل میں فرحت جو کبھی آتی ہے اپنے رونے پہ ہنسی آتی ہے
کیوں صبا کو نہ بتاؤں قاصد ابھی جاتی ہے، ابھی آتی ہے
کیا ہے گنتی مرے ارمانوں کی فوج کی فوج چلی آتی ہے
یہ سبب کیا ہے جدھر جاتا ہوں سامنے تیری گلی آتی ہے
پیشوائی کو تری گلشن میں نکہت گل بھی اڑی جاتی ہے
جان عاشق کی ترے وعدے پر کبھی جاتی ہے، کبھی آتی ہے
اس کی باتوں پہ مرے ماتم میں رونے والوں کو ہنسی آتی ہے
شاخ امید جو ہوتی ہے ہری ساتھ پتی کے کلی آتی ہے
کیا عدم سے ہمیں آنے کی خوشی موت بھی ساتھ لگی آتی ہے
تجھ کو اے غنچہ و گل اس کی طرح کھل کھلا کر بھی ہنسی آتی ہے

مجرم عشق ہوئے تم اے داغ
اب وہاں سے طلبی آتی ہے

۴۴

چلے آتے ہی ایسے بے قرار آئے تو کیا آئے
کہ گھوڑے پر ہوا کے تم سوار آئے تو کیا آئے

کسی نے مڑ کے کب دیکھا چلے دے کر مجھے مٹی
گئے تو کیا گئے پھر سوگوار آئے تو کیا آئے

کسی میں کچھ بہانہ ہے، کسی میں عذر ہے کوئی
لگاتار آج میرے نام تار آئے تو کیا آئے

بہت تکلیف پائی ہے، بہت صدمے اٹھائے ہیں
طبیعت اب کہیں بے اختیار آئے تو کیا آئے

زمانہ جانتا ہے تم ہو جھوٹے اک زمانے کے
زمانے کو تمہارا اعتبار آئے تو کیا آئے

ہماری بات کیا سمجھے گا تو اے ناصح ناداں
سمجھ میں تیری اے ناکردہ کار آئے تو کیا آئے

ہوا بھی تیری خلوت گاہ میں آنے نہیں پاتی
ترے در تک مرا مشت غبار آئے تو کیا آئے

تسلی ہے نہ تسکیں، یہ کوئی آنے میں آنا ہے
عیادت کو مری وہ چند بار آئے تو کیا آئے

لگا رکھنا تمہیں آتا نہیں، بس ہے کسر اتنی
تمہارے دم میں کوئی بار بار آئے تو کیا آئے

سوال عشق کرنا تھا کہ عاشق کو مزا آتا
فرشتے پوچھنے زیر مزار آئے تو کیا آئے

شمار اہل وفا کا جو ہو دنیا میں تو بہتر ہے
تری گنتی میں وہ روز شمار آئے تو کیا آئے

بڑھی آتی ہے آگے ناامیدی پیشوائی کو
ترے در پر کوئی امیدوار آئے تو کیا آئے

قدم رکھا تھا بازی گاہ الفت میں کہ دل کھویا
گئے تھے جیتنے کیا چیز ہار آئے تو کیا آئے

جو ہیں اہل ہوس ساقی' شراب عشق کا ان کو
سرور آئے تو کیا آئے' خمار آئے تو کیا آئے

نہیں اٹھتیں نگاہیں شرم سے کیا تیر مارو گے
تمہارے ہاتھ اب دل کا شکار آئے تو کیا آئے

تمہاری بزم میں دیکھا نہ ہم نے داغ سا کوئی
جو سو آئے تو کیا آئے' ہزار آئے تو کیا آئے

۴۵

خاک اس سے عشق نے چھنوائی تھی — دشت میں مجنوں کی مٹی لائی تھی
یاد ہے وعدہ کیا تھا وصل کا — اور پھر تم نے قسم بھی کھائی تھی
وہ زمانہ یاد آتا ہے ہمیں — ہائے کس کس پر طبیعت آئی تھی
اور بھی عاشق تھے کیا میرے سوا — تم نے گنتی ان کی کیوں گنوائی تھی
ہے یہی افسردہ دل کو لطف باغ — ہم نے چن لی جو کلی مرجھائی تھی
سن کے عاشق کی خبر' کہنے لگے — کیا کریں ہم' موت اس کی آئی تھی

دیکھ آئے ہم ترے بیمار کو　　مردنی چہرے پر اس کے چھائی تھی
رحمت باری نہ تھی گر زاہدو　　پھر گھٹا میخانے پر کیوں چھائی تھی

اس ادا سے صبح کو وہ گھر گئے
تیغ تھی اے داغ یا انگڑائی تھی

۴۱

عاشقی میں یہ بری بات ہوا کرتی ہے　　رنج سے ترک ملاقات ہوا کرتی ہے
منہ رکھ کے یہی بات ہوا کرتی ہے　　آمنے سامنے دن رات ہوا کرتی ہے
گریہ عاشق بے تاب پہ ہنس کر بولے　　اب تو بے فصل بھی برسات ہوا کرتی ہے
دینے والوں کا بھی منہ آپ نے دیکھا ہے کبھی　　ایک بوسے کی بھی خیرات ہوا کرتی ہے
اے سہی قد تجھے کہتے ہیں جو طوبیٰ قامت　　یہی دنیا میں بڑی بات ہوا کرتی ہے
خاکساروں کو بھی آرام نہیں زیر فلک　　کہ زمیں مورد آفات ہوا کرتی ہے
غم کھلاتے ہیں وہ مہماں بلا کر مجھ کو　　یہ ضیافت' یہ مدارت ہوا کرتی ہے
متقی معتقد پیر مغاں ہوتے ہیں　　ان سے ظاہر یہ کرامات ہوا کرتی ہے
فاتحہ کو بھی لحد پر نہیں آتا ہے کوئی　　جیتے جی سب سے ملاقات ہوا کرتی ہے
عشق کیا جرم ہے انساں کے لئے اے واعظ　　اس گنہ کی بھی مکافات ہوا کرتی ہے
مجلس وعظ میں انسان فرشتے دیکھے　　کیا یہ جنت کی ملاقات ہوا کرتی ہے
دو گھڑی دن رہے بازار کا جانا نہ گیا　　خوب پابندی اوقات ہوا کرتی ہے
دل نکل کر مرے پہلو سے پھنسا گیسو میں　　کیا مسافر کو یوں ہی رات ہوا کرتی ہے

داغ صاحب سے کبھی گرم تھی صحبت دن رات
اب تو برسوں میں ملاقات ہوا کرتی ہے

۴۷

رہوں ستم سے بھی محروم یہ ستم کیا ہے
وہ دیکھ کر مجھے کہتے ہیں اس میں دم کیا ہے

سنبھل کے کیجئے انکار بزم دشمن کا
نشیلی آنکھ یہ کیوں، لغزش قدم کیا ہے

اب آپ عہد شکن اور بدگماں میں ہوں
جو ہے خدا کی قسم بھی تو وہ قسم کیا ہے

مزا نماز سحر کا تو سن لیا زاہد
وہ لطف جام صبوحی کا صبح دم کیا ہے

ہم اور دفتر غم ان کا کیا نہ لکھ سکتے
جب انگلیوں میں نہیں دم تو پھر قلم کیا ہے

کھلیں گے راز تمہارے سنو گے کیا کیا کچھ
نہ پوچھنا کبھی مجھ سے کہ تجھ کو غم کیا ہے

یہ جھک پڑا ہے فلک سب کی پائمالی کو
بغیر وجہ ستم گر کی پشت خم کیا ہے

غم فراق میں جو روز مرتے جیتے ہیں
وہ جانتے ہی نہیں ہستی و عدم کیا ہے

غنیمت اپنے لئے ہجر میں ہے خون جگر
جو رزق کھانے کو یہ بھی ملے تو کم کیا ہے

سر نیاز سلامت رہے پئے تسلیم
نہیں تمیز ہمیں دیر کیا، حرم کیا ہے

شمار کثرت عصیاں کا ہو نہیں سکتا
کسے خبر ہے کہ اندازۂ کرم کیا ہے

کسی کے تیر نگہ کو ملے جگہ کیوں کر
ہجوم داغ الم میرے دل میں کم کیا ہے

تمہاری آنکھ، تمہاری نگہ تو ہے بے مہر
تمہارے دل میں نہیں جانتے ہیں ہم کیا ہے

نظر جو آئیں تو ہم دیکھ لیں خط تقدیر
ہمیں خبر ہی نہیں لوح کیا، قلم کیا ہے

دیا جو داغ نے ظاہر وہ سب کو ہے معلوم
ملی ہے تم کو جو چھپکے سے وہ رقم کیا ہے

۴۸

یہ تماشا دیکھئے یا وہ تماشا دیکھئے
دی ہیں دو آنکھیں خدا نے ان سے کیا کیا دیکھئے

چھیڑ کر مجھ کو ذرا میرا تماشا دیکھئے
دیکھتے ہی دیکھتے ہوتا ہے کیا کیا دیکھئے

آپ کے چاہِ ذقن سے دل نہ نکلے گا کبھی
یہ کنویں میں گر پڑا آنکھوں کا اندھا دیکھئے

ہیں ادائیں سی ادائیں اس سراپا ناز کی
اک نیا انداز پیدا ہو گا جتنا دیکھئے

اس کا ثانی ہے کہاں پیدا ان آنکھوں سے اگر
ساری دنیا دیکھئے، سارا زمانا دیکھئے

یہ چھری میرے ہی دل پر چل رہی ہے ورنہ اب
دیکھنے والا تو کوئی اس ادا کا دیکھئے

تیزیِ تیغِ نظر کو آپ پہلے دیکھ کر
پھر مرا دل دیکھئے، میرا کلیجا دیکھئے

بعد میرے یوں وفا کوئی کرے گا کیا مجال
سوچئے دل میں، سمجھئے آپ، اتنا دیکھئے

مجھ کو راہِ عشق میں سوجھا نہ اپنا نیک و بد
رہنما کہتا رہا رستہ ہے ٹیڑھا دیکھئے؟

داد وہ بھی دے ہمارے دیکھنے کی بزم میں
کام کر جائے نگاہِ شوق اتنا دیکھئے

مجھ کو بسمل کرکے ظالم نے کہا منہ پھیر کر
یہ تماشا ہے پرانا پھر اسے کیا دیکھئے

داغ دیکھے چاند کو کیوں دیکھ کر چہرہ ترا
جو ہو صورت دیکھی بھالی پھر اسے کیا دیکھئے

۴۹

یہ بات بات میں کیا نازکی نکلتی ہے
دبی دبی ترے لب سے ہنسی نکلتی ہے

ٹھہر ٹھہر کے جلا دل کو، ایک بار نہ پھونک
کہ اس میں بوئے محبت ابھی نکلتی ہے

بجائے شکوہ بھی دیتا ہوں میں دعا اس کو
مری زباں سے کروں کیا وہی نکلتی ہے

خوشی میں ہم نے یہ شوخی کبھی نہیں دیکھی
دمِ عتاب جو رنگت تری نکلتی ہے

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل
دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

ادا ادا سے تری کھنچ رہی ہیں تلواریں
نگہ نگہ سے چھری پر چھری نکلتی ہے

محیط عشق میں ہے کیا امید و بیم مجھے — کہ ڈوب ڈوب کے کشتی مری نکلتی ہے
جھلکتی ہے سر شاخ مژہ سے خون کی بوند — شجر میں پہلے ثمر سے کلی نکلتی ہے
شب فراق جو کھولے ہیں ہم نے زخم جگر — یہ انتظار ہے کب چاندنی نکلتی ہے
سمجھ تو لیجیے، کہنے تو دیجیے مطلب — بیاں سے پہلے ہی مجھ پر چھری نکلتی ہے
کہا جو میں نے کہ مر جاؤں گا تو کہتے ہیں — ہمارے زائچے میں زندگی نکلتی ہے
سمجھنے والے سمجھتے ہیں پیچ کی تقریر — کہ کچھ نہ کچھ تری باتوں میں فی نکلتی ہے
دم اخیر تصور ہے کس پری وش کا — کہ میری روح بھی بن کر پری نکلتی ہے
صنم کدے میں بھی ہے حسن اک خدائی کا — کہ جو نکلتی ہے صورت پری نکلتی ہے
مرے نکالے نہ نکلے گی آرزو میری — جو تم نکالنا چاہو ابھی نکلتی ہے

غم فراق میں ہو داغ اس قدر بے تاب
ذرا سے رنج میں جان آپ کی نکلتی ہے

۵۰

دود دل ساتھ آہ لیتی ہے — ہم سفر کو نباہ لیتی ہے
ٹیڑھ کی وہ نگاہ لیتی ہے — بل کی زلف سیاہ لیتی ہے
تو ستم بھی کرے تو خلق خدا — اپنے ذمے گناہ لیتی ہے
دل جو لیتا ہے عشق کا رستہ — جان بھی اپنی راہ لیتی ہے
تم خبر لو مری وگرنہ خبر — آسماں کی یہ آہ لیتی ہے
بخشوانے کو جرم ان کی بلا — منت داد خواہ لیتی ہے
شب فرقت سے کون لے بدلا — جان یہ روسیاہ لیتی ہے
کیوں ستاتی ہے گردش گردوں — کیوں غریبوں کی آہ لیتی ہے

دل کو لیتی ہے یوں صف مژگاں　　قلعہ جیسے سپاہ لیتی ہے
خون عاشق کے دل کا پی پی کر　　کیا مزے تیری چاہ لیتی ہے
آرزو تیغ یاس سے ڈر کر　　میرے دل میں پناہ لیتی ہے
کیوں نہ بے تاب ہو ہمارا دل　　صبر تیری نگاہ لیتی ہے

کس کس اہل سخن سے دیکھیں داغ
یہ غزل واہ واہ لیتی ہے

۵۱

اب تیرے کلام کی بھی نزاکت نہیں رہی　　دل توڑنے کے واسطے طاقت نہیں رہی
تغیر حال زار کی تاثیر دیکھنا　　میری شبیہ کی بھی وہ صورت نہیں رہی
دیکھو جفا کے بعد۔ تو دل چیر کر مرا　　باقی رہی کہ اس میں محبت نہیں رہی
جب یہ سمجھ لیا کہ ستم و جفا کام ہے ترا　　کچھ مجھ کو تجھ سے کوئی شکایت نہیں رہی
جس روز سے ہمیں دل بے مدعا ملا　　دنیا میں کوئی ہم کو ضرورت نہیں رہی
ایسی جفا اٹھا کے تری چاہ کیا کروں　　مجبور ہو گیا مری ہمت نہیں رہی
اب تمکنت سمائی تمہارے مزاج میں　　وہ چلبلی ادا، وہ شرارت نہیں رہی
پیسے تھے وہ کھینچے انہیں لانا تھا کھینچ کر　　تاثیر تجھ میں جذب محبت نہیں رہی
انسان کے لئے ہے بڑی چیز آبرو　　کیا عاشقی کا لطف جو عزت نہیں رہی
محفل میں ان کی، رات کو یہ رعب داب تھا　　پروانے کو بھی شمع سے صحبت نہیں رہی
اچھا ہوا کہ مرگ عدو پر بہے جو اشک　　دل میں ترے کسی کی کدورت نہیں رہی
دعوائے عشق اور تنگ ظرف بھی کریں　　کیفیت شراب محبت نہیں رہی

بزم عدو میں انجمن آرا تو وہ بنا — سنتے ہیں ہم کہ لطف کی صحبت نہیں رہی
ایسا ہوں محو لذت دیدار یار اب — میرے خیال میں مری صورت نہیں رہی

سب کچھ دیا ہے داغ کو شاہ نظام نے
آبائی اس کی گرچہ ریاست نہیں رہی

۵۲

مجھ کو عشق زلف عنبر فام ہے — صبح محشر بھی نظر میں شام ہے
عشق پر تکلیف کا الزام ہے — درد میرے واسطے آرام ہے
حسن میں حور و پری کا نام ہے — آدمی کو آدمی سے کام ہے
بزم سے میرے اٹھانے کے لئے — پوچھتے ہیں آپ کو کچھ کام ہے؟
جس کے دل کو دیکھئے تیرا ہے عشق — جو زباں ہے اس پہ تیرا نام ہے
دیدہ و دل دونوں ہیں مصروف عشق — کام والوں کو ہمیشہ کام ہے
مٹ گیا درد محبت کا مزہ — خلد میں آرام ہی آرام ہے
میکدہ کیا' جاکے مسجد میں بھی رند — پوچھ لیتے ہیں' مے گلفام ہے؟
لیجئے پکڑا گیا خط آپ کا — یہ لفافے پر عدو کا نام ہے
کر لیا نکہت سے اپنی دل اسیر — ان گل اندامون کا اچھا دام ہے
بے محل دینے سے ہے کیا فائدہ — بارش بے وقت و بے ہنگام ہے
کیوں بناتے ہو رقیبوں کو مشیر — تم کو مجھ سے' مجھ کو تم سے کام ہے
ایک شکوہ کرکے پچھتایا ہوں میں — رات دن دشنام پر دشنام ہے
دہ دم آخر نہ آئے میرے پاس — دشمنوں نے کہہ دیا آرام ہے
کوئی سکتے میں ہے' کوئی مضطرب — اک تماشا ان کے زیر بام ہے

دل ہے پُرخوں، آنکھ میں آنسو نہیں
شیشہ ہے لبریز، خالی جام ہے

ان کے قاصد نے کچھ ایسی بات کی
میں نے جانا موت کا پیغام ہے

وہ جلاتا بھی ہے خود جلتا بھی ہے
جانتے ہو داغ کس کا نام ہے

۵۳

ہم کیا کریں جو سلطنت روم و شام ہے
بے مثل بادشاہ ہمارا نظام ہے

کیا دل دہی کے ساتھ جواب پیام ہے
اے نامہ بر! تجھے تو ہمارا سلام ہے

محشر میں کامیاب ہوں اس میں کلام ہے
یہ طول مدعا ہے تو بس دن تمام ہے

دل سے نکل گئی تھی شب ہجر ایک آہ
اس دن سے آسمان پئے انتقام ہے

ہر وقت سوز عشق سے روشن ہے داغ دل
ایسے چراغ کو نہ سحر ہے نہ شام ہے

کرتا ہے ہجر یار میں کیا خون آرزو
تلوار کا جو کام ہے وہ دل کا کام ہے

جھوٹی ہمیشہ کھاتے ہو قرآن کی قسم
تم جانتے نہیں یہ خدا کا کلام ہے

خواب و خیال وصل کا کیونکر ہو اعتبار
اے دل سمجھ لے تو یہ پریشاں وہ خام ہے

کیا مجرمان عشق کی ہو گی نہ مغفرت
واعظ ترے کلام میں ہم کو کلام ہے

وہ فاتحہ کے واسطے ہر روز آئیں گے
لوح مزار پر مرے دشمن کا نام ہے

دل میں ہمارے آکے ترا جی بہل گیا
کیوں کیا کہا تھا ہم نے، یہ کیسا مقام ہے

اس کا ستم شریک زمانہ بھی، چرخ بھی
کیسا جفائے یار کا اب اہتمام ہے

تم کس کے میہماں، مرے میہماں ہو
دل کس کا ہے مقام، تمہارا مقام ہے

ناصح کی بات بات مجھے تیر ہو گئی
دل چھید ڈالے یہ کوئی طرز کلام ہے

ہر چشم نقش پا میں جو ہیں فتنے کیا عجب
تو فتنہ گر ہے اور قیامت خرام ہے

آئیں نہ خواب میں بھی تو کیا وصل کا مزا　　حوروں کو دور ہی سے ہمارا سلام ہے

بدوضع کہہ کے داغ کو مجرم بنو نہ تم
سرکار بادشاہ میں وہ نیک نام ہے

۵۴

جھوٹی پیوں رقیب کی مجھ کو حرام ہے　　ساقی کے ہاتھ میں تو فقط ایک جام ہے
وہ چشم مست سامنے میرے مدام ہے　　ایسے شراب خوار کو پینا حرام ہے
جو چھید ڈالے دل کو تمہاری نگاہ ہے　　جو پیس ڈالے دل کو تمہارا خرام ہے
ہر اہل درد کو ورم داغ ہے نصیب　　سرکار عشق کا بھی عجب فیض عام ہے
وہ رنج اٹھائے ہم نے اگر کوچہ آپ کا　　دارالسلام ہے تو ہمارا سلام ہے
اس چپقلش میں فاتحہ کو وہ نہ آئیں گے　　خلقت کا میری قبر پہ کیوں اژدہام ہے
جو شکل ہے تری وہی اک شوخ کی ہے شکل　　جو نام ہے ترا وہی اس کا بھی نام ہے
اہل وفا میں تم نے کیا غیر کو شریک　　تم جانتے نہیں وہ ہمارا غلام ہے
یا دل مقابلے کی نہیں تاب لا سکا　　یا آج ترک چشم کی ترکی تمام ہے
ملنے کو آئے ہیں تو بڑے اجتناب سے　　مجھ کو تو روز عید بھی ماہ صیام ہے

"کہتے ہیں کس کو داغ" یہ کیا آپ نے کہا
لے دل میں چٹکیاں یہ اسی کا کلام ہے

۵۵

ہم نے مزے خیال رخ یار کے لئے　　دیدار والے جائیں گے دیدار کے لئے

کچھ خون دل ہے دیدۂ خوں بار کے لئے
کچھ ہے بچا کھچا غم آزار کے لئے

سرمہ ضرور ہے نگہ یار کے لئے
یہ باڑ چاہئے اسی تلوار کے لئے

ترسی جب آنکھ جلوۂ دیدار کے لئے
بوسے ہی ہم نے روزن دیوار کے لئے

کیا حال دل کہوں کہ تری چشم خشمگیں
ہے مہر خامشی لب اظہار کے لئے

اصحاب کہف سے جو بچے خواب وہ ملے
یارب عدو کے طالع بیدار کے لئے

ہوتا ہے اور جلوہ فروشوں سے کیا نصیب
دو چار گالیاں ہیں خریدار کے لئے

انکار کیجئے آپ مگر شکل آپ کی
کہتی ہے میں بنی ہوں ترے پیار کے لئے

مجرم بتوں کا بھی ہوں خدا کا بھی چور ہوں
دونوں میں ضد ہے ایک گنہگار کے لئے

دیکھو کوئی نگاہ کی شوخی اڑا نہ لے
رکھ لو بچا کے تیزی رفتار کے لئے

حلقے میں ہے مژہ کے تری چشم نرگسی
تیماردار جمع ہیں بیمار کے لئے

یہ بار ناز ہم سے اٹھایا نہ جائے گا
بیکاری آپ ڈھونڈئے بیکار کے لئے

تر دامنی میں اشک ندامت بھی ہیں شریک
رحمت کا ہے نچوڑ گنہگار کے لئے

یہ جان کس کے واسطے، جاناں کے واسطے
یہ دل ہے اور کس کے لئے، یار کے لئے

بیٹھے ہیں راہ دوست میں ہم پاؤں توڑ کر
اب فکر کیا ہے منزل دشوار کے لئے

حصہ وفا کا اور جفا کا ہوا ہے یوں
یہ دل کے واسطے، وہ دل آزار کے لئے

نازک کلائی پھول سی، اس کام کی نہیں
مشاق ہاتھ چاہئے تلوار کے لئے

خانہ خرابیاں بھی ہیں رسوائیوں کے ساتھ
یہ گھر کے واسطے ہیں، وہ بازار کے لئے

تیرے تبسم نمکیں میں ہے اک مزہ
لیکن جگر فگار و دل افگار کے لئے

ہرجائی ایسی توبہ کو کیا منہ لگائیں ہم
زاہد کے واسطے، کبھی مے خوار کے لئے

تو دل کو اک بار نہ کھا اے غم فراق
رکھا ہے اس کو ہم نے کئی بار کے لئے

خلوت میں ہیں شکر لب و شیریں دہن کے لطف
ایسی مٹھائیاں نہیں بازار کے لئے

یہ حال دیکھ کر ملک الموت کیا عجب مانگے اگر دعا ترے بیمار کے لئے

یہ داغ کی دعا ہے کہ پروردگار دے
دنیا کی خوبیاں مرے سرکار کے لئے

۵۶

دل میں کیا مہرباں نہیں آتی بات کہنے میں ہاں نہیں آتی

بڑھ گیا تجھ سے وہ ستم ایجاد شرم اے آسماں نہیں آتی

کس طرح قول کے ہوں دو سچے میرے منہ میں زباں نہیں آتی

اس ستم گر کو یاد بھی میری بھول کر ناگہاں نہیں آتی

ہے طبیعت بھی اپنی ہرجائی کس جگہ یہ کہاں نہیں آتی

جل کے دل خاک ہو گیا شاید بوئے سوز نہاں نہیں آتی

کو ملا ہے مفارقت تیری نہیں آتی جہاں نہیں آتی

بے خودی میں کہا تھا ان سے حال یاد وہ داستاں نہیں آتی

شب غم مر گیا موذن کیا آج بانگ اذاں نہیں آتی

وہ اشاروں سے کام لیتے ہیں گفتگو درمیاں نہیں آتی

کام کر جائے گی یہ خاموشی ہم کو آہ و فغاں نہیں آتی

ہے زبانی بھری خبر ان کی کہ وہاں سے یہاں نہیں آتی

تجھ کو ہو گا ثواب فرقت میں اے اجل کیوں یہاں نہیں آتی

دل لگاتے ہی ہم تو مرتے ہیں نوبت امتحاں نہیں آتی

روز محشر بھی تیرے کشتے کے تن میں روح رواں نہیں آتی

داغ ہی جانتا ہے طرز وفا
تم کو اے مہرباں نہیں آتی

۵۷

حسن ادا بھی خوبی صورت میں چاہئے
یہ بڑھتی دولت ایسی ہی دولت میں چاہئے

ہمت کا ہارنا نہ مصیبت میں چاہئے
تھوڑا سا حوصلہ بھی طبیعت میں چاہئے

باہم یہ میل جول محبت میں چاہئے
میری طبیعت اس کی طبیعت میں چاہئے

آجائے راہ راست پہ کافر ترا مزاج
اک بندۂ خدا تری خدمت میں چاہئے

طوبیٰ ہو یا ہو سرو ترا بانکپن کہاں
انداز بھی تو کچھ قد و قامت میں چاہئے

میں تجھ سے پوچھتا ہوں مرے دل کا فیصلہ
دنیا میں چاہئے کہ قیامت میں چاہئے

کیا لطف دشمنی جو تعلق ہی اٹھ گیا
کچھ چھیڑ چھاڑ بھی تو عداوت میں چاہئے

انصاف سے کہو کہ یہ بیداد کا طریق
تم کو نہ چاہئے کہ محبت میں چاہئے

آیا ہے کیا پسند خم زلف پر شکن
کہتا ہوں میں یہ بل مری قسمت میں چاہئے

اس چشم سحر فن نے کیا ہے مجھے ہلاک
جادو کی روشنی مری تربت میں چاہئے

دیکھے کچھ ان کے چال چلن اور رنگ ڈھنگ
دینا دل ان حسینوں کو مدت میں چاہئے

کہتا ہے رشک دیدہ و دل بھی نہ ہوں شریک
غیرت بھی انتہا کی محبت میں چاہئے

ٹھنڈے کلیجے ہوں رخ دلدار دیکھ کر
ٹھنڈا بھی آفتاب قیامت میں چاہئے

نازل جو ہوں بلائیں فلک سے وہ دیکھ لوں
اتنی تو چاندنی شب فرقت میں چاہئے

یہ عشق کا ہے گھر کوئی دارالاماں نہیں
ہر روز واردات محبت میں چاہئے

میں نے شب وصال جگایا تو یہ کہا
کیا اٹھ کے بیٹھنا بھی نزاکت میں چاہئے

معشوق کے کہے کا برا مانتے ہو داغ
برداشت آدمی کی طبیعت میں چاہئے

رکھے جو ہوشیار وہ صحبت میں چاہیے
میرا رقیب ہی مری خدمت میں چاہیے

جلوے کا تیرے نور بصارت میں چاہیے
ایسا چراغ راہ محبت میں چاہیے

عشاق روئیں گے غم معشوق میں بہت
ماتم کدہ بھی گوشۂ جنت میں چاہیے

حاضر یہ بدنصیب ہے بدلے رقیب کے
کوئی نہ کوئی آپ کی خدمت میں چاہیے

پاس ادب سے نام نہ لوں گا کہوں گا میں
کوئی علاوہ حور کے جنت میں چاہیے

مے خوار کو ہو مژدہ کہ قاضی نے کہہ دیا
پینا شراب کا بھی ضرورت میں چاہیے

جینا ہجوم یاس میں دشوار ہو گیا
مرنا بھی ان بلاؤں سے فرصت میں چاہیے

فرقت میں کیوں عذاب کی بھرمار پہ ہے
کافر کے واسطے یہ قیامت میں چاہیے

کیوں صرصر فنا سے بجھی شمع آہ کی
یہ لو لگی ہوئی مری تربت میں چاہیے

اے دل شب فراق بھی گر سخت جاں رہا
مرنا بھی اور کون سی حالت میں چاہیے

خوں گشتہ آرزو بھی مرے ساتھ دفن ہو
تربت اک اور بھی مری تربت میں چاہیے

لوں گا نہ قصر خلد ترے دل کو دیکھ کر
کہہ دوں گا میں یہ گھر مجھے جنت میں چاہیے

جب مر گئے تو لذت آزار پھر کہاں
مرنا غم فراق سے مدت میں چاہیے

کم سن ابھی ہو عشق و ہوس کی نہیں خبر
تمیز امتحان محبت میں چاہیے

بعد فنا بھی یاد کرے اس کو حشر تک
یہ نوکری زمانہ رخصت میں چاہیے

دل آئے آپ کا تو بڑے بول آگے آئیں
کچھ تو کمی غرور میں نخوت میں چاہیے

دیوانہ میں نہیں ہوں جو دیکھوں بہار باغ
ان کو تو دیکھنا تری صورت میں چاہیے

دولت تمہارے حسن کی جب بے زکات ہے
قاروں کے یہ خزانہ دولت میں چاہیے

دامن فلک کا اور گریباں ہلال کا
دست جنوں کے واسطے وحشت میں چاہیے

جنت کی ہے ہوس مجھے دنیا میں جس قدر
دنیا کی آرزو یوں ہی جنت میں چاہیے

حاتم کا دل ہو، دولت قاروں ہو، عمر خضر
اے داغ یہ کسی کی محبت میں چاہیے

۵۹

دل دو طرح کا تیری محبت میں چاہیے
راحت میں ایک، ایک مصیبت میں چاہیے

اک اضطراب شوق طبیعت میں چاہیے
جو کچھ نہ چاہیے وہ محبت میں چاہیے

کچھ لاگ، کچھ لگاؤ طبیعت میں چاہیے
دونوں طرح کا رنگ محبت میں چاہیے

بت گر سے التجا ہے کہ دے دے بنا کے وہ
پتھر کا دل کسی کی محبت میں چاہیے

صبح شب فراق نہ ہو جائے شمع گل
کوئی شریک حال مصیبت میں چاہیے

عمر دراز خضر کو کیوں ہو گئی عطا
یہ تو مجھے کسی کی محبت میں چاہیے

کچھ تو پڑے دباؤ دل بے قرار پر
پارہ بھرا ہوا مری تربت میں چاہیے

جو دن ہیں زندگی کے وہ گزریں ہنسی خوشی
باہم سلوک مہر و محبت میں چاہیے

یہ کیا کہ دونوں صورت تصویر بن گئے۔
تھوڑی سی چھیڑ چھاڑ بھی صحبت میں چاہیے

کیوں ہو گیا بتوں کو مرے دل پہ اختیار
یا رب یہ تیرے قبضہ قدرت میں چاہیے

عاشق کے دل پہ زور تمہارا ہے کس قدر ہے
انصاف سے کہو یہ نزاکت میں چاہیے

اٹھکھیلیاں ہوں گرد سے کانٹوں سے چھیڑ چھاڑ
سامان دل لگی کا یہ وحشت میں چاہیے

انسان عیش میں نہ مصیبت کو بھول جائے
دوزخ کی تاک جھانک بھی جنت میں چاہیے

وہ ابتدائے عشق میں حاصل مجھے ہوئی
جو بات انتہائے محبت میں چاہیے

آئیں گے بے شمار فرشتے عذاب کے
میدان حشر غیر کی تربت میں، چاہیے

لینا بھی کام نکلے وہ ناراض بھی نہ ہوں
ایسے مزے کی بات شکایت میں چاہیے

تجھ پر ہی جان دیجئے اگر جان دیجئے
تجھ کو ہی چاہیے کسی حالت میں چاہیے

اے داغ دیکھتے ہیں وہ عہد نظام میں
جو انتظام طرز حکومت میں چاہیے

٦٠

عاشق متحمل نہ ہوئے قہر و غضب کے
بیٹھے رہو اب صبر سمیٹے ہوئے سب کے

آثار ہیں چہرے سے عیاں بزم طرب کے
متوالے چلے آتے ہو جاگے ہوئے شب کے

شعلے دل پر سوز سے اٹھتے ہیں غضب کے
یہ آگ نہیں وہ جو رہے خاک میں دب کے

ہوتا ہے شریک آپ یہ دکھ درد میں سب کے
کیا حوصلے ہیں یہ دل آزار طلب کے

حیرت ہے کہ یہ خاک دباتی ہے ہوا کو
اس دل کی کدورت میں رہی سانس بھی دب کے

اٹھتے ہی پہنچ جاتے ہیں یہ تا در مقصود
ہیں دست دعا میں بھی چلن پائے طلب کے

اللہ رے کیا پاس رقیبوں کا ہے تم کو
محشر میں طرف دار ہوئے جاتے ہو سب کے

ڈرتے نہیں اب آہ سے وہ دن بھی ہیں کچھ یاد
بجلی کے چمکتے ہی بغل میں مری دب کے

بے وجہ کسی پر کوئی عاشق نہیں ہوتا
ہم عالم اسباب میں قائل ہیں سبب کے

اس مصحف رخسار کی فرقت میں ہیں نالاں
ہم کو تو محرم ہے مہینے میں رجب کے

وہ زندہ کو مردہ کرے، یہ مردے کو زندہ
وہ چشم کے جادو ہیں، یہ اعجاز ہیں لب کے

دربار سلاطیں تو نہیں آپ کی محفل
عاشق بھی کہیں رہتے ہیں پابند ادب کے

جو بھید کی باتیں ہیں رقیبوں سے ملیں گی
وہ ہیں مرے مطلب کے وہی ہیں مرے ڈھب کے

وہ چاند سا چہرہ ہے تصور میں ہمارے
ہیں ہجر میں بھی ہم کو مزے وصل کی شب کے

گالوں پہ تھے کچھ نیل کے دھبے، مری شامت
پوچھا یہ نشاں کب کے ہیں کہنے لگے اب کے

کیا دل کو دبائے گا ترا کوہ غم عشق — جو مرد دلاور ہیں وہ رہتے ہیں دب کے

دیکھا غم فرقت میں تڑپنے کا تماشا — دیدے تھے نہ دیدے مرے تاروں بھری شب کے

چن چن کے مصیبت میں فلک نے انہیں ڈالا — خوگر جو ہمیشہ سے رہے عیش و طرب کے

عالم کے مرقع میں جدا سب کی ہیں شکلیں — قائل نہ ہوں کیوں جن و بشر صنعت رب کے

اللہ رے ترا بانکپن اف ری تری سج دھج — قربان تری گھات کے، صدقے تری چھب کے

داغوں سے محبت کے ہے دل صورت گلزار
ان پھولوں کی اے داغ بہار آئی ہے اب کے

۱۶۱

نقشے ہیں یہ اب دیدۂ دیدار طلب کے — رہ جاتی ہے پلکوں میں نگہ ضعف سے دب کے

کس لطف کے کس دھوم کے کس عیش و طرب کے — یاد آتے ہیں جلسے وہ ہمیں چودھویں شب کے

ہیں نقش کف پا میں وہ انداز غضب کے — آندھی بھی نکلتی ہے تری راہ سے دب کے

مانند نظر جاتے ہیں منزل پہ سبک رو — دیکھے نہ کبھی نقش قدم پائے طلب کے

یا تیسرے فاقے سے بچے حضرت زاہد — یا تیسرے دن پھول ہوئے بنت عنب کے

کافی ہے زمانے کی اسیری کو یہ زنجیر — دل زلف کے حلقوں میں گرفتار ہیں سب کے

مسجد میں تو گنتی کے مسلمان ہی دیکھے — مے خانے میں جلوے نظر آئے ہمیں سب کے

جس دن سے کیا گیسوئے مشکیں نے پریشاں — اس روز سے مضمون نہ باندھے کسی شب کے

وہ دیکھتے ہیں آئینے میں زلف سیہ کو — ہم جانتے ہیں شام بھی اندر ہے حلب کے

رندوں کا ہوں میں دوست تو زاہد کا خادم — وہ کام کا انسان ہے کام آئے جو سب کے

معشوق کا اللہ طرف دار نہ ہو گا — کیا ہوش گئے ہیں دل انصاف طلب کے

سن سن کے مرا حال وہ بولے تو یہ بولے — یہ جھگڑے ہیں کس وقت کے یہ قصے ہیں کب کے

منہ لگتے ہی اللہ رے غیروں کا تکبر
شیطان نے کیا پھونک دیا کان میں سب کے

انکار کے وہ طور کہ دل مفت میں مل جائے
انداز نرالے ہیں ترے حسن طلب کے

کیا سخت گھڑی تھی کہ مری آنکھ لڑی تھی
یہ درد' یہ آزار' یہ آلام ہیں جب کے

انسان کو دل دے تو دلیری بھی خدا دے
افسانے ہیں عالم میں شجاعان عرب کے

سوتے نہیں اس وہم سے وہ بستر گل پر
ڈالیں تن نازک پہ نشاں پھول نہ دب کے

افسانے سناؤں جو سنو کان لگا کے
کچھ عیش و طرب کے ہیں تو کچھ رنج و تعب کے

دیکھا نا کہ آخر کو خراش آئی دہن پر
آئینے میں بوسے لئے کیوں آپ نے لب کے

مجھ کو تو شب وصل میں اس وہم نے گھیرا
تجھ سے یوں ہی ارمان نکل جائیں گے سب کے

آئینے سے ہے شوق حسینوں کو نہایت
مالک کہیں ہو جائیں نہ یہ شہر حلب کے

اب عاقبت کار کی تم خیر مناؤ
بس داغ مزے لوٹ چکے عیش و طرب کے

۶۴

دل جو ناکام ہوا جاتا ہے
شوق کا کام ہوا جاتا ہے

نہ مٹاؤ کسی عاشق کا نشاں
نام بدنام ہوا جاتا ہے

لطف ایذا طلبی کیا کہئے
درد آرام ہوا جاتا ہے

دل بیمار میں چٹکی لے لو
ابھی آرام ہوا جاتا ہے

رنگ لائے گا ترا رنگ عتاب
چہرہ گلفام ہوا جاتا ہے

آج کل کثرت عشاق سے عشق
شیوۂ عام ہوا جاتا ہے

دیکھ کر مست وہ کافر آنکھیں
خون اسلام ہوا جاتا ہے

گلہ مہر و وفا مجھ سے نہ کر شکوۂ دشنام ہوا جاتا ہے
طلب وصل میں اے دل نہ تڑپ اب سرانجام ہوا جاتا ہے
کیوں کیا ذکر محبت ان سے یہ بھی پیغام ہوا جاتا ہے
داغ کے پاس جو آؤ تو ابھی
دور الزام ہوا جاتا ہے

۶۳

طرز دیوانگی نہیں جاتی ہوش کی لوں، تو لی نہیں جاتی
خلش عاشقی نہیں جاتی نہیں جاتی، کبھی نہیں جاتی
بات پوری کرو تمہاری بات بیچ میں تو لی نہیں جاتی
کیوں کئے تھے ستم جو کہتے ہو یہ دہائی سنی نہیں جاتی
دیکھ اس چشم مست کو زاہد تجھ سے اتنی بھی پی نہیں جاتی
بددعا سن رہی ہے کیوں شب غم سامنے سے چلی نہیں جاتی
اڑتی رہتی ہے گو ہماری خاک چھوڑ کر وہ گلی نہیں جاتی
وہ نہ جائیں عدو کے گھر جب بھی بدگمانی مری نہیں جاتی
گرچہ بلبل ہزار نالاں ہو گل تر کی ہنسی نہیں جاتی
جلوۂ یار سامنے ہے مگر شوق کی بے خودی نہیں جاتی
دعوئ عشق پر وہ کہتے ہیں یہ مُحلی سنی نہیں جاتی
اب وہ آتے ہیں آرزو میری مر کے کم بخت جی نہیں جاتی
وقت آخر ہوا مگر اے داغ
ہوس زندگی نہیں جاتی

الہٰی راہ سیدھی کب تری الفت کی لیتا ہے
کوئی دوزخ کی لیتا ہے، کوئی جنت کی لیتا ہے

لگاوٹ میں بھی اکڑی ان سے اک آفت کی لیتا ہے
اچک لیتا ہے جب یہ دل، نئی صورت کی لیتا ہے

ستم گر کو ہمیشہ پیار آتا ہے ستم گر پر
بلائیں بخت بد کیا کیا شب فرقت کی لیتا ہے

حنائی فندق اس کی یاد آتی ہے جو فرقت میں
ہمارے دل میں چٹکی درد کس آفت کی لیتا ہے

یہاں تک خود پرستی اور خود بینی ہے اس بت کو
مصور سے بھی تصویر اپنی ہی صورت کی لیتا ہے

کسی کی ٹھوکریں کھا کر بڑھا ہے اس قدر رتبہ
کہ جو آتا ہے وہ مٹی مری تربت کی لیتا ہے

جناب واعظ اکثر دون کی لیتے ہیں ممبر پر
مگر اب کوئی رند آکر خبر حضرت کی لیتا ہے

نہ کیوں افسوس آئے کوہ کن کی بد نصیبی پر
ہر اک مزدور اجرت کام کی محنت کی لیتا ہے

شراب ناب ہو ہر قسم کی اے پیر مے خانہ
پلا کر مجھ کو پھر یہ پوچھ کس قیمت کی لیتا ہے

سمجھتا ہوں کہ اس کو دیر ہو جاتی ہے برسوں کی
مرا قاصد جو مہلت ایک بھی ساعت کی لیتا ہے

مقابل میں پری رویوں کے کوئی داغ کو دیکھے
یہ بن جاتا ہے دیوانہ، عجب وحشت کی لیتا ہے

۶۵

غم جگہ دل میں پا ہی جاتا ہے
آدمی کو یہ کھا ہی جاتا ہے

نہ رکا بزم غیر میں آنسو
آنے والا تو آہی جاتا ہے

تلخیِ عشق کیا گوارا ہو
زندگی کا مزا ہی جاتا ہے

صاف دیکھی نہ بادہ خوار کی آنکھ
کچھ نہ کچھ رنگ آہی جاتا ہے

کبھی پورا ہوا نہ کام کوئی
میں نے جانا ہوا ہی جاتا ہے

بدگماں ہے تری طرف سے دل
کچھ نہ کچھ وہم آہی جاتا ہے

میرے سر کی قسم تجھے قاصد
جلد تر تو بھی کیا ہی جاتا ہے

دیکھتا ہوں جو خوب رو کوئی
وہ تصور میں آہی جاتا ہے

تم کو گھر کس طرح سے جانے دوں
کہ مرا مدعا ہی جاتا ہے

وصف اغیار بزم میں ان سے
کیا کریں ہم سنا ہی جاتا ہے

نامہ بر کو دیا ہے خط لیکن
دل ہمارا جدا ہی جاتا ہے

راز دل سن کے کیوں ہوئے برہم
جو ہے کہنا، کہا ہی جاتا ہے

ذکر واعظ سے میں نے یہ جانا
حشر برپا ہوا ہی جاتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ بتکدے میں ہمیں
لے کے خوف خدا ہی جاتا ہے

سرد مہری سے بھی تری ظالم
داغ دل میں جلا ہی جاتا ہے

٦٦

میرے پیام بر سے انہیں برہمی ہوئی
یا رب کسی کی بات نہ بگڑے بنی ہوئی

دل کی لگی ہوئی بھی کوئی دل لگی ہوئی
بجھتی نہیں بجھائے سے ایسی لگی ہوئی

میت پہ میری آکے دل ان کا دہل گیا
تعظیم کو جو لاش مری اٹھ کھڑی ہوئی

وقت شگاف سینہ مکدر جو تھا یہ دل
اس کی چھری بھی خاک میں نکلی بھری ہوئی

واعظ مے طہور کی خواہش ہے اس لئے
دنیا میں جو شراب ہے اپنی ہے پی ہوئی

بچ کر نہ چلئے راہ سے میری جناب خضر
یہ رہروی ہوئی کہ سلامت روی ہوئی

سلگانے سے سلگتی نہیں آگ عشق کی
ایسی کچھ آج کل ہے طبیعت بجھی ہوئی

ہاں ہاں ذرا نگہ سے نگہ دل سے دل لڑے
یا چوٹ آپ پر ہوئی یا آپ کی ہوئی

سچ ہے رفیق وہ ہے جو دے آخرت کا ساتھ
بعد فنا نہ مجھ سے جدا بے کسی ہوئی

کہتا ہوں آج اور نئی اپنی داستاں
تم کو مزا نہ دے گی کہانی سنی ہوئی

چکر میں بحر غم کے یہ حسرت بھرا ہے دل
گرداب میں پھنسی مری کشتی بھری ہوئی

صبح شب وصال نہ تھا کوئی میرے پاس
اک شمع ساری رات کی وہ بھی جلی ہوئی

خلقت کا ازدحام ہے کیوں میری قبر پر
برباد ان کی وجہ سے کیا بے کسی ہوئی

تم ذکر پر رقیب کے شرمائے جاتے ہو
یہ بات کہہ کے خود مجھے شرمندگی ہوئی

اس بدگماں کو دے کوئی جا کر مبارکی
دشمن کے ساتھ آج مری دوستی ہوئی

جاتے نہیں جنازۂ عاشق کے ساتھ ساتھ
کیا پاؤں میں ہے آپ کے مہندی لگی ہوئی

اہل عزا کو اس نے تو دیوانہ کر دیا
جو مجھ کو رو رہے تھے اب ان کی ہنسی ہوئی

کی چھیڑ چھاڑ داغ نے تم سے برا کیا
اب درگزر کرو کہ خطا جو ہوئی' ہوئی

۶۷

دل بھی جگر بھی آتش غم سے جھلس گئے
مانند ابر ان پہ نہ آنسو برس گئے

مہماں سرائے دہر میں دس آئے دس گئے
اتنا مگر ہے فرق کہ کچھ پیش و پس گئے

جس وقت میں نے توبہ کا سامان کر لیا
کچھ بادل آسماں پر آکر برس گئے

کھوٹے کھرے کی عشق میں پہچان ہو گئی
اچھے ہم امتحاں کی کسوٹی پہ کس گئے

دل تنگ تر، ہجوم غم و رنج بے شمار
اس گھر میں جتنے آئے تھے بار س وہ بس گئے

رہرو سے فرط شوق میں چھوٹا ہے قافلہ
ہم آگے آگے مثل صدائے جرس گئے

کیوں آشیاں نہ آتش گل نے جلا دیا
برباد عندلیب کے سب خار و خس گئے

میدان امتحاں میں نہ ٹھہرا ذرا کوئی
گو کر کے حوصلہ بہت اہل ہوس گئے

لکھیں جو اور کچھ یہ ہماری مجال کیا
اتنا ہی لکھ کے بھیج دیا ہے "ترس گئے"

سب آئے ان کی بزم سے ان کا پتہ نہیں
کیا جانے جا کے داغ کس آفت میں پھنس گئے

۶۸

شوخی سے قرار اس کو کہیں دل میں نہیں ہے
یہ چاند وہ ہے جو کسی منزل میں نہیں ہے

کہتے ہو کوئی میرے مقابل میں نہیں ہے
دیکھو تو ذرا غور سے اس دل میں نہیں ہے

اللہ مددگار ہے، رہبر ہے ہمارا
رہزن کا خطر عشق کی منزل میں نہیں ہے

خورشید کی مانند ہیں روشن ترے رخسار
کچھ شمع کی حاجت تری محفل میں نہیں ہے

اتنے بھی ترے جلوے سے محروم ہیں آنکھیں
چلمن کی جھلک پردۂ حائل میں نہیں ہے

بے جرم کیا قتل تو بے تاب نہ ہو گا
بسمل کی تڑپ کیا دل قاتل میں نہیں ہے

جلتے ہیں جو پروانے تو اف بھی نہیں کرتے
یہ صبر و تحمل تو عنادل میں نہیں ہے

رگ رگ مری گردن کی پھڑکتی ہے الٰہی
افسوس کہ خنجر کف قاتل میں نہیں ہے

رکھنے دے مجھے ہاتھ کہ میں سوز محبت
دیکھوں تو سہی ہے کہ ترے دل میں نہیں ہے

جل جل کے فلک کو بھی وہیں آگ محبت
یہ داغ جگر کا مہ کامل میں نہیں ، ہے

اس دام سے کاکل کے نہ نکلے گا مرا دل
جکڑا ہوا لوہے کی سلاسل میں نہیں ہے

جو جس کی ہے قسمت میں وہ ملتا ہے اسی کو
جو داغ جگر میں ہے' مرے دل میں نہیں ہے

ظالم وہ ترے خوف سے لب پر نہیں آتا
ہونے کو تو کیا کیا دل بسمل میں نہیں ہے

خاموش اٹھاتا ہے یہ طوفان کے صدمے
گویا ہو یہ قدرت لب ساحل میں نہیں ہے

بے حد ہیں الٰہی درم داغ محبت
قاروں کا خزانہ تو مرے دل میں نہیں ہے

اک رند سے صوفی نے کہا دل نہیں لگتا
رقص مے و مطرب تری محفل میں نہیں ہے

ہر رنگ میں ہے اور جدا رنگ ہی تیرا
ہر دل میں ہے تو اور کسی دل میں نہیں ہے

تمکیں اسے روکے تو کشش قیس کی کھینچے
محمل میں ہے لیلیٰ کبھی محمل میں نہیں ہے

یہ چیز عجب چیز ہے' یہ لطف عجب لطف
جینے کا مزا کیا جو مزا دل میں نہیں ہے

ایذا طلب ایسا ہوں جو (ہو) درد کسی کے
کہتا ہوں یہ افسوس مرے دل میں نہیں ہے

تو دل میں نہیں ہے تو مرے دل میں ہے کیا کچھ
تو دل میں ہے میرے تو کوئی دل میں نہیں ہے

آسان وہ کر دے گا دعا وصل کی مانگو
اے داغ یہ مشکل کسی مشکل میں نہیں ہے

۶۹

وہ سنتے ہیں جو دل سے کان رکھ کر داستاں میری
مزے لیتی ہے میرے نطق کی کیا کیا زباں میری

غنیمت ہے گرفتاری میں تھوڑی سی بھی آزادی
کہ پھر کر دیکھتی مجھ کو نہیں عمر رواں میری

نظر اپنی چرا لے مجھ کو روتا دیکھ کر ورنہ
بھرے گی تیری آنکھوں میں یہ چشم خونفشاں میری

لحاظ و پاس کیسا گفتگو جب دو بدو ٹھہری
نہ رکتی ہے زبان ان کی نہ تھمتی ہے زباں میری

یہ صدمہ ہے کہیں صدمہ نہ پہنچے دست قاتل کو
بری حالت ہوئی جاتی ہے وقت امتحاں میری

یہ قسمت ہے کہ ہو شہرت کسی کی' کوئی رسوا ہو
جہاں مذکور ہے ان کا' وہیں ہے داستاں میری

سلیقہ بات کا جب تجھ کو اے پیغام بر آئے
ترے دل میں ہو دل میرا' زباں میں ہو زباں میری

لگا کر آگ وحشت سے نہ ٹھہرا باغباں دم بھر
کہ بجلی بن گئی تھی جل کے شکل آشیاں میری

لگاوٹ کی یہ باتیں کرتی ہے کیا کیا اشارت سے
تری چشم سخن گو میں بھی ہے گویا زباں میری

ہزاروں آتے جاتے ہیں کسی سے کچھ نہیں مطلب
فقط اک چوکسی کرتا ہے ان کا پاسباں میری

رقیبوں کی وفاداری کے وہ شیوے بتاتے ہیں
ہوئی ہے دوستی بھی اب نصیب دشمناں میری

محبت کا ہو جس دم قحط گاہک دل کے آتے ہیں
گراں ہوتا ہے جب سودا تو چلتی ہے دکاں میری

در جاناں یہ فرسودہ کیا ہے جبہ سائی سے
عجب کیا ہے کرے فریاد سنگ آستاں میری

بیاں کرتا ہے جب کیفیت رفتار مستانہ
تو متوالوں کی صورت لڑکھڑاتی ہے زباں میری

پسند آئی تھی جو ان کو وہی میں بات بھولا ہوں
اب اک اک حرف کو اس کے ترستی ہے زباں میری

سناؤں کس کو جو کچھ عمر بھر آنکھوں سے دیکھا ہے
کہ طولانی بہت ہے داغ ہاں یہ داستاں میری

غیر مطبوعہ اشعار یادگار داغ

تمہارا دل مرے دل کے برابر ہو نہیں سکتا
وہ شیشہ ہو نہیں سکتا یہ پتھر ہو نہیں سکتا

کسی کو چین کیا اے بندہ پرور ہو نہیں سکتا
جو تم چاہو تو ہو سکتا ہے، کیونکر ہو نہیں سکتا

کبھی ناصح کی سن لیتا ہوں پھر برسوں تڑپتا ہوں
کبھی ہوتا ہے مجھ سے صبر اکثر ہو نہیں سکتا

نہ دے وہ داد گر میری، تو یہ ہے سخت مجبوری
کہ بندے کا تو کچھ دعویٰ خدا پر ہو نہیں سکتا

یہ ممکن ہے کہ تجھ پر ہو بھی جائے اختیار اپنا
مگر قابو ہمارا اپنے دل پر ہو نہیں سکتا

جلائے گی مجھے کیا خاک یا رب آگ دوزخ کی
کہ جس سے خشک میرا دامن تر ہو نہیں سکتا

جفائیں جھیل کر عاشق کریں معشوق کو ظالم
وگرنہ بے سبب کوئی ستم گر ہو نہیں سکتا

وہ کیا کیا کوستے ہیں بیٹھ کر اپنی نزاکت کو
بپا رفتار سے ان کی جو محشر ہو نہیں سکتا

تلون ہے طبیعت کا کہ یہ شوخی ہے طینت کی
کوئی وعدے کا دن تجھ سے مقرر ہو نہیں سکتا

جفائیں داغ پر کرتے ہیں وہ، یہ بھی سمجھتے ہیں
کہ ایسا آدمی مجھ کو میسر ہو نہیں سکتا

یہ جلسے جیتے جی کے ہیں اگر دم ہے تو سب کچھ ہے
کہ بہتر زندگی سے کوئی میلا ہو نہیں سکتا

یہ (تو) دنیا ہے قیامت تو نہیں جو طے ہو — کفر و اسلام کا آپس میں یہ جھگڑا کیسا
سعی ہے شرط مگر سعی سے ہوتا کیا ہے — جب مقدر میں نہ ہو نفع تو پیسا کیسا
دین و دنیا کا نہیں ہوش ہوا ہے غافل — داغ بے خود کا ہے یہ حال خدایا کیسا

میری آنکھوں سے جو بہتے ہیں گلابی آنسو — خون دل کا نہ سہی خون تمنا ہو گا
خیر بہتر ہے رہے حشر پہ جھگڑا موقوف — ہاتھ میرا تو گریبان تمہارا ہو گا

پروانوں کے پروں کا ہوا ڈھیر صبح تک — زیبا ہے گر کہوں انہیں شمع لگن کے پھول

ہو گیا ہے یاد مژگاں میں جنوں — تنکے چنتے پھرتے ہیں صحرا میں ہم
ہوش اڑا لے جائے گی اپنے پری — دیکھتے ہیں ساغر و مینا میں ہم

بزم دشمن کا اثر ہم میں ہی تھا — چور تھے ہاں نشہ صہبا میں ہم
دیکھنا تھا جلوہ جو کچھ ہم کو داغ — دیکھ آئے یثرب و بطحا میں ہم

آزار عشق سے بھی تو بڑھتی ہے اپنی عمر — لیتے ہیں اک زمانے کی لاکھوں دعائیں ہم

مہربانی ہے کہاں، لطف کہاں، وصل کہاں — آئے ہو دل کو ستانے تمہیں ہم جانتے ہیں
اگلے وقتوں کی یہ باتیں ہیں تمہاری ناصح — تم تو ہو گھاگ پرانے، تمہیں ہم جانتے ہیں